

بِجَوْنِ نَعَالِ

تَحْقِيقِ سِرِّ مُصَرِّحِ الْفَصِيحِ حَقِيقَتِ بَرَقِ نِزَاعِ اَعْلَى اَلْمَقَامِ

کلیله

بِزَحْنِ مَدِیْنَةِ مَحْمُودِ وَفَنَگِ

۱۹۴۱ء

اَبْنُ الْکَلْبِ اَبْنُ الْکَلْبِ اَبْنُ الْکَلْبِ

مَطْلَعُ نَارِ مَشْرِقِ اَشْرِقُ اَشْرِقُ اَشْرِقُ اَشْرِقُ

کلیات

بترتیب جدید

مع مقدمہ و فرہنگ

مولانا عبد الباقی آسی

LYTTON LIBRARY

Date.....

ALIGARH.

MUSLIM UNIVERSITY

عطیہ
دام بابو سکس پینڈہ

۱۳۵۴۳۱۹
۲۲۲
(ن ۲۲۲ کس)



فہرست مضامین کلیات میر تقی میر

صفحہ	نام مضمون	نمبر شمار	صفحہ	نام مضمون	نمبر شمار
۴۰۸	مقدمہ	۱۳	۳	مقدمہ	۱
۴۰۹	دیوان اول غزلیات بترتیب	۱۴	۱	دیوان اول غزلیات بترتیب	۲
۴۱۰	حروف تہجی	۱۵	۲۰۸	حروف تہجی	۲
۴۱۱	دیوان دوم غزلیات بترتیب	۱۶	۲۰۹	دیوان دوم غزلیات بترتیب	۳
۴۱۸	حروف تہجی	۱۷	۳۶۸	حروف تہجی	۳
۴۱۹	دیوان سوم غزلیات بترتیب	۱۸	۳۶۹	دیوان سوم غزلیات بترتیب	۴
۴۵۵	حروف تہجی	۱۹	۴۵۶	حروف تہجی	۴
۴۵۶	دیوان چہارم غزلیات بترتیب	۲۰	۴۵۷	دیوان چہارم غزلیات بترتیب	۵
۴۶۴	حروف تہجی	۲۱	۵۳۰	حروف تہجی	۵
۴۶۸	دیوان پنجم غزلیات بترتیب	۲۲	۵۳۱	دیوان پنجم غزلیات بترتیب	۶
۴۶۹	حروف تہجی	۲۳	۶۲۴	حروف تہجی	۶
۴۷۸	دیوان ششم غزلیات بترتیب	۲۴	۶۲۵	دیوان ششم غزلیات بترتیب	۷
۴۷۹	حروف تہجی	۲۵	۶۴۸	حروف تہجی	۷
۴۸۲	فردیات	۲۶	۶۴۹	فردیات	۸
۴۸۳	تقصیم	۲۷	۶۸۴	تقصیم	۹
۴۸۴	ثلث	۲۸	۶۸۵	ثلث	۱۰
۴۸۵	مخمس	۲۹	۶۸۶	مخمس	۱۱
۴۸۶	رباعیات	۳۰	۶۸۷	رباعیات	۱۲
۴۸۷			۶۸۸		
۴۸۸			۶۸۹		
۴۸۹			۶۹۰		
۴۹۰			۶۹۱		
۴۹۱			۶۹۲		
۴۹۲			۶۹۳		
۴۹۳			۶۹۴		
۴۹۴			۶۹۵		
۴۹۵			۶۹۶		
۴۹۶			۶۹۷		
۴۹۷			۶۹۸		
۴۹۸			۶۹۹		
۴۹۹			۷۰۰		
۵۰۰			۷۰۱		
۵۰۱			۷۰۲		
۵۰۲			۷۰۳		
۵۰۳			۷۰۴		
۵۰۴			۷۰۵		
۵۰۵			۷۰۶		
۵۰۶			۷۰۷		
۵۰۷			۷۰۸		
۵۰۸			۷۰۹		
۵۰۹			۷۱۰		
۵۱۰			۷۱۱		
۵۱۱			۷۱۲		

نمبر شمار	نام مضمون	صفحه	نمبر شمار	نام مضمون	صفحه
۳۱	مثنوی در سحر خانه خود که شب بیدار	۸۱۵	۴۲	مثنوی ساقی نامه	۸۸۳
	خراب شده بود	۸۱۶	۴۳	مثنویات جذبات عشق	۸۸۸
۳۲	مثنوی در خدمت برشکال که باران	۸۱۷	۴۴	مثنوی شعله عشق	۸۸۹
	در آن سال بسیار شده بود	۸۱۸	۴۵	مثنوی دریای عشق	۸۹۰
۳۳	مثنوی در سحر با اهل سنی به زبان عالم	۸۱۹	۴۶	مثنوی عشقیه	۸۹۹
۳۴	سحر عاقل نام کسی که بسکال	۸۲۲	۴۷	مثنوی معاللات عشق	۹۰۰
	انسه تمام داشت	۸۲۳	۴۸	مثنوی جوش عشق	۹۱۰
۳۵	مثنوی تنبیه الجبال	۸۲۴	۴۹	مثنوی اعجاز عشق	۹۱۱
۳۶	مثنوی از در نامه	۸۲۸	۵۰	بعض سوانحات میر	۹۱۷
۳۷	مثنوی در خدمت آئینه دار	۸۲۹	۵۱	مثنوی در شهر کا محاسب حال خود	۹۱۸
۳۸	مثنوی در سحر اکول	۸۳۰	۵۲	مثنوی در حال لشکر	۹۲۸
۳۹	مثنوی در بیان کذب	۸۳۳	۵۳	مثنوی ننگ نامه	۹۲۹
۴۰	واسوخت	۸۳۴	۵۴	مثنوی خواب خیال میر	۹۳۵
۴۱	مثنویات شکار نامه	۸۳۶	۵۵	مثنوی خدمت دنیا	۹۳۶



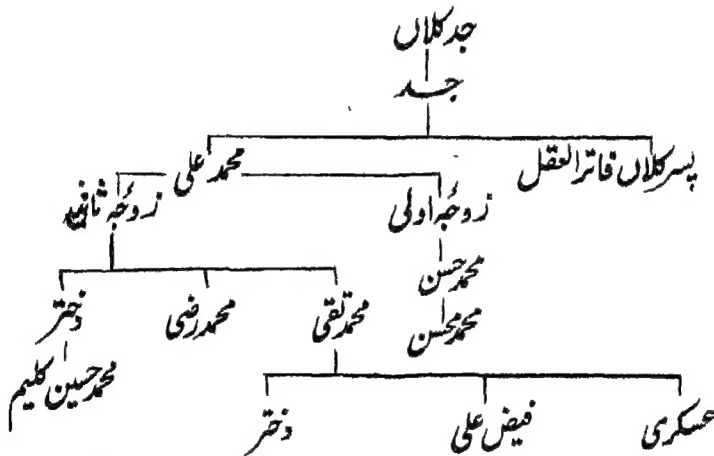
مقدمہ ۳۲۲۲۶

کلیات تیر

CHILCHIL 2002
کے

از مصوٰر دروہی عبدالباقی صاحب آسی

شجرہ خاندان تیر



میر صاحب کے پردادا امہ اپنے قبیلہ کے حجاز سے ہندوستان پہونچے اور میر صاحب کے خود نوشتہ تذکرہ ذکر میر کے مطابق پہلے دکن میں ٹھہرے اور پھر کچھ مجبوریوں کی وجہ سے احمد آباد گجرات میں کر مقیم ہوئے۔ مگر آب ودانہ کی کشش وہاں سے اکبر آباد لے آئی اور اسی سرزمین میں پیوند خاک ہوئے۔ دو ان کے دادا اکبر آباد میں فوجدار مقرر ہوئے اور پچاس برس کے سن میں وہ بھی رہنور و فاضل ہوئے۔ دو لڑکے ان سے یادگار رہے ایک کو خلل داغ تھا۔ جن کو جوانی میں نصیب ہوئی لہذا ان کا ذکر قابل حذف ہے۔ دوسرے میر صاحب کے والد جن کا نام محمد علی۔ یا عبد اللہ تھا۔ اور علی شقی ان کے پرکا بخشا ہوا لقب تھا۔

سیادت میر | اردو کے تذکرہ نویس میں میر صاحب کی سیادت کے متعلق اختلافات چلے آتے ہیں لہذا اس پر جسبش سر شاہ محمد سلیمان صاحب بالقابہ نے جو کچھ بحث و تحقیق فرمائی ہے میں اسی کو

نقل کیے دیتا ہوں۔ اہل نظر اس سے نتیجہ نکال سکیں گے۔

”ان کے نسب کے متعلق آزاد نے لکھا ہے کہ یہ شرفائے اکبر آباد سے تھے۔ اپنے کو سید کہتے تھے لیکن ان کے زمانے میں کچھ لوگ اس دعوے پر حرف زن تھے۔ تذکرہ شورش میں ہے کہ خطاۃ سیادت ان کو شاعری کی درگاہ سے عطا ہوا۔ اور انجیات میں آزاد نے لکھا ہے کہ چند کم سن سال بزرگوں سے سنا گیا کہ میر کے والد نے ان کو مشنبہ کیا تھا کہ میر تخلص کرنے سے سید بن جائیں گے۔ اسکے بعد سودا کا ایک شعر آزاد نے نقل کیا ہے جو کلیات میں نہیں پایا جاتا اور وہ میر کی شرافت کی ہجو میں ہے۔

۵۔ بیٹھے تنور طبع کو جیب گرم کر کے میر | کچھ شیر مال ساٹنے کچھ نان کچھ پیر

سودا کا ایک دوسرا شعر جو مشہور ہے اور جس میں میر ہی کے خاندان کی طرف اشارہ ہے

یہ ہے۔

۵۔ میری کے اب تو سارے مصالح ہیں | بیٹا تو گدنا بنا اور آپ کو تھمیر

بلکسی شہرت یا نبیا کے ذات پر حملہ کرنا ایک تعجب خیز بات تھی۔ زمانہ حال کے تمام مکنتہ چین آزاد کے اس شبہ کرنے پر مضحکہ کرتے ہیں اور دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ میر ہمیشہ اپنے کو سید کہتے تھے اور ذکر میر میں بھی اپنے کو میر لکھا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا لقب میر مشہور تھا۔ لکھنؤ میں ان کو سب سید یقین کرتے تھے اور خود میر نے اپنے کو برابر سید لکھا ہے۔

۵۔ پھرتے ہیں تیر غوار کو کوئی بوجھتا نہیں | اس عاشقی میں عزت ساوت بھی گئی

لیکن مطبوعہ ذکر میر میں بھی میر نے اپنے کو سواے میر تقی لکھنے کے صاف طور پر سید ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ اپنے دادا یا پردادا کا نام ظاہر نہیں کیا ہے۔ اپنے والد کو بھی سید نہیں لکھا ہے۔ اور نہ اپنے بھائیوں میں سے کسی کو میر یا سید کے لقب سے یاد کیا ہے۔ بخلاف اس کے غیروں کو مثلاً امان اللہ، مکمل خاں اور سعادت علی خاں کو سید لکھا ہے۔ البتہ مولوی مسعود حسن رضوی کے نسخے میں حقیقت حال مصنف کے زیر عنوان اپنے متعلق یہ لکھا ہے کہ ”میر کے فقیر و شاعر و متوکل و ناستر بطریق نذر چنیزے می فرستد۔ مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ میر صاحب نے ذکر میر میں ہر مقام پر اپنے والد کے نام کے ساتھ میر کا لفظ لکھا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ میر صاحب اپنے والد کو ہر جگہ میر علی متقی لکھتے ہیں اسی سے مولوی محمد عسکری نے بھی نقل کیا ہے لیکن ایسا لکھنا نہایت تعجب خیز ہے

۵۔ مقدمہ ذکر میر ۱۲

کیونکہ ذکر میر میں برابر اپنے والد کو علی متقی - یادریش یا عزیز مردہ کہ مکر حوالہ دیا گیا ہے کسی جگہ میر علی متقی مجھے نہیں ملا۔ صرف ایک جگہ میر محمد علی درج ہے۔ حقیقت میں علی متقی جب ان لقب تھا تو اسکے پہلے میر لکھنا ہرگز موزوں نہ ہوتا۔ نہ کوئی درویش صفت نہ رنگ خود اپنے کو ایسا کہلانا پسند کرتا۔ البتہ فضائیں کے عنوان جو چھپے ہیں ان میں میر علی متقی لکھا ہے۔ مگر مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمہ میں خود تسلیم کیا ہے کہ یہ عنوان اصل میں موجود نہیں ہے اور وہ خود ان کے اضافہ کیے ہوئے ہیں مولوی مسعود حسن رضوی کے نسخہ میں بھی اس قسم کے عنوان موجود نہیں ہیں۔ اور نہ مولوی محمد شفیع کے نسخہ میں ہیں۔

دوسرا دعویٰ دونوں صاحبوں نے یہ کیا ہے کہ اس کتاب میں میر نے اپنے والد کی زبانی اپنا نام میر محمد متقی لکھا ہے۔ اہل تو ان کے والد کی زبانی اس طرح پر خطاب کیا جانا مجھے نہیں ملا۔ دوم یہ کہ اگر ہو بھی تو تعجب خیرات ہوگی کہ ایک صوفی منش درویش اپنے دس سال کے بیٹے کو میر محمد متقی کہہ کر پکارے۔ یہ صحیح ہے کہ میر نے اپنے کو اور دوسروں کی زبانی بھی میر محمد متقی لکھا ہے۔ مگر واضح رہے کہ یہ کتاب انھوں نے ساٹھ سال کی عمر میں لکھی تھی جب وہ خود میر مشہور تھے۔ نہ تو وہ اقوال جو انھوں نے اپنے والد یا سید امان اللہ کے نقل کیے ہیں لفظ بلفظ اصلی ہو سکتے ہیں۔ نہ اس کی اُمید کی جاسکتی ہے کہ دس سال کی عمر میں جو کچھ انھوں نے کانوں سے سنا اُسے بحسبہ بعد کو قلمبند کیا۔ جب تخلص میر تھا تو میر صاحب مشہور ہو جانا مشکل نہ تھا۔ اور اگر حقیقت میں وہ سید نہ تھے اور سید بن بیٹھے تو ذکر میر میں اپنے کو میر لکھنا بھی کوئی غیر قابل قیاس بات نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر ذکر میر میں جیسا لکھا ہے صحیح ہے کہ میر دس سال کے تھے جب ان کے والد نے انتقال کیا تو یہ قصہ کہ ان کے والد نے ان کو متنبہ کیا تھا کہ میر تخلص کرنے سے سید بن جائیگی ناقابل یقین ہوگا تحقیق صرف یہاں تک ہے کہ میر اپنے کو سید ضرور کہتے تھے اور سید مشہور تھے اسی کے ساتھ کچھ لوگوں نے ہجو میں ان کی سیادت پر شبہ کیا۔ اب اتنے زمانے کے بعد کہ حقیقت میر سید تھے یا جیسا اکثر لوگوں نے اس زمانے میں کہا سید بن بیٹھے تھے مشکل ہے۔

مندرجہ بالا خیالات اور فیصلوں سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مضمون نگار کو مولانا آزاد کے خیال یا ان کی بیان کی ہوئی روایت سے کہ میر صاحب سید نہ تھے ایک حد تک اتفاق ہے۔ پھر بھی مولانا آزاد ہی کا یہ جملہ کہ سیادت میں شبہ نہ کرنا چاہیے۔ اگر وہ سید نہ ہوتے تو خود کیوں کہتے۔ ان کے پہلے خیالات کی تردید کے لیے بہت کافی ہے۔ اس پر میر صاحب کا

بار بار اپنے آپ کو حیدر بنانا۔

سید نہ ہو دے پھر تو کوئی چار ہو دے بندہ ہو رُخسار سے میں اُسی سیدِ امام کا سر رکھیے اُنکے پاؤں پہ جائے ادب، یہ	اے غیر میر تجھ کو گر جوتیاں نہ مار سکے کب افتد اہو مجھ سے کسی کی سوائے میر سید ہیں میر صاحبِ درویشِ درد مند
ذلیل کیسے ہیں اُن کی ہے گو کہ ذاتِ بڑی آگے بھی میر سید کرتے گئے ہیں سا کا یاں پھر اگر آؤں گا سید نہ کہاؤں گا	ذلیل ذات نہیں عشق میں کہ میر کو دیکھ غیرت سے تنگ آئے غیروں سے لڑیں گے دریہ سے ترے آب کے جاؤں گا تو جاؤں گا
ذاتِ محققین اُن کی یہی ذات ہو تو ہو اسن عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی	منکر نہیں ہے کوئی سیادت کا میر کی پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
سید خستہ خاک افتادہ گوینا سید کے ہے کیا چار	دستِ ملا عشق جانتے تھے کہ ہے یہ ولدِ ادہ (درِ سچا اہل) رکھتی ہے میری شرافتِ اشتہار
ہے غلامی تمھاری اپنا کام	فخارِ سلطنت کی زبانی ہم بنی فاطمہ ہو ہم ہیں غلام

اتنی شہادتوں کے علاوہ یہ شہادت بھی ہے کہ جب خواجہ محمد باسط نے ان کو نائبِ امیرِ لاہور
موصافِ الدولہ کے سامنے بغرضِ ملازمت پیش کیا تو انھوں نے سوال کیا کہ ”اس پسرِ اڑکسیت“
اس پر انھوں نے جواب دیا کہ ”از میر محمد علی است“ مگر ان سب باتوں کے باوجود ہائے
پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے اگر کہنے والا کھندے کہ میر صاحبِ سیادت کے مدعی تھے
اور یہ سب باتیں میر صاحب ہی کی بیان کی ہوئی ہیں ان پر اعتماد کیا ہو سکتا ہے۔

مگر ہاں اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ میر صاحب والدِ بزرگوار
اُس وقت کے ایسے باکمال بزرگوں میں تھے کہ اُن کے لئے اور اُن کی دستِ بوسی کرنے
کے بڑے بڑے لوگ آرزو مند رہتے تھے۔ اُن کے کمالِ روحانی کے متعلق میر صاحب
نے اپنے تذکرہ ذکرِ میر میں کئی جگہ بیان کی ہیں۔ جن کا یہاں ذکر کرنا تطویل کا باعث
ہو گا۔ مگر یہ بتادینا ضروری ہے کہ وہ شاہِ کلیم اللہ اکبر آبادی کے مرید تھے۔ اور بیرون
شہر متصل عید گاہ سکونت گزین تھے۔

ولادتِ میر اس وقت تک میر صاحب کی سوانحِ مری کے متعلق جتنے مضمون نکلے ہیں اُن
میں تاریخِ مروج کے اس مصرعِ تاریخ سے ۷۰ واولاً مردِ شہ شاعرانِ تاریخ وفات ۱۲۲۵ھ

مطابق مسئلہ عمر قرار پائی ہے اور یہ صحیح بھی ہے۔ مگر اُن کے سنہ ولادت میں بڑے اختلافات ہیں اور ان میں بہت سے قیاسات سے کام لیا گیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی عمر اور اُن کی مدت حیات واقعی طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ مولانا آزاد مرحوم نے نواب سرس جس کے روئے ۱۱۲۵ھ میں اور تذکرہ جہاں میں اسی برس عمر بتائی ہے جس کے روئے ۱۱۲۵ھ میں ولادت قرار پاتی ہے۔ اسی طرح مصحفی نے اپنا تذکرہ جو سنہ ۱۱۲۹ھ میں لکھا ہے اُن کی عمر اسی سے متجاوز بتائی ہے۔ اگر بارہ سو تو سے اسی تکال دیں تو سنہ ۱۱۲۹ھ سنہ ولادت مانا جاسکتا ہو۔ مگر ان سب پر جب ناقدانہ نگاہیں پڑیں تو قیاس صحت اور اصلیت سے زیادہ قریب ہو گیا ہو۔ چنانچہ مولوی عبدالحق نے روایت و درایت کو ملاتے ہوئے سنہ ۱۱۳۵ھ سنہ ولادت قرار دیا ہے۔ مگر اس پر بھی تنقید کی گئی اور سرشاہ سلیمان صاحب نے سنہ ۱۱۳۶ھ کو صحیح مانا ہے۔ مگر اب کہ واقعات صحیح طور پر معلوم ہو گئے ہیں ان قیاس آرائیوں کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

عالی جناب راجہ صاحب محمود آباد دام اقبالہ کی لائبریری میں میر صاحب کے ایک دیوان چہارم کا قلمی نسخہ موجود ہے جسکی خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) یہ دیوان خود میر صاحب مغفور و مرحوم نے اپنے شاگرد محمد محسن الخطاب بزرگ الدین احمد کو اپنے ہاتھ سے عنایت فرمایا۔

(۲) یہ دیوان میر حسن علی تجلی دادا میر مغفور کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ جو غالباً میر صاحب کے ایام سے لکھا گیا۔ اور جسے میر صاحب نے دیکھا کیونکہ وہ اُن کے پاس نہ ہوتا تو وہ محمد محسن کو کیونکر دیتے۔

(۳) اس دیوان پر میر صاحب کے کچھ سوانح حیات ہیں جن سے بہت سی ایسی باتوں پر روشنی پڑتی ہے جو اب تک تذکرہ نویسوں کی لفظ سے مخفی تھیں۔

(۴) اس پر بعض شاہانِ اودھ کی مہریں ہیں جن سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ شاہی کتب خانوں کی زینت رہ چکا ہے۔

(۵) اس دیوان میں کچھ غزلیں زیادہ ہیں۔ اور ایک شنوی بھی ہے جو اب تک کسی دوسرے دیوان میں نظر نہیں آئی۔

اس دیوان کے ٹائٹل کے صفحہ پر جو سادہ ہے محمد محسن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ

عبارت موجود ہے۔

”بروز جمعہ بستم شعبان المکرم وقت شام ۱۲۲۵ھ کینزار و دوصد و بست و پنج ہجری بود کہ میر محمد تقی صاحب میر تخلص صاحب این دیوان چہارم در شہر لکھنؤ در محلہ شہٹی بعد طے نہ عشرہ عمر بخوار رحمت ایزدی پیوستند۔ و بروز شنبہ بست و یکم ماہ مذکور سدہ الیہ وقت دوپہر در اکھارہ بھیم کہ قبرستان مشہور است نزد قبور اقربائے خویش مدفون شدند و ہزار دیوان خود را کہ این دیوان چہارم ہم از انجملہ است بہ محسّر سطور محمد حسن الخاطب بہ زین الدین احمد تجاوز اللہ عن سیتانہ در حین حیات خویش کمال غمت بحل کردہ بخشیدند۔ خدائش بیامرزاد۔“

تاریخ وفات نثر میں لکھکر دو قطعہ تاریخ نظم بھی درج کر دیے ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

قطعہ تاریخ نمبر ۱

محمد تقی مستر شاعر کہ بود باقلیم معنی زار باب شعر زمرگش چوبے نوشند شہ سال	مسلم وراثت و تاج سخن ستائندہ او بود باج سخن نوشتم برودہ سراج سخن ۱۲۲۵ھ
---	---

(۲) تختہ

میر تقی استاد فن شعر گشت چو اشعارش ہمہ بے ہر	مرد و زونیا سوئے عدم شد میر تقی استاد رقم شد ۱۲۲۶ھ
---	--

بارہ سو چھبیس میں پہلے مصرع کے اشارے گشت چو اشعارش ہمہ بے ہر کے مطابق اشارہ کا الف نکالنے سے ۱۲۲۵ھ رہ جاتے ہیں۔ اس نسخہ کے ایک صفحہ پر نوادرا لکھلا کی عبارت بھی درج ہے جو آگے چلکر حسب ضرورت نقل کی جائے گی مگر فی الحال سنہ ولادت کے تعین کے جھگڑنے کو صاف کر دینا ہے کہ اس عبارت کے دیکھنے کے بعد ہم کو کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ میر صاحب نے ۹۰ برس کی عمر پائی اور ۱۲۲۵ھ میں سے جب فوتے منہا کر دیجئے تو سنہ ۱۲۳۵ھ باقی رہے اور یہی سنہ ولادت ہے۔ اور اسی کی ایک دوسری عبارت

سے بھی تائید ہوتی ہے جو اس کتاب کے ایک دوسرے صفحہ پر نوادر الکلام سے نقل کی گئی ہے کہ
 درواخر یک ہزار و یک صد و سی و پنج ہجری ولادت واقع شدہ
 تربیت میر | میر صاحب نے اپنی تعلیم و تربیت کے متعلق کوئی تفصیلی اور واضح بیان نہیں دیا۔
 مگر کچھ واقعات ہیں جن سے پتہ چل جاتا ہے۔ ان کو ذرا پھیلا کر لکھنے کی ضرورت ہے۔
 ہم اپنے مضمون میں بیان کر چکے ہیں کہ میر صاحب کے والد ایک باکمال صوفی تھے جسے
 اکثر خرق عادات کی سی باتیں بھی سرزد ہوتی تھیں۔ چنانچہ ان واقعوں میں سے ایک واقعہ
 یہ بھی ہے۔

ایک مرتبہ میر صاحب کے والد گھر میں مضطرب و سراسیمہ سے آئے۔ بڑھیا اما سے کہا
 کہ کچھ کھانے کی چیز گھر میں ہو تو لاؤ۔ وہ بولی کہ گھر میں تو کوئی سامان نہیں ہے۔ بازار جاتی ہوں
 وہاں سے سودا سلف لاؤں تو کچھ بچاؤں۔ بڑھیا کچھ اٹھا وال وغیرہ لے کر لپٹی تو انھوں نے
 کھانے کے تیار کرنے کے لیے جلدی چائی۔ بڑھیا بگڑ کر بولی کہ صاحب فقیر ہو تو فقیری
 انداز سیکھو صبر کرو۔ درویشی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ بڑھیا کا کہنا تیر کا کام کر گیا اس
 سے تو کچھ نہ کہا۔ لیکن اُسے آنسوؤں سے بھینکا ہوا رومال اٹھایا۔ اور چلنے لگے۔ ماما بچاری
 ڈر گئی۔ دوڑ کے ان سے لپٹ گئی۔ اور پوچھا کہاں چلے۔ بیٹھو۔ انھوں نے جواب دیا۔ کچھ سچ
 نہیں۔ تم میرے لیے کھانا پکاؤ میں ذرا لاہور میں ایک درویش سے مل آؤں ابھی واپس آتا ہوں
 بڑھیا نے جتیرا سمجھایا بچھایا مگر وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا اب کیا ہو سکتا تھا۔ مجبور چپ مور سی
 اور یہ چل کھڑے ہوئے۔ نہ پاس ساز و سامان۔ نہ زاوراہ۔ نہ روپیہ نہ پیسہ۔ مگر توکل باللہ خیر کار
 لاہور پہونچ ہی گئے۔ جس درویش کی ملاقات کا شوق کھینچ کر لے گیا تھا۔ اس سے دریا راوی
 کے کنارے پر ملاقات ہوئی۔ اور اس سے کچھ صحبت برقرار نہ ہوئی تو یہ لپٹ کر دلی آئے۔
 یہاں آکر میر قمر الدین منت خلف میر عبدالرشید عزت کے یہاں فرکش ہوئے۔ یہ زائرین
 اور معتقدین کے ہجوم کو برداشت نہ کر سکے راتوں رات دلی سے چل کھڑے ہوئے۔ اور دو
 تین روز کے سفر کے بعد بیانہ پہونچے۔ یہاں ایک نوجوان سید زاوے پران کی جاذبانہ نگاہ
 نے ایسا اثر ڈالا کہ وہ آسیب زدوں کی طرح بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے یہ حالت
 دیکھی تو ان کی منت ساجت کی کہ اس پر ہربانی فرمائیے۔ انھیں بھی کچھ رحم آگیا۔ تھوڑا سا
 پانی لیا۔ اس پر کھڑکھڑم کیا۔ اس میں سے کچھ منہ پر چھڑکا کچھ پلایا۔ جوان کو ہوش آیا تو مودبانہ سامنے

می پرورد۔ چنانچہ روز و شب با او میاں دم و قرآن شریف بخدمت او میخواندم“
 میر صاحب ان بزرگ کے سایہ عاطفت میں تقریباً تین سال تک رہے۔ جب ان کی عمر
 دس برس کی ہوئی تو سید امان اللہ کو حکم قضا و قدر نے ان سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا۔ اسی لیے
 قیاس چاہتا ہے کہ جب یہ سات برس کی عمر میں قرآن شریف پڑھتے تھے تو دس برس کی عمر میں
 قرآن شریف کے علاوہ رسمی درسیات کی کتابیں بھی پڑھی ہوگی اور کچھ نہ کچھ سیکھ گئے ہونگے۔ اسکے
 علاوہ چونکہ اپنے عم بزرگوار سید امان اللہ کے ساتھ اکثر کالین کی صحبت میں جاتے تھے اور انکی
 باتیں سنتے اور یاد رکھتے تھے تو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ ان کو کچھ ادراک شعور بھی حاصل ہو گیا ہوگا۔
 پھر سید امان اللہ کی وفات کے بعد انھیں کچھ نہ کچھ وقت ایسا بھی ملا جس میں اپنے والد بزرگوار کا
 فیض تربیت حاصل کیا۔ جیسا کہ ان کی خود نوشتہ سوانح عمری ذکر میر کی ان نصیحتوں سے معلوم ہوتا ہے
 جو ان کے والد نے یقین صبر کے لیے کیں۔ بلکہ انھیں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ میر علی متقی
 ان کو اس وقت ذمی شعور سمجھتے تھے۔ چنانچہ میر صاحب کا بیان ہے کہ میں سید امان اللہ کی
 بیوقت موت سے بہت رنجیدہ رہتا تھا تو میرے والد جھکو یہ کہہ کر سمجھاتے تھے۔
 ”کہ اے پسر من ترا بسیار میخوام۔ اما زین غم می کاہم کہ من نیز بر سر راہم۔ گاہ گفتم
 کہ ماہ من نہ طفل ہالہ۔ الحمد للہ کہ وہ سالہ۔ چہ بہ کاشش افتادہ آخر درویش زادہ۔
 دل قوی دار۔ خود را بخدا سپار۔“

مگر ان سب باتوں کے باوجود بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی تعلیم نامکمل تھی۔ اور وہ ابھی
 درسیات رسمی تمام نہ کر چکے تھے کہ ان کے والد کے انتقال کے سبب سے ان کی جان پقیامت
 گزر گئی۔ انھوں نے ذکر میر میں اس واقعہ فاجہ کو یوں بیان کیا ہے۔
وفات میر علی متقی | ایک روز میر علی متقی کو اپنے ہم شیر زادہ محمد باعث کی عیادت کے لیے
 بیرون شہر بنیاد سے شہر کے محلہ عالم گنج تک پیادہ پا دھوپ میں جانا پڑا۔ دن بھر وہاں رہے
 اور شام کو وہاں سے پلٹ کر اپنی مسجد میں نماز پڑھی۔ فراغت نماز کے بعد ستر استراحت پر دراز ہو گئے۔
 اتنے میں میر صاحب پہونچے تو فرمایا کہ آج معلوم ہوتا ہے کہ دھوپ کی شدت اور گرمی نے نقصان
 پہونچا یا ہے۔ سر میں درد بھی ہے اور پیٹ میں مبتلا ہے کہ بخار ہو جائے گا۔ اس وجہ سے شب کو
 بغیر کچھ کھائے پئے سو گئے۔ صبح کو بہت تیز بخار ہو گیا۔ انکے قدیم معالج ابو الفتح نے علاج کیا
 مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بخار ٹھہر گیا۔ اور روزانہ شام کو تیز ہونے لگا۔ ایک مہینہ کے بعد معالج

اس میچے پر پہنچے کہ بخار پڑیوں میں اثر کر گیا۔ جب مرض نے بہت زیادہ ترقی کی تو غذا بھی چھوٹ گئی۔ اور آخر کار مریض اور بیمار واروں کو اُمید شفا باقی نہ رہی۔ ایک روز میر صاحب اور ان کے بڑے بھائی محمد حسن کو بلایا اور فرمایا کہ میں ایک فقیر ہوں۔ میرے پاس روپیہ نہ پیسہ نہ سامان نہ جائداد۔ البتہ تین سو جلدیں کتابوں کی ہیں۔ لاؤ انھیں کو دونوں بھائیوں میں تقسیم کر دوں۔ محمد حسن نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں طالب علم ہوں اور کتابیں صرف میرے ہی کام آسکتی ہیں۔ محمد تقی سوائے اسکے کہ ضایع کر دے اور کیا کر گیا۔ انھوں نے مطلب سمجھ لیا۔ اور کہا خیر تم سمجھ گئے۔ یاد رکھو کہ اللہ غفور ہے اور غیور کی دوست رکھتا ہے محمد تقی تمھارا دست نگر کبھی نہ ہوگا۔ زیادہ ساؤ گے تو اُسکی سزا پاؤ گے۔ وہ تمھیں کیفر کر دے گا کہ ہنسیاں گے اور سمجھ لو کہ اُسکے سامنے تمھارا چراغ ہرگز ہرگز جل نہیں سکتا ہے۔ اسکے بعد میر صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ میں بازار کے بیویوں کا تین سو روپیہ کا مقروض ہوں۔ جب تک وہ ادا نہ کر دے میری تہنید و تکفین نہ کرنا۔ میر صاحب نے کہا کہ ٹھکر کا اثاثہ تو صرف یہی کتابیں تھیں جو بھائی جان کی ملک میں آگئیں۔ اب ادائے قرض کی مجھ سے کیا سبیل ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ گھبراؤ مت۔ خدا کار ساز ہے۔ ہنڈی راستہ میں ہے۔ روپیہ آتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ میرے سامنے ہی آجائے۔ مگر موت قریب تر ہے اور فرصت کم لہذا خدا حافظ۔

شفیق باپ کے انتقال کے بعد میر صاحب پر جو قیامت گزری اسکا اظہار دوسرے لوگوں کے لیے بھی سامانِ سوہانِ روح سے کم نہیں۔ ایک لاوارث مفلس غریب بچہ اور اُسپر قرض خواہوں کا تقاضہ۔ تنہائی۔ اسپر بھائی کی بے اعتنائی۔ غرض مصائب گوناگوں کا ایک سمندر تھا جو موجیں مار رہا تھا۔ مگر یہ اسکی مہمت تھی کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔ امدادی کا منتظر رہا۔ اور آخر کار یہ سب ابتدائی مشکلات خدا نے حل کر دیں۔

سید امان اللہ کے انتقال کے وقت میر صاحب دس برس کے تھے۔ تو والد کے انتقال کے وقت دس مہینے زیادہ سے زیادہ اور گزر چکے ہوں گے۔ کیونکہ سید امان اللہ عید کے مہینے میں راہی عدم ہوئے اور والدِ رجب کے مہینے میں غلام باقی کو سدھارے۔ مگر میاں ایک ایسی گتھی پڑ جاتی ہے جو سلجھائے نہیں سلجھتی۔ میر صاحب سے میر صاحب کے والد مرحوم کی باتیں اور وصیتیں اور قرضداروں کا مطالبہ۔ میر صاحب کا رسوم موتے کو ادا کرنا۔ اور تمام معاملات کو طے کرنا۔ اسکے بعد اپنے بھائی کو خانہ داری کے

امور کا متکفل کر کے خود تلاش معاش میں پھرنا اپنی خودداری اور غیرت کو کام میں لانا اور کسی سے کوئی
انداز نہ چاہنا۔ اور مزید برآں یہ کہ اپنے عسم مرحوم یعنی سید امان اللہ کے ساتھ اکثر درویشوں اور
خدا رسیدوں کی صحبت میں جا کر فیض صحبت اٹھانا۔ یہ سب باتیں ایسی نہیں ہیں جو ایک دس
بارہ برس کے بچے کے لیے موزوں ہوں۔ سر شاہ سلیمان صاحب کا خیال ہے کہ میر صاحب
اپنی اس وقت کی عمر کا اندازہ صحیح نہیں کیا۔ میں بھی اسی کی تائید کرتا ہوں۔ ورنہ پھر ایک اور
بھی قباح ت پیدا ہوتی ہے کہ میر صاحب ذکر میر میں تحریر فرماتے ہیں۔

”خدا کے کہیم مرا شرمندہ احسان کسے نہ کرو۔ دوست نگریہ برادر کہ سر بہ سر من
داشت نساخت۔ نقل ماتم درویش قسمت ساختم۔ کار را بہ لطف خداوندانہ ختم۔
دم خود را بہ برادر خورد سپردہ بہ تلاش روزگار در اطراف شہر استخوان کستم۔ لیکن طرے
نہ بستم۔ یعنی چارہ کار در وطن نیا فتم۔ ناچار بغربت شتافتم۔ رنج راہ بہ خود پہلو کر کم
شد اگر سفر اختیار کردم۔ بہ شاہجہاں آباد دہلی رسیدم۔ بسیار گردیدم شفیق نہ دیدم۔“

اس عبارت سے صریحی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ یہ رسوم و نیوی موتے کے ادا کرنے
کے بعد ہی فوراً اکبر آباد سے چل کھڑے ہوئے۔ یا زیادہ سے زیادہ کچھ دنوں اپنے وطن
مالوت میں سرگرم تلاش معاش رہے۔ اس کے بعد دہلی پہنچے۔ حالانکہ درایت و
قیاس کبھی اس امر محال کے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے کہ ایک دس گیارہ برس کا
بچہ اکبر آباد سے دہلی تک کا اس زمانہ میں سفر کرے کہ قافلے لٹتے تھے۔ راستے محفوظ
و مصون نہ تھے۔ قدم قدم پر خون بہائے جاتے تھے۔ پھر یہ سب کچھ بھی ہو تو اس وقت
ان کے اعزاء اقرب نے کیونکر ان کو اس دور دراز مسافت بطے کرنے کی اجازت دی۔
میرے اس بیان کی تائید اس تحریر سے بھی ہوتی ہے جو اس نسخہ کے ایک صفحہ
پر لکھی ہے جس کا میں ابھی حوالہ دیکھا ہوں اور جو کسی کتاب نوادر الکلام سے نقل کی گئی
ہے۔ ”بعد واقعہ ہانکہ پدر بزرگوار بہ عمر سفیدہ ساگی در دہلی رفت۔“ سر نہ سہی تو یہ
اپنے والد کے انتقال کے وقت تیرہ چودہ برس کے ضرور تھے۔ کیونکہ جب ان کا
انتقال ہو گیا اور یہ ضروری رسوم سے فراغت حاصل کر چکے تو انھوں نے گھر کا کاروبار
اپنے چھوٹے بھائی کو سونپا اور خود اکبر آباد یا نواح اکبر آباد میں دوڑھائی یا تین برس تک
تلاش معاش میں پھرتے رہے۔ جب یہاں کوئی صورت نہ نکلی تو دلی کا رخ کیا۔ پھر اگر روتا

نوادر الکمل کو صحیح مانئے تو سترہ برس کی عمر بھی ممکن ہے۔

دہلی کا پہلا سفر | میر صاحب ذکر میر میں کہتے ہیں کہ ”بہ شاہجہاں آباد دہلی رسیدم لیساکر دیدم و شفقتی نہ دیدم“ اس عبارت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پہلی مرتبہ دہلی جا کر یہ کہاں مقیم ہوئے۔ اتنا البتہ ہو کہ خواجہ محمد باسط نے جو امیر الامرا صمصام الدولہ کے بھتیجے تھے ان سے ان سے کسی طرح ملاقات ہوئی اور انھوں نے مہربانی کر کے انھیں امیر الامرا کے حضور میں پیش کیا اور امیر الامرا نے خواجہ باسط سے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے انھوں نے جواب دیا کہ میر محمد علی کے صاحبزادے ہیں۔ امیر الامرا سمجھ گئے کہ میر محمد علی مرحوم ہو چکے ہیں۔ فوراً حکم دیا کہ ان کے مرحوم باپ کے بہت سے حقوق میرے ذمہ ہیں۔ ایک روپیہ روزانہ ان کو میری سرکار سے دیا جایا کرے۔ میر صاحب نے عرض کیا کہ جب بندگان حضور نے اتنا کرم فرمایا ہے تو اتنی اور عنایت فرمائی جائے کہ میری اس عرضداشت پر دستخط فرما دیے جائیں۔ یہ کہہ کر جیب سے درخواست نکالی اور پیش کر دی۔ عیش پسند امرا کوتاہ قلم کا ہل زبان ہو اہی کرتے ہیں۔ انھوں نے ماننے کے لئے جواب دیا کہ ”وقت قلمدان نیست“ میر صاحب کو یہ سن کر سنہنسی آگئی۔ نواب نے متعجب ہو کر دیکھا اور پوچھا۔ کیوں بھئی کیا ہے۔ سنہنے کیوں۔ انھوں نے بے باکانہ کہہ دیا کہ میں حضور کے اس فقرہ کا مطلب نہیں سمجھا کہ وقت قلمدان نیست۔ اگر آپ یہ فرماتے کہ دستخط کا وقت نہیں یا قلمدان بردار نہیں تو خیر ایک بات بھی تھی۔ گریہ تو عجیب انشاء ہے۔ قلمدان کوئی جاندار تو ہے نہیں وہ تو لکڑی ہے وقت اور غیر وقت کی پابندی اس پر عائد نہیں ہوتی جس نوکر سے فرما دیجیے وہ لا کر حاضر خدمت کر دے۔ بات محقول تھی سن کے نواب کو بھی سنہنسی آگئی اور اسی وقت دستخط کر کے عرضی حوالے کر دی یہیں سے اس نکتہ کو سمجھ لینا چاہیے کہ نہ خواجہ محمد باسط ایک بچے کی نواب کے سامنے پیش کرنے کی درخواست کرتے۔ نہ میر دس گیارہ برس کے ہو کر ان کے اس فقرے پر اعتراض کر سکتے تھے۔ لامحالہ ان کی عمر سترہ برس کی تھی۔ لیکن غالباً سترہواں برس شروع ہوا تھا۔ جس کا سبب آگے چل کر معلوم ہوگا مگر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ میر صاحب کی لیاقت علمی اتنی غرور تھی کہ وہ فارسی کے فصیح و غیر فصیح صحیح و غیر صحیح جملوں کا اندازہ کر سکتے تھے۔ محاش کی طرف سے میر صاحب کو گو نہ اطمینان ہو گیا چنانچہ لکھتے ہیں۔ ”آں روزیہ می یاہتم۔ نان و نمک می خوردم و بوسری بردم“ مگر حیران نصیبی کسی حالت میں

پیچھا نہیں چھوڑتی۔ سچ ہر زمیں کہ رسیدیم آسمان پیدا است، یہ اطمینان مستقل نہ رہ سکا۔ کوئی ایک ہی برس بعد اٹھ لاکھ میں امیر الامرا مصمصام الدولہ مادر شاہ کے ہنگامہ و آشوب میں مار گئیے اور یہ پھر بیکار اور پریشان روزگار ہو گئے۔

سر شاہ سلیمان صاحب نے دیباچہ ثنویات میر میں تحریر فرمایا ہے کہ میر صاحب دہلی چلے گئے اور سراج الدین علی خاں آرزو کے ساتھ رہنے لگے۔ میر صاحب کے بیان سے اسکا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ پہلی مرتبہ خدا جانے وہاں رہے یا اور کہیں۔ مگر وہ کسی کے مہمان نہ تھے بلکہ ان کا روزیہ جو مقرر ہو گیا تھا اُسی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ جیسا کہ عبارت منقولہ بالا سے ظاہر ہے۔

اس انقلاب کے بعد وہ دہلی سے پھر کبر آباد چلے آئے۔ اور غالباً یہاں کچھ قیام بھی کیا۔ مگر اس وقت ان کے ساتھ کوئی عزیز و قرب و دست و حبيب محبت کے ساتھ نہیں آیا۔ خود کہتے ہیں کہ ”کسانیکہ پیش درویش خاکپائے مرا کھل بصری ساختند کیا را نظر م انداختند“ غرض کہ وطن میں اطمینان نصیب نہ ہوا۔ اور پھر دہلی کی طرف چلے اور اس مرتبہ اپنے سوتیلے بھائی محمد حسن کے خالو سراج الدین علی خاں آرزو کے ساتھ رہنے لگے۔

میر صاحب کا دہلی میں | میر صاحب کے والد کے انتقال کو اب عرصہ گزر چکا تھا۔ اور خیال دوسری مرتبہ قیام ہے کہ بھائیوں عزیزوں قریبوں کی وہ کاوشیں بھی باقی نہ رہی ہوئیں جو اس تازہ تازہ واقعہ کے بعد خانگی نزاع۔ ترکے وغیرہ کے جھگڑوں کی وجہ سے ہو کر رہی ہے۔ پھر آخر کیا ہو کہ ایک دم اغراض و اقربا توجداً ان لوگوں نے بھی ان سے آنکھیں پھیر لیں جو ان کے والد مرحوم کے جاں نثار تھے۔ اور جو کچھ بھی نہیں تو ان کو بڑے باپ کا بیٹا تو ضرور جانتے تھے۔ اگرچہ ان کو ان کی امداد کرنا چاہیے تھی۔ مگر امداد نہ کرتے تو کم از کم ان کے دشمن تو نہ ہو جاتے۔ اسکے علاوہ یہ بات بھی آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں کہ ان کے بھائی اگرچہ سوتیلے تھے۔ مگر وہ بھی آخر بزرگ زادے تھے حافظ تھے تعلیم یافتہ تھے یکبارگی انسانیت اور ہمدردی کو چھوڑ کر کیوں ان سے بگڑ بیٹھے۔ اور پھر بگڑے تو ایسے بگڑے کہ دلی تکیان کا پیچھا نہ چھوڑا اور وہاں بھی اپنے خالو سراج الدین علی خاں آرزو کو یہ لکھ بھیجا کہ ”میر محمد تقی فتنہ روزگار است زمینہار بہ تربیت او نہ باید پرداخت“ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر مقتدرانہ نے ایک نہایت تاریک پردہ ڈال دیا تھا۔ مگر مولوی عبدالسلام نے شعر الہند میں تذکرہ

بہارِ بخشش سے یہ عبارت نقل کر کے ایک حد تک اس رازِ سرِ بستہ کو ظاہر کیا ہے۔
 ”بہ شہرِ خویش باہری تماشائے کہ از عزیزانش بود و پرِ وہ عشق طبع میل خاطر داشت۔
 آخر عشق او خاصیت مشک پیدا کردہ میخواست کہ بخیہ بہ چار سوئے رسوائی کند جس پر وہ
 بہ جلوہ گری درآمد۔ از رنگ افشائے راز از وطن و اقربا باو لے بغل پر وہ حسرت و حران
 با خاطر ناشاد دست و گریبان قطع رشتہ محب وطن ساختہ از اکبر آباد بعد از خانہ بزرگداری ہا
 بہ شہر لکھنؤ رسید وہیں جالبعد حسرت چنانکہ جلا وطنی و حرمان نصیبی از دیدار یار و دیا
 جان بجاں آفریں داد۔ تا بقید رشتہ ک حیات بود طوق محبت و گدگدوں و سلسلہ دیوانگی
 بپا داشت۔“

اس بیان کو مکمل طریقہ پر نہ بھی مانا جائے تو بھی کئی ایک مفید باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ (۱)
 پہلی مرتبہ دہلی سے واپسی کے بعد میر صاحب کی عمر اتنی تھی کہ وہ تعلق خاطر اور عشق پیدا کر سکیں۔
 (۲) ان کے بڑے بھائی کی ناراضی بچانہ تھی۔ (۳) سراج الدین علیخان آرزو جو ایک قیم
 وضع کے بزرگ تھے اس آوارگی اور بد چلنی کو پسند کر سکتے تھے۔ اور اس حالت میں ان کی
 تلخ نوایانہ نصائح میر صاحب کے دل پر نشتر کا کام دے سکتی تھیں۔ اور یہ بات جدائی فیما بین
 کا سبب ہو سکتی تھی۔ ”بہر حال میر صاحب دوبارہ دہلی پہنچے اور اپنے سوتیلے خالو کے
 مکان پر مقیم ہوئے۔ اور اتنے دن رہے کہ شہر کے بعض کالمین سے انھوں نے کچھ کتابیں
 پڑھیں اور اس قابل ہو گئے کہ کسی پڑھے لکھے آدمی کے مخاطب صحیح ہو سکیں۔
 یہ تحصیل علوم میں مشغول تھے اور کو کسی جگہ ان کا سلسلہ معاش مستحکم نہ ہوا تھا کہ ان کے بھائی
 حافظ میر محمد حسن کا خط اپنے خالو یا ماموں آرزو کے نام پہنچ گیا جس میں انکی شکایتیں تھیں اور
 وہ اسکو پڑھ کر چراغ پا ہو گئے۔ اور ان پر متشددانہ تنبیہ کرنے لگے۔ عشق و محبت کا داغ۔
 بے روزگاری۔ پریشان حالی۔ رنج و غربت۔ ان سب چیزوں نے ملکر دل و دماغ پر ایک خاص
 اثر کیا۔ اور آخر کار یہ مجنون ہو گئے۔ اور ان کو چاند میں ایک صورت نظر آنے لگی جسک انھوں
 نے ذکرِ تیر میں بھی مفصل ذکر کیا ہے۔ اور شہنوی خواب و خیال میں بھی وہی افسانہ کہلا گیا ہے
 مناسبتِ محل کے لحاظ سے ہم کچھ شعر نقل کر کے خود انھیں کی زبان سے آپ کو یہ لطیف
 داستان سناتے ہیں۔

چلا اکبر آباد سے جس گھڑی	در و بام چشمِ حسرت پڑی
--------------------------	------------------------

میں از قلع رہ لائے دلی میں نجات جگر جو گرہوں سے خوں ہو گیا ہوا جط سے مجھ کو ربط تمام یہ وہم غلط کاریاں تک بھنپا نظرات کو چاند پر گر پڑے میر چارہ کا راکش کرے نظر آئے اک شکل متاب میں	بہت کھینچے یاں میں نے آزار سخت نچے رکتے رکتے جنوں ہو گیا لگی رہنے وحشت مجھ صبح و شام کہ کار جنوں آسمان تک بھنپا تو گو یا کہ بجلی سی دل پر پڑے ڈروں یاں تلک میں کجی غش کرے کئی آئے جس سے خور و خواب میں
--	--

احباب و اعزائے علاج معالجہ شروع کیا خصوصاً محرم الدین خاں کی بیوی نے جو میر صاحب سے قربت قریبہ بھی رکھتی تھیں۔ جھاڑ بھونک تو نیکند سے بھی کمر لے اور اطباء سے بھی رجوع کی آخر کار ان کو صحت کاملہ ہو گئی۔

میر صاحب اور خان آرزو میں کشیدگی بڑھتی گئی۔ اور آخر کار ایک روز یہاں سے جد ہو گئے مولانا آزاد دہلوی نے آب حیات میں اس جدائی کو مذہبی رنگ دیدیا ہے۔ اور فرما گئے ہیں۔ چونکہ خان آرزو حنفی مذہب تھے اور میر شیعہ اور نازک مزاج۔ اسی وجہ سے کسی مسئلہ پر لڑکر الگ ہو گئے۔“ مولانا عبدالحق صاحب اور مولانا عبدالحق مولف گل رعنا اس کو قبول نہیں کرتے۔ سر شاہ سلیمان صاحب کو اس کا ایک حد تک یقین ہے۔ اور وہ فرماتے ہیں کوئی خاص وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس خیال کو بالضرور غلط قرار دیا جائے۔

ایک شیعہ اور ایک سنی کے اختلاف مذہب اور اختلاف خیال سے انکار نہیں ایسا ہوتا رہا ہے اور ایسا ہو سکتا ہے۔ مگر اس جگہ پر چند شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ میر صاحب دہلی میں دوسری مرتبہ تقریباً ۱۱۵۷ھ ہجری میں پہونچے ہیں۔ اور مذکورہ نکات الشواہد ۱۱۶۵ھ میں لکھا ہے۔ جس میں جاجا خان آرزو کا نہایت ادب سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مرزا مظفر قمر موسوی خاں کے حال میں انھیں استاد و پیر و مرشد بندہ لکھا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ ایسا فاضل ہندوستان میں کوئی نہیں بلکہ ولایت میں بھی شبہ ہے۔ اب خان آرزو کے انتقال کو نتیجے وہ ۱۱۶۹ھ میں فوت ہوئے۔ ذکر میر کو دیکھیے تو ۱۱۵۷ھ میں وہ تصنیف ہونا شروع ہوئی اور ۱۱۹۷ھ میں مع لطائف وغیرہ ختم ہوئی۔ اب خیال کیجیے کہ ۱۱۵۳ھ سے گیارہ سو شتر تک میر خاں آرزو کی کوئی شکایت نہیں کرتے۔ ۱۱۶۹ھ میں خان موصوف کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ

میں برس پہلے کا دکھڑا بیان کرتے ہیں۔ یہ ایسی بولبلی ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔ دو باتیں ہیں یا تو وہ خان آرزو کی زندگی میں کوئی ایسی بات کہنا ہی نہ چاہتے تھے کہ وہ ناراض ہوں اور اُن کا راز ظاہر ہونے پر خان موصوف کوئی معقول جواب دیں یا پھر ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو اُن کے انتقال کے بعد بڑھاپڑھان کر بیان کر دیا۔ یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ خان آرزو اگر دراصل اس قدر اوجھے خیالات کے آدمی تھے تو انھوں نے اتنے طویل زمانے تک کہ میر صاحب نے تعلیم بھی حاصل کی کسی قابل بھی ہوئے۔ ملازم بھی ہو گئے۔ اپنے یہاں ٹھہرنے کی اجازت ہی کیوں دی۔ اور کیونکر اتنی بڑی مدت تک ضبط کیے رہے۔ اور کیوں اُن کی تعلیم و تربیت کے کفیل ہوئے۔ ان سب کو چھوڑ کر خان آرزو کے اخلاق و عادات کو بھیجے تو کوئی تذکرہ اُن کے معاصرین کا ایسا نہیں ملتا۔ جن میں اُن کے محاسن نہ شمار کرائے گئے ہوں۔ ایک فرد بھی ایسا نہیں کہ میر صاحب کی طرح اُن کی تنک باجی کا ذکر کرتا ہو۔ بہر حال یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ میر صاحب نے یہ واقعات سرسری غلط لکھے ہیں۔ مگر کچھ نہ کچھ خلطِ معیت ضرور ہوا۔ معلوم نہیں کب ان کے بھائی کا خط آیا مگر سبب کی بنا پر انھوں نے ایسا لکھا۔ اور کیوں خان موصوف بگڑے۔ اور کب جدائی ہوئی۔ پھر لطف یہ کہ میر صاحب بھی باوجود ان شکایتوں اور حکایتوں کے لکھتے ہیں کہ اُس عزیز دنیا دار واقعی بود۔ نظر بر خصوصت ہمیشہ زادہ خود بدین اندشید، "سبحان اللہ کیا دنیا داری ہے کہ وراسی بات پر ظاہر واری کو ترک کر کے اچھے پر کلنگ کا ٹیکا لگانے کو تیار ہو گئے۔ ان سب کے علاوہ اسی قلمی نسخے میں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے نوادر الکلام سے جو عبارت نقل کی ہے۔ اُس میں یہ فقرے بھی ہیں۔

”بخانہ سراج الدین علی خاں آرزو اقامت و زریہ تکمیل علوم عقلی و نقلی نمودہ۔ بعد

مرور دہور کہ جدائی فیما بین واقع شد۔ بہرہ سائے عظام در خورد و بر خورد۔“

مرور دہور کے معنی سب جانتے ہیں مگر پھر بھی اس مدت طویل کی صراحت نہیں ہے۔ آرزو کے اس فقرے پر کہ یہ شبیہ تھے اور آرزو خفی ایک بات اور بھی غور کرنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ میر صاحب کے اعزاء و اقربا و اجداد سنی المذہب تھے۔ سید امان اللہ ایک صوفی و وسیع المشرب سنی تھی۔ اُن کے انتقال کو اس وقت تک کہ یہ دوبارہ دہلی گئے کوئی بڑا زمانہ نہیں گزر رہا تھا پھر مولانا آرزو کو یہ کہاں سے متحقق ہوا کہ یہ اس وقت شبیہ مذہب تھے۔ شاید انھیں اسباب

اور گرد و پیش پر نظر ڈالتے ہوئے سر شاہ سلیمان صاحب نے اوائل شاعری کو مستثنیٰ کرتے ہوئے ان کے مذہبی معتقدات کے بارے میں یہ فقرے لکھے ہیں۔ ”اسی کے ساتھ اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کم سے کم زمانہ عروج شاعری میں ان کا مذہب اہل تشیع کا تھا، یہ دلیل بھی صرف اسی قیاس پر مبنی ہے کہ میر صاحب کی لکھی ہوئی منفقتیں اور مرثیے وغیرہ موجود ہیں۔

تکمیل تعلیم میر | یہ لکھا جا چکا ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کا زمانہ سید امان اللہ کے وقت سے شروع ہوا۔ پھر کچھ مدت تک اپنے والد بزرگوار سے فیض تربیت حاصل کیا۔ تاہم کہ وہ دہلی میں آئے تو ان کو انشا کے فصیح اور غیر فصیح کا احساس تھا۔ مگر قیاس یہ چاہتا ہے کہ اول میں خود خان آزدونے ان کی تربیت کی طرف توجہ کی۔ جیسا کہ بقول میر ان کے بھائی کے خط سے واضح ہوتا ہے۔ کہ ”میر محمد تقی فتنہ روزگار است زینہار بہ تربیت او نہ باید پرداخت“ دوسرے خود میر صاحب کا اقرار موجود ہے وہ مذکرہ نکات الشعر میں ان کو استاد و پیر و مرشد لکھتے ہیں۔ مگر جب ذکر میر لکھی جاتی ہے تو ان کو یاد آتا ہے کہ میر جعفر پٹنے کے رہنے والے ان کے استاد تھے جو روزانہ ان کو پڑھانے آتے تھے۔ حالانکہ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی خاں زڑ ہی کے یہاں آتے تھے۔ کیونکہ میر صاحب اس واقعہ کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں کہ میں ایک روز بازار میں ایک کتاب کا جز لیے بیٹھا تھا۔ ایک جوان شخص میر جعفر اسطرف سے گزرا مجھے دیکھا۔ اور بیٹھ گیا۔ اور ازراہ قیافہ شناسی کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے تم علم کے شوقین ہو۔ اگر واقعی میرا خیال صحیح ہے تو میں تمہیں پڑھانے کے لیے آیا کروں۔ کیونکہ میں بھی علم دوست ہوں مگر کوئی ہم مذاق اور مخاطب صحیح نہیں ملتا۔ انھوں نے کہا کہ میں مستطیع نہیں ہوں کہ کچھ خدمت کر سکوں۔ **تاکہ اللہ بزرگت گوارا فرمائیے تو غایت ہوگی۔** انھوں نے جواب دیا مگر پھر بھی بغیر ناصیحتے کے کہیں آنا جانا دشوار ہے۔ میر صاحب بولے کہ اگرچہ کچھ میرے پاس بھی نہیں مگر خیر خدا مالک ہے۔ اس کے بعد وہ نہ معلوم کتنی مدت تک کبھی کبھی آتے رہے اور میر صاحب حتی الوسع خدمت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اپنے وطن عظیم آباد کو چلے گئے۔

غور طلب یہ ہے کہ اسقدر افلاس اور بیکاری کا زمانہ سوائے سراج الدین علیخان آزدو کے یہاں کے قیام کے اور کون سا ہو سکتا ہے۔ یہاں سے میر صاحب کے ایشار کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یقینی وہ اُسی ناشتے وغیرہ میں سے جو ان کے لیے آتا تھا۔ اپنے شفیق اُستاد کی بھی خدمت کرتے ہونگے۔ اور اگر یہ نہیں تو ایسی بکیسی کا اظہار ممکن نہ تھا۔ اور نہ زمانہ سلازمت کے بعد

اُن کو تعلیم کی ضرورت باقی رہی ہوگی۔ یہ امر بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ اُن کا زمانہ ملازمت اور فراغت معیشت اُن کی شاعری کے بعد شروع ہوا اور یہاں تک وہ نہ شاعری کا ذکر کرتے ہیں اور نہ خود شاعر ہونے کے مدعی ہیں۔ بہر حال تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ اُنھوں نے فارسی میں ایک ادیب کامل کا درجہ حاصل کیا۔ اور عربی میں مطول تک استفادہ و بہم پہنچانا خود اُن کی تحریر سے ظاہر ہے۔ ممکن ہے کہ اسکے علاوہ اور درسیات عربیہ پر بھی عبور حاصل کیا ہو۔ جیسا کہ اُن کے کلام کے بعض جملے اور الفاظ مستعمل پتہ دیتے ہیں۔

ذوق شعر اور شاگردی | اس بات میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ میر فطری شاعر پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے دل میں ذوق شعرازی تھا۔

اُن کے متعلق کئی بزرگوں کی پیشین گوئیاں تھیں کہ یہ بہترین شاعر ہونگے۔ چنانچہ پہلے اُنکے والد بزرگوار ہی کو بھیجے۔ میر صاحب فرماتے ہیں کہ ”ہر گاہ مراد بخل کشیدے۔ و بظرف شفقت رنگ کا ہی مرادیدے۔“ کہ اے سرمایہ جان! چہ آتشے است کہ در دولت نہان است۔ و چہ سوز لیت کہ ترا با جان است۔“

ایک مرتبہ سیدان اللہ کے ساتھ احسان اللہ درویش کے یہاں جاتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں۔ ”اے بچہ ہنوز سوزن بال است۔“ اما چیں معلوم میشود کہ اگر بخوبی پر برآر و بیک پرواز از انطرف آسمان خواہد رفت۔“

اسی طرح خواجہ ناصر عندلیب نے خود میر صاحب سے فرمایا تھا۔ کہ ”اے میر تو میر مجلس خواہی شد۔“

ایک باخدا کی تعلیم و تربیت اور متفرق درویشوں کے فیض صحبت نے اُن کے دل میں سوز و گداز بھردیا تھا۔ اُس کی تحریک کی ضرورت تھی جس کے لیے غیب سے یہ سامان ہوا کہ میر صاحب کی ایک شخص سید سعادت علی نامی امر و ہوی سے ملاقات ہوئی اُنھوں نے شعر و سخن کہنے کی ترغیب دی اور میر صاحب مشق سخن کرنے لگے۔ اور چند روز میں وہ ترقی کی کہ شعر کے پہلی ان کو نہ صرف خوش گو بلکہ مستند ماننے لگے۔

اس واقعے سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ میر صاحب سید سعادت علی کے شاگرد ہو گئے۔ بلکہ واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب اس سے پہلے شاید فارسی میں شعر کہنے لگے تھے مگر چونکہ کلام فارسی میں کوئی خاص وزن نہ تھا۔ اور اسکے علاوہ ریختے کا رواج عام ہو رہا تھا۔ اسی

واسطے ان کے شیر نے ان کو اپنی زبان میں شعر کہنے کی ہدایت کی۔ رہی شاگردی یہ بالکل طے شدہ بات ہے۔ کہ گواہی ذاتی رنجشوں کی وجہ سے میر صاحب نے ذکر میر میں آرزو کو اپنا اُستاد نہیں بتایا ہے۔ مگر اس کی تصنیف سے بہت پہلے وہ اُن کی شاگردی کا اقرار کر چکے ہیں۔ علاوہ اس کے دوسرے شواہد بھی موجود ہیں جو میر صاحب کے معاصرین کے ہیں اور جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

میر حسن اپنے تذکرہ شراے اُردو میں لکھتے ہیں: ”برا در زادہ سراج الدین علی خاں آرزو و ہم از شاگردان اوست“ اسی طرح قائم اپنے تذکرہ مخزن نکات میں کہتے ہیں: ”محمد تقی المتخلص میر۔ اصل و منشائے وے دار الخلافت اکبر آباد اوست۔ در خدمت خان آرزو کہ خالو او بود۔“ لفظ و منشائے، ”یہاں تک تو کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مگر حکیم قدرت اللہ قاسم نے معلومات میں اضافہ کر کے اس راز کو فاش کرتے ہوئے ہمارے اس خیال کو یقین کا درجہ بخش دیا ہے۔ چنانچہ اپنے تذکرہ مجموعہ لغز میں میر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”پسر شوہر ہمشیرہ سخن پرداز بدیر گویا سراج الدین علی خاں آرزو است۔ نسبت تلمذ ہم بنجا بافت انتساب خان مشارالیه دارد۔“ اما بنا پر بخوتے کہ در سرش جا گرفتہ ازیں امر کہ فی الحقیقت فخر وے است ابائے سکتی بہاں آرد“ یہیں سے یہ گمان بھی پیدا ہوتا ہے کہ مخزن نکات یعنی تذکرہ قائم شہادہ میں لکھا گیا۔ اور تذکرہ شراے اُردو میر حسن کہ ۹۳ھ میں تمام ہوا یہاں تک میر کے متعلق ان دونوں معاصرین کو گمان بھی نہیں کہ وہ خان موصوف کی شاگردی سے منکر ہونگے یا منکر ہوئے اور نہ خود میر صاحب کو اس وقت تک کوئی انکار معلوم ہوتا ہے۔ مگر ذکر میر جو ۹۶ھ میں ختم ہوئی وہ ان دونوں تذکروں کے بعد کی تصنیف ہے۔ اور اسی میں انھوں نے خان آرزو کی شاگردی کو ختم کر کے اُن کی شکایت کی ہے۔ یہ خبر مشہور ہوئی ہے اور تذکرہ قاسم میں حکیم قدرت اللہ قاسم نے اس قضیہ نامرضیہ کو صاف بھی کر دیا۔ کیونکہ یہ تذکرہ ۱۰۰ھ میں تمام ہوا جب کہ میر صاحب زندہ و سلامت موجود تھے۔

خان آرزو کا فیض صحبت | میر صاحب کی مشق سخن بڑھی اور تمام خوش گویان شہر اُن کے کمال فن کے معرف ہو گئے بلکہ یوں کہنے کے اُن کا ایک رنگ خاص قرار پا گیا۔ جس کے متعلق اُن کے کلام پر رائے دیتے ہوئے ہم ذرا تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے۔ (اس وقت صرف اتنا کہنا ہے کہ جیسے وہ بیان و اظہار جذبات کے لحاظ سے اپنے

رنگ کے بلا شرکت غیر سے الگ ہیں۔ اسی صورت سے اُن کے یہاں الفاظ اور الفاظ میں بھی فارسی کی ترکیبیں اور فارسی کے اکثر الفاظ اس قسم کے ہیں کہ اردو شاعری کے شروع سے اس وقت تک کسی شاعر رنجیتہ گو کے یہاں نہیں ہیں۔ اور اگر کہیں ہیں تو وہ شاذ ہیں جو معدوم کا درجہ رکھتے ہیں۔ مثال کے لیے ذیل کے چند الفاظ و ترکیبات ملاحظہ ہوں۔

آش مال۔ استخوان شکنی۔ برغوش چیدہ۔ بز آویزی۔ بزگیری۔ بے تہ۔ بے ہیج۔ ترسل۔ جناغ۔ جیفہ جیفہ ابرو۔ خایہ گزک۔ درونہ۔ دریائے لنگہ دار۔ ول زدہ۔ زنجیرہ۔ زرخ زن۔ زیادہ سری۔ سجادہ محرابی۔ سرشین۔ شیر خانہ۔ شیشہ جان۔ صورت باز۔ طفلان تر بازار۔ غنچہ پستانی۔ نعل مکمل۔ ماہ ماہ کہنا۔ نرگسی زن۔ یاد بود۔ یال دگو یال۔ اور اسی قسم کے بہت سے الفاظ انکی تصانیف اور فارسی میں موجود ہیں۔ مگر آپ کو سنکر تعجب ہوگا کہ یہ سب وہ لفظ ہیں جو آرزو نے اپنے لغت چراغ ہدایت میں اس دعوے کے ساتھ لکھے ہیں۔

دکھ داخل ہیج کتاب لغت مثل فرنگک جہانگیری و سروری و برہان قاطع وغیرہ نیست و سبب تالیف آنست کہ چون اکثر ہم مصروف مطالعہ و خواندن کتب جدیدہ و قدیمہ فارسی دیدم و معنی بعضے از الفاظ و اکثر اصطلاح و کتب مذکورہ نیا فہم نہ بر بہرچہ اطلاع دست بہم داد بہ اسناد آن از اشعار استادان و دریں نسخہ درج کردم بعض کہ از محاورہ دانان بہ تحقیق پیوستہ و سند آن در اشعار بزرگان بہم نہ رسیدہ۔

پھر جب مشہور لغات اور بڑے بڑے محاورہ دانوں کے کلام میں بھی یہ الفاظ نہیں پھر صاحب کے یہاں انکے پاسے جانے کو سوائے اسکے کہ خان آرزو کا فیض صحبت ہو اور کیا کہا جائے۔ اور کیا خیال کیا جاسکتا ہے۔ میں تو جب میر صاحب کی نشر فارسی یا نظم آرزو کو دیکھتا ہوں تو خان آرزو کی کوششوں کی ایک مجسم تصویر نگاہ میں پھر جاتی ہے۔

ان تمام توجہات کا ماحصل یہ نکلتا ہے کہ میر صاحب مدت تک خان آرزو کے یہاں رہ کر کسب کمال کرتے رہے۔ ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ انھوں نے میر صاحب کو کھانے پر بلایا۔ اور انکی زبان سے کوئی بات نکل گئی جسکو یہ برداشت نہ کر سکے اور بغیر کھانا کھائے ہوئے گھر سے باہر چلے گئے۔ ارادہ تھا کہ جامع مسجد جائیں اور وقت گزاریں۔ مگر اتفاق سے راستہ بھول کر حوض قاضی پر جا نکلے۔ اور پانی لینے لگے۔ اتنے میں ایک شخص عظیم الشان نامی آگے بڑھا ان سے مل کر پوچھا کہ کیا جناب کا نام میر محمد تقی میر ہے۔ انھوں نے یہ بھی

کہ آپ نے کیونکر پہچانا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کی حرکات مجنونانہ کی تو شہر بھر میں دھوم ہے۔ خیر گزارش یہ ہے کہ اعتماد الدولہ قمر الدین کے دادا آپ کی ملاقات کے بڑے مشتاق ہیں اگر میرے ساتھ تشریف لیجلیے تو ملاقات بھی ہو جائے گی۔ اور اس بہانے سے میر سلام بھی ہو جائے گا۔ میر صاحب نے منظور کر لیا اور ساتھ ہو لیے۔ پونچے۔ علیم اللہ نے ملایا۔ رعایت خاں بڑے تپاک سے پیش آیا۔ اور زمرہ مصاحبین میں ملازم رکھ لیا۔ اور اب ذرا فراغت کے ساتھ زندگی گزرنے لگی۔

میر صاحب کی زندگی کا انقلابی دور تو اُس وقت شروع ہوا تھا جبکہ اُن کے والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اور وہ ایک حد تک بے یار و مددگار رہ گئے تھے۔ مگر اس مصیبت کی ملازمت کو بھی دورنگی زمانہ کا سنگ بنیاد کہہ دیا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔ یہیں سے اُنھیں زمانہ بوفلوں کے وہ وہ رنگ اور وہ سرد و گرم دیکھنے پڑے جنھوں نے ہمیشہ کیلئے اُن کے دل پر ایسا نقش عبرت بٹھا دیا جس سے زندگی اور زندگی کے عروج و علو و اوج اور عیش و عشرت کی اُن کی نگاہ میں ہوا کے جھونکوں اور بچوں کے گھردندوں سے زیادہ وقعت نہیں رہی۔ درویشوں اور خدا پرستوں کی تربیت سے دل پہلے ہی گداز تھا۔ ان چیزوں نے اور بھی موم بنا دیا۔ وہی آج ہیں کہ محفل امراء میں میر مجلس ہیں۔ جملہ سبب طرب اور سامان راحت کے مالک ہیں۔ وہی دوسرے دن ہیں کہ نان شبینہ کو محتاج ہیں نہ کوئی دوست ہے نہ پرسان حال۔ وہی جو بدتوں سے امن و امان کا گوارہ بنی ہوئی تھی۔ روز کی خانہ جنگیوں اور طوائف الملوکی سے مرکز گردش و انقلاب ہو گئی۔

چور اُچکے سکھ مر ہے شاہ و گدا سب خواہاں ہیں

چین سے ہیں جو کچھ نہیں رکھتے فقر بھی اک ملت یہاں

غرض کہ سکون اور راحت و عیش تو درکنار۔ زندگیوں۔ آبروؤں کے لالے پڑ گئے۔ یہ بھی اُسی انقلاب روزگار کے ساتھ صبح و شام کی دورنگیوں کا مطالعہ کرتے رہے۔ یعنی عافیت کے ساتھ چند ہی روز گزرے تھے کہ درانیوں کا حملہ ہوا۔ رعایت خاں کے ساتھ میر صاحب کو بھی جانا پڑا۔ محمد شاہ کا دور حیات ختم ہوا۔ احمد شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا۔ جاوید خاں خواجہ سرا کا دور دورہ ہوا۔ مرہٹوں کی شورش ہوئی سانپھر کے قریب مرہٹوں سے جنگ ہوئی۔ جس میں رعایت خاں کے ساتھ یہ بھی تھے

اور ہمیں سے خواجہ معین الدین اجیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سراپا انوار کی زیارت کو گئے وہاں سے دہلی واپس آئے تو پھر بیکار ہو گئے۔ چند سے تکلیف اٹھا کر نواب بہادر کی مصاحبت میں رہے۔ کچھ سانس اطمینان و راحت سے لیں۔ عربی کی تعلیم کی تکمیل کا خیال ہوا مطلقاً پر ہضنا شروع کیا۔ ایک ایک پھر ہوا بدل گئی۔ صفدر جنگ نے نواب بہادر کو دغا سے مروا ڈالا۔ اور انکو پھر بیکاری سے سابقہ پڑا۔ مگر چونکہ اب مشہور ہو چکے تھے اس واسطے جلد ہی ایک صورت نکل آئی۔ نجم الدین سلام کے ذریعے سے مہارائن دیوان نے ان کو بلایا اور زمرہ متوسلین میں شامل کر لیا۔ کچھ دن پھر فراغت سے گزرے۔ اسے میں وزیر اور بادشاہ میں صفت آرائی ہوئی اور باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ یہ بغاوت اور عداوت کوئی چھ مہینے تک جاری رہی۔ میر صاحب چونکہ وزیر کے متوسلین میں سے تھے اس لیے سخت پریشان ہوئے اسی زمانہ میں شامت ہمسایہ کے خوف سے خان آرزو کے یہاں سے بالکل علیحدہ ہو کر میر خاں انجام کی حویلی میں جا رہے۔ مگر زمانہ جو پلٹا تو واقعات کو کہیں سے کہیں لے پہنچا۔ صفدر جنگ کا انتقال ہوا اور ان کی جگہ شجاع الدولہ صوبہ دارا دودھ بنائے گئے۔ خان آرزو اس اُسیدیر کہ اسحاق خاں مرحوم کے بھائی جو ان کے مربی اور محسن ہیں وہیں ہیں اودھ پہنچے اور وہیں انتقال ہو گیا۔ بعد کو انکی وصیت کے مطابق لاش دہلی میں لائی گئی۔

میر صاحب کے عروج شاعری کا یہی زمانہ تھا۔ بڑے بڑے لوگ ان کے علم و خیالات اور ان کے اچھوتے جذبات کے قدروان پیدا ہو گئے تھے۔ دلی ان کے کمالات سے گونج رہی تھی۔ ہر شخص ان کی ملاقات کا شائق تھا۔ چنانچہ اسی دوران میں ایک روز راجہ گل کپور نے انھیں اپنے مکان پر بلایا۔ کچھ سنا سنا یا اور اپنا کلام اصلاح کے لیے پیش کیا میر صاحب کا دل دماغ بھلا ان مخرافات کے دیکھنے کی کب تاب لاسکتا تھا۔ انھوں نے دنیا داری بھی نہ برتی۔ اور چین بر چین ہو کر تمام کلام پر چھری پھیر دی۔ ایسی حالت میں کیا صحبت کر ہو سکتی تھی۔ نتیجہ یہی ہوا کہ وہی اتری اور پریشان حالی جو امنگیر حال تھی دامن گیر رہی اور راجہ سے انھیں کوئی فائدہ نہ پہنچ سکا۔ اتنا ضرور ہوا کہ ان کے ذریعہ سے راجہ ناگر مل تک پہنچ گئے۔ یہ اُس وقت دیوان خالصہ تھے۔ یہاں بھی میر صاحب کے کلام کی توہری حد تک تعریف ہوتی رہی۔ مگر بد قسمتی سے ان کے جو دو سنا سے متمتع ہونے کا ان کو ذرا بھی موقع نہ ملا۔ مگر اتنا ہوا کہ راجہ کے لڑکے نے خواجہ غالب کی سفارش سے میر صاحب کا کچھ

دراہم ضرور مقرر کر دیا جو ایک سال تک اُن کو ملتا رہا اور پھر خود راجہ نے بھی ایک سال کی تنخواہ دلوادی۔ اس سے کچھ نہ کچھ کام چل گیا اور اسکے بعد بھی میر صاحب وقتاً فوقتاً ان سے کچھ نہ کچھ متمتع ہوتے رہے۔ اس دوران میں راجہ ترقی کر کے نائب وزیر ہو گئے۔ عمدۃ الملک خطاب پایا۔ مگر ہنوز میر صاحب کو کوئی فائدہ پہونچنے نہیں پایا تھا کہ ناگاہ نادشاہ درانی کا دوسرا حملہ شروع ہوا۔ راجہ ناگرمل کو بھی دلی چھوڑنا پڑی اور اپنے متعلقین و متوسلین کو لے کر سورج جاٹ کے قلعوں میں جا کر پناہ گزین ہو گئے۔ میر صاحب بھی ساتھ ساتھ تھے۔ دلی میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ نالیوں میں خون بہنے لگا۔ اور شہر کا شہر زیر و زبر ہو کر رہ گیا۔ اُدھر درانی دلی کو تاراج کر کے عالمگیر ثانی کو تخت سلطنت پر بٹھا کر مہتمم اکو زیر و زبر کرتا اکبر آباد پہونچا۔ اُدھر سردار جھنگو کی سرکردگی میں دکن کی فوج نے پھر دلی کو جو آنکھ بنا دیا دھوکے سے انتظام الدولہ اور عالمگیر ثانی کو بھی قتل کیا گیا۔ اور اسی دوران میں درانیوں اور دکنیوں میں جھڑپ ہو گئی۔ غریب دلی پھر لوٹی گئی۔ اور ایک بار ایسی تباہ ہوئی جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ اُدھر میر صاحب راجہ ناگرمل سے معافی مانگ کر طرح طرح کی سختیاں اٹھاتے مہم متعلقین برساتے پہونچے اور وہاں سے کھیر گئے۔ یہاں بہادر سنگھ سپر رادھا کشن خزانچی صفدر جنگ نے ان کی بڑی دلدہی کی اور بے انتہا آدمیت سے پیش آیا۔ مگر کھیر بھی اوتھیں اٹھا نا پڑی۔ کچھ عرصہ کے بعد جب دکنیوں اور درانیوں کی فیصلہ کن جنگ ہو چکی تو راجہ ناگرمل کھیر پہونچے۔ راجہ کے صاحبزادے رائے شن سنگھ نے میر صاحب کو کھیر لیا تھا اور کچھ دراہم بھی مقرر کر دیا تھا۔ مگر یہ بد دل تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے راجہ سے عرض کیا کہ اب تک حضور کا انتظار تھا۔ ورنہ مجھے یہاں رہنے کی تاب نہیں۔ اجازت عطا فرمائی جا کہ بندہ رخصت ہو۔ راجہ نے کہا کہ میر صاحب کچھ خیر ہے یہ آپ فرما کیا رہے ہیں۔ ایسے پر آشوب زمانے میں میں آپ کو جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسکے بعد تنخواہ مقرر کر دی اور کچھ زر نقد سے ادوا بھی کی۔ مجبوراً ان کو پھر وہیں قیام کرنا پڑا۔ اور یہ قیام قریب قریب مستقل رہا۔ جب دکنیوں نے شکست فاش کھائی اور درانیوں کا پورا پورا تسلط ہو گیا۔ تو دلی میں ذرا پھر سکون و اطمینان کی لہر دوڑی اور کوئی خوف و خطر باقی نہ رہا۔ تمام سرداران قدیم کے پتہ پر فرمان بھیج کر عزت و احترام کے ساتھ اُن کو طلب کیا گیا۔ اسی دوران میں راجہ ناگرمل کے نام بھی پیام پہونچا۔ چنانچہ یہ دلی آئے اور میر صاحب کی بھی دلچسپی ہوئی

اس مرتبہ دلی کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ نہ وہ مکان نہ وہ مکین۔ نہ وہ محلے نہ بازار۔ ہر طرف وحشت ہر طرف دیرانی نہ دوست نہ آشنا۔ میر صاحب کے قلب پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ اس بات کی طرف اُن کے بعض شعر بھی اشارہ کرتے ہیں ۵

۱۔ دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انھیں	تھا کل ملک دماغ جنھیں تخت تاج کا
دلی میں اب کے آکر اُن یاروں کو نہ دیکھا	کچھ وے گئے شتابی کچھ ہم بدیر آئے
۲۔ منزل نہ کر جہاں کو کہ ہم نے سفر سے آ	جس کا لیا سراغ سنا وے گزر گئے
شہاں کہ کھل جواہر تھی خاک یا اُن کی	اُنھیں کی آنکھوں میں پھرتی سلائیائیں

اسی دوران میں راجہ ناگر مل کو شجاع الدولہ کے پاس اس لیے بھیجا گیا کہ درانیوں سے وزیر الممالک کی صفائی ہو جائے۔ میر صاحب بھی اس سفر میں ساتھ رہے۔ سورج مل جاٹ کی بغاوت کی ابتدا ہوئی اور وہ اکبر آباد پر متصرف ہو گیا۔ خود بادشاہ کو اُسکی گوشمالی کے لیے جانا پڑا۔ سورج مل نے ناگر مل سے امداد چاہی کہ کسی طرح وہ اڑے آئے۔ اسی لیے ناگر مل کو اکبر آباد جانا پڑا۔ میر صاحب بھی اسی تقریب سے تیس برس کے بعد اپنے وطن مالوٹ پہنچے اور اپنے برادر گوں کے مزاروں پر فاتحہ پڑھنے اور مہینوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ مگر چونکہ زمانہ کی آب و ہوا کے ساتھ ساتھ اکبر آباد بھی بدل گیا تھا اس لیے کچھ جی نہ لگا۔ پھر بھی چار مہینے رہے۔ بعدہ پھر راجہ کے ساتھ ہی سوچ مل کے قلعوں میں واپس آ گئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ اسکے بعد جب رگھوناتھ راؤ دکنی کی فوج نے ملک میں فتنہ و فساد پھیلا رکھا تھا اور سورج مل جاٹ کے لڑکے جواہر سنگھ سے اُن کی آونیش کا خوف تھا۔ درانیوں کے جدید حملے کی خبریں اُڑ رہی تھیں تو ناگر مل کو پھر آگرے جانا پڑا میر صاحب ہمراہ رکاب تھے اس لیے وہ بھی دوبارہ وطن کی ہوا کھا آئے۔ مگر صرف پندرہ روز قیام کر کے واپس آ گئے۔

زمانہ بدلتا رہا۔ تازہ واقعات ہوتے رہے۔ مگر اس سانحے کو میر صاحب نے سانحہ عظیم لکھا ہے کہ سورج مل جاٹ کا لڑکا کسی معمولی آدمی کے ہاتھ سے اکبر آباد میں قتل ہو گیا۔ اسکے بھائی راؤ رتن سنگھ کو ریاست ملی وہ شرابی اور بدکردار تھا کسی نے اُس کا بھی خاتمہ کر دیا اور پھر کبھی سنگھ اُسکے لڑکے کو گندی ملی اور سورج مل کا چوتھا لڑکا نول سنگھ سرپرست قرار پایا

اور جاٹوں کی شورش بیجانے پھر زور پکڑا۔ راجہ ناگرمل کو کامان جانا پڑا یہ ایک سرحدی مقام تھا۔ اور راجہ مادھو سنگھ کے لڑکے پر بھتی سنگھ کے قبضہ میں تھا۔ میر صاحب بھی راجہ کے ساتھ وہاں گئے اور کچھ دن قیام کرنا پڑا۔ راجہ نے میر صاحب کو بادشاہ سے صفائی کرانے کے لیے بھیجا۔ اور یہ حسام الدین خاں سے ملکر تمام معاملات طے کرائے۔ مگر راجہ پھر چھوٹے لڑکے کے کہنے سے دکنیوں سے جاملالہ میر صاحب کو بڑا رنج ہوا۔ اگرچہ یہ پھر بھی راجہ کے ساتھ رہے۔ مگر نہایت بشر مندہ اور بدول رہے۔ آخر دہلی آئے۔ متعلقین کو عرب سرائے میں چھوڑا اور آپ تلاش معاش میں گھومتے رہے۔ لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ نہایت پریشان تھے۔ لشکر میں ایک ایک کے سامنے ضرورتوں کا اظہار کیا کسی نے نہ سنی۔ بہر اذ وقت وجہ الدین خاں برادر حسام الدولہ نے کچھ مقرر کیا جس سے خوش و ناخوش زندگی گزر رہی تھی۔

مگر با اینہم مصائب دلی میں ان کا دل زندہ تھا۔ وہ اپنے یہاں مشاعرے بھی کرتے تھے اور اس پابندی کے ساتھ کہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ اسی شغل کے لیے مخصوص تھی۔ اپنے خاص دوستوں سے اُن کی ہم جلسی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ تہنستے بولتے تھے بدلہ سخی کرتے تھے۔ باہم گپیں تک مارتے تھے۔ احباب سے ملنا جلنا۔ لوگوں کا ان کے پاس آنا۔ اور اُن کا دوسروں کے یہاں جانا جاری تھا۔ شہر میں جا بجا چٹارے اور مشاعرے کی محفلیں ہوتی تھیں وہ اُن میں شریک ہوتے تھے۔ خواجہ میر درد۔ میر سجاد۔ میر علی قلی کافر کے یہاں کی صحبت شعر خوانی کا اُنھوں نے خود پتہ دیا ہے اور عجب نہیں کہ میاں مصحفی کے یہاں بھی کبھی تشریف لے جاتے ہوں۔

اُن کی شعر و شاعری کا عروج دہلی ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ اور نہ صرف شروع ہوا تھا بلکہ وہ اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ لوگ اُن کے شعروں پر سر و ہنستے تھے۔ جا بجا اُن کی غزلوں کی نقلیں لی جاتی تھیں۔ اسکی گواہی وہ خود دیتے اور فرماتے ہیں۔

ساکس نے سن شعر میر یہ نہ کہا	کیو پھر ہائے کیا کہا صاحب
اگرچہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعر نہیں میر	یہ میرے شعر نے روئے زمیں نام لیا
میر شتم کشتہ کسی وقت جواں تھا	انداز سخن کا سبب شور و فغاں تھا
جادو کی طبری پر چہ ابیات تھا اس کا	منہ تلکتے غزل پڑھتے عجب سحر بیاں تھا

جس راہ سے وہ ولزردہ ولی میں نکلتا انسرودہ نہ تھا ایسا کہ جوں آب زردہ خاک	ساتھ اس کے قیامت کا سا ہنگامہ وہ تھا آندھی تھا بلا تھا کوئی آشوب جہاں تھا
میر دریا ہے سنی شغز بانی اس کی ایک ہے عہد میں اپنے وہ پرگندہ مزاج مرئیے دل کے کئی کیمے دیے لوگوں کو	اللہ اللہ سے طبیعت کی روانی اُسکی اپنی آنکھوں میں آیا کوئی ثانی اُسکی شہر ولی میں ہے سب پاس نشانی اُسکی
پھر ہی ہیں کہ دلی ان کے کمالات کی جولا نگاہ بھی بلکہ آنکھوں نے بیان کیا ہے کہ	
سر سبز ملک ہند میں ایسا ہوا کہ میر سر سبز ہند ہی میں نہیں کچھ یہ رنجیتہ کچھ ہند ہی میں میر نہیں لوگ حبیب چاک	یہ رنجیتہ لکھا ہوا تیرا دکن گنگا ہے دھوم میر سے شکر کی سائے کون شے بچ ہے میر سے رنجیتوں کا دوانا دکن تمام
دور تک رسوا ہوا ہوں شہروں شہروں ملک ملک لگوں لگوں شہروں شہروں قریہ قصبہ دیہہ دیار شہر ہمارے عالم کے ہر چار طرف کیا دوڑے ہیں	میر سے شعر و شاعری کا تذکرہ گھر گھر ہے اب شعر و بیت و غزل پر اپنی ہنگامہ ہے گھر گھر آج کس وادی آبادی میں یہ حرف و سخن مشہور نہیں
ہر چند شعر میر کا دل متعقد نہ تھا ذوق سخن ہوا ہے اب تو بہت ہمیں بھی اشعار میر سب نے جن جن کے لکھ لیے ہیں	پر اس غزل کو ہم نے بھی سنکر لکھا رکھا لکھ لیں گے میر جی کے اشعار چیدہ چیدہ رکھینگے یاد ہم بھی کچھ بیتیں چیدہ چیدہ
امرا کی محفلوں میں ان کی غزلوں کی داد دی جاتی تھی۔ اور لوگ ان سے محفوظ ہوتے تھے۔ صوفیا کی خانقاہوں میں اہل دل کو ان پر وجد و حال آتا تھا۔	
مطرب سے غزل میر کی کل میں نے پڑھائی جس شعر پر سماع تھا کل خانقاہ میں	اللہ سے اثر سب کے تئیں رفتگی آئی وہ آج میں سنا تو ہے میر اکابر ہوا
مطرب نے پڑھی تھی غزل اکے میر کی شب کو ہے مری ہر اک غزل پر اجتماع	مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سب کو خانقہ میں کرتے ہیں صوفی سماع
وجد میں رکھتا ہے اہل شعر کو	میر سے شعر و شاعری کا استماع
ان اشعار کو میر کی تعلیمی شاعرانہ سمجھنا غلطی ہوگی۔ ذکر میر دیکھنے کے بعد فوراً یقین ہو جاتا ہے کہ عوام و خواص۔ امیر و فقیر۔ شاہ و گدا ہر ایک کے تقرب کی وجہ میر کے لیے صرف شاعری تھی ورنہ اگر کوئی چیز ایسی نہ بھی کہ وہ ان جگہوں میں رسائی حاصل کر سکتے۔ یہ اور بات ہے کہ اتنی	

قدردانی کے بعد بھی میر صاحب سمجھتے تھے کہ میرے کمال کی صحیح داد نہیں دی جاتی۔ اور جیسے جواہر میں ان کے مطابق کوئی خریدار نہیں ملتا۔ وہ سبھی داد کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسکو فن کی ایک توہین جانتے تھے۔ ذیل کے شعر دیکھیے۔

فکر کو نازک خیالوں کی کہاں پہونچے ہیں یار	ورنہ ہر مصرع میں یاں محشوق شورش و تنگ ہے
اسر سہی کچھ سن لیا پھر واہ واکر اٹھ گئے	شعریہ کم فہم سمجھے ہیں خیال جنگ ہے

ان کا احساس کمال بڑھ رہا تھا اور اسی احساس کی وجہ سے ان کی شاعرانہ نازک فراہمی کی حد یہاں تک پہونچی تھی کہ وہ معاصرین کو پیچ و پوچ ناقابل مہل گو وغیرہ سمجھی کچھ سمجھ کر اپنی غزلوں میں ان پر صاف صاف چوہیں کرنے لگے تھے۔

کہاں عاجز سخن قادر سخن ہوں	ہمیں ہے شبہ یاروں کے سخن میں
کس کا ہے قماش ایسا گود بھرے ہیں سارے	دیکھو نہ جو لوگوں کے دیوان بکلتے ہیں
دعوے کو یار آگے معیوب کر چکے ہیں	اس رینختے کو ورنہ ہم خوب کر چکے ہیں
خیروں نے رنجیت کو دلوں رنجیت بنا یا	جوان دنوں میں بالے لڑکوں کی بالیاں ہیں
بات بنا نا شکل سا ہے شعر بھی یاں کہتے ہیں	فکر بلند سے یاروں کو اک ایسی غزل کہہ لانے دو

استاد مانند دوسری بات ہے اور ان باتوں کا محل و دوسری تھے۔ معاصرین ان کو مغرور کہنے لگے۔ میر صاحب نے یہ اور غضب کیا کہ ایک نظم اثر زندگی کے نام سے لکھ ڈالی اور ستم بالائے ستم یہ کہ سر مشاعرہ منانے بیٹھ گئے۔ اس میں تمام معاصر شعراء کو چھوٹے سانپ سنبھال دیے اور دوسرے کپڑے کٹڑوں سے تشبیہ دی ہے۔ اور اپنے آپ کو ایک اثر بابتا یا ہے۔ بھلا ٹھنڈے دل سے کون اس کو سن سکتا۔ چنانچہ محمد امان نثار نے سر مشاعرہ اس کے جواب میں غزل پڑھی اس کا مقطع یہ ہے۔

حیدر کرار نے وہ زور بختا ہے نثار	ایک دم میں دو کردں از در کے کلمے چیر کر
----------------------------------	---

لوگوں نے یہ غزل سنکر نثار کی خوب خوب تعریفیں کی۔ اور میر صاحب کو خفیف ہونا پڑا۔ ایک تو فن شعری میں یہ خاص بات ہے کہ خوش گو کے لوگ خواہ مخواہ دشمن ہو جایا کرتے ہیں۔ اس پر جب اسکی طرف سے کوئی خاص مظاہرہ ہو تو مخالفت دینی ہو جاتی ہے۔ یہی ہوا کہ میر صاحب کے مخالفین کی تعداد بڑھ گئی۔ بقیانے بھی شاید اسی وجہ سے یہ شعر کہا۔

پگڑی اپنی سنبھا لیے گا میر	اور سبتی نہیں یہ ولی ہے
----------------------------	-------------------------

میر صاحب کی روانگی لکھنؤ

ہمعصروں کی مخالفت دہلی کی تباہی و بربادی میں عیشت کی فکر
اجبار و اعزاک کی جدائی۔ آئے دن کی مصیبت نے میر صاحب کو

نہ صرف دل برداشتہ بلکہ عزت گزین اور صحیح معنی میں گوشہ نشین بنا دیا تھا۔

میر صاحب کو دیکھیے جو بنے اب بہت گھر سے کم نکلتے ہیں

کیا کہیں میر جی ہم تم سے معاش اپنی غرض غم کو کھایا کریں ہیں لو ہو پیا کرتے ہیں

ان کو سوائے شاعری کے کسی سے تعلق خاطر باقی نہ رہا تھا۔ بار بار دلی چھوڑنے کا ارادہ
بھی کرتے تھے۔ مگر بے سود سامانی کے ہاتھوں مجبور تھے کرتے تو کیا کرتے اور جاتے تو
کہاں جاتے۔

اس کو میر صاحب کی خوش قسمتی کہیے یا حسن اتفاق سے تعبیر کیجیے کہ وزیر الممالک نواب
آصف الدولہ بہادر کو کسی طرح سے اُن کا خیال آیا۔ اور نواب سالار جنگ خلف اسحاق خاں مولیٰ الدولہ
اور اُن کے برادر خرد اسحاق خاں نجم الدولہ سے میر صاحب کا ذکر کیا۔ اور فرمایا اگر میر محمد تقی یہاں
آجائیں تو اچھا ہے۔ یہ لوگ چونکہ خان آرزو کے مرلی اور قدردان تھے اور انھیں کی وجہ سے
میر صاحب سے بھی تعلقات تھے۔ لہذا اس موقع کو میر صاحب کے لیے فال مبارک خیال کر کے
زا در راہ سرکار سے لیکر ان کو خط لکھ دیا کہ صورت حال یہ ہے۔ فوراً لکھنؤ پہنچو۔ دلی کی
خانہ جنگیوں، بدامنیوں نے میر صاحب کو مدتوں سے نہ صرف دل تنگ بلکہ برداشتہ خاطر بنا رکھا تھا۔
اور وہ اگرچہ دلی کو جان سے پیارا جانتے تھے۔ مگر با انہم اُسکے چھوڑ دینے پر آمادہ نہیں تھے
خط اور زا در راہ پاتے ہی رخصت اسے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں + کہتے اور فرخ آباد کی طرف
سے قطع منازل کرتے ہوئے لکھنؤ پہنچے۔ ہر چند کہ فرخ آباد کے رئیس اعظم مظفر جنگ نے
چند روز ٹھہرنے کے لیے ان سے اصرار بھی کیا۔ مگر انھوں نے منظور نہ کیا۔

لکھنؤ پہنچ کر نواب سالار جنگ خلف اسحاق خاں مرحوم کے یہاں فروکش ہوئے۔ اور
وہ بڑی تواضع کے ساتھ پیش آئے۔ اور اسکے بعد موقع محل دیکھ کر وزیر الممالک کے حضور
میں بھی عرض کرویا کہ میر صاحب یہاں پہنچ چکے ہیں۔

اُس زمانے میں لکھنؤ میں مرغ بازی کا بڑا چرچا تھا۔ گلی کوچوں میں مرغوں کی پالیاں
ہوتی تھیں۔ چنانچہ نواب کو بھی اس کا ایک ذوق تھا۔ اور اسی تقریب سے میر صاحب کو
شرف باریابی نصیب ہوا۔ مرغ لڑ رہے تھے۔ وزیر الممالک نواب آصف الدولہ مصروف تماشا

تھے۔ میر صاحب بھی اس مجمع میں تھے۔ یکایک نواب کی نظر ان پر پڑی اور فوراً بستر سے معلوم کر کے پوچھا کہ کیا تم میر محمد تقی ہو۔ انھوں نے موڈ بانہ سلام کیا۔ نواب سرابا اخلاق سراسر تہذیب۔ بہت تن محبت تھے۔ بنگلہ گھر ہو گئے۔ اور اپنے نشستگاہ خاص تک لے گئے کچھ کلام سنایا۔ میر صاحب نے جی کھول کر داسخن دئی۔ نواب نے ازراہ قدروانی ان سے بھی پڑھنے کے لیے کہا۔ انھوں نے بھی کچھ سنایا۔ نواب سالار جنگ نے اس وقت عرض کیا کہ اب یہ حسب الحکم حاضر ہو گئے ہیں کوئی مناسب جگہ ان کے لیے تجویز کر دی جائے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ عنقریب کچھ مقرر کر کے اطلاع دی جائیگی۔ دو تین روز بعد پھر یہ طلب کیے گئے۔ اور انھوں نے ایک قصیدہ مدحیہ پیش کیا جس کا مطلع یہ بتایا جاتا ہے۔

ہوا کیے ہیں زبس شکوہ فلک تحریر سید ہے کاغذ مشقی کے رنگ لوح ضمیر
اسکے بعد بقول آزاد و سوریہ اور بقول میر لطف تین سوریہ یا ہوا مقرر ہو گئے۔ اور اب میر صاحب فارغ البالی کے ساتھ لکھنؤ میں رہنے لگے۔ یا با نفاذ دیگر اُن کو اپنے اظہار کمال کیلئے وہ وقت مل گیا جواب تک نہ مل سکا تھا۔

لکھنؤ کا قیام | میر صاحب کے بعض معاصرین میر صاحب سے پہلے لکھنؤ آچکے تھے۔ چنانچہ ان میں مرزا سودا اور میر سوز خاص طریقہ سے ذکر کے قابل ہیں۔ یہاں ان لوگوں کے کمال کا سکھ اتنا بیٹھ گیا تھا کہ خود نواب آصف الدولہ میر سوز کے شاگرد ہو گئے تھے میر صاحب کا ذکر خیر بھی ادبی مجلسوں اور علمی محفلوں میں برابر آتا رہا ہوگا۔ یہیہ اور بات ہے کہ اہالیان لکھنؤ اُن کے روشناس نہ تھے مگر غائبانہ سب کے سب ان کے کمال کے معرفت تھے۔ یہاں ہونے پر اُن کی وہی قدر و منزلت ہوئی جو ہونا چاہیے تھی۔ اور اُسی طرح اُن کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ جس کی اُمید کی جاسکتی تھی۔ دربار آصفی میں ان کی بڑی عزت تھی۔ اور وزیر الممالک ان کو اتنا عزیز رکھتے تھے کہ سفر و حضر میں کہیں جدا نہ کرتے تھے۔ جشن شادی اور کھیل تماشوں کی محفلیں تک ان سے خالی نہ ہوتی تھیں۔ میر صاحب کے لکھے ہوئے شکارنامے۔ ہونی نامہ۔ شہنوی کو خدا کی آصف الدولہ وغیرہ اس کی گواہ ہیں۔ مگر بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ وہ اپنی گرفتہ مزاجی کے سبب دربار میں کم جاتے تھے۔ بلکہ یہ لطیفہ بھی لکھا گیا ہے کہ ایک مرتبہ میر صاحب غزل پڑھ رہے تھے نواب سُن رہے تھے۔ مگر اس حالت میں بھی نواب اپنی چٹھری سے مچھلیوں کے ساتھ کھیلتے جاتے تھے۔ میر صاحب غزل پڑھتے پڑھتے رک گئے۔ اور عرض کیا کہ جب حضور متوجہ

ہونگے تو عرض کروں گا۔ نواب نے جواب دیا کہ شعر خود متوجہ کر لیگا۔ میر صاحب نے غزل پڑھنا بند کر دی اور اپنے گھر چلے آئے۔ چند روز بعد نواب بازار سے گزرے تو میر صاحب کو کہیں دیکھا اور ارشاد فرمایا کہ میر صاحب اب آپ دربار میں تشریف نہیں لاتے۔ میر صاحب نے غدرگناہ بدتر از گناہ کی مصداق یہ جواب دیدیا کہ بازار میں باتیں کرنا شرف کا دستور نہیں ہے۔

نواب آصف الدولہ کے انتقال کے بعد بھی یہ دربار سے وابستہ تو رہے مگر صحبت درگزر ہونے کے باعث دربار کا آنا جانا بند تھا۔ ایک روز نواب سعادت علی خاں کی سواری چوک میں تحسین کی مسجد کے سامنے سے ہو کر گزری۔ عوام و خواص تعظیماً سر و قد کھڑے ہو گئے۔ مگر میر صاحب اس سے مس نہ ہوئے جیسے بیٹھے تھے بیٹھے رہے۔ انشاء اللہ تھے انھوں نے بتایا کہ یہ میر تھے۔ نواب کے حسن اخلاق کو دیکھئے کہ انھوں نے جاتے ہی میر صاحب کے لیے خلعت بجالائی اور ایک ہزار روپیہ نقد روانہ کیا۔ مگر اتنا ضرور ہوا کہ ایک ملازم کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ میر صاحب نے اسکو واپس کر دیا۔ مگر بعد کو میر انشاء اللہ خاں انشاء گئے میر صاحب کو سمجھا یا بچھا یا۔ اور نواب کا عطیہ قبول کرنے پر مجبور کیا۔ کبھی کبھی یہ دربار جانے لگے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ وہ مشاعروں وغیرہ سے دست بردار ہو گئے۔ بلکہ وہ ادبی صحبتوں میں ہمیشہ شریک ہوتے رہے۔ اور لوگ ان کے کلام کو دل میں جگہ دیتے رہے۔ سب نے انکو استاد مانا۔ اور مسلک شاعری پیشوا جانا۔ مگر انسان طبعا اور فطرتاً ماضی پرست واقع ہوا ہے۔ میر صاحب اس قدر دانی کے باوجود بھی دہلی کو ہمیشہ لکھنؤ پر ترجیح دیتے تھے۔ اور برابر اسکو یاد کرتے رہتے تھے۔ ذیل کے اشعار ان کے اس کرب کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے یہ خیال شاعرانہ نہیں بلکہ اس اشتیاق نے ان کو دعائیں مانگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تعریف میں قصیدہ لکھتے ہوئے آخر میں کہتے ہیں۔

اگر می کرتے تنک بھی اعانت تری تو پھر	اے جانے بختگی پر مایہ خیال خام
یعنی کہ دیکھوں حضرت دہلی کی پھر نواح	معلوم ہے سوائے ترے حاصل کلام
ہفت اقلیم ہر گلی ہے کہیں	دلی سے بھی دیار مونس ہے
دلی کے نہ تھے کوچے اور اق مصور تھے	جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی
ہر روز نیا ایک تماشا دیکھا	ہر کوچے میں سو جوان رغا دیکھا
دلی تھی طلسمات کہ ہر جا کہ مسیر	ان آنکھوں سے آہ ہم نے کیا کیا دیکھا

ایک جگہ نہایت درد انگیز لہجے میں ہوا کہ ہاتھوں دلی والوں کو پیام بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں :-

اے صبا گر شہر کے لوگوں میں ہو تیرا گزرا
خاکِ دہلی سے جدا ہم کو کیا یکبارگی
منصبِ بلبلِ خزانہ خانی تھا سو تو ہے اسیر
کھنڈِ ہم صحرانوروں کا تمامی حال زار
آسمان کو تھی کدورت سونکا لایوں غبار
شاعری زارغ وزغن کا ہونہ ہووے اشعار

اس نظم میں ۳۲ شعر ہیں اور سب کے سب میں نہایت درد انگیز انداز میں اگلی صحبتوں کو یاد کیا گیا ہے۔ پھر یہی نہیں ہے بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ لکھنؤ سے ان کو ایک خاص تنفر تھا جیسا کہ ان شعروں سے معلوم ہوتا ہے۔

خوابِ دلی کا وہ چند بہتر لکھنؤ سے تھا
برسوں سے لکھنؤ میں اقامت ہے جھکولیک
آبادِ جڑ لکھنؤ چندوں سے اب ہوا
پہاں کے چلن سے رکھنا ہوں عزم سفر ہنوز
شکل ہے اس خرابے میں آدم کی بود و باش

اس تنفر کی وجہ کہیں کہیں ظاہر بھی ہو گئی ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ لکھنؤ میں میرے کلام کے سمجھنے والے نہیں ہیں۔ اگر قدر دانی بھی ہوتی ہے تو وہ صرف تحسین ناشناس کا درجہ رکھتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

اے نہ گفتہ مرے دل میں داستاں میری
کس کس ادا سے رنجتے میں نے کئے ولے
مربوط کیسے کیسے رنجتے ولے
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری
سمجھا نہ کوئی میری زباں اس دیار میں
سمجھا نہ کوئی میری زباں اس دیار میں

بہت کچھ کہا ہے کرو میر بس
جواہر تو کیا کیا دکھا یا گیا
متاع ہنر پھیر کر لے چلو
کہ اللہ بس اور باقی ہو بس
خریدار لیکن نہ پایا گیا
بہت لکھنؤ میں رہے گھر حلیو

گو لکھنؤ ویران ہو ہم اور آبادی میں جا
کیا قدر ہے رنجتہ کی گویں
مقسوم اپنا لائیں گے خلق خدا ملک خدا
اس فن میں نظیری کا بدل تھا

غرض وہ آخر وقت تک لکھنؤ میں رہے مگر دلی کو کبھی نہ بھولے۔ اور جب دلی کو نہیں بھولے تو شاید لکھنؤ میں خوش بھی نہیں رہے۔

میر صاحب کو ان کے تمام معاصرین جنھوں نے
میر صاحب کے اخلاق و عادات
شرا کے تذکرے لکھے ہیں نہایت تنک مزاج

مغرور و تکبر لکھا ہے۔ اور مولانا آزاد دہلوی نے تو بحیات میں اسکے متعلق کچھ حکایات ایسی لکھی ہیں جن سے اُن کی بددماغی جنون و وحشت کی حد تک پہنچتی ہے۔ اگرچہ اسکی بعض تحقیقین نے مخالفت کی ہے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ خود میر صاحب ہی کے کلام سے اس کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ فرماتے ہیں ۵

ہے نام مجلسوں میں مرا میر بے دماغ	از سبکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار
میر کی گرمی تم سے آجیج ہے	کس سے ملتا ہے وہ دماغ جلا
جیسی عزت مرے دیواں میں امیر کی ہوئی	وہی ہی اُن کی بھی ہوگی مرے دیوان کے بیچ
نازک مزاج آپ قیامت ہیں میر جی	جوں شیشہ میرے منہ نہ لگوں شیشے میں ہوں
ترہی چال ٹیڑھی ترہی بات روکھی	تجھے میر سمجھا ہے یاں کم کسو نے
صحبت کسی سے رکھنے کا سکون تھا دماغ	تھا میر بے دماغ کو بھی کیا بلا دماغ
باتیں کرے برتنکی دل کی پرکھاں	کرتا ہے اس دماغ جلے کا وفادار دماغ
دو حرفت زیر لب کہے پھر ہو گیا نحوش	یعنی کہ بات کرنے کا سکور ہا دماغ
شیریں لبان جہاں کے نہیں چھوٹ جانتے	ہیں گو کہ میر صاحب و قبلہ کم اختلاط

اس کج خلقی۔ بیدماغی۔ نازک مزاجی۔ مغرور و تکبر کی کئی وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ زمانے کے پے در پے مصائب۔ آئے دن کی مصیبت۔ فاقہ کشی۔ نامرادی نے اُن کو چڑھا دیا تھا۔ اور چونکہ وہ دنیا و اہل دنیا سے مایوس ہو گئے تھے۔ لہذا بغیر کسی رور و رعایت کے ہر شخص سے وہ باتیں کہہ دیتے تھے جو اُن کے جی میں آتی تھیں۔ اس میں کسی کو بری بھلی معلوم ہوتی تو وہ اُس کی پروا نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں ۵

کہنا جس سے جو کچھ ہو گا مائے میر کہا ہو گا

بات نہ دل میں پھر گئی ہوگی منہ پر میرے آئی ہوئی

دوسرے اُن کو اپنے اوائل شباب میں جنون ہو چکا تھا۔ اور گو وہ علاج ہوئے پر اس سے صحتیاب ہو گئے تھے مگر پھر بھی کسی قدر اس کا اثر باقی تھا۔ جس نے اُن کو بددماغ مشہور کر دیا تھا تیسری سبب بڑی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اپنے کمال کا احساس اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اور اس میں یہ امتیاز بھی باقی نہ رہا تھا کہ کم از کم اُن ہی لوگوں سے ایسی باتیں کریں جو شروطن سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ بلکہ برعکس اس کے وہ ہر شخص سے یکساں باتیں کرتے تھے۔ (چوتھے) وہ اُن باتوں اور اُن گودوں کے پرورش یافتہ تھے۔ جن کے نزدیک ریا ایک جرم ہے

اور فطاعت اور توکل استغنا ایک خاص چیز ہے۔ دنیا اور اہل دنیا اُن کی نگاہ میں بے وقعت چھوٹے اور بڑے اُن کے نزدیک یکساں۔ بادشاہ اور فقیر ایک درجہ رکھنے والے ہیں۔ پھر اگر کوئی نہیں تو میر صاحب کیا اتنے بے لاگ اور صاف گو بھی نہ ہوتے کہ لوگ اُن کو مغرور سمجھ لیں۔ میر صاحب کے اخلاق و عادات پر نوا اور انگلا میں بڑی گہری روشنی ڈالی گئی ہے۔ جسکی یہ عبارت اُن بیان کے نسخے پر درج ہے جسکا میں ذکر کر چکا ہوں۔ میرے خیال میں اس عبارت کے دیکھنے پر ان کے حالات آئینہ ہو جاتے ہیں اور ایک حد تک وہ اس جرم سے بھی بری ہو جاتے ہیں جو غرور و تکبر کی وجہ سے اُن پر لگایا جاتا ہے۔

”مردم مردے بود متوکل۔ سپاہی پیشہ۔ رقیق القلب۔ پابند وضع۔ جہان دیدہ۔ سر و گرم زانہ خدیوہ۔ سر آمد سنخوردان ماضی و حال۔ سورسخی سنجی بمثال۔ کم اختلاط۔ و باد و ستاں سرا یا ارتباط۔ سنجیدہ۔ از حرص و ہوائے دنیا آزاد۔ و کسے را کہ نیاز روے۔ ہرگز حملہ ہراں نیاز دے۔ کسے را بدی گفت۔ و بد نمی شنفت۔ استغنائے بیش از بیش۔ یہ تعظیم ہر کہ و مہ پیشا پیش۔“

یہ چیزیں ہمارے لیے باوی النظر میں نئی معلوم ہوتی ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ میر صاحب انسانیت کے بہتر جوہر سے آراستہ تھے یا وقایع نگار نے انکا صحیح حال بیان کرنے میں کوتاہی سے کام لیا۔ پھر بھی پابند وضع کم اختلاط۔ یہی شنفت۔ استغنائے بیش از بیش۔ ہمارے سامنے وہی مفہوم پیش کر دیتے ہیں۔ جسکے سبب تذکرے گواہ ہیں۔ اور یہی چند فقرے نہیں بلکہ مندرجہ بالا عبارت کا ہر لفظ اُن کے ایک حال اور ایک صفت پر پوری پوری روشنی ڈالتا ہے۔ جسکی اُن کے حالات اور اُن کی تصانیف سے پوری پوری تائید ہوتی ہے۔

غرض کہ جہاں میر صاحب نہایت خود دار۔ غمور۔ سنجیدہ۔ ظریف۔ دوست اور دوستوں کے قدردان تھے وہاں وہ ہر کس و ناکس سے اختلاط بھی نہ بڑھاتے تھے اور دیر آشنائی کے باعث مغرور معلوم ہوتے تھے۔ مگر اُن کے تذکرے اور دوسری تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے لیے حاضر و غائب یکساں تھے۔ اور ہمیشہ اُن کے مداح رہتے تھے۔ معقول بات کے ماننے میں اُن کو کوئی دریغ نہ تھا۔ اسی سے وہ اپنے اس شعر کی زندہ مثال اور بولتی تصویر تھے۔

حرف و حکایت شکر و شکایت ہے اک وضع و طیرہ پر
میر کو جا کر ہم نے دیکھا ہے مرد معقول کوئی

اُن میں جیسے حسن پرستی کا مادہ و دعوت کیا گیا تھا۔ اسی طرح سے درویش مزاجی اور درویش پسندی اُنکی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ذکر تیر اور فصیح میرا سکی شاہد عادل ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں اپنی ہمہ دانی کے زعم میں معاصرین پر چوٹیں کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو نہایت بلند رتبہ شاعر مانا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ان کی منصف مزاجی۔ ان کی انسانیت۔ اُن کے انکسار نفس کے جو بھی کہیں کہیں نمایاں ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ۵

نقصان ہو گا اس میں نہ ظاہر کہاں تلک	ہوویں گے جن زمانے میں صاحب کمال ہم
مستعدوں پر سخن ہے آج کل	شعرا نیا فن سوکس قابل ہے میاں
اگلی عمر در بند فکر سخن	سو اس فن کو ایسا بڑا کر حیل

ان کے مزاج میں استغنا حد سے زیادہ تھا۔ وہ اپنی خودداری کے سامنے بڑی سے بڑی دولت کو ٹھوکر مار دیتے تھے۔ وہ امر کی مجالس میں اپنی شان اور اپنی آن بان کو کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے اور دم کے دم میں اس تاج دولت کو زمین پر ٹپک دیتے تھے جہاں ان کی عزت پر ذرا سا دھبہ لگتا تھا۔ ذکر تیر میں کئی واقعات اسی قسم کے درج ہیں۔ ان کی وضع سپاہیانہ تھی۔ اور اسی وجہ سے وہ ہر افتاد کو مردانہ برداشت کرتے تھے وہ فقر و فاقے میں بسر کرنا پسند کرتے تھے مگر کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنا اُن کے لیے انتہائی مشکل کا سامنا تھا۔ اُن کا لباس۔ اُن کی قطع وضع سپاہیانہ تھی۔ مگر جیسے جیسے ان کا سن بڑھتا گیا۔ ویسے ہی دنیا سے نفرت بھی بڑھتی رہی۔ اور آخر کار وہ دنیا سے نہایت متنفر ہو گئے تھے۔ اُن کے لیے یہ فیصلہ کرنا کہ وہ متکبر تھے کیطرف فیصلہ ہے۔ اُن کی مختصر تعریف یہ ہے کہ وہ انسان تھے اور کامل انسان۔

تذکروں سے یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ میر صاحب کا ۱۲۲۵ھ میں لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ لیکن اسکے اسوار تمام تر حالات تاریکی میں تھے۔ مگر نسخہ مذکورہ دیوان میر جلد چارم قلمی سے وہ تمام باتیں معلوم ہو گئیں۔ جن سے اُن کے حالات کی تکمیل قرار واقعی ہوتی ہے۔ میر صاحب اپنی عمر کے حصہ آخر میں لکھنؤ کے محلہ شہٹی میں رہتے تھے گو یہ جگہ آج نہیں ہے اور اکثر لوگ اب اس سے بیخبر ہیں۔ مگر یہ محلہ تھا اور اس وقت میں کافی آبادی تھی۔ جان صاحب اپنے ایک شعر میں اس نام کو لائے ہیں ۵ جہاں جاتی ہے

میر کی وفات

مردوں کی شہٹی سی ہے لگ جاتی + یہ مجھ بڑھیا کا کاتا ہے جو انوں کا تماشا ہے + میں نے بعض سن رسیدہ حضرات سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اتنا پتہ چلا کہ یہ ایک محلہ تھا جو کویتی کے جنوبی کنارے پر آباد تھا۔ میر صاحب کے بعد بھی عرصہ تک یہ آباد رہا۔ چنانچہ سنا ہے کہ میری کا مکان بھی اسی محلہ میں تھا۔ یہ ممکن ہے کہ میری اس تحقیق میں کمی ہو۔ مگر اس مقام کے ہونے میں شک نہیں۔ بہر حال میر صاحب آخر عمر میں یہیں رہتے تھے۔ اور اگرچہ بعض امراض مزمنہ اور ضعف بصر وغیرہ کی شکایت اُن کو پہلے ہی سے شروع ہو گئی تھی تاہم نہ وہ محدود رہتے اور نہ مجبور۔ اپنے تمام فرایض زندگی آسانی سے ادا کرتے تھے۔ اور شعرو سخن میں بھی برابر حصہ لیتے تھے۔ کہ یکا یک آسمان نے نیا دور شروع کیا۔ تین برس اُن کے لیے تین عشر آفریں ہنگامے تھے جنگی وہ تاب نہ لاسکے۔ ایک سال میں اُنکی لڑکی کا انتقال ہوا اور دوسرے میں ایک لڑکے کا۔ اور تیسرے میں اُن کی اہلیہ کا۔ ان حوادث سے وہ نہایت ہست اور دل شکستہ ہو گئے۔ اُن کے ہوش و حواس میں ایک وارفتگی سی آگئی۔ اور ایک حد تک گوشہ نشین ہو گئے مشاعروں اور دوسری رنگین مجلسوں میں جانا چھوڑ دیا۔ اور جیسا کہ اوائل حال میں اُنھوں نے اپنی دہلی والی رنگین معاشرت کا ذکر میر کے ان فقروں میں بیان کیا ہے کہ :-

”ہاں کاہ در محلہ رسیدم کہ در آنجائی ماندم۔ صحبت میداشتم۔ شعر میخواندم۔ عاشقانہ می رستم۔ شہا میگیرستم۔ عشق باخوش قدای می باختم۔ ایساں را بلند می انداختم۔ با سلسلہ سویاں می بودم۔ پرستش نکویاں می نمودم۔ اگر دے بے ایساں می نشستم تنہا بر تخت می شکستم۔ بزم می آراستم۔ خواب را می خواستم۔ مہمانی می کردم۔ زندگانی می کردم۔“

اُن کا قریب قریب رد عمل ہو گیا۔ اور کیا عجب ہے کہ اس عالم میں وہ شعر و شاعری سے بھی دست کش ہو گئے ہوں۔ اور کچھ بھی نہیں تو وہ ذوق و شوق اور وہ ہنگامی غروش اُن میں رہ گیا ہو۔ جس کے وہ عمر بھر غور رہے۔ ذیل کے شعر اُنکے جذباتِ خزنہ اور شعر سے بیزاری کے آئینہ دار ہیں۔

اب شعر ہم پڑھیں ہیں تو وہ شد و نہ نہیں
اب شعر و شاعری کی طرف کم لگا داغ
اپنا رہے ہے اب تو ہمیں بیشتر خیال
میر اب پیر ہوئے ترک خیالات کرد

لطف سخن بھی پیری میں رہتا نہیں ہے میر
کر فکر اپنی طاقت فکری جو ہو ضعیف
کس کو داغ شعر و سخن ضعف میں کہ میر
بس بہت وقت کیا شعر کے فن میں ضائع

بہت ہرزہ گوئی کی یہاں میر صاحب

کرو وہاں کے کچھ منہ دکھانے کی باتیں
وہ ایک مدت تک اسی عالم میں بسر کرتے رہے۔ انقباض فراح کے ساتھ ساتھ نظام
صحت میں اختلال پیدا ہو گیا۔ عوارض مزمنہ نے ترقی شروع کی۔ دوسری قدیمی امیں حلیمیں
تھے۔ اُن میں زیادتی نہیں لگی۔ چنانچہ وجع مفاصل اور درد قلب میں ترقی ہونا شروع
ہوئی۔ اور بالآخر ماہ ربیع الآخر ہی میں اُنھوں نے امراض مہلک کی صورت اختیار کر لی۔ تمام
شاہی طبیب اور مشہور معالج میر صاحب کے شناسا اور دوست تھے۔ علاج معالجے شروع
کیے اور سب کی یہ رائے ہوئی کہ لگ کر اور ہم کر علاج کرنا چاہیے۔ اور فی الحال ایسی وادینا
چاہیے کہ قبض نہ رہنے پائے۔ اسکے بعد ایک تلمین دہی گئی۔ اور اُس نے سم قاتل کا کام
کیا۔ اطلاق لطن شروع ہو گیا۔ اور ایک ایک دن میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو دست آگئے۔ آخر کار
مرض موت سے جالما۔ اور ۲ شعبان المکرم ۱۲۲۵ھ وقت شام نوے سال عمر پوری کر کے
دنیا کے فانی کو خیر باد کہا۔ اور ۲ شعبان ۱۲۲۵ھ روز شنبہ دوپہر کے وقت اکھاڑہ بھیم میں
جو ایک مشہور قبرستان تھا اپنے اعزاء و اقربا کی قبروں کے پاس سپرد خاک کئے گئے۔ قریب
قریب چار سو آدمیوں نے اُن کے جنازے کی نماز پڑھی اور بہت سے عقیدتمندوں نے غائبانہ
اس فریضہ کو ادا کیا۔ اور بعض شعرا نے تاریخیں کہیں۔ جن میں سے دو تاریخیں ہم نقل کر چکے
ہیں۔ اور اس کی تاریخ ۵ دایلا مود شہ شاعران مشہور ہے۔

میر صاحب اگرچہ شعر و شاعری کی محفلوں کو مدت سے الوداع کہہ چکے تھے۔ مگر اُن کا
ذوق سخن آخر وقت تک جاری تھا۔ اور کچھ نہ کچھ فرماتے ہی رہتے تھے۔ چنانچہ آخر وقت
میں اُنھوں نے یہ شعر نظم کیا تھا

سازِ پیلیج آمادہ ہے سب قافلے کی تیاری ہے
مجنوں ہم سے پہلے گیا ہے اب کے ہماری باری ہے

میر بحیثیت شاعر
کوئی نقاد کوئی محقق کوئی تذکرہ نویس۔ کوئی وجدان صحیح کا مالک ایسا
نہیں ہے جس نے میر صاحب کی جناب میں ہدیہ عقیدت اور گلہائے
تحسین و آفرین پیش کئے ہوں بندگانِ شعر نے خوشی کے ساتھ اُن کو خدا کے سخن مانا۔ اور اُن
کی ہر صدائے المست پر ملے کہا۔ شیفۃ گلشنِ بنجار میں انکو اشعر شعرا۔ میر حسن ا فصیح فصیحائے زمانہ
قائم شمع انجمن عشقبازاں شفیق میر میدانِ سخنوری کہتے ہیں۔ اور اسی طرح ہر ایک شخص اُنکی

توصیف میں رطب اللسان ہے۔ مگر ہم ان سب سے زیادہ خود میر صاحب پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ باکمال شاعر ہی نہیں۔ کامل نقاد بھی ہیں۔ انکی اپنے کلام کی باتہ جو رائے اور جو احساس ہے اُسکو جیسے پیش کیے دیتے ہیں۔ اسکے بعد دوسروں کی تنقید و تحسین۔ تقریظ و آفرین کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ انھوں نے بار بار اپنے کلام پر غائر نظر ڈالی۔ اور کچھ نہ کچھ کہ گئے شیئے فراتے ہیں۔

معتقد کون نہیں میر کی استادی کا	ارنجیتہ رتبے کو پہونچایا ہوا اُس کا ہے
بات وہ ہے جو ہووے ابکی بات	انکتہ و انان رفتہ کی نہ کہو
تو بایل نہ ہو پھر گھر کی طرف	جو دکھو مرے شعر تر کی طرف
جسکی لے دام سے تا گوش گل آواز ہے ایک	میر گم کردہ چین زمزمہ پرواز ہے ایک
مُدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں	پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان رنجیتوں کو گ
چاہیے اہل سخن میر کو استاد گمیں	ارنجیتہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کرو
سامنے ہونے کو صاحب فن کے قدرت چاہیے	ہو طرف مجھ پہلو ایں شاعر کا کلب عاجز سخن
چلو ملک میر کو سننے کہ موتی سے ہر تپا ہے	نہ رکھو کان نظم شاعران حال بر اتنے
مرا حرف رشک کتاب ہے مری بات نکھنے کا باب ہے	مری خلق محو کلام سب مجھے چھوڑتے ہیں خوش کب
بہتر کیا ہے میں نے اس عیب کو نہر سے	دل کس طرح نہ کھینچیں اشار ریتختے کے
ہر طرف حرف ہے حکایت ہے	ترتیب میر پر ہیں اہل سخن
بخدا واجب الزیارت ہے	تو بھی تقریب فاتحہ سے چل
اول تو میں سندھوں پھر یہ مری زباں ہے	اس فن میں کوئی بے تہ کیا ہو مرا معارض
شاعری تو شعار ہے اپنا	انکتہ مشتاق و یار ہے اپنا
پاتے ہیں زور ہی لذت تری گفتار کے بیج	اس زمیں میں غزل اک اور بھی موندوں گے میر
میری غزل پڑھی تھی شب اک مضمہ خواں کطیرج	مرغ چین نے زور دلا یا سبھوں کے تئیں
جادو تھا مرنے خائے کی گو یا کہ زباں میں	یک پرچہ اشار سے مُنہ باز دھے سبھوں کے
باتیں مری سُن تویم پھینک دو گھر کو	ہر چند ہے سخن کو تشبیہ دے لیکن
کچھ سحر تو نہیں ہے لیکن ہوا تو دکھو	اشعار میر پر ہے اب ہائے وائے ہر سو
زبان خلق کو کس طرح کوئی بند کرے	سخن ہی ہے جو کہتے ہیں شاعر میر ہے سحر

بخت کا ہے کو تھا اس تہہ اعلیٰ میں میر	جو زمیں نکلی اُسے تا آسماں میں لے گیا
فنِ شعار میں ہوں پہلوں میں میر	مجھے ہے یاد اس کشتی کا ہر بند
سخن کے ملک کا میں مستقل امیر ہوں میر	ہزار مدعی بھی مجھ کو وہ دلا نہ کریں
اے میر شعر کہنا کیا ہے کمالِ انساں	یہ بھی خیال سا کچھ خاطر میں آ گیا ہے
شاعر نہیں جو دیکھا تو ہے کوئی ساحر	دو چار شعر کہہ کر سب کو رہا گیا ہے
ہر ورق ہر صفحے میں اک شعر شور انگیز ہے	عرصہ محشر کا عرصہ ہے مرے دیوان کا
رونق آبادی ملکِ سخن ہے اس ملک	ہوں ہزاروں دم الہی میر کے اک دم کے پنج
نہ ہوئے ہم نظری سے یوں تو	شعر کے فن میں بے نظیر ہوئے

میر صاحب کے اصول شاعری شاعر اور خصوصاً ایک کامل الفن اور ماہر شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اوپر کچھ ایسے قیود عائد کرے اور کچھ ایسے قواعد اور کیلے مقرر کر لے جو اسکے کلام کو دوسرے شعراء سے اچھا نہ بنا سکیں تو متغیر گردیں۔ میر صاحب بھی چند باتوں کو پسند کرتے تھے اور چند کو ناپسند۔

(۱) اُن کا خیال ہے کہ شاعری اک فن شریف ہے۔ اور شریف ہی اس فن کو اختیار کرتے تھے۔ اجلاف کا اس کو جیسے میں گزر نہیں۔

۱۔ محبتیں جب تھیں تو یہ فنِ شریف	کسب کرتے جنگی طبعیں تھیں لطیف
تھے میر درمیاں انصاف تھا	خارخوس سے کیا یہ عرصہ صاف تھا
۲۔ دخل اس فن میں نہ تھا اجلاف کو	کچھ بتاتے بھی تھے سوا شراف کو
تھے جو اُس ایام میں اُستادِ فن	ناکسوں سے مئے نہ کرتے تھے سخن
۳۔ ہم ملک بھی تھی وہی رسمِ قدیم	یعنی جن کے ہوتے تھے ذہنِ سلیم
۴۔ پیار کرتے تھے اُنھیں اُشا و فن	اُن کے ہوتے رہبر راہِ سخن
۵۔ جلف داں زہنار پاتے تھے نہ بار	شاعری کا ہے کو تھا ان کا شمار
۶۔ نکتہ پردازی سے اجلافوں کو کیا	شعر سے ہزاروں نڈانوں کو کیا

(۲) شعر کے لیے علمی قابلیت اور معلومات فن کا ہونا از بس ضروری ہے۔ چنانچہ اسی بارہ میں شہنوی تنبیہ الجہال میں اُنھوں نے وزیر اصفہان اور ملالی کا قصہ بیان کیا ہے۔

۷۳ (۳) شعر میں زبان اور رد مزہ نہایت صاف ہو۔ روانی کو کسی صورت میں ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔ رکیک خیالات اور عوام کے جذبات و عادات یا گفتگو سے شعر کو کوئی لگاؤ نہ ہو۔ نکات الشعراء میں قدر کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”زبان اور زبان لوطیاں می ماند“۔

۷۴ (۴) شعر میں کوئی خاص انداز بیان اور کوئی نادر بات ہونا چاہیے۔	۷۵ (۵) شعر میں وہی ترکیب فارسی لانا جائز ہے جو زبان پر بار نہ ہو۔ اس فرق کو غیر شاعر نہیں سمجھ سکتا۔ اور جو ترکیب زبان رنجیت سے مانوس نہ ہو اس کا استعمال محبوب ہے۔ اس بات کا سمجھنا بھی سلیقہ شاعری پر موقوف ہے۔
۷۶ (۶) متقدمین میں ایہام کا بڑا رواج تھا اور اب اس بات ذہ اس کو پسند نہیں کرتے۔ مگر جبکہ نہایت شستگی اور رفتگی سے اس کا استعمال کیا جائے۔ ایک جگہ میاں حسن اللہ کے ذکر میں نکات الشعراء میں کہا ہے ”ماہل باہام بود۔ ازیں جہت شعرا بے رتبہ ماند“۔	۷۷ (۷) تنافر سے کلام کو پاک کرنے کی کوشش ضروری ہے۔

۷۸ (۸) شاعر کو محاورے میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ میر سجاد کے اس شعر پر اُنھوں نے اعتراض کیا ہے۔

۷۹ (۹) جو طرز کلام اور انداز شعر کوئی میر صاحب نے خود اختیار کیا تھا وہ تمام	۸۰ (۱۰) یہ ہماری زبان ہے پیارے
۸۱ (۱۱) حسن تو ہے ہی کہ و لطف زبان بھی پیدا	۸۲ (۱۲) میر کو دیکھو کہ سب لوگ بھلا کہتے ہیں
۸۳ (۱۳) دیکھو تو کس روانی سے کہتے ہیں شعر میر	۸۴ (۱۴) دُور سے ہزار چند ہے اُنکے سخن میں آب

۸۵ (۱۵) میر شاعر بھی سلیقہ شاعری پر موقوف ہے۔

۸۶ (۱۶) متقدمین میں ایہام کا بڑا رواج تھا اور اب اس بات ذہ اس کو پسند نہیں کرتے۔ مگر جبکہ نہایت شستگی اور رفتگی سے اس کا استعمال کیا جائے۔ ایک جگہ میاں حسن اللہ کے ذکر میں نکات الشعراء میں کہا ہے ”ماہل باہام بود۔ ازیں جہت شعرا بے رتبہ ماند“۔

۸۷ (۱۷) تنافر سے کلام کو پاک کرنے کی کوشش ضروری ہے۔

۸۸ (۱۸) شاعر کو محاورے میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ میر سجاد کے اس شعر پر اُنھوں نے اعتراض کیا ہے۔

۸۹ (۱۹) جو طرز کلام اور انداز شعر کوئی میر صاحب نے خود اختیار کیا تھا وہ تمام

۹۰ (۲۰) یہ ہماری زبان ہے پیارے

۹۱ (۲۱) حسن تو ہے ہی کہ و لطف زبان بھی پیدا

۹۲ (۲۲) دیکھو تو کس روانی سے کہتے ہیں شعر میر

۹۳ (۲۳) دُور سے ہزار چند ہے اُنکے سخن میں آب

صنایع بدایع کا حاوی اور حامی تھا۔ تخیلیں۔ ترصیع۔ تشبیہ۔ صفائے گفتگو۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ادابندی۔ خیال اُس میں سب پائی جاتی تھیں۔ اور یہی اُن کو پسند بھی تھا۔ اس لیے کہ زمانہ کی روش یہی تھی۔ مگر ان سب چیزوں سے صرف شعر کے خارجی پہلو پر روشنی پڑتی ہے داخلی اوصاف کے متعلق بھی اُن کے یہ خیال ہیں۔

(۱۰) شعر جذباتِ دل کا آئینہ ہونا چاہیے۔ اور جو کچھ کہہ جائے اُسے تاثیر و تاثر کے ساتھ روح و جسم کا سا قرب حاصل ہو۔ خواہ وہ استعارہ ہی کیوں نہ ہو۔

کیا تھا رنجِ پردہ سخن کا	سو ٹھہرا ہے یہی اب فنِ بہارا
اس پردے میں غمِ دل کتنا ہے میرا	کیا شعر و شاعری ہے یا روشِ عاشر
ابھ کو شاعر نہ کہ میر کہ صاحب میں نے	دروغِ کلمے کیے جمع سو دیوان کیا
بے سوز دل کنبھوں نے کہا رنجِ تو کیا	گفتارِ خام پیشِ عزیزاں نہ نہیں

(۱۱) شاعری کو صرف گل و بلبل کے افسانوں تک محدود نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ وہ اس سے بہت وسیع چیز ہے۔ اسی بنا پر اُنھوں نے تاہاں کی روش پر نکاتِ اشعار میں یہ کہہ کر اعتراض کیا ہے۔ ”ہر چند عرصہ سخن او میں در لفظِ گل و بلبل تمام است۔ ابیاری بختی میگفت“ یہ سب چیزیں وہ ہیں جن کا میر صاحب کے اشعار اور نکاتِ اشعار سے پتہ چلتا ہے مگر اُن کے کلام میں جو چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اجمالی طور پر ہم اُنکو بیان کرتے ہیں۔

سے کلام پر ایک محلِ تبصرہ

پہلو کو نہیں لیتے۔ لباسِ زیور۔ حتیٰ کہ سراپا وغیرہ کی کوئی پروا نہیں۔ بلکہ اس کی جگہ جذباتِ عشقیہ۔ سوز و گداز۔ ناکامی کے بیان۔ محاکات۔ معاملہ بند ہی وغیرہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ میر صاحب بھی انھیں لوگوں میں سے ہیں۔ وہ بھی حزن و الم کی ایک تصویر ہیں۔ برشتگی اور دروندانہ خیالات اُن کے رنگِ تغزل کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور بلا مبالغہ اپنے معاصرین اپنے مقدمین۔ اپنے متاخرین سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور اتنے بڑھے ہوئے کہ اُن کے بعد کے بڑے بڑے بالکالوں نے اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کا ارادہ کیا اور سخت سے سخت کاوشوں اور کوششوں کے بعد بھی اُن تک نہ پہنچنے پر اپنی ناکامی کا نہایت ہمت شکن الفاظ میں اعتراف کیا جیسے (ذوق)

<p>نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب</p>	<p>ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا</p>
<p>یہ دیکھ کر قدرت کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسکی وجہ کیا ہے کہ وہ بغیر شرکتِ احد سے اس جذبہ حزنہ - اور اس وارداتِ قلبیہ کے مالک ہیں۔ اور اسکے جواب میں یہ بات بھی آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ ۱۔ قبولِ خاطر و لطفِ سخنِ خدا و اداسست + مگر ساتھ ساتھ اُنکی عاشقِ مزاجی اُنکی فطرتِ حسن پرست - اور اُن کے تلخ تجربات - اُنکی نامِ ادا نہ زندگی - اُنکے انقلابِ انگیز ماحول کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جنکی وجہ سے یہی دردِ واشر - ہرنگی و شفقگی - حیران و ابھوسی - اضطرابِ قلبی فطرتِ ثانیہ بن کر اُن کے تزل کا وہ نمایاں جوہر بن گئے کہ آج دیکھنے والوں کی سب سے پہلی نظر اسی خوبی پر پڑتی ہے۔ کوئی اسکو بہتر نشتر سے تعمیر کرتا ہے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ وہ اسی کے لیے پیدا ہوئے تھے چنانچہ خود بھی کہتے ہیں ۵</p>	<p>ہم کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب ہم نے</p>
<p>پھر اگر زندگی کی واردات - عشق کے واقعات کو ایک سادہ اور پرکیز زبان میں نہ بیان کیا جائے تو اس کا دوسروں پر اس درجہ اثر بڑا غیر ممکن ہے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں شاعر ہوا کیے ہیں جنہوں نے عمر بھر یہی رونا رویا - ہجر و فراق کے مصائب بیان کر کے وحشتِ جنون بیاہاں گردی - ناصح کی ملامت - رقیبوں کی شرارت کے نقشے کھینچتے رہے۔ مگر دنیا نے اُن کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا - کہ کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔ لامحالہ ضرورت ہوئی کہ اس چیز کو تجزیہ کر کے بتایا جائے جو میر کے کلام میں پوشیدہ ہے۔ مگر دشواری اور بڑی دشواری یہ ہے کہ فنونِ لطیفہ خواہ وہ شاعری ہو - خواہ مصوری - خواہ موسیقی تجزیہ کے بار کی متحمل نہیں ہو سکتے۔ اور فنونِ لطیفہ کیا میں تو یہ کہتا ہوں کہ کوئی حسن نہ تجزیہ کا بار اٹھا سکتا ہے اور نہ کوئی عشقِ تجزیہ کا خواستگار ہو سکتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ میر نے ایسے ہی موقع پر کہا ہو ۵</p>	<p>درد و غم کہنے کیے جمع تو دیوان کیا</p>
<p>کیا جانوں دل کو کھینچیں ہیں کیوں شومیر کے</p>	<p>کچھ ایسی طرز بھی نہیں ایسا م بھی نہیں</p>
<p>پھر بھی جانتک غور کیا جاتا ہے اُن کے اچھیں جذبات میں کمی چیزیں شامل ہیں اور ان کی شمولیت روح و جسم - آب و رنگ کی شمولیت ہے جس کا جد اکرن اور جد ہونا محال ہے ۵</p>	<p>یہ جو چشم پر آب ہیں دونوں</p>
<p>ایک خانہ خراب ہیں دونوں</p>	<p>یہ جو چشم پر آب ہیں دونوں</p>

✓ میں جو بولا تو بولے یہ آواز اُسی خانہ خراب کی سی ہے

میر کے یہ دو مشہور شعر ہیں۔ سنئے والا ان کو سن کر دل تھام کر ایک آہ تو ضرور ہی کر لیتا ہے اور جس قدر دل میں گداز ہوتا ہے اتنا ہی اثر لیتا ہے۔ مگر جب غور کیا جاتا ہے تو ان دونوں شعروں میں نہ تو کوئی نیا مضمون دکھائی دیتا ہے۔ نہ کوئی گہرا فلسفہ حیات ملتا ہے نہ جذباتِ عشقیہ کی کوئی اچھوتی تصویر نظر آتی ہے۔ نہ کوئی اخلاقی مسئلہ ہے۔ مگر اثر اتنا ہی ہوتا ہے جیسے ہونا چاہیے۔ آخر ذوقِ سلیم کو ماننا پڑتا ہے کہ مجموعی حیثیت سے ان دونوں شعروں میں وہ سب باتیں ہیں جو دلوں پر تیر و نشتر کا کام کرتی ہیں اور ان کی تشریح و تجزیہ نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح میر کے بیشتر اشعار ہیں جو سوز و گداز۔ تاثر و تاثر کے لحاظ سے ہمیشہ ہیں۔ گو تجزیہ اور تقسیم لطافت کی شمع ان کے سامنے گل ہو جاتی ہے۔ اور اس کوشش و جستجو کو ناکام واپس آنا پڑتا ہے۔ مگر غور کرنے پر ان کے مجموعہ کلام میں ان چیزوں کا پتہ چلتا ہے۔

- (۱) کیفیات حسن و عشق۔ وارداتِ محبت حقیقی و مجازی (۲) نفسیات۔ فلسفہ نفسیات۔
- (۳) ندرت بیان۔ اسلوب بیان (۴) آلام و مصائب کے تلخ تجربات اور اُن کے اظہار کی قدرت۔
- (۵) عاجزانہ یا عاشقانہ طنز و مزاح جو اکثر اشعار کی تہ میں موجود ہیں (۶) تخیل کی بلندی۔
- (۷) اکثر عام اور پیش پا افتادہ مضامین سے احتراز۔ (۸) زبان کی سادگی۔ سلاست۔
- (۹) رزمیہ اور محاورات کی صفائی (۱۰) الفاظ میں موسیقیت اور ترنم کے ساتھ روانی۔
- (۱۱) آوروں سے احتراز۔ آمد کی پابندی (۱۲) تلمیحات و لٹینس (۱۳) معلومات عامہ کی وسعت۔
- (۱۴) کہیں کہیں تناسب الفاظ جو ایہام کی حد تک پہنچتا ہے۔ (۱۵) فارسی ترکیبوں کا نہایت بر محل استعمال۔ (۱۶) بعض جگہ بدیع استعارے اور نازک تشبیہیں (۱۷) کہیں کہیں لکھی گئی مصوفانہ روش (۱۸) ایسی ظرافت جسکو زیر خند سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔
- (۱۹) بیباکی اور صاف گوئی (۲۰) نہایت دلکش اور رواں کجسروں کا انتخاب۔
- (۲۱) دنیا کے سراپا زوال اور فانی ہونے کے عبرتناک مرتعے۔

یہی چیزیں ہیں جو ان کے کلام کے اجزاء ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ غزل کے موضوعِ قدیم کے پابند ہونے۔ معشوق کو اس کی قدیم صفات سے موصوف کرنے کے باوجود بھی میر کے یہاں یہ چیزیں روشن شاروں کی طرح اچھک رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم ان سب چیزوں

پر غلغلہ ملجھدہ روشنی ڈال کر میر کے بہت سے اشعار اپنے ثبوت دعویٰ کے لیے پیش کریں۔ مگر اول تو طوالت مضمون کا خوف ہے دوسرے میر کا مکمل دیوان آپ کے سامنے ہے اس لیے اس طویل عمل کو گوارا کرنا بے معنی سی بات ہے۔ لہذا اس کے بعد اُنکے مختلف اصناف کلام پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

غزلیات۔ میر صاحب کی غزلیات کے چھ دیوان ہیں۔ اور بیشتر مروجہ اصناف کلام میر

بحروں میں اُن کی غزلیں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ عام طور سے بحیثیت مجموعی اُن کی تمام غزلیں سوز و گداز سے بھری ہوئی ہیں۔ اور یہ دیکھ کر کہ وہ اپنے تمام معاصرین بلکہ متقدمین سے بھی اس صنعت خاص میں بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ کہنا کچھ بیجا نہیں کہ وہ صرف غزل گوئی کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ مگر اُن میں چھوٹی بحروں کی غزلیں نہایت بلند پایہ رکھتی ہیں۔ اور طویل بحروں کی غزلوں میں اکثر حشو اور بھرتی کے اشعار بھی ہیں۔ زمانہ کی عام روش نے مار دہستی۔ اور شیخ وزراہد کی ہجو و کیک سے اُن کی غزلوں کو بھی پاک نہیں رہنے دیا۔ اور اگر بالاستیعاب اُنکے دیوانوں کا مطالعہ کیا جائے تو ایسے اشعار کی اچھی خاصی تعداد نکل آئے گی۔ اور غالباً یہی دیکھ کر بعض صاف گو نقاد یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اُنکا بلند کلام نہایت بلند ہے۔ اور سب سے بڑا اتہا پست۔ پھر بھی مجموعی حیثیت سے وہ ہندوستان کے اکثر غزل گوؤں سے ممتاز ہیں۔ اور خواجہ میر درد کے سوائے دوسرے ان کا مقابل نہیں۔

قصائد۔ یوں تو میر ایک قادر الکلام شاعر تھے کون سی ایسی چیز ہے جو اُن کے یہاں نہیں اور کسی چیز میں اُن کی شاعری کے خط و خال نہیں پائے جاتے۔ مگر استاد ہونا اور بات ہے اور کسی چیز سے طبیعت کی مناسبت ہونا شے دیگر۔ وہ قصیدہ کہنے پر قادر ضرور تھے۔ اور کوئی شک نہیں کہ اُن کو ایسے مواقع پیش آئے ہونگے جہاں اپنا زور طبیعت دکھانا ضروری ہوتا ہے۔ مگر اُن کی فطرت اور اُن کی افتاد طبیعت۔ اُنکے گرد و پیش سے یہ چیز بہت دور تھی۔ اور یقیناً وہ اس میں سودا یا ذوق کی طرح کامیاب نہیں کہے جاسکتے۔ اُن کے قصیدوں میں نہ زور ہے۔ نہ علو خیال ہے۔ نہ وہ باتیں ہیں جن کی بہتری پر قصیدہ کی بہتری کا انحصار ہے۔ استاد ہی استاد ہی ہے اور صرف استاد ہی سے کام نہیں چلتا۔

رباعیات۔ رباعیات کو کالمین نے فلسفیانہ اور حکیمانہ خیالات کے لیے مخصوص رکھا ہے۔ تصوف کے رموز و اسرار کو اسی میں ادا کیا گیا ہے۔ چنانچہ فارسی کے مشہور رباعی

کہنے والے حکیم عمر خیام فرید الدین عطارؒ۔ ابو سعید ابو الخیرؒ۔ سجانی وغیرہم کے یہاں برابر یہی روش اور یہی انداز کار فرما ہے۔ مگر رنجتہ گویوں نے اسکی زیادہ پابندی نہیں کی میر صاحبؒ نے بھی سوسو رابعیاں کہیں۔ مگر اُن کے صرف صحیح کے پابند نہ رہنے کی وجہ سے اُنکی رابعیاں اس درجہ پہنچ سکیں۔ البتہ خواجہ میر دردؒ نے اُردو اور فارسی میں حسبِ قدر رابعیاں کہیں وہ اُسوقت کے لحاظ سے بہترین نمونہ ہیں۔ دورِ موجودہ میں اُردو میں چند رباعی کے کہنے والے ایسے پیدا ہوئے ہیں جنکے سامنے پچھلے لوگوں کی رابعیاں دیکھنے کو جی بھی نہیں چاہتا۔

مخمس مسکس ترکیب ترجیع بند | مخمس۔ مسدس۔ ترجیع بند میں سے اکثر کو اُنھوں نے اپنے مقصداتِ مذہبی کے لیے مخصوص کیا ہے۔ چنانچہ ایک ہفت بند۔ ایک ترجیع بند۔ دس مخمس۔ تین مسدس میں صرف منقبت کہی گئی ہے۔ اور ایک مسدس میں نعت ہے۔ اور اس سے اُن کے خلوص عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ تین مخمس ایسے ہیں جن میں اپنی یاد دوسروں کی غزلوں کی تفسیر ہے۔ دو ترکیب بند عاشقانہ ہیں اور خوب ہیں کچھ شلت ہیں جن میں بھی تفسیریں ہیں۔ اور چار مخمسات میں ہجویات ہیں جن کا ذکر ہجویات میں مناسب ہوگا۔

واسوخت | واسوخت کا میر صاحبؒ کو موجد بتایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ مگر اس قسم کی نظمیں بعض پہلے بھی کہی گئی تھیں۔ اور اُسکے نو نے اُردو فارسی میں موجود ہیں میر صاحبؒ کے واسوختوں میں اُن کے متبعین کا ساز و رہنمائی ہے۔ مگر اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمِ کے بموجب وہ قابلِ مبارکباد ضرور ہیں کہ اُنھوں نے ایک ایسا راستہ نکالا جس پر متاخرین بڑی آسانی سے کام لے سکیں۔

ہفت بند۔ ممکن ہے کہ اُردو میں نئی چیز ہو۔ اسکو دیکھ کر ملا محشم کاشی کا ہفت بند یاد آ جاتا ہے۔ پھر بھی میر صاحبؒ کی کوشش رائگاں نہیں ہے۔ اور اگرچہ وہ منقبت کے لیے مخصوص رکھا گیا ہے مگر نہایت عمدہ ہے۔

ثنویات۔ غزل کے بعد سب سے زیادہ یہی چیز میر صاحبؒ کے یہاں قابلِ ذکر ہے بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ غزل کی طرح ثنوی کے اُستاد نہیں۔ بلکہ ثنوی میں اُن کا کوئی خاص درجہ نہیں یہ رائے پایہ تحقیق اور وجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ سر شاہ سلیمان صاحبؒ نے انتخابِ ثنویات میرؒ میں مولوی عبدالسلام صاحبؒ مصنف شعرِ اہند کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ”وہ ثنویات کے موجد اور عمدہ نمونہ ہیں۔ انھیں قدرتی انداز ہے۔ انھیں کی بدولت ثنوی کو ترقی ہوئی۔ میر حسنؒ اور شوقؒ کو

انھیں کا مقلد سمجھنا چاہیے۔ باوجود اسکے یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اکثر ثنویات جس میں کہتے، بلی ہیری اور مرغ وغیرہ کے قصے درج میں نہایت گری ہوئی ہیں۔ بعض ثنویوں میں ہندی کے ٹھیکھ اور ثقیل الفاظ ہیں۔ بعض میں محسّ قصے نظم ہیں۔

اسی طرح میر سے دوست مجنوں گو رکھپوری نے رسالہ ایوان جنوری ۱۳۳۶ء میں میر صاحب کی ثنویات کی بابت یہ رائے دی ہے۔ ”غزل کے بعد میر اگر کسی صنف میں ممتاز ہو سکتے ہیں تو وہ ثنوی بالخصوص عشقیہ ثنوی ہے۔ اور وہ اس لیے کہ عشقیہ میں تغزل کا رنگ بڑی حد تک نباہا جاسکتا ہے۔“

میر سے نزدیک میر رائیں نہایت سرسری ہیں اُسی طرح میر حسن اور نواب مرزا شوق کو میر صاحب کا مقلد قرار دینا محلِ تامل ہے۔ کیونکہ میر صاحب کی عشقیہ ثنویاں نہایت صاف۔ رواں۔ آوروں سے پاک و صاف ہیں۔ اُن کے بیان کی سلاست اور روانی سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے قصہ اُکسی چیز کے بیان کا اہتمام نہیں کیا ہے۔ بلکہ بے تکلفانہ جو قلم سے نکلتا گیا اُس کو لکھتے چلے گئے۔ اسی واسطے اگر تجزیہ کیا جائے تو اکثر مواقع پر اُن کے بیانات میں کمی نہیں بلکہ ایک تشنگی سی محسوس ہوتی ہے۔ بخلاف اسکے میر حسن نے اپنی تلاش اور جستجو سے ہر منظر اور ہر محل کے مطابق اُس محل کی ضروریات کو قصہ آ جمع کر کے بیان کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اُنکی زبان کی گھلاوٹ اور روانی کہیں بھی اس بات کو ظاہر نہیں ہونے دیتی کہ یہاں آوروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ یہی حال شوق کا ہے کہ دہ زبان کی تشنگی اور محاورات کے پھیر میں گم ہو جاتے ہیں۔ اور چونکہ وارداتِ قلبی کو بھی نہایت ملائم الفاظ میں محاورات اور زمرہ کا زیور پہنا کر لاتے ہیں۔ اس واسطے یہ نہیں چلتا کہ یہ آدہ ہے یا آورد۔ بہر نوع میر صاحب کی عشقیہ ثنویاں نہایت صاف اور ان باتوں سے برتری ہیں۔ اور پھر ثنوی کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں وہ بھی اُن کے ہاتھ سے نہیں جاتیں۔ تسلسل کا سررشتہ نہایت مضبوط ہے۔ مبالغہ سے پاک اغراق اور غلو سے مُبرا ہیں۔ تشبیہیں کم ہیں۔ مگر جہاں کہیں ہیں وہ بہت بلند ہیں۔ پھر بھی اس بات سے انکار نہیں کہ وہ ثنوی کے موجد ہیں اور اُس قسم کے قصوں کو شاید آردو میں پہلے انھوں نے ہی نظم کیا ہے اگرچہ اُن کے دور حیات ہی میں اس کی کثرت ہوئی اور اُنکے اکثر معاصرین نے ثنویاں لکھیں جبکہ بعد میر کی استاد ہی کے احترام کے سوائے کوئی خاص امتیازی شان ان میں باقی نہیں رہی۔

اب اُن شنویوں کو دیکھنا بھی نہایت ضروری ہے جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بہت گری ہوئی ہیں۔ سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رہنا چاہیے کہ عشقیہ شنویاں جو اُردو میں شروع ہوئیں وہ صرف فارسی کا اتباع ہیں۔ اور یہ بات پھپھی ہوئی نہیں ہے کہ فارسی میں بہتر سے بہتر رزمیہ اور نیمہ شنویاں ہیں جو شاعری کی داخلی اور خارجی خوبیوں سے بھری ہوئی ہیں مناظر کے نقشے۔ محاکات کی خوبیاں۔ زبان کی لطافت۔ بیان کی صفائی۔ سبھی کچھ اُنہیں موجود ہے پھر اگر اُن کو دیکھتے ہوئے زبان اُردو میں بھی اس قسم کی چند شنویاں پیش کی گئیں تو کچھ زیادہ نئی بات نہیں۔ بخلاف اس کے ایسی چیزیں جن پر میر صاحب نے قلم اُٹھایا ہے فارسی میں بھی بہت کم ہیں اُردو میں تو اُن سے پہلے ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ دنیا۔ جھوٹ۔ ہولی۔ اژدہ نامہ۔ تنبیہ الجہال۔ تعریف آغاز شید۔ نذرت آئینہ دار۔ کتے کے پالنے والے کی بھوپو کوں۔ مرغ بازی۔ غم نداری۔ بزمِ بخر۔ بوزنہ۔ موہنی بلی۔ کتے بلی کی دوستی۔ خروس وغیرہ۔ یہ سب نذرت سے خالی نہیں ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ شاعر کے لیے نہ ان میں بیان کی وسعت کی گنجائش ہے۔ نہ تخیل کی بلندی کا امکان ہے۔ نہ مناظر ہیں۔ نہ مراحل ہیں۔ نہ باغ ہے جس میں روشوں و رنگوں اور پھولوں کی تعریف کی جائے۔ نہ آبجو ہے۔ نہ ساتی و شراب ہے۔ نہ معنی و رباب ہے۔ پھر بھی اپنے زورِ بیان کی عظمت کو بہترین الفاظ۔ بہتہ محاورات کے بر محل استعمال سے قائم رکھنا اور وہ سب چیزیں جو بڑے قصوں کی شنویوں میں ہوتی ہیں اسی میں سے آنا کس قدر دشوار چیز ہے۔ پھر جب یہ سب چیزیں اُنکی اس قسم کی شنویوں میں موجود ہیں تو انکو نظر انداز کرنا زیادتی کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے۔

اب ذرا اُن شنویوں کو بھی دیکھیے جن میں اُن کو تفصیل کی گنجائش مل گئی ہے۔ اپنے گھر کا حال۔ برسات کی شکایت۔ وہ سفر جو برسات کے زمانہ میں کیا تھا اور جو تنگ نامے کے نام سے موسوم ہے۔ کتھدائی آصف الدولہ۔ دونوں شکار نامے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن میں مناظر۔ قدرت بیان۔ کثرت الفاظ۔ محاکات۔ حسن بیان۔ ربط و تسلسل وغیرہ اس حد تک ہیں کہ اُن کو دیکھ کر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ شنوی کے بلا شرکت غیرے مالک ہیں۔ اور گو عشقیہ شنویوں میں اُن کے حریت بھی ہیں۔ مگر ان میں ان کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اور یہ ایسے شاہکار ادب ہیں جو زبان اُردو کے سرمایہ کے لیے باعثِ ناز ہیں۔

مدحیات میر | اپنا سُلُوک۔ اُمرا۔ اور اہل دول کی مدحیات میں میر صاحب کا رتبہ سودا سے زیادہ بلند نہیں ہے اور اسکی وجہ اُنکی فطری کبیدگی۔ افسردہ خاطر۔ استغنا۔ خودداری سے زیادہ نہیں۔ وہ خوشامد۔ دربارداری اور اُسکے شیب و فراز سے یاد آتے ہی نہ تھے۔ یا واقف تھے تو ان کا تھل اُنکی نازک دماغی سے ہونہ سکتا تھا۔ اسی وجہ سے اُن کو اس قسم کی مدحیات میں جو زیادہ تر قصیدوں سے وابستہ ہوتی ہیں۔ دوسرے حرفیوں کی طرح کامیابی تو نہ ہوئی۔ مگر اسکے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ ان کا اس چیز میں کوئی درجہ ہی نہیں۔ بلکہ بھنگی کلام۔ معلومات فن۔ تخیل کی کارپردازی وغیرہ تو سب کچھ ہے۔ اگر نہیں ہے تو شان نیاز مندی کا وہ جوش اور مدوح کی جاوید حمایت کا وہ خروش نہیں جو قصیدے کی جان اور قصیدہ نگار کی ارفع و اعلیٰ شان ہے۔

ہجویات میر | قبل اسکے کہ ہجویات پر کوئی غائر نگاہ ڈالی جائے۔ یہ معلوم کرنا ضروری ہے۔ کہ کسی ہجو کرنے والے کو ہجو کی ضرورت کئی وجہوں سے ہوتی ہے۔ [یا ذاتی خواص کی بنا پر خواہ اُسکے وجہات کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ یا کسی فعل کسی رسم کو قبیح سمجھنے پر۔ یا کسی دور کی سوسائٹی کی مختلف خرابیوں پر۔ یا کسی جماعت یا اس جماعت کے کسی فرد کے اخلاق و عادات کو بُرا جانے پر۔ یا فطرتاً اور طبعاً کسی شے سے تنفر کرنے اور اُسکو مکروہ سمجھنے پر۔ یا کسی شخص اور کسی چیز سے اذیت اٹھانے پر۔ یا صفت مسخر اور تضحیک کی نیت سے۔ یا حکومت دار کا حکمت کی خامیوں پر۔ یا مذہب اور رسم و رواج کے تعصب پر۔ غرض ایسی ہی چیزیں ہیں جو ہجو کی بانی ہوتی ہیں۔

ہجو میں طعن۔ طنز۔ تشبیہ۔ پھبتی۔ ظرافت۔ مسخر وغیرہ سبھی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور کبھی محض ایک چیز ہی پر پوری ہجو کا انحصار ہوتا ہے۔ اسی طرح ذاتیات کو بھی ہجو میں پورا دخل ہوتا ہے۔ مگر وہ ہجو بدترین ہجو ہے جس میں ذاتیات کے جھگڑوں کو بروئے کار لا یا گیا ہو۔ یا اس میں مذہبی تعصبات کو دخل دیا گیا ہو۔ یا فواحش سے زبان قلم کو آلودہ کیا گیا ہو۔ یہ بات سودا کے یہاں بہت زیادہ ہے۔ بخلاف اسکے میر صاحب کا دامن زیادہ تر ان الواث سے پاک صاف ہے۔ اُنھوں نے نہ کہیں مذہبیات کی طرف رُخ کیا ہے۔ اور نہ اختلاف مذہب کے سبب حرفیوں کو بُرا کہا ہے۔ نہ سودا کی طرح کسی کی ہوبیٹیوں کو گالیاں دیکر مسخر کیا ہے۔ بلکہ اُن کی تمام تر ہجویات کوئی نہ کوئی اصلاحی پہلو لیے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میرے نزدیک سب سے زیادہ ہجو بلا س رائے کی ہے جس میں میر صاحب کچھ نہ کچھ اپنی حدود سقرہ سے بڑھ گئے ہیں۔

مگر بھر بھی ہجو کا اصل نشا و ہوی شریف گردی کا نقشہ کھینچنا۔ اور کم مایہ کم پایہ لوگوں کا عروج دکھانا ہے۔ دوسری ہجو۔ ہجو لشکر میں سلطنت مغلیہ کے آخری دور کی اتری۔ بے زری اور امر کی بے پرواہی کی ایک مکمل تصویر پیش کرنا۔ تیسری ہجو نواجہ سراسے کو ایک خاص انداز میں لکھا گیا ہے۔ یعنی صرف ایک حکایت کہ کہ کنایتہ تعریفی پر دے میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ ہر یکے راہر کارے ساختند۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنے رتبے اور اپنے عہدے سے زیادہ باتیں نہ بنائے۔ شوقی ہجو مرغبازاں میں لکھنؤ کی سوسائٹی کی کمزوریاں اور خرابیاں بیان کی ہیں۔ اسی طرح اپنے گھر کی خدمت میں دو شنوایاں کہی ہیں۔ مگر ان میں محاکات اور تفصیل کا کمال دکھایا ہے۔ انکو پڑھ کر آج تک میر صاحب کی مجبوری مندوری افلاس ادبار کی افسردہ تصویریں سامنے آ جاتی ہیں۔ برسات کی ہجو مناظر نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ ہجو نا اہل میں اپنے آپ کو اپنے مقابل کے مقابلہ میں اعلیٰ و افضل ثابت کر لے کی مکمل کوشش اور اُسی کے ساتھ اُس کو حقیقی نا اہل ثابت کرنے کی سعی ہے۔ کتے پالنے والے کی شنوی ایک ناصحانہ کارنامہ ہے۔ تنبیہ الجھسال جاہلوں کے واسطے تازیانہ عبرت ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ فن نظم کا بڑا درجہ ہے۔ اور ہر عامی اسکو اختیار نہیں کر سکتا۔ اُردو نامہ میں اپنے معاصرین کو صرف شاعرانہ انداز میں بُرا کہہ کر اپنے آپ کو بُرا نہ بھایا ہے۔ اور اسکے مجرم صرف وہی نہیں ہیں بلکہ مہذبانہ پیرائے میں بہت سے نام آوری کر چکے ہیں۔ خدمت آئینہ دار سے ولی نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ میر صاحب کی وضع داری اور اجلافت و اشرف میں فرق کرنے کا انداز اس سے معلوم ہوتا ہے۔ شنوی خدمت کذب میں طنز و گنہایہ اور آپ بیتی داستان ہے۔ جس کو سنکر لطف آتا ہے۔ ہجو اکول کی بنا صرف تسخر و مزاح پر ہے اس سے زیادہ نہیں۔

اُن کی ہجویات کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ الفاظ مناسب کو اس طرح سے صرف کرتے ہیں کہ نہ صرف نظم کا بلکہ ہجو کا زور چار چند ہو جاتا ہے۔ وہ اس فن میں معلومات کے دریا بہاتے چلے جاتے ہیں۔ اور بائیکہ ہجو سب سے بُری چیز ہے۔ مگر سب سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔

اُن کی ہجویات میں بے باکی۔ اور ادب و باشی کا کوئی نام و نشان نہیں۔ بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ایک جہانزیدہ گرم و سرد زمانہ چشیدہ کچھ نصیحتیں کر رہا ہے۔ اور کہیں کہیں وہ اپنے انداز کلام میں ظرافت اور زہر خند کو بھی شامل کر لیتا ہے۔

اُن کی ہجویات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجو تو ضرور کر رہے ہیں۔ مگر دل کے بُرے نہیں۔ وہ زبان سے سب کچھ کہتے جاتے ہیں۔ مگر عداوت کے غبار سے ان کا دل پاک ہے۔

اُن کی ہجویات تہہ دیتی ہیں کہ وہ کچھ قافز زما نے کی روش سے تنگ آکر کچھ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ورنہ اُن کو کسی سے عداوت ذاتی نہیں۔ ہجویات میں اُن کا مقابل اُن کا معاصر سودا ہے۔ اور اسکو اس فن خاص میں اُن سے بہت آگے بتایا جاتا ہے۔ اگر بیباکی۔ شوخ طبعی۔ تخر۔ تلخ گوئی۔ فحاشی ہی کا نام ہجو ہے تو بیشک یہ خیال درست ہے۔ ورنہ اصل یہ ہے کہ میر طرز و تعویض کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ صرف ہجو ہی نہیں اُن کے نشین کلام میں بھی طنزیات اسدرج کے ہیں کہ جھکا کہیں جواب نہیں۔ اور ہجو تو طنز کی اتنی محتاج ہے کہ جتنی دوسری چیز کی نہیں۔ پھر ان کی ہجویات پر دوسروں کی ہجویات کو ترجیح دیدینا بے سوچے سمجھے ایک بات کہہ دینا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اُن کی طنزیات کہیں بھی حاسدانہ اور مخاصمانہ انداز کی نہیں ہیں۔ بلکہ ہر جگہ معلوم ہوتا ہے کہ طنز کرنے والا ایک پُر سوز دل رکھتا ہے۔ وہ جس آگ سے خود جلا ہے اس سے دوسرے کو بھی جلا نا چاہتا ہے اور بس۔

تصانیف امیر (۱) کلیات نظم اردو جس میں غزلیات کے چھ دیوان۔ شذیاں۔ تہنیں۔ قطعات۔ رباعیات۔ ترکیب بند۔ ترجیع بند۔ واسوخت۔ قصاید۔ وغیرہ سبھی چیزیں شامل ہیں۔ اور جن میں سے ہر صنف کلام کے متعلق علحدہ علحدہ اظہار خیال کیا گیا ہے۔

(۲) نکات الشوا۔ یہ اردو کے قدیم شعراء کا تذکرہ ہے۔ جو فارسی زبان میں لکھا ہے۔ اور رختہ گوئیوں کا سب سے پہلا تذکرہ ہونے کا اس کو شرف حاصل ہے۔ اگرچہ اس میں شعراء کے حالات بہت مختصر ہیں۔ مگر جو کچھ ہیں وہ بہت غنیمت ہیں۔ میر صاحب نے اس میں کہیں کہیں کسی شاعر پر اعتراض بھی کیے ہیں۔ اور بہت سی جگہ دل کھول کر داد بھی دی ہے۔ جس سے ہلکی سی تنقید کی جھلک دکھائی دے جاتی ہے۔ اس تذکرہ کی عبارت نہایت سلیس اور با محاورہ ہے۔ تصنیف ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۲ء

(۳) ذکر میر۔ یہ میر صاحب کے واقعات اور سوانح عمری کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ اس میں شاعرانہ حالات اور واقعات نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی تاریخی حیثیت سے نہایت کار آمد ہے۔ سلطنت مغلیہ کے آخری دور کی کمزوریوں اور شریف گردیوں کا عبرتناک مرقع ہے۔ اس کی فارسی عبارت بے انتہا چست ہے۔ کہیں کہیں مقفی بھی ہے۔ مگر اس سے عام رو

کے مطابق مطلب و مقصد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

(۴) فیض میر۔ یہ فارسی زبان میں ایک پھٹوا سا رسالہ ہے جسے انھوں نے اپنے صاحبزادے فیض علی کے لیے لکھا۔ اس میں درویشوں کے پانچ قصے۔ اور میر صاحب کی عقیدت مندی کا بیان ہے۔ آخر میں کچھ غنچ لطیفے بھی تھے۔ مگر ان کو حذف کر کے مولوی مسعود حسن صاحب نے ادیب اردو لیکچرار یونیورسٹی لکھنؤ نے مع ترجمہ شائع کر دیا ہے۔

(۵) مجموعہ مرانی۔ اگرچہ مجھے اسکے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا لیکن اُس کا وجود یقینی تھا۔ معلوم ہوا کہ مولانا مسعود حسن صاحب رضوی ادیب کے کتب خانہ میں یہ موجود ہے اور ضخامت میں بھی اچھا خاصہ ہے لہذا میں نے ایک نظر اُس کو دیکھا۔ چونکہ پورے طور پر پڑھا نہیں اس لیے میں میر صاحب کی مرثیہ گوئی کے متعلق کوئی رائے نہیں رکھتا یہ مجموعہ قلمی پایہ پر ۱۲ صفحہ میں ہے۔

(۶) دیوان فارسی۔ یہ ہنوز مکمل طور پر طبع نہیں ہوا مگر میں نے مکمل دیوان قلمی دومرتبہ دیکھا۔ مقدمہ لکھنے کے بعد مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی کے کتب خانہ کا موجودہ نسخہ بھی نگاہ سے گزرایا یہ تقریباً دو سو صفحہ ۲۲ ۱/۲ پر ہے۔ میر صاحب کی فارسی شہ نہایت بہتر ہے۔ اگرچہ مادرسی زبان نہ ہونے کی وجہ سے فارسی کے بعض محاورات میں اُن سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ مگر اسکے باوجود بھی اُن کی طرز خاص۔ روانی۔ اور شگفتگی عبارت داد کے قابل ضرور ہے۔ اور کیا تعجب ہے اگر فارسی دیوان میں بھی وہی دلکشی وہی خاص ترکیبیں اور محاورات وہی سوز و گداز۔ وہی تیسر کی رنجیت گوئی کا انداز موجود ہو۔ اسی وجہ سے نہایت صفائی کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہیے کہ وہ اگرچہ صرف میر کے انداز رنجیت گوئی سے کچھ گرا ہوا ہے لیکن دیکھنے والے کے لیے جاذب توجہ ضرور ثابت ہوتا ہے اور اسی لیے اگرچہ میر صاحب کو ہندوستان کے بعض مشاق فارسی گویوں کی صف اعلیٰ میں جگہ نہیں دی جاسکتی۔ پھر بھی وہ قابل ذکر ضرور ہیں گو میر صاحب اپنے کلام فارسی کو قابل اعتناء نہ جانتے تھے اور جانتے کیونکر۔ شاعری جذبات قلبیہ کے سچان کا نتیجہ ہے۔ مگر جب شعر صرف تعفن طبع کی نیت سے

کہا جائے تو پھر اس کا کوئی خاص درجہ نہیں رہتا۔ میر صاحب نے بھی یہ دیوان خانہ پری کے لیے کہا تھا۔ چنانچہ مصحفی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے۔ ”دعویٰ شعر فارسی ندارد۔ مگر فارسیں ہم کم از رنجیت نیست۔ میگوشت کہ سارے رنجیت متوقف کردہ بودم در حال دوتہرا شگفتہ دروین کردم۔“ اگرچہ مصحفی کی رائے ان کے فارسی کلام کے بارہ میں سراسر ہمارے تائید کرتی ہے۔

مگر جو اصل حقیقت اور قدر و قیمت ہے وہ میر صاحب کے اشعار سے معلوم کرنا چاہیے۔	
اے زانعام تو داشت غنیمت اسکان ما با کرم گر کار افتد جرم مار نیست قدر دیدہ تر کے تسلی بخش عاشق می شود این نہ پنداری کہ مردن موجب سودست	آب در جود از لطف تو باغ جان ما یک پر کاه است کوه شاخ عصیان ما منع طوفان شود یارب سرشکان ما مرگ ہم یک منزل است از راه پایان ما
میر اگر این ست جوش گریہ در چرخان یار ابر خواهد برد آب از دیدہ گریان ما	
چرا شکند کز ازل بوده است	سرے با شکستن بسوئے مرا
بمردن تسلی شدم ورنہ میر نہایت نبود آرزوئے مرا	
زنی تا چشم برہم ہر رنگ کینہ میگیرد	مروت آشنائی نیست ہرگز خوش نگاہاں را
بایراں میر دم وہ پانزدہ بنیم غنایت کن رہ آور دست میر اشعار تو اہل صفا ہاں را	
اشک گرم ہمہ درد است خدا را در یاب گرچہ موجود نہ گشتیم دے سہل گیر	از رہ دور دل میں قاصد زود آمدہ را ایں غلط کاری و ہم بہ نمود آمدہ را
از احکایت عم دل میتوان شنید یکرہ تو ہم برس ازو لے نسیم صبح غافل ز دل نشو کہ غنیمت شمر دہ اند	ما خوب میکنیم بیان ایں مقالہ را من خود نیافتم سبب غلہ را اہل نظر ماکہ ایں رسالہ را
سینہ صافہائے من از گریہ ویرنیہ است	سیلہا جاروب کش بودہ است ایں ویرانہ را
طالع آنکہ بہ پنجسیر کہ عشق رسید اکیہ داری سراں کو چہ اگر خواہی رفت	سر ہر صید نہ بند نہ بہ فتر اک آنجا یادگار نیست ز ما ہم دل صد چاک آنجا
میر جائے کہ بہ نیران محبت میسخت صبح دیدیم بجا ماندہ کف خاک آنجا	
شدہ تیغ بلند کشتہ شدیم سر کن اشعار ما تم دل میر	ماندہ یم روئے قاتل را بر خنواں واقعات مقبل را

بجج ماتیاں حرف من اثر دارو	بہ نرم عیش نداند کسے زبان مرا
ارضفت میر چشم کسے نمی ایم	لطفے است چو جاں جسم ناتوان
بخت دیدہ نناک ساغرے ناب	بہ بخش بار خدا یا شراب خواراں را
ز باز پرس قیامت چہ غم کہ بین باشد	وسیلہ سز نفش سیاہ کاراں را
نحت دل ہر شب بد انا نم نمی دامن چہرا	ہر سحر سر در گریہ انا نم نمی دامن چہرا
باب لطفش نیست لیکن چو از رہ میرسم	بر در او دیر سیم انا نم نمی دامن چہرا
چارہ من دلر بایاں جلد میدانند لیک	کس نیگوید کہ میدانم نمی دامن چہرا
و غرض حسن دارد ز ال سبب پرداش نیست	منکہ ضبط خویش نتوانم نمی دامن چہرا
دستے شد میر مرثکا نم ز من گشتہ است	خارجارش هست با انا نم نمی دامن چہرا
دل کہ در سینہ می پیید مرا	این زماں از مرہ چکید مرا
دست ہر دم بہ تیغ بردن او	میر در خاک و خون کشید مرا
اگر کہ چو آفتاب بسرمی رسیدہ باش	اقتاد گایں سایہ دیوار خویش را
جو رو جفاست کار تو و من ز سادگی	موقوف رحم داشتہ ام کار خویش را
بود اے ماست میر بہ عیار پیشہ	کو بار بار فروخت خریدار خویش را
بہ یک دید چمن از دور دل خوش میکنیم	بر نہ تابد منت گل گوشہ دستار ما
من خجاک رہ برابر گشتم ویکوہ نگفت	بود خاک افتادہ در سایہ دیوار ما
کاروان گریہ ایم و نیز از دل می ریم	نیست چہیزے میر غیر از درد و غم دربارا
بہ طوف شہید نگاہ خواباں را	بہ بی مروت چشم سیاہ خواباں را
لک اگر ہمہ بر سرش می بردن	جگر سجا کہ نوید گناہ خواباں را
عمر من بردر کسے بگزشت	کہ نیامد یکے بخج نہ ما

حیف در شوره زار عالم میر
سبز ناگشتہ سوخت دانہ ما

ماکہ سیر عالمِ تنزیہِ عمر سے کردہ ایم
خرمی معلوم شد لفظِ زبانِ دیگر است
وست اینجانبی آید بچشمِ تنگ ما
ایں گفت جائے نمی بایند در فرنگ ما

میر صاحب کے دوست و جوشاعر تھے | میر صاحب کی اُفتاد طبیعت - خود داری - عزت پسندی - تنگنا
کی وجہ سے کس کو گمان ہو سکتا ہے کہ اُن کے کچھ شاعر
دوست بھی ہونگے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ وہ خود داری - خود پسندی - مگر اُن کی خود داری اور خود پسندی
نااہلوں کے ساتھ تھی۔ وہ گردن بلندوں کے سامنے سر نیاز نہیں جھکاتے تھے۔ اور اُن سے
ہمچشمی اور مساوات کا برتاؤ رکھتے تھے۔ جیسا کہ اُن کے اکثر واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر اپنے
دوستوں کے ساتھ سراپا ارتباط اور سراپا اختلاط تھے۔ اور جب اُنکی دیر آشنائی ختم ہو کر دوستی
و محبت کا رنگ بدلتی تھی۔ پھر اس میں کبھی فرق نہ آتا تھا۔ چنانچہ نجم الدین علیخان سلام -
خلف شرف الدین علیخان پیام اُن کے ہر وقت کے دمساز اور رفیق - حریفِ نظریات اور خالص دوست
تھے۔ اُن کے ساتھ برابر مشقِ سخن سنجی بھی ہوتی تھی۔ اور گپیں بھی لڑائی جاتی تھیں (۲) خواجہ میر
یہ بھی میر صاحب کے مخلص دوست تھے اور میر صاحب خود بھی ان سے خلوص برتتے تھے۔
ان کے یہاں جو ہر مینے کی پندہ تار سچ کو مشاعرہ ہوتا تھا۔ میر صاحب اس میں برابر شریک
ہوتے تھے۔ اور آخر میں انھیں کے ایسا سے یہ مشاعرہ میر صاحب کے مکان پر منعقد ہونے لگا تھا۔
(۳) میر سجاد - یہ اکبر آباد کے باشندے تھے مگر قیام ان کا بھی شاہجہاں آباد میں تھا۔ ان کے یہاں
بھی مشاعرہ ہوتا تھا اور میر صاحب التزاماً اس میں شریک ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ میر صاحب
کو اخلاص تھا۔ (۴) میر ولایت علیخان برابر نجم الدین علیخان شمت - (۵) اشرف علیخان فغان
(۶) محمد اسماعیل بیاب (۷) انعام اللہ خاں یقین (۸) میاں شہاب الدین ثاقب (۹)
سید عبدالولی عزت (۱۰) میر عبدالحی تاباں (۱۱) حسن علی شوق (۱۲) قائم چاند پوری - (۱۳)
فضل علی دانا (۱۴) میر حسن (۱۵) ہدایت اللہ ہدایت (۱۶) محمد عارف عارف (۱۷) بیدار (۱۸)
لاٹیک چند بہار (۱۹) میر عبدالرسول نثار (۲۰) محمد امان اللہ غریب (۲۱) محمد حسن -
(۲۲) ضیاء الدین ضیاء (۲۳) میاں ابراہیم (۲۴) میر گھاسی میر علی تقی (ان کے یہاں
بھی مشاعرہ ہوتا تھا۔

میر صاحب کے شاگرد | میر ایسی طبیعت کے لوگوں کی شاگردی کو نباہنا بڑا مشکل کام ہے۔
تچہر کا کلیجہ نولا دکا دل ہوتا تو یہ صحبت برآر ہوتی۔ اسی لیے بہت سے لوگ اُن کی تنک مزاجی سے
عاجز آ کر دوسروں کے شاگرد ہو گئے۔ اور اب صحیح طور پر یہ نہیں چلتا کہ کتنے لوگ ایسے تھے
جنکو اُنکے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ پھر بھی سر شاہ سلیمان صاحب نے انتخابِ ثنویات میر میں
نام گنائے ہیں۔ سخن۔ عشق۔ از رو۔ آبرو۔ راسخ۔ تجلی۔ ان کے علاوہ۔ نثار۔ جگن۔ محمد۔ جنوں۔ شکیبا
بھی اس زمرہ میں داخل ہوئے۔ مگر افسوس ہے کہ اتنے بڑے کامل الفن کو کوئی ایسا شاگرد
نہ ملا جو ان کے نام کو زندہ رکھتا۔

میر صاحب کے حریف | (۱) خاکسار۔ اُنھوں نے سید الشہر اپنے لیے خطاب تجویز کیا تھا۔
جو غالباً تخلصِ میر کا جواب تھا۔ میر صاحب کے تذکرے نکاتِ الشہر کے جواب میں ایک تذکرہ لکھا
تھا۔ جو ہمیشہ نایاب رہا اور اب بھی نایاب ہے۔ میر صاحب نے ان کے کلام پر اعتراض بھی کیا ہے
اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اُن سے اُن کو ان سے ایک قسم کی خاصیت تھی۔ (۲) عاجزیہ بھی
میر صاحب کے حریف تھے اور میر صاحب نے ان کے کلام پر اعتراض بھی کیے ہیں (۳) بقا
یہ میر و سودا دونوں کے حریف تھے اور دونوں استادوں کے کمالات فن کے قائل نہ تھے۔
چنانچہ ایک مرتبہ میر صاحب کے لیے کہا

اورستی نہیں یہ دلی ہے

اگر ٹی اپنی سنبھالے گا میر

ایک مرتبہ یہ کہہ کر دونوں کو لے ڈالا

بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی
اے بقا ہم نے جب زیارت کی
ایک تو تو کہے ہے اک ہی ہی

میر و مرزا کی شعر خوانی نے
کھول دیو ان دونوں صاحب کے
کچھ نہ پایا سوائے اسکے سخن

ایک مرتبہ بقا نے یہ شعر کہا

غلکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں آجے میں

سیلاب آ نکھوں کے رستے میں آجے میں

اسکے بعد میر صاحب کا یہ شعر اُن کی نگاہ سے گزرا

سو کھا پڑا ہے اب تو دیت سے یہ دو آہ

دے دن گئے کہ آنکھیں ندیاں سی بہتیاں تھیں

اے بقا تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو

میر نے گرترا مضمون دو آہ کا لیا

یا خدا میر کی آنکھوں کو رو آہ کر دے اور مینی کا یہ عالم ہو کہ تر مینی ہو سودا۔ اگرچہ میران کو اور یہ میر کو استاد حق جانتے تھے۔ پھر بھی دونوں کے دیوانوں میں ایسے شعر موجود ہیں جن میں ایک دوسرے پر چوٹیں کی گئی ہیں۔ ان لوگوں کے علاوہ بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جنکے لیے میر صاحب کے قلم سے توصیفی جملے نکلے ہیں یا انکی مذمت کی گئی ہے مگر ہر ایک کو انتخاب کرنا فرصت چاہتا ہے۔

میر صاحب کے اخلاف واعزا میر صاحب کے دو بیٹے تھے۔ ایک میر عسکری عرف میر کلوعرش۔ مگر نساخ کا قول ہے کہ یہ زار تخلص کرتے تھے۔ دوسرے میر فیض علی فیض۔ جو اکثر مواقع پر میر صاحب کے ساتھ رہے۔ بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ ان میں بھی باپ ہی کی طرح عجب و تکبر پایا جاتا تھا۔

تذکرہ شمیم سخن کی روایت ہے کہ میر صاحب کی ایک لڑکی بھی شاعرہ تھیں اور بیگم تخلص کرتی تھیں۔ ان کے نام سے دو شعر بھی نقل کیے گئے ہیں۔ میر محمد رضی ان کے حقیقی اور محمد حسن اور محمد عمن ان کے سوتیلے بھائی تھے۔ خان آرزو ان کے سوتیلے ماموں یا خالو تھے۔ محمد حسین کلیم میر صاحب کے عزیز قریب اور بہنوئی تھے۔ یہ دلی کے باشندے اسحاق خاں شہید کے بھائی اور مرزا محمد علی کے متوسلین میں تھے۔ میر قمر الدین مینت وغیرہ بھی ان کے عزیز تھے۔ بھائی ان کے بھانجے اور داماد تھے۔ اور محمد حسن خود بقول میر صاحب ان کے براہِ رازوے تھے۔ اور نہ معلوم کتنی ایسی ہی رشتہ داریاں ہوں گی جنکی تفصیل لکھنا اور ڈھونڈھنا بیکار ہے۔

کلیات میر بصورت موجودہ

کلیات تیر کے ایڈیشن متعدد مرتبہ شائع ہو چکے ہیں۔ اور سب سے پہلا چھپا ہوا وہ نسخہ ہے جو کلکتہ فورٹ ولیم سے کاظم علی جوآن وغیرہ کی تصحیح و نظر ثانی کے بعد غالباً میر صاحب کی زندگی ہی میں شائع ہو گیا تھا۔ یا شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ یہ نسخہ دوسرے مطبوعہ نسخوں سے زیادہ صحیح ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے کہ اسکو مستعملیہ سمجھا جائے اس میں اگر جگہ قبیح غلطیاں رہ گئی ہیں یہ نسخہ تصحیح کے وقت ہمارے پیش نظر تھا۔ اسکے علاوہ دوسرا وہ نسخہ جو نو کشور پریس ہی سے ۱۹۶۵ء میں بغیر حاشیہ کے چھپا تھا۔ اسکے بعد بھی جو اور ایڈیشن یہاں سے چھپے وہ بھی موجود

ان کے علاوہ دو قلمی قدیم نسخے جو مکمل تو نہ تھے مگر پھر بھی دونوں کو ملا کر بہت سا کام دے سکتے تھے۔ ان میں کا ایک نسخہ ۱۲۴۹ھ کا لکھا ہوا تھا۔ تیسرا ایک قلمی نسخہ جس میں صرف اول دوم دیوان ہے جو لکھنؤ محلہ نوبتہ میں لکھا گیا تھا یہ کہ مطبع ہذا کے محفوظ نسخوں میں موجود ہے وہ بھی پیش نظر تھا ثنویات کا انتخاب جو سر شاہ سلیمان صاحب نے شائع کیا ہے۔ ان سب نسخوں سے مقابلہ اور تصحیح کر کے۔ ان کے علاوہ بھی دوسری جگہوں سے امداد حاصل کی گئی۔ اور اب امید ہے کہ یہ کتاب ان تمام نسخوں سے بہتر ثابت ہوگی جواب تک کلیات میر کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ چونکہ قلمی نسخوں کی ترتیب مختلف تھی۔ اور مطبوعہ سب نسخوں کی ترتیب ایک تھی انہیں ایک خاص نقص یہ تھا کہ کوئی چیز ترتیب وار نہ تھی۔ کہیں عشقیہ قصہ ثنوی میں اور اسی کے ساتھ ہجو اسی کے بعد مدح وغیرہ۔ لہذا ہر چیز کا ایک سلسلہ علیحدہ قائم کر کے ہر ایک کے پہلے صفحہ میں ٹائٹل یا لوح کی ایک صورت قائم کر دی گئی۔

مطبوعہ نسخوں میں بعض چیزیں نامکمل تھیں ان کو قلمی نسخوں کی مدد سے مکمل کیا گیا۔ اور بعض چیزیں نئی زیادہ کی گئیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ترجیع بند و منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو صفحہ ۶۰ پر درج ہے اسکے اول کے سات بند اور بند ششم کے تین شعر کسی مطبوعہ نسخے میں نہیں ہیں۔ یہ ایک قلمی نسخے سے لیے گئے۔ اسی طرح دو ثنویاں جو درج ذیل ہیں کسی مطبوعہ نسخے میں نہیں ہیں یہ قلمی دستیاب ہوئیں۔ دو غزل جو دوسرے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہیں قلمی نسخوں سے لی گئی۔

میر کے کلام میں بہت سے ایسے اردو الفاظ مستعمل ہوئے ہیں جو اب نہیں بولے جاتے اور نہ موجودہ لغات میں ملتے ہیں۔ انکو نہایت تحقیق سے لکھا گیا ہے۔ تیر فارسی کے اکثر مشکل محاورات جو دوسرے شعرا کے یہاں نہیں وہ کلام میر میں ملتے ہیں۔ ان سب کے لیے ایک فرنگ مرتب کر دی گئی ہے جو آخر میں شامل ہے۔

چونکہ یہ کلیات تقریباً گیارہ سو صفحات پر ختم ہوا ہے۔ اس لیے مضامین کی ایک فہرست بھی اول کتاب میں شامل کر دی گئی ہے جس سے کسی خاص مضمون کے نکالنے میں مدد ملتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شعری در ہجو شخصہ سجدہاں کہ دعویٰ ہمہ دانی داشت

میرے جگر میں جیسے سارے ہیں آبلے
پھر تیس پہ میرے رونے نے مجھ کو بہا دیا
جس کو تمام فنوں میں گویا کہ تھا عبور
ایسا کہ کہ بات تصوف میں ڈال دے
پوچھو جو اسم آسمان سے تو بول اٹھے کہ طرف
کہنے لگے کہ اپنا یہ صیفہ نہیں ہے یاد
ہر نحو کا ہے لفظ فقط حرف یاد گیر
محمول ابتداء ہی کو کہتا تھا بے خبر
تجویز کرتا دیکھ کے مبطلوں کو سنا
عالم کنایہ اس سے کیا ہے میں کیا کہوں
کہنے لگے کہ رات سے بھیگا ملا مزاج
معنی کہے تو اسکے کہے قصہ دراز
انواع یوں بیان کرے اسکے علاج کے
تقریض ایک ان میں ہے یعنی سیاہ کچ
پھر استعارہ دیوں میں تھوڑا کہ جائے پک
پھر وہ مجاز مرسل اسے صبر کر وہاں

اس چرخ بے مدار کے کیا کیا کروں گلے
تنگا سا ان نے جو روح جفا کر سکھا دیا
اُس مجمع کمال کے گھر لے گیا بہ زور
توحید گر کہے تو وہ حق ہی بہت کرے
مہر و علم صرف کا تھا لیک اس حرف
یہ نکتے تم ہنسو ہو تو وہ رو کے ایک بار
کرتا ہو بحث نحو میں جس دم وہ مار گریز
موضوع اپنا چاتا منطق کو تیس اُپر
وصف خداقتا سکا بیاں کیجیے تو کیا
فن بیاں میں کیسا ہے تشبیہ کس سے دوں
پوچھو مجاز کی جو حقیقت ہو لا علاج
اور لفظ بھی مزاج ہے نادان ہے مجاز
پھر معنی پوچھ حکمت جو ان مزاج کے
اسکی دوائیں کتنی مقرر ہیں طب کے بیج
اس کا ضاد کرتے ہیں دو چار دُرنگ
ہریان معنی اس کا ہوا بر طرف جہاں

اجالی معنی یہ کہے آخر کو یہ کہا
علم معانی سے جو کیا ایک دن سوال
لیکن مجاز عقلی کو نادان یاد رکھ
ہو اب فصاحت اور بلاغت سوجانے سے
اک دن سوال علم توانی سے میں کیا
تم اب قافیہ نہ کرو لفظ خاک کا
لیکن مغائرہ ہو مقرر رویت میں
پھر شروع وصل و ہجر کے موزون تم کرو
دعویٰ بناؤں کیا ہے انھیں فنِ شعر کا
بے علم کرتا قافیہ تنگ اسکی جان پر
کہتا تھا ہائے ہائے مرے بعد ہو گا کیا
پھر تر بیت سے انکی مجھے فائدہ بھلا
مر جاؤں گا تو گورہ پیر سی نہ آئیں گے
لیکن مجھے تو بخل نہیں ہے سنا عزیز
ایما اشارہ رہنے دے کہتا ہوں بصریح
میں جو سنا ہے قافیہ ہے چھوٹے کاف سے
اور اس میں ایک نکتہ بھی کراہوں میں سیا
ورنہ مرے ذہن کو جو اہر سے پر کرے
بارے وہ نکتہ یہ ہے لگا کہنے کہ خطاب
تصحیح صرف ہو چکی اب معنی اسکے سن
استادوں سے سنا تھا جو میں نہیں ہے یاد
ہر اک سے پوچھنے کو نہیں چاہتا ہے جی
یہ کیمکے آپ ہی بولا کہ کہنے کا کیا حصول
اس شخص کا جو حدیث ہے کہ میرے یا
پیروید کر کہوں ہوں بنا بر میں حیات

تفصیل کرنے کا تو داغ اب نہیں رہا
کہنے لگا حقیقت عقلی تو ہے محال
یاں کون پوچھتا ہے دل اپنے کو شاد رکھ
یہ دونوں عیب شعر میں اپنے نہ آنے دے
کہنے لگا کہ قید نہیں اس میں مطلقاً
یا آتش اور باد کا زخمیر و تاک کا
آتا ہے یہ کچھ اپنے تو ذہن شریف میں
عرصہ ہوا وسیع جواب چاہو سو کہو
معنی جو قافیہ کے کوئی پوچھتا تھا آ
دے اڑتا تھا ہاتھوں کو وہ اپنی رائے
ان احمقوں کے جینے کے پیچھے تو مر گیا
ٹوٹے سے بکتے بکتے انھوں کیلئے گلا
دو کوڑے اب کے بھی یہ ہرگز نہ لائینگے
سنیو تو گوش دل سے اگر ہے تجھے تیز
اول ہی لفظ کا نہیں ہے قافیہ صحیح
پس پڑھنا تو غلط ہوا اب سکا قاف سے
پھر بولا ہائے ہائے نہیں کوئی قدر دان
یہ فصل انگلوں ہوں میں مجھے سرا پر دھر
ہے ایک علم جفر میں بھی قافیہ کتاب
ورنہ لگے ہے ذہن میں ان معنی کو گھٹن
اور اب جہاں کے بیچ نہیں کوئی استاد
لائی نہیں جو پوچھے اب قافیہ روی
اس معنی کو کہے یہ مرے کیجیو قبول
ہر چند اس کو گورہ شتر جانے سب دیار
حریت غلط کا تانا ہو معنی سے اختلاط

یا پھل ہے وہ سنا کا جو گلتا ہے جھار میں
گر پوچھتا کوئی کہ کسے کہتے ہیں روی
پھر جا کے کھول جد کی اپنے کتاب کو
اغلب کہ اسے عزیز وہ جنگل کی ہے جڑی
اک دن بدیع میں جو اسے امتحان کیا
کر جمع قلب مستوی و قلب بعض کو
حالانکہ تین صنعتیں کی جاتیاں بیاں
پوچھا جو اس سے معنی ایہام کے تئیں
یعنی تھا ایک قت میں اک پہلوان در
ہرام گوراسی ہی کو کہتے ہیں سب عوام
تجنیس کا سوال کیا اس سے ایک روز
نادان تو نے اس پر تجنیس نہیں سنا
لاتے جہاں میں شعر میں تجنیس شاعراں
میں نے کہا کہ کہتے ہیں تم کو عروض داں
بولاکہ تیری عقل سے آتا ہے بس عجب
پھر میں کیا سوال بصدائے رُو عجز
ان میں جو ہے گا فاصلہ مجھ کو بتائیے
بولاکہ تجھ کو عقل نہیں تاکجا کہوں
یہ تینوں رودخانے ہیں دہر سبط میں
پھر آپ ہی آپ بولاکہ اک اور فادہ سن
بحر طویل ایک ہے دریا بہت بڑا
تشیل اس کی ڈھونڈ دھنے اب جائیے کہاں
تشریح میں بھی ایک تھا وہ تلخ بے مثال
نارنج داں تھا قطع نظر سب کمال کے
کھنے لگا تھا رے پمیر کے عہد میں

یا کاہ خشک ہے جو آگے ہے پہاڑ میں
کہتا روی غلط ہے مجھے یاد ہے روی
کہتا مرے قیاس میں آتا ہے ہونہ ہو
ہوتی ہے جسکی بیل بولوں اُپر پڑی
اک بار باز سامنے اُس نے وہاں کیا
کہنے لگا کہ عکس ہے اکثر کہاں ہے وہ
اور ایک سمجھا اُن کے تئیں ایسے ہی کہا
وہ نے لگاناں مجھے اُنم کے تئیں
دو انگلیوں سے اُن کا کھارے تھے شاخ گور
در گور یہ تمام کہہ کہتے ہیں نام تام
کہنے لگا اس اسکت کہتے ہیں جو ہو پور
مشتق اسی سے جانے ہے جو ہے پھاگنا
نہ گوران سے ہو ہیں گھوڑوں کے صوف داں
بحر رمل کی مجھ سے حقیقت کہو بیاں
دریا کا ایک نام ہے پھر کیا کہوں سبب
بحر طویل بحر مدید اور بحر حبس
کابل سے لگے حیف ہے ناقص جو جائے
یوں تربیت میں تجھ سے کی میں کبتلک رہوں
ملتے ہیں رفتہ رفتہ سمجھی جا محیط میں
گر قابل اپنے ہونے کی دل میں ہے چھن
بحر خفیف ایک ہے پاس اُسکے آہنا
جنا کے پاس جیسے ہے ہنیدن تھلے پا
ہر استخوان کو کہنے لگانیم کی ہے چھال
کرتا سخن ضرور ہے نبیوں کے حال کے
نارنج میں جو دیکھا تو عینی تھا مد میں

کیا بارگی غصا اٹھے دجال کے اُپر
 علم نجوم میں بھی بڑا تھا اُسے کہاں
 اکدن کیا سوال شہانِ سلف سے میں
 اُس نے کہا کہ خوب کہا طرفہ نقل ہے
 امر تھا ایک اُن نوں شیریں تھا اسکا نام
 یہ سن کے مارا خسرو پرویز نے اُسے
 ہے ماجرا یہی جو کہے کوئی کیا ہے کہ
 از آب زر بہ خنجر شیر و یہ نقش بود
 گنتا تھا خوب آپ کو علم حساب میں
 کہتا تھا جفت پانچ کا ہوتا ہے کس شمار
 پھر طرفہ ہے یہ کہتا اگر ہے نہ چار طاق
 علمِ الفت میں عمر بھی اُسکی ہوئی تھی صرف
 مثلاً کہا کہ نخل ہے کیا اسکو کربیاں
 بولا کہ اک جزیرہ ہے سمتِ فرنگ کو
 اب نہاک سے نہنگ کی دان ک نہال ہے
 اسکے ثمر کو بعض تو کہتے ہیں تاڑ پھل
 کہتا ہے کوئی کہ کا خرا ہے اسکا بیج
 جس کی صدا سے گوشِ نشا بھر میں ہو کر
 یہ کچھ لکھا ہے سارے الفت کی کتابوں میں
 تحقیق اپنی یہ ہے کہ ہے نخلِ اصلِ حرف
 وہ نخل کیا کہ جانور و چار پایہ ہے
 سوداگر اس پہ بار کریں ہیں چنار کو
 سر کے میں اُسکے بالوں کا بھی کرتے ہیں چار
 یہ کہہ کے آپ ہی بولا بان ریش اور شس
 کرتا تھا شہ کمانی میں اپنے تئیں و خیل

پھر تراب سے مجھ کو علم نہیں ہے کہ ہیں کدھر
 شاید کہ اس سارے کا ہے کاجل و بال
 پرویز کے انھوں میں خصوصاً سلف سے میں
 رکھتا ہے حافظ میں اسے جسکو عقل ہے
 یہ اسکی دشمنی میں مواوہ نہیں تلخ کام
 بیدم کیا ہے خنجر پر تیز سے اُسے
 اور شوخ زباں سے پڑھا اپنی سو ہے مہ
 کہیں راسب بہ تیشہ فرما دی رسد
 لیکن بیاں دہ کرتا نہیں جو کتاب میں
 گرو دیکھے تو اسکو وہ ہووے ہزار بار
 پس کیوں لکھا الفت میں غنا کو چار طاق
 کرتا سوال اس سے جو جا کر میں ایک حرف
 وہ در جواب اسکے وہیں کھول کر زباں
 مارا تھا ان فرنگیوں نے اس نہنگ کو
 شیر و لپنگ کا وہ سدا پانہاں ہے
 بے مزدوں کا جو فرقہ ہے کہتا ہزار میل
 اک کہتے ہیں فرنگ میں ہے ایک باد بیج
 صد مہ سے جسکے ٹوٹ گئی کوہ کی کمر
 زبردہ ضریری شرح وقایہ کے بابوں میں
 تصحیف ہو گئے سے جو تہا ہے ح سے حرف
 دم اتنی لمبی ہے کہ وہی سر کا سایہ ہے
 اس پر بناتے ہیں گے رہوں میں منار کو
 اس ہی کو کہتے ہیں گے مدائن میں سوسار
 آتا ہے جو کہ اپنے تئیں سے پیش کش
 زارِ کماں کو دیکھ کے کہتا کہ ہے یہ چیل

دعویٰ تھا علم تیر میں اس کو بہت طرا
 پھر دیکھ بھال اسکو وہ کہتا کہ مجھ کو بھی
 جب سوکھتا ہے اسکی سلاخوں کا کریمیر
 غرہ تھا ڈھولک اپنی بجائے یہ اور کچھو
 اس پر لگا ٹکور تعجب سے پھر شتاب
 آواز خوش کی اسکی گلو سوری میں بدل
 لکڑی بھی پھینکتا تھا بہت خوب سج سے وہ
 شاگرد اس کا پوچھتا اگر اس سے ان کر
 اسکو اگر کہیں تو کہیں کیا وہ سر اٹھا
 تھا گھوڑے کا بھی خوب مبصر وہ خرد لیک
 گھوڑے کی آنکھ پر تھی رسوئی گنڈ تر
 تشریف لائے ذات شریف اسجگہ کہیں
 کہنے لگا کہ ایک نظر مجھ کو بھی دکھاؤ
 اس گھوڑے کے سوار کے پھر جی میں آگیا
 لاگاسٹیس سامنے اسکے پھر آؤ نے
 ہر چند آنکھیاں پھاڑ کے دیکھے یہ کہیں
 یکچشم دیکھ کہنے لگا نوچ پوچ خلق
 پھر اس نظر پہ طرفہ تو یہ ہے کہ روکے خوب
 شوخی کرے ہے ابق ایام نابکار
 جو جو ہوئے ہیں چرخ سے مجھ پر تہم ملام

پیرے کے لیس ہاتھ میں ہوتا جو وہ کھڑا
 معلوم کیا ہے خوب ولیکن یہ ہے وہی
 چاکوں اُپر کھار بناتے ہیں لیس دتیر
 آتا جو کوئی ہاتھ میں لے اسکے رو برو
 کتنا روئی بھری ہے بہت اسپں داباب
 گاتا تو باجتا تھا کلا جیسے پھوٹا ڈھول
 ہوتا تھا کج بہت جو کھڑا ہوتا صبح سے وہ
 مونڈھے اُپر لگاتے ہیں جو دازان کر
 کہتا کرک وہی ہے جو تجھ کو دیا بتا
 ایک میر سے مہربان تھے گھوڑا تھا انکا ایک
 رہتی تھی اس کمیت کی وہ حامل نظر
 واں گھوڑوں کی رسوئی کی تھیں بائیں چپیں
 یہ چشم ہے خدا سے کہ اسکا اثر نہ پاؤ
 کھلوا سنگا یا تھان سے وہ اسکی مندا
 اور آنکھ اپنے گھوڑے کی اسکو دکھانے
 اسکو تو بھوٹی آنکھوں سے بڑھتا نہیں
 گھوڑے کے موتر ہے رسوئی کے ہے خلق
 کہنے لگا کہ تب تو جہاں میں پری ہے ڈوب
 ورنہ پیادے تجھے پھر میں ایسے ہوں سار
 جیتا رہا تو سیر کر دوں گا نگے تمام

اپنی تو بدزبانی نہ تھی خاے کا شمار
 پر یہ بھی ہے جریدہ عالم میں یادگار

عطیہ

دام بابو سکسینڈ

دام بابو سکسینڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جنگنامہ

اب کے نواب رامپور آیا
 آگے آتا تھا بہر سیر و شکار
 گرد تھی فوج کی سپہر تلک
 جمع افواں پسر تھے اس جاگہ
 یہ نہ سمجھے وزیر کوہ و قار
 یعنی تخریب ایک آن میں ہے
 بے نی سے وہ پیش جنگی کر
 دیکھ کر لوگ تھوڑے ٹوٹ پڑے
 جتھے تلوار و نیں فرنگی سے
 تھا تھوڑا یہ شجاعت تھی
 تھے تلنگے روہیلے مو جنگ
 گورے کا لے جہاد کیا تھے
 دیو کا بھی نہ ٹھہرے پاس جا
 سہل سردار سمجھا یہ مرنا
 توپ پر آن کر چلی تلوار

ناگماں اس طرف خدا لایا
 بازی کیسر روہیلی ہے اس بار
 جنگیا اور ایک تازہ فلک
 لیک سارے تھے جنگ نا آگہ
 ہے تحمل سے رہ میں دیر گزار
 روکشی ان کی کسر شان میں ہے
 دانہ دے دے گرے ہراول پر
 کچے پھوڑے کے زنگ پھوٹ پڑے
 مرے مارے بہت کدھنکی سے
 ساعت جنگ یا قیامت تھی
 لو تھوں سے ہو گیا تھا عتنگ
 دونوں مردم گیا سے کجا تھے
 تھا انھوں کا جہاں ثبات پا
 اللہ اللہ ترا جگر کرنا
 جھیل کر زخم لڑ مو اسردار

صاحب اک اور اسکی جا آیا
 جنگ مغلوبہ تھی گتھے باہم
 صاحب انگریز کے گرے اکثر
 تاک کر بارگاہ پہلو سے ماری
 لشکری سب سراں سمیت رہے
 نقش پر نقش گر کے ڈھیر ہوئے
 پیچھے سردار تھا بھاڑوں کا
 خواب غفلت سے چونک اٹھا جاگا
 مارے بھاگوں کو فوج نے ٹوٹا
 غارت از بس کہ لشکری لائے
 وہ جو بھاگا تھا مگر سے رئیس
 ہوتے جو ہیں روپیہ غلام شمار
 رانیور میں بھی آکے رہ نہ سکا
 بھاگاواں سے ہے لیکے کچھ اسباب
 بی پناہ اُن نے جا کے زیر کوہ
 تھا پہاڑوں کے آگے جنگل بھی
 وہاں روپیہ ہوئے اکٹھے سب
 عجز کی راہ سے کیا پیغام
 بندے رہتے ہیں باوجود خطا
 لطف کر لے امیدواروں پر
 ہم غلامی میں ہوتے ہیں حاضر
 کسو صاحب کو ہر حضور سے حکم
 کہ مجھے اپنے ہاتھ لے جاوے
 ذات نواب ہے کرم سیرت
 معرفت اپنے جا کے لاؤ اسے

جن نے ایسی ہلا کو چنوا یا
 مرتے تھے دونوں اور کے رستم
 تھک گئے لڑتے مرتے ہم دیگر
 صف الٹ دی حریف کی ساری
 سب جو کچھ ہوئے تھے کھیت ہرے
 بھوکے مرتے کہ جی سے سیر ہوئے
 دیکھا جانا جو ان نے جانوں کا
 دست پاچہ ہوا گیا بھاسا
 مرگیوں میں سے بھی اک چھوٹا
 نشوں سے اشرفی لے لے پائے
 بھاگایوں جیسے پیش اسب سنیں
 لٹتے جاتے تھے شہر راہ گزار
 وہ خدا گیر بات کہہ نہ سکا
 کہ لگا آیا لشکر نواب
 واں بھی تھا ساتھ کوہ کوہ انہوہ
 وہیں ناکہ پہ تھا پہ جنگل بھی
 بعد دو چار پنج روز و شب
 ہم ہیں نواب کے کھینے غلام
 تم سے صاحب امیدوار عطا
 رحم کر لے گناہگاروں پر
 اب نہ خدمت سے ہو وینگے چھر
 موجب طوع وہ ہے دور سے حکم
 پاؤں کھٹے کے عاجز آ پاوے
 کہا صاحب کو تم بعد عزت
 پاس خیمہ میں لا بھاؤ اسے

یا کہ خیمہ جُدا کر و استاد
لایا صاحب چنانچہ خود جا کر
سر میں اسکے خیال باطل تھا
گفتگو میں کبھی ٹکا کر نے
چاہتا تھا کہ آپ کو مارے
رفقا کے تئیں نکال دیا
اُٹھ گئے جو حرا زادے تھے
عاقبت اس کو باز کر بھیجا
جمع تھے لوگ سویشیاں ہیں
جنگ نے صبح کے تئیں ہے نہ شام
غالباً صبح آج کل ہووے
لے کے اب ملک مال سب اب
سال تاریخ کا تھا مجھ کو خیال
کاسے سخن گستر و جہاں استاد

ہم اُسے وقت پر کریں گے یاد
پاس کرنا ہے تا لفر چاکر
آپ بھی وہ جوان جاہل تھا
ہوا موجود مارنے مرنے
بارے ہتھیار چھین گئے ساوے
رنجبہ کر ٹھلوؤں کو ٹال دیا
ہو چکے دل میں جوارادے تھے
کہا پلٹن سے لکھنؤ لے جا
رہ گئے ہیں سو عجز کیشاں ہیں
آشتی کے ہیں اب پیام و سلام
بر طرف جنگلی نخل ہووے
راہ لیتے ہیں لکھنؤ کی شباب
لطف کے روئے کی ملک متعال
فتح نواب سے کر اب ل شاد

۱۱ ۶۹

۱۲ ۷۰

میر کوئی غنزل کہو اب تم
لذتِ شعر میں رہو خود گرم

یہ مثنوی تمام ہوئی

غزل

(یہ غزل ایک قلمی نسخے تحریر شدہ ۱۲۴۹ھ میں موجود ہے)

<p>سو تو ہم لوگ اُس کے اُس نہ پاس جب تلک یار تھا نہ حرف شناس ہم دسے رہتے ہیں گو کہ پاس ہی پاس وہ ہم ہے پر کہیں کہیں ہے قیاس جمع اک دم رہے نہ میرے حواس جیتا کب تک رہے گا کوئی دُراس گھر ہمارا ہے داں جہاں ہو ہر اس کیونکہ نکلے گی میرے دل کی بھر اس</p>	<p>گر دسہ پھر کے کرتے ہروں پاس خط پہ خط بھیجتا تھا لکھو اگر دل نہ باہم سنے تو عجب اس ہے عرش و دل میں رہے مگر برسوں ہے چلا جب سے وہ پریشاں رُبط نا اُسید ہی بھی حد رکھتی ہے جز خدا ہم کسو سے ڈرتے نہیں میں تو حیران کار ہوں بیوشش</p>
---	--

میر وحشی کا دل ہے بے طاقت
چلتا بھرتا ہے پر اُداس اُداس

غزل دوم غیر مطبوعہ

<p>یہی جینے نہیں دیتے دلدادگان کو بہت دور بھیجا فرستادگان کو نہ ہو عجب کیوں برہمن زادگان کو کیا پائے گیر اُن نے آزادگان کو</p>	<p>رہے عمر بھر دیکھتے سادگان کو خبر قاصدوں کو نہیں اپنی شاید عجب سادگوں میں تھے فتوں کی بنی نہال اور سرواں کے حیراں خطرے ہیں</p>
--	--

رہے یہ دیوار ہم میر برسوں
نہ پوچھا کبھی خاک اُفتادگان کو

مجھے فخر ہے کہ ساہا سال کی محنت اور کاوش کے بعد کلام افصح الفصحای میر تقی میر
 بترتیب جدید ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے میر کا کلیات اب تک عام
 طریقے سے نہایت لا پرواہی کے ساتھ غلطیوں کی نذر ہوتا رہا ہے لیکن اس مرتبہ
 خصوصیت کے ساتھ متعدد قلمی اور سابقہ مطبوعہ نسخوں سے اسکی تصحیح کا پورا
 اہتمام کیا گیا جسکو مصور درویش لوی عبدالبیاری آسے اور جناب لوی سید حفیظ علی صاحب
 فاضل دیوبند نے نہایت غور اور امعان نظر کے ساتھ اصل پر نظر ثانی کر کے
 کئی کئی مرتبہ کاپیوں اور پروفوں کو دیکھ کر صحیح کیا اور بعد کو آسے صاحب نے
 اس پر فرہنگ اور مقدمہ کا اضافہ فرمایا۔ اس میں جو حواشی دیے گئے ہیں
 وہ بھی میر کے کلام کے توازن کے لیے بہت موزوں ہیں امید ہے کہ مبصرین و
 ماہرین کی نگاہوں میں یہ مطبع کی گراں بہا خدمت درجہ قبول پائیگی اور شائقین اسکی
 قدر دانی فرما کر مطبع کو ایسی دوسری اہم خدمات ادبی و علمی کے لیے آمادہ فرمائینگے

المشاہد
 منیجر نو لکچور پریس صیغہ بلڈ پو لکھنؤ

دیوانِ اول

میر تقی میر دہلوی

الحسن الحسن الرہیم

غزل

خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرہ ظہور تھا
پیدا ہر ایک نالے سے شورِ نشور تھا
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دُور تھا
یک شعلہ برقی خسرو من صد کوہِ طور تھا
کیا شمع کیا پتنگ ہر اک لے حضور تھا
اُس رند کی بھی رات گزر گئی جو غور تھا
اُس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا
یکسروہ استخوان شکستوں سے چور تھا
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

تھا مستعار حسن سے اُس کے جو نور تھا
ہنگامہ گرم کن جو دلِ ناصبور تھا
پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں
آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اسے کلیم
مجلس میں رات ایک ترے پر تو بے بغیر
منعم کے پاس قائم و سنجاب تھا تو کیا
ہم خاک میں لے تو لے لیکن اے سپہر
کل پاؤں ایک کا سر پر جو آگیا
کنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے نصیر

تھا وہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہیں میں تہیر
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی تصور تھا

انکھیں تو کہیں تھیں دلِ غمیدہ کہیں تھا
انکھوں کے تلے اپنے تو وہ ماہِ جبین تھا
ہونٹھوں پہ مرے جب نفس باز پس تھا
جو درد و الم تھا سو کے تو کہ وہیں تھا
گلِ میسے لکھنؤ میں ہی قطعہ زمیں تھا
جن لوگوں کے گلِ ملک یہ سب زیرِ نگیں تھا

کیا میں بھی پریشانیِ خاطر سے قریں تھا
کس رات نظر کی ہے سوئے چشمِ انجم
آیا تو سہی وہ کوئی دم کے لئے لیکن
اب کوفت سے، ہجاں کی جہاں تن پہ رکھا ہاں
جانا نہیں کچھ جز غزل آ کر کے جہاں میں
نام آج کوئی یاں نہیں لیتا ہر آنکھوں کا

مسجد میں امام آج ہوا آکے کہاں سے
کل تک تو یہی میسرِ خراباتِ لاشیں تھا

لے گزر گئی۔ بزدنِ فعلوں اب مترک سے کیونکہ اس طرح صرت گزر گئی۔ رہ جاتا ہے۔

<p>یاد دہ ہے وہ کسو چشم کی گریبان کا حسن کیا صبح کے پھر چہرہ نورانی کا حسن زنا ہے تسبیح سلیمانی کا سیر کر تو بھی یہ مجموعہ پریشانی کا تنگ احوال ہے اس یوسف زندانی کا ہے بڑا حیف ہیں اپنی بھی نادانی کا ہم نے سزا مار گیا کاغذ افشانی کا نقش کا سا ہو سماں میری بھی حیرانی کا</p>	<p>نکاح پر چشمہ جو کوئی جوش زناں پانی کا لطف اگر یہ ہے بتان صندل پشانی کا کفر کچھ چاہئے اسلام کی روق کیلئے درہ ہی حال کی ہو سائے سر دیواں میں جان گھبراتی ہے اندوہ سے تن میں کیا گیا کھیل لڑکوں کا سمجھتے تھے محبت کے تئیں وہ بھی جانے ہے امور کے لکھا ہو مکتوب اُس کا منہ دیکھ رہا ہوں سو وہی دیکھوں میں</p>
<p>بہت پرستی کو تو اسلام نہیں کہتے ہیں مستفد کون ہو میرا ایسی مسلمان کی کا</p>	<p>جامہ مستی عشق اپنا مگر کم گھیر تھا دیر میں کہے گیا میں خالق سے اب کی بار</p>
<p>دامن ترکا مرے دریا ہی کا سا پھیر تھا راہ سے میخانہ کی اس راہ میں کچھ پھیر تھا</p>	<p>بلبلوں نے کیا گل افشاں میر کا مرقد کیا دور سے آیا نظر تو پھولوں کا اک ڈھیر تھا</p>
<p>چھوڑا دفا کو اُن نے مروت کو کیا ہوا آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا کچھ پیش آیا واقعہ رحمت کو کیا ہوا معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا سے چشم جوش اشک نہامت کو کیا ہوا کے کشتہ ستم تری غیرت کو کیا ہوا</p>	<p>اس عہد میں الہی محبت کو کیا ہوا جنت و اہل وعدہ دیدار مرچے کب تک تظلم آہ بھلا مرگ کے تئیں اُس کے گئے پر ایسی گئی دل سے ہمنشیں بخشش نے مجھ کو ابر کرم کی کیا جھل جاتا ہے پار تیغ بکف غیر کی طرف</p>
<p>تھی صعب عاشقی کی بدایت ہی میر پر کیا جانے کہ حال نہایت کو کیا ہوا</p>	<p>لے سیر کر تو بھی الخ فی زمانہ اس کو یوں کہا جائیگا لے کسی استاد کا شعر جو سواد دیدہ حل کردم تو ستم نامہ سو تو کہ تاہنگام خاندن چشم منقذ برے تو۔ مزار غالب (کچھ کی تصویر سزا میر پر چھپی جو کہتا لے مزار عبد الفتی بیگ نائل شاگرد مزار غالب ہے حوض کوثر پر جا نکلتا ہے یہی رستہ شراب خانے کا۔</p>

<p>کہ ہمسایاں پر رحم کیا کلی نے یہ سن کر تبت کر کیا کیا خاک و خشتِ سر خم کیا پلک تک گیا تو تلام کیا</p>	<p>شبِ حشر میں کم نظم کیا کہا میں نے کتنا ہو گل کا ثبات زمانہ نے مجھ جیسے کش کو ندان جلد ہی میں یک قطرہ خوں ہو رشک</p>
<p>دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا یعنی رات بہت تھکے جا گئے صبح ہوئی آرام کیا ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا سو مرنے کا یہ پیغام کیا چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبت بنام کیا بانے ٹیڑھے ترچھے تیکے سب کا نتیجہ کو امام کیا کوسوں اُس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا کوچے کے اس کے باشندوں نے سب کہیں سے سلام کیا جبتہ آخر قہر، کرتا، ٹوپی، مستی میں انعام کیا انکھ مندے پر اُن نے گو دیدار کو اپنے عام کیا رات کو رو رو صبح کیا۔ یا دن کو جوں توں شام کیا رُخ سے گل کو مول لیا۔ قامت سے سرو غلام کیا بھولے اُس کے قول و قسم پر ہائے خیال خام کیا استغنا کی چو گنی اُن نے جوں جوں میں ابرام کیا سحر کیا، اعجاز کیا، جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا</p>	<p>کسو وقت پاتے نہیں گھر اُسے بہت میسر ہے آپ کو کم کیا</p> <p>اکٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوائے کام کیا عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند حرف نہیں جاں بخشی میں اُس کی غولی اپنی قسمت کی ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہو مختاری کی سائے زندو باش جہاں کے تجھ سے سجد میں تہمتیں سرد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی کس کا گنہ کیا قبلہ، کون حرم ہو، کیا احرام شیخ جو ہے مسجد میں ننگا۔ رات کو تھا میخانہ میں کاش اب برقع منہ سے اٹھا دے، ورنہ پھر کیا حال یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہو سوتا ہے صبح چین میں اُس کو کہیں تکلیف ہوا لے آئی تھی ساعیسیں دونوں اُس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دئے کام ہوئے ہیں سارے ضائعِ سعادت کی کما جت سے ایسے آہوئے نرم خوردہ کی وحشت کھوئی مشکل تھی</p>
<p>میر کے دین و مذہب اب پوچھتے کیا ہو اُن نے تو قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا</p>	<p>میر کے دین و مذہب اب پوچھتے کیا ہو اُن نے تو قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا</p>
<p>چمن میں گل نے جو گل دعویٰ جمال کیا فلک نے آہ تری رہ میں ہم کو پیدا کر</p>	<p>چمن میں گل نے جو گل دعویٰ جمال کیا فلک نے آہ تری رہ میں ہم کو پیدا کر</p>
<p>لہ مرزا غالب لہری، اسے دل میں پھر گریئے اک شور اٹھایا غالب : آہ جو قطرہ نہ کھلا تھا سو طوفاں کھلا۔</p>	

<p>سواُس کی تیغ نے جھگڑا ہی انفصال کیا نہ کہہ کہ نیند میں ہو تو یہ کیا خیال کیا چمن کو یُن قدم نے ترے نہال کیا کسو نے حشر کو ہم سے اگر سوال کیا</p>	<p>رہی تھی دم کی کشاکش گلے میں کچھ باقی مری اب نکھیں نہیں کھلتیں ضعف ہے ہدم بہارِ رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو جواب نامہ سیاہی کا اپنی ہو وہ زلف</p>
<p>لگا نہ دل کو کہیں کیا سنا نہیں تو نے جو کچھ کہ میت کا اس عاشق نے حال کیا</p>	
<p>وابستہ ترے موکا پریشان رہے گا اُس دم تیں مجھ میں بھی اگر جان رہے گا پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہے گا تا حشر مرے سر پہ یہ احسان رہے گا محشر تیں خالی نہ یہ میدان رہے گا تا حشر جہاں میں مراد یوان رہے گا</p>	<p>دیکھے گا جو بچہ رو کو سو حیران رہے گا وعدہ تو کیا اُس سے دم صبح کا لیکن منعم نے بنا ظلم کی رکھ ٹھہر تو بنایا چھوٹوں کہیں ایذا سے لگا ایک ہی جلا چمٹے رہیں گے دشتِ محبت میں سر و تیغ جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز</p>
<p>دل دینے کی ایسی حرکت اُن نے نہیں کی جب تک بچے گا میت پریشان رہے گا</p>	
<p>ہم خاک کے آسودوں کو آرام نہ آیا آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا کس جان کو یہ مرگ کا پیغام نہ آیا وہ رشکِ مہِ عید لبِ بام نہ آیا مجنوں کی طرف ناقہ کوئی گام نہ آیا پھر جیتے جی اس راہ وہ بنام نہ آیا</p>	<p>تا گور کے اوپر وہ گل اندام نہ آیا بے ہوشی سے عشق ہوں کیا میرا بھروسہ کس دل سے ترا تیرنگہ پار نہ گزرا دیکھا نہ اُسے دُور سے بھی منظور نہ آیا سویار بیاہاں میں گیا محلِ لیلیٰ اب کے جو ترے کوچے سے جاؤں گا تو سنبھلا</p>
<p>سے خون ہو آنکھوں سے ہما ٹٹک ہوا داغ اپنا تو یہ دل میت کو کام نہ آیا</p>	
<p>اے جانِ میر تقی سے پہلے اور یہ تقی کے معاصرین کے یہاں بصورتِ تذکیر بھی پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ مزارِ قریع سودا کے اس شعر میں سے تیشے سے جو کوہ کن نے سسر کو چمکا - شیریں کا یہ سن کے جان تن سے بھٹکا مگر اب بالاتفاق دہلی اور لکھنؤ کے نفسا میں ٹونٹ لولا جاتا ہے۔ اسی سے متعجبی کا شعر اسی انداز کا ہے۔ مریضِ عشق سے گراب کے بھل جاؤں گا - تو میں دوچار برس کو کہیں ٹل جاؤں گا</p>	

<p>کل اُس پہ ہیں شور ہے پھر فوج گری کا چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبکری کا اسباب کٹا راہ میں یاں ہر سہری کا اب سنگ مداوا ہو اس آشفۃ سہری کا انصاف طلب ہے تری بیداد گری کا آئینہ کو لپکا ہے پریشاں نظری کا مقدور نہ دیکھا کبھو بے بال و پری کا ٹکڑا ہے بڑا اشک عقیق جگرنی کا تھا دست نگر پنجبہر مڑگاں کی تری کا آفاق کی اس کارگر شیشہ گری کا</p>	<p>جس سر کو غرور آج ہو یاں تاج وری کا شرمندہ ترے رخ سے ہو رخسار پری کا آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جوں کی ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا اپنی تو جہاں آنکھ لڑی چپ رہیں دیکھو صد موسم گل ہم کو تہ بال ہی گزے اس رنگ سے چمکے ہے پاک پر کہے تو کل سیر کیا ہم نے سمندر کو بھی جا کر لے سائن بھی آہستہ کہ نازک ہو بہت کام</p>
--	--

ہلک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھر و سا ہے چراغِ سحری کا

<p>منہ تکا ہی کرے ہو جس تس کا شام سے کچھ بجھا سار ہتا ہوں تھے جڑے مغنچوں کے تیور لیک داع آنکھوں سے کھلے ہیں ب بحرِ کرم ظرف ہے بسانِ حباب فیض اے ابرا چشم تر سے اٹھا</p>	<p>حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا دل ہوا ہے چراغِ مفلس کا شیخ میخانہ سے تھلا کھٹکا ہاتھ دستہ ہوا ہے نرگس کا تھکا لیس اب ہوا ہو جس کا آج دامن وسیع ہو اس کا</p>
---	---

تاب کس کو جو حال میر مٹنے
حال ہی اور کچھ ہو مجلس کا

<p>دہ اکے وش سے کھولے ہوئے بال ہو گیا الجھاؤ پڑ گیا جو ہمیں اُس کے عشق میں کیا امتداد مدتِ حیراں بیاں کروں</p>	<p>سنبیل چمن کا مُفت میں پامال ہو گیا دل ساعزیزِ جان کا جنجال ہو گیا ساعت ہوئی قیامت و مہ سال ہو گیا</p>
--	--

لے سفری یعنی مسافر۔

سٹہ۔ کھسکا۔ قافیہ معمولہ۔

<p>دعویٰ کیا تھا گل نے تیرے رُخ سے باغ میں سیل لگی صبا کی سو منہ لال ہو گیا</p>	<p>تیرا تو میتِ نرم میں عجب حال ہو گیا قامتِ خمیدہ رنگِ شکستہ بدنِ نزار</p>
<p>بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا پودا ستم کا جس نے اس باغ میں لگایا دل کا نہیں ٹھکانا۔ بابتِ جگر کی گم ہے آباد جس میں تجھ کو دیکھا تھا ایک مدت</p>	<p>جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا اپنے کئے کا اُن نے منہ شتاب دیکھا تیرے بلا کشوں کا ہم نے حساب دیکھا اس دل کی مملکت کو اب ہم خراب دیکھا</p>
<p>لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک گئے ہو ہے خیرِ مہرِ صاحب، کچھ تم نے خواب دیکھا</p>	
<p>دل بہم پہنچا بدن میں تیرے سارا تن جلا سکشی ہو ہو جو دکھلاتی ہو اس مجلس میں داغ بدرساں اب آخر چھائی مجھ پر یہ آگ کب تلک دھول لگائے جو کیوں کی ہی ہو</p>	<p>آپڑی یہ ایسی چنگاری کہ پیرا ہن جلا ہو سکے تو شمع سال دیجے رگ گردن جلا ورنہ پہلے تھا مرا جوں ماہ تو دکن جلا بیٹھے بیٹھے در پہ تیرے تو مرا اس جلا</p>
<p>گرمی اُس آتش کے پر کالے سے لکھے چشمِ تیر ہو جو منہ سے تو کیا و شرب نشینی باغ کی سوکتے ہی آنسوؤں کے نور آنکھوں کا گیا شعلہ افشانی نہیں یہ کچھ نئی اس آہ سے</p>	<p>جب کوئی میری طرح سے دیوے سب تن میں جلا کاٹ اپنی رات کو خار و خس گلشن جلا بچھ ہی جاتے ہیں دے جس وقت سب روغن جلا وہ لگی ہو ایسی ایسی بھی کہ سارا بن جلا</p>
<p>اگ سی اک دل میں سلگے ہو کبھو بھڑکی تو میر دیگی میری ہڈیوں کا ڈھیر جوں ایندھن جلا</p>	
<p>۱۱۔ لا اعلم ۱۲۔ دعویٰ کیا تھا گل نے کل اُس کے رنگ و بو کا دھولیں صبا نے ماریں، شبنم نے منہ پہ تھوکا۔ ۱۳۔ ایسا ہی ایک اور شعر ہے جن میں گل نے جو کل دعویٰ جلال کیا دھولیں صبا نے مار طمانچہ منہ اُس کا لال کیا۔ ۱۴۔ حسرتِ موبائی ۱۵۔ عشقِ بتان کو جی کا جہال کر لیا ہے ۱۶۔ حسرت یہ تو نے اپنا کیا حال کر لیا ہے۔ ۱۷۔ فی زمانہ۔ اب ہم نے خواب دیکھا کہیں گے۔</p>	
<p>۱۸۔ احسان لینے کی خدمت میں کسی استاد کا یہ شعر بھی بہت خوب ہے دیوارِ بارِ منتِ مزدور سے ہو خم ہوا، خانِ خاںِ خرابِ احسان اٹھائے یا یہ شعر ذوقِ دہلی کا ہے نہ پکڑیں دامنِ الیاس کو دابِ بلا میں ہم ہوا کہ بدتر دُوب مرے سے ہو جینا اس سہاے کا ۱۹۔ جوں ایندھن۔ قدامت کے یہاں اکثر اس قسم کی ترکیبیں ملتی ہیں مگر زیادہ حال کے فصحا کے نزدیک مختلف قیہ ہیں ۲۰۔</p>	

حال دل مست کا دورو کے سربے ماہ سنا انا بلد ہو کے روئے عشق میں پہنچوں تو کہیں اکوئی ان طوروں سے گزے ہے تیرے نعم میں ہری	شب کو القصہ عجب قصہ جانکاہ سنا ہمروہ خضر کو یاں کہتے ہیں گمراہ سنا گاہ تو نے نہ سنا حال مرا گاہ سنا
--	---

خواب غفلت میں ہیں یاں سب توجہت جاگا تیر
بیخود کچھا انھیں میں جنھیں آگاہ سنا

جب جنوں سے ہیں تو تکل تھا بستر تھا چین میں جوں بلبل یک بچہ کو وفا نہ کی گویا اُن نے پہچان کر ہمیں مارا شہر میں جو نظر پڑا اُس کا اب تو دل کو نہ تاب ہو نہ قرار جا بھنسا دام زلف میں آخر یوں نگئی قد کی ختم ہوئے جیسے	اپنی زنجیر پا ہی کا غل تھا نالہ سربا یہ تو تکل تھا سوسم گل صفیر بلبل تھا منہ نہ کرنا ادھر تیرا بل تھا کشتہ ناز یا تغافل تھا یادِ ایام جب سچکل تھا دل نہایت ہی بے تامل تھا عمر اک رہر و سربل تھا
---	--

خوب دریافت جو کیا ہم نے
وقت خوش تیر نکست گل تھا

آگے جمال یار کے معذور ہو گیا یک چشم منتظر ہے کہ دیکھے ہو کسے راہ قسمت تو دیکھ شیخ کو جب لہرائی تب پہنچا قریب مرگ کے وہ صید ناقبول دیکھا یہ ناد و نوش کہ نیش فراق سے اُس ماہ چار دہ کا چھپے عشق کیونکہ آہ شاید کسو کے دل کو لگی اُس گلی میں چو	گل اک چین میں دیدہ بے نور ہو گیا جوں زخم تیری دوری میں ناسور ہو گیا دروازہ شہید خانے کا معمور ہو گیا جو تیرے صید گاہ سے ٹک دور ہو گیا سینہ تمام خسانہ زبور ہو گیا اب تو تمام شہر میں مشہور ہو گیا میری بغل میں شیشہ دل چور ہو گیا
---	---

دیکھا جو میں نے یار تو وہ تیر ہی نہیں
تیرے نعم فسراق میں رہنور ہو گیا

لہ یعنی میں نے جنھیں آگاہ سنا۔

<p>پتھر تلے کا ہاتھ ہی اپنا نکالتا خود شید اپنی تیغ و سپر ہی سنبھالتا پھرتا تھا جن دنوں میں تو گیندیں اچھالتا خسرے سنگ سینہ کو کس طور ٹالتا</p>	<p>فریاد ہاتھ تیشہ پر ٹک رہ کے ڈالتا بلکرا اگر وہ شوق تو سنیو کہ رہ گیا یہ سر بھی سے گوئے ہی میدان عشق کا بن کے پھوٹے بنتی نہ تھی کوہن کے تئیں</p>
<p>چھاتی سے ایک بار لگا ما جو وہ تو میر برسوں یہ زخم سینے کا ہم کو نہ سالتا</p>	
<p>برقع سے گر نکلا کہیں چہرہ ترا متاب سا دیکھو نہ جھکے ہے پڑا وہ ہونٹھ لعل ناب سا میں شوق کی افراط سے تیا بہ ہیں سب سا اب عیش روز وصل کا ہی جی میں بھولا اب سا سباب سارا لے گیا آیا تھا یک سیلاب سا اب سجدے ہی میں گرے ہے قد جو ہوا اثر اب سا ب دیدہ ترکو جو تم دیکھو تو ہے گرد اب سا دعا عطا کو مارے خود کے کل لگ گیا جلاب سا</p>	<p>گل شرم سے بہ جائیگا گلشن میں ہو کر آب سا گلبرگ کا یہ رنگ ہی مر جاں کا ایسا ڈھنگ سے وہ مایہ جاں تو کہیں پیدا نہیں جوں کیسا دل تاب ہی لایا نہ ٹک تا یاو رہتا ہمنشین سناٹے میں جان کے ہوش و حواس و دم نہ تھا ہم مگرشی سے مد توں مسجد سے بچ کر پہلے نہی عشق کی وہ ابتدا جو موج سی اٹھی بھو بسکہ جو ہم مست آگئے سو بار مسجد سے اٹھا</p>
<p>دیکھ ہاتھ دل پر میر کے دریافت کر گیا حال بہتا ہے اکثر یہ جواں مجھ ان دنوں بیتاب سا</p>	
<p>بکلا ہی نہ جی ورنہ کاٹنا سا نکل جاتا میں ضبط نہ کرتا تو سب شے سر یہ چل جاتا ایک دم میں زمانہ کا یاں رنگ بدل جاتا پرکش میں ہماری ہی دل خشر کا دھل جاتا واں رستم اگر آتا تو دیکھ کے ٹل جاتا لنگھوں کو غزالوں کی پاؤں تلے مل جاتا</p>	<p>مرہتے جو گل بن تو سارا یہ چل جاتا پیدا ہو کہ پنہاں تھی آتش نفسی سیری میں گریہ خونی کو روکے ہی رہا - ورنہ بن پوچھے کرم سے وہ جو بخش نہ دیتا تو سادہ جہاں میں تھا۔ میدان محبت میں وہ سیر کا دادی کے مائل نہ ہوا - ورنہ</p>
<p>لے سیر - اب بالاتفاق تا میٹ بولا جاتا ہے لیکن تیسرے پہلے اور تیر کے زمانے میں نہ تو بھی بولا جاتا تھا جیسا کہ ذیل کے اشعار سے جہاں خود میر کا ایک شعر ہے : لاہو خاک ہیں گس طرح کا عالم یاں : نکل کے شہر سے ٹک سیر کو مزاروں کا مزار بنج السوا کا شعر ہے بسکہ پونچھوں ہوں میں اپنی چشم خون آلود کو : جامہ کا ہر ایک تختہ سیر جو گلزار کا</p>	

میں

بیابان و لوہاں یوں میں کاہے کو تلف ہوتا اس سیم بدن کو تھی کب تاب تو ب اتنی	یا قوتی ترے لب کی ملتی تو سنھل جاتا وہ چاندنی میں شب کی ہوتا تو پھل جاتا
سینو جب وہ بکھو سوار ہوا اُس فریبندہ کو نہ سمجھے آہ	مارا گیا تب گزرا بوسے سے ترے لب کے کیا میر بھی لڑکا تھا باتوں میں بہل جاتا
نالہ ہم خاک روں کا آخر مر چلے بے قرار ہو کر ہم	تا بہ روح الامیں شکار ہو ہم نے جانا کہ ہم سے یار ہو خاطر عرش کا غبار ہو اب تو تیرے تئیں قرار ہو
مانند شمع مجلس شب اشکیار پایا احوال خوش انھوں کا ہم نرم میں جوتے	وہ جو مخمب کیف نظر آیا میر سو جان سے نثار ہوا
چیتے جو ضعف ہو کر زخم رسا سے اُس کے شہر دل ایک دت اُڑا بسا غموں میں	القصہ میر کو ہم بے اختیار پایا افسوس ہو کہ ہم نے داں کا نہ بار پایا سینے کو چاک دیکھا دل کو فگار پایا آخر اُجاڑ دینا اُس کا قرار پایا
اتنا نہ مجھ سے ملتے نے دل کو کھو کے روتے کیا اعتبار یاں کا پھر اُس کو خواہ دیکھا	جیسا کیا تھا ہم نے دیا ہی یار پایا جس نے جہاں میں اگر کچھ اعتبار پایا
مارا زمیں میں گاٹا۔ تب اُس کو صبر آیا اُس گل زمیں سے اب تک اُگتے ہیں مہر جس جا	اہوں کے شعلے جس جا اٹھتے تھے میر شہب داں جا کے صبح دیکھا مشیت غبار پایا
یکساں ہے قتل گہ اور اُس کی گلی تو مجھ کو پوچے سے اور پتھر ہوتے ہیں یہ صدم تو	اس دل نے ہم کو آخروں خاک میں ملایا ستی میں تھکتے جس پر تیرا پڑا ہے سایا داں خاک میں میں لوٹا یاں لو ہو میں نہایا اب کس طرح اطاعت اُن کی کروں خدایا
تا چرخ نالہ پہنچا لیکن اثر نہ دیکھا تیرا ہی منہ تنگ ہے کیا جانے کہ نو خط	کرنے سے اب دعا کے میں ہاتھ ہے اٹھایا کیا باغ مہر تو نے آسینہ کو دکھایا

۱۵ مرزا غالب دہلوی سے دفن عاشق سے ملتی ہو جو کوسوں تک خاک پر کس قدر یارب ہلاکِ حسرت پالو بس تھا

تیری مسوں پر گرچہ سبزے نے زہر کھایا
جی کے تئیں بھی کھو یا لیکن اُسے نہ پایا
اک رنگ میں بسا ہا جی کو کہاں لگایا
بارے وہ شوخ اپنی خاطر میں کچھ نہ لایا
مانند شمع مجھ کو کاسے کے تئیں جلایا

شادابی و لطافت ہرگز ہوئی نہ اُس میں
آخر کو مر گئے ہیں اُس کی ہی جستجو میں
لگتی نہیں ہو دارو، ہیں سب طبیب حیراں
کہہ بیچ اُس کے منہ کو جی میں ڈرا یہاں تو
ہونا تھا مجلس آرا اگر غیبر کا بختے تو

تھی یہ کہاں کی یاری امینہ رو کہ تو نے
دیکھا جو میر کو توبے پہنچ منہ بنایا

القصر رفتہ رفتہ دشمن ہوا ہو جاں کا
خوں ہو گیا جگر میں اب ان گلستاں کا
جار و بکش مگر ہے خورشید اس کے ہاں کا
یاں ہم چلے قفس میں بسن حال آشیان کا
پیوند ہو زمین کا۔ شیوہ اس آسماں کا
ہوتا نہیں ہو آخر کام اُن کے امتحاں کا
اب کرتے ہیں نشانہ ہر میرے استخاں کا
وہ قصد کب کرے ہو اس صید نالواں کا
حوال کیا کہوں میں اس مجلسِ دیاں کا
سید سپر وہ پیارا ہے گا امام یا نکا
طاعت بتو برس کی سجدہ اس ستاں کا
اُس روز سے جہاں میں خورشید پھر نہ جھانکا
ہو کون سی جگہ کا کس شہر کا۔ کہاں کا
سرفقت بیچتے ہیں یہ کچھ چلن ہو ان کا
اباں شاخ خانہ جنگ اُس خوش حشم پدیاں کا

شکوہ کروں میں کب تک اُس اپنے مہرباں کا
گر یہ پہ رنگ آیا، قید قفس سے شاید
لے جھاڑو تو کراہی آتا ہے صبح ہوتے
دی آگ رنگ گل نے واں اس صبا چمن کو
ہر صبح میرے سر پر اک حادثہ نیا ہے
ان صیدا فکروں کا کیا ہو شکار کوئی قطع
تب تو مجھے کیا تھا تیروں سے صید اپنا
فراق جس کا اکثر لوہو میں تر ہے ہے
کم فرصتی جہاں کے مجمع کی کچھ نہ پوچھو
سجدہ گریں ہیں سنکڑا و باں سارے اُس کے
ناحق شناسی ہے یہ زاہد نہ کر برابر
جس دن کہ اُس کے منہ سے برق اٹھیں گانہ
ناحق یہ ظلم کرنا انصاف کر پیارے
سودا ہی ہو تو رکھ بازارِ عشق میں پا
ننگو گالی ایک چشمک اتنا سلوک تو ہو

لے رہے ہے۔ اب متروک ہے۔ اس کی بجائے رہتا ہے "صحیح ہے۔"

"مجلسِ رواں" دنیا کو مجلسِ رواں کہنا نہایت لطیف ہو کیونکہ یہاں کی ہر چیز سفری اور ہر شے گزراں ہے۔

لے لے قافیہ معمولہ

یاروئے یار لایا اپنی تو یوں ہی گزری قطع کیا ذکرِ مصفیراں، یارانِ شاد ماں کا
قیدِ قفس میں ہیں تو خدمت ہے نا لگی کی گلشن میں تھے تو ہم کو منصبِ تھانہ خواں کا

پوچھو تو میر سے کیا کوئی نظر پڑا ہے
چہرہ اتر رہا ہے کچھ آج اُس جواں کا

ہمارے آگے ترا جب کسوں نے نام لیا
قسم جو کھائیے تو طالعِ زلیخا کی
خراب کہتے تھے مسجد کے آگے میخانے
وہ کج روش نہ ملا راستی میں مجھ سے بھی
مزا دکھا دیں گے بیرجمی کا تری ضیاء
مرے سلیقے سے میری بھی محبت میں
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تمام تمام لیا
عزیزِ مصر کا بھی صاحبِ اک غلام لیا
نگاہِ مست نے ساقی کی انتقام لیا
نہ سیدھی طرح سے اُن نے مرا سلام لیا
گرا مضطرب اسیری نے زبردِ ام لیا
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

اگرچہ گوشہ گزین ہوں میں شاعرِ دلِ میر
پہ میرے شور نے روئے زین تمام لیا

شعر

سیر کے قابلِ ای دل صد پارہ اس چکر کا
سب کھلا بارِ جہاں آلا یہ حیرانِ دُخفا
بوئے خوں سے جی رکا جانا ہوا بادِ بہار
کیونکہ نقاشِ ازل نے نقشِ ابرو کا کیا
رہ گزریلِ حوادث کا ہو بے بسِ یادِ دم
بس طیب اٹھ جامری بالیں سے دستِ دردِ دم
نالہ کش ہیں عہدِ پیری میں بھی تیرے در پہ ہم
جو ترے کوچہ میں آیا۔ پھر وہیں گاڑا اُسے
خوں سے میرے ہونے کی دم خوشی تم کو تو لیک
لختِ دل سے جوں چھڑی پھولوں کی گوندھی ہوئے
گورِ نخبوں سے نجا دیں گے کہیں ہم بے نو

جس کے ہر فکرے میں ہو پیوستِ پریاں تیر کا
جس کو دل سمجھے تھے ہم سو غنیمتِ تھا تصور کا
ہو گیا ہے چاکِ دل شاید کسو دُعا میر کا
کام ہے اک تیرے منہ پر کھینچنا شمشیر کا
اس خرابے میں نہ کرنا قصدِ تمِ تقصیر کا
کام جاں آخر ہوا اب فائدہ تدبیر کا
قد خرم گشتہ ہمارا حلقہ ہے زنجیر کا
نشہ خوں میں تو ہوں اس خاکِ دامنگیر کا
سفت میں جاتا رہا جی ایک بے تقصیر کا
فائدہ کچھ اسے جگر اس آہ بے تاشیر کا
عجب ہی ہم میں جو چھوڑیں ڈھیر اپنے پیر کا

کس طرح سے مانے یارو کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہو رنگِ چہر تو دیکھو میر کا

شب در دو دم سے عرصہ مری تہنگ تھا کثرت میں درد و غم کے نہ نکلی کوئی پیش لایا مرے مزار پر اُس کو یہ جذبِ عشق دیکھا ہو صید کہ میں تری صید کا جگر دل سے مرے لگانہ ترا دل نہ از حیف	آیا شبِ فراق تھی یا روزِ جنگ تھا کوچہ جگر کے زخم کا شاید کہ تنگ تھا جس بی وفا کو نام سے بھی میر تنگ تھا با آنکہ چمن رہا تھا یہ ذوقِ خدا تھا یہ شیشہ ایک عمر سے مشتاقِ سنگ تھا
--	---

مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا
جینے کا اس مرض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

دل میں بھرا ز بس کہ خیالِ شراب تھا موجیں کرے ہو بحرِ جاں میں ابھی تو تو اگتے تھے دستِ بلبیل و دامانِ گل بہم ہلک دیکھ آنکھیں کھول کے اُن دم کی حیرتیں	مانندِ آئینہ کے مرے گھر میں آب تھا جانے گا بعدِ مرگ کہ عالمِ جہاں تھا صحرا چمن، نمونہ، یوم الحساب تھا جس دم یہ موجِ جی کی کہ یہ عالم بھی خواب تھا
---	--

دل جو نہ تھا تو راتِ زخود رفتگی میں میر
کہ انتظارِ دو گاہ مجھے اضطراب تھا

کیا طرح ہے آشنا کا ہے۔ گے نا آشنا پائمالِ صد جفا ناحق نہ ہوا عندِ لب کون سے یہ بحرِ خوبی کی پریشاں زلف ہو بلبلیں پائیز میں کہتی تھیں ہوتا کاشکے کو گل و لالہ کہاں سنبلِ سنن ہم نستر کیا کروں کس سے کہوں اتنا ہی بیگانہ ہو یا جس کی میں چاہی و سلطنت اُن نے یہ مجھ سے کہا یوں سُنا جا ہو کہ کرتا ہے سفر کا غمِ خزم شعرِ صائب کا مناسب ہو ہماری اُور سے	یا لو بیگانے ہی رہے، ہو جئے یا آشنا سبزہ بیگانہ بھی تھا اس چمن کا آشنا آئی ہو آنکھوں میں میرے موجِ دیا آشنا یک مژدہ رنگِ سبزی اس چمن کا آشنا خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا سائے عالم میں نہیں پاتے کسی کا آشنا ہم تو کہتے گرمیاں ہم سے وہ ہوتا آشنا ساتھ اب بیگانہ وضعوں کے ہمارا آشنا سامنے اُس کے ٹرے گر یہ کوئی جا آشنا
---	--

لے آئی ہو آنکھوں میں میرے موجِ دریا آشنا۔ یعنی میری نظر کو موجِ دریا آشنا معلوم ہوئی ہے۔
لے مزارِ غائب ہوئی ہے سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں، خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پہناں ہو گئیں۔
لے یوں سُنا جا ہے، بجائے یوں سُنا جاتا ہو۔ کے متروک ہو۔

آتا بجاں ماہر ہم و تا بہ منزل دیگران	فرق باشد جان ما از آشنا تا آشنا
دائع ہو تا باں علیہ الرحمہ کا چھاتی پر میسر ہو نجات اُس کو بچارا ہم سے بھی تھا آشنا	
گل کو محبوب ہم قیاس کیا دل نے ہم کو مثال آئینہ کچھ نہیں سوچتا ہیں اُس بن عشق میں ہم ہوئے نہ دیولے دور سے چرخ کے مکمل نہ سکے صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی	فرق نکلا بہت جو باں کیا ایک عالم کا روشناس کیا شوق نے ہم کو بیجو اس کیا قیس کی آبرو کا پاس کیا ضعف نے ہم کو موٹاس کیا کیا پتنے نے التماس کیا
ایسے وحشی کہاں ہیں امروہاں میسر کو تم عبث اُداس کیا	
مفت آبروے زاہر علامہ لے گیا دائع فراق و حسرت وصل آرزوے شوق پہنچانہ پہنچا آہ گیا سو گیا غریب	اک مہینچہ انار کے عمامہ لے گیا میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لے گیا وہ مرغ نامہ بر جو مرا نامہ لے گیا
اُس راہزن کے دھنگوں دیوے خدا پناہ اک مرتبہ جو میسر تھی کا جامہ لے گیا	
<p>۱۔ تاہاں مرحوم کا نام میر عبدالحی تھا۔ رضوی سید تھے۔ دہلی ان کی زاد بوم تھی۔ ایسے حسین و جمیل تھے کہ لوگ ان کو یوسف ثانی کہتے تھے۔ ان کے تلمذ شاعری میں اختلاف ہے۔ شیخ حاتم نے ان کو اپنا شاگرد بتایا جو شیعہ نے گلشنِ بختار میں سودا کا شاگرد بیان کیا ہے۔ خود ان کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ محمد علی حسرت کے شاگرد تھے۔ اداکل جوانی سے میخواری کی عادت قبضہ پیدا ہو کر طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی اور اسی نے ان کی بندرتی کو خراب کیا بلکہ اسی میں ان کی جان گئی۔ مگر مرنے سے سات آٹھ روز پہلے شراب سے یک لخت توبہ کر لی اور اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں کو رقعہ لکھ کر ترکِ مینوشی سے خبردار کر دیا تھا اور اپنا گواہ بنا لیا تھا۔ نہایت خوشگو شاعر تھے۔ مرزا مظہر جان جاناں کے مرید تھے۔ افسوس کہ عالمِ شباب میں انتقال کیا۔</p> <p>۲۔ صدمہ تک زندہ تھے۔ بان کا ایک مختصر دیوان چھپ گیا ہے ۱۲ اسی</p> <p>۳۔ باس کیا۔ یعنی سوٹھا۔ باس کرنا اب متروک ہے۔</p>	

<p>غافل نہ رہ کہ قافلہ اک بار جائے گا کب درمیاں سے وعدہ دیدار جائے گا بیچارہ کیونکہ تاسر دیوار جائے گا جو کھاکے تیرے ہاتھ کی تلوار جائے گا زلفِ سیہ کا اُس کے اگر تار جائے گا لے کارواں مرے تئیں بازار جائے گا اب جان ہی کے ساتھ یہ آزار جائے گا کیا حال ہوگا پاس سے جب یار جائے گا</p>	<p>اے تو کہ یاں سے عاقبت کار جائے گا موتوفِ حشر پر ہو سوتی بھی وہ نہیں چھوٹا جو میں قفس سے تو سب نے مجھے کہا دیگی نہ چین لذتِ زخم اُس شکار کو آفتے گی اک بلا ترے سرسُن لے اے صبا باہر نہ آتا چاہ سے یوسف جو جانتا تدبیر میرے عشق کی کیا فائدہ طلبیب آئے بن اُس کے حال ہوا جائے ہو بغیر</p>
<p>کوچہ میں اُس کے رہنے سے بازارِ دگر نہ تیر اک دن مجھے وہ جان سے بھی مار جائے گا</p>	
<p>قافلہ جاتا رہا میں صبح ہوتے سو گیا جو ہماری خاک پر سے ہو کے گزرا رو گیا کھپ گیا وہ راہ و اس راہ ہو کر جو گیا ایک عالم جستجو میں جی کو اپنے کھو گیا</p>	<p>کیا کموں کیسا ستم غفلت سے مجھ پر ہو گیا بیکسی مدتِ تلک برساکِ اپنی گور پر کچھ خطرِ ناکی طریقِ عشق میں نہاں نہیں مُدعا جو ہو سودہ پایا نہیں جاتا کہیں</p>
<p>میر ہر یک موج میں ہو زلفِ ہی کا سدا مانع جب سے وہ دریا پہ آکر بال اپنے دھو گیا</p>	
<p>خاک افتادہ ہوں میں بھی اک فقیر اللہ کا عند ہی جا ہو چلا اُس کے دلِ بدخواہ کا میکدہ سارے کا سارا صرف ہے اللہ کا ظلم ہے اک خلق پر آشوب اُن کی آہ کا شوق ہی باقی رہا ہم کو دل آگاہ کا اس سے پایا جائے ہو سرشتہ جی کی چاہ کا عرصہ محشر نمونہ اُس کی بازی گاہ کا</p>	<p>مست ہوؤ دشمن اے فلک مجھ پر انماں راہ کا سیکڑوں طرحیں نکالیں یار کے آنے کی لیک گر کوئی پیرِ مغاں مجھ کو کرے تو دیکھے پھر کاش تیرے غم رسیدوں کو بلا دیں حشر میں جو سنا ہشیار اس میخانہ میں تھا بے خبر باندہ مست روئے کا تار لے ناقباتِ فہمِ شہم شیخِ مت کر ذکرِ ہر ساعت قیامت کا کہ ہو</p>
<p>۱۔ مومن خاں ہوں پہلوی سے ہم نکالیں گے سُن اے موج ہوا بل تیرے پا اُس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہو گئے ۲۔ صفحہ ۱۲ دیکھئے کہ موج دیا کوہِ ہاں بھی زلف سے تشبیہ دی ہو۔ ۳۔ عذری جا ہو چلا یعنی عذری چلا جاتا ہو۔ ۴۔ آہی</p>	

<p>شہر میں کس منہ سے اے سامنے تیرے کہ شوخ بھائیوں سے بھر رہا ہے سارا چہرہ ماہ کا</p>	<p>شہر میں کس منہ سے اے سامنے تیرے کہ شوخ بھائیوں سے بھر رہا ہے سارا چہرہ ماہ کا</p>
<p>مرفر دلائی نہیں ہمت مری ہر اک کے پاس ہوں گدا کے آستان میں میر حضرت شاہ کا</p>	<p>مرفر دلائی نہیں ہمت مری ہر اک کے پاس ہوں گدا کے آستان میں میر حضرت شاہ کا</p>
<p>ایسی گلی اک شہر اسلام نہیں رکھتا آزار نہ دے اپنے کالوں کے تئیں احوال ناکامی صد حسرت خوش لگتی نہیں ورنہ ہو خشک تو بہتر ہے، وہ ہاتھ بیماراں میں بن اُس کے ہم آغوشی بیتاب نہیں ابھی میں وارھی تری واعظ مسجد ہی میں منڈواتا وہ مفلس اُن آنکھوں سے کیونکر کے بسر آج کیا بات کروں اُس سے مل جائے جو وہ میں تو</p>	<p>جس کو چے میں وہ بت صد بدنام نہیں رکھتا آغاز مرے غم کا انجام نہیں رکھتا اب جی سے گزر جا نا کچھ کام نہیں رکھتا مانند نے نرسس جو جام نہیں رکھتا دست سے بغل میں دل آرام نہیں رکھتا پر کیا کروں ساتھ اپنے حجام نہیں رکھتا جو اپنی گرہ میں اک بادام نہیں رکھتا اس ناکسی سے روئے دشنام نہیں رکھتا</p>
<p>یوں تو رہ و رسم اُس کو اس شہر میں سب سے اک میسر ہی سے خط و پیغام نہیں رکھتا</p>	<p>یوں تو رہ و رسم اُس کو اس شہر میں سب سے اک میسر ہی سے خط و پیغام نہیں رکھتا</p>
<p>غوبی کا اس کی بسکہ طلبگار ہو گیا کس کو نہیں ہو شوق ترا پر نہ اس قدر میں نو دمیدہ بال چمن زاد طیر تھا ٹھہرا گیا نہ ہو کے حریف اُس کی چشم کا ہو اُس کی حرف زبیری کا بھوں میں فکر تو وہ متاع ہو کر پڑی جس کی تھہر آج کیا کہنے آہ عشق میں غوبی نصیب کی آنکھوں پر لگا ہی پھر ہو تھکے ساتھ</p>	<p>گل باغ میں گلے کا مرے ہار ہو گیا میں تو اسی خیال میں بیمار ہو گیا پر گھر سے اٹھ چلا سو گرفتار ہو گیا سینہ کو تو تیسرے نگہ پار ہو گیا کیا بات تھی کہ جس کا یہ بستر ہو گیا وہ جی کو بیچ کر بھی خریدار ہو گیا دلدار اپنا تھا سو دل آزار ہو گیا کچھ ان دنوں میں غیر بہت یاد ہو گیا</p>
<p>لے ہو اُس سے بات کرنے کا مجھ کو میسر نا کردہ جرم میں تو گنہگار ہو گیا</p>	<p>لے ہو اُس سے بات کرنے کا مجھ کو میسر نا کردہ جرم میں تو گنہگار ہو گیا</p>
<p>تیر جو اُس کمان سے نکلا نکلی تھی تیغ بے دریغ اسکی</p>	<p>جگر مرغ جان سے نکلا ہی اک امتحان سے نکلا</p>

<p>اب تو میری زبان سے نکلا بس تو نہ آسمان سے نکلا نہ کعبہ و کان سے نکلا تنگنائے جہان سے نکلا جو کوئی اس مکان سے نکلا شہد پانی ہو شان سے نکلا</p>	<p>گو کئے سُر کہ سوزِ دل جوں شمع آگے اے نالہ ہے خدا کا نالوں چشم و دل سے جو نکلا ہجران میں مر گیا جو اسیرِ قیدِ حیات دل سے مت جا کہ حیف اُس کا وقت اُس کی شیریں لہی کی حسرت میں</p>
<p>راہوں کو روتے روتے ہی جوں شمع گل گیا تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی تل گیا میں وہ نہال تھا کہ آگا اور جل گیا لغزش بڑی ہوئی تھی و لیکن سنبھل گیا چل اب کہ دختِ تاک کا جو بن تو ڈھل گیا یاں کو نسا ستمزدہ مائی میں ل گیا</p>	<p>گرمی سے میں تو آتشِ غم کی پگھل گیا ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر گرمی عشق مانع نشو و نما ہوئی مستی میں چھوڑ دیر کو کعبہ چلا تھا میں ساقی لئے میں تجھ سے لندھا شیشہ شراب ہر ذرہ خاک تیری گلی کی ہے بے تیرا</p>
<p>ہوا نہ گور گڑھا ان ستم کے ماروں کا کہ روزگار کے سرِ خون ہو ہزاروں کا نکل کے شہر کے سنگ سیر کر مزاروں کا بھلا نہیں ہے بہت ٹوٹنا بھی تاروں کا غسل پذیر ہوا ہے دماغِ یاروں کا جو کوئی مانگے گا نامہ سیاہ کاروں کا نہ ٹھورے نہ ٹھکانا ہے ہوشیاروں کا ہم ایک دیکھنے چل ملک ان گواروں کا</p>	<p>سنا ہو حال ترے کشتگاں بچاروں کا ہزار رنگ کھلے گل چمن کے ہیں شاہد لا ہے خاک میں کس کس طرح کا عالم یاں عرقِ فشان سے اُس زلف کی ہر اماں ہوں علج کرتے ہیں سودائے عشق کا میرے ترخی ہی زلف کو محشر میں ہم دکھا دیں گے ہنگامہ مست کے مارے ترے خراب میں شوخ کریں ہیں دعویٰ خوش چہمی آہوانِ دشت</p>
<p>لہ تیر نفی سے جواب نامہ سیاہی کا اپنی ہو وہ زلف پگھلے محشر میں ہم سے اگر سوال کیا۔ عہ شہد کا چھتہ</p>	

تڑپ کے مرنے سے دل کے کہ مغفرت ہو اسے
تڑپ کے خسر من گل پر کبھی گر اے بجلی
تھیں تو زہد و درخ پر بہت ہو اپنے غرور
خدا ہے شیخ جی ہم بھی گناہگاروں کا

اٹھے گرد کی جانالہ گور سے اس کی
غبارِ مہر بھی عاشق ہو زواروں کا

دل سمجھا نہ محبت کو کچھ اُن نے کیا یہ خیال کیا
خوں ہو بہ سب آجی گیا جو عشقِ حسن و جمال کیا

آنکھیں کفک سے اُس کی لگا کر خاک برابر ہم بھی ہوئے
ہندی کے رنگ اُن پائوں نے تو بہتوں کو پامال کیا

یوں بٹکے ہے فلک ایڑ سے نازکنان جو جانے تو
خاک سے سبزہ میری آگا کر اُن نے جھکو نہال کیا

اگے جواب سے اُن لوگوں کے بارے معافی اپنی ہوئی
ہم بھی فقیر ہوئے تھے لیکن ہم نے ترک سوال کیا

حال نہیں ہے عشق سے مجھ میں کس سے مہرِ اجال کیوں
آپ ہی چاہ کر اُس ظالم کو یہ اپنا میں حال کیا

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پچاہ کا
آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں
صد خانماں خراب ہیں ہر قدم پہ دفن
اک قطرہ خون ہو کے پلک سے ٹپک پڑا
تلوار مارنا تو تھیں کھنسل ہر دے
یہ نام و نوار و نزار و شکستہ حال
ظالم زمیں سے لوٹا داسن اٹھا کے چل

خانہ خراب ہو جو اس دل کی چاہ کا
موتا ہوں میں تو ہائے رے صدفِ نگاہ کا
کشتہ ہوں یار میں تو ترے گھر کی آہ کا
قصہ یہ کچھ ہوا دل غفراں پسند کا
جاتا رہے نہ جان کسویں گناہ کا
احوال کچھ نہ پوچھئے اس روسیہ کا
ہو گا کہیں میں ہاتھ کسوداد خواہ کا

لے مرزا داغ دہلوی سے صبر لے زاہدِ تاقم نے میخواروں کا پونجے والا بھی دیکھا ہو گناہگاروں کا
تھ آجی کے بجائے اب فہم آج ہی بولتے ہیں۔

لے تذکرہ میر میں پہلا مصرع اس طرح ملتا ہے۔ ظالم زمیں سے لوٹا داسن اٹھا کے پہن گروہ صبح نہیں ہے۔

اے تاج شہ نہ سر کو فرو لاؤں تیرے پاں ہے معتقد فقیرِ ند کی کلاہ کا

بیمار تو نہ ہووے جسے جب تلک کہ میر
سوئے نہ دے گا شور تری آہ آہ کا

دل سے شوقِ رنج نگو نہ گیا
ہر قدم پر تھی اُس کی منزل لیک
سب کے ہوش و صبر و تاب تو اس
دل میں کتنے مسوئے تھے ولے

جھا نکلتا نکلتا کبھو نہ گیا
سسر سودائے جستجو نہ گیا
لیکن اے داغِ دل سے تو نہ گیا
ایک پیش اُس کے روبرو نہ گیا

سجھ گرداں ہی میر ہم تو رہے
دست کوتاہ تاسیو نہ گیا

گل و نیل ہزار میں دیکھا
جل گیا دل سفید ہیں آنکھیں
آبلے کا بھی ہونا دامنگیر
تیرہ عالم ہوا یہ روز سیاہ

ایک بجھ کو ہزار میں دیکھا
یہ تو کچھ انتظار میں دیکھا
تیرے کوچے کے غار میں دیکھا
اپنے دل کے غبار میں دیکھا

جن بلاؤں کو میر سننے تھے
اُن کو اس روزگار میں دیکھا

کئی دن سلوکِ دواع کا مرے درپے دل زار تھا
کبھو درد تھا، کبھو داغ تھا، کبھو زخم تھا، کبھو وار تھا

دمِ صبح بزمِ خوش جہاں شبِ غم سے کم نہ تھے مہرباں
کہ چراغ تھا سو تو دودھ تھا، جو پتنگ تھا سو غبار تھا
دلِ خسہ جو لہو ہو گیا تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک

کبھو سوزِ سینہ سے داغ تھا، کبھو دردِ غم سے نگار تھا
دلِ مضطرب گزر گویا شبِ وصل اپنی ہی فکر میں
نہ دماغ تھا نہ فراغ تھا، نہ شکیب تھا نہ تسار تھا

جو نگاہ کی بھی پلک اٹھا تو ہمارے دل سے لہو بہا
کہ وہیں وہ نادک بے خطا، کسو کے کلیجے کے پار تھا
ایہ مسودہ یہاں یعنی منصوبہ ہے۔

یہ تمھاری اندلوں دوستان مژہ جس کے غم میں ہو خوشچکان
وہی آفتِ دل عاشقان کو وقتِ ہم سے بھی یار تھا
نہیں تازہ دل کی شکستگی یہی دردِ تمھارا یہی خستگی
اُسے جبے ذوقِ شکار تھا اسے زخم سے سروکار تھا

کبھو جائے گی جو ادھر صبا۔ تو یہ کیوں اُس سے کہ بے وفا
مگر ایک میسرِ شکستہ پاترے باغِ تازہ میں خار تھا

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا
داع ہوں رشکِ محبت کہ اتنا بیتاب
جینے جی آہ ترے کوچے سے کوئی نہ پھرا
دل کی آبادی کی اس حدِ خرابی کہ نہ پوچھ
اشکِ تر، قطرہِ خون، نختِ جگر بارہ دل
کنج کاوی جو کی سینے کی غم ہجرال نے

سنگ

ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرفِ تیر
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دستِ نکلا

رہے خیال تنک ہم بھی روسیا ہوں کا
نہیں ستارے یہ سورخ پڑ گئے ہیں تمام
گلی میں اُس کی پچھے کپڑوں پر مسکت جا
تمام زلفت کے کوچے ہیں بارہنج اُس کے
اسی جو غولی سے لائے تجھے قیامت میں
تمام عمر رہیں خاکِ زیرِ پا اُس کے
کہاں سے تہ کریں پیدا یہ ناظمانِ حال
حساب کا ہے کارِ روز شمار میں مجھ سے

لگے ہو خون بہت کرنے بیگنا ہوں کا
فلکِ حرلین ہوا تھا ہماری آہوں کا
لیاس فقر ہے واں فخرِ بادشاہوں کا
تجھی کو آفے دلا چلنا ایسی راہوں کا
تو حرفِ کن لے کیا گوشِ ادخواہوں کا
جو زور کچھ چلے ہم عجزِ دستگاہوں کا
کہ پوچ بانی ہی ہی کام ان جلاہوں کا
شمار ہی نہیں ہو کچھ مرے گناہوں کا

تری جو آنکھیں ہیں تلوار کے تلے بھی ادھر
فریبِ خوردہ ہو تو میسر کن نگاہوں کا

لے اسی اندازِ بیان کا ایک شعر مضمون کا ہے مضمون ہم تو سمجھتے تھے کہ ہو گا کوئی زخمِ تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا ۱۲۔

اے کبک پھر بحال بھی آیا نہ جائے گا
سکر ہمارے تیغ کا سایا نہ جائے گا
جاویں گے ایسے کھوج بھی پایا نہ جائے گا
تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
دیوانِ حشر میں اُسے لایا نہ جائے گا
پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا
آئندہ ہم سے آپ میں آیا نہ جائے گا
سنگِ گرانِ عشق اٹھایا نہ جائے گا

اُس کا خرام دیکھ کے جسا یا نہ جائے گا
ہم کشتگانِ عشق ہیں ابرو و چشمِ یار
ہم رہروانِ راہِ فنا ہیں بربکِ عمر
پھوٹا سا ساری رات جو پکتا رہیگا دل
اپنے شہیدِ ناز سے بس ہاتھ اٹھا کہ پھر
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہے چاک
ہم بخود ان محفلِ تصویر اب رہ گئے
گو آبیتوں کو ٹال دے آگے سے کوہِ کن

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میسرِ بارِ آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

ہر کام پہ جس میں سر نہ ہوگا
اتنا بھی تو بے خبر نہ ہوگا
دیکھے گا کہ ہونٹہ تر نہ ہوگا
روئے دل یا را دھر نہ ہوگا
ٹکڑے ٹکڑے جگر نہ ہوگا
محنتِ زردوں کے جگر نہ ہوگا
اس سے کبھو ہوش نہ ہوگا
قحبہ ہے یہ اس سے گھر نہ ہوگا
نالے میں مرے اثر نہ ہوگا

ایسا ترا رہ گزرنہ ہوگا
کیا اُن نے نشے میں جھکو مارا
دھوکا ہے تمام بجز دنیا
آئی جو شکستِ آسنہ پر
دشمنوں سے کسی کا اتنا ظالم
اب دل کے تئیں دیا تو سمجھا
دنیا کی نہ کر تو خواستِ نگاری
آخانہ خرابی اپنی مت کر
ہو اس سے جہاں سیاہ نہ بھی

پھر نہ گری کہاں جہاں میں
ما تم زدہ میسر اگر نہ ہوگا

یا روزِ آٹھ کے سر کو پھرایا تو کیا ہوا
میں نے اُسے ہزار جتایا تو کیا ہوا
دل دیکے اُس کے ہاتھ بکایا تو کیا ہوا
اُس کا مزاج مہر پہ آیا تو کیا ہوا

نعم اُس کو ساری رات سنایا تو کیا ہوا
اُن نے تو مجھ کو جھوٹے بھی پوچھا نہ ایجاں
خواہاں نہیں وہ کیوں ہو میں اپنی طرف سے یوں
اب سچی کر سپر کہ میرے موہ گئے

دل دھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا ظالم اک اور تیسر لگایا تو کیا ہوا ظاہر جہاں سے ہاتھ اٹھایا تو کیا ہوا ناصح جو قوتے جسامہ سلایا تو کیا ہوا	مست رنجہ کر کسی کو کہ اپنے تو اعتقاد میں صیدِ ناتواں بھی تجھے کیا کرونگا یاد کیا کیا دعائیں مانگی ہیں خلوت میں شیخِ بول وہ فکر کر کہ چاک جگر بادے التیام
جیتے تو میسر اُن نے مجھے دانہ ہی دکھا پھر گور پر چراغِ حبس لایا تو کیا ہوا	
چھوڑ لذت کے تئیں لے تو فقیری کا مزا تا تو جانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا	گر چہ روارِ مزل کا چو امیری کا مزا اے کہ آزاد ہے ٹک چکھ نمک مرغِ کباب
ہم تو گمراہ جوانی کے مزلوں پر ہیں میسر حضرتِ خضرؑ کو ازروانی ہو پیری کا مزا	
رات کو سینہ بہت کوٹا گیا دل نہ اُس کے ہاتھ سے چھوٹا گیا اب کہاں وہ اُس نے ٹوٹا گیا یہ نگہ تلو مرتبہ ٹوٹا گیا	دل جو تھا اک آبلہ پھوٹا گیا طائرِ رنگِ حنا کی سی طسج میں نہ کہتا تھا کہ منہ کر دل کی اور دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
میسر کس کو اب دماغ گفتگو عمر گزری ریختہ چھوٹا گیا	
ہر گلی شہر کی حیاں کو چہ رسوائی تھا صبرِ موعوم عجب مولس تنہائی تھا نرگس اک دیدہ حیرانِ تماشائی تھا	یادِ ایام کی حیاں ترکِ شکیبائی تھا اتنی گزری جو ترے بھرن سوا کے سبب تیرے جلوہ کا مگر دتھا سحرِ گلشن میں
یہی زلفوں کی تری بات تھی یا کمال کی میسر کو خوب کیا سیر تو سودائی تھا	
دشمن کے بھی دشمن پر ایسا نہ ہوا ہوگا وہ تجھ کھن رنگیں کا مارا نہ ہوا ہوگا ان ظلم رسیدوں پر کیا کیا نہ ہوا ہوگا	اے دوست کوئی مجھ سا رسوا نہ ہوا ہوگا اب اشکِ حنائی سے جو تر نہ کرے فرگاں ٹک گورِ غریباں کی کر سیر کہ دنیا میں
لے دل پرست آدہ کرچ اگر است بڑا ہزاراں کو یہ کیل ہزار است - کعبہ بنگاہِ ظلیل آدہ است بڑا دل گزر گاہِ جلیل اگر است	

<p>دل گم جو ہوا ہوگا پسدا نہ ہوا ہوگا اک شہر نہیں یاں جو صحرانہ ہوا ہوگا جو فست نہ کہ دنیا میں بریانہ ہوا ہوگا اک قطرہ نہ دیکھا جو دریائہ ہوا ہوگا</p>	<p>سے قاعدہ کلی یہ کوئے محبت میں اس کہنہ خرابے میں آبادی نہ کر منعم آنکھوں سے تری ہم کو جو چشم کہ اب ہوئے خز مرتبہ کل کو حاصل کرے ہے آخر</p>
<p>ہمد نشتر مرگاں کے لگنے سے نہ کلانوں لگے تجھے منیسر ایسا سودا نہ ہوا ہوگا</p>	
<p>اس جنس کا بھال ہم نے خریدار نہ پایا عالم ہے سبھی یار کہاں یار نہ پایا سب ہم نے ترے ہاتھ سے آزار نہ پایا یاں ہم نے پرکھ بھی بیکار نہ پایا تجسس میں تری ہم نے کھجور بار نہ پایا کس دل کے ترا تیسرنگہ بار نہ پایا اس بارغ میں ہم نے کل بیخار نہ پایا جامہ میں مرے یاروں نے اک تار نہ پایا پر سیر ہو اس شخص کا دیدار نہ پایا</p>	<p>عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا حق ڈھونڈنے کا آپ کو آتا نہیں در نہ غیروں ہی کے ہاتھوں میں ہے دستگیریں جاتی ہے نظر خس پہ کہ چشم پریدن تصویر کے مانند لگے در ہی سے گزری سورخ ہے سینے میں ہر اک شخص کے تجھے مربوط ہیں تجھ سے بھی ہی ناگس نا اہل ہم بعد جنوں مجھ میں نہ محسوس تھا یعنی آئینہ بھی حیرت محبت کی ہوئے ہم</p>
<p>وہ دینچ کے شمشیر ستم رہ گیا جو میر خوں ریزی کا بھال کوئی سزاوار نہ پایا</p>	
<p>کبھی اس راہ سے نکلا تو تجھے گھور گیا نکھ اس وقت کھلی قافلہ جب دور گیا جی گیا پر نہ ہمارا سب پر شور گیا ہم نے جانا تھا کہ بس اتنی سو گیا اتنے طاقی سے دل کا بھی تھوڑ گیا جمع کے چہرہ رخصت سے تو اب نور گیا</p>	<p>کیا مرے آنے پہ تو اسے بت مفرور گیا لے گیا صبح کے نزدیک مجھے خوابے والے گور سے نالے نہیں اٹھتے تو لے آگتی ہے چشم خوں بستہ سے کل ات لو پھر ٹپکا نا تو اں ہم ہیں کہ ہیں خاک گلی کی اس کے لے کہیں اُنھ پر نقاب پہنے کہی غیرت صبح</p>
<p>نالہ میر نہیں رات سے سنتے ہم لوگ کیا ترے کوچہ سے اسی شوخ وہ رنجور گیا</p>	

<p>خواہ مجھ سے لڑ گیا اب خواہ مجھ سے مل گیا اپنے ہی دل کو نہ ہو دلا شد تو کیا حاصل نسیم دل سے آنکھوں میں لہو آتا ہے شاید رات کو قیس کا کیا کیا گیا اودھر دل دیں ہوش و صبر</p>	<p>کیا کہوں ای ہمنشیں میں تجھ سے حاصل دل گیا گوچین میں غنچہ پتر مُردہ تجھ سے حاصل گیا لشکس میں بیقراری کی یہ پھوڑا چھل گیا جس طرف صحرا سے لیلیٰ کا چہلا چھل گیا</p>
<p>ریشک کی جاگہ ہے مرگ اُس کشتہ حسرت کی میر نفس کے ہمراہ جس کی گورتا تک قاتل گیا</p>	
<p>تا بہت دور انتظار کیا دشمنی ہم سے کی زمانے نے یہ تو ہم کا کارخانہ ہے ایک ناول نے اُس کی نرگاں کے صدر گج جاں کو تاب بے باہم ہم فقیروں سے بے ادالی کیا</p>	<p>دل نے اب زور بے قرار کیا کہ جفا کار تجھ سا یا رکھا یہاں وہی ہے جو اعتبار کیا طائر سدرہ تک شکار کیا تیری زلفوں کا ایک تار کیا اُن بیٹھے جو تم نے پیار کیا</p>
<p>محنت کا فرتھا جن نے پہلے میر مذہب عشق اختیار کیا</p>	
<p>شب تھا نالائغ عزیز کوئی تھا تھی تمہارے ستم کی تاباں تک شب کو اُس کا خیال تھا دل میں چاہ بیجا نہ تھی زلیخا کی</p>	<p>مرغ خوش خواں عزیز کوئی تھا صبر جو یاں عزیز کوئی تھا گھر میں مہماں عزیز کوئی تھا ماہ کنعیاں عزیز کوئی تھا</p>
<p>اب تو اُس کی گلی میں خواہی لیک میسر بیجاں عزیز کوئی تھا</p>	
<p>پھوٹا کئے پیالے لڈھتا پھرا قرا با حکمت ہو کچھ جو گردوں یکساں پھرا کرے ہر باہم ہوا کریں ہیں دن رات نیچے اوپر ان مجھتوں میں آخر جانیں ہی جاتیاں ہیں ہر چند ناتواں ہیں پر آگیا جو جی میں</p>	<p>مستی میں میری تھامیاں اک شور اور شرابا چلتا نہیں وگر نہ شام و سحر عرابا یہ نرم شانے لونڈے ہیں محل و خواہا لے عشق کو ہے صرف نے حسن کو محسوبا دیں گے ملازمین سے تیسرا نالک قلابا</p>

سوکھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دو آبا خورشید لے رہا ہے اک روز آفتابا پھیلا تھا اس طرح کا کاہیکو یاں خرابا	دل و دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں منہ دھوئے وقت اُس کے اکثر دکھالی ہے اب شہر ہر طرف سے میدان ہو گیا ہے
---	--

دل لفتلی کی اپنی ہجراں میں شرح کیا دلی
چھاتی تو میسر میری جل کر ہوئی ہوتا با

دکھ اب فراق کا ہم سے سہا نہیں جاتا ہوئی ہوا اتنی تری گلشن لاف کی حیراں نہیں گزرتی گھڑی کوئی مجھ خراب پر آہ ستم کچھ آج گلی میں تری نہیں مجھ پر	پھر اس پہ ظلم یہ ہے کچھ کہا نہیں جاتا کہ موج بج کر مطلق بہا نہیں جاتا کہ جس میں غم سے ترے جی ڈہا نہیں جاتا کہ آکے خون میں میں بھاں نہا نہیں جاتا
--	---

خراب مجھ کو کیا اضطراب دل نے میسر
کہ ٹانگ بھی اس کے اُس بن رہا نہیں جاتا

سمجھے تھے میسر ہم کہ یہ ناسور کم ہوا آئے بربگ ابر عرق ناک تم ادھر تجھ بن شراب پی کے ہوئے سب تیرے خراب کافر ہمارے دل کی نہ پوچھ اپنے عشق میں خانہ خراب کس کا کیا تیری چشم نے تلوار کس کے خون میں سر ڈوب ہو تری آئی نظر جو گور سلیمان کی ایک روز کالے سر کشاں جہاں میں کھنچا تھا یہی تو سر	پھر ان دلوں میں دیدہ خونبار تم ہوا حیران ہوں کہ آج کدھر کو کرم ہوا ساقی بغیر تیرے انھیں جام سم ہوا بیت الحرام تھا سو وہ بیت الضم ہوا تھا کون یوں جسے تو نصیب ایک دم ہوا یہ کس اجل رسیدہ کے گھر پر ستم ہوا کوچے پر اُس مزار کے تھا یہ رقم ہوا پایان کار مور کے خاک مدم ہوا
---	--

لے بقار اللہ بقا اکر آبادی کا دوا بے کے متعلق شعر جو یہ سیلاب آنکھوں کے بہتے ہیں خرابی میں پا ٹکڑے جوہر دل کے لتے ہیں دوا ہیں
قادر کا خیال تھا کہ اسی شعر سے دوا بے کا لفظ لیکر تیرے شعر کہا ہے وہ دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں سوکھا اٹم
چنانچہ اسی بنا پر انھوں نے یہ قطعہ کہا ہے میرے گزرا مسنون دوا بے کا لیا پا اوتقا تو بھی دعا و سجود دعا دینی ہو پا یا خدا تیر کی آنکھوں کو دوا کر کے
دوبنی کا یہ عالم ہو کہ تیری ہو تیر و تودا بقا کی بار بار کھجور کہ ہو کر تو چنانچہ ایک موقع پر کہا ہے گڑی ہی بھالے گا تیر پا دستی نہیں یہ دلی آہ
ایک اور موقع پر کہا ہے تیر و مزار کی شہر خزانے کے لیکر علم میں موصوفی الیٰ تعالیٰ پھول دیوان دنوں صبا پا اوتقا ہم نے جب یارت کی
کچھ نہ پایا سولے اس کے سخن پا ایک تو تو کہہ جو اک ہی ہی مستفاد از گل رعنا

<p>افسوس کی بھی چشمِ حقیقی اُن سے خلافتِ عقل قطع اہلِ جہاں ہیں سائے ترے جیتے جی تلک</p>	<p>بارِ علاقہ سے تو بحثِ پشتِ خم ہوا پوچھیں گے بھی نہ بات جہاں تو عدم ہوا</p>
<p>کیا کیا عزیزِ دوست ملے میتھ خاک میں نادان یہاں کسو کا کسو کو بھی غم ہوا</p>	
<p>دل و دماغ ہر اب کس کو زندگانی کا اگرچہ عمر کے دس دن یہ لب ہے خاموش سبک ہو آئے جو منہ دل رکھ نماز کو شیخ ہزار جان سے قربان بے پری کے ہیں پھرے ہی کھینچے ہی تلوار مجھ پہ ہرم تو</p>	<p>جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا سخن رہیگا سدا میری کم زبانی کا رہا ہے کون سا اب وقت سرگرمی کا خیال بھی کبھو گزرا نہ پریشانی کا کہ صید ہوں میں تری دشمنی جانی کا</p>
<p>کو دکر کے وہیں مجسّم میں بیٹھ گیا کے تو میتھ بھی اک بلبلا تھا پانی کا</p>	
<p>موا میں سجدہ میں پر نقش میرا پار رہا جنوں میں ابھی مجھے اپنے دل کا غم ہو چیت بشر ہو وہ پہ کھلا جیسے اُس کا دامِ زلف کبھو نہ آنکھوں میں آیا وہ شوقِ خواب کی طرح شرابِ عیش میسر ہوئی جسے اک شب بتاں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا وہ دل کہ شام و سحر جیسے پتکا پھوڑا تھا تمام عمر گئی اُس پہ ہاتھ رکھتے ہیں ستم میں غم میں سرا انجام اُس کا کیا کئے بہا تو خون ہوا آنکھوں کی راہ بہ نکلا سو اُس کو ہم سے فراموش کاریوں کیلئے</p>	<p>اس آستان پہ مری خاک سے غبار رہا خیر لی جبکہ نہ جامے میں ایک تار رہا سر رہ اُس کی فرشتے ہی کا شکار رہا تمام عمر نہیں اُس کا انتظار رہا پھر اُس کو روزِ قیامت تلک خمار رہا وہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رہا وہ دل کہ جس سے ہمیشہ جگر فگار رہا وہ دردناک علی الرغمِ ہیبتِ رار رہا ہزاروں حسرتیں تھیں تسکینِ جی کو مار رہا رہا جو سینہ سوزاں میں داغدار رہا کہ اُس سے قطرہ خوں بھی نہ یادگار رہا</p>
<p>گلی میں اُس کی گیا، سو گیا نہ بولا پھر میں میتھ میر کر اُس کو بہت پکار رہا</p>	
<p>لے لے گئے کا استعمال بردن نعلن اب متروک ہو۔</p>	

<p>جیتے جی کو چہ دلدار سے جایا نہ گیا کاو کاو مژدہ یار و دل زار و تزار گئے وہ تو کل دیر تلک دیکھتا ایدھر کو رہ گرم رو راہ قفا کا نہیں ہو سکتا پتنگ پاس ناموس محبت تھا کہ فرما دے پاس خاک تک کو چہ دلدار کی چھائی ہم نے آتش تیز جدائی میں یکایک اُس بن مہ نے آسانے شب یاد دلایا تھا اُسے</p>	<p>اُس کی دیوار کا سکر مرے سایا نہ گیا گنم گئے ایسے شتابی کہ چھڑایا نہ گیا ہم سے ہی حال تباہ اپنا دکھایا نہ گیا اس سے تو شمع نمط سر بھی کٹایا نہ گیا بیستوں سامنے سے اپنے اکھٹایا نہ گیا جستجو کی یہ دل گم شدہ پایا نہ گیا دل جلا یوں کہ تنک جی بھی جلایا نہ گیا پھر وہ تا صبح مرے جی سے بھلایا نہ گیا</p>
<p>زیرِ شمشیر ستمِ سیرِ تڑپنا کیسا سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا</p>	
<p>جی میں آتا ہے کہ کچھ اور بھی موزوں کیجے دل کے تئیں آتش ہجر اس سے بچایا نہ گیا دل میں رہ دل میں کہ معمارِ قضا سے ابتک کبھو عاشق کے ترے جب سے ناخن کا خراش کیا تنک حوصلہ تھی دیدہ دل اپنی آہ دل جو دیدار کا قاتل کے بہت بھوکا تھا میں تو تھا صیدِ زبوں صیدِ گہ عشق کے پیچ</p>	<p>دردِ دل ایک غزل میں تو سنایا نہ گیا گھر جلا سامنے پر ہم سے بھجایا نہ گیا ایسا مطبوعِ مرکاں کوئی بنایا نہ گیا خطِ تفتدیر کے مانند مٹایا نہ گیا ایک دم رازِ محبت کا چھپایا نہ گیا اُس ستم کشتہ سے اک زخم بھی کھایا نہ گیا آپ کو خاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا</p>
<p>شہرِ دل آہِ محب جلتی تھی پر اس کے گلے نہ آتا ہے ایسا اجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا</p>	
<p>آج رہتی نہیں خاے کی زباں کھٹے مٹا گل میں اُس کی سی جو بو آئی تو آیا نہ گیا آہ جو نکلی سرِ منہ سے تو افلاک کے پاس گل نے ہر چند کہا بلع میں رہ پر اُس بن</p>	<p>حرف کا طول بھی جو تجھ سے گھٹایا نہ گیا ہم کو بن دوش ہوا بلع سے لایا نہ گیا اُس کے آشوبِ عہد سے برآیا نہ گیا جی جو اچھا تو کسو طرح لگایا نہ گیا</p>

سر نشین رہ میخانہ ہوں میں کیا جانوں حیف کو جنگی وہ اس وقت میں پہنچا جس وقت خطر راہ محبت کہیں جوں حرف مٹے خونِ آشوب سے غوغائے قیامت کیلئے	رسم مسجد کے تئیں شیخ کہ کیا نہ گیا اُن کے حال اشاروں سے بتایا نہ گیا جس سے اُس طرف کو قاصد بھی چلایا نہ گیا خونِ خوابِ سدہ عشاقِ جگایا نہ گیا
---	--

میرِ مت غدر گریباں کے بچھے رہنے کا کر
زخمِ دل چاک جگر بھتا کہ سلایا نہ گیا

ادھر اگر شکار اقلن ہمارا گریباں سے رہا کو تہ تو پھر ہو گئے جوں شمع اُس مجلس میں جلے بلا جس چشم کو کہتے ہیں مردم ہوار و سنے سے راز دوستی ناش بہت چاہا تھا ابر ترے لیکن چمن میں ہم بھی زنجیری ہے میں کیا تھا رنجِ پردہ سخن کا	مشتبک کر گیا ہے تن ہمارا ہمارے ہاتھ میں دہن ہمارا سبھوں پر حال ہی روشن ہمارا وہ جو عین بلا مسکن ہمارا ہمارا گریہ تھا دشمن ہمارا نہ منت کش ہوا گلشن ہمارا سنا ہو گا کبھو شیون ہمارا سو ٹھہرا ہی یہی اب فن ہمارا
--	---

نہ بیکے میلکے میں میر کیونکر
گرو تنو جا ہی پیرا ہن ہمارا

افسانہ محبت مشہور ہے ہمارا بالفعل اب ارادہ تا گور ہے ہمارا بہر زخم تنو جگہ سے ناسور ہے ہمارا کچی ٹپیں ہیں نروں گھر دور ہے ہمارا احوال کچھ بھی تم کو منظور ہے ہمارا کیا کیجے کہ دل بھی مجبور ہے ہمارا	گلیوں میں اب تلک تو مذکور ہے ہمارا مقصود کو تو دیکھیں کب تک پہنچے ہیں ہم کیا آرزو تھی جس سے سب چشم ہو گئے ہیں تیں آہ عشق بازی جو طرِ عجب بچھائی تا چند پشت پا پر شرم و حیا سے آنکھیں بے طاقتی کریں تو تم بھی معاف کیو
---	--

ہیں مشت خاک لیکن کچھ ہیں میرِ مرم ہیں
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا

لہ چلایا نہ گیا، بجائے سمجھا نہ گیا۔ فی زمانہ متروک ہے۔

<p>سحر کہ عید میں دور سبوتا تھا غلط تھا آپ سے غافل گزرنا چمن کی وضع نے ہم کو کیا داغ گل و آئینہ کیا خورشید و مہ کیا کرو گے یاد باتیں تو کہو گے جہاں پُر ہے فسانے سے ہمارے مگر دیوانہ تھا گل بھی کسو کا کہیں کیا بال تیرے کھل گئے تھے</p>	<p>پراپنے جام میں تجھ بن لہو تھا نہ سمجھے ہم کہ اس قالب میں تو تھا کہ ہر غنچہ دل پر آرزو تھا جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رو تھا کہ کوئی رفتہ بسیار کو تھا داغ عشق ہم کو بھی کبھو تھا کہ پیرا ہن میں سو جاگہ رفو تھا کہ جھونکا باؤ کا کچھ مشک بو تھا</p>
<p>نہ دیکھا میرا آوارہ کو لیکن غبار اک ناتواں سا کو بکھو تھا</p>	
<p>راہ دور عشق سے رونا ہے کیا فانے میں صبح کے اک شوبہ ہے سبز ہوتی ہی نہیں یہ سبز میں یہ نشان عشق ہیں جالے نہیں</p>	<p>آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا تخم خواہش دل میں تو ہوتا ہے کیا داغ چھاتی کے عبرت ہوتا ہے کیا</p>
<p>میرت یوسف ہو یہ وقت عزیز میر اس کو برا بیگان کھوتا ہے کیا</p>	
<p>رونا تک اک تھنبا تو غم بیکراں سہا پہلو میں اک گرہ سی تر خاک ساتھ ہے آنکھوں نے رازداری محبت کی خوب کی آئے تھے اک امید پہ تیری گلی میں ہم</p>	<p>دس دن رہے جہان میں ہم سودا دہا شاید کہ مر گئے یہ بھی خاطر میں کچھ رہا انسو جو آئے آئے رہے تو کہو ہوا سو آہ اس طرح چلے لو ہو میں ہم رہا</p>
<p>کس کس طرح سے میرے کاٹا ہو عمر کو اب آخر آخر آن کے یہ ریختہ کہا</p>	
<p>بیکسانہ جی گرفتاری سے شبنون میں رہا پنچہ گل کی طرح دیوانگی میں ہاتھ کو</p>	<p>ایک دل غمخوار رکھتے تھے سو گلشن میں رہا گر نکلا میں گریباں سے تو دامن میں رہا</p>

اس شعر اس طرح بھی شہور ہے ابتدائے عشق ہو رونا ہو کیا انہر صبح اسی طرح ہو جیسا کہ نقل ہوا۔

<p>رشتہ الفت تمامی عمر گردن میں رہا سر سے لیکر پاؤں تک میں غرق آہن میں رہا اب یہ دعویٰ حشر تک شیخ و برہن میں رہا ڈر نہیں ان چوٹوں کا روز روشن میں رہا</p>	<p>شمع ساں جلتے رہے لیکن نہ توڑا یا رست ڈرے اُس شمشیر زن کے جو ہر اکینہ ساں ہم نہ کہتے تھے کہ مست دیر و حرم کی راہ چل در پہ دل ہی ہے اس چہر کے خال سیاہ</p>
<p>آہ کس انداز سے گزرا بیاباں سے کہ میسر جی ہر اک نخچر کا اُس صیدا فگن میں رہا</p>	
<p>اُس خانماں خراب نے آنکھوں میں گھر کیا ہم کو تو روزگار نے بے بال و پر کیا آخر انھیں دواؤں نے ہم کو ضرر کیا میں صحبت شراب سے آگے سفر کیا سُن لیجئے کہ ہم ہی نے سینہ سپر کیا اس نیم کشتہ نے بھی قیامت جگر کیا ذوقِ خبر ہی نے تو ہمیں بے خبر کیا سُن کر جسے خضر نے سفر سے حذر کیا دار و پلا کے شیخ کو آدم سے خر کیا کیا جائے جنوں نے ارادہ کدھر کیا اک حرف نیم گفتہ نے دل پر اثر کیا</p>	<p>غمزے نے اُس کے چوری میں دل کی ہنر کیا رنگ اڑ چلا چمن میں گلوں کا تو کیا نسیم نافع جو تھیں مزاج کو اول سو عشق میں کیا جانوں بزمِ عیش کہ ساقی کی چشم دیکھ جس دم کہ تیغِ عشق کھینچی بواہوس کہاں دل زخمی ہو کے تجھ تئیں پہنچا تو کم نہیں ہے کون آپ میں جو ملے تجھ سے مست ناز وہ دشتِ خوفناک رہا ہے مرا وطن کچھ کم نہیں ہیں شعبہ بازوؤں سے میگاں ہیں چاروں طرف خیمے کھڑے گرد باد کے لگنت تری زبان کی ہے سحر جس سے شوخ</p>
<p>بے شرم محض ہے وہ گنگا رجن نے میسر ابر کرم کے سامنے دامان تر کیا</p>	
<p>بس گیا میں جان سے اب اُس سے یہ جانا گیا شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانا گیا دیدہ تر ساتھ لے مجلس سے یہ مانا گیا ندیں گزریں کہ وہ گلزار کا جانا گیا</p>	<p>ناکسی سے پاس سے یار کا آنا گیا کچھ نہ دیکھا پھر بجز اک شعلہ پُر بیچ و تاب ایک ہی چشمک تھی فرصتِ صحبتِ احباب کی گل کھلے صد رنگ تو کیا بے پری سے ام نسیم</p>
<p>دور تجھ سے میرے ایسا لقب کھینچا کہ شوخ کل جو میں دیکھا اُسے مطلق نہ پہچانا گیا</p>	

<p>سب کہیں گے یہ کہ کیا اک نیم جاں مارا گیا ورمیں بیچارہ تو اسے مہرباں مارا گیا دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا وہ سر اپا آرزو آخر حواں مارا گیا</p>	<p>ہاتھ سے تیرے اگر میں ناواں مارا گیا یک نگہ سے بیش کچھ نقصان آیا اسکے تنیں وصل و ہجر اسے جو دو منزل ہیں عشق کی دل نے سر کھینچا دیا بر عشق میں ایو لیا ہوس</p>
<p>کب نیا ز عشق ناز حسن سے پہنچے ہو ہاتھ آخر آخر ہمیں سر بر آستان مارا گیا</p>	
<p>بکیں گے سر اور کم خسریاں ہوگا نہوں گا تو اندوہ بیار ہوگا قیامت کو کس کس سے خودار ہوگا ملے گا تو صورت سے بنیر ہوگا کبھو تو قیامت طر حدار ہوگا یہ دیوار کا سایہ دیوار ہوگا</p>	<p>حجرت کا جب زور بازار ہوگا نہ خالی رہے گی مری جاگہ گر میں یہ منصور کا خون ناحق کہ حق تھا محب شیخ جی کی ہو شکل و مثال کھنچے عہد خط میں بھی دل تیری جانب زمیں گیر ہو عجز سے تو کہ اک دن</p>
<p>بہ چوچہ اپنی مجلس میں ہی میر بھی بھال جو ہوگا تو جیسے گنگار ہوگا</p>	
<p>ہوا آتا ہے جب نہیں آتا جب آتا ہے تب نہیں آتا سو وہ مدت اب نہیں آتا گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا پر سخن تا بلب نہیں آتا</p>	<p>شک نکھوں میں کب نہیں آتا ہوش جانا نہیں ہا نہیں صبر تھا ایک مولیٰ ہجر اس دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش عشق کو جو صلہ ہو شرط ار نہ قطعہ جی میں کیا کیا ہو اپنے ہی ہم</p>
<p>دور بیٹھا عبا رہ میر اس سے عشق بن یہ ادب نہیں آتا</p>	
<p>جیتا ہوں تو تجھی میں یہ دل لگا رہے گا زخم دل و نمک میں کب تک مزا رہے گا جی جائے گا ہمارا اک دم کو یار ہے گا</p>	<p>کب تک تو امتحان میں مجھ سے جد رہے گا یہاں ہجر اور ہم میں بگڑی ہو کب کی صحت تو برسوں میں ملے ہو بھال فکر یہ ہے ہے</p>

<p>اُس شمع کم نہا کانت انتظار کھینچا ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا میں نے جو ہاتھ کھینچا ان نے کٹا کھینچا آنکھوں کو دیکھ اُس نئی آخر ہمار کھینچا گر شائے تو نے اُس کی زلفوں کا تار کھینچا پر میں نے بھی بغل میں بے اختیار کھینچا</p>	<p>نقاش دیکھ تو میں کیا نقش یار کھینچا رسم قلم و عشق مست پوچھ کچھ کہ ناحق تھا بد شراب سا قی کتنا کہ رات جو سے مستی میں شکل ساری نقاش سے کھینچی جی کھینچ رہے ہیں اودھر عالم کا ہو گا بلوا تھے شرب کئے کسائے تیغ کشیدہ کھ میں</p>
<p>پھرتا ہو میر تو جو پھاڑے ہوئے گریباں کس کس ستم زدے نے داماں یار کھینچا</p>	
<p>ہمکتا ہو نہٹ جو پھول سی دارو سے میخانہ مرے دیوان پن تک ہی رہا معمور ویرانا کہ اے بیمار میرے تجھ پہ جلد آساں ہو مر جانا</p>	<p>یہ حسرت ہے مروں اس میں لے لبر نہ پیمانہ نہ دے زنجیر کے غل میں نہ دے جرگے نزلوں کے مرا سرنزع میں زانو پہ رکھ کر یوں لگا کئے</p>
<p>نہو کیوں رنج نہ بے سورش و کیفیت و معنی گیا ہو میر دیوانہ رہا ستودا سو ستانا</p>	
<p>اب کے شرط و فاجا لایا سارے عالم میں میں دکھا لایا ایک عالم کے سر بلا لایا</p>	<p>بارگور دل جھٹکا لایا قدر رکھتی نہ تھی متاع دل دل کہ اک قطرہ خون نہیں آویش</p>
<p>۱۔ ستودا۔ یعنی مرزا رفیع المتخلص بہ ستودا، جو میر صاحب کے مشہور معاصر۔ شاہ حاتم کے شاگرد۔ اور دلی کے قائم باشندہ تھے، ایک ضخیم کلیات جس میں سب قسم کا کلام موجود ہے اور جو اب مطبع ہذا میں نہایت اہتمام سے بہ ترتیب جدید چھاپا گیا ہے، ان سے یادگار ہو۔ میر صاحب ان کو طراز بر دست شاعر مانتے ہیں چنانچہ نکات الشعراء میں ان کے متعلق یہ رائے لکھی ہو ”جو نامیست خوش خلق و خوشخوئے گرم جوش، یار یاش شگفتہ رو، مولد ادشا بہمان آباد است، نوکر پیشہ و نزل قصیدہ و غنوی و قطعہ و محسن و درباری ہمد را خوب می گوید۔ مراد شعرائے ہندی اوست۔ بسیار خوش گو است۔ ہر شعرش طرح لطیف بہتہ بہتہ۔ و چون ہندی الفاظ گل معنی بہتہ بہتہ۔ ہر مصرعہ جہتہ باش اسرار آویندہ پیش فکر العیش طبع عالی تر منند شاعر رنج نہ چنانچہ ملک الشعراء رنج نہ اور اثنائید“ مرزا ستودا دہلی کی طوائف الملوک کی زمانہ میں لکھنے چلے آئے اور یہاں کے حکمرانوں کے ہجاری شعرا میں منسلک ہے اور پھر میر کھنڈو سے نہ نکالے چنانچہ ۹۵۵ھ مطابق ۱۵۴۷ء میں ہمیں انتقال کیا اور ہمیں مدفون ہوئے۔</p>	

<p>اُس کو یہ ناتواں اٹھالایا اور بھی خاک میں ملا لایا عشق کی کون انتہا لایا</p>	<p>سب پہ جس بارے گرائی کی دل مجھے اُس گلی میں لیجا کر ابتدا ہی میں مر گئے سب یار</p>
<p>بتو جاتے ہیں بتکرے سے میر پھر ملیں گے اگر حسد الایا</p>	
<p>ہو جو زخمی کسو برہنہ زدنِ شرکاں کا دول ڈالا ہر مری آنکھوں کے اُٹے و فاس کا اُن نے سوئے میں ڈوپٹے سے جو تھکھانکا اب تو یہ رنگ ہے اس دیدہ اشک افشاں کا اُنے فردوس بھی چل کر نہ ادھر کو جھانکا قاعدہ ہے یہی مدت سے ہمارے ہاں کا رہزن دیں ہو کوئی دزد کوئی ایماں کا</p>	<p>کیا عجب بل میں اگر ترک ہو اُس سے جاں کا اُسٹھے پلوں کے گرے پڑتے ہیں لاکھوں نشو جلوہ ماہ نہ ابر تنک بھول گیا ہو لگتا ہے ٹپکنے جو پلک ماروں ہوں ساکن کو کوئی کب سے تماشے کا دماغ اُسٹھ گیا ایک تو اک مرے کو آبیٹھے ہے کارِ اسلام ہے مشکل ترے خال و خط سے</p>
<p>پیارے عشق بجز مرگ نہیں کچھ ای میر اُس مرض میں ہو عبت فکر تھیں دہان کا</p>	
<p>کھڑا مرا جگر ہے کوسنگ سخت کا ب دیکھے تو وہاں نہیں یہ درخت کا نہ کور کیا ہو جب بگر تختِ تخت کا تھا کل تلمک داغ تھیں تلج و تخت کا</p>	<p>ہر دم طرف ہو ویسے مزاجِ کزخت کا سبز ان تازہ روکی جہاں جلوہ گاہ تھی جوں برگ ہائے لالہ پریشان ہو گیا دلی میں آج بھی کچھ بھی بلی نہیں تھیں</p>
<p>حاکم یہ سے میں جو برابر ہوا ہوں میر سایہ پڑا ہے مجھ پہ کسو تیرہ بخت کا</p>	
<p>وٹل دن جو ہے یہ جملت سو بھیاں دہار ہیگا خورشید کا نکلتا کیونکر چھپا رہیگا</p>	<p>ہم عشق میں نہ جانا غم ہی سدا رہیگا برقع اُسٹھے پہ اُس کے ہو گا جہان روشن</p>
<p>لے حافظ سے آسمان بار امانت تو انت کشید : قرعہ فال بتام من دیوانہ زدند لے دلی کی طالیف الملوکی کی طون اشارہ کیا ہو۔ لے میر صاحب کا دہ شعر بھی د ہو کر مضمون کا خوب ہو جو صفحہ ۲۹ سطر ۱۰ پر درج ہے۔</p>	

اک دہم سی رہی ہو اپنی نمود تن میں
 مذکور یار ہم سے مت ہمنشین کیسے
 دل ہی کے غم میں گزری اپنی تو عمر ساری
 اُس گل بغیر جیسے ابر بہار عاشق
 دانستہ ہے تغافل غم کہنا اس سے حال
 اب جھمکی اُس کی تم نے دیکھی کبھو جو یار

آتے ہوا بتو آد پھر ہم میں کیا رہیگا
 دل جو بجا نہیں ہو پھر اس میں جا رہیگا
 بیمار عاشقی یہ کس دن بھلا رہیگا
 نالال جدار ہیگا، روتا جدار ہیگا
 تم درد دل کو گے وہ سر جھکا رہیگا
 برسوں تک اس میں پھر دل سدا رہیگا

کس کس کو میں نے کہہ کر دیا ہو پس
 وہ ایک ہو مفتن یوں ہی چما رہیگا

بھلا ہو گا کچھ اک حوال اس سے یا بُرا ہوگا
 تفحص فائدہ ناصح تدارک تجھ سے کیا ہوگا
 کسو کو شوق یار پیش اس سے اور کیا ہوگا
 دکانیں حسن کی آگے ترے تختہ ہوئی ہوں گی
 معیشت ہم فقیروں کی سی انجان ماں سے کہ
 خیال اس بیو کا ہمنشین اتنا نہیں اچھا
 قیامت کر کے اب تیر جس کو کرتی ہو خلقت
 عجب کیا ہو ہلاک عشق ہیں فرہاد و مجنوں کے
 نہ ہو کیوں غیرت گلزار وہ کوچہ خدا جائے
 بہت ہمسائے اس گلشن کے زنجیری ہا ہوں میں
 نہیں جبر عرش جاگہ راہ میں لینے کو دم اس کے

مال اپنا ترے غم میں خدا جائے کہ کیا ہوگا
 وہی پادے گا میرا درد دل جس کا لگا ہوگا
 قلم ہاتھ آگئی ہوگی تو سو سو خط لکھا ہوگا
 جو تو بازار میں ہوگا تو یوسف کب بچا ہوگا
 کوئی گالی بھی دے تو کہہ بھلا بھلا ہوگا
 گماں کتھے تھے ہم بھی یہ کہ ہم سے آشنا ہوگا
 وہ اُس کوچہ میں ایک آشوبنا شاید ہوا ہوگا
 محبت روگ ہو کوئی کہ کم اُس سے جیا ہوگا
 لہو اُس خاک پر کن کن غزیدوں کا گرا ہوگا
 کبھو تم نے بھی میرا شور نالوں کا سنا ہوگا
 قفس سے تن کے مزاج روح میرا جب رہا ہوگا

کہیں ہیں میر کو مارا گیا شب اس کے کوچے میں
 کہیں وحشت میں شاید بیٹھے بیٹھے اٹھ گیا ہوگا

یہاں نام یار کس کا درد زبیاں نہ پایا
 وضع کشیدہ اُس کی رکھتی ہو داغ سب کو
 پایا نہ یوں کہ کرے اُس کی طوط اشارت
 یہ دل کہ خون ہو مے برجانہ تھا دگر نہ

پر مطلقا کہیں ہم اُس کا نشان نہ پایا
 نیو تا کسو سے ہم وہ ابرو کہاں نہ پایا
 یوں تو جہاں میں ہم نے اُسکو کہاں نہ پایا
 وہ کو لسنی جگہ تھی اُس کو جہاں نہ پایا

لے میر سے عمر گزرتی ساری دل ہی کے غم میں گزری بیمار عاشقی یہ کس دن بھلا رہیگا۔

<p>لیکن کمر کو اُس کی ہم درمیاں نہ پایا جوش جہاں سے ہم وہ آستان نہ پایا</p>	<p>فتنے کی گرچہ باعث آفاق میں دہی تھی محررم سجدہ آخر جانا پڑا جہاں سے</p>
<p>ایسی ہو میر کی بھی مدت سے رونی صورت بھرے پہ اُس کے کس دن آنسو داں نہ پایا</p>	
<p>بھر شب نہ لطف تھا نہ وہ مجلس میں نور تھا کُنیا کیا عسز نہ خلع بدن ہائے کر گئے کیونکر تو میری آنکھ سے ہو دل تلک گیا شاید نشے میں اُس سے یہ سفاکیاں ہوئیں</p>	<p>بھر شب نہ لطف تھا نہ وہ مجلس میں نور تھا کُنیا کیا عسز نہ خلع بدن ہائے کر گئے کیونکر تو میری آنکھ سے ہو دل تلک گیا شاید نشے میں اُس سے یہ سفاکیاں ہوئیں</p>
<p>جیتے جی پاس ہو کے نہ نکلا کسو کے میر وہ دور گرد بادِ عشق دور بہت</p>	
<p>رودے نہ ہم کبھو ملک دامن پلک کسو کا اب رہ گیا ہے آنا میر کبھو کسو کا اُس کی گلی میں جا کر کس رات میں کو کا کچھ ٹوٹ سا چلا ہو پانی چمن کے جو کا تب فکر میں کر دوں گا زخموں کے زخو کا بھر موتیوں کی لڑ پرائے نہ کبھو نہ تھو کا ہر گل ہے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا سب ہم سے سیکھتے ہیں انداز گفتگو کا مت کھول سچ ظالم اُس زلف مشکبو کا</p>	<p>ہے حال جائے گریہ جان پر آرزو کا جاتی نہیں اٹھائی اپنے پہ یہ نشوونما اس آستان سے کس دن پر شور سر نہ پکا شاید کہ منہ گئی ہو قمری کی چشم گریاں اپنے تڑپنے کی تو تدبیر پہلے کر لوں دانستوں کی نظم اُس کی سنسنے میں جان دی یہ عیش گہ نہیں ہو چھاں رنگا در کچھ ہو بلبل غزل سرائی آگے ہمارے مست کر گلیاں بھری پڑی ہیں ایو یار زخمیوں سے</p>
<p>دے پہلی التفائیں ساری فریب نکلیں دینا نہ تھا دل اس کو میں میر آہ جو کا</p>	
<p>دل کے تلو ٹکڑے مرے پر سہمی نالاں کیجا آہ ثابت بھی نہ نکلا یہ گریباں کیجا کہ جہاں مارے گئے کتنے مسلمان کیجا جمع ہم نے بھی کیا ہو سرد ساماں کیجا</p>	<p>میں بھی دنیا میں ہوں اک تالہ پریشاں کیجا پند گوئیوں نے بہت سیلنے کی تدبیریں کیں تیر کو چہ ہے ستمگار وہ کاسر جاگہ سکر باندھا ہو کفن عشق میں تیر یعنی</p>

اُس کے کوچے میں ہر صد گنج شہید ال کجا ہو مجر ابراہیم بیا بان میں گریاں کجا	کیونکہ پڑتے تین ترے پانوں نسیم سحری تو بھی رونے کو بلا دل ہی ہمارا بھی بھرا
بیٹھ کر میسر جہاں حوب نہ رویا ہوئے ایسی کوچہ میں نہیں ہے تیرے جاناں کجا	
ستم شریک ترا یا رہے زمانے کا کہیں خیال نہیں کھال آئے کا سفر تو ہم کو ہو درپیش ہی جگانے کا سُرائع کیجئے پھر تو نشان پانے کا جگر میں برق کے کاٹا تجھے آشیانے کا تجھے بھی شوخ ہوئی وقت سے ہانے کا شہید ہوں میں تری تیغ کے لگانے کا	فلک کا سٹھ نہیں اس فتنہ کے اٹھانیکا ہمارے ضعف کی حالت سے دل قوی رکھو تری ہی راہ میں مارے گئے سبھی آخر لسانِ شمع جو مجلس سے ہم گئے تو گئے چمن میں دیکھ نہیں سکتے تک کہ چھتا ہے فلک تو تاسر بالیں نہ کر قتل کیا سرا ہا اُن نے ترا ہاتھ جن نے دیکھا زخم
شریف مگر رہا ہو تمام عمر اے شیخ یہ میسر اب جو گدا ہے شراب خانے کا	
شام سے تا صبح دم بالیں پہ سر کجا نہ تھا در نہ مجنوں ایک خاک افتادہ دیر نہ تھا اب وہ دل گویا کہ اکٹٹ کا تم خاد تھا دا ہو میں مڑگاں کہ سبزہ سبزہ بیگانہ تھا ای دل صد چاک کس کی زلف کا تو شانہ تھا یادِ باز بیا بیاں یا دیر میخانہ تھا یا سٹری یا حیطی یا مجنون یا دیوانہ تھا ہاتھ اُس کا جو مرے لوہوں میں گستاخانہ تھا یہ نہ سمجھا وہ کہ واقع میں بھی کچھ تھا یا نہ تھا	کل شب ہجر ال تھی لب پر نالہ بیمار نہ تھا شہرہ عالم اسی یمنِ محبت نے کیا منزل اس مہ کی رہا جو بدولتِ ہمنشیں اگ نگاہ آشنا کو بھی وفا کرتا نہیں روز و شب گزرے ہو پہنچ و تاب میں رہتے تھے یاد ایاے کہ اپنی روز و شب کی جائے پاں جس کو دیکھا ہم نے اس وحشت کدہ میں دہر کے بعد خوں ریزی کے مدت بے حنا رنگیں رہا غیر کے کہنے سے مارا اُن نے ہم کو بے گناہ
<p>لے حکیم مومن خاں ہومن دہلوی سے ہزار لطف ہیں جو ہر قسم میں جاں کیلئے : ستم شریک ہوا کون آسمان کیلئے۔</p> <p>لے مجھ آشیانے کا۔ میرے آشیانے کا۔ کی جگہ اب متروک ہو۔</p> <p>لے مرزا غالب دہلوی سے نظر لگے نہ کہیں اُس کے زور بازو کو : یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں۔</p>	

صبح ہوتے وہ بنا گوش آج یاد آیا مجھے شب فزوغ بزم کا باعث ہوا تھا حزن رات اُس کی چشم سیکوں خواب میں کبھی تھی میں رحم کچھ بیدار کیا شاید کہ اس بے رحم نے	جو گرا دامن پہ آئسو گوہر یک دانہ تھا شمع کا جلوہ عیار دیدہ پروانہ تھا صبح سوتے سے اٹھا تو سامنے پیمانہ تھا گوش اُس کا شب ادھر تھا آخر افسانہ تھا
--	---

میر بھی کیا مست طالع تھا شراب عشق کا
لب پہ عاشق کے ہمیشہ نعرہ مستانہ تھا

پیغامِ نعم جگر کا گلزار تک پہنچا اس آئینہ کے مانند رنگا جس کو کھانے جو نقش پا ہی غرت حیران کر اُس کی لبریز شکوہ تھے ہم لیکن حضور میرے بے چشمِ خم رسیدہ پانی چوانی کوئی یہ بخت سبز دیکھو بلغ زمانہ میں سے مستوریِ خوب رویِ دولوں جمع ہوویں یوسف سے لیکے تا گل پھر گل سے لیکے تا سحر	نالہ مرا چین کی دیوار تک پہنچا کام اپنا اُس کے غم میں دیدار تک پہنچا آوارہ ہو وطن سے جو یار تک پہنچا کارِ شکایت اپنا گفتار تک پہنچا وقتِ اخیر اُس کے بیمار تک پہنچا بزمِ دل گل بھی اپنی دستار تک پہنچا غوی کا کام کسکی اظہار تک پہنچا یہ حسن کس کو لیکر بازار تک پہنچا
---	---

افسوس میرے جو ہونے شہید کے
پھر کام اُن کا اُس کی تلوار تک پہنچا

اُس کا خیال چشم سے شبغِ اب بے گیا کن نمیندیں اب تو سوتی تھی چشمِ گریہ ناک آوے جو سطلے میں تو سن لو کہ راہ سے نے دل رہا بجا ہونہ صبر جو اس دہوش میرے حضور شمع نے گریہ جو سر کیا احوال اس شکارِ زبوں کا ہی جائے رحم	قسمے کہ عشق جی سے مرے تابے گیا مترگاں تو کھول شہ کو سیر سیلابے گیا واعظ کو ایک جامِ مے نابے گیا آیا جو سیر عشق سب اسبابے گیا رویامیں اُس قدر کہ مجھے آجے گیا جس ناتواں کو مفت نہ قصا بے گیا
--	--

منہ کی جھلک سے یار کے بے ہوش ہو گئے
شب ہم کو میسر نہ تو ہوتا بے گیا

ان مصطفیٰ بمعنی میثاقہ بدست۔

<p>ایک دن یوں ہی جی سے جائے گا کسو دن آپ میں بھی آئے گا کہیں ڈھونڈا بھی تو نہ پائے گا کوئی دن اور باؤ کھائے گا یعنی پردے میں غم منائے گا اپنے تمنیں خاک میں ملائے گا خوبے ہاتھ اُسے لگائے گا قلعہ کعبہ و دیر سے بھی جائے گا</p>	<p>کب تلک یہ ستم اٹھائے گا شکلِ تصویر بخود ہی کب تک سب سے مل چل کہ حادثے سے پھر نہ موئے ہم اسیری میں تو نسیم کہنے گا اُس سے قصہ مجنوں اُس کے پابوس کی توقع پر اُس کے پانوں کو جا لگی ہو حنا شرکتِ شیخ و برہمن سے میسر</p>
<p>اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدی سجد کسی دیرانے میں بنائے گا</p>	
<p>لے یار مرے سلمہ اللہ تعالا ہر دم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا مسجد میں ہی کیا شیخ، پیالا نہ نوالا جس دشت میں بھوتا ہو مری پانوں کا چھالا یہ دیر ہے زہاد نہو خسانہ خالا دھاں چادر مہتاب ہو مری کاسا جالا تلوار کے لڑنے کو مرے کیجئے حوالا رستم نے مری تیغ کا حملہ نہ سنبھالا</p>	<p>دل پہنچا ہلاکی کو نہٹ کیجئے کسالا کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا ہاشا سمور شرابوں سے کبابوں سے ہو سبیر گزرے ہو لو دھاں سر ہر خار سے اب تک گر قصدا دھڑکا ہو تو ٹنگے بیکھے کے آنا جس گھر میں ترے جلو سے ہو چاندنی کا فرش دشمن نہ کہ ورت سے مرے سامنے ہو جو قلعہ ناموس تجھے صافی طینت کی ہو در نہ</p>
<p>دیکھے ہو مجھے دیدہ پر چشم سے وہ میسر میرے ہی نصیبوں میں تھا یہ زہر کا پیالا</p>	
<p>اک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفانِ روچکا پچھتا نا یوں ہی سا ہو جو ہوتا تھا ہو چکا</p>	<p>بل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا افسوس میرے مردے پر اتنا نہ کر کہ اب</p>
<p>لے کیجو بجائے کیجو اور نہ جو بجائے ہو جو اور اسی قسم کے صیف اب متر دک ہیں زمانہ مرزا غالب ہم ہمکا استعمال میں تھے چنانچہ اُن کے یہاں ایسے الفاظ کا اس طرح استعمال ہوا ہے مثلاً وہ طلق اُسے زلف نہیں ہیں ای خدا! رکھو مجھ سے دعویٰ و دستگی کی شرم بھلائی اسکے کیجے لیجے روزِ نعلن اب بھی استعمال ہوتے ہیں :-</p>	

<p>لگتی نہیں پلاک سے پلاک انتظار میں اک چٹک پیالہ ہے ساتی بہ سار عمر ممکن نہیں کہ گل کرے ویسی شگفتگی پایا نہ دل بہایا ہوا سبیل اشک کا</p>	<p>آنکھیں اگر یہی ہیں تو بھرنے سوچا جھپکی لگی کہ دور یہ آخر ہی ہو چکا اس سرزمین میں تخمِ محبت ہیں بوچکا میں پنجبِ مژہ کے سمندر بلوچکا</p>
<p>ہر صبح حادثے سے یہ کہتا ہے آسمان دے جامِ خونِ میسر کو گرمندہ دھو چکا</p>	
<p>دیر و حرم سے گزرتے اب دل ہو گھر ہمارا پلوں سے تیری ہم کو کیا چشم داشت سہمی دنیا و دیں کی جانب میلان ہو تو گئے ہیں تیرے آئینے کی مثال ہم نہ پوچھو جوں صبح اب کہاں ہو طول سخن کی مژہ گوچے میں اُس کے جا کر بننا نہیں بھر آنا ہو تیرہ روز اپنا لڑکوں کی ددنی ہو سیلاب ہر طرے آئیں گے یادِ پیہ میں نشود نما ہو اپنی جوں گرد باد الوھی یوں دور سے کھڑے ہو کیا معتبر ہو دنا جب پاس آتے ہنا آتا ہی یاد اُس کا</p>	<p>ہے ختم اس آبلے پر سیر و سفر ہمارا اُن بھٹیوں نے بانٹا باہم جگر ہمارا کیا جانے کہ اُس بن دل ہو کہ ہمارا اس دشت میں نہیں ہی پیدا اثر ہمارا قصہ ہی کوئی دم کو ہے مختصر ہمارا خون ایک دن گر گیا اس خاک پر ہمارا اس دن ہی کو کسے تھا اکثر پد ہمارا جوں ابر روئے ہو گا جس دم گزر ہمارا بالیدہ خاکِ ہ سے ہی یہ شجر ہمارا دامن سے باندھ دامنِ ابر تر ہمارا تھنتنا نہیں ہو رزاد و دود پھر ہمارا</p>
<p>اس کارواںِ سرا میں کیا میسر بارگھوئیں یہاں کوچ لگے ہا ہو شام و سحر ہمارا</p>	
<p>غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا حسن تھا تیرا بہت عالمِ فریب دل نہ پہنچا گوشہ داماں تلک سننے ہیں لیلیٰ کے خیمہ کو سیاہ جامہ احرامِ زاہد پر نہ جا زلفیں کھولے تو تو لک آیا نظر</p>	<p>دم کے جانے کا نہایت غم رہا خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا قطرہ خوں تھا مژہ پر جم رہا اُس میں مجنوں کا دلے ماتم رہا تھا حرم میں لیک نامحرم رہا عمر بھر بچاں کام دل برہم رہا</p>

<p>اپنے حق میں اب حیواں سم رہا ایک مدت تک وہ کاغذ خم رہا</p>	<p>اُس کے لب تلخ ہم سنتے رہے میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی</p>
<p>صبح پیری شام ہونے آئی میسر تو نہ چیتا بچاں بہت دن کم رہا</p>	
<p>دیکھتے ہی آنکھوں میں گھر کر گیا عمر کو اس طور بسر کر گیا یچھاں سے وہ بیچارہ سفر کر گیا سرسری سی ایک نظر کر گیا نالہ شب سب کو خبر کر گیا اپنے جگر سے تو گزر کر گیا</p>	<p>چوری میں دل کی وہ ہنر کر گیا دیر میں میں خاک بسر ہی رہا دل نہیں ہے منزل سینہ میں اب حیف جو وہ سنجہ دل کے اوپر کس کو میرے حال سے تھی آگئی گو نہ چلاتا مژہ تیسر نگاہ</p>
<p>مجلس آفاق میں پر دانہ ماں میسر بھی شام اپنی سحر کر گیا</p>	
<p>یچھاں شرم سے عرق میں ڈب آفتاب نکلا یہ جاگنا ہمارا دیکھا تو خواب نکلا گل کا وہ روئے خداں چشم پر آب نکلا اک حشر ہے جو گھر سے وہ بے حجاب نکلا اس صید نا تو اں کا کیا جی شتاب نکلا گویا غبارِ دل کا پڑھت کتاب نکلا اُس گل میں کیا رہیگا جن کا گلاب نکلا نامے کے نامے ہی میں سب بیچ و تاب نکلا قاصد سوات اب اُس کے سنہ سے جواب نکلا</p>	<p>وہاں وہ تو گھر سے اپنے پی کر شراب نکلا آیا جو دقو میں در پیش عالم مرگ دیکھا جو اوس پڑے گلشن میں ہم تو آخر پرے ہی میں چلا جا خورشید تو بہتر کچھ دیر ہی لگی نادل کو تو تیسر لگتے ہر حرفِ غم نے میرے مجلس کے تئیں رلایا روئے عرقِ فشاں گولس پوچھ گرم مت ہو مطلق نہ اعتنا کی احوال پر ہمارے شانِ تغافل اپنے نو خط کی کیا نکھیں ہم</p>
<p>کس کی نگہ کی گردش تھی مینے روئے مسجد محراب میں سے زاہر مست و خراب نکلا</p>	
<p>اک ابر دھاں سے اٹھ کر بے اختیار رویا مرغِ چمن نے سمجھا میں تو ہزار رویا</p>	<p>دامانِ کوہ میں جو میں دھاڑ مار رویا پڑتا نہ تھا بھروسہ عہدِ وفا گل پر</p>

<p>مانند ابرہہ میں زار زار رویا دل کھول کر نہ غم میں ایک بار رویا</p>	<p>ہر گل زمیں پہاں کی رونے ہی کی جگہ تھی تھی مصلحت کہ رگ کر ہجراں میں جان دیکھے</p>
<p>دو</p>	<p>اک عجز عشق اس کا اسباب صدام تھا کل میت سے بہت میں ہو کر دُچار رویا</p>
<p>یہ کون شکوفہ سا چمن زار میں لایا جب جس نہ رہا ہم کو تو دیدار دکھایا سوار نکالا اسے اور اُس کو چھپایا کوچہ میں ترے آن کے لوہیں نہایا رحمت ہو مرے یار بہت در سے آیا بے بال و پری نے بھی نہیں خاک اُڑایا رہتا ہی مرا موجب وحشت مرا سایا یا ایسے گئے یہاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا رکھیو تو مری شرم ٹہرے اپنے میں خدا یا بہتوں کے تکیں باؤ کا رخ اُن نے بتایا</p>	<p>اُس چہرہ کی خوبی سے عجب گل کو جتایا وہ آنکھ رخسار دم باز پس آیا کچھ ماہ میں اس میں نہ تفاوت ہوا ظاہر اک عمر مجھے خاک میں ملتے ہوئے گزری سمجھا تو مجھے مر کے نزدیک پس از دیر یہ باغ رہا ہم سے دے جانے سکے ہم میں صیدِ زمیدہ ہوں بیابان جنوں کا یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ رو میں نے رکھا ہی در ترسا بچکاں پر ٹالانہیں کچھ مجھ کو نہیں آج اُڑاتے</p>
<p>ایسے بت بے مہر سے ملتا ہے کوئی بھی دل میت کو بھاری تھا جو پتھر سے لگایا</p>	<p></p>
<p>کچھ مزاج اندلوں مکر رہتا تھا رات دن ہم تھے اور بستر تھا در نہ ہر جا جہان دیگر تھا یہ ہمارا بھی ناز پرور تھا دل اُس آنکھ رو کا پتھر تھا کب سے یہ بوجھ میت سر پر تھا جب تلک عہد دیدہ تر تھا در نہ ہر اک قدم پھیل گھر تھا رہ تسلی کہ یوں مقدر تھا</p>	<p>دل جو زیرِ غبار اکشر تھا اُسے تکیہ کیا تو تھا لیکن سر سہری تم جہان سے گزے دل کی کچھ قدر کرتے رہو تم بعد اک عمر جو ہوا معلوم بار سجدہ ادا کیا نہ تیغ کیوں نہ ابر سیہ سفید ہوا اب خرابا ہوا جہان آباد بے زری کا نگر گلہ غافل</p>

<p>وقت رحلت کے کس نے زرتھا اک ازاں جملہ اب کندرتھا ساتھ مور و ملخ سا لشکر تھا چاہیے جس مست درمیسر تھا ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا کیا کروں میں سخن سے خوگر تھا</p>	<p>اتنے منعم جہان میں گزے صاحب جاہ و شوکت اقبال تھی یہ سب کائنات زیر نگین لعل و یاقوت ہم زرو گوہر آخر کار جب جہاں سے گیا غیب طول کلام مست کر یو</p>
<p>خوش رہا جب تلک رہا جیتا میت معلوم ہے قلند تھا</p>	
<p>بوسہ بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہے ہمارا دور و در دل ہمارا نہان ہے ہمارا اس ساری بستی میں گھر ویران ہے ہمارا یوں مارنا تو پیارے آسان ہے ہمارا ان غل گرفتگان پر احسان ہے ہمارا کیا کوچہ کوچہ بھرنا عنوان ہے ہمارا کہتے ہیں صید جو ہے بیجان ہے ہمارا دیوان حشر گویا دیوان ہے ہمارا یک قطرہ خون یہ دل طوفان ہے ہمارا روح القدس اک لافانی دربان ہے ہمارا گھر کا مشیر کتنا نادان ہے ہمارا</p>	<p>تیرا رخ مخطط قرآن ہے ہمارا گر ہے یہ بقراری تو رہ چکا بغل میں ہیں اس خراب دل سے مشہور شہر خواں مشکل بہت ہے ہمسایہ کوئی ہاتھ آنا اور لیں و خضر و عیسیٰ قاتل سے ہم چھڑائے ہم وہ ہیں سن رکھو تم جانیں کہ کے یجھا ہیں صید گد کے تیری صیاد کیا نہ دھڑکے کرے ہیں باتیں کس کس ہنگامہ کی یہ زاہد ماہیت دو عالم کھاتی پھر ہے غوطے کیا خاندان کا اپنے بچے سے کہیں تقدس کرتا ہے کام وہ دل جو عقل میں نہ آئے</p>
<p>نجر زمین دل کی ہے میت ملک اپنی بر داغ سینہ فہری فرمان ہے ہمارا</p>	
<p>کون سے درد و ستم کا یہ طرفدار نہ تھا آئینہ تھا یہ دے قابل دیدار نہ تھا تیرے کوچے میں مگر سایہ دیوار نہ تھا طائر جانِ نفس تن کا گرفتار نہ تھا</p>	<p>کب مصیبت زدہ دل مائل آزاد نہ تھا آدم خاکی سے عالم کو جلا ہے ورنہ دھوپ میں جلتی ہیں غربت و طنوں کی لاشیں صد گلستان تہ اک بال تھے اس کے جینک</p>

حیف سمجھا ہی نہ وہ قاتل ناداں ورنہ
عشق کا جذب ہوا باعث سودا ورنہ
نرم تر موم سے بھی ہم کو کوئی دیتی قضا
بے گنہ مارے قابل یہ گنہگار نہ تھا
یوسف مصر زلیخا کا خریدار نہ تھا
سنگ بھاتی کا تو یہی دل ہیں درکار نہ تھا

رات حیران ہوں کچھ چپ ہی مجھے لگ گئی میر
رد پہناں تھے بہت پر لب اظہار نہ تھا

جی اپنا میں نے تیرے لئے خوار ہو دیا
بریطافتی سکون نہیں رکھتی ہوا نشیں
اٹھے ابراس حیرن میں تہ ہو گا گل اسید
آخر کو جستجو نے تری مجھ کو کھو دیا
رونے نے ہر گھڑی کے مجھے توڈو دیا
یہاں تخم یاس اشک کو میں بھر کھو دیا

پوچھا جو میں نے دردِ محبت سے میر کو
رکھ ہاتھ اُن نے دل پہ ٹکال پئے ہو دیا

خط منہ پہ آئے جاناں خولی پہ جان دیگا
سائے رئیس اعضا ہیں معرض تلف میں
پائے پر آبلہ سے میں گرم شدہ گیا ہوں
داع اور سینے میں کچھ بڑی عشق بچھیں
نالہ ہمارا ہر شب گزرتے ہے آسمان سے
مست رنم سے ہمارے پیائے حنا لگاؤ
ناچار عاشقوں کو خصیت کے پان دیگا
یہ عشق بے محابا کس کو امان دیگا
ہر خار باد یہ کامیسا نشان دیگا
دل کو جگر کو کس کو اب درمیان دیگا
فسر یاد پر ہماری کس دن توکان دیگا
یا بوس پر تھکے سر تن جو ان دیگا

گھر چشم کا ڈبو مست دل کے گئے پہ رو رو
کیا میر ہاتھ سے تو یہ بھی مکان دیگا

ہوتا ہے یہاں جہاں میں ہر روز و شب تماش
ہر چند شور و محشر اب بھی ہو در پہ لیکن
بھڑکی ہے آتش غم منظور ہو جو تجھ کو
دیکھا جو خوب تو ہے دنیا عجب تماش
نکلے گا یا رکھ سکے ہو دیگا جب تماش
جلنے کا عاشقوں کے آدیکھ اب تماش

طالع جو میر خواری محبوب کو خوش آئی
پر غم یہ ہے مخالف دیکھیں گے سب تماش

سے میر صاحب کا ایک شعر ارد بھی ایسے ہی انداز کا ہے۔

ممكن نہیں کہ گل کرے دلی شگفتگی ؛ اس سرزین میں تخم محبت میں بوجھا

<p>آج دیکھا تو باغ بن دیکھا عاشقوں کا جلا وطن دیکھا مدتوں تک جگر نے چمن دیکھا داع دل دیکھے بس چمن دیکھا اس نیکیلے کا بانگ چمن دیکھا</p>	<p>کل چمن میں گل و سمن دیکھا کیا ہو گلشن میں جو نفس نہیں ذوق پیکان تیر میں تیرے گھر کے گھر جلتے تھے پڑے تیرے ایک چشمک دو صد سنان مژہ</p>
<p>حسرت اُس کی جگہ تھی خوابیدہ میتیر کا کھول کر کفن دیکھا</p>	
<p>طیش کے پھیاں تیں دل نے کہ دردِ شانہ ہوا ہمارے وقت میں تو آفتِ زمانہ ہوا سرشک یاس کے پردے میں دلِ روانہ ہوا ہزار حیف سرِ حرف اس سے دانہ ہوا</p>	<p>جدا جو پہلو سے وہ دبیر بیگانہ ہوا جہاں کو فتنہ سے خالی کبھو نہیں پایا خلش نہیں کسو خواہش کی رات شاید ہم اپنے دل کی چلے دل ہی میں لئے پھیلائے</p>
<p>کھلا نشتے میں جو پگڑی کا بیج اُس کی میتیر سمندِ ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا</p>	
<p>رُو آشیان طائرِ رنگ پریدہ تھا بیچارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا جو خار خشک تھا سو وہ طوفانِ سیدہ تھا مرگ اُس شکار گہ کا شکارِ سیدہ تھا ہر نالہ میری جان کو تیغ کشیدہ تھا بھال پھل ہر اک درخت کا حلق بڑھیا تھا</p>	<p>کیا دن تھے وہ کہ پھیاں بھی دلِ امید تھا قاصد جو وصال آیا تو شرمندہ میں ہوا اک وقت ہم کو تھا سرگرمیہ کہ شہت میں جس صید گاہِ عشق میں یاروں کا جی گیا مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی حاصل نہ پوچھ گلشنِ مشہد کا پہلوں</p>
<p>دل بقیار گریہ خوں تھارات میتیر آیا نظر تو بسِیل درخونِ طسیدہ تھا</p>	
<p>میرا دلخواہ جو کچھ تھا وہ کبھو پھیاں نہ ہوا حیف یہ ہو کہ تنک تو بھی پشیاں نہ ہوا کوئسا اشک مرا منسجِ طوفاں نہ ہوا</p>	<p>کثرتِ داع سے دل رشکِ گلستانِ ہوا ہی تو ایسے کئی صدے کئے تجھ پر لسیکن آہ میں کب کی کہ سرمایہٴ دوزخ نہ ہوئی</p>
<p>لے مرگ۔ اب نصحاء اس کی تانیت کو مرج سمجھتے ہیں۔</p>	

<p>جاہ و ثروت کا میسر سرسا ماں نہ ہوا کسی عنوان میں ہم چشم عزیزاں نہ ہوا شکر کر یہ کہ مراد جاں دل سوزاں نہ ہوا مر گیا پر یہ کہن گیسر مسلمان نہ ہوا</p>	<p>گو توجہ سے زمانے کی ہاں میں مجھ کو شکر صد شکر کہ میں ذلت و خواری کے سبب برق مت خوشی کی اور اپنی بیاں کر صحبت دل بے رحم گیا شیخ لئے زیر زمین</p>
<p>کون سی رات زمانے میں گئی جس میں میر سینہ چاک سے میں دست و گریباں نہ ہوا</p>	
<p>گو کہ مرے ہی خون کی دست گرفتہ ہو حنا تا بچا یہ اضطراب دل نہ ہوا ستم ہوا سیر چین کی روز و شب تجھ کو مبارکے صبا وی بھی ہے دو آتشہ زور ہی سرد ہی ہوا بچہ جنوں ہو گیا موسم گل میں کیا ہلا جاوے اگر تو یار تک کہیو ہماری بھی دعا ہو دے نہ ہوے ای نسیم رات کسی دل جلا</p>	<p>تیرے قدم سے جا لگے جس پہ مرا ہوسر رگا سنگ مجھے بجاں قبول اس کے عوض ہزار بار کس کی ہوا کہاں کا گل ہم تو نفس میں ہل سیر کن نے بدی ہے اتنی دیر موسم گل میں ساقیا فصل خزاں ملک تو میں اتنا نہ تھا خراب گرد جان بلب رسیدہ سے اتنا ہی کہنے پاؤں ہم ہوئے کتاب سوختہ آتی ہی کچھ دماغ میں</p>
<p>میں تو کہا تھا تیرے تمیں آؤ سمجھ نہ ظلم کر آخر کار بیو فاجی ہی گیا نہ میت کا</p>	
<p>دوش ہوا پہ رنگ گل یا سمن گیا بھجھا تھا اس کے پاس سوئے وطن گیا تیروں کے مارے میرا کلیجہ تو چھن گیا دامن کے اپنے تار جو خاؤں پہ تن گیا جس سے تیر زمین بھی میں بے گفن گیا ہم سے تو آشیاں بھی گیا اور چمن گیا</p>	<p>قابو خزاں سو ضعف کا گلشن میں بن گیا برگشتہ بخت دیکھ کہ قاصد سفر سے میں خاطر نشان ای صید فغن ہوگی کب تری یادش بخیر درشت میں مانند عنکبوت مارا تھا کس لباس میں عریانی نے مجھے آئی اگر بہار تو اب ہم کو کیا صبا</p>
<p>سرسبز ملک ہند میں ایسا ہوا کہ میر یہ ریختہ لکھا ہوا تیسرا دکن گیا</p>	
<p>شک فقط کا جھمکا آنکھوں سے لگتا تھا مکڑا کوئی حب گز کا پلکوں میں رہ گیا تھا</p>	<p>لخت جگر تو اپنے اک لخت روچکا تھا دامن میں آج دیکھا پھر لخت میں نے آیا</p>

<p>در نہ گلا یہ میرا جوں طوق میں پھنسا تھا کل زخمِ دل نہایت دل کو مرے لگا تھا میں بھی کسوز مانے اس کام میں بلا تھا پر تو نے یوں نہ جانا اسی بے وفا کہ کیا تھا میں سوزِ دل کو اپنے مجلس میں کیں کہا تھا سینے پہ فحش کو اس کا مذکور نقش پاتا تھا اس دن کے واسطے میں کیا خاک میں ملا تھا مذکور اُس کا اُس کے کوچے میں جا بجا تھا بیدرد کہتے بولے ہاں اُس کو کیا ہوا تھا احوال تھا کسی کا کچھ میں بھی سُن لیا تھا</p>	<p>اس قیدِ حبیبے میں چھوٹا جتوں کی دولت مشتِ نمک کی خاطر اس واسطے ہوں حیراں اگر وہ بادِ مت سے ہر آن عرضِ وحشت بن کچھ کے سنا ہے عالم سے میں نے کیا کیا روتی ہے شمع اتنا ہر شب کہ کچھ نہ پوچھو سرمہ کر ہوا تھا میں خاک اس گلی میں سو بخت تیرہ سے ہوں پامالی صبا میں یہ سرگزشت میری افسانہ جو ہوئی ہے سُن کر کسی سے وہ بھی کہنے لگا تھا کچھ کچھ کہنے لگا کہ جانے میری بلا عزیزاں</p>
---	---

آنکھیں مری کھلیں جب جی میں کرا گیا تب
دیکھے سے اُس کو در نہ میرا بھی جی جلا تھا

<p>کہ سنگِ محنت سے پائے خیمِ دستِ سبھو ٹوٹا ہوایوں اتفاق آئینہ میرے رو برد ٹوٹا گریباں سے مرے ہر اک تراٹا نکا رفو ٹوٹا ادھر آنکھیں بندیں اُس کی کہ ایڈر آب جو ٹوٹا بلا آوے گی تیرے سر جو اُس کا ایک مو ٹوٹا</p>	<p>سہرِ دورِ فلک بھی دیکھوں اپنے رو برد ٹوٹا کہاں آئے میسر تجھ سے مجھ کو خود نما اتنے کہتے چالاک میں تیری جو تھا سرشتہ جانوں کا طاوت تھی جن میں سر و گویا اشکِ قمری سے خطر کر تو نہ لگ چل اوی صبا اُس زلف سے اتنا</p>
---	---

وہ بکیں کیا کرے کر تو رہی دل ہی کی دل ہی میں
نہیٹ بیجا ترا دل میرے سے راہِ آرزو ٹوٹا

<p>عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا میری طرف بھی دیدہ خونبار دیکھنا لاگتا ہی میرے یانوں میں آخار دیکھنا</p>	<p>آنکھوں میں جی مراہی ادھر یاد دیکھنا کیسا چین کہ ہم سے اسیر دل کو منع ہو آنکھیں چرائیو نہ ٹک اب رہا رہا سے اگر ہوسفر نہ آئے کو پہنچے چشمِ تر</p>
---	--

۱۔ میر غزنائی تذکرہ تیر میں اس طرح ہے: ۶۔ بحسن اتفاق آئینہ تیرے رو برد ٹوٹا۔ لکھنؤ کلکتہ میں اسی طرح ہے اور نسخہ کشوری طبع اقل
میں بجا میرے تیرے ۱۲۔ ۱۳۔ لاگتا یعنی لگنا اب متروک ہے۔ ۱۲۔ آئی

ہونا نہ چار چشمِ دل اس ظلمِ پیشیت
 صیادِ دل ہو داغِ جدائی سے رنگِ بیاغ
 گرزِ مزید ہی ہو کوئی دین تو ہم صغیر
 بلبلِ ہمارے گل پہ نہ گسٹلِ کبرِ نظر
 شاید ہماری خاک سے کچھ ہو بھی اسی
 غریبِ دل کے کو چہ دِلداد دیکھنا

اُس خوش نگہ کے عشق سے پر ہیز ہو تمیز
 جانا ہو لیکے جی ہی یہ آزار دیکھنا

غلط ہے عشق میں ای بملہوس اندیشہِ راحت کا
 زمین اک صفحہِ تصویرِ بیہوشیاں سے مانا ہے
 جہاں جلوے سے اس تجوئے کے یکسر لبالب ہے
 ہنوز آوارہ لیلیٰ ہے جانِ رنستہِ محبوں کی
 حرلیت بے جگر ہو صبر و بردہ کل کی صحبت میں
 نگاہِ یاس بھی اس صیدِ افق پر غنیمت ہو
 خرابیِ دل کی اُس حد ہو کہ یہ سمجھا نہیں جاتا
 نگاہِ مست نے اُس کی لٹائیں خالقہ ساری

قدمِ ٹک دیکھ کر رکھ میسر سرِ دل سے نکالے گا
 پلک سے شمعِ ترکِ نٹا ہے صحرائے محبت کا

جو اس شور سے تمیز روتا رہیگا
 میں وہ رونیوالا جہاں سے چلا ہوں
 مجھے کام روئے سے اکثر ہوِ ناصح
 بس اس گریہ آنکھیں تر کیا نہیں ہیں
 مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہو
 تو یوں گالیاں غم کو شوق سے دے

تو ہمسایہ کا ہے کو سوتا رہیگا
 جسے ابر ہر سال روتا رہیگا
 تو کب تک مگر منہ کو دھوتا رہیگا
 کہاں تک جہاں گوڈ بوٹا رہیگا
 جس کے بھی جو ہوش کھوتا رہیگا
 نہیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہیگا

بس اس میسرِ مژگان سے بونچھ آنسوؤں کو
 تو کب تک یہ مولیٰ پروتا رہیگا

کلابی روتی تھی وہاں جام مہنس مہنس کر جھلکتا تھا کلیجہ رنگ صحر کا بھی دس دس گز جھلکتا تھا	نئے طرزوں سے میخانے میں رنگے جھلکتا تھا ترے اس خاک اڑانے کی دھمکتے ای مری وحشت
اُنسی تسبیح اُس کی نزع میں کب مہنس کے دل سے اُسی کے نام کی سمن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا	
کیا گلہ کیجے غرض اب وہ زمانا ہی گیا خاک میں جب وہ ملا سوتی کا دانا ہی گیا عاقبت سر کو قدم کر یہ دوانا ہی گیا عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا	بچھ سے ہر آن مرے پاس کا آنا ہی گیا چشم بن اشک ہوئی یا نہوئی یکساں ہو بر مجنوں میں خود مند کوئی جانہ سکا ہم اسیر دل کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
جی گیا مہسر کا اس لیت و لعل میں لیکن نہ گیا ظلم ہی تیرا نہ ہسنا ہی گیا	
اب جس جگہ کہ دل ہے یہاں آگے درد تھا کس کا نغمہ تھا کہ یہ دُنبالہ گرد تھا وہاں ہیں جہیں پر آئی کہ یہاں دنگ نہ رہا دل بھی مرا جسریہ عالم میں نہ رہا یہ گرد باد کوئی بیاباں نور نہ تھا پیر مضاں بھی طسرنہ کوئی پیر مرد تھا	دل عشق کا ہمیشہ حریت نسرد تھا اک گرد راہ تھا پہلے محل تمام راہ دل کی شاکستگی نے ڈرائے رکھا ہیں مانندِ حرفِ صفحہ ہستی سے اٹھ گیا تھا پشتہ رنگ باد یہ اک وقت کارواں گزری مدام اُس کی جو اناں ہست میں
عاشق ہیں ہم تو مہسر کے بھی مضبوط عشق کے دل جل گیا تھا اور نفس لبّ سرد تھا	
یہ ویراں آشیانے دیکھنے کو ایک میں چھوٹا بقل سے گر پڑا مینا و ساغر جو پر بھوٹا ہوا میں موت سے تیار ہوا شمع تو چھوٹا	گئے قیدی ہو ہم آواز جب صیاد اٹوٹا مرا رنگ اڑ گیا جس وقت سنگ محبت آگے مرا وعدہ ہی آپہنچا ترے آنے کے بعد کب
کفِ جانان سے کیا اسکاں رہائی مہسر کوئی ہو اچھنچا ہی جو اُس کے ہاتھ سے رنگِ جنا چھوٹا	
دیکھا تو اور رنگ ہو سارے جہان کا گر آدے شمع پہن کے جامہ قرآن کا	برقع اٹھا تھا رخ سے مرے بدگمان کا مست مانیو کہ ہو گا یہ بے درد اہل دیں

لے ذوقِ دلہی سے جھوٹ ہی جانوں کلام اُس دشمنِ ایمان کا پڑ ہیں نہ کر جا رہی وہ آئے اگر قرآن کا

<p>ہے اس میں اُس میں فرق زمین آسمان کا اس سوئے میں صریح ہو نقصان جان کا دشمن ہیں میری جان کے یہ جی تو تان کا مت پوچھ کچھ سلوک مرے بد زبان کا گلگشت سرسری نہیں اس گلستان کا مرغ چمن نشاں ہے کسو خوش زبان کا</p>	<p>خوبی کو اُس کے چہرہ کی کیا پہنچے آفتاب ابلہ ہے وہ جو ہوئے خسردار گلرخاں کچھ اور گالتے ہیں جو رقیب اُس کے روبرو نشکین اُس کی تب ہوئی جب چپ بچے لگی یہاں ببل اور گل پہ تو عبرت آنکھ کھول قطع گل یادگار چہرہ خوبیاں ہے بے خبر</p>
<p>تو برسوں میں کے ہوں گا میں مہر یہاں کچھ کا کچھ ہے حال ابھی اُس جوان کا</p>	<p>مغاں مجھ مست بن پھر خندہ سا غم نہ ہوئے گا کیا ہے غم مرا یا مال یہ سرخی نہ چھوئے گی</p>
<p>مے گلگوں کا شیشہ اچکیاں لیلے کے روئے گا اگر قاتل تو اپنے پاؤں تلوار پانی سے دھوئے گا</p>	<p>کوئی رہتا ہے جی بے جی ترے کوچے کے آنے سے تبھی آسودہ ہوگا مہر جب جی کو کھوئے گا</p>
<p>صنم خانہ ہی یہاں اس شیخ تو نے کیوں نہ بنوایا جلایا بات کہتے دھاں ہیں مرے کونسلر یا</p>	<p>مجھے زہنار خوش آتا نہیں کعبہ کا ہمسایا زہے اے عشق کی نیرنگ ساری غیر کو اُن سے</p>
<p>بھری ہو گئی نیرے درد دل میں میرا ایسی تو کہ کہتے روبرو اُس شوخ کے قاصد کا منہ آیا</p>	<p>نقش بیٹھے ہو کہاں خواہش آزادی کا داد دے در نہ ابھی جان پھیلوں میں</p>
<p>ننگ ہو نام رہائی تری صیادی کا دل جلانا نہیں دیکھا کسی فریادی کا مر گیا قیس جو تھا خانہ خدا دادی کا رو بہ ویرانی ہو اس کعبہ کی آبادی کا</p>	<p>شہر کی سی رہی رونق اُسی کے جیتے جی شیخ کیا صورتیں رہتی تھیں بھلا جب تھا در</p>
<p>ریختہ رہے کو پہنچایا ہوا اس کا ہے معتقد کون نہیں تیر کی استاد کی کا</p>	<p>کام پل میں مرا تمام کیا سرو و شمشاد خاک میں مل گئے</p>
<p>غرض اُس شوخ نے بھی کام کیا تو نے گلشن میں کیوں خرام کیا آستان پر ترے ہمت کام کیا</p>	<p>سعی طوف حرم نہ کی ہرگز قطع قلم</p>

<p>یہیں سے کعبہ کو سلام کیا خادم و بندہ و عن سلام کیا آپ کو سب میں نیک نام کیا دروغے قطعہ پیام کیا کام عشاق کا تمام کیا ٹوپی والوں نے قتل عام کیا</p>	<p>تیرے کوچے کے رہنے والوں نے اُس کے اختیار پن نے میرے تئیں حال بد میں مرے بتنگ اگر ہو گیا دل مرا تب جب دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے کوئی عاشق نظر نہیں آتا</p>
<p>عشق خواہاں کو میر میں اپنا قبلہ و کعبہ و امام کیا</p>	
<p>ہوں روانہ ترے سگ کو کا فلر ہے اپنے ہر بن مو کا کشتہ ہوں سبز لب جو کا بے وظیفہ ہی دعا گو کا ریش قاضی پر رات میں تنہو کا کھل گیا پچ زلف خوشبو کا کارخانہ ہو دھاں تو جادو کا نہ چھپا عشق طفل بد خو کا</p>	<p>رات پیسا تھا میرے لڑھو کا شعلہ آہ جوں توں اب مجھ کو ہر مرے یار کے مسوں کا رشک بوسہ دینا مجھے نہ کر موقوف شور قفل کی ہوتی تھی مانع عطر آگیاں ہے باد صبح مگر ایک دو ہوں تو سحر چشم کہوں میر ہر چند میں نے چاہا ایک قطعہ</p>
<p>نام اُس کا لیا ادھر ادھر اڑ گیا رنگ ہی مرے رو کا</p>	
<p>نہ کر گیا مصطفیٰ عزت گردیگاں کا ملک دیکھ منہ کدھر ہو قامت چیدل کا دیکھا ہوا ہو تیری محنت کشیدگاں کا</p>	<p>آیا تھا خالفتہ میں وہ نور دیدگاں کا آخر کو خاک ہونا در پیش ہو سچوں کو جو خار دشت میں ہو سو چشم آبلہ سے</p>
<p>۱۔ پیام سے مراد شرف الدین علی بن ابی طالب اکبر آبادی ہیں جس قطعہ کو تیر صاحب نے پیش کیا ہو وہ قطعہ انھیں کا ہو یہ عہد محمد شاہ بادشاہینند تھے فارسی کے شعر خوب کہتے تھے۔ اردو کے بعض شعریہ کہتے ہیں کہ ریختہ کے بھی استاد ہوں گے۔ میر نے لکھا کہ میں نے ان کو کئی بار دیکھا۔ انکا ریختہ کا دیوان بھی تھا۔ انکی عبارت یہ ہو "شاعر قرار داد شاعران نازی عہد خود بود و صاحب دیوان ریختہ نیز از خاک پاک اکبر آباد است۔ بند اکثر ملاقات کردم چنانکہ باخیم الدین علی سلام کہ نطف الصدوق است تغییر اخلاص دلایت ہمیشہ اتفاق بہ ہم شستن و فکر شعر کردن و گپ دہن می افتد۔ ۱۱۔ آتشی</p>	

اب زیر خاک ہنا مشکل ہو کشاں کو	آرام کھو چلا تو ان آرمیدگاں کا
تیر بلا کا ہر دم اب میرے نشان	پتھر جگر ہے اُس کے آفت سیدگاں کا
صحرا میں سیل اشک مرا جا بجا پھرا	مجنوں بھی اُس کی موج میں مدت بہا پھرا
طالع جو غوب سے نہ ہوا جاہ کچھ نصیب	سر پر مرے کروڑ برس تک ہما پھرا
آنکھیں برنگ نقش قدم ہو گئیں سفید	نامے کے انتظار میں قاصد بھلا پھرا
ٹاک بھی نہ مڑے میری طرف تو نے کی نگاہ	اک عمر تیرے پیچھے میں ظالم لگا پھرا
دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکے گا میر	ایدھر تو اُس سے بت پھرے اودھر خدا پھرا
کس شام سے اٹھا تھامے دل میں دریا	سو ہو چلا ہوں پیشتر از صبح سر دسا
بیٹھا ہوں جوں غبار ضعیف اب گریہ میں	پھر تار رہا ہوں گلیوں میں آوارہ گرد سا
قصہ طریق عشق کیا سب نے بعد قیس	لیکن ہوا نہ ایک بھی اُس رہ نور دسا
حاضر یران بیزنگی کس گھڑی نہیں	معتشوق کچھ ہمارا ہے عاشق نبرد سا
کیا میرے ہی جوتیرے در پہ تھا طرا	نمناک چشم و خشک لب و رنگ زرد سا
ترے عشق میں آگے سودا ہوا تھا	پر اتنا بھی ظالم نہ رسوا ہوا تھا
خزاں التفات اس پہ کرتی بجائتی	یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا
کماں تھا تو اس طر آئے سے میرے	گلی میں تری کل تماشا ہوا تھا
گریباں سے تب ہاتھ اٹھایا تھا میں نے	مری اور دامان صحرایا ہوا تھا
زسے طالع اے میرے ان نے یہ پوچھا	کماں تھا تو اب تک مجھے کیا ہوا تھا
آہ کی میں دل حیران و خفا کو سونپا	میں نے یہ غنچہ تصویر صبا کو سونپا
تیرے کوچے میں مری خاک بھی پال ہوئی	تھا وہ بید رو مجھے جن نے وفا کو سونپا
ابو جانا ہی ہو کعبہ کو تو بتخانے سے	جلد پھر پہنچو اے میرے خدا کو سونپا

<p>گلہ نہیں ہو ہمیں اپنی جاں گدازی کا سند ناز نے اُس کے جہاں کیا با بال ستم ہیں قہر ہیں لونڈے شراب خانے کے اُلٹ پلٹ مری او سحر کی کیا ہے کم بتاؤ ہم سے کوئی آن تم سے کیا بگڑی خدا کو کام تو سونپے ہیں میں سب لیکن چلو ہو راہ موافق کے مخالف کے کسو کی بات نے آگے مرے پیا رنگ</p>	<p>جگر پہ زخم ہے اُس کی زباں درازی کا دہی ہے اب بھی اُسے شوق ترک تازی کا اُتار لیتے ہیں عمامہ ہنس تازی کا اگر خیال تمہیں ہوئے نیزہ بازی کا نہیں ہے تم کو سلیقہ زمانہ سازی کا رہے ہو غوف مجھے دھال کی بے نیازی کا طریق چھوڑ دیا تم نے دل فوازی کا دلوں میں نقش ہو میری سخن طرازی کا</p>
--	--

بسانِ خاک ہو پامال راہِ خلقِ امیر
رکھے ہو دل میں اگر قصدِ سرفرازی کا

<p>ان چشمِ سیاہوں نے بہتوں کو سلا رکھا گل پھول کو ہو اُن نے پردہ سانا رکھا گرمی نے ہمیں دل کی آغوش کو ہلا رکھا دل جس کسو کا پایا چٹ اُن نے اڑا رکھا میں دیدہ و دانستہ کس راہ میں پار رکھا رخساروں کو گو تو نے برقع سے چھپا رکھا جھکے سے دکھا دے کر عالم کو نگا رکھا سو چھاتی کے زخموں نے کی دیرِ زار رکھا میں طاق بلند ادھر جینے کو اچھا رکھا</p>	<p>کیا کہنے کہ خواں نے اب ہم میں ہو کیا رکھا جلوہ ہو اُسی کا سب گلشن میں زمانے کے جوں برگِ خزاں دیدہ سب زرد ہوئے ہم تو کہنے جو تمیز اُس کو کچھ اچھے بُرے کی ہو تھی مسلکِ الفت کی مشہور خطر ناکی خورشید و قمر پیارے رہتے ہیں چھپے کوئی چشمک ہو نہیں تازے شیوہ یہ اُسی کے ہیں لگنے کے لئے دل کے چہر کا تھا ناک میں نے کشتے کو اس ابرو کے کیا میل ہو ہستی کی</p>
---	---

قطعی ہو دلیلِ امیر اُس تیغ کی بے آبی
رحم اُن نے مرے حق میں مطلق نہ روا رکھا

<p>کام میرا بھی ترے غم میں کہوں ہو جائے گا خون کم کر اب کہ کشتوں کے تو پستے لگ گئے</p>	<p>جب یہ کہتا ہوں تو کہتا ہے کہ ہوں ہو جائیگا قتل کرتے کرتے تیرے سین جنوں ہو جائیگا</p>
--	---

لے میل یعنی عواہش اب بالاتفاق مذکور جیسا کہ آتش کے اس شعر میں ہے

اس گل سے عرض حال کی حسرت ہی رہ گئی : کاشٹے پڑے زباں میں جو میل بیاں ہوا ۱۲ اسی

<p>ورنہ آہوئے حرم، صیدِ زبوں ہو جائیگا ہوں جنابِ بادہ ساغرِ سرتوں ہو جائیگا</p>	<p>اس شکارِ اندازِ خونیں کا نہیں آیا مزاج بزمِ عشرت میں ملامت ہم گوں بختوں کے تئیں</p>
<p>کیا کہوں میں میں اس عاشقِ ستمِ محبوب کو طور پر اس کے کسودن کوئی غول ہو جائیگا</p>	<p>سینہ دشنوں سے چاک تانہ ہوا سب گئے ہوش و صبر و تاب تو اس ظلم و جور و جفا ستم بیداو ہم کو ناکام ہی جہاں میں رہے</p>
<p>دل جو عقدہ تھا سحت و انہ ہوا دل سے اک داغ ہی جدا نہ ہوا عشق میں تیرے ہم پہ کیا نہ ہوا بھاس بھو اپنا مدعا نہ ہوا</p>	<p>میں افسوس وہ کہ جو کوئی اس کے دروازے کا گدا نہ ہوا</p>
<p>دیکھنا وہ دل میں جگہ کر گیا پیر بن غنچہ کو نہ کر گیا کوئی گھڑی گتو کہ تورہ کر گیا</p>	<p>یارِ حجبِ سرج نگہ کر گیا تنگ قبائی کا سماں یار کی جانا ہی اس بزم سے آیا تو کیا</p>
<p>وصفِ خط و خال میں جواں کے میر نامہ اعمال سیہ کر گیا</p>	<p>ہ سحر نے سوزشِ دل کو مٹا دیا بھبھی نہ بادِ صبح کہ اگر اٹھا دیا پوشیدہ راہِ عشق چلا جائے تھا سو آج میں موجِ خیزدہ میں ہم کو قضا نے آہ تھی لاگ اس کی تیغ کو ہم سے عشق نے سب شورِ مادن کو لئے سر میں مر گئے آوارگانِ عشق کا پوچھا جو میں نشان بجز بدن کے جتنے تھے پانی ہو بہ گئے کیا کچھ نہ تھا ازل میں طالعِ جو تھی سیت گویا محاسبہ مجھے دینا تھا عشق کا</p>

<p>جلوے کو جس نے ماہ کے جی سے بھلا دیا دل جو دیا تھا سو تو دیا سرحدِ ادا شاید جگر بھی آتشِ غم نے جلا دیا دردِ سخن نے میرے سبھوں کو رلا دیا</p>	<p>دلت رہیگی یاد ترے چہرے کی جھلک ہم نے تو سادگی سے کیا جی کا بھی نہیں بوئے کباب سوختہ آئی دماغ میں تکلیفِ دردِ دل کی عیبتِ ہنشیں نے لی</p>
<p>اُن نے تو تیغِ کھینچی تھی پر جی چلا کے میسر ہم نے بھی ایک دم میں تماشا دکھا دیا</p>	
<p>روایتِ بائے موحده</p>	
<p>سو جاتے ہیں لیکن بختِ کنار ہر شب اُس آفتابِ رد کو یہ روزگار ہر شب رہتی ہیں باز آنکھیں چندیں ہزار ہر شب کرتا ہے ماہ میرے گھر سے گزار ہر شب رہتا ہے آسماں پر تب سے غبار ہر شب اک آہ میرے دل کی ہوتی ہے یار ہر شب روٹی ہے شمعِ تب سے بے اختیار ہر شب</p>	<p>رکھتا ہے ہم سے وعدہ ملنے کا یار ہر شب مدت ہوئی کہ اب تو ہم سے جدا رکھے ہے دیکھیں ہیں راہ کس کی یارب کہ انقروں کا دھوکے ترے کسودن میں جان دے رہو نگا دل کی کدورت اپنے اک شب بیاں ہوئی تھی کس کے لگا ہے تازہ تیر نگاہ اُس کا مجلسِ یں میں نے اپنا سوزِ جگر کہا تھا</p>
<p>ایوس وصل اُس کے کیا سادہ مردماں ہیں گزرے ہے میسر اُن کو امیدوار ہر شب</p>	
<p>ٹپکا کرے ہے آنکھوں سے خونابِ روز و شب آتے تھے آنکھوں سے چلے سیلابِ روز و شب رہتا تھا باس وہ دُورِ نایابِ روز و شب رکھتا ہے شاد بے خور و بے خوابِ روز و شب رگڑا ہے سرِ میانہ محرابِ روز و شب بیٹھے ہی رہتے تھے بہم احبابِ روز و شب</p>	<p>اب نہ نہیں کر آنکھیں تھیں پر آبِ روز و شب اک وقت رونے کا تھا ہمیں بھی خیال سا اُس کیلئے نہ پھرتے تھے ہم خاک چھاتے قدرت تو دیکھ عشق کی مجھ سے ضعیف کو سجدہ اُس آستان کا نہیں یوں ہوا نصیب اب رسمِ ربط اٹھ ہی گئی ورنہ پیش ازیں</p>
<p>دل کس کے رو و سوسے لگایا ہے میسر پاتے ہیں اُس جوان کو بیتابِ روز و شب</p>	

<p>پڑتی رہی ہے زور سے شبنم تمام شب چھاتی ہی میں رہا ہو مرادم تمام شب ردی ہو یوں تو شمع بھی کم تمام شب یاد دل کا حال رہتا ہے درہم تمام شب</p>	<p>رویائے غم سے ترے ہم تمام شب رکنے سے دل کے آج بچا ہوں تو اب جیا یہ اتصال اشک جگر سوز کا کہاں شکوہ عیث ہو میر کہ کڑھتے ہیں سارے دن</p>
	<p>گزارا کسے جہاں میں خوشی سے تمام روز کس کی کٹی زماں میں بے غم تمام شب</p>
<p>تو کون قمر یوں کے جوتا دہن میں اب اک نام کو رہی ہے غریق یمن میں اب ردی ہو بچاں تلک کہ بھرا ہو لکن میں اب آتا ہے ہر مسام سے میرے کفن میں اب</p>	<p>ہوتا نہ پائے سر د جو جوئے چمن میں اب اس پر لہو کے پیاسے ہیں تیرے لبوں کو رشک شب سوز دل کہا تھا میں مجلس میں شمع سے دل لیکیا تھا زیریں میں صبر اہوا</p>
	<p>دریا میں قطرہ قطرہ ہے اب گھر کمیں ہو میر موج زن ترے ہر اک سخن میں اب</p>
<p>ایک گردش میں تری چشم سیر کے سب خراب ای رگ گل دیکھو کھاتی ہے جو تو چہچ دتاب کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہو حباب پر ربط صہبا نکالے اڑ چلے رنگ شراب تلک تو رہ پیری چلی آتی ہے ای عید شباب فزع ہوتا تیغ سے یا آگ میں ہوتا کباب جز جواب صاف اُس سے کب کوئی لایا جواب جامے پر گردش آفے اور میخانہ خسراب ہوں میں ایچ خواں شناسانی کو مجھ سے کیا حساب مفت میں جاتی رہیگی تیری موتی کی سی اب</p>	<p>کس کی مسجد کیسے بتجانے کہاں کے شیخ و شاب تو کہاں اُس کی کمر کیدھر نکر پو اضطراب موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے تو ہو اور دنیا ہو ساقی میں ہوں مستی ہو دلام ہو ملاحظت تیرے باعث شور پر سچے سے نک کب تھی یہ بے جراتی شایان آہوئے حرم کیا ہو رنگ رفتہ کیا قاصد ہو جس کو خط دیا وائے اس جینے پر ای مستی کہ دور چرخ میں چوب حرفی بن الفت بے میں نہیں پہچانتا مت ڈھلک مزرگاں سے اب تو ای سرشک آبدار</p>
	<p>کچھ نہیں بحر جہاں کی موج پر مت بھول میر دور سے دریا نظر آتا ہے لیکن ہے سہراب</p>
<p>یہ شعر تذکرہ تہذیب میں اس طرح ہے: مت ڈھلک مزرگاں سے میرے ای سرشک آبدار؛ مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی اب</p>	

<p>دیکھ خورشید تجھ کو اور محبوب آئی کسناں سے بادِ مصر و لے بن عصا شیخ یک قدم نہ لکھے اس لئے عشق میں نے چھوڑا تھا پی ہوئے تو لہو پیا ہوں میں</p>	<p>عرق شرم میں گیا ہے ڈوب نہ لگی تا بکلبسہ یعقوب راہ چلتا نہیں یہ خربے چوب تو بھی کہنے لگا بُرا کیا خوب محتسب آنکھوں پر ہر کچھ آشوب</p>
<p>میر شاعر بھی زور کوئی تھا دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب</p>	
<h2 style="text-align: center;">رولف تا</h2>	
<p>روزانہ لہو یار سے یا شرب ہو ملاقات نئے بخت کی یاری ہو نہ کچھ جذب ہو کامل دوری میں کروں نالہ و فریاد کہاں تک جاتی ہو غشی بھی کبھو آئے ہیں بخود بھی</p>	<p>کیا فکر کروں میں کہ کسوٹھ جب ہو ملاقات وہ آجھی ملے تو ملے پھر جب ہو ملاقات اک بار تو اس شوخ سے یارب ہو ملاقات کچھ لطف اُٹھے بارے اگر اب ہو ملاقات</p>
<p>وحشت ہو بہت سمیت کو مل آئیے چل کر کیا جائے پھر یہاں سے گئے کب ہو ملاقات</p>	
<p>سب ہوئے نادم پہلے تدبیر ہو جاناں سمیت تنگ ہو جاو بیگا عرصہ خفت گان خاک پر بلغ کر دکھلائیں گے دامان دشت حشر کو قیس فریاد اور دامن عاقبت جی سے گئے</p>	<p>تیر تو نکلام سے سینے سے لیکن جاں سمیت گر ہمیں زیر زمیں سونپا دل نالائ سمیت ہم بھی دھال آئے اگر مرگان خون افشاں سمیت سب کو مارا عشق نے مجھ خانہاں میں سمیت</p>
<p>اٹھ گیا پردہ نصیحت گر کے لک پڑنے سے میر بچا ڈالا میں گریباں رات کو دماں سمیت</p>	
<p>پلکوں پہ تھے پارہ جبکہ رات اک دن تو وفا بھی کرتے وعدہ کھڑے سے اٹھائیں ان نے زلفیں تو پاس نہیں ہوا تو روئے</p>	<p>ہم آنکھوں میں بے گئے بسر رات گریزی ہے اُمید وار ہر رات جانا بھی نہ ہم گئی کد ہر رات رہ رہ گئی ہے پہر پہر رات</p>

<p>رواٹھتے تھے بیٹھ دو پہر رات عاشق کی بھی بچاں گئی گزر رات گزری ہیں ساری بے خبر رات آیا جو سخن زبان پر رات لے شام سے تادم سحر رات کھلتی نہیں آتی پھر نظر رات کاٹی ہے جدائی کی مگر رات اُس کی گئے ہوتے ہم تو مر رات پہنچا تھا بہم وہ اپنے گھر رات سوئے سے اٹھا جو چونک کر رات ہر چہند کہ تب تھی اک پہر رات</p>	<p>کیا دن تھے کہ خون تھا جگر میں وہاں تم تو بناتے ہی رہے زلف ساتی کے جو آنے کی خبر تھی کیا سوز جگر کہوں میں اہدم صحبت یہ رہی کہ شمع روئی کھلتی ہو جب آنکھ شب کو بچہ بن دن وصل کا یوں کٹا کہ تو کل تھی شرب وصل اک ادا پر جاگے تھے ہمارے بختِ خفہ کرنے لگا پشتِ چشم نازک تھی صبح جو منہ کو کھول دیتا</p>
<p>پر زلفوں میں منہ چھپا کے پوچھا اب ہو دیگی میسر کس قدر رات</p>	
<p>مایوس ہوں میں بھی کہ ہوں بیمارِ محبت مر جائے تبھی چھوٹے گرفتارِ محبت تھا دشمنِ حسانی مرا اقرارِ محبت لیکن نہ لا کوئی خریدارِ محبت زہنار جو کرتا ہو تو اظہارِ محبت ٹک میر تو کر آج تو بازارِ محبت آیا یہی ہے ساعنبرِ شرارِ محبت یہ گریہ ہی ہے آبِ رخِ کارِ محبت</p>	<p>جیتا ہی نہیں ہو جسے آزارِ محبت امکان نہیں جیتے جی ہو قید سے آزاد تقصیر نہ خواہاں کی نہ جلا د کا کچھ جرم ہر جنس کے خواہاں ملے بازارِ جہاں میں اس راز کو رکھ جی ہی میں تاجی بچے تیرا ہر نقش قدم پر ترے سر بیچے ہیں عاشق کچھ مست میں ہم دیدہ پر خون جگر سے بیکار نہ رہ عشق میں تو رونے سے ہرگز</p>
<p>مجھ سا ہی ہو محبوں ہی یہ کب مانے ہو عاقل ہر سر نہیں ادا میسر سزاوارِ محبت</p>	
<p>رونا آتا ہے مجھے ہر سحر و شام بہت بیقرار سی نے لیا مجھ کو تیرا دم بہت</p>	<p>جی میں ہر یاد رخ و زلفِ سیاہ نام بہت دستِ صیاد تلک بھی نہیں پہنچا جیتا</p>

پہنچتا

<p>ایک دو چشمک ادھر گردش ساغ کہ مدام دل خراشی و جگر چاکی و خون افشانی</p>	<p>سر چڑھی رہتی ہو گردشِ ایام بہت ہوں تو ناکام یہ رہتے ہیں مجھ کو کام بہت</p>
<p>پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ فالبا زیرِ زمین میسر ہو آرام بہت</p>	
<p>کیا کہیں اپنی اُس کی شب کی بات اب تو چپ لگ گئی ہے جیت رہے نکتہ دانانِ رستہ کی نہ کہو کس کا روئے سخن نہیں ہے ادھر ظلم ہے قیامت ہے کتے ہیں آگے تھا بتوں میں رحم</p>	<p>کئے ہوئے جو کچھ بھی ڈھب کی بات پھر کھلے گی زبان جب کی بات بات وہ ہو جو ہووے اب کی بات ہے نظر میں ہائے سب کی بات غصے میں اُس کے زیر لب کی بات ہے خدا جائے یہ کب کی بات</p>
<p>گو کہ آتشِ زباں تھے آگے میسر اب کی کئے گئی وہ تب کی بات</p>	
<p>ہر صدم کروں ہوں الحاح یا انا بت میرے حساب طاقتِ اضعف مجھے ظلم</p>	<p>تو بھی مری دُعا سے ملتی نہیں اجابت الائق نہیں ہے تیرے یہ کونسی ہو بابت</p>
<p>کیا گیا لکھا ہے میں نے وہ میسر کیا کئے گا گم ہووے نامہ بر سے یارب مری کتابت</p>	
<p>رویت تائے ہندی</p>	
<p>نہ پایا دل ہوا روزِ سیہ سے جس کا جالٹ پٹ تو کن نیندوں پڑا سوتا تھا دروازہ کو موند کشت چٹیل لگتی ہیں دل پر بلبلوں کے باغباں تو جو</p>	<p>کسو کی زلفت ڈھونڈی ہو ہو کا کل کو سب لٹ لٹ میں چو کھٹ پر تری کرتا رہا سر کو ٹپک کھٹ کھٹ چمن میں توڑتا ہوں ہر سر کلبوں کے تئیں چٹ چٹ</p>
<p>ترسے ہجرال کی بیماری میں میسر ناواں کو قرب ہوا ہے خوابِ سونا آہ اس کروٹ سے اس کروٹ</p>	
<p>ملہ مزا غالب سے سخن میں خامۂ غالب کی آتشِ افشانی پڑیقین ہو ہم کو بھی لیکن اس میں دم کیا ہے۔ ملہ خط لکھ کے ادھر بھی میں پڑا ہوں خواب میں پڑ کیا جانے لکھ یا اُسے کیا اضطراب میں اُڑن سہلے چٹیل لینی جو میں تخفیف داد اب نہ کر سکے</p>	

ردیفِ حیم

آئے ہیں میسر منہ کو بنائے جفا سے آج واشد ہوئی نہ دل کو فقیروں کے بھی لے جینے میں اختیار نہیں ورنہ ہمنشین ساتی تک ایک سو ہم گل کی طرف بھی دیکھ	شاید بگڑ گئی ہو کچھ اُس بیوفا سے آج کھلتی نہیں گروہ یہ کسو کی دعا سے آج اہم چاہتے ہیں موت تو اپنی خدا سے آج بڑکا پڑے ہو رنگ چمن میں ہوا سے آج
--	--

تھا جی میں اس سے ملے تو کیا لیا نہ کہنے میر
پر کچھ کہا گیا نہ غم دل حیا سے آج

ردیفِ حیم فارسی

کاش اٹھیں ہم بھی گنہگاروں کے پنج جی سدا ان ابروؤں ہی میں رہا چشم ہو تو آئینہ خسانہ ہے دہر ہیں غناہ کی یہ صورت بازیاں جسے لے نکلا ہو تو یہ جنسِ حسن عاشقی و بے کسی و رفسلی جو نہ شک اُس ماہ بن جھکے ہے شب اُس کے آتشناک رخساروں بغیر بیٹھنا غیروں میں کب ہے ننگ یار	ہوں جو رحمت کے سزاواروں کے پنج کی بسر ہم عمر تلو اوروں کے پنج منہ نظر آتا ہے دیواروں کے پنج شعید کیا گیا ہیں ان چاروں کے پنج پڑ گئی ہے دھوم بازاروں کے پنج جی رہا کب ایسے آزاروں کے پنج وہ چمک کا ہے کوہِ تاروں کے پنج لوٹے یوں کب تک انکاروں کے پنج پھول گل ہونے ہی میں خاروں کے پنج
--	---

یار و مت اُس کا فریب مہر کساؤ
میسر بھی تھے اُس کے ہی یاروں کے پنج

فائدہ مصر میں یوسف رہے زندان کے پنج تو نہ تھا مُردن دشوار میں عاشق کی آہ چشم بد دور کہ کچھ رنگ ہے اب گریہ پر حال گلزارِ زمانہ کا ہے جیسے کہ شفق تاہک کی چھاتوں میں جوں مست پڑی ہوئی ہیں	بھیج دے کیوں دزلیں سے کُنان کے پنج حسرتیں کتنی گرہ تھیں رفقِ اکِلان کے پنج خون جھکے ہے پڑا دیدہ گریان کے پنج رنگ کچھ اور ہی ہو جائے ہر اکِلان کے پنج اینڈتی ہیں نگہیں سایہ مُرگاں کے پنج
---	--

جی لیا بوسہ رخسارِ مخطط دے کر
دعویٰ خوش دہنی اُس سے اسی منہ پر گل
عاقبت ان نے ہمیں نہر دیا پان کے بیچ
سر تو ٹک ڈال کے دیکھ اپنے گیان کے بیچ

کان رکھ رکھ کے بہت درد دل میرے کو تم
سنئے تو ہو پہ کہیں درد نہ ہو کان کے بیچ

کر نہ تاخیر تو اک شب کی ملاقات کے بیچ
حرف زن مت ہو کسی سے تو کہ آفتِ شہر
میری طاعت کو قبول آہ کہاں تک ہو گا
میرمیں چشم پہ اُس شوخ کے زہار نہ جا
بیٹھیں ہم اُس کے سگ کو کے برابر کیونکر
تابِ طاقت کو تو رخصت ہوئے مدت گزری
زندگی کے بھروسے پہ محبت میں کروں
دن پھر جائیں گے عشاق کے اک رات کے بیچ
جاے رہتے ہیں ہزاروں کمر اک بات کے بیچ
بجھ اک ہاتھ میں ہو جامِ یگانگت کے بیچ
ہو سیا ہی مژہ میں وہ بچہ گھات کے بیچ
کرتے ہیں ایسی معیشت تو مساوات کے بیچ
پند گو یوں ہی نگراب خللِ اوقات کے بیچ
ایک دل غمزہ ہو سو بھی ہو آفات کے بیچ

بے دماغی اک دم نہ رہا بھٹاک رہا
اب تلک میرے تکیہ ہے خرابات کے بیچ

ساتھ ہواک بیکسی کے عالم ہستی کے بیچ
عرش پر ہو ہم ند پو شانِ اُلفت کا دماغ
باز خواہ خوں ہو میرا گو اسی بستی کے بیچ
اوجِ دولت کا سا ہو بھالِ فقر کی بستی کے بیچ

ہم کلیدوں کا ہنسا وہ ہو میخانے کی اور
اُس کے ہیں میتِ مسجد میں چلے مستی کے بیچ

ردیفِ حلی

ہوئے لگا لگا درِ غم یار بے طرح
اب کچھ طرح نہیں ہو کہ ہم غم نہ ہوں شاد
رہنے لگا ہے دل کو اب آزار بے طرح
جہاں رہتھا ہے ہاتھ سے ہو گا نہ اب کوئی
رکھنے لگے ہو ہاتھ میں تلوار بے طرح
فتنہ اٹھیکا در نہ نکل گھر سے تو شتاب
بیٹھ ہیں اُس کے طالبِ دیدار بے طرح

لو ہو میں شور بور ہے دامنِ حبیب میر
پھر ہے آج دیدہ خونبار بے طرح

<p>کرتا ہے چرخ مجھ سے نئے یار ایک طرح مارے گئے ہیں سب یگنہگار ایک طرح کس سے ہوا دُچار وہ عیار ایک طرح پر ہم بھی ہو گئے ہیں گرفتار ایک طرح کرتے مکاں ہی اب ہر بازار ایک طرح قطعہ آتا نہیں نظر وہ طرح دار ایک طرح ممکن نہیں وگرنہ ہو دیدار ایک طرح</p>	<p>خاطر کسے ہی جمع وہ ہر بار ایک طرح میں اور قیس و کوہ کن اب جو زباں پہ ہیں منظور اُس کو پرے میں ہیں بے حجابیاں سب طرحیں اس کی اپنی نظر میں کیا کہیں گھر اُس کے جا کے آتے ہیں پامال ہو گئے ہم گہ گل ہو گا وہ رنگ گئے باغ کی ہے بو تیرنگ حسن دوست کر آنکھیں آشنا</p>
--	---

ہر طرح تو ذلیل ہی رکھتا ہے میر کو
ہوتا ہے عاشقی میں کوئی خوار ایک طرح

روایتِ دالِ مہملہ

<p>یا بگولا جو کوئی سر کھینچے ہے صحرانورد اک نہاد وادیِ محنوں سے اٹھ جلتی ہو گرد مینہ برسا ہو کہیں شاید ہوا آتی ہو سرد مل گیا اُس پیرزن کو غیب سے اک پیر مرد</p>	<p>کیا ہو یہ جو گاہے آجاتی ہو اندھی کوئی نرد شوق میں یہ پھل لیلیٰ کے ہو کر بیقرار وجہ دم سردی نہیں میں جانتا رنے کے بعد باز رکھا باطن پیر مغاں نے شیخ کو</p>
--	--

ایک شب پہلو کیا تھا گرم اُن نے تیرے ساتھ
رات کو رہتا ہو اکثر میر کے پہلو میں درد

<p>ابھریں گے عشقِ دل سے ترے راز میرے بعد کھینچے گا کون پھر یہ ترے ناز میرے بعد ہر شب کریں گے زندگیِ ناساز میرے بعد اغلب کہ میری آنکھیں رہیں باز میرے بعد مُتَحِد دیکھو پھر کریں گے ہم آواز میرے بعد صحنِ چمن میں اسے پر پرواز میرے بعد</p>	<p>آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد جینا مرا تو تجھ کو غنیمت ہے نا سمجھ شمعِ مزار اور یہ سوزِ جگر مرا حسرت ہو اُس کے دیکھنے کی دل میں بے قیاں کرتا ہوں میں جو نالے سہرا ختامِ باغ میں بن گل موا ہی میں تو پہ تو جا کے لوٹیو</p>
--	---

بیٹھا ہوں میر مرے کو اپنے میں مستعد
پیدا نہ ہوں گے مجھ سے بھی جانبا ز میرے بعد

<p>نہ پڑھا خط کو یا پڑھا قاصد کوئی پہنچا نہ خط مرا اُس تک سہ نوشت زبوں سے زربخاک گر پڑا خط تو تجھ پہ حرف نہیں یہ تو رونا ہمیشہ ہے مجھ کو اب غرض خاموشی ہی بہتر ہے شب کتابت کے وقت گریں کنہ قصہ لکھا کروں تلکے ہے طاسبات اُس کا کوچہ تو باد پر ہے برات جس کا جواب</p>	<p>آخر کار کیا کہا قاصد میرے طالع ہیں نارسا قاصد راہ کھوٹی نہ کہ تو جا قاصد یہ بھی میرا ہی تھا لکھا قاصد پھر کبھو پھر کبھو بھلا قاصد کیا کہوں تجھ سے ماجرا قاصد جو لکھا تھا سو بہ گیا قاصد بھیجا کب تک کروں نیا قاصد جو گیا سو وہیں رہا قاصد اُس کو گزرے ہیں سالہا قاصد</p>
<p>نامہ میر کو اڑاتا ہے کاغذ باد گر گیا قاصد</p>	
<p>ہوں رہز میں تیرے ہر نقش پا پر شاہد طوفِ حرم میں بھی میں بھولانہ تجھ کو اویرت شرمندہ اثر کچھ باطن مرا نہیں ہے نالے میں اپنے پنہاں میں بھی ہوں ساتھ تیرے</p>	<p>اڑتی ہے خاک میری باد صبا ہے شاہد آتا تھا یاد تو ہی میرا خدا ہے شاہد وقتِ سحر ہے شاہد دستِ دعا ہے شاہد شاہد ہے گردِ محمل، شورِ در اسے شاہد</p>
<p>ایدا ہو میر جو کہ تو کہوں ہی گامیں باسے یہ کہہ کہ تیری خاطر میں کیا ہے شاہد</p>	
<p>اے گلِ نو دمیدہ کے مانند ہم اُمید وفا پہ تیری ہوئے خاک کو میری سیر کر کے پھرا سر اٹھاتے ہی ہو گئے پامال نہ کئے رات ہجر کی جو نہ ہو ہم گرفتارِ حال ہیں اپنے دل تڑپتا ہے اشکِ خونیں میں</p>	<p>ہے تو کس آفریدہ کے مانند غنیچہ دیر چیدہ کے مانند وہ غزالِ رنیدہ کے مانند سبزہ نو دمیدہ کے مانند نالہ تیغ کشیدہ کے مانند طائر پر بریدہ کے مانند صیغِ غزلِ طیدہ کے مانند</p>

تجھ سے یوسف کو کیونکہ نسبت میں	تب شنیدہ ہو دیدہ کے مانند
میر صاحب بھی اسکے ہاں تھے لیک	بندہ زر خسریدہ کے مانند
چمن کی صبح کوئی دم کو شام ہے صیاد مرا تو کام انھیں میں تمام ہے صیاد مجھے تو ہر رگ گل تار دام ہے صیاد چمن میں اور تو کیا مجھ کو کام ہے صیاد	قفس تو یہاں سے گئے پر دام ہے صیاد ہست ہیں ہاتھ ہی تیرے فکر قفس کی فکر چمن میں نہیں ایسا پھنسا لہو چھو ل یہی گلوں کو تنگ دیکھوں اتنی مہلت ہر
ابھی کہ وحشی ہو اس لشکش کے بچ ہو میر	خدا ہی اُس کا ہے جو تیرا رام ہے صیاد
رکھ کے تیشہ کئے ہے یا استاد جان کے ساتھ ہر دل ناشاد بس ہے دیکھا نہ عالم ایجاد زندگانی کی کچھ بھی ہے بنیاد کس خرابے میں ہم ہوئے آباد نہ سونو گے یہ نالہ وفسر یاد خاک کس دل جلے کی برباد غرض آتا ہو پھر خدا ہی یاد نالے اپنے سے اپنی ہے فریاد بانع ہے گھر ترا تو اے صیاد اپنی قید حیات کے آزاد جانا سو جائے ار سکی ہو معتاد یوں ہی تصدیق کیجئے ہو ہزار	میرے سنگ مزار پر فریاد ہم سے بن مرگ کیا جدا ہو لال موند آنکھیں سفر عدم کا کر نکدہ تعمیر میں نہ رہ سہم خاک بھی سر پہ ڈالنے کو نہیں سنتے ہو ملک سونو کہ پھر مجھ بعد لگتی ہے کچھ سموم سی تو نسیم بھولا جا ہے غم بتاں میں جی تیرے قید قفس کا کیا شکوہ ہر طرف ہیں اسیر ہم آواز ہم کو مرنایہ ہو کہ کب ہوں اکس ایسا وہ شوخ ہو کہ اٹھنی صبح نہیں صورت پر ز نقش اس

لے فریاد۔ یا کوہ کن ایک سنگ تراش کا نام جو شیریں مشق و شہد کا عاشق تھا۔ جس نے شیریں کے لئے ایک نہر دودھ لانے کی پکار
میں گھودی تھی اور جس پر دیزے فریب ڈیکر اُس کو ہلاک کر دیا۔ اس کے قصے کو شیریں خسرو نظامی وغیرہ میں بیان
کیا ہے۔ ۱۲۔ اسی عہد تہر صاحب بھی اُس کی بزم میں تھے پڑ جیسے کوئی فقیر ہوتا ہو۔

<p>خوبصورت خاک سے بزرگوں کی قلعہ چاہتا تو مرے تئیں امداد پر مروت کہاں کی ہو اسی تیر تو ہی مجھ دل جلے کو کر ارشاد</p>	<p>نامرادی ہو جس پہ پردانہ وہ جلاتا پھرے چراغ مراد</p>
<p>اے آہ پھر اثر تو ہے بر چھپی کی چوٹی پر دیکھا وہی کہ آنسوؤں میں چو پڑا جگر ای اشتیاق سیہ چمن تیری کیا خبر یہ جی بھی یوں ہی جائیگا رہتا ہو تو گدھر وے مشکفام زلفیں پریشاں ہو میں اگر روتے ہی مجھ کو گزرتے ہے کیا شام کیا سحر میں نے جو آنکھیں کھول کے دیکھیں سو کچھ شرم تر ہر سمت کو ہے نشنہ لبی کامری خط</p>	<p>اودھرتلک ہی چرخ کے مشکلی ہو ملک گزر دھڑکا تھا دل طہیدن شب سو کج صبح ہم تو اسیر کنج قفس ہو کے مر چلے ہیت عیب کر جو ڈھونڈوں میں اسکو کہ مدی آئی ہی بوجھو تو بلا اپنے سر صبا جاتی نہیں ہے دل سے تری یاد زلف رو کیا جانوں کس کے تئیں لب خندان کے خلق ای سبیل ملک سنبھل کے قدم بادے میں کھ</p>
<p>کرتا ہے کون منع کہ سچ اپنی تو نہ دیکھ لیکن کبھی تو مہیت کے کر حال پر نظر</p>	<p>غیروں سے دے اتنا سے ہم تو چھپا چھپا کر ہر گام سترہ تھی بتجانے کی محبت نخچر کہ میں تجھ سے جو نیم کشتہ چھوٹا اک لطف کی نگہ بھی ہم نے نہ جا ہی اس ناصح مرے جنوں سے آگ نہ تھا کہ ناحق اک رنگیاں ہی اسکا لہجہ کن جہاں جوں شمع صبح کا ہی اکبار کچھ گئے ہم</p>
<p>پھر دیکھنا ادھر کو آنکھیں ملا ملا کر کہے تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر حسرت نے اُس کو مارا آخر لٹا لٹا کر رکھا ہمیں تو اُن نے آنکھیں دکھا دکھا کر گوڈر کیا گریاں سار اسلا سلا کر پھبتا ہو اُس کو کرنا باتیں چبا چبا کر اُس شعلہ خوتے ہم کو مارا جلا جلا کر</p>	<p>لہ یعنی پھر اثر یعنی ہے نہ چو پڑا۔ یعنی ٹپک۔ چونا یعنی ٹپکنا۔ ہم نکالینگے سن کچھ صبا لیکر اسکی لغوئ کے اگال پٹیا بونگے (دومن)</p>

اس حرف ناشنوت صحبت بگڑی جاے	ہر چند لاتے ہیں ہم باتیں بنا بنا کر
میں منع میسر تجھ کو کرتا نہ تھا ہمیشہ کھوئی نہ جان تو نے دل کو لگا لگا کر	
نہ ہو ہرزہ در اتنا خموشی اسے جبریں ہتر نہونا ہی بھلا تھا سامنے اس چشم گریاں کے سدا ہو خار خار باغباں گل کا جہاں مانع ہر اسے امتحاں لیکن نہ سمجھے تو تو کیا کرے سپہ کردوں گا گلشن دو در دل سے باغباں میں بھی کیا داغوں سے رشک بلغاں صد آفریں الفت قدم تیرے چھوئے تھے جن نے اب ہاتھ دوسرے	نہیں اس قافلے میں اہل دل ضبط نفس ہتر نظر ای ابر تر آچھی نہ آوے گا بریں ہتر سمجھ ای عند لب اس باغ سے کنج قفس ہتر شہادت گاہ میں پیکل سب اپنے بلہوں ہتر جلا آتش میں میرے آشتیاں کے خار خوش ہتر یہ سینہ ہم کو بھی ایسا ہی تھا در کار لب ہتر مرے حق میں نہونا ہی تھا یہاں تک دوسرے ہتر
محبت پوچھے ہر مجھ سے میسر میں صبر آجاتا ہوں غرابی ہو یہ دل رکھا ہو جو تو نے تو بس ہتر	
دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آئے مجھے قرار ساقی تو ایک بار تو توبہ مری مٹرا کیا زمرہ کروں ہوں خوشی تجھ سے مصفیہ کس دھبے راہ عشق چلوں ہر پیر تجھے کوچے کی اس کے راہ نہ بتلائی بعد مرگ سے پائے خم کی گردن ساغر ہو دستگیر	اسے انتظار تجھ کو کسی کا ہوا انتظار توبہ کروں جو پھر توبہ توبہ ہزار بار آیا جو میں چین میں تو جاتی رہا ہمار پھوٹیں کہیں نہ ابلے ٹوٹیں کہیں نہ خار دل میں صبار کئے تھی مری خاک غبار میر ہوں درد سر ہو کہاں تک مرا خار
وسعت جہاں کی چھوڑ جو آرام چاہے میسر آسودگی رکھے ہو بہت گوشہ مزار	
یہ عشق بے اجل کش ہو بس دل اب توکل کر سفر ہستی کا میت کر سرسری جوں باد آہر و سن اسے بید رو گچیں غارت گلشن مبارک نہ وعدہ تیرے آئے کا نہ کچھ اُمید طالع سے یہ کیا جانوں کہ کیوں نے نگارنے سے کہا میں	اگرچہ جان جاتی ہو چلی لیکن تغافل کر یہ سب خاک آدمی تھے ہر قدم پر نکتل کر پہ ننگ گوش مروت جانب فریاد لبیل کر دل بیتاب کو کس منہ سے کہنے تک تحمل کر مگر یہ جانتا ہوں سینہ گھراتا ہو پھر چل کر

<p>نہ آیا سر مرا بالیں یہ دودھ جو گیا ڈھل گر وہ رشک ماہ آیا ہمنشیں بس اب پال کر ہلاکت کی گردن کو بھی ظالم باغ میں نعل کر</p>	<p>مرے پاس اُس کی خاک پاؤ بیماری میں کھاتھا تجلی جلوہ ہیں کچھ بام دُور غم خانہ کے میرے تری خاموشی سے قمری ہوا شو جنوں سوا</p>
<p>گداز عاشقی کا مہر کے شہر نے کر آیا تھا جو دیکھا شمع مجلس کو تو پانی ہو گئی گھل کر</p>	
<p>یک سینہ خنجر سیکڑوں اک جان و آزار اس قدر میں اُس کا خواہاں بھیاں تلک وہ مجھ سے بیزار اس قدر یکسے قدم میں آئے پھر راہ پر خسار اس قدر کر رحم تلک اپنے اُپر مت ہو دل آزار اس قدر یہ بے فضا ہے اک قفس ہم ہیں گرفتار اس قدر ہم یار ہوں یوں غمزے خوش ہوئیں غبار اس قدر</p>	<p>کر رحم تلک کبتک ستم مجھ پر جفا کار اس قدر بھاگے مری صورت سے وہ عاشق میں اُسکی شکل پر منزل پہنچنا اک طرف نے صبر ہے ہر سکوں ہے جائے ہزل میں ترے آدر گزر کر بے وفا جز کشمکش ہوئے تو کیا عالم سے ہم کو فائدہ غیر اور بغل گیری تری عید اور ہم سے بھاگنا</p>
<p>طاقت نہیں ہزبات کی کہتا تھا لغزہ مارے کیا جانتا تھا مہر ہو جاوے گا بیمار اس قدر</p>	
<p>کہ تلواریں چلیں ابرو کی چیں پر نظر سے بھی نگاہ واپس پر دماغ نالہ سپر خ ہفتین پر کہ داغ خون بہت ہزار تین پر نظر اپنی نہیں ہے مہر دیکھ پر کہ پرواز چمن قابل نہیں پر اگرچہ کچھ نہیں اسے ہمنشیں پر تو بھٹ کر جاتا ہے پانی سنہیں پر</p>	<p>قیامت تھا سماں اُس خشکیں پر نہ دیکھا آخر اُس آسینہ رو کو گئے دن عجز و نالہ کے کہ اب ہے ہوا ہے ہاتھ گلہ ستہ ہمارا خدا جانے کہ کیا خواہش ہرجی کو پر افشانی قفس ہی کی بہت ہو جلگ میں اپنے باقی روئے ترے کو کبھو جو آنکھ سے چلتے ہیں آنسو</p>
<p>قدم دشتِ محبت میں نہ رکھ مہر کہ سر جاتا ہے گام آدلیں پر</p>	
<p>۱۔ سرزا غالب دہلوی؟ ۲۔ ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار! یا الہی یہ صاحبہ کیا ہے۔</p>	

دل دلع و جگر یہ سب اک بار
 کیوں نہ ہو ضعف غالب اعضا پر
 گل پڑم وہ کا نہیں ممتون
 مت کھل کھلے ہم بھی ماضی ہیں
 سیکڑوں حرف ہیں گرہ دل میں
 سیر کر دشت عشق کا گلشن
 روز محشر ہے رات ہجراں کی
 بحث نالہ بھی کیجئے بابل
 چاک دل پر ہیں چشم صد خواب
 شکر کر دلع دل کا اے غافل
 گو غل ہو گئی قصبہ دہ سی
 ہر سحر لگ چلی تو ہو تو نسیم
 شاخصانے ہزار نکلیں گے
 واجب القتل اس قدر تو ہوں
 یہ تو آیا نہ سامنے میرے
 آ زیارت کو قصبہ عاشق پر
 نکلتے ہو میری خاک سے نرگس
 مہر صاحب زمانہ نازک ہو
 سہل سی زندگی یہ کام تئیں
 چار دن کا ہے جملہ یہ سب
 کوئی ایسا گستاہ اور نہیں
 وہاں جہاں خاک کے برابر ہے
 یہی درخواست پس دل کی ہے
 در مسجد پہ طفت نہ ہو تم

کام آئے فراق میں اسے یار
 مر گئے ہیں قشون کے سردار
 ہم اسیروں کا گوشہ دستار
 دیکھ لیں گے کبھو سب بازار
 پر کہاں پائے لب انظار
 غنچے ہو ہو رہے ہیں ہوسو خار
 ایسی ہم زندگی ہے ہیں بیزار
 پہلے پیدا تو کر لے گفستار
 کیا کروں یک انار و صد بیمار
 کس کو دیتے ہیں دیدہ بیدار
 عاشقوں کا ہو طول حرف شعار
 ہر سہیت ناز تک ہمشیار
 جو گیا اُس کی زلفت کا اک تار
 کہ مجھے دیکھ کر کہے ہے پکار
 لاؤ میری میاں سپر تلوار
 اک طرح کا ہو بچاں بھی جو تار
 یعنی اب تک ہو حسرت دیدار
 دونوں ہاتھوں سے تھامئے دستار
 اپنے اوپر نہ کیجئے دشوار
 سب سے رکھے سلوک ہی ناچار
 یہ کہ کیجئے ستم کسی پر بار
 قدر ہفت آسمان طرک شعار
 نہیں روزہ نماز کچھ درکار
 کہ رہو بیٹھ خسانہ خمار

لے یہ مصرع نکاتِ اثر اور تیر میں اس طرح لکھا ہو۔ ع۔ نکلیں نہ ہو فتح ضعف اعضا پر۔

ایک ہونا نہ در پہلے آزار	جی میں آدے سو بچو پیارے
حاصل دو جہان ہو اک حرف	ہو مری جان آگے تم مختار
<p>جلا ہی پڑا ہو ہمارا تو گھر بار نگاہیں شرر زبیر پلکیں بگر بار کہ ہو اُس تن نازک آدیر نظر بار چپک جائیں باہم سے نعلِ شکر بار سجنا تھا اس کی طفت ہم کو ہر بار کہ جبہ ہو اک بار و عمامہ سر بار نہایت کو لایا عجب پیسہ بار نگاہی سے ہو سدا وہاں تو در بار کہ دیکھ سے آیا تر ابرگر بار کتابیں رکھیں ساتھ گو ایک خبر بار</p>	<p>لبوں پر ہے ہر لحظہ آہ شر بار ہوئیں کس تہدید کے پاس یکجا کہو کوئی دیکھے اُسے سیر کو نگر حلاوت سے اپنی جو آگاہ ہو تو سبک کر دیا دل کی بیلاقتی سے گدھا سالہا پھرتا ہو شیخ ہر سو مرے نخل ماتم پہ ہو سنگ بار ہمیں بار اُس در پہ کثرت سے کیا ہو یہ آنکھیں گئیں ایسی ہو کر در افتلا کب اس عمر میں آدمی شیخ ہوگا</p>
جہاں میسر رہنے کی جاگہ نہیں ہے	چلا جائے یہاں سے اسبابِ گریہ
<p>جالتے رہیں گے ہم بھی گریبان بھاڑ کر پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اُجاڑ کر نسکین دے کہ بیٹھ رہوں پاؤں گاڑ کر اُسے ہیں آج دُور سے ہم تجھ کو مناڑ کر تنکے کو جو دکھائے ہر پل میں پہاڑ کر کچھ ڈھیر کر چکے ہیں یہ آگے اکھاڑ کر</p>	<p>مخفی سے اُٹھ چلے ہو جو دامن کو جھاڑ کر دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے یار بے طلب میں کوئی کب تلک پھر سے منظور ہو نہ پاس ہمارا تو حیف ہے غالب کہ دیوے قوتِ دل اس ضعیف کو بکلیتے کام دل کے کچھ اب اہل ریش سے</p>
اس فن کے پہلوانوں سے نشتی رہی ہو میسر	بہتوں کو ہم نے زیر کیا ہے پچھاڑ کر
جالتے ہیں جی سے کس قدر آزار دیکھ کر	مرتے ہیں تیرے زکس بیمار دیکھ کر
بھر مرنے ترے تئیں اک بار دیکھ کر	افسوس دے کہ منتظر اک عمر تک ہے

<p>قاصد تو کہیو ملک کہ حبس کار دیکھ کر کرو ملک ایک وسرہ دیدار دیکھ کر چیران رہ گئے ہیں یہ اسرار دیکھ کر آنا ہے جی بھر اوردو یو ار دیکھ کر رکھ ملک قدم زمیں پر ستم کار دیکھ کر چھینتا ہو مجھ کو دور سے اب یار دیکھ کر</p>	<p>ناخواندہ خط شوق لگے چاک کرنے تو کوئی جو دم رہا ہو سو آنکھوں میں ہو پھر آب دیکھیں جدھر وہ رشک پری پیش چشم ہو جاتا ہے آسمان لئے کوچے سے یار کے تیرے خرام ناز پہ جاتے ہیں جی چلے طالع نے چشم پوشی کی بھان تک کہ تمشیل</p>
<p>جی میں تھا اُس سے ملے تو کیا کیا نہ کہئے تیرے پر جب ملے تو رہ گئے ناسبار دیکھ کر</p>	
<p>ٹھہری ہے آرسی بھی دانتوں زمیں بیکر کر مرتے ہیں خاک رہ سے گورے رگڑ رگڑ کر پایا پھل اُس سے آخر کیا سحر نے اکر کر کھویا ہمیں نے اُس کو ہر لحظہ بانوں پر کر مشہور ہو نگیں جو بیٹھا ہو گھر میں گڑ کر آدھا نہیں رہا ہوں تجھ سے تو میں بچھ کر بنت العنک کے اپنا سب کچھ گیا گھسٹ کر بتا ہو ایک گھر بھیاں سو صورتیں بیکر کر یا قوت سے رکھے ہیں جوں موتیوں کو حُر کر آیا کھونہ بھیاں ملک غیروں سے یار لڑ کر</p>	<p>دیکھ اُس کو ہنسنے سبک دم سے گئے اکھڑ کر کیا کیا نیاز طینت اور ناز پیشہ بچھ مین قد کش چمن کے اپنی خوبی کو یوں چلے ہیں وہ سر چڑھا ہو اتنا اپنی فروتنی سے پائے نبات بھی ہو نام آوری کو لازم دوری میں دلبروں کی لکٹی ہو کینہ سبکی اب کیسا زہد و تقویٰ دار و ہوا در ہم ہیں دیکھو نہ چشم کم سے معمورہ جہاں کو اُس پشت لب کے اد پرانے عرق کے یوں ہیں تاسا زگاری اپنے طالع کی کیا کہیں ہم</p>
<p>اپنے مزاج میں بھی ہو مست نہایت پھر مرے ہی اٹھیں گے بیٹھیں گے ہم جواڑ کر</p>	
<p>پر ہو سکے جو پیارے دل میں بھی ملک جگہ کر رکھی ہیں جاننا زیں اہل و سرع نے تہ کر ہو ہو گئے ہیں ٹیلے سارے مکان ڈھ کر</p>	<p>لکتا ہو کون تجھ کو بھیاں یہ نہ کر تو وہ کر وہ تنگ پوش اکن داسن کشاں گیا تھا کیا قصہ دل کی تم سے ویرانی نقل کرے</p>
<p>لے تیر صاحب ہی کا دور شعر ہو کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا ہے یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا۔ اسا ہی تیر صاحب کا ایک اور شعر ہے کہتے تھے اُس سے ملے تو کیا کیا نہ کہئے نیک ہے وہ گیا تو سامنے اُس کے نہ آئی بات۔</p>	

<p>آنے لگا ہوا ہو رخصت پر تو بہ کر یہاں کی تو صبح دیکھی اک آدھ رات رہ کر یہ دل خیز ہوا ہے کیا کیا جھائیں سر کر اسرار عاشقی کا پچھنائے یار کہہ کر گر ہو سکے تو زاہد اس وقت میں گنہ کر</p>	<p>ہم اپنی آنکھیں کب تک یہ نگ عشق دیکھیں رنگ شکستہ اپنا بے لطف بھی نہیں ہو برسوں عذاب دیکھے قرونِ لقب اٹھائے ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا طاعت کوئی کرے ہے جب ابر زور جھومو</p>
<p>کیوں تو نے آخر اس وقت منہ دکھایا وی جان مہینے جو حسرت اک نگہ کر</p>	
<p>حال ہے اور قال ہے کچھ اور دم میں عاشق کا حال ہے کچھ اور ہر جگہ یہاں خیال ہے کچھ اور اُس کے گیسو کا بال ہے کچھ اور عاشقوں کا وصال ہے کچھ اور اُس پہ بھی احتمال ہے کچھ اور کبک کی چالِ فحال ہے کچھ اور</p>	<p>شیخ کا اب کمال ہے کچھ اور وعدے برسوں کے کن نے دیکھے ہیں سہل مت بوجھ یہ طلسم جہاں تورگ جاں سمجھتی ہوگی نسیم نہ ملیں گو کہ حبس میں مرجائیں کو ز پشتی پشیم کی مت جاؤ اس میں اس میں بڑا تفاوت ہے</p>
<p>میسر تلوار چلتی ہو تو چلے خوش خراموں کی چال ہو کچھ اور</p>	
<p>ضبط گریہ سے پڑ گئے ماسور ترم خورشید ہو گیا کافور دولت حسن پر نہ ہو مفور گر اٹھے ہو غبار خاطر مور</p>	<p>دل جو اپنا ہوا تھا زخمی چور صبح اُس سر دہس کے آگے ہم ضعیفوں کو پائمال نہ کر عرش پر بیٹھتا ہے کتے ہیں</p>
<p>شکوہ آبلہ ابھی سے یہ سر ہے پیارے ہنوز دلی دور</p>	
<p>غیرت سے رہ گئے ہم یکسو کباب ہو کر گل بہ گیا چمن میں خلعتِ آب ہو کر دیکھا کیا نہ کر تو سر مست خواب ہو کر</p>	<p>غیروں سے مل چلے تم مست شراب ہو کر اُس روئے آتشیں سے برقع سرک گیا تھا کل رات منہ گئیں تھیں بہتوں کی آنکھیں غش</p>

<p>نکلے ہے صبح وہ بھی اب بے نقاب ہو کر نکلا ہے چشم تر سے وہ خونِ ناب ہو کر شکرِ خدا کہ نکلا وہاں سے خراب ہو کر</p>	<p>پر وہ رہے گا کیونکر خورشیدِ خاوری کا یکہ قطرہ آب میں نے اس دور میں پیایا ہے آبیٹھتا تھا صوفی ہر صبح میگردے میں</p>
<p>شرم و حیا کہاں تک ہیں مہیر کوئی دن کے اب تو ملا کر و تم تک بے حجاب ہو کر خاطر سے ہی مجھ مست کی تائیدِ دورِ جام کر نالہ کو ذکرِ صبح کر گریہ کو دردِ شام کر محبس میں اپنی نقلِ خوش زنجیر کا بادام کر ناموس سے آدرگزر بے ننگ ہو کر نام کر</p>	<p>ہو آدمی اگر پسرِ ترک گردشِ ایام کر وینا اگر بے صرفہ نہوے نہیں یا گڑھ میں تو مست جنوں ہر روز شبِ شرہ ہوشِ رودِ شست میں جتنی ہو ذلت خلق میں اتنی ہو عزت عشق میں</p>
<p>مرہ کہیں بھی پسر جا گشتہ پھرنا تاکج ظالم کسو کا سن کہا، کوئی گھڑی آرام کر ہاتھ سے جائے گا سرِ شستہ کارِ آخر کار یار و دشمن ہو گیا جان سے مارِ آخر کار سر کو کھینچے گا فلک تک یہ غبارِ آخر کار آنکھوں سے جاتی رہے گی یہ بہارِ آخر کار</p>	<p>رہنے کا پاس نہیں ایک بھی تارِ آخر کار لوحِ تربت پہ مری پہلے یہ لکھیو کہ اسے مشتِ خاک اپنی جو پالیاں ہیں بھیاں اس پہ بجا چشمِ وادیکھلے اس باغ میں کیجو نرس</p>
<p>اقل کارِ محبت تو بہت سہل ہو مہیر جی سے جاتا ہو لے صبر و قرارِ آخر کار</p>	
<p>موتی گویا جڑے ہیں یلے پر ایک دم کے لہو نہرِ پینے پر سنگِ باراں ہو آسینے پر کیا رفو کم ہوا ہے سینے پر</p>	<p>خط میں ہے کیا سماں پسینے پر کوئی ہوتا ہو دلِ طیش سے بُرا دل سے میرے شکستیں بھی ہیں چاکِ سینہ سے گل گئے ٹانگے</p>
<p>جو دلبر سے کیا ہوں آزرده مہیر اس چار دن کے جینے پر</p>	
<p>لہ پردہ رہنا۔ مراد عجیب چھپا رہنا۔ شرم رہنا۔ بات رہنا۔ بے برق لگندی نامِ عالم میں رہے بات خدایا رہ جائے + پردہ خاک میں چھپ جاؤں تو پردہ رہ جائے</p>	

	<p>دستہ دلخ و فوجِ غم لیکر آہ چلتی ہے یہاں علم لیکر یعنی آگے چلیں گے دم لیکر غم دُوری چلے ہیں ہم لیکر دلخ یاس آہوئے حرم لیکر رہ گئے ہاتھ میں قلم لیکر جائیگا جان بھی یہ غم لیکر ہم بھی آئے ہیں لبِ رقم لیکر</p>	<p>ہم بھی پھرتے ہیں یک چشم لیکر دست کش نالہ پیش رو گر لیکر مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے اُس کے اوپر کہ دل سے تھانز لیکر بارہا صید گہ سے اُس کے گئے ضعف یہاں تک کھنچا کہ شور لیکر دل کیب انتفا کری ہو عشق شوق اگر ہو ہی تو اور قاصد</p>	
	<p>میر صاحب ہی چوکے اور بدھند ورنہ دینا تھا دلِ قلم لیکر</p>		
<p>نی</p>	<p>بگلا شکار ہو دسے تو لگتے ہیں ہاتھ پر سیراب ترے ہونیکو کافی ہو چشم تر مجھ کو تھا دستِ عیب پکڑی تری کمر</p>	<p>دارھی سفید شیخ کی تو مت نظر میں کر ای ابر خشک مغز سمندر کا منہ نہ دیکھ آخر عدم سے کچھ بھی نہ اُکھڑا مرا میاں</p>	
	<p>سونا تھا بچہ تو نئے میں جورات کو سو بار میر نے تری اٹھ اٹھ کے لی خبر</p>		
	<p>زخم پر پڑ گیا مرے پا پر کہیں دیکھا تھا جھکوا دریا پر ابر جھوٹا ہی جاؤ صحرا پر جی ہی اپنا چلا نہ صہا پر رات پرے ہیں چشمِ بینا پر کہ مصیبت پڑی منتنا پر سنگِ باراں ہوا ہر مینا پر</p>	<p>بشت پاماری بسکہ دنیا پر ڈوبے اُچھلے ہو آفتابِ ہنوز گردے ہوں آؤ شیخِ شہر دلِ پُرنوں تو تھا گلا لی شراب یہاں جہاں ہیں کہ شہر کو آج فرست عیش اپنی یوں گزری طارم تاک سے کہو چکا</p>	
	<p>میر کیا بات اُس کے ہونٹھوں کی جینا دو بھر ہوا سیجا پر</p>		
	<p>اچان اتنے لمبوں ہوئے جاتے ہو جان کر</p>	<p>جھوٹے بھی پوچھتے نہیں تاکِ حالِ ان کر</p>	

دے لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھوئے جھکے دکھاکے باعث ہنگامہ ہی رہے کتے نہ تھے کہ جان سے جاتے رہیں گے ہم کم گو جو ہم ہوئے تو ستم کچھ نہ ہو گیا ہم دے ہیں جن کے خون تری راہ سے گل تاکشتہ و فاجعے جانے تمام حلق نازد و عتاب خشم کہاں تک اٹھائیے	پیدا کئے تھے چرخ لے جو خاک چھان کر پر گھر در پہ آئے نہ تم بات مان کر اچھا نہیں ہے آئے نہ ہمیں امتحان کر اچھی نہیں یہ بات مت اتنی زبان کر مت کر خراب ہم کو تو اوروں میں سان کر تربت پہ میری خون سے میرے نشان کر یار پہ بھو تو ہم پہ آئے مہربان کر
---	--

افسانے ماومن کے سنیں میرے کب تک
چل اب کہ سوویں منہ پہ دوٹے گویان کر

آزار دیکھ کیا کیا ان پلوں سے اٹک کر سرو و تندر و دونوں پھر آپ میں نہ آئے کب آنکھ کھول دیکھا تیرے تئیں مہمان حاصل بجز کہ درت اس خاک اس کیا ہے یہ مشت خاک کہی انسان ہی ہو روکش دل کام چاہتا ہو اب اس کے کیسوؤں سے ٹٹک منہ سے اس کے دیشب برقع سر کیا تھا دھولا چکے تھے لکر کل نوڈے میکے کے کل دقش شیخ مطلق دل کو لگانے میرے	جی لیگئے یہ کانٹے دل میں کھٹک کھٹک کر گلزار میں چلا تھا وہ شوخ ٹٹک ٹٹک کر ناچار مر گئے ہم سب کو پٹک پٹک کر خوش وہ کہ اٹھ گئے ہیں ان جھٹک جھٹک کر ور نہ اٹھائی کن نے اس آسمان کی ٹٹکر وہاں مر گئے ہیں کتنے برسوں ٹٹک ٹٹک کر جاتی رہی نظر سے کتاب سی چھٹک کر پر سر گراں ہو واعظ جاتا رہا ٹٹک کر آیا وہ حسیہ شرعی کتنا ٹٹک ٹٹک کر
--	--

منزل کی میر اس کی کبابہ تجھے نکلی
یہاں خفتر سے ہزاروں مر مر گئے بھٹک کر

رولیف رائے مندی

آشوب دیکھ چشم تری سر پہ ہیں جوڑ لاکھوں جتن کے نہوا ضبط کر یہ لیک زخم دروں سے میرے نہ ٹٹکے خبر تیرے	پلوں کی صف سے بھیڑیں گے منہ کو موڑ سننے ہی نام آنکھ سے آنسو گرے کرور اب ضبط کر یہ سے آدھر ہی کو سب نچوڑ
--	---

<p>برسوں پہی ہو جان کے لئے کی بھل ٹوڑ بید رویوں چمن میں کسو پھول کو نہ توڑ بہتیرے عاشقی میں ہوئے سر کو پھوڑ پھوڑ</p>	<p>گرمی سے بڑھ کال کی پروا ہو کیا ہمیں بلبل کی ادھر چشم مروت سے دیکھ ٹک کچھ کو ہن ہی سے نہیں تازہ ہوا یہ کام</p>
<p>بیٹاقتی سے مہر کے چھوٹنے پر ان ظالم خیال دیکھنے کا اُس کے ابلے چھوڑ</p>	
<p>روایتِ نئے معجمہ</p>	
<p>بسل پڑی ہے چرخ پہ میری دعا ہنوز پھرتا ہوں منہ پہ خاک لے جا بجا ہنوز ہوتی نہیں ہماری تمھاری صفحا ہنوز دل ہی مرا ہے جو نہیں ہوتا ہو دا ہنوز جیتا ہے وہ ستمزدہ ہجو کیسا ہنوز کھلتا نہیں جو سعی سے تیری صبا ہنوز ہو دل خراش کو چے میں تیرے صدا ہنوز اُڑتا نہیں ہو طائرِ رنگِ حنا ہنوز</p>	<p>ہوتا نہیں ہو بابِ اجابت کا دا ہنوز دن رات کو کھنچا ہے قیامت کا اور میں خط کاڑھ لاکے تم تو منڈا بھی چلے ولے غنجے چمن چمن کھلے اس باغِ دہر میں احوالِ نامہ بر سے مرا سُن کے کہہ اٹھا غنچہ نہ بوجھ دل ہو کسی مجھ سے زار کا توڑا تھا کس کا شیشہ دل تو نے سنگدل چلو میں اُس کے میرا ہوتا سو پی چکا</p>
<p>بے بال و پر اسیر ہوں کج نفس میں میر جاتی نہیں ہو سکر چمن کی ہوا ہنوز</p>	
<p>ہے گریبان پارہ پارہ ہنوز قطرہ اشک ہو شمارہ ہنوز چرخ پر صبح کا ستارہ ہنوز اُس کے موقوف یکساں رہ ہنوز</p>	<p>ضبط کرتا نہیں کنارہ ہنوز آتش دل نہیں بجھی شاید اشک جھمکا ہو جب نہ نکلا تھا لب پہ آئی ہو جان کی ہو</p>
<p>عمر گزری دوائیں کرتے میر دردِ دل کا ہوا نہ چارہ ہنوز</p>	
<p>تریاں سب سر کے لمو سے درو دیوار ہنوز جی سے جاتی ہی نہیں حسرتِ دیدار ہنوز</p>	<p>مر گیا میں پہ مرے باقی ہیں آثار ہنوز دل بھی پُر دلِ چمن ہو پر اُسے کیا کچھ</p>

<p>لہو پر سار ہے ہیں دیدہ خونبار ہنوز یہ ہوا کوئی بھی اس درد کا بیمار ہنوز تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز ہیں غم دل کی اسیری میں گرفتار ہنوز ڈوبا ہی جائے ہو لوہو میں سرخار ہنوز جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہگار ہنوز باز آتے نہیں پر تیرے ہوادار ہنوز کوئی دیتا ہے سنا دیسی کو آزار ہنوز میان سے نکلی پڑے ہو تری تلوار ہنوز ہے تجھے کوئی گھڑی قوت گرفتار ہنوز درد دل کیوں نہیں کرتا ہو تو اظہار ہنوز کیا کہوں تجھے کو سمجھ اس نہیں یہ ہنوز</p>	<p>بد گئے عمر ہوئی ابر بہاری کو ولے بد نہ لیجائیو پوچھوں ہوں کچھ یہ طبیب بار ہا چل چکی تلوار تری چال پہ شورش ایک دن بال فشاں ٹٹک ہوئے تھے خوش ہو کر کوئی تو آبلہ پا دشت جنوں سے گزرا منتظر قتل کے دند کا ہوں اپنے یعنی اڑ گئے خاک ہو کتے ہی ترے کوچے سے ایک بھی زخم کی جاجس کے نہ ہون کہیں ٹٹک تو انصاف کراؤ دشمن جان عاقبت میرے کو ضعف میں میں دیکھ کما کچھ کئے ابھی اک دم میں زباں چلتے سے بہ جالی ہو آنسو بھرا لکے بہت حزن سے یہ کہنے لگا</p>
<p>دل میں میرے ہو گرہ حسرت دیدار ہنوز</p>	<p>آنکھوں میں آن رہا جی جو نکلتا ہی نہیں</p>
<p>ہو چکے حشر میں بھڑا ہوں جگر چاک ہنوز دامن دیدہ گریاں ہے مرا پاک ہنوز منہ کے تئیں بھیرے ہی لبتا ہو بیابان ہنوز</p>	<p>بھٹک پوچھا بھی نہ یہ کون ہو تمناک ہنوز اشک کی لغزش مستانہ بہت کیجو نظر بھرنظر دیکھنے پاتا نہیں میں شمع میں بھی</p>
<p>بعد مرنے کے بھی آرام نہیں میرے مجھے</p>	<p>اُس کے کوچے میں ہو پاں مری خاک ہنوز</p>
<p>ہیں فرہ دستور سابق ہی پر میرے غم ہنوز شیع رکھتی ہو ہماری گور پر ماتم ہنوز قد ترا چوگاں رہا ہو کس طرح سے غم ہنوز پر نہیں جاتا کسی کے دیکھنے کا غم ہنوز</p>	<p>ہو چکا خون جگر روزا نہیں کچھ کم ہنوز دل جلوں پر روتے ہیں جن کو ہو کچھ سوز جگر وضع کیساں اس مائے بین نہیں رہتی کہیں آ رہا ہے جی مرا آنکھوں میں اک پل اور پل</p>
<p>وہ جو عالم اُس کے اوپر تھا سو خطائے کھو گیا بتلا ہو اس بلا میں تمیز اک عالم ہنوز</p>	<p></p>

روایتِ سیمینِ سلمہ

<p>اس ملک میں ہماری ہو یہ چشمِ تر ہی بس اک برگِ گل گرا نہ جہاں تھا مرا نفس سیلابِ موج مانسے تو ٹھہرے ہو کوئی خس تنہا پھروں ہوں دشت میں جوں نالہِ حرس روتا ہوں جب میں سامنے اسکے ٹوٹے پنرس کتا ہوں ایک میں تو سنا تا ہے مجھ کو دزل</p>	<p>اے ابر تر تو اور کسی سمت کو برس حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا مشرکوں بھی بہ گنیں مرے روتے سے چشم کی مجھوں کا دل ہوں محلِ لیلیٰ سے ہوں جدا اے گریہ اس کے دل میں اثرِ غوب ہی کیا اس کی زباں کے عہد سے کیونکر نکل سکوں</p>
<p>حیراں ہوں مہرِ نزع میں اب کیا کروں بھلا احوالِ دل بہت ہو مجھے فرصتِ یک نفس</p>	
<p>آکے ڈوبی جاتی ہے کشتی مری ساحل کے پاس گردِ کچھ گسٹخ آتی ہے چلی محمل کے پاس کاشنکے مجھ کو نہ لے جا دیں مرے قاتل کے پاس اس طرح تڑپا نہیں جاتا کسو بسل کے پاس نکلی ہے بیدرد شاید ہو کسو گھال کے پاس</p>	<p>کیونکہ نکلا جائے بحرِ غم سے مجھ بے دل کے پاس ہو پریشاں دشت میں کس کا غمبازِ ناتواں گرم ہو گا حشر کو ہنگامہ دعویٰ بہت دور اس سے جوں ہوا دل پر بلا ہے مضطرب بوسے خوں آتی ہو بادِ صبحو گا ہی سے مجھے</p>
<p>آہ نالے مت کیا کر اس قدر بیتاب ہو اے شمشکِ مہرِ ظالم ہے جگر بھی دل کے پاس</p>	
<p>آہ افسوس صد ہزار افسوس نہ رہا وہیں روگزار افسوس یہی آتا ہے بار بار افسوس یہ توقع تھی تجھ سے یار افسوس یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس میرے تیرے تھا یہ قرار افسوس</p>	<p>مر گیا میں ملا نہ یار افسوس ہم تو ملتے تھے جب اہا ہا ہا یوں گنوا تا ہے دل کوئی مجھ کو قتل کر تو ہمیں کرے گا خوشی رخصتِ سیرِ بلخ تاک نہ ہوئی خوب بد عہد تو نہ مل لیکن</p>
<p>خاک پر مہرِ تیری ہوتا دے نہ ہوا اتنا افسوس دار افسوس</p>	

روایت شین معجمہ

ہر جزو و مد سے دست و بغل اٹھتے ہیں خروش
ابروئے کج ہے موج کوئی چشم ہے حجاب
ان مغنچوں کے کوپے ہی سے میں کیا سلام
حیرت سے ہووے پر تو مہ نور آئندہ
کل ہم نے سیر باغ میں دل ہاتھ سے دیا
جاتا رہا نگاہ سے جوں موسم بہار
شب اس دل گرفتہ کو دا کر بند رہے
آئی صدا کہ یاد کرو دور رفته کو
جمشید جس نے وضع کیا جام - کیا ہوا
خمر لالہ اس کے جام سے پائے نہیں نشان

کس کا ہو راز بحر میں یارب کہ لے لے ہیں جوش
موتی کسی کی بات ہو سپی کسی کا گوش
کیا مجھ کو طوف کعبے میں رند و رنوش
تو چاندنی میں نکلے اگر ہو سفید پوش
آج اس بغیر داغ جب گریں سیاہ پوش
بیٹھے تھے شیر خانہ میں ہم کتنے ہرزہ گوش
عبرت بھی ہے غرور تک کی جمع تیز پوش
وے صحبتیں کہاں گئیں کید حرفے ناؤ نوش
ہے کو کنار اس کی جگہ اب سنبو بدوش

۱۔ اک سادہ گل فروش کا ایک سادہ روٹلا کا - ۵۷ شیر خانہ شراب خانہ -

۵۷ جمشید - جم جمشید سب جمشیدوں - یہ سب ایک معنی میں آتے ہیں اور ان سب سے مراد شاہ جمشید بن ویکان بن تھورس بن ایران بن ہوشنگ بن آدم ہو - تاریخ قدیم کی روایات کی بوجہ اس نے سات سو سال تمام ایران پر حکومت کی یہاں تک کہ ضحاک برادر شاد بن عادلوانی نے جھڑپ کے آئین کا پیرو اور مخالف مذہب مروجہ تھا نروج کیا - اور جمشید غالب ہوا جمشید سیستان کی طرف بھاگ گیا - اور کورنگ شاہ کی دختر کو اپنے عقد میں لا کر رہنے لگا - اجداد رستم اسی کی اولاد سے ہیں کے بعد ضحاک کے ہاتھ سے مارا گیا - نہایت عادل و نیکدل و مودت بادشاہ تھا - کہا جاتا ہے کہ شہروں کی آبادی کے طریقے - آداب حرب - سلاح وغیرہ کا وہ موجد تھا اور مہبوط آدم کے دوہزار چار سو اسی سال بعد اس کی حکومت کا زام تھا - ترکیب شراب بھی اسی کے زمانے میں دریافت ہوئی - واضح ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی جم کہا جاتا ہے مگر آپ کا زمانہ جمشید سے دوہزار اور کچھ سال بعد کا ہے لہذا جہاں کہیں دیو و دد اور حاتم وغیرہ کے ساتھ جم کا لفظ آئے وہاں حضرت سلیمان علیہ السلام سے مراد ہوگی اور جم سے بعض جگہ سکندر بھی مراد ہو - جام جم سے مراد یہ ہے کہ زمانہ جمشید میں جام ایجاد ہوا - اور جمشید دوسری چیز تھا کہ اس کو ریاضی اور ہیئت کی رسم سے خطوط وغیرہ کھینچ کر تیار کیا گیا تھا - جس سے اعمال عالم معلوم ہوتا تھا - ۱۲۔ اسی (مستفاد از کتب تواریر و لغت)

جھوٹے ہے بید جائے جوانان کے گسار	بالائے خم ہے خشت سر پیرے فروش
میر اس غزل کو خوب کہا تھا ضمیر نے پر اے زبان دراز بہت ہو چکی خموش	
دل تو افکار ہے جگر ہے ریش	اک مصیبت ہے میرے تئیں درپیش پان تو لیتا جا نقیروں کے برگ سبز ست تحفہ درویش
فکر کر زادِ آخرت کا بھی میر اگر تو ہے عاقبت اندیش	
روایت صادقہ	
شیخ ہو دشمن زنِ رقا	کیوں نہ القاص لا یحب القاص
روایت ضاد معجمہ	
سال میں ابر بہاری تجھ سے اکباری ہو فیض	چشمِ نم دیدہ سے عاشق کی سدا جاری ہو فیض
روایت طائے مہملہ	
سب سے آئینہ نمط رکھے ہیں خوباں اختلاط	ہوتے ہیں یہ لوگ بھی کتنے پریشاں اختلاط تنگ آیا ہوں میں رشکِ تنگ پوشی سے تری اس تن نازک سے یہ جائے کو چسپاں اختلاط
روایت طائے معجمہ	
غیر مجھ کو جو کہتے ہیں محفوظ	تجھ سے ملتے ہیں رہتے ہیں محفوظ
<p>ملہ ضمیر سے مراد شیخ ماری ہیں جنکا مخلص ضمیر تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے اپنا ابتدائی کلام ولی محمد زبیر اکبر آبادی کو دکھایا بعد ازاں میر محمدی بیدار کے شاگرد ہوئے جس کے معاصرین میں تھے یہ دو شعرا نہیں کے ہیں۔</p> <p>چشم بدور جہر آپ گزر کیجئے گا ؛ ایک عالم کے تئیں زیر و زبر کیجئے گا</p> <p>وہ ابھی تو نوگل آرزو، وہ ہنوز تازہ بہار ہو ؛ نہ کچھ اپنے ہی سے اُسے خبر نہ خناسے کچھ سر و کار ہو</p> <p>ملہ قصہ گو، قصہ گو کو دوست نہیں رکھتا۔</p>	

ردیف عینِ مہملہ

سب پر روشن ہے کہ شبِ مجلسِ میں جب آئی شمع | اس بھبھوکے سے کو بیٹھا دیکھ حجابِ ہے شمع

ردیف غینِ معجمہ

ہم اور تیری گلی سے سفر دروغِ دروغ | کہاں دماغِ ہمیں اس قدر دروغِ دروغ
تم اور ہم سے محبت تھیں خلافتِ خلافت | ہم اور الفتِ خوبِ دگر دروغِ دروغ
غلط غلط کہ رہیں تم سے ہم تنکِ غافل | تم اور پوچھو ہماری خبر دروغِ دروغ
فروغ کچھ نہیں دعویٰ کو صبحِ صادق کے | شبِ فراق کو کب ہے سحر دروغِ دروغ

کسو کے کہنے سے مت بدگماں ہوئیے
وہ اور اُس کو کسو پر نظر دروغِ دروغ

شیخ سچ خوب بہشت کا باغ | جائیں گے گردِ ناکرے گا دماغ

ردیف

آج کل کا ہے کو بٹلانے ہو گستاخی معاف | راستی یہ ہو کہ وعدے میں تمہارے سب خلاف
آہ برچی سی گئی تھی تیسرے سی دل کی طیش | ہجر کی شب مجھ پہ گزری غیرتِ روزِ مصاف
ایک دن میں نے لکھا تھا اُس کو اپنا درِ دل | کج تک جاتا نہیں سینے سے خارے کے شگاف
پانوں پر سے اپنے میرا سر اٹھانے مت جھک | تیغِ باندھی ہو میاں تم نے کمر میں غشِ غلاف
صفِ اُلٹ جا عاشقوں کی گرتے ابرو لہیں | ایک دم تلوار کے چلنے میں ہووے ملکِ صاف
شیخ مت روکش ہوستوں کا تو اس جتے اُپر | رہنے استیجے کو ڈھیلا تیری ٹل جاتی ہو ناف

عشق کے بازار میں سودا نہ کیجو تو تو میر
سر کو جبے ہاں بیچ چکے ہیں تو یہ ہو دستِ لاف

عالمِ تیرے عہد میں بیدا کی طرف | ہر خون گرفتہ جائے ہے جلا کی طرف
کن نے لیا ہو تم سے چمک کہ دادِ دو | ملکِ کان ہی رکھا کرو فریاد کی طرف
ہر تار زلفِ تیرے سر دوس ہو ترا | کرتا ہے کون طسره شمشاد کی طرف

ہم نے تو پر فشان نہ جانی کہ ایک بار	پر واز کی چین سے سو صیاد کی طن
حیران کار عشق ہو شیریں کا نقش میر	کچھ یوں ہی دیکھنا نہیں فرما دی طن
<p>تو مائل نہ ہو پھر گھر کی طن</p> <p>ہراک ہو سو اس فتنہ گر کی طن</p> <p>دھواں سا ہو کچھ اس نگر کی طن</p> <p>اک آشوب ہو اس گھر کی طن</p> <p>بھاری طرف سے سحر کی طن</p> <p>کرے کون شمس و قمر کی طن</p> <p>ہوا تھا مری چشم تر کی طن</p> <p>نہیں دیکھتے ہم جگر کی طن</p> <p>رکے ہو یہ دارو ضرر کی طن</p> <p>نہیں میل خاطر سفر کی طن</p>	<p>جو دیکھو مرے شعر تر کی طن</p> <p>کوئی داد دل آہ کس سے کرے</p> <p>محبت نے شاید کہ دی دل پر لگ</p> <p>لگیں ہیں ہزاروں ہی آنکھیں ادھر</p> <p>بہت رنگ ملتا ہو دیکھو کبھی</p> <p>بخود کس کو اس تاب رخ نے رکھا</p> <p>نہ سمجھا گیا ابر کیسا دھیس</p> <p>ٹپکتا ہے پلکوں سے خون متصل</p> <p>مناسب نہیں حال عاشق سے صبر</p> <p>کے منزل دلکش دھسریں</p>
رگ جاں کب آئی ہو آنکھوں میں میر	گئے ہیں مزاج اس لمر کی طن
ردیف قاف	
شیخ کیا جانے تو کہ کیا ہے عشق	درد ہی خود ہی خود دوا ہے عشق
سچے ہیں شاعران خدا ہے عشق	تو نہ ہوئے تو نظر کل اٹھ جائے
ردیف کاف تازی	
چھاتی پہ بعد مرگ بھی دل جم ہو زیر خاک	بے چین مجھ کو چاہتا ہر دم ہو زیر خاک
آتش فتنی طبع ہمت کم ہو زیر خاک	آسودگی جو چاہے تو مرنے پہ دل کو رکھ
مست اضطراب کر یو کہ عالم ہو زیر خاک	تنہا تو اپنی گور میں رہنے پہ بعد مرگ
لے ہماری طن سے دیکھو۔ یعنی ہماری خاطر سے یا ہمارے گنے سے دیکھو۔	

اب تک مری ہر ایک شہ نہ تم ہے زیرِ خاک	رویا تھا نزع میں میں اُسے یاد کر بہت
کیا آسماں پہ کھینچے کوئی میرے آپ کو	جانا جہاں سے سب کو سلم ہے زیرِ خاک
آشوبِ نالہ اب تو پہنچا ہے لامکاں تک	اب وہ نہیں کہ شورشِ رہتی تھی آسمان تک
اب کارِ داسے غزیراں پہنچی ہوا خواں تک	بہ بھی گیا بدن کا سب ہو کے گوشتِ پانی
سوزِ دروں ہمارا آتا نہیں زباں تک	تصویر کی سی شمعیں خاموش جلتے ہیں ہم
بانع و بہار ہی ہو جائے نظر جہاں تک	روتے پھرے ہیں لوہواکِ عمر اس گلی میں
انصاف کر کہ کوئی دیکھے ستم کہاں تک	آنکھیں جو روتے روتے جاتی رہیں بجائے
ہیں سنگِ اہ اپنے کتنے یہاں وہاں تک	بے لطف تیرے کیونکر تجھ تک پہنچ سکیں ہم
پہنچا کبھو نہ جبہ اُس سنگِ آستان تک	ہم بے نصیب رہے کو تھکے کیوں نہ بھڑکیں
دشوار ہے ہمارا آنا پھر کشیاں تک	مانندِ طیفِ پراٹھے جہاں گئے ہم

تن کام میں ہمارے دیتا نہیں وہی کچھ	حاضر ہیں ممیستِ تم تو اپنی طرف جانتے
سو کھا نہیں لوہو در و دیوار سے اب تک	سے بعد مرے مرگ کے آثار سے اب تک
صحبت نہ ہوئی تھی کسی نوخوار سے اب تک	رنگینیِ عشق اُس کی لمبے پر ہوئی معلوم
نہ نہار و وفا ہو نہ سکی یار سے اب تک	کب سے محفل ہے جفتِ اول کا دل زار
مارا نہیں اُن نے کوئی تلوار سے اب تک	ابر وہی کی جنبش نے یہ ستر اُتر گئے ہیں
پر دل نہیں خسانیِ نعم دیدار سے اب تک	وعدہ بھی قیامت کا بھلا کوئی ہو وعدہ
واقف نہ ہوا کوئی اس اسرار سے اب تک	مدت ہوئی گھٹ گھٹ کے ہیں شہر میں مرتے
اک دوسرا اٹھتا ہو چمن زار سے اب تک	برسوں ہوئے دل سوختہ بلبل کو موئے لیک
پوچھا نہیں اُن نے تو ہمیں پیار سے اب تک	کیا جائے ہوتے ہیں سخنِ لطف کے کیسے
یوں نالہ کسو مرغِ گرفتار سے اب تک	اس بلوغ میں اغلب ہو کہ سرزد نہ ہوا ہو
جاتا نہیں اندھیر یہ سرکار سے اب تک	خط آئے پہ سے دن ہی سیہ تم سے ہمارا
سو کوفت نہیں جاتی ہو رخسار سے اب تک	نکلا تھا کہیں وہ گلِ نازک شبِ مہ میں
ہیں ممیستِ حرجی آوارہ پر دیدار سے اب تک	دیکھا تھا کہیں سایہ ترے قد کا چمن میں

لہ پریدار - ایب زدہ جس پر پری کا سایہ ہو -

میر گم کردہ چین زمزمہ پرداز سے ایک کچھ ہوا عریض قفس لطف نہ جائے اس سے نا توانی سے نہیں بال فشانی کا دماغ گوش کو ہوش کی ٹک کھول کے سن شور جہاں	جس کی لے دام سے ناگوش گل آواز ہو ایک نوحہ یا نالہ ہر اک بات کا انداز ہو ایک ورنہ تا باغ قفس سے مری پرواز ہو ایک سب کی آواز کے پرے میں سخن ساز ہو ایک
چاہے جس شکل سے تمثال صفت اس میں درآ عالم آئینہ کے مانند دروازے ایک	
بائیں پہ میری آنکھ کا تو کھسکے جب تلک اتنا دین اور دل سے طیش کر لیں کاوشیں نقاش کیونکہ کھینچ چکا تو شبیر بار شب کو تہ اور قصہ مری جان کا دراز	کر جاؤں گا سفر ہی میں دنیا سے تب تلک یہ مجملہ تمام ہی ہے آج شب تلک کھینچوں ہوں ایک ناز ہی اسکا میں اب تلک القصہ اب کہا کروں تجھ سے میں کب تلک
باقی یہ داستان ہو اور کل کی رات ہے گر جان میری میر نہ اپنے لب تلک	
شوق ہے تو ہے اس کا ہر نزدیک آہ کرنے میں دم کو سادھے رہ ڈوبیں دریا و کوہ و شہر و دشت حرف دوری ہو گرچہ انشالیک دور اب بیٹھتے ہیں تجالس میں خبر آتی ہے سو بھی دور سے یہاں تو شہ آخرت کا فک رہے دور پھرنے کا ہم سے وقت ہو کیا	دوری رہ ہے راہ بر نزدیک کتے ہیں دل سے ہو جگر نزدیک تجھ سے سب کچھ ہو تم نزدیک دیکھو خط جاگے نامہ بر نزدیک ہم جو تم سے تھے بیشتر نزدیک آؤ یکبار بے نصیب نزدیک جی سے جانے کا ہو سفر نزدیک پوچھ کچھ حال بیٹھ کر نزدیک
مر بھی رہ میرے شب بہت دیا ہو مری جان اب تم نزدیک	
کہیں پہنچو جو مجھ بے پاؤں تک کچھ اپنی آنکھ میں یہاں کا نہ آیا جسے شب آگ سا دیکھا سکتے	کہ پہنچا سمیع ساں داغ اب بگرتک خزف سے لیکے دیکھا در تریتک اُسے پھر خاک ہی پایا حسرتک

سلا سورا آری فرمادی سے آنکھوں میں آری رات + ہو تو جو آری ہے عالم میں مری

سلا مجملہ مجازاً مجسمہ بھگڑا بھیللا۔ عوام اسکو مجسمہ کہتے ہیں

<p>کہ انجم رہتے ہیں ہر شب ادھر تک گیا یہ ہاتھ کب اُس کی کمر تک پر و بال اپنے ایسے ہی تھے یر تک ولے آیا نہ وہ ٹک ٹک سے یر تک کہاں طاقت کہ اب پھر جائیں گھر تک تو آتا ہے جگر مرگن تر تک اگر وہ جائیں گے جیتے تھر تک</p>	<p>ترا منہ چاند سا دیکھا ہے شاید جب آیا آہ تب اپنے ہی سر پر ہم آدڑوں کو سیراب کی مبارک کھنچی کیا کیا حسرت ابی زیر دیوار گلی تک تیری لایا تھا ہمیں شوق یہی دردِ جدائی ہو جو اس شب دکھائی دیں گے ہم میت کے رنگوں</p>
<p>کہاں پھر شور و شیون جب گیا میسر یہ ہنگامہ ہے اُس ہی نوحہ گر تک</p>	
<p>ہاتھ پہنچا نہ پائے قاتل تک سعی کر تاک پہنچ کسی دل تک میں بھی نالاں ہوں ساتھ نزل تک کہیو ابے باد شمع محفل تک</p>	<p>دست دیا مارے وقتِ بیل تک کعبہ پہنچا تو کیا ہوا اے شیخ در پہ نعل اُس کے جیسے جرس بجھ گئے ہم چہرے سے باہر</p>
<p>نہ گیا میسر اپنی کشتی سے ایک بھی تختہ پارہ ساحل تک</p>	
<p>طوفاں ہو میرے اشکِ ندامت یہاں تک میرے قفس کو لے تو چلو باغبان تک پہنچے نہ ہونے کا شے ہم آشیاں تک آتا ہو ایک عمر میں میری از باں تک</p>	<p>جاتے ہیں لے کر ابلے کوسیل آسمان تک شاید کہ دیوے رخصتِ گلشن ہو بے قرار قیدِ قفس سے چھوٹ کے دیکھا جہلا ہوا اتنا ہوں ناتواں کہ در دل سے اب گلہ</p>
<p>میں ترکِ عشق کر کے ہوا گوشہ گیر میسر ہوتا پھرس خراب جہاں میں کہاں تک</p>	
<p>رُسوائیاں گئی ہیں عقیق بہن تک حُسنِ سلوک ضعف سے صحن بہن تک زیر زمیں بھی پہنچیں گے چاک کفن تک اے کبک استاجا کیو اُس کے وطن تک</p>	<p>کب بستر میں احوال کو تیرے سخن تک آزادگی یہ چھوڑ قفس ہم نجا سکے تردستیاں ہوں دستِ گریمان ہاتھ کے مارا گیا خرامِ بتاں پر سفر میں میسر</p>

ردیف کاف فارسی

<p>تیرے لٹتی ہے ہند چاروں دانگ ہے مگر غوج بن عنق کی ٹانگ رات تو تھوڑی ہے بہت ہے سانگ نالہ عندلیب ہے گل بانگ دیکھو جیدھر کوئی پڑی ہو بھانگ سیم تن پھلے جاتے ہیں جوں لانگ دور تک اس پہاڑ کی ہو ڈانگ ورنہ جانے یہ دور ہم بھی پھلانگ قافیہ ہی تھے اس کے اوٹ پٹانگ</p>	<p>جب سے خط ہو سیاہ خال کے تھانگ بات اہل کی چلی ہی جاتی ہے بن جو کچھ بن سکے جوانی میں عشق کا شور کوئی چپستا ہے اس ذقن میں بھی سبزی ہو خط کی کس طرح ان سے کوئی گرم لے چلی جاتی ہو حسب قدر بلند نقرہ باطل تھا طور پر اپنے میں نے کیا اس غزل کو سہل کیا</p>
---	--

میت بندوں سے کام کب نکلا
انگنا ہے جو کچھ خدا سے مانگ

ردیف لام

<p>چھانی چین کی خاک تھانقش پائے گل جی ہی نکل گیا جو کہا اُن نے ہائے گل یہ چٹک پیالہ ہو ساقی ہوائے گل بلبل ستم ہوا نہ جو تو نے بھی کھائے گل اگر کلف ویش کر لوی سمجھ کر بہائے گل قابل درد بھیجنے کے ہے صفائے گل بستر پر اپنے سوتے تھے ہم بھی بچائے گل</p>	<p>فصل خزاں میں سیر جو کی ہم نے جائے گل اللہ سے عندلیب کی آواز دل خراش مقدور تک شراب سے رکھ انکھڑوں میں رنگ یہ دیکھ سینہ داغ سے رشک چین ہو بھیاں بلبل ہزار جی سے خریدار اس کی ہو نکلا ہو ایسی خاک سے کس سادہ رو کی یہ بارے سرشک سرخ کے داغوں سے رات کو</p>
---	--

لے عوج بن عنق ایک طویل القامت آدمی کا نام جو زمانہ حضرت آدم علیہ السلام میں پیدا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک زندہ رہا۔
اس کی عمر تین ہزار برس کی ہوئی۔ کہتے ہیں کہ طوفان نوح میں لاپتہ ہو کر تنگ آیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا اُس کے ٹخنے پر مارا۔ اُس کو
سند سے دھمکرایا۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ اُس کے باپ کا نام عوج (بالضم) ہو عنق جو عام طور پر شور و غلظت ہو اسی (فوننگ آئندہ)

اعذیب صلح کریں جنگ ہو چکی
لے آؤ زباں دراز تو سب کچھ سوائے گل

گلچیں سمجھ کے چنیو کہ گلشن میں
نخست جگر پڑے ہیں نہیں برگہائے گل

یکمشت پڑ پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل
توڑا تھا شاخ گل کو بکلی صدائے بلبل
اتنے لب و دہن پر یہ نالہ سائے بلبل
گل میں گئیں نہیں یہ ہیں نقش پائے بلبل
ہر گوشہ چمن میں خالی ہو جائے بلبل
پہنچی نہ گوش گل تک آخر دغائے بلبل

گل کی جفا بھی جانی دیکھی وفائے بلبل
کر سیر جذب الفت گلچیں نے گل چمن میں
کھٹکے ہیں خار ہو کر ہر شب دل چمن میں
کیونگیوں کی راہیں طو کر کے مر گیا ہو
آئی بہار و گلشن گل سے بھرا ہے لیکن
پیغام بے غرض بھی سنتے نہیں ہیں خیراں

یہ دلخراش نالے ہر شب کے میسر
کر دیں گے بے نمک ہی شور و آوازے بلبل

پر داز خواب ہو گئی ہو بال و پر خیال
جو صورتیں بگڑ گئیں ان کا نہ کر خیال
اُس کا دہن ہو دہم و گمان و کمر خیال
دیکھے ہو جو کوئی سو کرے ہو کمر خیال

کیسا چمن اسیری میں کس کو ادھر خیال
مشکل ہو مٹ گئے ہوئے نقشوں کی پھر نو
مو کو عبت ہو تاب کلی یوں ہی تنگ ہو
رخسار پر ہمارے ڈھلنے کو اشک کے

کس کو دماغ شعر و سخن ضعف میں کہ میسر
اپنا رہے ہے اب تو ہمیں بیشتر خیال

ہیں پریشان چمن میں کچھ پرو بال
پھر نہ آیا کبھو مزاج جمال
سر اٹھایا کہ ہو گیا پامال
آشیاں تھا مرا بھی جیساں پامال
اوڑھی ابر بہار نے بھی شمال
کہ ہوا صبح ہوتے میرا وصال
نہ نبھے گی پر اسے فلک یہ چال
لکہ ابر ہے مرا رد مال

سیر کر غنڈ لیب کا احوال
تپِ نعم تو گئی طیب و لے
سبزہ تو رستہ رنگدار کا ہوں
کیوں نہ دیکھوں چمن کو حسرت کے
سرد مہری کی بسکہ گلروئے
ہجر کی شب کو جیساں تیں تڑپا
ہم تو سہ گز لے کر جوی تیری
دیدہ تر پہ شب کھا تھا میسر

جانیں ہیں فرشِ رہ تری ست ہالِ نالِ چل اک آن میں بدلتی ہو صورت جہاں کی سناںک بہر طریقی بدن ہو و بالِ جاں آوارہ میرے ہونی کا باعثِ دہ زلف ہے	اے رشکِ حور آدمیوں کی سی چالِ چل جلد اس نگار خانہ سے کشتِ نالِ چل یہ بوجھ تیرے ساتھ جو اس کو ڈالِ چل کافر ہوں اس میں ہوئے اگر ایک بالِ چل
---	--

دنیا ہے میرے حاتمہ گاہِ مقرر
یہاں سے تو اپنا پاتوں شتابی نکالِ چل

نشرِ ط یہ ابر میں ہم میں ہو کر دوں گے کل آج آوارہ ہواے بالِ سیرانِ قفس	صبح گئے اٹھتے ہی عالم کو ڈوبوں گے کل یہ گلِ دیباغ و خیابان نہ ہو دیں گے کل
---	---

وعدہ وصل رہا ہو شکِ سندہ پہ میر
بختِ خوابیدہ جو ٹپک جائے سودیں گے کل

مندا ہے خستہ کا بازارِ آج کل اس مہلتِ دو روز میں خطرے نہ رہاں اوباشوں ہی کے گھر بچے پائے لگے ہیں روز لے کی رات داخلِ آیام کیا نہیں گلزار ہو رہا ہو مری دم سے کوئی یار تا شام اپنا کام کھینچے کیونکہ دیکھئے کعبہ تلک تو سننے ہیں ویرانہ و خراب ٹھوکر دلوں کو لگنے لگی ہے خرام میں ایسا ہی مفعول میں جو آنا ہو شیخِ حبی جیران میں ہی حال کی تدبیر میں نہیں	لگتا نہیں ہو دل کا خریدارِ آج کل اچھا ہے رہ سکو جو خبردارِ آج کل مارا پڑے گا کوئی طلبگارِ آج کل برسوں ہوئی کہاں تیں امی یارِ آج کل اک نگ پر ہو دیدہ خوباںِ آج کل پڑتی نہیں ہو جی کو جفا کارِ آج کل آباد ہے سو خسادِ خمارِ آج کل لاوے گی اک بلاتری رفتارِ آج کل تو جا رہے ہیں جبہ و دستارِ آج کل ہراک کو شہر میں ہے یہ آزارِ آج کل
---	--

اچھا نہیں ہو میر کا احوالِ اندول
غالب کہ ہو چکے گا یہ بیمارِ آج کل

کر دم یاد گر ہم کو رہ تم میں بھی اکثر دل بھلا تم نقد دل لیکر ہم دشمنِ کنو اب تو	مثیل مشہور ہو یہ تو کہ ہو دنیا میں دلبر دل کچھو کچھ ہم بھی کر لیں گے حسابِ دشتِ دل
--	---

رہنا نہیں ہے کوئی گھڑی تو یا زل
آزاد دل ستمزدہ دل بیقرار دل

ردیفِ مہم

کیا کہوں کیا رکھتے تھے تجھ سے تری بیمار چشم
ہجر میں پاتا نہیں گریہ کے سرشت کو میں
گو دنیا تا سوزِ زخمِ دل تھی یہ اے ہمنشیں
سیکڑوں ہوں شستیِ تولا دیں کچھ تابِ گاہ
جورم کیا غیروں کا طالع چشم پوشی کرتے ہیں
دیکھ کر احوال میرا مندلے ہو یا چشم

روِ دوشبِ فارہ سے پیدا ہو کیرِ آثارِ شوق
ہو کسو نظرِ ارگی کا رخِ دیوارِ چشم

کیا بلبلِ اسیر ہے بے بالِ دیر کہ ہم
خورشیدِ صبح نکلے ہو اس نور سے کہ تو
جیتے ہیں تو دکھایوں گے دغا کو عندِ لب
پتینگ ہو پٹشت ہو یہ ہم ہیں شستی
تلوارِ تم لگاتے ہو ہم ہیں گے دم بخود
اس جستوں اور غرابی تو کیا کہیں

جیتے ہیں اور روئے ہیں بختِ جگر ہے مہم
کرتے سنا ہے یوں کوئی قہرِ جگر کہ ہم

آئے تو ہو طبعیاں تدبیر گر کر دم
رنگِ شکستہ میرا بے لطف بھی نہیں ہو
نغمی چشمِ داشتِ تجھ کو اے دلبراں یہ تم سے
اُس بزمِ خوش و محرم نا آشنا ہیں سارے
ہو پیدار از لبسِ راہ وصالِ دہجراں
یہ ظلم ہو تو ہم بھی اس زندگی سے گزرتے
روئے سخن کمانِ تاکِ غیروں کی اور آخر

ایسا نہ ہو کہ بیستے جی کا ضرر کر دم
ایک دم رات کو تو یہاں بھی تھر کر دم
دل کو مرے اُٹا کر آنکھوں میں گھر کر دم
کس کو کہوں کہ وہاں تک میری خبر کر دم
ان دو ہی منزلوں میں برسوں سفر کر دم
سو گند ہو تھیں اب جو در گزر کر دم
ہم بھی تو آدمی ہیں شکِ منہ ادھر کر دم

<p>ہو عاشقوں میں اُس کے تو آؤ میر صاحب قلم گردن کو اپنی موسے باریک تر کرو تم</p>	<p>کیا لطف ہو وگرنہ جس دم وہ منہ کھینچے سینہ سپر کریں ہم قطع نظر کرو تم</p>
<p>جانا کہ شغل رکھتے ہو تیر و کہاں سے تم ہم اپنی چاک جب کو سی بہتے یا نہیں اب دیکھتے ہیں خوب تو وہ بات ہی نہیں تنکے بھی تم ٹھہرتے کہیں دیکھے ہیں تنک جاؤ نہ دل سے منظر تن میں ہو جای ہی قصہ مر اسنو گے تو جاتی رہے گی نیند کھل جائیں گی پھر آنکھیں جو مر جائیگا کوئی جتنے تھے کل تم آج نہیں پاتے اتنا ہم</p>	<p>پر مل چلا کر وہ بھی کسوختہ جاں سے تم پچھائے میں پانوں نیکو آنکھوں سے تم کیا کیا وگرنہ کہتے تھے اپنی زباں سے تم چشم و فارقو نہ خسان جہاں سے تم پچھتاؤ گے اٹھو گے اگر اس مکان سے تم آرام چشم منت رکھو اس امتاں سے تم آتے نہیں ہو باز مرے امتحاں سے تم ہر دم چلے ہی جاتے ہو اب رماں سے تم</p>
<p>رہتے نہیں ہو بن گے میر اس گلی میں رہا کچھ راہ بھی نکالو سگٹ پاسباں سے تم</p>	<p>کرتے نہیں ہیں دوری سوا اس کی ہاک ہم بیٹھے ہم اپنے طور پستوں میں جب اٹھے آہستہ آہستہ کہ اطراف باغ کے شمع و چراغ و شعلہ و آتش شرار و برق مستی میں ہم کو ہوش نہیں نشائیں کا جوں برق تیرے کو چہ سہنے نہیں گئے</p>
<p>نزدیک اپنے کب کے ہوئے ہیں ہلاک ہم جوں ابر تر لے اٹھے دامن کو باک ہم مشاق پر فشانے ہیں اک مشت خاک ہم رکھتے ہیں دل چلے یہ ہم سب تباک ہم گلشن میں ایندڑے ہیں پھر زیر ناک ہم مانند ابر جب اٹھے تب گریہ ناک ہم</p>	<p>مدت ہوئی کہ چاک قفس ہی سوا تو میر دکھلا رہے ہیں غل کو دل چاک چاک ہم</p>
<p>گئے گزرے ہیں آخر ایسے کیا ہم رہے ہیں دیر سے سر کو جھٹکا ہم رہیں بے لطفیاں ہی بچیاں تو با ہم</p>	<p>نہ پھر رکھیں گے تیری رہ میں یا ہم کھینچے گی کب وہ تیغ ناز یا رب نہ جانایہ کہ کہتے ہیں کسے پیار</p>

لہ پٹھے میں پانوں ڈالنا کسی کے معاذ میں خواہ مخواہ دخل دینا۔

<p>ہوئے ہیں کتنے یہ کانس فرام بہت کرتے ہیں اپنی سی دوا ہم پھریں گے اُس سے یوں کبتک جدا ہم بہت نادوم ہوئے دل کو لگا ہم جہاں میں کر گئے رسم وفا ہم ہوئے اک عمر کے پیچھے رہا ہم</p>	<p>بنے کیا خال وزلفت و خط سے دیکھیں مرض ہی عشق کا بیڈول ہے کچھ کہیں پیوند ہوں یارب زمیں کے ہوس سخی عشق کرنے میں ولیکن کب آگے کوئی مرناہست کسی پر تعارف کیا رہا اہل پسمن سے</p>
<p>گئے گزرتے حفر علیہ السلام سخن بچاں ہوا شہم حاصل کلام غرض یہ کہ جاتو ہوئی اتو شام ہیں شوق اُس ماہ کا ہر تمام چلے بس تو دھاں جا کے کر یہ قیام نہ لیوے کوئی جس جگہ دل کا نام</p>	<p>اگر راہ میں اُس کی رکھا ہو کام دہن یا رکھ دیکھ چپ لگ گئی مجھے دیکھ منہ پر پریشاں کی زلفت سرشام سے رہتی ہیں کاہشیں قیامت ہی بچاں خیم دل سے رہی قلعہ نہ دیکھ جہاں کوئی آنکھوں کی اور</p>
<p>لیک لگ چلنے میں بلا ہیں ہم یہ تو سمجھے ہی نہ کہ کیا ہیں ہم عاقبت بندہ خدا ہیں ہم دیکھ اس وضع سے خفا ہیں ہم تیرے کشتوں میں میرزا ہیں ہم یوں تو مجنوں کے بھی چچا ہیں ہم اسی دروازے کے گدا ہیں ہم</p>	<p>گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم کام کیا آتے ہیں گے معلومات اگر بتاں اس مت درجنا ہم پر سر نہ آلودہ مت رکھا کر چشم ہے ننگ سودمب تن مجسروح خوف ہم کو نہیں جنوں سے کچھ آستال پر ترے ہی گزری سسر</p>
<p>کوئی خواہاں نہیں ہمارا میر گوئی جنس ناروا ہیں ہم</p>	<p></p>

<p>ہمیشہ آگ ہی برسی ہو یہاں ہوا ہو گرم جگر کی آگ نے ہنگامہ کر رکھا ہو گرم وہ سرد مہر ہمارا بھی اب ہوا ہو گرم مزاج گرم ہو پھر اور یہ ہوا ہو گرم</p>	<p>حذر کہ آہ جگر تفتگاں بلا ہے گرم ہزار حیف کہ درگیر صحبت اُس سے نہیں کہاں ہو تیغ و سپر آفتاب کی بارے نہ اتنی دار و پی ظالم کہ اس خار میں ہوں</p>
--	---

کیا جہان سے خورشید سال اگر چہ میر
ولیک مجلسِ دنیا میں اُس کی جا ہو گرم

<p>کرتے ہیں گفتگو سحر اٹھ کر صبا سے ہم ہوتا نہ دل کا تابیہ سرا بخام عشق میں چھوٹا نہ اُس کا دیکھنا ہم سے کس طرح داغوں ہی سے بھری رہی چھاتی تمام عمر غافل نہ اپنی دیدہ درائی سے ہم کو جان دو چار دن تو اور بھی آ تو کر اہست</p>	<p>لڑنے لگے ہیں ہجر میں اُس کے ہوا سے ہم لگتے ہی جی کے مر گئے ہوتے بلا سے ہم پایان کار مارے گئے اس ادا سے ہم یہ پھول گل چنا کئے باغِ وفا سے ہم سب دیکھتے ہیں پر نہیں کہتے حیا سے ہم اب ہو چکے ہیں روز کی تیری جفا سے ہم</p>
--	---

آئینے کی مثال پس از صد شکست میر
کھینچا بغل میں یار کو دست دعا سے ہم

رولیف نون

<p>بیکلی بے خودی کچھ آج نہیں درد اگر یہ ہو تو مجھے بس ہے ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن</p>	<p>ایک مدت سے وہ مزاج نہیں اب دوا کی بھی احتیاج نہیں مرضِ عشق کا علاج نہیں</p>
--	--

شہرِ خوبی کو خوب دیکھا میر
جنسِ دل کا کہیں رولج نہیں

<p>وحشت میں ہوں بلا گردادی پہ اپنی آؤں ہنسکر کھجو بلایا تو برسوں تک رُلا یا</p>	<p>مجنوں کی محنتیں سب میں خاک میں ملاؤں اُس کی ستم ظریفی کس کے تمہیں دکھاؤں</p>
---	---

۱۔ صحبت درگیر ہونا فارسی محاورہ درگیر شدن صحبت کا ترجمہ ہے یعنی صحبت کا قایم رہنا اور نبھنا۔
محسن تاثیر ۵ دیدہ بالبسم خیال اُس پر ہی تخیر شد + تاباں گل میں در گرفتیم صحبت درگیر شد

<p>نلے کو بلباؤں کے خاطر میں بھی نہ لاؤں ماندر و ضہ خواں کے مجلس کے تئیں رُلاؤں اگر بختِ خفتہ کب تک تیرے تئیں جگاؤں کتنا میں کھویا جاؤں یا رب کہ تجھ کو پاؤں تہ گرد کی نہ بیٹھی تاتن کے تئیں چھپاؤں قاصد کے بدلے اب کے جادو مگر چلاؤں اک قطرہ آبِ تائیں اس آگ کو بجھاؤں</p>	<p>فریادی ہوں تو ٹپکے لو ہو مری زباں سے بوچھو نہ دل کے غم کو ایسا نہ ہو دے یاراں اکدم تو چونک بھی پڑ شور و فغاں سے میرے از خویش رفتہ ہر دم فکر وصال میں ہوں عریاں تنی کی شوخی وحشت میں کیا بلا تھی اگلے خطوں نے میرے مطلق اثر نہ بخشا دل لہنگی نے مارا مجھ کو کہاں شرہ دے</p>
<p>اسودگی تو معلوم اگر میر جیتے جی یہاں آرام تب ہی پاؤں جب جی سے ہاتھ اٹھاؤں</p>	
<p>دارِ جیسے چراغ جلتے ہیں بیٹھے روتے ہیں ہاتھ ملتے ہیں جیسے دریا کہیں اُبلتے ہیں صبر کر ٹک کہ ہم بھی جلتے ہیں ایسے ڈوبے کہیں اچھلتے ہیں ہائے رے کس ٹھک سے جلتے ہیں سوتے سے اٹھ کے اٹھ لیتے ہیں سانپ کے سر ہی یہاں کھلتے ہیں اب تو کچھ ہم کو دیکھ لیتے ہیں گرم ٹک ملے تو پگھلتے ہیں</p>	<p>سوزشِ دل سے مفت لگتے ہیں اس طرح دل گیا کہ اب تک ہم بھری آتی ہیں آج یوں آنکھیں دمِ آخر سے بیٹھ جا ست جا تیرے بیخود جو ہیں سو کیا چلتیں فتنہ در سرِ بتانِ حشرِ خرم نظر اٹھتی نہیں کہ جب خواں اس سر زلف کا خیال نہ چھوڑ تجھے جو اغیار سنگ سینے کے شمعِ روموم کے بنے ہیں مگر</p>
<p>میر صاحب کو دیکھئے جو بنے اب بہت گھر سے کم نکلتے ہیں</p>	
<p>جاتا ہے جی چلا ہی مرا اضطراب میں اس دل جلے ہو کر سببِ بولِ عذاب میں ساقی نہ زہر دے تو مجھے تو شراب میں ہیں خونِ خفتہ اُس کے شہیدِ کفرِ خواب میں</p>	<p>آیا کمالِ نقص مرے دل کی تاب میں دوزخِ یا ہی سینہ مرا سوزِ عشق سے مت کر نگاہِ خشمِ یہی موت ہے مری بیدار شورِ حشر کے سب کو کیا دے</p>

دل لیکے رو بھی ٹک نہیں دیتے کہیں گے کیا جا کر درِ طبیب پہ بھی میں گرا ولے عیش و خوشی ہر شیب میں ہو گو پہ وہ کہاں دیں عمرِ خضر موسمِ پیری میں تو نہ لے آنکے تھے جو حضرت مہر اس طرف کہیں حضرت سو تو میں بھی تعلق کروں کہیں	خو بان بہ معاملہ یوم الحساب میں جز آہ اُن نے کچھ نہ کیا میرے باب میں لذت جو ہو جوانی کے رنج و عتاب میں مرا ہی اس سے خوب ہو عہدِ شباب میں میں نے کیا سوال یہ انکی جناب میں فرمائے لاگے روکے یہ اس کے جواب میں
---	---

تو جان لیک تجھ سے بھی اے جو کل تھے یہاں
ہیں آج صرف خاک جہاں خراب میں

بے رو و زلف یار ہو روتے سے کام یہاں آوازہ ہی جہاں میں ہمارا سنا کرو وصفِ دہن سے اس کے نہ آگے قلم چلے غالب یہ ہو کہ موسمِ خط وہاں تڑپ ہو مست کھا فریبِ عمرِ عزیزاں حال کا کوئی ہوا نہ دستِ بسرِ شہرِ حسن میں	دامن ہو منہ پہ ابرِ خطِ صبح و شام یہاں عشق کے طورِ زیست ہو اپنی نام یہاں یعنی کیا ہو خامہ نے خستہ کلام یہاں آنے لگا ہو متصل اس کا پیام یہاں پہناں کے ہیں خاک میں یاروں نام یہاں شاید نہیں ہو رہم جوابِ سلام یہاں
--	---

نا کام رہنے ہی کا تمہیں نعم ہے آج میر
بہتوں کے کام ہو گئے ہیں کل تمام یہاں

نہ گیا خیال زلفِ سیہ جفا شعاراں نہ کہا تھا اے رفوگر بے ٹانگے ہو گڈھیلے ہوئی عیدِ رب نے پہنے طربِ خوشی کے جاکے خطرِ عظیم میں ہیں مری آہ و اشک سے سب کہیں خاک کو کو اس کی تو صبا نہ دجوبش رکھے تاجِ زر کو سر پر چینِ زمانہ میں نکل نہیں تجھ کو چشمِ عبرت یہ نمود میں ہو ورنہ	نہ ہوا کہ صبح ہوئے شبِ تیرہ روز نگاراں نہ سیا گیا نہ آخرِ دل چاک بقیہ رازاں نہ ہوا کہ ہم بھی بدلیں یہ لباسِ سوگواراں کہ جہاں رہ چکا پھر جو یہی ہو بادِ باراں کہ بھرے ہیں اس زمین میں جلے بزرگواراں نہ شگفتہ ہو تو اتنا کہ خزاں ہو یہ بہاراں کہ گئے ہیں خاک میں مل گئی تجھ سے تاجداراں
--	---

لا اے سلم

لے حکماء کے نزدیک غنا صرف ایسی چیز کا نام ہو جس کا وجود نہ ہو کہ وہ ایک جالور ہو ایک غلط خیال مشہور ہو گیا ہے ورنہ حق
لا اے سلم یہ صاف تھا اس میں جب تک جواب صاف تھا اب تو خط آئے لگا شاید کہ خط آئے لگا۔

تو جہاں سے دل اٹھا چھاں نہیں ہم درمنگیا کسی نے بھی یوں نہ پوچھا ہو کر خاک چھان چراں

یہ سنا تھا میر ہم نے کہ فسانہ خواب لائے
تری سرگزشت سن کر گئے اور خواب یاراں

اُس کے کوچے سے جو اٹھ اہل دفعا جاتے ہیں
متصل روئے ہی ہے تو کبھی آتش دل
وقت خوش آکا جو ہمزم ہیں تیرے ہم تو
جائگی طاقت پا آہ تو کرنے کا کیسا
ایک بیمار جدائی ہوں میں ابھی تس پر
غیر کی تیغ زباں سے تری مجلس میں تو ہم
عرض وحشت نہ دیا کرتو بگولے اتنی
تا نظر کام کرے روقبینا جاتے ہیں
ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں
در دیوار کو احوال سنا جاتے ہیں
اب تو ہم حال کبھو تم کو دکھا جاتے ہیں
پوچھنے والے جدا جان کو دکھا جاتے ہیں
اُن کے روز ایک نیا زخم اٹھا جاتے ہیں
اپنی دادی یہ کبھو یار بھی آ جاتے ہیں

میر صاحب بھی ترے کوچے میں شہتہ ہیں کیا
جیسے در کوزہ گری کرنے لگا جاتے ہیں

کبھو قاصد جو وہ پوچھے ہیں کیا کرتے ہیں
عشق آتش بھی ہو دیوے تو نہ دم ہاں ہم
جائے ہی نہ مرض دل تو نہیں اس کا علاج
اُس کے کوچے میں نہ شوق قیامت کا ذکر
بے بسی سے تو تری بزم میں ہم بہرے بنے
رخسنت جنبش لب عشق کی حیرت سے نہیں
تو بری شیشے سے نازک ہو نہ گرد عوی ہر
تجھ سے لگ جا کے یہ یوں جاتے رہیں مجھ سے حیف
فرصت خواب نہیں ذکر بہاں میں ہم کو
مجلس حال میں موزوں حرکت شمع کی دیکھ
یہ زمانہ نہیں ایسا کہ کوئی زلیست کرے
محض ناکارہ بھی مت جان ہیں تو کہ کہیں
جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے ہیں
شمع تصویر میں خاموش جلا کرتے ہیں
اپنے مقدور تلک ہم تو دعا کرتے ہیں
شیخ یہاں ایسے تو ہنگامی ہوا کرتے ہیں
نیک و بد کوئی کہے بیٹھے سنا کرتے ہیں
متریں گزری کہ ہم حُیپ ہی ہا کرتے ہیں
دل میں تپھر کے انھوں کے فوٹا کرتے ہیں
دیدہ دول سے نہ جانا کہ دعا کرتے ہیں
رات دن رام کہانی سنی کہا کرتے ہیں
غیر شرعی بھی دم تھیں مزا کرتے ہیں
چاہتے ہیں جو بُرا اپنا بھلا کرتے ہیں
ایسے ناکام بھی بیکار پھر کرتے ہیں

لہ تیر صاحب بھی اُس کی بزم میں تھے۔ جیسے کوئی فقیر ہوتا ہے۔ عہ اپنی دادی یہ آنا اپنی ضد پرانا۔

کچھ نہیں کرتے تو افسوس کیا کرتے ہیں	تجھ بن اس جانِ مصیبتِ دہِ عمدہ پیہم
کیا کہیں تیر جی اہم تر سے معاش اپنی عرض غم کو کھایا کریں ہیں تو ہو پیا کرتے ہیں	
ہر چند کہ جلتا ہوں پہ سر گرم وفا ہوں روئے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں ہوں غنچہ افسردہ کہ مرد و دھبہ ہوں از بسکہ تری راہ میں آنکھوں سے چلا ہوں ہوں خاکِ مرید راہ کوئی دم میں ہوا ہوں میں سوختہ بھی منتظرِ رو و جسمِ زہا ہوں بارے یہ غنیمت ہو کہ جیتا تو رہا ہوں معلوم نہیں خوب تجھے بھی کہیں کیا ہوں جوں شمعِ سر شام سے تا صبح جہلا ہوں	مستوجبِ مہم و ستم و جور و جفا ہوں آتے ہیں تجھے خوب کے دونوں ہنر عشق اس گلشنِ دنیا میں شگفتہ نہ ہوا میں ہم چشمِ ہو ہر آبلہ پا کا مرا اشک دامن نہ جھٹک با تھتے میرے کہ ستم گر دل خواہ جلا اب تو مجھے ای شیبِ ہجرال گو طاقت و آرامِ خور و خواب گئے سب اتنا ہی تجھے علم ہو کچھ میں بھی ہر چیز تب گرم سخن کہنے لگا ہوں میں کہ اک عمر
سینہ تو کیا فضلِ الٰہی سے سبھی جاگ ہو وقتِ دعا میر کہ ابل کو لگا ہوں	
دے روگ اپنے جی کو نافع بسا ہے ہیں خمیازہ کھینچے ہیں ہر دم جسمِ بسا ہے ہیں جیتے ہیں جب تلک ہم تب تک نہا ہے ہیں جو تجھ کو دیکھتے ہیں مجھ کو سراہتے ہیں	جنسِ گراں کو تجھ سے جو لوگ چاہتے ہیں اس میکدے میں ہم بھی مدت کو ہیں ولیکن ناموسِ دوستی سے گردن بندھی ہو اپنی سہل اس قدر نہیں ہو مشکل پسندی میری
وے دن گئے کہ راتیں ناؤں کے کاٹے تھے میدولِ تیر صاحبِ کچھ کراہتے ہیں	
تو بلہوس نہ کبھو چشم کو سیاہ کریں ہم اپنی اور سے یوں کیا نگاہ کریں سیاہ گردیں زمانے کو ہم جو آہ کریں ہزار سجدے ہر اک گامِ سر بہ راہ کریں نماز چھوڑ دیں اب کوئی اور گناہ کریں	یہ ترک ہو کے خشن کج اگر کلاہ کریں تحصیل بھی چاہئے ہو کچھ تو پاس چاہئے رکھا ہو اپنے قتیں روگ روگ کرورنہ جو اُس کی اور کو جانالے تو ہم بھی ضعیف ہو ائے میکدہ یہ ہو توفیقِ وقت و ظلم

ہمیشہ کون تکلف ہو خوب دلوں کا
اگر اٹھیں گے اسی حال سے تو کہو تو
بڑی بلا ہیں ستم کشہ محبت ہم
گزارناز سے ایدھر بھی گاہ گاہ کریں
جو روزِ حشر تجھی کو نہ عذر خواہ کریں
جو تیغِ بر سے تو سر کو نہ کچھ پناہ کریں

اگر چاہیں ہیں پر دیدنی ہیں ہم بھی تمہیں
ادھر کو یا ر تامل سے گزنگاہ کریں

راضی ہوں گو کہ بعد از صلہ ماہ دیکھوں
جی انتظار کش ہوا آنکھوں میں بند رہ
آنکھیں جو کھل ہی ہیں مرنیکے بعد میری
دل ہ جاہو جس میں دیکھا تھا تجھ کو بستے
دیکھوں تو چاند اب کا گزرتے ہو تجھ کو کیسا
چشمِ ودل و جگر یہ سائے ہو پر لیاں
آنکھیں تو تو نے دی ہیں جو چمکشنِ عالم
منزا ہو یا تار شاہراہ کی ہو زباں پر
دیکھوں ہوں اٹھا اٹھا کر عین کو تو یہ کہو
اکثر نہیں تو تجھ کو میں گاہ گاہ دیکھوں
آجائے کہ کبتک میں تیری راہ دیکھوں
حسرت یہ بھی کہ اُس کو میں اک نگاہ دیکھوں
کن آنکھوں سے اب چڑا اس ٹھوکراہ دیکھوں
دل ہو کہ تیرے منہ پر بے سرو ماہ دیکھوں
کس س کی تیرے غم میں حالتِ تباہ دیکھوں
کیا تیری حسرت آگے اپنے گناہ دیکھوں
قطع اس مجملے کو حل کریں خواہ خواہ دیکھوں
ہوتا ہو قتل کیونکر یہ بے گناہ دیکھوں

ہوں میں نگاہِ بے مل گو اک شرہ تھی نصرت
تا میرے روئے قاتل تا قتل گاہ دیکھوں

مشہور ہیں دلوں کی مرے بقیہ اریاں
چہرہ پہ جیسے زخم ہو ناخن کا ہر خراش
سوار ہم نے گل کی کھوپڑی کے بیج
کشتے کی اُس کے خاک بھری جسم زار پر
ترتیب سے عاشقوں کے نہ اٹھا کبھو غبار
اب بس کس اپنی خواہش مردہ کو روئے
پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان بختوں کو لوگ
کیا جانتے تھے ایسے دن آجائیں گے شتاب
گل نے ہزار رنگ سخن سر کیا دے لے
جاتی ہیں لامکاں کو دلِ شب کی زاریاں
اب دیدنی ہوئی ہیں مری دستکاریاں
بھردی ہیں اب چشم سے انوں کو کیا ریاں
خالی نہیں ہیں لطف سے لوہو کی دھاریاں
جی سے گئے وے نہ گئیں راز داریاں
تھی ہم کو اس سے سیکڑوں استیواریاں
مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں
روتے گزرتیاں ہیں ہیں راتیں ساریاں
دل سے گئیں نہ باتیں تری پیاریاں

جاو گے بھول عمد کو فر باد و قیس کے

گر پہنچیں ہم شکستہ دلوں کی بھی باریاں

بچ جاتا ایک رات جو کٹ جاتی اور میسر
کاٹیں تھیں کوہکن نے بہت راتیں بھاریاں

گر کچھ ہو درد آئینہ یوں چرخِ زشت میں
رہتا ہے سوزِ عشق سے دوزخ میں دوزِ شب
آسودہ کیونکہ ہوں میں کہ مانسہ گرد باد
کب تک خراب سعی طوافِ حرم رہوں
ماتم کے ہوں زمینِ چرخ میں تو کیا عجب
میرست ہم ہیں آنکھوں کے دیکھے سے پار کے

ان صورتوں کو صفت کرے خاکِ فشت میں
لیجائے گا یہ سوختہ دل کیا بہشت میں
آوارگی تمام ہو میری سرشت میں
دل کو اٹھا کے بیٹھ رہوں گا کشت میں
ہوتا ہے نسیل چرخ کی اس بہشت میں
کب یہ نشہ ہے دھڑ رز تجھ بہشت میں

نامے کو چاک کر کے کرے نامہ بر کو قتل
کیا یہ لکھا تھا میسر مری سر نوشت میں

درد و اندوہ میں ٹھہرا جو رہا میں ہی ہوں
بد کہا میں نے رقیبوں کو تو قصصِ ہولی
اپنے کوچے میں فغاں جس کی سنو ہو ہر رات
خار کو جن نے لڑی موتی کی کر دھسلا یا
لطف آنے کا ہے کیا بس نہیں اب تابِ جفا
اس ادا کو ٹٹک اک میر کر انصاف کرو
میں یہ کتنا تھا کہ دل جن نے لیا کون ہے وہ
جب کہا میں نے کہ تو ہی ہے تو پھر کہنے لگا
سننے ہی ہنس کے ٹٹک اک سوچو کیا تو ہی تھا
میسر آوارہ عالم جو سنا ہے تو نے

رنگِ روجس کے کبھی منہ نہ چڑھا میں ہی ہوں
کیوں ہے جھٹو بھی بھلا سب میں بُرائی ہی ہوں
وہ جگر سوختہ وسیعہ جبلا میں ہی ہوں
اس بیابان میں وہ آبلہ پائیں ہی ہوں
اتنا عالم ہے بھرا جاؤ نہ کیا میں ہی ہوں
وہ بُرا ہے گا بھلا دوستو یا میں ہی ہوں
یک بیک بول اٹھا اس طرف آ میں ہی ہوں
کیا کرے گا تو مرا دیکھوں تو جا میں ہی ہوں
جن نے شب و کے سب احوال کہا میں ہی ہوں
خاک آلودہ وہ اسے باو صبا میں ہی ہوں

کاسرہ کو لئے مانگتا دیدار بھلا
میسر وہ جان سے بیزار گدا میں آ گیا ہے

نکلے ہے جس حسن کسی کا روان میں
جاتا ہے اک ہجومِ غمِ عشق جی کے ساتھ

یہ وہ نہیں متاع کہ ہو ہر دکان میں
ہنگامہ لے چلے ہیں ہم اُس بھی جان میں

یار ب کوئی تو واسطہ سرگشتگی کا ہی
ہم اُس سے آہ سوزِ دل اپنا نہ کہہ سکے
غم کھینچنے کو کچھ تو توانائی چاہئے
غافل نہ رہیو ہم سے کہ ہم نے نہیں ہے
وہ دن گئے کہ آتشِ غم دل میں تھی نہال
دل نذرِ دیدہ پیشکشِ ای باعثِ حیات
کھینچا نہ کر تو تیغ کہ اکُن نہیں ہیں ہم

اک عشق بھر رہا ہے تمام آسمان میں
تھے آتشِ دروں سے پھوڑ زبان میں
سو بھیاں دل میں تائے طاقتِ حُجّان میں
ہوتا ہوا بتو حالِ عجب ایک آن میں
سوزش ہے ہوا ب تو ہر اکِ استخوان میں
سچ کہہ کہ جی لگے ہو ترا کس مکان میں
ظالم قبا حتمیں ہیں بہت امتحان میں

بھٹا ہزار جا سے گریبانِ صبرِ میر
کیا کہہ گئی نسیمِ سحرِ گل کے کان میں

زباں رکھ غنچہ سا اپنے دہن میں
نہ کھول اے یار میرا گور میں منہ
رکھا کہ ہاتھ دل پر آہ کرتے
جلے دل کی مصیبتِ اپنی سُن کر
نہ تجھ بن ہوش میں ہم آئے ساقی
خرد مندی ہوئی زنجیرِ ورنہ
کمال کے شمع و پر دلنے گئے مر
کمال عاجز سخن قادر سخن ہوں

بندھی مٹھی چلا جا اس چمن میں
کہ حسرت ہو مری جاگہ کفن میں
نہیں رہتا چراغِ ایسی پون میں
لگی ہے آگ سائے تن بدن میں
مسافر ہی رہے اکشرِ وطن میں
گزرتی خوب تھی دیوانہ پن میں
بہت آتش بجاں تھے اس چمن میں
بہیں ہو شبہ یاروں کے سخن میں

گداڑِ عشق میں یہ بھی گیا میر
یہی دھوکا سا ہوا ب پیرن میں

جن کیلئے اپنے تو یوں جان نکلتے ہیں
کیا تیر ستم اُس کے سینے میں بھی ٹوٹے تھے
ست سہل ہیں جالو پھرتا ہو فلکِ سول
کس کا ہو قماش ایسا گود بھرے ہیں سائے
کہ لو ہو ٹپکتا ہو کہ لختِ دل آنکھوں سے
کرے تو گلہ کس سے جیسی تھی ہمیں خواہش

اس راہ میں دے جیسے انجان نکلتے ہیں
جس زخم کو چیروں ہوں سپکان نکلتے ہیں
تب خاک کے پر دے سو انسان نکلتے ہیں
دیکھو نہ جو لوگوں کے دیوان نکلتے ہیں
یا ٹکڑے جگر ہی کے ہر آن نکلتے ہیں
اب دیسے ہی یہ اپنے ارمان نکلتے ہیں

<p>جاگے سے بھی جاتے ہو منہ سے بھی سخن ہو کر قطعہ سو کا ہو کو اپنی توجہ کی سی پھیری ہو</p>	<p>دو حرف نہیں ہیں جو شایان نہ کھلتے ہیں برسوں میں کھجوا یدھر ہم آن نہ کھلتے ہیں</p>
<p>ان آئینہ رویوں کے کیا میر بھی عاشق ہیں جب گھسے نہ کھلتے ہیں حیران نہ کھلتے ہیں</p>	<p>تو گلی میں اُس کی جا آوے احو صبا نہ چنناں ترے تیر ناز و جو یہ ہدف ہوئے ہیں ظالم</p>
<p>کہ گڑے ہوئے پھر اکھڑیں دل چاک درمنداں مگر آہنی توے ہیں جسگر نیاز منداں یہی ہیں شکا پر خستہ یہی غم سب کینداں نہیں دیکھ برق تو نے دم خندہ اُس کو دنداں وے مفت اس آئینہ کو نہیں لیتے خود پسنداں کے کہتے ہیں نہ جانا دل شاد ورنے خنداں</p>	<p>کبھو زلف سے بتاں کی نہ ہوا رہا میں ہرگز تبھی کو نہ کوندا تا تو زمیں سے جائے مل مل ہیں صفا کیا دل اتنا کہ دکھائی دیوے منہ بھی کھلیں آنکھیں میں جو دیکھا سو غم اور شہم گریاں</p>
<p>تو زبول شکار تو تھا وے میر تنگدہ میں ترے خوش ہیں خانی کف پائے صید بنداں</p>	<p>کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہیں نہیں گرتا ہو ابر و دعوی دریا دلی عبث</p>
<p>اس غم کہہ میں آہ دل خوش کہیں نہیں دامن نہیں مرا تو تری آستین نہیں ہر چند اے مسیح وے باتیں رہیں نہیں کہتا ہوں جس طرح سے کہے ہو نہیں نہیں ماند ماہ نو کے مرے اب جبیں نہیں بھڑکا نہ ہم کو شیخ یہ آتش یہیں نہیں</p>	<p>آگے تو لعل نو خط خواہاں کے دم نہ مار یہ درد اُس کے کیونکہ کروں دل نشیں کہ آؤ ہاتھ کیا ہو صرف سجود در بستاں گھر گھر ہو ملک عشق میں وزخ کی تاب تپ</p>
<p>فکر بلند سے میں کیا آسماں اسے ہر اک سے میر خوب ہو یہ وہ نہیں نہیں</p>	<p>وعدے کو یار آگے معیوب کر چکے ہیں مرنے سے تم ہمارے خاطر نچت رکھو</p>
<p>اس ریتے کو در نہ ہم خوب کر چکے ہیں اس کام کا بھی ہم کچھ املوب کر چکے ہیں اس کام کو ہم آخر محبوب کر چکے ہیں ہم اس طرح کتنے آشوب کر چکے ہیں کس کس کے ہم حوالے مکتوب کر چکے ہیں</p>	<p>حسن کلام کھینچے کیونکہ نہ دامن دل ہنگامہ قیامت تازہ نہیں جو ہو گا زنگ پریدہ قاصد باد و سحر کہو تر</p>

تنگا نہیں رہا ہے کیا اب تیار کر لے آگے ہی ہم تو گھر کو جا رہے کر چکے ہیں

کیا جانے کہ کیا ہو اس کی
سوار ہم تو اس کو محبوب کر چکے ہیں

جو صبر ہی نہیں اسے ایمان ہی نہیں
وہ ترک صید پیشہ مرا قصد کیا کرے
خال و خطا ایسے فتنے نگاہیں یہ آفتیں
ہیں جزو خاک ہم تو غبارِ ضعیف سے
دیجھی ہو جس نے صورت و لکش وہ ایک آن
خورشید و ماہ و گل سمجھی اودھرتے ہیں دیکھ
یکساں ہو تیرے آگے جو دل اور آرسی
سجدہ اس آستان کا جس کو ہوا نصیب

ہو گر شریف مکہ مسلمان ہی نہیں
بلے پنے سوتن میں سر جان ہی نہیں
کچھ اک بلا وہ زلف پر لیٹان ہی نہیں
سر کھینچے کا ہم کئے سامان ہی نہیں
پھر صبر اس سے ہو سکے امکان ہی نہیں
س چہرہ کا آئینہ حیران ہی نہیں
کیا خوب زشت کی بچو پہچان ہی نہیں
وہ اپنے اعتقاد میں انسان ہی نہیں

کیا تھک بھی جنوں تھا کہ جاتے میں تیرے پیر
سب کچھ بچا ہو ایک گریبان ہی نہیں

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں
عجز و نیاز اپنا اپنی طرف ہے سارا
صورت پذیر ہم بن ہرگز نہیں وہی منور
عشق اُن کی عقل کو ہو جو اسوا ہا ہے
بنی ہی سیر کرنے ہم جلوہ گر ہو کر تھر
یار بکسے ہو ناقد ہر غنیہ اس چمن کا
یہ ظلم بے نہایت دشوار تر کہ خواب
کیا جانے داب صحبت از خویش و تنگناں کا

اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں
اس مشقت خاک کو ہم سجدہ جانتے ہیں
اہل نظر ہمیں کو معبود جانتے ہیں
ما چیز جانتے ہیں نابود جانتے ہیں
اس رمز کو ولیکن معدود جانتے ہیں
راہ وفا کو ہم تو مسدود جانتے ہیں
بد و ضعیبوں کو اپنی محمود جانتے ہیں
مجلس میں شیخ صاحب کو دہنتے ہیں

مگر کبھی ہاتھ آدے تو میر مفت ہو وہ
جی کے زریان کو بھی ہم سود جانتے ہیں

تلوار غرق غم ہی آنکھیں گلابیاں ہیں
جب لے نقاب تھ پر تب دید کر کہ کیا کیا

دیکھیں تو تیری کب تک یہ بدشرابیاں ہیں
درپردہ شوخیاں ہیں پھر بے محابیاں ہیں

چاہے آج ہوں میں ہفت آسمان کے اوپر
جی بھرے دل ہے آج سر بھی گرا پڑے آج
دل کے مزاج میں بھی کتنی فتابیاں ہیں
خانہ خراب تجھ بن کیا کیا خرابیاں ہیں

نہاں میری مت ہو خوان فلک پہ ہرگز
خالی یہ ہر وہ کی دونوں رکابیاں ہیں

سُن گوشتِ دل سے اب تو سمجھ بیخبر کہیں
اب فائدہ مُرغ سے بلبیل کے باغیاں
عاشق ترے ہوئے تو ستم کچھ نہ ہو گیا
کچھ کچھ کہوں گا روز یہ کتنا تھا دل میں
سوکھ لاجھے وہ بیاباں کی سمت کو
لگ چل کے میں بزرگ صبا یہ اُسے کہا
آشفۃ جا بجا جو پھرے آج تو دشت میں
خول بستہ اپنی کھول خرہ پوچھتا بھی گر
آسودگی سی جنس کو کرتا ہی کون وقت
موتی سے تیرے اشک ہیں غلطانِ سو طوفان
منا کے یہ دشت گردی و کبتاک یہ خستگی
کہنے لگا وہ ہو کے پر آشفۃ یک بیک
آوار گونگانگ آج سُننا نصیحتیں
نعمتیں جا کو بھول گیا ہوں یہ یہ یاد
بیٹھے اگرچہ نقشِ ترا تو بھی دل اٹھا

مذکور ہو چکا ہے مراحل ہر کہیں
اطرافِ باغ ہونگے پڑی مشقت ہر کہیں
بمزا پڑا ہی ہم کو خدا سے تو ڈر کہیں
شفقتِ طبع میرے کو پایا اگر کہیں
جاتا تھا اضطرابِ دہ سا آدھ کہیں
ای خانماں خراب تر بھی آج گھر کہیں
جاگہ نہیں آج شہر میں تجھ کو گر کہیں
رکھ ٹک تو اپنے حال کو مدِ نظر کہیں
جائے آج نفع کوئی بھی جی کا ضرر کہیں
یا قوت کے سے ٹکڑے ہیں نختِ جگر کہیں
اس زندگی سے کچھ تجھے حاصل بھی نہ کہیں
سکُن کرے آج دہر میں مجھ سا بشر کہیں
مت کہیو ایسی بات تو بارِ دگر کہیں
کتنا تھا ایک روز یہ اہلِ نظر کہیں
کرتا آج جائے باش کوئی رہ گزر کہیں

کتنے ہی آئے لیے سر پر خیال پر
ایسے گئے کہ کچھ نہیں اُن کا اثر کہیں

اب کچھ ہمارے حال پہ تم کو نظر نہیں
یعنی تمھاری ہم سے دی آنکھیں نہیں رہیں

اس بزم کے چرانِ مجھے تھے جو یارِ میر
اُن کے فروغِ باغ میں گل ہیں کہیں کہیں

ہر دم جگر دں میں کچھ کانٹے سے کھٹکتے ہیں
پلوں سے ترے شائقِ ام سر جو پٹکتے ہیں

وہ ہاتھ سے دامن کو اب تک بھی چھٹکتے ہیں
آنسو مرے پلکوں سے تار کے چھٹکتے ہیں
یہاں حضرت خضرؑ اچھی مدت سے چھٹکتے ہیں
وہاں میان سے وہ لے کر یہاں یا رٹکتے ہیں
دشوار ہی ہوتا ہے دل جن کے اٹکتے ہیں

میں بھاڑ گریباں کو درویش ہوا آخر
یاد آوے جو جب شب کو وہ چہرہ ہتابی
کی راہبری میری صحرائے محبت میں
جلتے نہ کوئی دیکھا اُس تیغ کے منہ اوپر
کیا تم کو اچھنچھا ہے سختی کا محبت میں

تو طرہ جاناں سے چاہے ہو ابھی مقصد
برسوں سے پڑے ہم تو اسی مہر لٹکتے ہیں

پیر ایک جیکہ سازی ہو اُس دستگاہ میں
نگار و نسا تمام کیا ایک آہ میں
اک قطرہ خون بھی نہ گرا صید گاہ میں
القصد ایک عمر سے ہم ہیں گے راہ میں
بہتوں کے خستے چاک ہو کر خانقاہ میں
سکر کی جا ہوئے تری چشم سیاہ میں

سب خوبیاں ہیں شیخ مشیخت بنا ہیں
نامد شمع ہم نے حضور اپنے یار کے
میں صید جو ہوا تو ندامت لے ہوئی
پہنچے نہیں کہیں کہ نہیں وہاں اٹھ چلے
نکلا تھا آستین سے کل منیجے کا ہاتھ
بخت سید تو دیکھو کہ ہم خاک میں لے

پہنچے تھے مہر یار کے دیدار کو سو ہم
اپنا یہ حال گر کے اٹھ کے اک نگاہ میں

کہا کہ ایسے تو میں مفت مار لایا ہوں
کہ سے پانوں تلک دل ہی بار لایا ہوں
پہ نوح کے سے تو طوفان نہر لایا ہوں
دل اُس سے دم کیلے مستعار لایا ہوں
کہ دل کو تجھ تئیں بے اختیار لایا ہوں
ترے گلے کے لئے میں یہ بار لایا ہوں

کیا جو عرض کہ دل سا شکار لایا ہوں
کہے تو نخل صنوبر ہوں اس جہن میں ہیں
جہاں میں گریہ نہ پہنچا بہم مجھے دلخواہ
نہ تنگ کر اسے اسی فکر و درگاہ کہ میں
پھر اختیار ہو آگے ترا یہ ہے مجبور
یہ جی جو میرے گلے کا ہے بار تو ہی لے

چلا نہ اٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو مہر
ابھی تو اُس کی گلی سے بکار لایا ہوں

بھلا ہوا کہ تری سب بُرائیاں دیکھیں
ہزاروں آتی ہوئی چار پائیاں دیکھیں

جفا میں دیکھ لیاں ہو فائیاں دیکھیں
تری گلی سے سدا سے کشندہ عالم

گیا نظر سے جو وہ گرم طفل آتش باز
ترے وصال کے ہم شوق میں ہو آوارہ
ہمیشہ مائل آئینہ ہی تجھے یا یا
شہاں کہ محل جو اہر تھی خاک یا جنگلی

ہم اپنے چہرے پہ اڑتی ہوائیاں دیکھیں
عزیز دوست سبھوں کی جدائیاں دیکھیں
جو دیکھیں ہم نے یہی خودنائیاں دیکھیں
انھیں کی آنکھوں میں پھرتی لائیاں دیکھیں

بنی نہ اپنی تو اُس جنگجو سے ہرگز میر
لڑائیں جسے ہم آنکھیں لڑائیاں دیکھیں

خوش قداں جب سوار ہوتے ہیں
تیرے بالوں کے وصف میں میر
آؤ یاد بتاں پہ بھول نہ جاؤ
دیکھ لیویں گے غیر کو تجھ پاس
صدقے ہو لیویں ایک دم تیرے
ہفت اقلیم ہر گلی ہو لہیں
رفتہ رفتہ یہ طفل خوش ظاہر

سرو قمری شکار ہوتے ہیں
شعر سب پیچدار ہوتے ہیں
یہ نعت اقل شعرا ہوتے ہیں
صحبتوں میں بھی اُپار ہوتے ہیں
پھر تو تجھ پر نثار ہوتے ہیں
دلی سے بھی دیار ہوتے ہیں
فتنہ روزگار ہوتے ہیں

اُس کے نزدیک کچھ نہیں بولت
میر جی یوں ہی خوار ہوتے ہیں

وے جو حسن و جمال رکھتے ہیں
شب جو وہ مہ کھو ہو ہر بھیاں
ان لبوں کا جواب نہ ہو لعل
گل ترے روزگار خوبی میں
دہن تنگ کے ترے مشتاق
خاک آدم ہی ہو تمام زمین
یہ جو سر پھینچتے قیامت ہو
اہل دل چشم سب تری جانب

سارے تیرا خیال رکھتے ہیں
مدتوں یا رسال رکھتے ہیں
ہم تجھی سے سوال رکھتے ہیں
منہ طمانچوں سے لال رکھتے ہیں
آرزوے محال رکھتے ہیں
پانوں کو ہم سنبھال رکھتے ہیں
دل کو ہم پائمال رکھتے ہیں
آئینہ کی مثال رکھتے ہیں

کفتگو ناقصوں سے ہو ورنہ
میر جی بھی کمال رکھتے ہیں

اس میں حیراں ہوں بہت کس کس کا میں ماتم کروں
اتنے بھی آنسو بہم پہنچیں کہ ترگاں غم کروں
شیخ اگر کہے سے آوے گفت گودہم کروں
جو میں اپنے ایسے زخمِ سینہ کو مرہم کروں
یا ادھر ہوں یا ادھر اکب تک شمار دم کروں
وہ طرح ڈھونڈوں ہوں جس میں بٹ پتھ سے کم کروں

صبر و طاقت کو کڑھوں یا خوش دلی کا غم کروں
موسمِ حیرت ہو دل بھبر کر تو رونا مل چکا
ہوں یہ مست سہر زلفِ صنم مغذور رکھ
ریزہ الماس یا مشیتِ نمک ہے کیا بُرا
گرچہ کس گنتی میں ہوں پر ایک دم مجھ تک تو آ
بس بہت رسوا ہوا میں اب نہیں مفتِ زکچہ

گو دھواں اٹھنے لگا دل سے مرے پر بیجِ وقاب
میتِ اس برقعِ ربطِ زلفِ خمِ درخ کروں

رگِ ابرتھا تار تار گریباں
کہ سینہ ہر قریب جوار گریباں
خزاں ہو چلی ہے بہار گریباں
نہ رکھا مری سر پہ بار گریباں
کہاں ہو گا یارب مزار گریباں
کہ آخر ہوا روزگار گریباں

کیا میں نے رو کر نشانِ گریباں
کہیں دستِ جالاکِ ناخنِ لاسے
نشانِ اشکِ غنیمت کو اڑتے چلے ہیں
جنوں تیری منت ہو مجھ پر کہ تو نے
زیارت کروں دلِ سخیستہ جگر کی
کہیں جائے یہ دردِ دامن بھی جلدی

پھروں مسیرِ عریانِ دامن کا غم ہو
نہ باقی رہے خارِ خار گریباں

طالعوں نے صبح کر دکھائیاں
رہ گئے آنسو تو آنکھیں آئیاں
جوں ہماری ہوتی ہیں پھجائیاں
عاشقوں میں بر چھیاں چلو آئیاں
ڈالیاں ٹوٹی ہوئیں مر جھائیاں
آنکھیں تاروں نے بہت جمع کائیاں
دل میں شکلیں سیکڑوں ٹھہرائیاں

بارہا وعدوں کی راتیں آئیاں
عشق میں ایذا میں رہے پائیاں
ظلِ حق ہم کو بھی وہ ہی چاہئے
اُس مرزہ بر تم زدہ نے بارہا
نو نہال آگے ترے ہیں جیسے ہوں
ایک بھی چٹنٹ اُس مہ کی سی کی
ایک نے صورت نہ پکڑی پیش یار

۱۔ مرزا غالب دہلوی سے فرغت کس قدر ہوتی مجھے تشویشِ مرہ سے ؟ ہم گر صلیح کرتے پارہائے دل نکلاں پر
۲۔ صیف ہائے جمعِ مونث کو فی زمانہ اس طرح استعمال کرنا متروک ہے۔

	<p>ہر جگہ ہر بار ماریں کھائیاں اُن نے باتیں ہی ہیں تھائیاں ماہ کے چہرہ پہ ہیں سب جھائیاں دل سے آخر خفتیں دلوائیاں ناز تان کے چسند بے پروائیاں گل کی شاخیں لپی ہیں لٹکائیاں</p>	<p>روہت اپنی اس گلی میں کم نہیں بوسہ لینے کا کیا جس دم سوال روکشی کو اُس کے منہ بھی چاہی مضطرب ہو کر کیا سب میں سبک چل چین میں یہ بھی ہو کوئی روش شوق قامت میں تری ای لو نہال</p>	
	<p>پاس مجھ کو بھی نہیں ہو میسر دور پہنچی ہیں مری رسوائیاں</p>		
	<p>اب ہم نے بھی کسو سے آنکھیں لڑائیاں ہیں دو چار دل کی باتیں اب منہ پر آئیاں ہیں ابرو کی جنبش ادھر تلواریں کھائیاں ہیں راز نہان حق میں کیا خود نہائیاں ہیں</p>	<p>دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں ملک سن کہ سو برس کی ناموس خامشی کھو ہم دے ہیں خوں گرفتہ ظالم جنہوں نے تیری آئینہ ہونے صورت معنی سے ہو لبالب</p>	
	<p>کیسے میں میسر ہم پر یا سرگراں ہو نہاں یا بتکدے میں ہم نے دھولیں لگائیاں ہیں</p>		
	<p>اک لگ کر دل میں ہی جو شعلہ فشاں ہوں میں ورنہ وہی خلوتی راز نہاں ہوں صد رنگ مری موج میں طبع رواں ہوں میں شانہ صفت سایہ و رقت بتاں ہوں میں باعث آشفنگی طبع جہاں ہوا میں صد سخن آغشتہ بخول زبیر زباں ہوں اس باغ خزان دیدہ میں میں ہی ہر خزان ہوں در پہ نہو۔ اس وقت خدا جانے کہاں ہوں اس پر بھی تری خاطر نازک پہ گراں ہوں</p>	<p>میں کون ہوں ای ہنفساں سوختہ جان ہوں لایا ہے مرا شوق مجھے پرے سے باہر جلوہ ہے تجھی سے لب دریائے سخن پر پنجرہ ہو مرا پنجرہ خورشید میں ہر صبح دیکھا ہے مجھے جن نے سودیوانہ ہو میرا تکلیف نہ کر آہ مجھے جنبش لب کی ہوں زرد و غم تازہ نہالان چین سے رکھتی ہے مجھے خواہش دل بلکہ پریشاں اک دہم نہیں بیش مری ہستی موہوم</p>	
	<p>خوشباشی و تنزیہ و تقدس تجھی مجھے میسر اسباب پڑے یوں کہ کئی روز سے یہاں ہیں</p>		

<p>نہ لہو چھو جو کچھ رنگ ہم دیکھتے ہیں ہمیں آکے آس کے قدم دیکھتے ہیں ان آنکھوں کیا کیا ستم دیکھتے ہیں ابھی اور بھی کوئی دم دیکھتے ہیں گے کاغذ و گے قلم دیکھتے ہیں اب اس طور کے لوگ کم دیکھتے ہیں</p>	<p>اب آنکھوں میں خوں مبدم دیکھتے ہیں جو بے اختیاری ہی ہو تو قاصد گے داغ رہتا ہو دل گے جگر خوں اگر جان آنکھوں میں اس بن ہو تو ہم لکھیں حال کیا اس کو حیرت ہم تو وفا پیشگی قیس تک تھی بھی کچھ</p>
<p>کہا تک بھلا رو گے میرے صاحب اب آنکھوں کے گرد اک دم دیکھتے ہیں</p>	
<p>وہ کوئی اور ہیں جو اعتبار پاتے ہیں ہنوز وہاں تو دل داغدار پاتے ہیں کہ جی کو کھو کے دل بیقرار پاتے ہیں میسر و خضر بھی ہاں کم ہی بار پاتے ہیں قطع غزالِ مشت نشان مزار پاتے ہیں کسی کا بھی کہیں مشت غبار پاتے ہیں</p>	<p>بہت ہی اپنے تئیں ہم تو خوار پاتے ہیں تری گلی میں میں رویا تھا دل جلائی شب نہو وین شیفہ کیوں اضطراب پر عاشق گلہ عبث ہو تری آستانہ بوسی کا تڑپ ہو قیس کے دل میں تیراں سے دگر نہ خاک ہوئے کتنے ہی محبت میں</p>
<p>شتالی آوے اجل میرے جاوے یہ رونا کہ میرے شور سے تصدیق یار پاتے ہیں</p>	
<p>محتسب کو کباب کرتا ہوں بچھ کو کیسا خراب کرتا ہوں قشنگی پر عتاب کرتا ہوں اب تئیں آب آب کرتا ہوں</p>	<p>عام حکم شراب کرتا ہوں ملک تو کہہ اسے بنا کر ہستی تو کوئی بھگتی ہو یہ بھڑک میں عبث سرتلاک آب تیغ میں ہوں غرق</p>
<p>جی میں پھرتا ہو میرے میرے جاگتا ہوں کہ خواب کرتا ہوں</p>	
<p>گو رقیباں کچھ اور گاتے ہیں آج لوہو میں ہم نہاتے ہیں ہم بھی اب کوئی دم میں آتے ہیں</p>	<p>ہم تو مطرب پس کے جاتے ہیں خاک میں لوٹے تھے کل تجھ بن اے عدم ہونے والو تم تو چلو</p>

ایک کہتا ہوں میں تو منہ پر قیوب	تیری بشتی سے سوسنا تے ہیں
بیدہ و دل شتاب گم ہوں میسر	سر پہ آفت ہمیشہ لاتے ہیں
آتا ہر دل میں حال بد اپنا بھلا کہوں پروانہ پھر نہ شمع کی خاطر جلا کرے مت کر خرام سر پہ اٹھالے کا خلق کو دل اور دیدہ باعث ایذا و نور عین آوے سموم جائے صبا باغ سے سدا	پھر آجھی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں گر بزم میں یہ اپنا ترا ماجرا کہوں بیٹھا اگر گلی میں ترا نقش پا کہوں کس کے تئیں جبرا کہوں کس کو بھلا کہوں گر شمع اپنے سوز جگر کا میں جا کہوں
جاتا ہوں میسر دشت جنوں کو میں اب یہ کہہ	مجنوں کہیں لے تو تری بھی دعا کہوں
مرے آگے نہ شاعر نام پا دیں پری سمجھے تھے وہم و گماں سے مزاج اپنا عیور از لبس پڑا ہو پھرے ہو شیخ مجلس ہی میں قصاں نظر اے ابر اب مت آ مبادا قدم بوسی تلک مختار ہیں عیسر نہ آیا وہ تو کیا ہم نیم جاں بھی چلے ہو تو تو اے جان الم ناک	قیامت کو مگر عرصے میں آویں کہا تک اور ہم ابدل چلاویں ترے غم میں کسے خاطر میں لاویں ادھر آنکھ لے تو ہم بھی نچاویں کہیں میری بھی آنکھیں ڈبڈباویں زیادہ لگ چلیں تو سر میں کھاویں نظم بغیر اُس کے لے دنیا سے جاویں ناک اک ہ جا کہ ہم بخصت ہو آویں
چلا مقدور سے غم میت آگے	نہیں پھٹ جائے یارب ہم ساویں
مثال سایہ محبت میں جال اپنا ہوں سر شبک سرخ کو جاتا ہوں جو پئے ہر دم اگرچہ نشہ ہوں سب میں غم جہاں میں لکھا مری نمود نے مجھ کو کیا برابر خاک ہوئی ہو زندگی دشوار مشکل آساں کر	تمہارے ساتھ گرفتار حال اپنا ہوں لہو کا پیا سا علی الا تعال اپنا ہوں برنگ و عسرقی انفعال اپنا ہوں میں نقش پا کی طرح پاں مال اپنا ہوں پھر دس چلوں تو ہوں میں وبال اپنا ہوں

ترا ہے وہم کہ یہ ناتواں ہو جائے میں
وکر نہ میں نہیں اب اک خیال اپنا ہوں

ہلا ہوئی ہو مری گو کہ طبع روشن میسر
ہوں آفتاب ولیکن زوال اپنا ہوں

کھودیں ہیں نیند میری مصیبتِ بیاہیاں
کیا آگ دیکھنے طور کو کی ترکِ سرکشی
صحبت رکھا کیا وہ سفید و ضلال سے
ہم سے تو کیلئے ہی کی ادائیں چلی گئیں
تلوار کے تلے ہی گیا عہدِ انبساط
گالی سوائے مجمع سے سخنِ مت کیا کرو
غیروں ہی کے سخن کی طرف گوشِ یار تھی
یہ بیقراریاں نہ کبھو اُن نے دیکھیاں

تم بھی تو ایک رات سو یہ کہانیاں
اُس شعلہ کی دہی میں شرارت کی بانیاں
دل ہی میں غول ہوا میں مری کہانیاں
بے لطفیاں یہی یہی نامہ سہ بانیاں
مر مر کے ہم نے کاٹی ہیں اپنی جوانیاں
اچھی لگی ہیں مجھ کو تری بد زبانیاں
اس حرفِ ناشنوائے ہماری نہ مانیاں
جاں کاہیاں ہماری بہت سہل جانیاں

مارا مجھے بھی سان کے غیروں میں ان ذمیر
کیا خاک میں ملائیں مری جاں فشانیاں

تا بھوکے نہ خرقة طامات کے تئیں
کیفایتیں اٹھی ہیں یہ کب خالقہ میں
ڈوب خرامِ ناز سے خواباں کے ہمنشین
ہم جانتے ہیں یا کہ دل آشنا زدہ
خوبی کو اُس کی ساعدِ سیہیں کی دیکھ کر
اتنی بھی حرفِ ناشنوائی غیر کے لئے
سید ہو یا چار ہو اس جاوفا ہے شرط
آخر کے یہ سلوک ہم اب تیرے دیکھ کر

حسن قبول کیا ہو مناجات کے تئیں
بدنام کر رکھا ہے خرابات کے تئیں
ٹھوکر سے یہ اٹھاتے ہیں آفات کے تئیں
کتنے سو کس سے عشق کے حالات کے تئیں
صورت گردوں نے کھینچ رکھا ہات کے تئیں
رکھ کان ٹک سنا بھی کر و بات کے تئیں
کب عاشقی میں پوچھتے ہیں ذات کے تئیں
کرتے ہیں یاد پہلی ملاقات کے تئیں

انکھوں نے تمہیں صاحبِ وقبلہ ورم کیسا
حضرت بکا کیا نہ کرو رات کے تئیں

سہ جامی سے بندہ عشقِ شہی ترکِ نسب کن جامی
ہندی شاعر کہتا ہے۔ غزات بات پوچھے نہ کوئے
کہ دریں راہِ ظلال ابنِ ظلال چیزے نیست
ہر کو بچھے سو ہر کا ہوئے۔

نہ اک یعقوب رویا اس الم میں کوں کب تک دم آنکھوں میں ہو میرے	کنواں اندھا ہوا یوسف کے غم میں نظر آوے ہی گا اب کوئی دم میں
دیا عاشق نے جی تو عیب کیا ہے یہی مہر اک ہنر ہوتا ہے ہم میں	
چاہتے ہیں یہ بتاں ہم پہ کہ بیدار کریں ایک دم پر ہو بنا تیری سو آیا کہ نہیں	کس کے ہوں کس سے کہیں کس کے فریاد کریں وہ کچھ اس زندگی میں کر کہ تجھے یاد کریں
کعبہ ہوتا ہے دو انوں کا مری گور سے دشت ہم تو راہب نہیں ہیں واقعہ رسم سجدہ	مجھ سے دوا درگزیں بھال تو سب آباد کریں ہیں کہ ہر شیخ حرم کچھ ہیں ارشاد کریں
ریختہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کریں چاہتے اہل سخن مہر کو استاد کریں	
ہجر اس کی کوفت کھینچے بیم سے ہو چلا ہیں جوئیں رہیں گی جاری گلشن میں ایک نیت	سر مار مار یعنی اب ہم بھی سو چلے ہیں سایہ میں ہر شجر کے ہم زور ہو چلے ہیں
بریز اشک آنکھیں ہر بات میں رہا کہیں پچھتاوے نہ کیونکر جی اس طرح ہو دیگر	رور کے کام اپنے سب ہم ڈلو چلے ہیں یہ گوہر گرامی ہم مفت کھو چلے ہیں
جسے درد دل کا کہنا میں دل میں ٹھانتا ہوں شاید نکل بھی آوے دل گم جو ہو گیا ہے	کتنا ہے بن سنے ہی میں خوب جانتا ہوں اُس کی گلی میں بیٹھائیں خاک چھانتا ہوں
اسے لگے ہو دیر دیر دیکھئے کیا ہو کیا نہیں لوئے گل اور رنگ گل دونوں میں دلکش نسیم	تم تو کرد ہو صاحبی بندہ دیکھ رہا نہیں لیک بقدر یک نگاہ دیکھئے تو وفا نہیں
شکوہ کردل ہوں بخت کا اتنی غصہ نہ ہوتا لے مرزا غالب دہلوی سے زب کرشمہ کیوں دے رکھا ہے ہم کو فریب	اس سو سر کا لٹکا سکر لگا ہو میرے سو سر کا ہوئے صندل میں میرا نسا ہوں
لے مرزا غالب دہلوی سے زب کرشمہ کیوں دے رکھا ہے ہم کو فریب لے مرزا غالب دہلوی سے زب کرشمہ کیوں دے رکھا ہے ہم کو فریب	لے مرزا غالب دہلوی سے زب کرشمہ کیوں دے رکھا ہے ہم کو فریب لے مرزا غالب دہلوی سے زب کرشمہ کیوں دے رکھا ہے ہم کو فریب

نالے کیا نہ کر سنا فوسے مرے پہ عندلیب چشم سفید و اشک سرخ آہ دل خیزیں ہو بھیاں ایک فقط جو سادگی تسبیہ بلائے جاں ہو تو آج ہوائے ملک عشق تجربہ کی ہو میں بہت ہوئے زمانہ کچھ سے کچھ چھوٹے ہو دل لگا مرا	بات میں بات عجیب ہو میں نے تجھے کہا نہیں شیشہ نہیں ہو جو نہیں ابر نہیں ہوا نہیں عشوہ کرشمہ کچھ نہیں آن نہیں ادا نہیں کر کے دوائے درد دل کوئی بھی پھر حبیب نہیں شورخ کسی ہی آن میں تجھ سے تو میں جدا نہیں
---	--

ناز بتاں اٹھا چکا دیر کو میسر ترک کر
کچھ میں جا کے رہ میاں تیرے مگر خدا نہیں

خو بر و سب کی جان ہوتے ہیں گوش دیوار تک تو جانا لے کبھو آتے ہیں آپ میں تجھ بن دشت کے پھولے مقبروں پہ نہ جا غمرہ چشم خوش و ستان زمیں کیا رہا ہے مشاعر میں اب	آرزوئے جہاں ہوتے ہیں اس میں گل کو بھی کان ہوتے ہیں گھر میں ہم میسمان ہوتے ہیں روضے سب گلستان ہوتے ہیں فتنہ کسمان ہوتے ہیں لوگ کچھ جمع آن ہوتے ہیں
--	--

میر و مرزا رفیع و خواجہ میر تقی
کتنے یہ اک جوان ہوتے ہیں

۱۔ اعلان نون بعد عطلت و امانت اب قصار جائز نہیں رکھتے۔ ۲۔ یعنی مرزا رفیع سودا
۳۔ خواجہ میر یعنی حضرت خواجہ میر درد دہلوی جو میر تقی تیر کے معاصر ہی نہیں بلکہ خاص کرم فراتھے اور آپ ہی کے والد ماجد خواجہ بہار
عندلیب تیر صاحب کو مدعا دی تھی کہ تیر تو میر مجلس خواہی شد۔ یہ غالباً اسی مشاعرہ کا ذکر ہو جو خواجہ میر درد کے مکان پر
منعقد ہوا تھا اور جو انھوں نے خوشی سے تیر صاحب کے یہاں منتقل کر دیا تھا اور میر صاحب بھی اس کو مدتوں نباہتے رہے۔
خواجہ میر درد اردو اور فارسی کے زبردست استاد اور نہایت مستند تھے۔ تیر صاحب اپنے تذکرے میں ان کے متعلق
رئے لکھی ہو۔ "شاعر زور آور ریختہ در کمال علاقگی دار ستہ خلیق متواضع۔ اشنائے دست شعر فارسی اہم میگوید۔ اما بیشتر باقی
گری بازار صنعت مشربا دست۔ غرض از آشنائی مطلب دست متوطن شاہ جہان آباد۔ بزرگ بزرگے اوہ جوان صلح
از روشی بہرہ دانی دارد فقیرا بخیرت و بندگی خاص است" الخ۔ عمر بھر دہلی میں رہے انتقال بھی دہلی ہی میں ہوا۔
۴۔ اور سنہ وفات ۱۱۹۹ ع۔ آپ کی تصانیف قریب گیارہ بارہ کے ہیں۔ اسی

<p>یہ جرم ہے تو ایسے گنہگار بہت ہیں دل پر ابھی جراحت لگا رہت ہے دل زینہار دیکھ سب در بہت ہیں فرانے ٹکے باں سے تو پھر بار بہت ہیں</p>	<p>تجھ عشق میں تو مرنے کو تیار بہت ہیں اک زخم کو میں ریزہ الماس سے چیرا کچھ اکھڑاں ہی اسکی نہیں اک بار کہ بس بیگانہ غور قریب سو دسواں کچھ نہ کر</p>
<p>کوئی تو زمرہ کرے میرا آسا دلخیز یوں تو نفس میں اور گرفتار بہت ہیں</p>	
<p>نہ چوب گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی لمبیاں نفاں پر ناز کرتا ہوں کہ بل بے تیری ہتھ لمبیاں سبھی معشوق اگر پوچھے کوئی مصری کی ہیں لمبیاں بیاباں میں دکھا مجنوں کو پالوں کے تلے لمبیاں کہ بلبل سر ٹپکتی ہو نہیں منہ کھولتیں لمبیاں نگاہیں کہے کہ گر بڑتی ہو بجلی کی بھی اچھیلیاں نہ دیکھی ہوئی تو نے حضور یہ ظلمات میں گلیاں</p>	<p>جنوں میرے کی باتیں دشت اور گلشن میں حب چلیاں گر بہاں شور محشر کا اڑایا دھجیاں کر کر تفاوت کچھ نہیں شیریں و شکر اور یوسف میں ترے غم نے جو ر و ظلم سے آنکھیں غزالوں کی چمن کو آج مارا ہو میاں تک رشک لگروں نے مری آہ سحر کی بر چھیاں سختی کے تر پھوں پر صنم کی زلفت میں کو چہ ہو سر بستہ ہر اک مو پر</p>
<p>ودانہ ہو گیا تو مہر آخر ریختہ کہ کہہ نہ کہتا تھا میں اتو ظالم کہ یہ باتیں نہیں چلیاں</p>	
<p>ایسے محروم گئے ہم نو گرفتار چمن بہینہ پر دناغ کا احوال میں پوچھوں ہوسنیم باغباں باغ اجاڑے ہی اگر دینا تھا وے گنہگار ہیں کہ جنھیں کہتے ہیں خون ٹپکے ہو پڑا نوک سے ہر اک کی ہنوز باغباں ہم سے خشنوت نہ پیش آیا کہ کم نہیں ہو دل پر دناغ بھی ای مرزا امیر گل پر ایسی تو پڑی اوس خزاں میں کہیم</p>	<p>کہ موئے قسید میں دیوار بدوار چمن یہ بھی تختہ کبھو ہووے گا سزا دار چمن تختے زردناغ سے ہم بھی تو خریدار چمن عاشق زار چمن مرغا گرفتار چمن کس تسمیدہ کی شرکاں ہیں شرار چمن عاقبت نالہ کشاں بھی تو ہیں درکار چمن گل میں کیا ہو جو ہوا ہو تو طلبگار چمن سڑ ہی ہو گئی دھاں گرمی بازار چمن</p>
<p>کیا جزا کھڑی ہو دیکھنے کل حشر کو میر دناغ ہر ایک مرے دل پہ ہو غنہ دار چمن</p>	
<p>لے آں سخن میں غزل ای طبعی</p>	

<p>شمع روشن کے منہ پہ نور نہیں یاد رہتی ترے حضور نہیں تیرے نزدیک کچھ یہ دور نہیں ایسا جینا ہمیں ضرور نہیں</p>	<p>بزم میں جو ترا ظہور نہیں کتنی باتیں بنا کے لاؤں لیک فکر مت کر ہمارے جینے کا پھر جنس کے جو تجھ سا ہی جاں بخش</p>
<p>عام ہو بار کی تجلی مہر خاص موسیٰ و کوہ طور نہیں</p>	
<p>ہم دل جلوں کی خاک جہاں میں کدھر نہیں جب آنکھتے ہیں تو سنے ہیں کہ گھر نہیں اب کون سا رہا ہے کہ ان میں سہی تر نہیں کم گوشہ چمن سے ترا رہنر نہیں</p>	<p>دامن پر تیرے گرد کا کیونکر اثر نہیں اتنا رقیب خانہ بر انداز سے سلوک دامان و جیب دیدہ و مزگان دانتیں ہر نقش پا ہے شوخ ترا رشک یا سمن</p>
<p>اتنا ہی میرے کوچے میں ہوتا جو میری بھاں کیا جانے کدھر کو گیا کچھ خبر نہیں</p>	
<p>مانند جام خالی گل سب جاہیاں ہیں زخم بدن ہمارے لفسیدہ ماہیاں ہیں دھل و سفیدیاں ہیں بھیاں دسیا ہیاں ہیں جب وہ شوخ آنکھیں ہیں سر اسیاں ہیں دہ کارہاں گنہ ہیں بھیاں بیگناہیاں ہیں نازک مزاجیاں ہیں بلک بھیاں ہیں</p>	<p>ساقی کے بلغ پر جو کچھ کم ننگا ہیاں ہیں تیغ جفائے خوباں بے آب تھی کہ ہدم مسجد سے میکدے پر کاش ابرو زبر جس کی نظر پڑی ہو ان نے مجھے بھی دیکھا غالب تو یہ ہو تا ہر محنت سے دور ہو کر یہ ناز و سرگرائی اللہ سے کہ ہر دم</p>
<p>شاہدوں میں کس کو اہل محلہ سے میں محضر پہ غول کے میرے سب کی گواہیاں ہیں</p>	
<p>وے کم ہیں بہت مے لوگ جن کو یار کہتے ہیں نہ تھا اس دور میں آیا جسے ہشیار کہتے ہیں وہ میں ہی ہوں کہ جس کو عافیت یار کہتے ہیں جسے میرے وطن میں کبک خوش قرار کہتے ہیں غلط اور کوچ نامعقول بعضے یار کہتے ہیں</p>	<p>کچھ بھی یار اپنا یوں تو ہم ہر بار کہتے ہیں جہاں کے مصطفیٰ میں مست طالع ہی نظر آئے سمجھ کر ذکر کر آسودگی کا مجھ سے اسے نا صح مسافر ہو مے جی اس کا خراں دیکھ کر تجھ کو معاذ اللہ دخل کفر ہو اسلام میں کیوں ہو</p>

علم کو کب ہے وجہ تسمیہ لازم سمجھ دیکھو
تری آنکھوں کو آؤں دیکھنے میں تو عجب مت کر
عجب ہوتے ہیں شاعر بھی میں اس فرتے کا عاشق ہو
مرے ان کے اڑا لیکن نہ یہ سمجھیں تو بہتر ہو

سب کو میسر میں اس شیر حق کا ہوں کہ جس کو سب
نبی کا خلیفہ و بھائی حیدر کرار کہتے ہیں

ایک پرواز کو بھی غصہ صیاد نہیں
شیخ عزت تو تیرے خاک بھی پہنچا لی بہم
دادے چھوڑوں میں صیاد سے اپنی لیکن
کیوں ہو معذور بھی رکھوں تو سمجھ دل میں

کیا کہوں میسر فراموش کیا ان نے مجھے
میں تو قریب بھی کی پر تو اُسے یاد نہیں

آجائیں ہم نظر جو کوئی دم بہت ہو یہاں
یک لحظہ سینہ کوئی سے فرصت ہمیں نہیں
حاصل ہو کیا سوائے ترائی کے دہریں
مائل بغیر ہونا تجھ ابرو کا عیب ہے
ہم دہروان راہ فنا دیر رہ چکے
اس بتکدے میں معنی کا کس سے کریں سوال
عالم میں لوگ ملنے کی گوں اب نہیں رہو
ویسا چمن سے سادہ نکلتا نہیں کوئی
اعجازِ عیسوی سے نہیں بحث عشق میں
میرے ہلاک کرنے کا غم ہے عبث تمہیں
دل مت لگا دین عرق آلود یار سے

ہملت ہیں لبانِ شمر کم بہت ہو یہاں
یعنی کہ دل کے جانیکا ماتم بہت ہو یہاں
اٹھ آسمان تلے سے کہ شبنم بہت ہو یہاں
تھی دور یہ کہاں لے خم چم بہت ہو یہاں
وقفہ لبانِ صبح کوئی دم بہت ہو یہاں
آدم نہیں ہو صورتِ آدم بہت ہو یہاں
ہر چند ایسا ویسا تو عالم بہت ہو یہاں
رنگینی ایک اور خم و چم بہت ہو یہاں
تیری ہی بات جانِ مجسم بہت ہو یہاں
تم شاد زندگانی کرو غم بہت ہو یہاں
آئینہ کو اٹھا کر میں غم بہت ہو یہاں

شاید کہ کام صبح تک اپنا کھینچے نہ میسر
احوال آج شام سے درہم بہت ہو یہاں

آہ وہ عاشق ستم ترک جفا کرتا نہیں
بات میں غیروں کو چپ کر دوں ولیکن کیا کروں
روز بدتر جیسے بیمار اجل ہو دل کا حال
گو کیا باب اجابت ہجر میں تیغ اہوا
بیکسان عشق اُس کے آہ کسکے پاس جائیں
چھوٹا ممکن نہیں اپنا قفس کی قید سے
چرخ کی بھی کج ادائی ہم ہی پہ جاتی ہوش
دیکھ اُسے بیدید ہوا نکھول سے کیا دیکھا بھلا

اور مطلق اب دماغ اپنا وفا کرتا نہیں
وہ سخن نشوونگ مسیرا کہا کرتا نہیں
یہ سمجھ کر ہنشتیں اب میں دوا کرتا نہیں
ورنہ کس شب بپ کو میں بد دعا کرتا نہیں
گور بن کوئی صلا میں لب کو داکرتا نہیں
مربع سیر آہنگ کو کوئی رہا کرتا نہیں
ناز کو اس سے تو اک دم بھی جدا کرتا نہیں
دل بھی بد کرتا ہو مجھ سے تو بھلا کرتا نہیں

کیا کہوں پنچا کہاں تک میرا اپنا کافوق
یہاں سے کس دن اک نیا قاصد بھلا کرتا نہیں

لیتے ہیں سانس یوں ہم جوں تار کھینچتے ہیں
سینہ سپر کیا تھا جن کے لئے بلا سکا
مجلس میں تیری ہمو کو کب غیر خوش لگے ہے
بی طاعتی سے ہم کو چاروں طرف سے کھویا
منصور کی حقیقت تم نے سنی ہی ہوگی
شکوہ کروں تو کس سے کیا شیخ کیا برہمن

اب دل گرفتگی سے آزار کھینچتے ہیں
وے بات بات میں اب تلوار کھینچتے ہیں
ہم بیچ اپنے اُس کے دیوار کھینچتے ہیں
تصدیق گھر میں بیٹھے ناچار کھینچتے ہیں
حق جو کہے ہو اُس کو سچاں دار کھینچتے ہیں
ناز اس بلا کی جاں کے سب بار کھینچتے ہیں

نادک سے میرا اُس کے دل بستگی تھی مجھ کو
پریاں جگر سے میسرے دشوار کھینچتے ہیں

سمجھا تکتا اپنی تو سود و زیان کو میں
لا دیں اُسے بھی بعد تر میری لاش پر
گردش فلک کی کیا ہو جو دور قلع میں ہو
جی جاوے تو قبول ترا غم نہ جائیو

ماتا کیا خدا کی طرح ان جہاں کو میں
یہ کہہ رکھا ہو اپنی ہر اک مہرباں کو میں
دیتا رہوں گا چرخ مداہم سماں کو میں
رکھتا نہیٹ عزیز یوں اس میماں کو میں

عاشق ہو یا مرعش ہو پوچھو تو میرے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جہاں میں

لے نہ جانیو۔ دُعائیہ۔ غائب بھی اسی طرح دُعائیہ استعمال کیا ہو ہے تمہارے آئیو اسے طرہ ہائے غم ہم آگے۔

کر نالہ کشی کب تیں اوقات گزاریں
ہر دم کا بگڑنا تو کچھ اب چھوٹا ہو ان سے
دل میں جو کھجور جو شغم اٹھتا ہو تو تادیر
کیا ظلم ہو اُس خونی عالم کی گلی میں
جس جا کہ غصہ خار کے اب ڈھیر لگے ہیں
کیونکر کہ رہو شرم مری شہر میں جب آہ
وے ہو تھک کہ جو شور سیجائی کا جن کے
منظور ہو کب سے سر شوریدہ کا دینا
بالیں پر سر اک عمر سے جو دست طلب کا
ان لوگوں کے تو گرد نہ پھر سب ہیں لباسی

فریاد کریں کس سے کہاں جا کے پکاریں
شاید کسی ناکام کا بھی کام سنواریں
آنکھوں سے چلی جاتی ہیں مریا کی دھاریں
جب ہم گئے دو چار نئی دیکھیں مزاریں
یہاں ہم نے انھیں آنکھوں سے دیکھیں ہیں
ناموس کہاں لائیں جو دریا پہ اندازیں
دم لیویں نہ دو چار کو تاجی سے نہ لاریں
چڑھ جائے نظر کوئی تو یہ بوجھ اتاریں
جو ہو سو گدا کس گنے جا ہاتھ پساریں
تنگ گز بھی جو یہ پھاڑیں تو اک گڑھی واریں

ناچار ہو رخصت جو منگنا بھی 'تو' بولا

میں گیا کروں جو میر جی جاتے ہیں سدا ہاں

یوں ہی حیران و خفا جو غنچہ تصویر ہوں
اتنی باتیں مت بنا مجھ شیفٹہ سے نا صحا
سرخ رہتی ہیں مری آنکھیں لہو نے سے شیخ
لے فلک پر راہ مجھ کو نے زمیں پر رو بکھے
جو مرے حصے میں آوے تیغ جھڑیل و کار د
کھول کر دیوان میرا دیکھ قدرت مدعی

عمر گزری پر نہ جانائیں کہ کیوں دلگیر ہوں
پند کے لائق نہیں میں قابل زنجیر ہوں
اگر ثابت ہو مجھ پر واجب التعزیر ہوں
ایسے کس محروم کا میں شور بے تاثیر ہوں
یہ فضولی ہو کہ میں ہی کشتہ شمشیر ہوں
اگرچہ ہوں میں نوجواں پر عروں کا پیر ہوں

اس قدر بے ننگ غیظوں کو نصیحت شیخ جی

باز آؤ ورنہ اپنے نام کا میں میر ہوں

کے ہو کو بہن کہ فکر میری خستہ حالی میں
میں وہ پڑ مردہ سبز ہوں کہ ہو کر خاک سرد
تو سوچ کہ رنگ پاں ہو یہ کہ خون عشق بازار سے
بڑا کتنا بھی میرا خوش نہ آیا اسکو تو ورنہ
مرے استاد کو فردسِ عالی میں لے جا کہ

اکمی ٹکڑ کرنا ہوں تری درگاہ عالی میں
یکایک آگیا اس آسماں کی پا کا لی میں
سخن رکھتے ہیں کتنے شخص تیری لب کی لٹی میں
تسلی پہ دل ناشاد ہوتا ایک گالی میں
پڑھایا کچھ نہ غیر از عشق مجھ کو خود سالی میں

<p>ملا ہو نہر اسے دل اس شراب ترنگالی میں بکھر ہیں سنگریزے میں نے اس میناؤ خالی میں</p>	<p>لگاؤ چشم پر چشم بتاں پرست نظر رکھنا شراب خون بن تر پھونکے دل لبریز ہوتا ہو</p>
<p>خلاف ان اور خوبان کے سد یہ جی میں ہوتا ہو یہی تو تیسر اک غولی ہو معشوق خیالی میں</p>	
<p>روز برسات کی ہوا ہو یہاں کہ کوئی دل جلا گڑا ہو یہاں آرسی کی طرح صفا ہو یہاں جان محضوں کا اور کیا ہو یہاں ایک ازاں جملہ کر بلا ہو یہاں ہر طرف ظلم ہو رہا ہو یہاں سینہ کو بی ہو اتھریا ہو یہاں روز و شب طرفہ ماجرا ہو یہاں جائے رونے کی جا بجا ہو یہاں آج تک کوئی بھی سلا ہو یہاں بچھ سے آگے یہ کچھ ہوا ہو یہاں</p>	<p>آہ اور اشک ہی سدا ہو یہاں جس جگہ ہو زمین لفته کسبجہ گو کہ ورت سے وہ نہ دیوے رو رند مفلس جگر میں آہ نہیں کیسے کیسے مکان ہیں ستھرے اک سکتا ہو ایک مرتا ہے صد تمنا شہید ہیں یکسا دیدنی ہو غرض یہ صحبت شوخ خانہ عاشقاں ہو جائے خوب کوہ و صحرا بھی کر نہ جائے باش ہر جنبش ہر طمیت مستنا ہے</p>
<p>موت مجنوں کو بھی ہمیں آئی کو کہن کل ہی مر گیا ہو یہاں</p>	
<p>یہیں آگے بہا ریں ہو گئی ہیں گریاں کی سی تاریں ہو گئی ہیں مزاریں ہی مزاریں ہو گئی ہیں کہ موجیں سب کناریں ہو گئی ہیں</p>	<p>جہاں اب خار زاریں ہو گئی ہیں جنوں میں خشک ہو گئے گردن سنا جاتا ہو شہر عشق کے گرد اُسی دریائے غولی کا ہو یہ شوق</p>
<p>انھیں گلیوں میں جیتے تھے ہم تیسر کئی دریا کی دھاریں ہو گئی ہیں</p>	
<p>یوں نہ کرنا تھا پاساں ہمیں کبھو پائے تبھی ہو بحال ہمیں</p>	<p>خوش نہ آئی تھاری چال ہیں حال کیا پوچھ پوچھ جاتے ہو</p>

<p>وہ دہاں وہ کمر ہی ہو مقصود اُس میر چار دہ کی دُوری نے نظر آتے ہیں ہوتے جی کے وبال تنگی اس جا کی نقل کیا کرے صُرف للہ خم کے خم کرتے منجھے مال مست ہم درویش کبتاں اس تنگنا میں کھینچے رنج ترک سبزان شہر کرے اب</p>	<p>اور کچھ اب نہیں خیال ہمیں دل ہی دن میں کیا ہلال ہمیں حلقہ حلقہ بھارے بال ہمیں یہاں ہو واجب انتقال ہمیں نہ کیا چرخ نے کلال ہمیں کون کرتا ہے مشتمال ہمیں یہاں سے یارب تو ہی کمال ہمیں بس بہت کر چکے نہال ہمیں</p>
<p>وجہ کیا ہے کہ میر منہ پہ ترے نظر آتا ہے کچھ ملال ہمیں</p>	
<p>نہ کیونکہ شیخ تو کل کو اختیار کریں گیا وہ زمزمہ صبح فصل گل بلبل تمام صید ستر تیر جمع ہیں لیکن تسلی تو ہو دل بقیہ راخو باں سے ہیں تو نزع میں شرمندہ آؤ ان کیا رہی سہی بھی گئی عمر تیرے پیچھے یار کریں ہیں حادثے ہر روز وار آخر تو یہ قتل غیر ہو کیا کام ہنشیناں آج</p>	<p>زمانہ ہووے مساعد تو روزگار کریں دُعا نہ پہنچے چین تک ہم اب ہزار کریں نصیب اُس کے کہ جس کو تراشکار کریں یکاش ملنے نہ ملنے کا کچھ مترا کریں رہا ہو ایک مق جی سو کیا نشتار کریں یہ کہہ کہ آہ تراکت تک انتظار کریں سنان آہ دل شب کی ہم بھی پار کریں جو دشمنی نہ کرے وہ تو اُس کو یار کریں</p>
<p>ہوا ہوں خاکِ وہ اس واسطے کہ خواں میر گزار گور پہ میری بھی ایک بار کریں</p>	
<p>یہ غلط کہ میں پیاموں قدح شراب تجھ بن یہی بستی عاشقوں کی کھوسیر کرنے چل تو میں سو پیوں ہوں غم میں عوض شراب ساتی گئی عمر میری ساری جیسے شمع باد کے بیج سبھی آتشیں ہیں نالے سبھی زہر بری آہیں</p>	<p>نہ گلے سے میرے اترا کھجو قطرہ آب تجھ بن کہ محلے کے محلے پڑے ہیں خسرا ب تجھ بن شب میغ ہو گئی ہو شبِ بامستاب تجھ بن یہی رونا جلنا گلنا یہی اضطراب تجھ بن مری جان پر رہا ہے غرض اک عذاب تجھ بن</p>

ترے غم کا شکر نعمت کروں کیا اور مچھ میں
نہیں جیتے گی تو ممکن ہیں تجھ بغیر سونا
نہوا کہ میں نہ کھایا جب گرباب تجھ بن
مگر آنکھ مر کے کیجے تیرے خاک خواب تجھ بن

برے حال ہو کے مرنا جو درنگ میں سر کرتا
یہ بھلا ہوا سنگ کہ مو اشتاب تجھ بن

تکلیف بلع کن لے کی تجھ خوش ہاں کہ تیں
تیرا بھی اب ہا نہیں شرمندگی ہے جو
آئے عدم سے ہستی میں پس پر نہیں قرار
سنائے میں مانع کے کچھ اٹھتے ہیں نسیم
اک گردش اور فلک کہ ہوا اٹھائے راہ سے
تو اک رہاں پہ چکی نہیں ہستی عندلیب
دیتا ہے آگ رنگ ترا گلستاں کے تیں
گر پڑ کے برق پاؤں آشیان کے تیں
ہو ان مسافروں کا ارادہ کہاں کے تیں
مرزع چین تجھ خوب متھا ہو فغاں کے تیں
کنتاں کی اور راہ غلط کارواں کے تیں
رکھتا ہو منہ میں غم پھل سوزیاں کے تیں

ہم تو ہوئے تھم میسے اس دن ہی نا امید
جس دن سنا کہ آن لے ویا دل بتاں کے تیں

موتے سینے سے جفا کاریاں
ہماری تو گزری اسی طور عمر
فرشتہ جہاں کام کرتا نہ تھا
گیا جان سے اک جہاں لیک شوق
کہاں تک یہ تکلیف مالا لیا
خط و کمال و زلف و انداز و ناز
کیا درد و غم نے مجھے نا امید
تری آشنائی سے ہی حد ہوئی
کوئی ہم سے سیکھے وفا داریاں
یہی نالہ کرنا یہی زاریاں
مری آہ نے جھپیاں ماریاں
نہ تجھ سے کہیں یہ دل آزاریاں
ہوئیں مدتوں ناز برداریاں
ہوئیں دام رہ صد گرفتاریاں
کہ مجنوں کو یہی تھیں بیماریاں
بہت کی تھیں دنیا میں ہم بیماریاں

نہ بھائی ہماری تو قدرت نہیں
کھنچیں میسر تجھ سے ہی یہ خواریاں

دن نہیں ات نہیں صبح نہیں شام نہیں
مثل غنقا مجھے تم دور سے سن لو ورنہ
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں
ننگ ہستی ہوں مری جاؤ بجز نام نہیں

لے میر کا یہ شعر بھی ایسا ہی ہوسہ آواز ہی جہاں میں ہمارا سنا کر دے غنقا کی طرح زلیست جو اپنی بنام تھاں

<p>عمر گزری کہ ہم نامہ و نغمہ نہیں سو تو بیتابی دل بن تجھے آرام نہیں</p>	<p>خطر راہِ وفا بلکہ بہت دور کھنچا راز پوشی محبت کے تنیں چاہئے ضبط</p>
<p>بیقراری جو کوئی دیکھے ہو سو کہتا ہے کچھ تو ہے میسر کہ اک دم تجھے آرام نہیں</p>	<p>کیا ظلم کیا تعدی کیا جور کیا جفائیں دیکھا کہاں وہ نسخہ اک روگ میں بسا ہوا</p>
<p>اس چرخ نے کیاں ہیں ہم سے بہت ادائیں جی پھر کبھو نہ پنیابہت سیری کیں دو آئیں اس گلشن جہاں میں ہیں مختلف ہوا ہیں اس تنگ گھر میں ہم نے دیگی ہیں کیا قضائیں تھیں نیم کشتہ یاس الکشر مری دوائیں رغنائیاں ادائیں رنگینیاں صفائیں پتھر کرے جگر کو تب تو کرے دفائیں</p>	<p>ہو فرش عرش تک بھی قلب خریں کا اپنے شب نالہ آسماں تک جی سخت کر کے پہنچا روکش تو ہو ترا پر آئینے میں کہاں یہ ہو امر سہل چاہت لیکن نیاہ شکل</p>
<p>ماز بتان سادہ ہے اللہ اللہ اوسمیت ہم خطے مٹ گئے پر ان کے نہیں ہار بھائیں</p>	<p>آرزو میں ہزار رکھتے ہیں برق کم حوصلہ ہو ہم بھی تو</p>
<p>تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں دلکب بہت ترار رکھتے ہیں ہم بھی تو تم سے پیار رکھتے ہیں نام کو ہم بھی پیار رکھتے ہیں لب و لہجہ ہزار رکھتے ہیں بس یہی اعتبار رکھتے ہیں</p>	<p>غیر ہی موردِ عنایت ہے نہ نگہ نے پیام نے وعدہ ہم سے خوش زمزمہ کہاں لوین تو چوٹے دل کے ہیں بتاں مشہور</p>
<p>پھر بھی کرتے ہیں صاحبِ عشق ہیں جواں اختیار رکھتے ہیں</p>	<p>گزر جان سے اور در کچھ نہیں ہو اب کام دل جس پہ قوت تو</p>
<p>رو عشق میں پھر خط کچھ نہیں وہ نالہ کہ جس میں اثر کچھ نہیں بجز جو جس سے شکر کچھ نہیں گئے گزرے بس اب خبر کچھ نہیں</p>	<p>ہوا مائل اس سرو کا دل مرا نہ کر اپنے محز دل کا ہرگز سران</p>

	<p>لہو اب جگر میں مگر کچھ نہیں مرا حال مد نظر کچھ نہیں یہ رونا بھلا کیا ہے اگر کچھ نہیں</p>	<p>شری ہو چکی خشک شرکوں کی سب حیات سے نہیں پشت پا رہہ چشم کروں کیونکہ انکار عشق آہ میں</p>	
	<p>کمر اس کی رشک گج جاں ہو میر غرض اس سے باریک تر کچھ نہیں</p>	<p>نالہ قید نفس سے چھوٹ اب اک دم نہیں ہم پہ کھینچی تیغ تو غیروں کو ٹک لگنے نہ دے</p>	
	<p>بت برہمن کوئی تاج مہر نہیں اللہ کا ہے حرم میں شیخ لیکن مہر وہ محرم نہیں</p>		
	<p>ہوئے ہیں دل جگر کی سامنے رستم ہیں یہ دونوں لکھوں کیا عشق کے حالات نا محرم ہیں یہ دونوں جراحت ہیں اگر فتنے دونوں تو مریم ہیں یہ دونوں ہمارے دیدہ نم دیدہ کیا کچھ کم ہیں یہ دونوں اگر چہ آب حیا ہیں لیکن سم ہیں یہ دونوں ہمارے کشت فتنوں میں متفق باہم ہیں یہ دونوں چمن میں ہر درزی کے گل و شبنم ہیں یہ دونوں معم ہجراں میں چھاتی کے ہارے جم ہیں یہ دونوں</p>	<p>تری ابرو تیغ تیز تو ہدم ہیں یہ دونوں نہ کچھ کاغذ میں ہے تہ قلم کو درد نالوں کا لہو آنکھوں سے بہتے وقت رکھ لیتا ہوں ہاتھوں کو کسو چشمہ یہ دریا کے دیا اوپر نظر رکھئے لب جاں بخش اس کے مار ہی رکھتے ہیں عاشق کو نہیں ابرو ہی مائل جھبک ہی ہے تیغ بھی ایدھر کھلے سینے کے داغوں پر ٹھہر رہتے ہیں کچھ آنسو بکھو دل رکنے لگتا ہے جگر گاہے تڑپتا ہے</p>	
	<p>خدا جانے کہ دنیا میں ملیں اس سے کہ عقبی میں مکان تو میر صاحب شہرہ عالم ہیں یہ دونوں</p>		
	<p>پر تمامی عتاب ہیں دونوں پھوٹنے ہی کے باب ہیں دونوں کیا چھپیں آفتاب ہیں دونوں گھر تھے دو سو خراب ہیں دونوں جگر و دل کباب ہیں دونوں جیسے مست شراب ہیں دونوں</p>	<p>لب ترے لعل ناب ہیں دونوں رونا آنکھوں کا رویے گیت تک ہر تکلف نقاب دے رخصت تن کے معمورہ میں ہی دل و چشم کچھ نہ پوچھو کہ آتش غم سے سو جگہ اس کی آنکھیں پڑتی ہیں</p>	

اب تو سر مست خواب ہیں دونوں
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں
اُس کے لب ہی جواب ہیں دونوں

پانوں میں وہ لشفہ طلب کا نہیں
ایک سب آگ ایک سب پانی
بحث کا ہیکو نعل و مرجاں سے

آگے دریا تھے دیدہ تر میسر
اب جو دیکھو سراب ہیں دونوں

ردیف واو

نکالا سے میرے جاتے موخارے نیلیاں کو
کہ گورستان سے گاؤں جدا ہم اہل ہجران کو
بنایا ہر شجر کیا جائے کس مو پریشاں کو
کیا دشوار نادانی سے ہم نے کار آساں کو
کہ موتی آب حیاں جانتے ہیں آب انساں کو
تماشا کر غبار انسانی خاک عزیزاں کو
دم افسردہ کر دے منجر شجاعت باران کو
اس آب چشم کی جوشش ذراتش دی نیستاں کو
ملا پانوں تلے جبتک نہ چشم صد غزالاں کو
کہ جام خون دی ہو ہر سحر ریاپے سماں کو
دہان زخم دل سمجھ جو دیکھا رٹے خنداں کو
کیا ہو مضطرب ہر ذرہ گرد بیا بیاں کو
کہ مارا جائے جو ظاہر کرے اس از پنہاں کو
ایک اک سنس میری روئے پر گرد پچھتے یہ دنیاں کو
چلا تو سوپ کر کس کے تین اس صید ہجراں کو
ملا یا خاک میں دانہ منط حشرت دہقان کو
نہیے برباد حشرت کشتہ سر در گریباں کو

فلک نے گر کیا رخصت مجھے سیر بیا بیاں کو
وہ ظالم بھی تو سمجھے کہہ رکھا ہے ہم نے یاراں کو
نہیں یہ بید مجنوں گردش گردوں گرداں نے
ہوٹے تھے پیسے مر جاتے پر ایتو سخت حشرت
کہیں نسل آدمی کی اٹھ نہ جاوے اس نہ مانے میں
سمجھے گر چشمِ عورت ہو تو آندھی اور بگولے سے
ہوائے ابر میں گرمی نہیں جو تو نہ ہو ساقی
جلیں ہیں کب کے ترگاں آنسوؤں کی گرنجوشی تو
غرور ناز سے آنکھیں نہ کھولیں اُس جفا جوئے
نہ سی چشم طمع خوان فلک پر خام دستی سے
بے ناواقف شادی اگر ہم نرم عشرت میں
نہیں بیگ واپس کی دل کی سبقتاری ذی
کسی کے واسطے رسوائے عالم ہو یہ جی میں کھ
گری پڑتی ہے بجلی بجلی تھی سے خرمن گل پہ
غرور ناز قاتل کو لئے جاسے کوئی پوچھے
وہ تخم سوختہ تھے ہم کہ سر سبزی نہ کی حاصل
ہوا ہوں غنچہ پز مردہ آخر فصل کا سمجھ بن

ملے ہوئے تھے جیسے یعنی جیسے ہی پیدا ہوئے تھے ۱۲

<p>گم واندوہ ویتالی الم بریطاقتی حسراں بہت روئے جو ہم یاستیں رکھ منھ پہاڑ بجلی</p>	<p>کہوں اے ہمیشیں تا چند نعم ہائے فراواں کو چشم کمر سے دیکھ اس یادگار چشم گریاں کو</p>
<p>مزارج اس وقت ہو اک مطیع تازہ پہچہ ماکل کہ بے فکر سخن بنتی نہیں ہرگز سنخداں کو</p>	
<p>نسیم مصر کب آئی سوادِ شہر کنعاں کو زبانِ نوحہ گر ہوں میں قضائے کیا ملایا تھا کوئی کانٹا سرہ کا ہماری خاک پر بس ہو یہ کیا جانوں ہوا سینے میں کیا اس دل کو ناصح گل و سنبل ہیں نیرنگ قضامت سرسری لڑ صدائے آہ جیسے تیر جی کے پار ہوئی ہے کریں بال ملک فریش رہ اس ساعت کہ خوش کیا سیر اس خرابے کا بہت اب چلے سورہے بہائے سہل پردیتے ہیں کس محبوب کو کف سے</p>	<p>کہ بھر بھولی نہ یہاں سے لیکن گھماؤ حرموں کو میری طینت میں یارب سو دہ دہلائی نالاں کو گل گلزار کیا درکار ہو گویہ غریباں کو سحر خوں بستہ تو دیکھا تھا میں نے اپنی مٹکاں کو کہ بگڑی زلف و رخ کیا کیا بنا تو اس گلستاں کو کسو سید رونے کھینچا کسو کو دل سے پیکاں کو لوٹو واکفن لاوین شہیدِ نازِ خواباں کو کسو دیوار کے سایہ میں منھ پر لیکے داماں کو قلم اس جرم پر کزنا ہے دستِ گل فروشاں کو</p>
<p>تری ہی جستجو میں گم ہوا ہر کہہ کہاں کھویا جگر خوں گشتہ دل آزرہ مہر اُس خانہ ویراں</p>	
<p>قد کیٹنے ہو جسوقت تو ہر طرف ملا تو گر اپنی روش راہ چلایا تو اسی کبک بے گل نہیں بلبل تجھے بھی چین پہنچیں خوش رہو بہت اگل تر تو بھی لیکن کیا جانے اگو کو ہر مقصد تو کیاں ہو اس جینے سوا بل کو اٹھا بیٹھیں اہم بھی منظر میں بدن کے بھی یک طرفہ مکان تھا تھے چاک گریبان گلستاں میں گلوں کے</p>	<p>کہتا ہو ترا سایہ پری سے کہ ہو کیا تو رہجائیگا دیوار گلستاں سے لگا تو مرہتے ہیں ہم ایک طرف باغ میں یا تو انصاف ہو منھ تیرے ہی لیا ہو بھلا تو اہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملا تو ہو تجھ کو قسم ظلم سے مت ہاتھ اٹھا تو افسوس کہ دک دل میں ہمارے نہ رہا تو نکلا ہو مگر کھولے ہوئے بسندِ قبا تو</p>
<p>بیوشی سی آتی ہو تجھے اُس کی گلی میں گر ہو سکے اوی مہر تو اُس راہ نہ جا تو</p>	

<p>ہم تو ہوں بدگمان جو قاصد رسول ہو کیسے ہی بھاری ہوئے آگے تو پھول ہو شاید کہ راہ یار کی ہی خاک وصول ہو اک نیم جاں نکھیں میں سو وہ جب قبول ہو ورنہ دعا کریں تو جو جا میں حصول ہو اب ان سے کھائی لی ہوئی ڈر کیا وصول ہو</p>	<p>خط لکھنے کوئی سادہ نہ اُس کو ملوں ہو چاہوں تو بھر کے کوئی اٹھالوں ابھی تھیں سرہ جو فور بخشنے ہو آنکھوں کو خلق کی جاو میں نثار ہوئے کو ہم کس بساط پر ہم ان دنوں میں لگ نہیں پڑے ہیں صبحِ ثناء دل لیکے لونڈے دئی کے کب کا پچا گئے</p>
<p>نا کام اس لئے ہو کہ چاہو ہو سب بچاؤ تم بھی تو میرے صاحب قبلہ محول ہو</p>	
<p>ہاں کہو اعتماد ہی ہو اُس سے کیا دل نہاد ہی ہو اس قدر تو سواد ہی ہو شوق حد سے زیاد ہی ہو دل سے اک اعتقاد ہی ہو خواہش جان شاد ہی ہو قصد شور و فساد ہی ہو اور سب سے عناد ہی ہو</p>	<p>کہتے ہو اتنا ادھر ہم کو شوق ہی شوق ہو نہیں معلوم خط سے نکلے ہو یوفائی حسن آہ کس ٹھہرے رویے کم کم شیخ پر مغال کی خدمت میں سادگی دیکھ عشق میں سُکی بدگمانی سے جس سے تیرے آہ دوستی ایک سے بھی کچھ کو نہیں</p>
<p>نامرادانہ زلیست کرتا تھا میسر کا طور یاد ہے ہم کو</p>	
<p>پھر ایک بس ہو رہی گو اُدھر خدائی ہو کہ مدعی سے اُسے ایک دن لڑائی ہو لگاؤ سے تیغ سلیقہ سے جو لگائی ہو قسم ہو میں نے اگر بات بھی چلائی ہو کہ دھڑکے ہو جے بوبی بال و پر رہائی ہو کسو کی جن نے کجھولات مٹائی کھائی ہو یقین ہو کہ کچھ اپنی ہی نارسانی ہو</p>	<p>مباد کہنے پہ اُس بت کی طبع آئی ہو مرد نہ اتنی بھی کی بخت ناموافق نے ہنوز طفل ہو وہ ظلمِ پیشہ کیا جانے بوں سے تیرے تھا آگے ہی لعل سرخ زور خدا کرے کہ نصیب اپنے ہو نہ آزادی نرے کو عشق کی ذلت کے جانتا ہو وہی اُس آنتاب سے تو فیض سب کو پہنچے ہے</p>

کبھو ہر چھپر کبھو گالی ہو کبھو چٹھک دیبا رخصت میں غالب کہ خستہ جانوں نے ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے جو کوئی دم ہو تو کوہو سپاہی کے رہ جاؤں آنگن سے راہ تو ہو جائے رفتہ رفتہ بٹخ	بیان کریے جو ایک اُس کی بے ادائیگی ہو دوا کے واسطے بھی مہر ٹک نہ پائی ہو اگر نصیب ترے کوچہ کی گدائی ہو غموں کی دل میں بھلا کتہک سہائی ہو ترا بھی قصد اگر ترک پارسائی ہو
---	---

کہیں تو ہیں کہ عیث میسر نے دیا جی کو
خدا ہی جانے کہ کیا جی میں اُس کے آئی ہو

ای چرخ مست حریف اندوہ بیکساں ہو کبتنگ گرہ رہیگا سینہ میں دل کے مانند ہم دور ماندگاں کی منزل رساں مگر اب مسند نشین ہو گر عرصہ ہو تنگ اُس پر تا چند کو چہ گردی جیسے صبا زیں پر گرد و قیر میرے تو آوارہ اس چمن میں یہ جان تو کہ ہواک آوارہ دست بردل کیا ہو جاب پاں بھیاں آدیکھ اپنی آنکھوں از غولیش رفتہ ہر دم ہستے ہیں ہم جو اس بن پتھر سے توڑ ڈالوں آئینہ کو ابھی میں اس بیخ زن سے کہیو قاصد مری طرف سے ہمسایہ اس چمن کے کتنے شکستہ پر ہیں	کیا جانے منہ سے نکلے نالہ کے کیا سماں ہو ای اشک شوق اک دم نہاں پر رواں ہو یا ہو صدا جس کی یا گرد کارواں ہو آسودہ وہ کسوکا جو خاک آستان ہو ای آہ صبح گاہی آشوب آسمان ہو مانند عندلیب کم کردہ آشیاں ہو خاک چمن کے اوپر برگ خزاں جہاں ہو گر پیر بن میں میرے میرا تجھے کہاں ہو کتے ہیں لوگ اکثر اس وقت تم کہاں ہو گرد و غول بصورت تیرا نہ درمیاں ہو اب تک بھی نیم جاں ہوں اگر قصد امتحاں ہو اتنے لئے کہ شاید اک باؤ گلفشاں ہو
--	--

میسر اُس کو جان کر توبے شبہ ملیورہ پر
صحرا میں جو ند مو بیٹھا کوئی جواں ہو

گرچہ کب دیکھتے ہو پر دیکھو عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہو یوں عرق جلہ گر ہو اُس مٹھ پر ہر خراش جبیں جراحت ہو	آرزو ہے کہ تم ادھر دیکھو آہ تم بھی تو اک نظر دیکھو جس طرح اوس سہول پر دیکھو ناخن شوق کا ہنر دیکھو
---	--

<p>سو عوض اُس کے چشم تر دیکھو ایک شب اور یہاں سحر دیکھو خون کے قطرے کا جگر دیکھو یعنی جالتے ہیں دور اگر دیکھو</p>	<p>تھے ہمیں آرزو لبِ خنداں رنگِ رفتہ بھی دل کو کھینچے ہو دل ہوا ہو طرفِ محبت کا پہنچے ہیں ہم قریب مرے کے</p>
<p>لطفِ تجھ میں بھی ہیں ہزارں میسر دیدنی ہوں جو سوچ کر دیکھو</p>	
<p>رکے خدا جہاں میں دل بیقرار کو دیکھا میں آنسوؤں میں دلِ داغدار کو پر اب تک انفعال ہو اب بہار کو پر کیا کروں میں دیدہ بڑ اختیار کو تجھ سے تو دشمنی ہی رہی میری یار کو کچھ منہ بنار ہو ہو ہادی ہی بار کو اک عمر خضر سیر کیا اس دیار کو جاتی ہو پھر نسیم اسی رہ گزار کو خاطر میں رکھیو کل کے بھی رنج و خار کو پر جانتا ہو سب گویا ترے شکار کو رکھے گا شتر تک نہ و بالا ہزار کو</p>	<p>آرام ہو چکا مرے جسم نزار کو پانی پہ جیسے غنچہ لالہ پھرے بہا برسا تو میرے دیدہ خونبار کے حضو ہنستا ہی میں پھر دلِ برا کچھ ہو اختیار آیا جہاں میں دست بھی ہو ڈھیں بیکر سو بار یوں تو غیر دس کرتے ہو تنہا بات سگشتی سوائے نہ دیکھا جہاں میں کچھ کس کس کی خاک لب کی لالی پر خاکِ بات اگر وہ کوئی جو آج پئے ہو شرابِ عیش خواب کا کیا جگر جو کہیں تجھ کو اپنا صید جیتے جی فکرِ خوب ہو در نہ یہ بد بلا</p>
<p>گر ساتھ لے گرا تو دل مضربِ میسر آرام ہو چکا ترے مشتِ عیار کو</p>	
<p>صحبت رکھے گلوں سے اتنا داغ کس کو اچھا لگے ہو اپنا کھسبے چراغ کس کو دکھلا رہا ہو لالہ تو اپنا داغ کس کو آہ و فغاں سے اپنی لیکن فراغ کس کو</p>	<p>اچھی لگے ہو تجھ بن گلِ گشتِ بان کس کو بے سوز داغِ دل پر گر بھی جلے بجائے صد چشمِ داغِ داہیں دل پر گزرتی ہیں وہ ہوں گلچینِ عیش ہونے ہم بھی چین میں جا کر</p>
<p>اس کی بلا سے جو ہم آہِ میسر کم بھی ہوئیں ہم سے غریب کا ہو فکرِ سرائ کس کو</p>	

دن گزرتا ہو مجھے فکر ہی میں تاکیا ہو سب ہیں دیدار کے مشتاق پاس غافل خاک حسرت زدگان پر تو گزرو سو اس گر بہشت آئے تو آنکھوں میں مری پھیلی لگو شوق جاتا ہو ہمیں یار کے کوچے کو لئے ایک رونا ہی نہیں آہ و غم و نالہ و درد	رات جاتی ہو اسی غم میں کہ فردا کیا ہو حشر برپا ہو کہ فتنہ آٹھے آیا کیا ہو ان ستم کشوں سے اب عرض تننا کیا ہو جن نے دیکھا ہو تجھے محو تماش کیا ہو جائے معلوم ہو کیا جائیے اس جا کیا ہو ہجر میں زندگی کر فیکے تئیں کیا کیا ہو
--	---

خاک میں لوٹوں کہ لوہوں میں بناؤں میں تیر
پاستغنی ہو اس کو مری بردا کیا ہو

دلیا کہاں ہو ہم سے جیسا کہ آگے تھا تو چالیں تمام بیڑھ باتیں فریب ہیں سب جاتے نہیں اٹھائے یہ شور ہر سحر کے آبر ایک دودم آپس میں رکھیں صحبت تقریب پر بھی تو تو پہلو ہتی کرے ہے تیرے دہن سے اس کو نسبت ہو کچھ تو کہتے دل کیونکہ راست آئے دعوائی آشنائی ہر فرد یاں ابھی سو دفتر ہو تجھ گلے کا عالم ہو شوق کشہ خلقت ہو تیری فرستہ منہ کرے جس طرف کو سو ہی تری طرف ہو آتی بخود نہیں ہے باو بہار اب تک کم میری اور آنا کم آنکھ کا ملانا گفت و شنود اکثر میری تری ہے ہو	اوروں سے مل کے پیارے کچھ اور ہو گیا تو حاصل کہ اگر شکر لباب وہ نہیں رہا تو یا اب چین میں بلبل ہم ہی ہیں گے یا تو کڑھنے کو ہول میں آندھی رٹنے کو ہو ملا تو دن بار عید آئی کب کب گلے ملا تو گل گو کرے ہو دعویٰ خاطر میں کچھ نہ لا تو در بایں حسن وہ مہ کشتی بخت گدا تو ہو قہر جبکہ ہو گا حرفوں سے آشناتو جانوں کی آرزو تو آنکھوں کا مدد تو پر کچھ نہیں ہو پیدا کیدھر ہو اسے خدا تو دو گام تھا چین میں ٹک ناز سے چلا تو کرنے سے یہ ادائیں ہو مدعا کہ جاتا تو نظام معان رکھو میرا کہا سنا تو
---	--

کہہ سناچھ کے موئے کو ای میری رو میں بہتک
جیسے چراغ مفلک اک دم میں جل بجھا تو

خوبی یہی نہیں ہے کہ انداز و ناز ہو سجدہ کا کیا مضائقہ محراب تیغ میں	مشتوق کا ہو حسن اگر دل نواز ہو پر یہ تو ہو کہ نفس پہ میری ناز ہو
--	---

اک دم تو ہم میں تیغ کو تو بیدار کھینچ نزدیک سوز سیدنے کے رکھ اپنے قلب کو ہو فرق ہی میں خیر نکر آرزو وصل جوں توں کی اس کی چاہ کا پڑا کیا ہو جوں چشم بسلی نہ مندی آویگی نظر	تا عشق میں ہوس میں تنک امتیاز ہو وہ دل ہی کیسا ہو جو گرم گداز ہو مل بیٹھے جو اس سے تو شکوہ اڑ ہو اگر چشم گر یہ ناک نہ انشائے راز ہو جو آنکھ میرے غنی کے پھر پر باز ہو
---	---

ہم سے بہ غیر عجز کبھو کچھ بنانا میر
خوش حال وہ فقیر کہ جو بے نیاز ہو

نالہ مرا اگر سبب شور و شر نہ ہو دل پر ہوا سو آہ کے صد سے ہو چکا بر بھی سی پار عرش و گریز عاقبت سمجھا ہوں تیری آنکھ پھیلاؤں توں یہ نیچے ہو دل کو زلفت کا ہر نگہ سے گاہ سو دل کو بھی نہ کام چلے اس کے عشق میں جس راہ ہو کے آج میں پہنچا ہوں چھ تلک یگانہ دیکھی آنکھوں سے ایسی تمام راہ ہر اک قدم پہ لوگ ڈرانے لگے مجھے چلیو سنبھل کر سب یہ شیدان عشق ہیں دہن کشاں ہی جا کہ طیش پر طیش خون مضطرب ہو اختیار کی وہ شکل دل میں میں لیکن محبت نگاہ جہاں کیے اس طرف حیراں ہوں میں کہ ایسی یہ شہد کوئی آتا ہو یہ قیاس میں اب تجھ کو دیکھ کر	پھر مر بھی جائے تو کسو کو خبر نہ ہو ڈرتا ہوں کہ اب کہیں ٹکڑی جگو نہ ہو آہ سحر میں میری کہاں تنک اثر نہ ہو بد نظر یہ ہے کہ کسی کی نظر نہ ہو خیال نہوئے کوئی تو اس طرز پر نہ ہو اک دل رکھوں میں تو کہ ہر سو کہ نہ ہو کافر کا بھی گزارا الہی اوسر نہ ہو جس میں بجا کو نقش قدم چشم تر نہ ہو ہاں ہاں کسو شہید محبت کا سر نہ ہو تیرا گزارا کہ کسو نقش پر نہ ہو زہار کوئی صد سے سوز پر نہ ہو اُس راہ ہو کے جاؤں یہ صدمت جہر نہ ہو امکان کیا کہ خون مرے تاکر نہ ہو مجھ کو خراب حال کو جس کی خبر نہ ہو ظالم جفا شعار ترا رہ گزار نہ ہو
--	---

آنکھ جائے رسم نالہ واہ و فغان سب
اس تیرہ روز گار میں تو میر اگر نہ ہو

لہ جو چشم بسلی یعنی چشم بسلی کی مانند۔

اہم سے تو تم کو ضد سی پڑی ہو خواہ مخواہ رلاتے ہو
 آنکھ اٹھا کر جب دیکھے ہیں اوروں میں ہنستے جاتے ہو
 جب ملنے کا سوال کروں ہوں زلفت و منہ دکھلاتے ہو
 برسوں مجھ کو یوں ہی گزرے صبح و شام بتاتے ہو
 بکھری رہی ہیں منہ پر زلفیں آنکھ نہیں کھل سکتی ہو
 کیونکہ چہچہ میخواری شب جب ایسے رات کے ماتے ہو
 سرودہ و بالا ہوتا ہو، در اہم بر اہم شاخ گل
 ناز سے قد کش ہو کے چمن میں ایک بلا تم لاتے ہو
 صبح سے یہاں پھر جان و دل پر روزِ قیامت بہتی ہو
 رات کبھو آرہے ہو تو یہ دن اہم کو دکھلاتے ہو
 جن نے تم کو نہ دیکھا ہو اُس سے آنکھیں مار دو تم
 ایک نگاہِ مفسد کر تم تو سوتو فتنے اٹھاتے ہو
 چشم تو ہے اک دید کی جا پر کب تکلیف کے لائق ہو
 دل جو ہو دلچسپ مکاں تم اس میں کب کب آتے ہو
 راحت پہنچی ٹک تم سے تو رنج اٹھایا برسوں تک
 سہلاتے ہو جو کچھو تو بھیجا بھی کھا جاتے ہو

ہو کے گدائے کوئے محبت زورِ صدا یہ نکالی ہے
 اب تو میسر جی راتوں کو تم ہر در پر چلاتے ہو

اور رسوائی کا اندیشہ جدا رکھتا ہو
 یا کوئی آئینہ سادست دعا رکھتا ہو
 کرے تدبیر کہ جو درد دوا رکھتا ہو
 اسکو مشکل ہو جو آنکھوں میں حیا رکھتا ہو
 درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو
 سیب کچھ اس فتن آگے جو مزار رکھتا ہو
 دیکھتا ہو جو رنج و عشق میں پار رکھتا ہو

وہی جاتے جو حیا کشتہ و فار رکھتا ہو
 کام لے یار سے جو جذبہ سار رکھتا ہو
 عشق کو نفع نہ بیابا کرے ہو نہ شکیب
 میں نے آئینہ صفتِ درد نہ کیا بند غرض
 ہائے اس زخمی شمشیرِ محبت کا جگر
 اُس کی تشبیہ تو دیتے ہیں یا شاعر لیک
 آدے ہو پہلے قدم سر ہی کا جانا درپیش

<p>کہئے اُس سے جو کوئی اپنا کہا رکھتا ہو زخمِ ہی یار کا چھاتی سہ لگا رکھتا ہو ظلم کی تازہ جو ہر روز بست رکھتا ہو مدتوں تک دل عاشق کو لگا رکھتا ہو</p>	<p>ایسے تو حال کے کہنے سے بھلی خاموشی کیا کرے وصل سے مایوس دل آزرہ جو کب تلک اُس کے اسیرانِ بلا خانہ خراب ایک دم کھولے زلفوں کی گندوں کو تینیں</p>
<p>کل ہو، مہتاب ہو، آئینہ ہو، خورشید ہو، میسر اپنا محبوب دہی ہے جو ادا رکھتا ہو</p>	
<p>مست پوچھو کچھ اپنی باتیں کیسے تو تم کو نہ امت ہو قد قامت پر کچھ ہے تمہارا لیکن قہر قیامت ہو رابطِ اخلاص اور دیدہ دل بھی دنیا میں ایک سے ہوتا ہو لگ پڑتے ہو جس سے تس سے تم بھی کوئی ملامت ہو آج سحر ہوتے ہی کچھ خورشید ترے منہ آن چڑھا روک سکے ہو کون اُسے سر جس کے ایسی شامت ہو چاہ کا دعویٰ سب کرتے ہیں مانے کیونکر بے آثار اشک کی سرخی زردی منہ کی عشق کی کچھ تو علامت ہو سر و گل اچھے ہیں دونوں رونق ہیں گلزار کی لیک چاہئے رُو اُس کا سار دہو، قامت و لیسا قامت ہو مل بیٹھے اُس نائی کے سے کوئی گھڑی جو زاہد تو جتنے بال ہیں سارے سر میں دیسے ہی اُسکی جامت ہو ہو جو ارادہ یہاں رہنے کا رہ سکے تو رہے آپ ہم تو چلے جاتے ہیں ہر دم کس کو قصیدِ اقامت ہو کس مدت سے دُوری میں تیری خاک سے برابر ہوں کر لے رنجہ قدم ٹک مجھ تک جو کچھ پاس قدامت ہو منہ پر اُس کی تیغِ ستم کے سیدھا جانا ٹھہرا ہے جینا پھر کھدار و مرزا اس طور میں ہو ٹک یا امت ہو</p>	<p>مست پوچھو کچھ اپنی باتیں کیسے تو تم کو نہ امت ہو قد قامت پر کچھ ہے تمہارا لیکن قہر قیامت ہو رابطِ اخلاص اور دیدہ دل بھی دنیا میں ایک سے ہوتا ہو لگ پڑتے ہو جس سے تس سے تم بھی کوئی ملامت ہو آج سحر ہوتے ہی کچھ خورشید ترے منہ آن چڑھا روک سکے ہو کون اُسے سر جس کے ایسی شامت ہو چاہ کا دعویٰ سب کرتے ہیں مانے کیونکر بے آثار اشک کی سرخی زردی منہ کی عشق کی کچھ تو علامت ہو سر و گل اچھے ہیں دونوں رونق ہیں گلزار کی لیک چاہئے رُو اُس کا سار دہو، قامت و لیسا قامت ہو مل بیٹھے اُس نائی کے سے کوئی گھڑی جو زاہد تو جتنے بال ہیں سارے سر میں دیسے ہی اُسکی جامت ہو ہو جو ارادہ یہاں رہنے کا رہ سکے تو رہے آپ ہم تو چلے جاتے ہیں ہر دم کس کو قصیدِ اقامت ہو کس مدت سے دُوری میں تیری خاک سے برابر ہوں کر لے رنجہ قدم ٹک مجھ تک جو کچھ پاس قدامت ہو منہ پر اُس کی تیغِ ستم کے سیدھا جانا ٹھہرا ہے جینا پھر کھدار و مرزا اس طور میں ہو ٹک یا امت ہو</p>
<p>شور و غوغا راتوں کے ہمایہ تمہارے کیا ر دیں ایسے فتنے گئے انھیں کے میر جی تم جو سلامت ہو</p>	<p>شور و غوغا راتوں کے ہمایہ تمہارے کیا ر دیں ایسے فتنے گئے انھیں کے میر جی تم جو سلامت ہو</p>

جنس تقویٰ کے تئیں صرف بے حجام کرو
حے کی تعظیم کرو سیشہ کا اگرام کرو
آپ کو منجھوں کے متابل دشنام کرو
دین و دل پیشکش سادہ خود کام کرو
پر فشانہ کرو اور ساتی سے ابرام کرو
خاطر جمع حے شام سے یہ کام کرو
خدمت بادہ گساراں ہو سر انجام کرو
سیرین مستوں کی تقلید سے انعام کرو
پاس جوش گل و دل گرمی آیام کرو
ہاتھ میں جام کو لو آپ کو بدنام کرو
ایک تو صبح گلستان میں بھی شام کرو

شیخ جی آؤ مصلیٰ گرو حجام کرو
فرش مستان کرو سجادہ بے تہ کے تئیں
دامین پاک کو آلودہ رکھو باد سے
نیک نامی و تفاوت کو دُعا جلد کہو
ننگ ناموس سے اب گزرو جوانوں کی طرح
خوب اگر جرعت سے، نوش نہیں کر سکتے
اٹھ کھڑے ہو جو جھکے گردن مینا شراب
مطرب آکر جو کرے چنگ نوازی تو تم
خکی اتنی بھی تو لازم نہیں اس موسم میں
سایہ گل میں لب جو نگلابی رکھو
آہ تا چند رہو خالق و مسجد میں

رات تو ساری گئی سنتے پریشاں کوئی
میسر جی کوئی کھڑی تم بھی تو آرام کرو

ہم فراموش ہوؤں کو بھی کبھو یاد کرو
نہ کرو ایسا کہ پھر میرے تئیں یاد کرو
مرگ مجنوں پہ کرھو ماتم نہ یاد کرو
نانہ بدنام کہیں چنگل صیت یاد کرو
کوئی روشن کرو آنکھیں کوئی دلشاد کرو
آخر کار محبت کو ٹاک یاد کرو

کون کہتا ہے نہ غیروں پہ تم امداد کرو
ہیں یہاں مجھ سے وفا پیشہ نہ بیداد کرو
ایسے ہم پیشہ کہاں ہوتے ہیں دی غمزدگ
اے اسیران تہ دام نہ تڑپو اتنا
گو کہ حیرانی دیدار ہو آہ و شرک
کیا ہوا ہو ابھی تو ہستی ہی کو بھولے ہو

اول عشق ہی میں میسر جی تم رونے لگے
خاک ابھی منہ کو لو نالہ و فریاد کرو

لے اس شعر کے قوافی میں ایٹائے علی ہو۔ مگر قدیم سے قدیم نسخوں میں بھی اسی طرح ملتا ہے۔ ممکن ہو کہ یہ تصحیح سے ہوا
رہ گیا ہو اور مصرع ثانی میں بجائے جام خام ہو۔ واللہ اعلم۔
سے سودا دہلوی سے سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات پڑ ہوئے کو سحر آئی ہو ظالم کہیں مر بھی
سے مرزا غالب دہلوی سے تم جانو تم کو غیر سے جو رسم دراد ہو پڑ مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

<p>آئینہ ہو تو قابل دیدار کیوں نہو وہ ناز پیشہ ایک سے عیار کیوں نہو عاشق کو فکر عاقبت کار کیوں نہو جس کو شعور ہو تو گنہگار کیوں نہو درکاش گانِ رخنہ دیوار کیوں نہو انکار تجھ کو ہوئے سوا قرار کیوں نہو ہونا جو کچھ ہو آہ سو یکبار کیوں نہو اب صبح ہوئی آئی ہے بیدار کیوں نہو</p>	<p>دل صاف ہو تو جلوہ گریار کیوں نہو عالم تمام اُس کا گرفتار کیوں نہو مستغنیانہ توجہ کرے پہلے ہی سلوک رحمت غضب میں نسبت برقِ سبحان دشمن تو اک طرف کہ سببِ شکاں ہے آیات حق ہیں سارے یہ ذرات کائنات ہر دم کی تازہ مرگ جدائی تنہا گھول موئے سفید ہم کو کئے ہو کہ غافلاں</p>
<p>نزدیک اپنے ہم نے تو سب رکھا ہوا پھر میرا اس میں مردنِ دشوار کیوں نہو</p>	
<p>ناسورِ چشم ہو مژہ خونبار کیوں نہو حشرِ درگاہ وعدہ دیدار کیوں نہو پیشِ نظر و گرنہ چین زار کیوں نہو اس کا شائس کو اور کچھ آزار کیوں نہو بارے متلِ دل کا خبر دیدار کیوں نہو پھر ہر گلے میں سجہ و زناہ کیوں نہو عاشق بھلا سا ہو تو بیمار کیوں نہو</p>	<p>عاشق ہوئے تو گو غمِ بسیار کیوں نہو کامل ہوا اشتیاق تو اتنا نہیں ہر دور گلگشت کا بھی لطفِ دلِ خوش سے ہر نیم مخصوصِ دل ہو کیا مرضِ عشقِ جاں گداز آوے جو کوئی آئینہ بازارِ دہر میں مقصودِ دردِ دل ہو نہ اسلامِ ہونہ کفر شاید کہ آدے پر کشِ احوال کو کچھو</p>
<p>ملواری کے تلے بھی ہیں آنکھیں تری آدھر تو اس ستم کا میرا سزاوار کیوں نہو</p>	
<p>ایسا ہی بھول فرض کیا جو کیوں نہو ایسا جو پائے آپ کو مغرور کیوں نہو جو شخص ہوئے آنکھوں سے مغرور کیوں نہو پھر زخمِ دل نکار دکانِ ناسور کیوں نہو ظاہر میں اب ہزار تو مستور کیوں نہو سینہ کسو کا خبا نہ زبور کیوں نہو</p>	<p>ایسا ہے ماہِ گو کہ وہ سب فکر کیوں نہو کھویا ہمارے ہاتھ سے آئینہ نے اُسے حقِ برطون ہو منکر دیدارِ پار کے گیسوئے مشکبو کو اسے ضد ہو کھولنا صورت تو تیری صفی خاطرِ نقش ہے صافی شست ہے غرضِ عشقِ تیر سے</p>

<p>آوارگی ہماری بھی نہ کور کیوں نہ ہو زخمی جو اُس کے ہاتھ کا ہو چور کیوں نہ ہو افسانہ عشق کا ہی یہ مشہور کیوں نہ ہو</p>	<p>مجنوں جو دشت گرد تھا ہم شہر گرہ ہیں تلوار کھینچتا ہو وہ اکثر لٹے کے پنج خالی نہیں غزل کوئی دیوان سے مرے</p>
<p>مجھ کو تو یہ قبول ہوا عشق میں کہ مہمیر پاس اُس کے جب گیا تو کہا "دور کیوں ہو"</p>	
<p>کچھ ہم نے کی ہے ایسی ہی تقصیر کیوں نہ ہو انداز اس نگاہ کا پھر سیر کیوں نہ ہو کنعاں ہی کی طرف کو یہ شبگیر کیوں نہ ہو پھر منہ ترانہ دیکھتے تصویر کیوں نہ ہو وحشت دلا کہاں تئیں زنجیر کیوں نہ ہو غنجہ بھی کوئی خاطر دلگیر کیوں نہ ہو</p>	<p>ہر دم وہ شوخ دست ہمشیر کیوں نہ ہو اب تو جگر کو ہم نے بلا کا ہفت کیا جاتا تو ہو کہیں کو تو اے کاروانِ مصر حیراں ہیں اتقدیر کہ اگر اب کی جائے تو نے تو رفتہ رفتہ کیا ہم کو ننگ خلق جو گل کسو شگفتہ طبیعت کا ہے نشان</p>
<p>ہوئے ہزار دشت اُسے تو بھی یار ہے اغیار تیرے ساتھ جو ہوں مہمیر کیوں نہ ہو</p>	
<p>لیکن ہیں دور تر ہیں سایہ دیوار کو جلد اٹھاؤ میرے دروازہ سے اس بیمار کو میکدے میں دہر کے مشکل ہو ٹانگ شیار کو ورنہ کیا ہو بیستوں دیکھا ہے میں کسار کو پانوں میں گر کر نہیں چھنے کی فرصت خار کو</p>	<p>دیکھتا ہوں دھوپ ہی میں جلنے کے آثار کو بابِ صحت ہو ورنہ کون کہتا ہے طبیب وے جو سست بخودی ہیں عیش کرتے ہیں ام نقش شیریں یادگار کوہ کن ہو اس میں جو کس قدر کھجیں ہیں سیر تار دامن کو کہ اب</p>
<p>اے عیار مہمیر اُس کی رہز میں اک طرف کیا ہوا دامن کشاں آتے بھی بھاں تکسار کو</p>	
<p>کوئی تو چاہتے جی بھی نیاز کرنے کو جو دیکھو اُس کی شرہ نیم باز کرنے کو کہ آہ جانے تھی پا کے دراز کرنے کو دماغ چاہتے ہر اک سے ساز کرنے کو پکارے آپ اجل احتراز کرنے کو</p>	<p>جو میں ہوں تو کرو ترک ناز کرنے کو نہ دیکھو غنچہ زنگس کی اور کھلتے میں نہ سوئے نیند بھر اس تنگنا میں تانہ سو جو بیدار غمی یہی ہو تو بن چکی اپنی وہ گرم ناز ہو تو تعلق پر ترجم کر</p>

<p>بلا ہے چشم ترا فشانے راز کرنے کو تنک تو ترک کر اس ترک تا ز کرنے کو اثر تمام ہے دل کے گداز کرنے کو شعور چاہئے ہے امتیاز کرنے کو ولیک چاہئے ہے منہ بھی ناز کرنے کو</p>	<p>جو آئینہ آویں تو پی جا کہ تار ہے پردہ سمند ناز سے تیرے بہت ہے عرصہ تنگ بسان زرہی مرا جسم زار سار از رد ہنوز لڑکے ہو تم قدر میری کیا جانو اگر چہ گل بھی نمود اُس کے رنگ کرتا کر</p>
<p>زیادہ حد سے تھی تابوت میسر پر کثرت ہوا نہ وقت مساعد نماز کرنے کو</p>	
<p>دیکھا کریں ہیں ساتھ ترے یار ایک دو مر رہتے ہیں گے اُس کے گرفتار ایک دو جی دیں ہیں اس کی چشم کے بیمار ایک دو گزر رہیں ہیں اپنی جان سے ناچار ایک دو کڑے ہو جس کا لگتے ہی وار ایک دو اس مست کے بھی ہاتھ میں تلوار ایک دو</p>	<p>کرتے بیاں جو ہوتے خریدار ایک دو قید حیات قید کوئی سخت ہو کہ روز کس کس پہ اُس کو ہوتے نظر بیاں ہر ایک تو تو دُچار ہو کے گیا کب کا بیاں ہنوز اب روئے تیغ زن کی تمھارے تو کیا چلی نک چشم میں بھی مسر کا دُنبالہ سیٹھنچتے</p>
<p>کیا کیا عزیز دوست نے میسر خاک میں کچھ اس گلی میں ہم ہی نہیں خوار ایک دو</p>	
<p>اس ستم کشتہ پہ جو گزری جفا مت پوچھو کام کرتی ہو جو کچھ میری دعا مت پوچھو جس خرابی سے میں تھا ات رہا مت پوچھو اُس کے ایک لڑنے میں کیا کیا نہ گیا مت پوچھو شہر دل کیا کہوں کس طور جلا مت پوچھو میں اشارت کی اُدھر اُن نے کہا مت پوچھو</p>	<p>حال دل میسر کا اہل وفا مت پوچھو صبح سے اور بھی پاتا ہوں اُسے شام کو تنہ استخوان توڑی مری اس کی گلی کے سگتے ہوش صبر و خرد دین و حواس دل مٹا ب اشتعالک کی محبت نے کہ در بست پھنکا وقت قتل آرزوے دل جو لگے پوچھنے لوگ</p>
<p>خواہ مارا انھیں نے میسر کو خواہ آپ موا جانے دو یار جو ہونا تھا ہوا مت پوچھو</p>	
<p>ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہو جگر مت پوچھو جیسے بیمار اجل روز بستر مت پوچھو</p>	<p>نالہ شب نے کیا ہے جو اثر مت پوچھو پوچھتے کیا ہو مرے دل کا تم احوال کہ ہے</p>

یعنی ہے دور کا درپیش سفر مت پوچھو
دل گم کردہ کی کچھ خسیں خبر مت پوچھو
ہو دے منہ میں جنھوں کو شہدائے شہر مت پوچھو
اپنے ناحق میں ہیں سب اور ہنر مت پوچھو

مرنے میں بند زباں ہونا اشارت ہو ندیم
کیا پھرے وہ وطن آوارہ گیا اب سو ہی
لذت زہرِ غمِ فرقتِ دلدار اس سے
دل خراشی و جگر چاکی و سینہ کا وی

جوں توں کر حال دل اکبار تو میں عرض کیا
میتیر صاحب جی بس اب بار دگر مت پوچھو

جی ہی جانے ہے آہ مت پوچھو
گم راہ لایوں یہ راہ مت پوچھو
ہو یہی رو سیاہ مت پوچھو
پھر گئی ہے سیاہ مت پوچھو
میرے اعمال آہ مت پوچھو
بخشد و اب گناہ مت پوچھو

اس کی طسّر زنگاہ مت پوچھو
کہیں پہنچو گے بے رہی میں بھی
نو گرفتار دایم زلف اس کا
ہیں گی برگشتہ دے صفِ مہر کاں
تھا گرم پر اسی کے شربِ بدام
تم بھی اگر مالکانِ روزِ جزا

میتیر عاشق کو کچھ کہے ہی بنے
خواہ وہ پوچھو خواہ مت پوچھو

ایک دم جھوڑ دیوں ہی مجھ اب مت پوچھو
گزری آوارہ کی صحبت بھی مجھ اب مت پوچھو
حشر تھی داخلِ خستہ ام اب مت پوچھو
دن گیا ہجر کا جس دھنکے شربت اب مت پوچھو

محرماں بیدی کا میری سبب مت پوچھو
گریہ شمع کا اور ہمنفساں میں تھا حریف
سر پر شور سے میسر نہ کر د کوئی سوال
لب پہ شیونِ مرہ پر خونِ دنگ میں اک یاس

میتیر صاحب جی یہ طرز ہو اس کی تو کہوں
موجبِ آرزو کی کا وجہ غضب مت پوچھو

کیا آفت آگئی مرے اس دل کی تاب کو
بہتر تھا ورنہ ابر تو محبتِ آج اب کو
آنکھیں لگا کے اُن سے میں سوئوں خواب کو
قاصد مرا خراب پھرے ہے جواب کو
پینا ہوں رکھ کے آنکھوں جامِ شراب کو

فرصت نہیں تنک بھی کہیں اضطراب کو
میری ہی چشمِ ترکی کرامات ہے یہ سب
گزری ہے شربِ خیال میں خواب کے جاگنے
خطا آگیا پر اس کا تعنِ فل نہ کم ہوا
تیور میں جس کے دیکھے ہیں ساتی خمار کے

اب تو نقاب منہ پر لے ظالم کہ شب ہوئی	شرمندہ سارے دن تو کیا آفتاب کو
سکے سے تیر اور بھی ہوتا ہو مضطرب سمجھاؤں کہ تک اس دل خانہ خراب کو	
کیا ہو گرد بنامی و حالت تباہی بھی نہ ہو لطف کیا آزرده ہو کر آپ ملنے کے بیچ چاہتا ہو جی کہ ہم تو ایک جا رہنا ملیں جمع تر کال ہو کوئی دیکھو جا کر کسیں ناز برداری تری کرتے تھو ایک استبد پر	عشق کیسا جس میں اتنی رو سیاہی بھی نہ ہو ٹانگ تری جانب سے جیتک غم خواہی بھی نہ ہو ناز بیجا بھی نہ ہوئے کم نگاہی بھی نہ ہو جس کا میں کشتہ ہوں میں ہاں سیاہی بھی نہ ہو راستی ہم سے نہیں تو کج کلاہی بھی نہ ہو
یہ دعا کی تھی تجھے کن نے کہ بہر تزل میرے محضر غنیمت پر تیرے اک گواہی بھی نہ ہو	
آجرت میں نامہ کی ہم دیتے ہیں جاں تلک تو آغشتہ میرے خوں سے اس کا ش جا کے پہنچے و امانگی نے مارا اثنائے رہ میں ہم کو افسانہ غم کا لب تک آیا ہو مدتوں میں آوارہ خاک میری ہو کس دست در الہی اس کا ش خاک ہی ہم تہتے کہ تیرے اس میں	اب کار شوق اپنا پہنچا ہو بھیاں تلک تو کوئی پر شکستہ ٹک گلستاں تلک تو معاوم ہو پہنچنا اب کارواں تلک تو سو جایو نہ پیارے اس داستاں تلک تو پہنچوں غبار ہو کر میں آسماں تلک تو ہوئی تھیں سانی اس آستاں تلک تو
ردیف ہائے ہوز	
ہم بیگنہ اُس کے ہیں گنہگار ہمیشہ در پیش ہو بھیاں مردان دشوار ہمیشہ رہتی ہے اودھر ہی نگر یار ہمیشہ بک جاتے ہیں باتوں میں خریدار ہمیشہ دنیا میں رہے دیدہ خوں بار ہمیشہ رہتی ہو اسے حسرت دیدار ہمیشہ مردہ ہو غرض عشق کا بازار ہمیشہ	سو ظلم کے رہتے ہیں سزاوار ہمیشہ ایک آن گزر جائے تو کہنے میں کچھ آئے دشمن کو نہ کیوں شربِ ام آئے بیسر یوسف کے کٹی آن کے تیرے سر بازار ہو دامن کلچین چمن جیب ہمارا جو بن ترے دیکھے موادِ درخ میں ہو اپنی جیتا ہو تو بیضاقتی و بخودی ہو تیر

<p>جلو کر ہو کو ترے ہی میں سج کتا ہوں دل خستہ چمن میں دل خراش آواز آتی ہو چلی شاید ترے کوچے میں کیسے عاشقوں کے خار مرگاں ہیں مرے آگے نہیں ہنستا تو اک صلح کرتا ہوں تعجب ہو مجھے یہ سر کو آزاد کتے ہیں تری گلکشت کی خاطر بنا ہو باغ داغوں سے</p>	<p>دلایل اسکی نمایاں ہو مری آنکھیں ہیں خوں بستہ پس دیوار گلشن نالہ کش ہو کوئی پر بستہ جو تو گھر سے کبھو نکلے تو رکھیو پاؤں آہستہ بھلا میں روؤں دو دریا تبسم کر تو یک پستہ سر اپا دل کی صورت جس کی ہو وہ کیا ہوا رستہ پرطاؤس سینہ ہو تمامی دستِ گلہ ستہ</p>
---	--

بجا ہو گرفتار پر خستہ پھینکے گلاہ اپنی
کے جو اس زمیں میں میت کی مصلح جیتہ

<p>وہ نک چھڑ کے ہی مزا ہے یہ اب جو ہیں خاک انتہا ہے یہ ایک دودم میں پھر ہوا ہے یہ دل سے اپنے نہیں رگلا ہے یہ یوں نہیں جانتا کہ کیا ہے یہ ہر گھڑی ہم سے کیا ادا ہے یہ آن بیٹھو تو خوش نما ہے یہ ہو تو مردہ سا پر بلا ہے یہ کیا کہوں ریچنے کی جا ہے یہ نہ کسا یہ کہ آشنا ہے یہ اک لگا چک کہ مدعا ہے یہ</p>	<p>ہم ہیں مجروح ماجرا ہے یہ اک تھے ابتدائے عشق میں ہم بود آدم نمودِ شبِ بنم ہے شکر اس کی جفا کا ہو نہ سکا شور سے اپنے حشر ہے پردہ بس ہوا ناز ہو چکا اغاض نقشیں اٹھتی ہیں آج یارو کی دیکھ بیدم مجھے لگا کہنے میں تو چپ ہوں وہ ہونٹ چاڑھو ہے رے بیگانگی کبھو اُن لے تیغ پر ہاتھ د مبدم کب تک</p>
--	--

میت کو کیوں نہ مغنم جانے
انکے لوگوں میں اک رہا ہو یہ

<p>دل پر خوں ہے یہاں بچہ کو گماں ہو شیشہ شیشہ بازی تو تنگ دیکھنے آنکھوں کی رو سفیدی ہے نقاب رخ شورِ مستی منزلِ ہستی کو پہنچے ہے آنکھیں سے عالم</p>	<p>شیخ کیوں مست ہوا ہو تو کہاں ہو شیشہ ہر پلک پر مری اشکوں کی رواں ہو شیشہ ریش قاضی کے سب پینہ دہاں ہو شیشہ نشہ مے بلد دستک نشاں ہو شیشہ</p>
--	--

درمیاں حلقہ مستان کے شب اسکی جاتھی
جا کے یو جھا جو میں یہ کار گیمینا میں
کنے لائے کہ کدھر پھرتا ہو ہکا اڑست
دل ہی سارے تھے پر اک وقت میں جگر کے گداز
دور ساغریں مگر سپہ منیاں ہو شیشہ
دل کی صورت کا بھی شیشہ گراں ہو شیشہ
ہر طرح کا جو تو دیکھے ہو کہ یہاں ہو شیشہ
شکل شیشہ کی بنائی ہے کہاں ہو شیشہ

جھک گیا دیکھ کے میں میرے سے مجلس میں
چشم بد در طر حدار جواں ہے شیشہ

جی چاہے مل کسو سے یا سب سے تو جدارہ
کل بے تکلفی میں لطف اس بدن کا دیکھا
عاشق غیور جی دی اور اس طرف دیکھو
پہنچیں گے آگے دیکھیں کس دہ جوا بھی تو
کھینچا کرے ہو ہر دم کیانج بلہوس پر
مستظہر محبت تھا کوہ کن و گرنہ
ہرشت خاک یہاں کی چاہی ہو اک نائل
شاید کہ سر بلندی ہو دی نصیب تیرے
اُس خطا سبز نے کچھ رویت نہ رکھی تیری
حد سے زیادہ داعظا یہ کو دنا اچھلنا
میں تو ہیں وہم و دونوں کیا ہو خیال تجھ کو
جیسے خیال مفلس جاتا ہو تلو جگہ تو
وڈے بہت ولیکن مطلب کو کون پہنچا

پر ہو سکے تو پیار سے ٹک مل کا اشارہ
نکل نہ کر قبا سے اڑ گل بس اب ڈھپارہ
وہ آئینہ جو چھپا دی تو تو بھی ٹک کھنچا رہ
اُس ماہ چارادہ کا سن دن ہو پاک بارہ
اس ناسزائے خوک اتنا نہ سر چڑھارہ
یہ بوجھ کس سے اٹھتا ایک در ایک گیارہ
بن سوچے راہ مت چل ہر گام پر کھڑارہ
جوں گرد راہ سب کے پائوں سے تو لگاہ
کیا ایسی زندگانی جا خضر زہر کھارہ
کا ہے کو جاتے ہیں ہم آخر سر اب بندھارہ
جھاڑ آستین نجم سے ہاتھ آپسے اٹھارہ
مجھ بینو کے بھی گھر ایک آدھ رات آ رہ
آئندہ تو بھی ہمسما ہو کر شکستہ پارہ

جب ہوش میں تو آیا او دھری جاتے پایا
اس سے تو میر چندر اُس کو چہی میں چارہ

اب حال نیا اس کو ہو دل خواہ
مر جاؤ کوئی پروا نہیں ہے
پیر منیاں سے بے اعتقادی
کتے ہیں اُس کے تو منہ لگیگا
کیا پوچھتے ہو احمد اللہ
کتنا ہے مغرور اللہ اللہ
استغفر اللہ استغفر اللہ
ہو یوں ہی یارب جوں ہی یہ افواہ

<p>اب مر رہی گلیاں بندہ درگاہ ہو خضر دل میں کیسا ہی گمراہ کسکو کسوسے ہوتی نہیں جاہ اچھا رجمایا اسے مہربان آہ اس بے وقاسے نے رسم نے آہ گردن میں اسکی ہر گاہ دلیگاہ ہر گز نہ پہنچا یہ دست کوتاہ آگاہ سارے اس کی ہیں آگاہ کیا روز کیا غور کیا رات کیا ماہ</p>	<p>حضرت سے اُسکے جانا کہاں ہے سب عقل کھوے ہو راہ محبت مجرم ہوتے ہم دل دیکے در نہ کیا کیا نہ رکھیں تم نے پچائیں گزنے ہو دیکھیں کیونکر ہماری تھی خواہش دل رکھنا حامل اس پر کتنا شہ رگ سے اقرب ہو ماسوا کیا جو مہر کیسے جلوسے ہیں اس کے شانیں ہیں اسکی</p>	
<p>ظاہر کہ باطن اول کہ آخر اللہ اللہ اللہ اللہ</p>		
<p>زمین میکدہ یکدست ہے گی آب زدہ ہم اضطراب دہ اور تو حجاب زدہ اجل رسیدہ جفا دیدہ اضطراب زدہ پناہ لیتے ہیں سایہ کی آفتاب زدہ</p>	<p>جو ہوشیار ہو سو آج ہو شراب زدہ بنے یہ کیونکہ ملی تو ہی یا ہیں سمجھیں گروڑ جس کو لامت جہاں میں ہی ہوں جد ہوں رخ سوتری زلف میں کیوں مل جائے</p>	
<p>لگانہ ایک بھی میر اس کی بیت ابرو کو اگرچہ شعر تھے سب میرے انتخاب زدہ</p>		
<p>ناحق ہماری جان لی اچھے ہو داہ داہ گنتھواں تو تخت دل سے نکلتی ہو میری آہ ہوئے لگا طلوع ہی غور شید رنوسیاہ برجھی سی لاگ جاہر جگر میں تری نگاہ ای ضمیر میں نے اُس کے لی ہو تری پناہ اُنسو کی بوند جس سے ٹپکتی تھی گاہ گاہ</p>	<p>جز جرم عشق کوئی بھی ثابت کیا گناہ اب کیسا چاک چاک ہو دل اس کو ہجر میں شام شب وصال ہوئی یہاں کہ اس طعن گزر ایں اس سلوک سے دیکھا نگر مجھے بیتابیوں کو سوئے نہ دینا کہیں مجھے خوں بہتہ بارے رہنے لگی اب تو یہ مژدہ</p>	
<p>ناحق اچھے پڑاؤ یہ مجھ سے طریق عشق جاتا تھا میر میں تو چلا اپنی راہ راہ</p>		

<p>کچھ سنی سوختگاں تم خبر پروانہ اے جگر نفستگی بے اثر پروانہ بانوں پر شمع کے پالتے ہیں سر پروانہ کس قدر داغ ہوا ستھا جگر پروانہ</p>	<p>کہتے ہیں اُڑ بھی گئے جل کے پروانہ سعی اتنی یہ ضروری ہو اٹھی بزمِ ننگ کس کنہ کا ہو پس از مرگ یہ عذر جانوں آپڑا آگ میں اے شمع یہیں سو تو سمجھ</p>
<p>بزمِ دنیا کی تو دسوزی سنی ہوگی میسر کس طرح شام ہوئی یہاں سحر پروانہ</p>	
<p>تو بھی ہم غافلوں نے آگے کیا کیا کچھ گھر کو آتش دی محبت نے جلا کیا کچھ عشوہ و غمزہ و انداز و ادا کیا کچھ شغل میں غم کے ترے ہم گیا کیا کچھ چشمِ لطف و کرم و مہر و وفا کیا کچھ ایک عالم نے غرض مجھ کو کسا کیا کچھ واسطے تیرے سنا میں نے سنا کیا کچھ مر گیا میں پہ مرے جی میں رہا کیا کچھ آہ عالم سے مرے ساتھ چلا کیا کچھ دولتِ عشق سے ہم پاس بھی تھا کیا کچھ خاک کن کن کی ہوئی صرف بنا کیا کچھ مضطرب ہو کے آس میں فی لکھا کیا کچھ ہر حرف پہ وہ کہنے لگا کیا کیا کچھ</p>	<p>ہم سے کچھ آگے زمانے میں ہوا کیا کیا کچھ دل جگر جان بھہمنت ہوئے سینے میں کیا کہوں تجھ سے کہ کیا دیکھا ہو تجھ میں نے دل گیا، ہوش گیا، صبر گیا، جی بھی گیا آہ مبت پوچھ ستمگار کہ تجھ سے تھی ہیں نام ہیں خستہ و آوارہ و بدنام مرے طرف نصیحت ہو کہ گنتنا نہیں تو ایک مری حسرت دھل و غم ہجر و خیال رنج دوست ور و دل زخم جگر، کلفتِ غم، داغِ فراق چشمِ نمناک دل پر جب گھر صد پارہ تجھ کو کیا بننے بگڑنے سے مار کر کہ یہاں قبلہ و کعبہ خداوند ملا دو مشفق پر کہوں کیا رقم شوق کی اپنی تائیسر</p>
<p>ایک محروم چلے میت سر ہیں عالم سے ورنہ عالم کو زمانے دیا کیا کیا کچھ</p>	
<p>جی ہی جاتے نظر آتے ہیں اس آزار کے ساتھ جیسے تصویر لگاوے کوئی دیوار کے ساتھ کون اس طرح موا حسرت دیدار کے ساتھ چشمِ مشتاق لگی جاے ہے طائر کے ساتھ</p>	<p>کیا موافق ہو دو عشق کے بیمار کے ساتھ ات مجلس میں تری ہم بھی کھڑے تھے چلے برگے پر بھی کھلی رہ گئیں آنکھیں اپنی شوق کا کام کھنچا دور کہ اب مہر مثال</p>

<p>راہ اُس شوخ کی عاشق سے نہیں لگی سکتی وہ دن ابالتے ہیں راتوں کو برسوں گننے فکرِ گل کیا ہو، عبا، اب کہ خزاں میں ہم نے کس نے ہر دم ہو لہو روئے کا، جہراں میں دماغ میری اُس شوخ سے صحبت ہو بعینہ دلیبی دیکھئے کس کو شہادت سے سرفراز کریں</p>	<p>جان جاتی ہے چلی خوبی رفتار کے ساتھ جن دنوں دیر رہا کرتے تھے ہم یار کے ساتھ دل کو ناچار لگایا ہے نص و خار کے ساتھ دل کو اک ربط سا ہو دیدہ خونبار کے ساتھ جیسے بن جائے کسو سادے کو عیار کے ساتھ لاگ تو سب کو ہو اُس شوخ کی تلوار کے ساتھ</p>
---	---

بیگلی اُس کی نہ ظاہر تھی جو تو اسے بلبل
دم کش مہیت رہی اُس لبِ گفتار کے ساتھ

دلِ یارِ تھمائی

<p>دل کو تسکین نہیں اشکِ دواوم سے بھی ہمنشین کیا کہوں اس رشکِ تاباں بن کاش اے جانِ المناک کل جاوے تو آخر کار محبت میں نہ نکلا کچھ کام آہ میرے تیرے تا چند کہوں جی کی بات دوری کو چہ میں اے غیرتِ فردوسِ تری</p>	<p>اس زمانے میں گئی ہو برکتِ غم سے بھی صبحِ عید اپنی ہے بدتر شبِ ماتم سے بھی اب تو دیکھا نہیں جانا یہ تم ہم سے بھی سینہ چاک دہلِ تیرے مردہ مژدہ غم سے بھی عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی کام گزرا ہے میرا گریہ آدم سے بھی</p>
---	--

اہمیت اپنی ہی تھی یہ تیرے جوں مرغِ خیال
اک پیرافشانی میں گزریے سرِ عالم سے بھی

<p>تابِ دل صرف جدائی ہو چکی چھوٹا کب ہو اسیرِ خوشِ زبان آگے ہو مسجد کے نکلے اٹھی راہ درمیاں ایسا نہیں اب بے نینہ ایک بوسہ مانگو لڑنے لگے بچ میں ہم ہی ہوں تو لطف کیا آج پھر تھابے حمیتِ تیر دھال</p>	<p>یعنی طاقتِ آزمائی ہو چکی چیتے جی اپنی رہائی ہو چکی شرخِ سوابِ پارسائی ہو چکی میری اسکی اب صفائی ہو چکی اتنے ہی میں آشنائی ہو چکی رحمِ کرباب بے وفائی ہو چکی کل لڑائی سی لڑائی ہو چکی</p>
--	---

آخر بہاری خاک بھی برباد ہو گئی مدت ہوئی نہ خط ہو نہ پیغام ہو مگر	اُس کی ہوا میں ہم پہ تو بیداد ہو گئی اک سم تھی وفا کی بے افتاد ہو گئی
دل کس قدر شکستہ ہوا تھا کہ رات میر آئی جو بات لب پہ سو فریاد ہو گئی	
یہ چشم اُٹسہ وار دھتھی کسو کی سجڑے گل بیخودی ہم کو آئی یہ گزشتہ جہنگ رہا اس چین میں نہ ٹھہری ٹھک اک جان برباد رسیدہ جلایا شب اک شعلہ دل نے ہم کو نہ تھو تھو سے نازک میانان گلشن	نظر اس طرف بھی کبھو تھی کسو کی کہ اس سست پل میں بو تھی کسو کی ہرنگ حبس جستجو تھی کسو کی ہمیں مدعا گفتگو تھی کسو کی کہ اُس تند سرکش میں خو تھی کسو کی ہمت تو کمر جیسے مو تھی کسو کی
ہم مرگ دشواری جان اُن نے مگر میر کو آرزو تھی کسو کی	
ہم نے بھی طبع آزمائی کی عمر نے ہم سے بے وفائی کی شب نہ آخر ہوئی جدائی کی نتیں ہیں شکستہ پائی کی آہ لے آہ نارِ سائی کی ہم نے دیدار کی گدائی کی	ہے غزل میر یہ شفا کی اُس کے ایفائے عہد تک نہ جو وصل کے دن کی آرزو ہی ہی اسی تقریب اُس گلی میں ہے دل میں اُس شوخ کرنے کی تاثیر کاسہ چشم لیکے جوں نہ گس
زور و زچہ نہ تھا تو باری میر کس بھروسہ پہ آشنائی کی	
یہ بلا آسمان پر آئی ایک آفت جہان پر آئی یہ بلا جس جہان پر آئی بلع گرا امتحان پر آئی برق تھی آشیان پر آئی	آہ میری زبان پر آئی عالم جاں سے تو نہیں آیا پیری آفت ہر پھر تھک گویا ہم بھی حاضر ہیں کھینچ رہے تھیں آتش رنگ گل سو کیا کئے

	پھیر اپنے مکان پر آئی	طاقتِ دل بزرگِ محبتِ گل	
	ہو جہاں میر اور غم اس کا جس سے عالم کی جان پرکائی		
	بلکہ دی جان اور آہ نہ کی چشمِ اُس چہرہ پر سیاہ نہ کی جس نے کچھ اکیلے میں آہ نہ کی جانفشانی پہ میری واہ نہ کی	بات شکوہ کی ہم نے گاہ نہ کی گلِ دامنہ ماہ و غور کن نے کعبے ستلو بار وہ گیا تو کیا واہ اگر عشق اس ستمگر نے	
	جس سے تھی چشمِ ہم کو کیا کیا میر اس طرت اُن نے اُن گاہ نہ کی		
	آخر کو گرد رکھا سجتا دہِ محرابی یہ بات سُجھاتی ہے اُن آنکھوں کی چابی اب بڑھ گئے ہیں میری اسبابِ کم اسبابی کیا اور نہ تھی جاگہ یہ آگ جو بھیاں دابی جی کھائی ہے میرا اس جنس کی نایابی جاتے نہیں آنکھوں کو لب یا کر غنابی کوہوں کی کمرنگ بھی جا پہنچی ہے میرابی ہر خاک سے آج اُن کی ہر صحن میں ہتھابی	کل میر نے کیا کیا کی کی کیلئے بینابی جاگا جو کہیں وہ بھی شبِ مرتکب ہو کیا شہر میں گجانش مجھ بے سرو پا کو ہو دن رات مری چھاتی جلتی ہے محبت میں سولک بھر لیکن پائی نہ وفا اک جا خولستہ نہ کیوں بلکیں ہر لحظہ میں میری جنگل ہی ہے ہر تنہا روئے نہیں میرے تھے ماہ و شمال کل جوان کو ٹھونچ جلویں	
	کل میر جو بھیاں آیا طور اس کا بہت بھایا وہ چشمِ کبی نش پر جامہ گلے میں آبی		
	طرح اُس میں مجنوں کی سب یا گئی مری خاکِ بدلی سی سب چھائی گئی گل و برگِ سیدرد پھیلا گئی ہمیں سے وہ کچھ آنکھ شہر یا گئی غرض ہم بھی کہتے ہیں کیا کیا گئی مری لاش تا گور تنہا گئی	ہمیں اُمید میر کل بھا گئی کہاں کا غبار آہ دل میں بہہ تھا کیا پاسِ بلبل خزاں نے نہ کچھ ہوئی سامنے یوں تو ایک ایک کے جگر منہ تک آئے نہیں بوتے نہ ہمرہ کوئی ناکسی سے گیا	

<p>تپِ غم جگر کو مرے کھال گئی گئی گر نہ امروزِ فسر دا گئی</p>	<p>گھٹا شمع ساں کیوں خجاؤں چلا کوئی رہنے والی ہو جانِ غم سز</p>
<p>کئے دست و پا لگ جو میر آگیا وفا پیشہ مجلس اُسے پا گئی</p>	
<p>ہم چھوڑی ہمارے کی کلاں اُسکو ہوئے کیں بھی ہم نے نہ رکھی مخد پر اسے ابراستیں بھی گرتے ہو پار دل کے اک نالہ حزیں بھی جاتا ہے در نہ غافل پھر دم تو داپس بھی ریسا تھوں ساتھ اُس کے نکلی اک آفریں بھی آگے ہوا ہوا اب تک ایسا ستم کہیں بھی آئینوں میں دلوں کے جوہر بھی پھر نہیں بھی ہیں برقِ خرمن گل رخسار آفتیں بھی رجبِ در راہ چلتے آزر دہ ہنمشیں بھی رخصت طلبے جاں بچی ایمان اور دیں بھی</p>	<p>یکسو کٹا وہ روئی پرچیں نہیں جیہیں بھی آلتو تیرے دامن پوچھے ہو وقت گریہ کرتا نہیں عبرت تو پارہ گلو فغاں سے ہوں احتضا رہیں میں آئینہ روستاب آ سینے سے تیر اُس کا جی کو تو لیستا نکلا ہر شب تری گلی میں عالم کی جان جباہو شوخی جلوہ اُس کی تسکین کیونکہ بخشے گیسو ہی کچھ نہیں ہے سنبل کی آفت اُس کا تکلیف نالہ سرت کر او دردِ دل کہ ہوئے کس کس کا دل دکھیں یارب غم بتاں میں</p>
<p>زیر فلک جہاں تک آسودہ میر ہوتے ایسا نظر نہ آیا اک قطعہ زمیں بھی</p>	
<p>جلا دھوپ میں بھیاں تلک ہم کہ تب کی مرے خوش نگہ کی نگاہ اک غضب کی ٹاک اک تو بھی تو سن کسی جاں بلب کی ضرورت ہو کیا شیخ دم اک وجب کی بہت دیکھتے ہیں تری راہ کب کی ہوئی مشفق اب ادھر رائے سب کی تری راہ میں اپنے پائے طلب کی یہ زور آوری دیکھو زاری شب کی گلابی شراب اور غزل اپنے ڈھب کی</p>	<p>گئی چھانوں اُس تیغ کی سر جب کی پڑی خسرو من گل پہ بجلی سی آخر کوئی بات نکلتے ہے دشوار منہ سے تو سٹلا جو رکھتا ہے خسرو ہے دگر نہ بیکایک بھی آسرو یہ دامن گال کے وایع وجب گردل مخالف ہوئے میں تجھے کیونکہ ڈھونڈ ہوں کہو ہی گدڑی دل عرش سے گدڑے ہے ضعف میں بھی عجب کچھ ہے گر میر آدے میر</p>

<p>لوں پھونک کر کے خاک مری سب اڑا گئی پر دل کی بیقراری مری جان کھا گئی مجنوں کو موت کیسی شتابی میں آگئی بجلی رہی تھی سو بھی تو سب دھکا گئی</p>	<p>کیسے قدم سے اسکی گلی میں صبا گئی کچھ تھی طیش جگر کی تو بارے مزاج داں کس پاس جا کے بیٹھوں خرابی میں اس میں کون اس ہوا میں زخمی نہیں میری آہ کا</p>
<p>سودا جو اس کے سر سے کیا زلف بار کا تو تو بڑی ہی مہر کے سے بلا گئی</p>	
<p>نگاہ چشم اُدھر تو نے کی قیامت کی نہیں ہو قدر نرا دل برس کی طاعت کی وفا و مہر جو تھی رسم ایک مدت کی مری تو باتیں ہیں بخیر حرف الفت کی ہوا منائی اگر شیخ نے کرامت کی قد خمیدہ نے سو زریں اشارت کی</p>	<p>خبر نہ تھی تجھے کیا میرے دل کی طاقت کی آنکھوں میں جو کہ ترے محو سجدہ بیتہ میں اکٹھائی تنگ سمجھ تم نے بات کے کتے رکھیں امید رہائی اسیر کا کل زلف رہے ہو کوئی خرابات چھوڑ مسجد میں سوال میں نے جو انجام زندگی سو کیا</p>
<p>نہ میری قدر کی اس سنگدل نے تیر بھو نہرا حیف کہ پھرتے میں محبت کی</p>	
<p>ہے سزا تجھ پہ یہ گستاخ نظر کرنے کی نامہ بر کیا چلی غمی ہم کو خیر کرنے کی کہہ بیٹے کی بھی کچھ شام و سحر کرنے کی میں تو کھائی تھی قسم چشم کے تر کرنے کی طرز سیکھی ہو مری ٹھکڑے جگر کرنے کی وہن ہو نالہ کو کس دل میں اثر کرنے کی صورت اک یہ رہی ہو عمر بسر کرنے کی</p>	<p>فکر ہے ماہ کے جو شہر بدر کرنے کی کہہ حدیث آنے کی اس کے جو کیا شاہی مرگ کیا چلی جاتی ہو غمی ہی میں اپنی دُشمن ابھی برسات ہی کو ذمہ تھا عالم کا دال پھول کچھ لیتے نہ نکل تھے دل صد پارہ ان دنوں نکلے ہو آغوشہ بچوں اتوں کو عشق میں تیرے گزرتی نہیں بن سر چلے</p>
<p>کار دانی ہے جہاں عمر عزیز اپنی میسر رہ ہے در پیش سدا اسکو سفر کر نیکی</p>	
<p>غموں نے آجکل سنیو وہ آبادی سی غارت کی حلاوت ہو کی اور بنیاد مے خانہ کی غارت کی</p>	<p>خرابی کچھ نہ ہو چھو ملکیت دل کی عمارت کی نگاہ مست سے خب چشم نے اسکی اشارت کی</p>

<p>پڑے تھے باغ میں یک مشت پر اودھر اشارت کی اُسی آتش کے پر کلے نہ ہم سے بھی شرارت کی اگیا تھا سایہ سایہ بلع تک تس پر حرارت کی</p>	<p>سحر گہ میں نے پوچھا گل سے حالِ زار بلبل کا جلایا جس تجلی جلوہ گرنے طور کو ہم دم نزاکت کیا کہوں خورشید رو کی کل شب ہم میں</p>
<p>ترسے کو چہ کے شوق طوف میں جیسے بگولا تھا بیاباں میں غبارِ میر کی ہم نے زیارت کی</p>	
<p>سر پر مے کھڑی ہو شبِ شمع زورِ روئی منہ کی گئی جو لوئی تو کیا کرے گا کوئی رونے نے ہر گھڑی کے وہ بات ہی ڈلوئی سونے دیا نہ ہم کو ظالم نہ آپ سوئی غیروں پہ مہربانی یاروں سے کہینہ جوئی منہ میں زباں نہیں ہو اُس بد زبانی کوئی</p>	<p>میں نے جو بیکسانہ مجلس میں جان کھوئی آتی ہے شمع شب کو آگے ترے یہ کہہ کر برِ طاقتی سے آگے کچھ پوچھنا بھی تھا سو بلبل کی بیکلی نے شب بے دماغ رکھا اُس ظلم پیشہ کی یہ رسمِ قدیم ہے گی نوبت جو ہم سے گاہے آتی ہے گفت کوئی</p>
<p>اس مہ کے جلوہ سے کچھ تا میر یاد دیوے اب کی گھروں میں ہم نے سب چاندنی پر لوئی</p>	
<p>کہ میری جان نے تن پر مرے گرائی کی جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی یہ تھوڑی منتیں ہیں مجھ پہ سخت جانی کی قسم ہے اپنی مجھے اُس گزنی جوانی کی خدا کے واسطے صورت تو دیکھو مانی کی ہماری لاش کی شبِ خوب پاسبانی کی</p>	<p>الم سے یہاں میں میں مشتاقِ ناوانی کی چمن کا نام سنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے ملائی خوب مری خوں میں خاکِ بسمل گاہ بتناک ہوں میں ترے اختلاط سے پیری چلا ہے کھینچنے تصویرِ میرے بت کی آج تری گلی کے ہر اک سگ نے استخوان توڑے</p>
<p>رکھے ہیں میر ترے سہ سے بیوفا خاطر تری جفا کے تغافل کی بدگمانی کی</p>	
<p>کیجئے کیا میر صاحبِ بندگی بیچارگی دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا کیسا رگی حسنِ دیوار ہے یادِ دیدہ نظارگی</p>	<p>لا علاجی ہے جو رہتی ہے مجھے آوارگی کیسی کیسی صحبتیں آنکھوں کے آگے کوئیں روئے گل پر روز و شب کس شوق کو بہتا ہو جا</p>
<p>۱۔ زندگانی کرنا۔ فارسی کے محاورہ زندگانی کروں کا ترجمہ ہو یعنی زندگی گزارنا</p>	

<p>لشکِ خویش آنکھ میں بھرا کر پی جانا ہوں میں</p>	<p>مختص ہے کھتا ہے مجھ پر تہمتِ میخوارگی</p>
<p>لشکِ خویش آنکھ میں بھرا کر پی جانا ہوں میں</p>	<p>لشکِ خویش آنکھ میں بھرا کر پی جانا ہوں میں</p>
<p>گیسو اُس کو میں نے کیوں آنکھ جا لگائی تھا دل جو پتکا پھوڑا بساری اہم سے ذوقِ جراحت اس کا کس کو نہیں ہو لیکن دم بھی نہ لینے پایا پانی بھی پھر نہ مانگا تھا صیدِ ناتواں میں لیکن لہو سو میرے بالکس آج اُس کے سائے سلوک دیکھے</p>	<p>جو اپنے اچھے جی کو ایسی بلا لگائی دکھتا گیا دو چند ان جوں جوں دوا لگائی بخت سکے حُکے اُن نے تیغِ جفا لگائی جس شہنہ لب کو اُن نے تلوار آ لگائی پانوں پہ اُن نے اپنے بھر کر حنا لگائی کیا جانوں دشمنوں کے گل اُس پہ کیا لگائی</p>
<p>جو آنسو پی گیا میں آخر کو میت اُن نے چھاتی جلا جگر میں اک آگ جا لگائی</p>	<p>جو آنسو پی گیا میں آخر کو میت اُن نے چھاتی جلا جگر میں اک آگ جا لگائی</p>
<p>دو دن سے کچھ بنی تھی سو پھر شب بگڑ گئی واشد کچھ آگے آہ سر ہوتی تھی دل کے تئیں گرمی نے دل کی ہر جڑ میں اُس کے جلا دیا خطائے نکل کے نقشِ دلوں کے اٹھائے</p>	<p>صحبت ہماری یار سے بیڑھ بگڑ گئی قلیمِ عاشقی کی ہوا اب بگڑ گئی شاید کہ احتیاط سے یہ تب بگڑ گئی صورتِ بتوں کی اچھی جو تھی سب بگڑ گئی</p>
<p>باہم سلوک تھا تو اٹھائے تھے نرم گرم کاپے کو میسر کوئی دے جب بگڑ گئی</p>	<p>باہم سلوک تھا تو اٹھائے تھے نرم گرم کاپے کو میسر کوئی دے جب بگڑ گئی</p>
<p>کچھ موج ہوا پچاں اسے میسر آئی دلی کے نہ تھے کوپے اور اقی مصور تھے مغرور بہت ہے ہم آنسو کی سرایت پر گل بار کرے ہیگا اسبابِ سفر شاید</p>	<p>شاید کہ بہار آئی زنجیرِ نظر آئی جو شکلِ نظر آئی تصویرِ نظر آئی صبح کے ہونے کو تاخیرِ نظر آئی غنجہ کی طرح بلبُل دلیگرِ نظر آئی</p>
<p>اس کی تو دل آزاری پہ ہیج ہیج یارو کچھ تم کو ہماری بھی تقصیرِ نظر آئی</p>	<p>اس کی تو دل آزاری پہ ہیج ہیج یارو کچھ تم کو ہماری بھی تقصیرِ نظر آئی</p>
<p>ہو گئی شہرِ شہرِ سوالی ایک بیا بیاں بزنابِ صوتِ جرس</p>	<p>ای مری موت تو بھلی آئی مجھ پہ ہے بیکسی تو ہنسائی</p>

<p>اُس کی تصویر وہ ہر جانی دستِ قدرت یہ میں کہاں پائی</p>	<p>نہ کھنچے تجھ سے ایک جانِ نقاش سر رکھوں اُس کے پاؤں پر لیکن</p>
<p>میرے حب کیا ہو دل سے میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودا</p>	
<p>عید آئی یہاں ہمارے بریں جامہ ماتمی سیکڑوں طوفاں بغل میں ہو یہ مڑگاں ماتمی ہو قیامت شیخ جی اس کار گہ کی برہمی ہو پرستاروں میں تیری گرہ پری ہو آدمی وہ دم شمشیر تیرا یہ ہماری بسید می مر گئے تو مر گئے ہم اُسکے کیا ہوگی می</p>	<p>تو گلے ملتا نہیں ہم سے تو کیسی سحر می جی بھرا رہتا ہوا اب آٹھوں پر مانند ابر حشر کو زیر و زبر ہو گا جہاں سچ ہے دے تجھ سو محبوب آتش طبع اے ساتی نہیں سامنے ہو جائیں اے ظالم تو دونوں ہیں برے اُس قیامت جلوہ سو بہتیرے ہم سے جی انہیں</p>
<p>کچھ پریشانی سے ہو سنبھل کی ہوا کچھ ہو گامی ایک جہاں برہم کرے زلفوں کی سبکی دہری</p>	
<p>اس دل کے تڑپنے نے کیا خانہ خرابی کی کیا نقل کروں خوبی اس چہرہ کتابی کی ہو مجلسِ مشتاقاں دھماکاں کب کتابی کی تہ دار نہیں ہوتی گفتِ ارشادِ ربی کی پُر زور ہے کیا دار و عنبر کی گلابی کی ہر شکل مرے دل کی سب شیشہِ حبابی کی</p>	<p>اب ضعف سے ڈھٹا ہو مینا بی شتابی کی ان درس گہوں میں وہ آیا نہ نظرِ عام کو ٹھنٹے ہیں دل اک جانب سکتے ہیں جگرِ یاس کو تغ اُس سب میگوں سے سب سنتے ہیں کس خاطر ایک بوکشی بلبیل ہو موجبِ ضدستی اب سوزِ محبت سے سائے جو پھچھو لے ہیں</p>
<p>نشر وہ مرے سحر سے یہاں حرف نہیں نکلا جو بات کہیں نے کی سو میرے حسابی کی</p>	
<p>بیقراری کو جانے تب کوئی صبرِ مرحوم تھا عجب کوئی بات کہتے ہیں تیری لب کوئی سوئے پایا تھا در نہ کوئی آہ و نال کرے نہ اب کوئی</p>	<p>تجھ سا بیتاب ہوئے جب کوئی ہاں خدا مغفرت کرے اُس کو جان دے گو مسیح پر اس سے بعد میرے ہی ہو گیا سناں اُس کے کوہِ پر حشر تھی تجھ تک</p>

<p>کہ تلفظ طرب کا سننے کے قطعہ</p>	<p>شخص ہو گا کہیں طرب کوئی</p>
<p>اور محضوں بھی ہم نے تھے دل میتیر سا ہو سکے ہر کب کوئی</p>	
<p>دیوانگی کسو کی بھی دنجیر پانہ تھی ایسی گئی بہسار مگر آشنا نہ تھی دل تھا ہمارا آگے تو ماتم سرا نہ تھی شرمندہ اثر تو ہماری عسا نہ تھی لیکن ہماری جان پر ایسی بلا نہ تھی لیکن کسو کے پاس متاع وفا نہ تھی آنکھوں میں تیری دنجتر زکریا چاہ نہ تھی مخلوق جب جہاں میں نسیم وضبانہ تھی</p>	<p>آگے ہمارے عہد سے وحشت کو جانہ تھی بیگانہ سا لگے ہر چمن اب خزاں میں ہاؤ کب تھا یہ شور و نوہ ترا عشق جیتے تھا وہ اور کوئی ہوگی سحر جب ہوئی قبول آگے بھی تیرے عشق سے پھینچ کر درو بخ دیکھے دیا حسن کے میں کارواں بہت آئی پری سی پردہ مینا سے جام تک اس وقت سے کیا ہو مجھے تو چراغ وقت</p>
<p>پڑ مرده اس قدر میں کہ ہر شبہ ہم کو میتیر تن میں ہائے جان کبھو تھی بھی یا نہ تھی</p>	
<p>یار کے تیر جان لیجا بھی سانے سے مرے ارے جا بھی کس کا قصہ تھا ہاں سے جا بھی کیوں ہوا ہر شری را جا بھی</p>	<p>چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھی کیوں تری موت آئی سبکی غریز حال کہ چپ ہا تو میں بولا کنے لاگانہ واہی بک اتنا قطعہ</p>
<p>میں کہا میتیر جاں بلب ہر شوخ تو نے کوئی خبر کو بھیجا بھی</p>	
<p>ریشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کئی مر گئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کئی اب گریباں میں مرے رہ گئے ہیں تار کئی ہر جگہ راہ عدم میں ملیں گے یار کئی جان واحد ہر مری اور ہیں آزار کئی</p>	<p>گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی کب تلک نزع دکھا دیگی اسیری مجھ کو دیکھی چالاکیاں ہاتھوں کی ہیں جو اول تھیں خون تنہائی نہیں کرتو جہاں سے تو سفر اضطراب و قلق وضعف میں کس طور جیوں</p>
<p>بعض شعرا نے متاع کو مذکر بھی لکھا ہے۔</p>	

کیوں نہ ہوں خستہ بھلا میں کہ ستم کے تیرے	تیرے میں پار کئی دار ہیں سو فار کئی
اپنے کوچے میں نکلیو تو سنبھالے دامن	یاد نگار مژہ میست رہیں یہاں غار کئی
میری پریش پتری طبع اگر آئے گی محو اُس کا نہیں ایسا کہ جو چیتے کا شتاب کتنے پیغامِ حین کو ہیں سو دل میں ہیں گرہ ابر مت گورِ غریباں پہ برس غافل آہ	صورتِ حال بچتے ابھی نظر آوے گی اُس کے بخود کی بہت دیر خبر آوے گی کسو دن ہم تئیں بھی بادِ سحر آوے گی ان دل آزدوں کے جی میں بھی لہر آوے گی
میسر میں جیتوں میں آؤں گا اسی دن جبرِ دل	دل نہ تڑپے گا مرا چشم نہ بھر آوے گی
کیا کروں شرحِ خستہ جانی کی حال بد گفتنی نہیں میرا سب کو جانا ہو یوں تو پیرا صبر تشنہ لب مر گئے ترے عاشق بیت بگشتی سمجھ کے کر بلبل	میں نے مرم کے زندگانی کی تم نے پوچھا تو مہربانی کی آتی ہو اک تری جوانی کی نہ لی ایک بوندِ بانی کی دھوم ہے میری خوش بانی کی
جس سے کھوئی تھی نیند میرے کل	ابستہ پھر وہی کہانی کی
یہ بازار جنوں منڈی ہو دیوانوں کی کیونکہ کہئے کہ اثرِ گریہ مجنوں کو نہ تھا یہ بگولہ تو نہیں دشتِ محبت میں سے خائفہ کا تو نہ کر قصدِ ٹک اسے خاہِ خراب سیل اشکوں سے ہو، صرصر آہوں سے آری دل و دیں کیسے کہ اُس رہزنِ دلہا سے اب کتنے دل سوختے ہم جمع ہیں ای غیرتِ شمع سرگزشتیں نہ مری سن کہ اچھٹی ہو سینگ میکدے سے تو ابھی آیا ہو مسجد میں مہتیر	یہاں دکانیں ہیں کئی چاک گریباؤں کی گردِ نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی جمع ہو خاکِ آڑی کتنی پریشاؤں کی یہی اک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی مجھ سے کیا کیا نہ خرابی ہوئی ویرانوں کی یہ پڑی ہے کہ خدا خیر کرے جہانوں کی کر قدم رنجہ کہ مجلس ہے یہ پروانوں کی خاصیت یہ ہو مری جان ان افسانوں کی ہو نہ لغزش کہیں مجلس ہو یہ بیگانوں کی

<p>اوکٹ لیکے آخر ادا کیا نکالی مناسب مرض کی دوا کیا نکالی نئی راہ کوئی صبا کیا نکالی یہ اک اپنے جی کی بلا کیا نکالی وفا کی ہماری جزا کیا نکالی نکلے ہی تیغ جفا کیا نکالی</p>	<p>ملا غیسے جا جفا کیا نکالی طبیعوں نے تجوڑی مرگ عاشق نہیں اُس گزر گہر آئی دھڑب دلا اُسکے گیسے کیوں لگ چلا تو رجھا ہی دیا واہ رے قدر دانی دم صبح جوں آفتاب آج ظالم</p>
<p>لگے در بدر امیر چلانے پھرنے گدا تو ہوئے پر صد کیا نکالی</p>	
<p>نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری خبر نہیں ہے تجھے آہ کارواں میری ہزار جائے گئی طبع بد گماں میری نہ کچھ خبر ہے نہ سب سے سبکی رہواں میری کہ ایک دست ہو صاں خواب باں میری گئی یہ عمر سز آہ رایگاں میری گئی ہو فکر پریشاں کہاں کہاں میری گئی گلوں کے نہ کانوں تلک فغاں میری نہ آستین ہوئی پاک دوتاں میری</p>	<p>رہی نہ گفتہ مر دل میں استاں میری برنگ صوت جس تجھ سے دور ہوں تنہا ترے نہ آج کے آنے میں صبح کے مجھ پاس وہ نقش پائے ہوں میں مٹ گیا ہو جو رہ میں شب اُس کے کوچہ میں جاتا ہوں اس توقع پر اسی سے دور رہا اصل مدعا جو تھا ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا رہا میں در پس دیوار باغ مدت لیک ہوا ہوں گریہ خونیں کا جبے دامنگیر</p>
<p>دیا دکھائی مجھے تو اسی کا جلوہ میری پڑی جہان میں جا کر نظر جہاں میری</p>	
<p>اپنی جگہ بہار میں کچھ تفس رہی آئی اگرچہ دیر صدائے جرس رہی دیکھی نہیں ہو اُن ڈنری جلی رہی برسات اب کے شہر میں ساری برس رہی ہر زخم بھیاں ہو جیسے کلی ہو بخش رہی</p>	<p>اب کے بھی سیر بلع کی جی رہی رہی میں پاشکستہ جانے سکا قافلے تلک لطف قبائے تنگ پگل کا بجا ہو ناز دن رات میری آنکھوں سے آنسو چل رہی خالی شگفتگی سے چراحت نہیں کوئی</p>
<p>۱۔ خیال مفلس کی ایک اور تشبیہ و تمثیل صفحہ ۱۲۸ سطر ۱۸۔</p>	

<p>گردن مری ہر طوق میں گویا کہ پھنس ہی</p>	<p>دیوانگی کہاں کہ گریباں سے تنگ ہوں</p>
<p>جوں صبح اس عین میں ہم کھل کھنس کر فرصت ہی جو میسر بھی ہو اک نفس ہی</p>	<p>آج کل بقیہ رہیں ہم بھی آن میں کچھ ہیں آن میں کچھ ہیں منع گریہ نہ کر تو اسے نا صبح در پئے جان ہر قراول مرگ نالے کر یو سمجھ کے اے بلبک مدعی کو شراب ہم کو نہ ہر گرز خود رفتہ ہیں تری نزدیک</p>
<p>بیٹھ جا چلنے ہار ہیں ہم بھی تحفہ روزگار ہیں ہم بھی س میں بے اختیار ہیں ہم بھی کسو کے تو شکار ہیں ہم بھی پانے میں اک کنار ہیں ہم بھی عاقبت دوستدار ہیں ہم بھی پنے تو یادگار ہیں ہم بھی</p>	<p>میسر نام اک جواں سنا ہوگا اسی عاشق کے یار ہیں ہم بھی</p>
<p>اے عمر گزشتہ میں تری قدر نہ جانی پھوٹا تو نہ آیا نظر اک بوند بھی پانی ٹھکی ہے یہ کسکی ہوس بال فشانہ لگنت سے اچھ جا کے اُسے بات آئی باقی ہو کسو موت پریشاں کی نشانی ہم جی سے ترے دست ہیں تو دشمن جانی کتب میں جو کم آتی یہ لیلیٰ تھی دوانی وہ اُس کی وفا پیشگی وہ اُس کی جوانی</p>	<p>غفلت میں گئی آہ مری ساری جوانی تھی ابلہ دل سے ہمیشگی میں چشم مدت سے ہیں اک مشت پر آوارہ چمن ہیں بھاتی ہو تجھے اک طلب بوسہ میں یہ آن یہ جان اگر بید مولہ کہیں دیکھے دیکھیں تو سسی کب تیں بھتی ہو یہ صحبت چمنوں بھی نہ رسوائے جہاں ہوتا وہ آپ اک شخص مجھی سا تھا کہ وہ تجھ پہ تھا عاشق قطعہ</p>
<p>یہ کہہ کے جو رویا تو لگا کسے نہ کہہ میسر سنتا نہیں میں ظلم رسیدوں کی کہانی</p>	<p>طل بارے ہم سے اُس سے ملاقات ہو گئی کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شام ہاجر گردش نگاہ مست کی موقوف ساقیا</p>
<p>دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی سوز لفس ہی بناتے اُسے رات ہو گئی مسجد تو شیخ جی کی خیر ابات ہو گئی</p>	<p>طل بارے ہم سے اُس سے ملاقات ہو گئی کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شام ہاجر گردش نگاہ مست کی موقوف ساقیا</p>

<p>آیا عمل میں بھیماں کہ مکافات ہو گئی پیر مغاں سے رات کرامات ہو گئی نومیدی و امید مسوات ہو گئی مستی میں اب تو قبلہ حاجات ہو گئی گویا کہ کوہ و دشت پہ پرست ہو گئی</p>	<p>ڈر ظلم سے کہ اٹھکی جزا بس شتاب ہے خورشید سا پیالہ مے بے طلب دیا کتنا خلافت وعدہ ہوا ہو گا وہ کہ یہاں آشیخ گفتگوئے پریشاں پہ تو نہ جا ٹک شکر نکل کے ہر اگر یہ سیر کر</p>
<p>اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ہے اُس کے رد برد رنجش کی وجہ سے کیا بات ہو گئی</p>	
<p>کسو سے کام نہیں رکھتی جنس آدم کی کہ بزم عیش جہاں کیا سمجھ کے برہم لگی کہ سیر و گشت نہیں رسم اہل ماقم کی رہی ہو بات مری جاں بلب کی دم کی جفا جو ان نے بہت کی تو کچھ دفا کم کی کہ صبح عید بھی عیساں شام ہو محرم کی</p>	<p>بغیر ذل کہ یہ قیمت ہے سائے عالم کی کوئی ہو محرم شوخی ترا تو میں پوچھوں ہمیں تو باغ کی تکلیف سے معاف رکھو تنگ تو لطف سے کچھ کہہ کہ جاں بلبوں میں گرتے کو تو کج و دل کج اپنی گزری ہو گھرے ہیں رد و الم میں نسراق کے ایسے</p>
<p>نفس میں میسر نہیں جوش دانہ سینے پر ہوں نکالی ہو ہم نے بھی گل کے موسم کی</p>	
<p>سجدہ اس آستان کا کیا پھر وفات کی ناموس یوں ہی جائیگی آب حیات کی حملت نہ دی اجل نے ہیں ایک بات کی اب بات جا چکی ہو سبھی کائنات کی آہ سحر نے دل پہ عبث التفات کی دزدیدہ تیرے دیکھنے نے جہنم گھات کی اس جادو کا پانچتی نہیں ہے نبات کی جو چال پڑتی ہے سودہ بازی نبات کی</p>	<p>غم سے یہ راہ میں نے نکالی نجات کی نسبت تو دیتے ہیں ترے لب پر ایک دن صد حرف ز پر خاک تیرے دل چلے گئے ہر تو ہی اس زمانے میں حیرت چپ نہیں پژمردہ اس کلی کے تئیں اشدن ہو کیا حور و پری فرشتہ لبشر بار ہی رکھا اُس لب شکر کے ہینگے جہاں اللہ شناس عرصہ ہو تنگ چال نکلتی نہیں ہو اور</p>
<p>برقع اٹھا تھا یار کے منہ سے سو میسر کل سننے ہیں آفتاب نے جوں توں کی رات کی</p>	<p>نہ علم فراوان پرانیف سیر با سہ دو نہیں دماغ نہیں حندہ ہا کے بیجا کا مرزا عابد</p>

<p>پڑ مرده اس کلی کے تئیں بھی ہوا لگی آج یہ آگ دل سے جس کو بھی جال لگی کوچہ میں تیرے زلف کے آئے صبا لگی اس دل مرہضِ غم کو نہ کوئی دوا لگی دل کو کسو ستمزدہ کی بد دعا لگی گریہ کی نے کی ہیں تکلیف نال لگی</p>	<p>اب دل کو آہ کرنی ہی صبح و مسا لگی کیونکر بجاؤں آتش سوزانِ عشق کو دل کو گئے ہی یہاں سو بنی اب کہ ہر بحر بیتابی و شکیب و سفر حاصل کلام درمچہ نفس سے غیر کہ بھر جی ہی سے گیا لگ جائے چپے کچھ کو تو تو کیوں عذیب</p>
<p>کشتہ کا اُس کے زخم نہ ظاہر ہوا کہ میر کس جائے اُس شہید کرتی جفا لگی</p>	
<p>اس ماہر و کے آگے کیا تاب مشتری کی میر اس جہاں کی رہد پرتے سرسری کی مت پوچھ اُن نے مجھ سے جو آدمی گری کی سر پر ہمارے ابی منت ہو بے پری کی مجنوں کے طالعوں نے شہرت میں ماور کی یہ کشت خنک تو نے اگر چشم بھری کی رکھے بنائے تازہ اس چرخِ اختر کی ہم رنجہ خاطر دلی کیا خوب دلبری کی</p>	<p>کس حُسن سے کہوں میں لگی خوش خیزی کی رکھنا نہ تھا قدم یہاں جوں باد بے تامل شہبازِ حال سگ میں اک عمر صرف کی ہے پائے گل اُس جن میں چھوڑا گیا نہ ہم سے پیشہ تو ایک ہی تھا اُس کا ہمارا لیکن کہ یہ سے داغِ سینہ تازہ ہوئے ہیں سارے یہ دور تو موافق ہوتا نہیں مگر اب خواباں تمھاری خوبی تا چند نقل کر لے</p>
<p>ہم سے جو میر اثرِ افلاک چرخ میں ہیں ان خاک میں یلوں کی کاہیکو ہمیری لگی</p>	
<p>یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے شعلہ اک صبح یہاں سے اٹھتا ہے کوئی ایسے مکاں سے اٹھتا ہے شور اک آسماں سے اٹھتا ہے ایک آشوب دھاں سے اٹھتا ہے</p>	<p>دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے گور کس دل جلے کی ہو یہ نلک خانہ دل سے زینہ سار نہ جا نالہ سر بھینچتا ہے جب میرا لڑتی سے اُس کی چشم شوخ جہاں</p>

لے طالع شہرت رسواں مجنوں پیش است، درہ ملت من وادہر ووزیک بام اقدار لا اعلم - آتی

<p>دود کچھ آشیاں سے اٹھتا ہے جو ترے آستان سے اٹھتا ہے جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے</p>	<p>سُدد لے گھر کی بھی شعلہ آواز بیٹھے کون دے ہو پھر اُس کو یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم</p>
<p>عشق اک میسر بھاری پھر ہو کب یہ تجھ ناتواں سے اٹھتا ہے</p>	
<p>سنا کر بے کہ یہ بھی اک سخن ہے ابھی چشم یا رخسہ کم سن ہے نپٹ آوارہ بوئے پیر سن ہے کوئی دل داغ خون کو بہن ہے کہ ہر گل اس میں اک خونیں گفن ہے دل پر داغ بھی اپنا چمن ہے</p>	<p>گلی کہتے ہیں اُس کا سادہ سن ہے ٹپکتے درد ہیں آنسو کی جب آگ خبر کے پیر کنگاں کی کہ کچھ آج نہیں دامن میں لالہ بے ستوں کے شہادت گاہ ہے باغِ زمانہ کروں کیا حسرت گل کو وگرنہ</p>
<p>جو دے آرام تک آوارگی میسر تو شامِ غربت اک صبحِ وطن ہو</p>	
<p>آئے جو ہم چین میں ہو کر اسیر آئے آئے تو تم و لیکن وقتِ اخیر آئے کچھ دے گئے شبابی کچھ ہم بھی دیر آئے گل گر گئے عدم کو کھڑے نظر آئے دروازے جس کے ہم سے کتنے فقیر آئے ایک آدھ دن میں ہم تو جیسے پیر آئے خینے ہو گلبنوں پر جب ہم صغیر آئے سر شیخ جی کے گویا مجلس میں پیر آئے قربان کہ دفا میں مانند سیر آئے</p>	<p>گلگشت کی ہوس تھی سو تو بغیر آئے فرصت میں کفایت کیا در دل سنو گے دلی میں اب کی آکر اُن یاروں کو نہ دیکھا کیا خوبی اس چین کی موقوف ہو کسو پر شکوہ نہیں جو اُس کو پروانہ ہو ہماری عمر دراز کیونکر مختارِ حضور ہے یہاں نزدیک تھی قفس میں پروازِ روح اپنی یوں بیٹھے بیٹھے ناکہ گردن لے لالائی قامت حمیدہ اُس کی جیسی کہاں تھی لیکن</p>
<p>بن جی دئے نہیں ہو امکان بھیاں سجانا بسل گہ جہاں میں اب ہم تو میسر آئے</p>	
<p>لے لپڑ آئے یعنی بھول کی مانند غور و پیدا ہوئے۔</p>	

کہے نظر لگی تھی دروازہ حرم سے
صورت گرا جل کا کیا ہاتھ تھا کہے تو
سوزش گئی نہ دل کی رونے سے در و شب کے
طاعت کا وقت گزرا مستی میں آنرز کی
کرٹے نہ روئے تو اوقات کیونکہ گزے
مشہور ہو سماجت میری کہ تیغ برسی
بات احتیاط سے کر ضائع نہ کر نفس کو
کیا کیا تعوب اٹھائے کیا کیا عذاب دیکھے
ہستی میں ہم نے اگر آسودگی نہ دیکھی
پامال کر کے ہم کو پچھتاؤ گے بہت تم

دل دہو مہر صاحب اس بد معاش کو تم
خاطر تو جمع کر لو تک قول سے قسم سے
کہ بل نہ باندھتے ہیں بیچ بگڑی کے بھی بالوں سے
نسلی کرتے ہیں ناچار شاعر ان مہشالوں سے
حقیقت عافیت کی اُس گلی کے بنے والوں سے
جگر ٹکڑے ہوا جاتا ہے آخر شب کے نالوں سے
کہ آمینہ کو ربط خاص ہے صاحب جمالوں سے
لے ہیں ہم بہت گلزار کے نازک نہالوں سے
گتھا نکلے ہو تختِ دل مرا تیروں کر بھالوں سے
کس سالی میں ملتا ہو کوئی بھی فرد سالوں سے

رہا ہونا نہیں امکان ان ترکیبِ دلوں سے
بچے نسبت جو دیتے ہیں شرار و برق و شعلہ و
بلا کا شکر کر اسے دل کہ اب معلوم ہوتی ہے
نہیں امہ نفس اب جی میں طاقت دوری گل کی
نہیں خالی اثر سے تصفیہ دل کا محبت میں
کہاں یہ قامتِ دلکش کہاں پاکیزگی ایسی
ہوت اُس کا ہوئے مدت ہوئی سبب کو پر اب تک
ہوا پیرانہ سر عاشق ہو زاہد مضحکہ سب کا

رگ گل کوئی کتا ہو کوئی آدمی سر مو اس کو
کمر اُس شوخ کی بندستی نہیں ان خوش خیالوں سے

یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے
مرو یا جو کوئی اُس کی بلا سے
یہ عقدے کھلیں گے کسو کی دعا سے

گئے جی سے چھوٹے بٹوں کی جفا سے
وہ اپنی ہی خوبی پہ رہتا ہے نازاں
کوئی ہم سے کھلتے ہیں بند اس قبلے

<p>کہ غافل چلا شیخ لطف ہوا سے کہ ورت مجھے ہو نہایت صبا سے مگر دیدہ تر ہیں لوہو کے سیا سے تعصب مجھے ہے عجب اسوا سے ہوا درد عشق آہ دونا دوا سے کہ بیٹھے ہیں یہ قافیہ کس ادا سے</p>	<p>پشیمان توبہ سے ہو گا عدم میں نہ رکھی مری خاک بھی اس گلی میں جگر سوئے شرکاں کھنچا جائے ہو کچھ اگر چشم ہو تو وہی عین حق ہے طیب سبک عقل ہرگز نہ سمجھسا ملک امدعی چشم انصاف وا کر</p>
<p>دل ساکنان باغ کے تجھ سے انا گئے ان دؤ ہی منزلوں میں بہت یا تھک گئے ہر چند نالہائے خرب عرش تک گئے سیلاب میر اشک کے آرد بھی بہک گئے بھر کر نگاہ تو نے جو کی دوہیں چھک گئے ب داغ کھاتے کھاتے کلیجے تو پک گئے</p>	<p>کیوں نے تیری چال جو بھی تھک گئے اندوہ وصل و ہجر نے عالم کھپا دیا مطلق اثر نہ اُس کے دل نرم میں کیا افراط گریہ سے ہوئیں آبادیاں خراب وے میگسا رطوبت جھیں خم کشی کے تھے چنداے سپہر چھاتی ہماری جلا کرے</p>
<p>ہوند لیں آنکھیں ادھر سے تم نے پیائے دیکھے خاک میں تا چند ایسے لعل پائے دیکھے جو نکتے ہیں خون خفتہ کب تھکے دیکھے رفتہ رفتہ پیش کیا آتا ہے بائے دیکھے ایک دن تو آن کر یہ جسم سناے دیکھے چشم سے انصاف کی سینے ہماے دیکھے دیدہ دل ہو گئے ہیں سب کناے دیکھے اور منہ دھونے کے چھینٹوں سے ستاے دیکھے ہم تو میر اس رہ کے خواہید ہر باے دیکھے</p>	<p>زندگی ہوتی ہو اپنی غم کے مارے دیکھے لحنت دل کبت الہی چشم سے ٹپکا کریں ہو چکا روز بھرا اب اس شہیدان وفا راہ دور عشق میں اب تو رکھا ہم نے قدم سینہ مجروح بھی قابل ہوا ہو سیر کے خنجر بیداد کو کیا دیکھے ہو دمبدم ایک خوں ہو یہ گیا ودرتے ہی دتے گئے شست مشو کا اُس کے پانی جمع ہو کر رہ بنا و گئے سوتے کے سوتے کارواں جاتا رہا</p>

<p>آخر میں تری آنکھوں کے ہم دیکھنے والے ہرگز نہ ہوا یہ کہ ہمیں پاس بلالے گرجائے اگر آنکھ میں سر دل سے نکالے کرتے نہیں غیرت سے خدا کے بھی حوالے اب یہ خونِ سب از نہیں جاتے منہ والے اب دستِ تلمطف کو مرے سے اٹھالے اک لطف میں وہ مجھ سے تنگ روگے منالے دیکھیں گے اگر دیں ہی بھلا جان بھی جالے</p>	<p>کس طور ہمیں کوئی فریبندہ بٹھالے سبِ ظلم اٹھائے تو کبھو دُور سے دیکھا اُس شوخ کی سرتیز پلک ہیں کہ وہ کانٹا عشق اُن کو ہو جو یار کو اپنے دمِ رفتن وے دن گئے جو ضبط کی طاقت تھی ہیں بھی احوال بہت تنگ ہو اے کاشِ حجت دعوائے قیامت کا مرے خوف سے کیا کہتے ہیں حجابِ رخِ دلدار ہو ہستی</p>
<p>میر اس سے نکل آہ کہ درختے ہیں مبادا بیباک ہو وہ شوخ کہیں مار نہ ڈالے</p>	
<p>کہ ہمراہ صبا طاک سیر کرتے پھر ہوا ہوتے وہ گرنہ ہم خدا سے گھر دل بے مدعا ہوتے خبر راہ ہوتے یا کسو کی خاک پاہوتے ہمیں تو شرم و اس گیر ہوتی ہو خدا ہوتے ترسے باشندگان ہم کاش سارے یوفا ہوتے جو خاطر خواہ اپنے ہم ہوئے ہوتے تو کیا ہوتے</p>	<p>برنگِ بوئے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے سر پایا آرزو ہونے لے بندہ کر دیا ہم کو خلک اے کاش ہم کو خاک ہی کہتا کہ اس میں ہم کئی کیسے ہوتے ہیں جنہیں ہو بندگی خواہش تو ہو کس ناحیہ سے اے دیارِ عشق کیا جانوں اب ایسے ہیں کہ صانعِ کرمِ مزاج او پر ہم پہنچے</p>
<p>کہیں جو کچھ ملامت گرجا ہو میر کیا جانے انہیں معلوم تب ہوتا کہ ویسے سے جدا ہوتے</p>	
<p>گل اک دل ہے جس میں تری چاہ ہو جہاں دیکھو اللہ اللہ ہو وہی بخیر ہے جو آگاہ ہو کہ اب تک بھی یک ناتواں آہ ہو کہ ہر گام بچھاں اک خطر گاہ ہو</p>	<p>چمن یا ریسرا ہوا خواہ ہے سر پایا میں اُس کے نظر کے غم تری آہ کس سے خبر پائیے مرے لب پہ رکھ کان آواز سن گزر سے سرتب عشق کی راہ چل</p>
<p>لہ مرزا غالب دہلوی سے قیامت ہو کہ ہوتی مدعی کا ہمسفر غالب پڑ وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائی ہو مجھ سے لہ لا اعلم سے ہم خدا سے گرنہ ہوتا دل میں کوئی عرسا پڑ آرزو دل سے ہماری ہم کو بندہ کر دیا</p>	

<p>بہت خطر بھی دل میں گمراہ ہے یہ منزل نہیں عجیب راہ ہے کہا میں نے کب یہ کہ تو ماہ ہے</p>	<p>کہم وادی عشق دکھلایے جہاں سے تو رخت اقامت کو باندھ نیشہ مندہ کر اپنے منہ سے مجھے</p>
<p>یہ وہ کارواں گاہ دلکش ہو میسر کہ پھر یہاں سے حسرت ہی ہمراہ ہو</p>	
<p>کو کئی کچھ دماغ میں گل کے خون بلبلی چراغ میں گل کے جلو سب سے بڑا داغ میں گل کے ہو نہیں ہو ایانہ میں گل کے</p>	<p>دھبہ ہی تیرے زریں داغ میں گل کے جائے روغن دیا کرے ہے عشق دل تکی نہیں صبا ورنہ اس حدیقے کے عیش پرست جا</p>
<p>سیر کر میسر اس چمن کی شتاب ہو خزاں بھی سراغ میں گل کے</p>	
<p>جان کے دینے کو جگر چاہئے اشک سا پاکیزہ لہر چاہئے اٹھتے پلک ایک پہر چاہئے اُس کے پرکھنے کو نظر چاہئے داغ بہ دل دمت بسر چاہئے عیب بھی کرنے کو ہنر چاہئے</p>	<p>عشق میں نے خوف و خط چاہئے قابل آغوش ستم دیدگاں حال یہ پہنچا ہے کہ اب ضعف ہے کم ہیں شناسائے زرد داغ دل عشق کے آثار ہیں او بلہوس شرط سلیقہ ہے ہر ایک امر میں</p>
<p>خوف قیامت کا یہی ہو کہ میسر ہم کو جیا بار دگر چاہئے</p>	
<p>یہ نمائش سراب کی سی ہے پنکھڑی لک گلاب کی سی ہے یہاں کی اوقات خواب کی سی ہے حالت اب اضطراب کی سی ہے بیت ال انتخاب کی سی ہے</p>	<p>ہستی اپنی جاب کی سی ہے ماز کی اس کے لب کی کیا کہئے پیشیم دل کھول اُس ہی عالم پہ بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں نقطہ خال سے ترا ابرو</p>
<p>۱۵۔ لیے گل کچھ غور پیدا ہو گیا ہے ۱۲</p>	

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز آتشِ غم میں دل بھناٹا بد دیکھئے ابر کی طرح اب کے	اُسی خادِ خراب کی سی ہے دیر سے بوکباب کی سی ہے میری چشم پر آب کی سی ہے
میراں نیم بار آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے	
شمعِ صفت جب کبھو مر جائیں گے تند نہو ہم تو مئے پھرتے ہیں کھل گئے رخسار اگر یاد کے خالی نہ چھوڑیں گے ہم اپنی جگہ	ساتھ لے داغ جگر جائیں گے کیا تری ان باتوں سو ڈر جائیں گے شمس و قمر جی سے اتر جائیں گے گر یہی رونا ہے تو بھر جائیں گے
راہ دم تیغ یہ ہو کیوں نہ میر جی پہ رکھیں قحطے تو گزر جائیں گے	
اب جو اک حسرتِ جوانی ہو ریشکِ یوسف ہو آہِ وقتِ عزیز گر یہ ہر وقت کا نہیں بڑھچ خاک تھی موجِ زن جہاں میں اور ہم قفسِ زادِ قیدی ہیں ورنہ اُس کی شمشیر تیز سے ہدم غم و رنجِ عالمِ نکو یاں سے	عمر رفتہ کی یہ نشانی ہے عمر اک بارِ کاروانی ہے دل میں کوئی غم نہانی ہے ہم کو دھوکا یہ تھا گریانی ہے تا چمن ایک پر فشانے ہے مر رہیں گے جو زندگانی ہے سب بھاری ہی مہربانی ہے
یہاں ہوئے میر تم برابر خاک وہاں وہی ناز و سحر گزانی ہو	
قیامت ہیں یہ چسپاں جامے والے وہ کالا چور ہے خالِ رُخِ یار نہیں اٹھتا دل محزون کا ماتم کہاں تک دور بیٹھے بیٹھے کئے دلا بازی نہ کر ان کیسوؤں سے	گلوں میں جن کی خاطر خستہ ڈالے کہ سو آنکھوں میں دل ہو تو چرالے خدا ہی اس مصیبت سے نکالے کبھو تو پاس ہنس کو بھی بلا لے نہیں آساں کھلانے سانپ کالے

<p>بغل میں دشمن اپنے ہم نے پالے ابھی زخمِ جگر سارے ہیں آئے پڑے ہیں اب تو چینی ہی کے لالے</p>	<p>طیش نے دلِ جگر کی مار ڈالا نہ مہکے ہوئے گل اے کاش یک چند کسے قیدِ قفس میں یادِ گل کی</p>
<p>ستایا میسرِ نعم کش کو کنھوں نے کہ بھر اب عیش تک جاتے ہیں نالے</p>	
<p>بس ہم نہ بُرا مانے تو کون بُرا مانے دل کی تو سمجھ لیجے گر چشمِ کھامانے کیا کیا نہ لکھیں ہم تو جو یار لکھامانے پردہ تو سخن رسِ اہو اس بات کو کیا مانے</p>	<p>اب علم ہے اس خاطر تا غیر بھلا مانے سرمایہِ صداقت دیدار کی خواہش ہے مسدود ہی اے قاصد بہتر ہے رونا ملکِ حال شکستہ کی سنیے ہی ہر سب کچھ ہے</p>
<p>بے طاقتی دل نے سائل بھی کیا ہم کو یہ میسرِ فقرِ دل کی بھیاں کون صدامانے</p>	
<p>ایسے دیرانے کے اب سنے کو مدت چاہئے اس طرح خرچ لا حاصل کو دولت چاہئے آدمی ہووے کسی پیشے میں حرکت چاہئے سامنے ہووے کو صاحبِ فن کو قدرت چاہئے قرب و بعد اس جا برابر ہے محبت چاہئے بھیاں صعبوت کھینچنے کو جی میں طاقت چاہئے</p>	<p>دل کے مہوے کی مت کر فکرِ فرصت چاہئے عشق و میخواری نیچے ہو کوئی درویشی کے پیچ عاقبت فراموش کر کام اپنا کر گیا ہو طرف مجھ پہلو ایں شاعر کا کب عاجز سخن عشق میں وصل و جدائی سے نہیں کچھ گفتگو نازکی کو عشق میں کیا دخل ہے اے بھروسہ</p>
<p>تنگ مت ہو ابتدائے عاشقی میں اس قدر خیریت ہو میسرِ صاحبِ دل سلامت چاہئے</p>	
<p>دکھلائی دے جہاں تک میدان ہو رہا ہے ہر اک کے بھیاں سفر کا سامان ہو رہا ہے آئینہ دیکھ کر کچھ حیران ہو رہا ہے یعنی ہزار جی سے سریان ہو رہا ہے سزیتا نہ تھا کہ تیرے صیدِ بجان ہو رہا ہے ایک دھ دھ دم کا عاشقِ مہمان ہو رہا ہے</p>	<p>بے یارِ فہرِ دل کا دیران ہو رہا ہے اس منزلِ جہان کے باشندے رفتی ہیں اچھا لگا ہے شاید آنکھوں میں یار اپنے گل دیکھ کر چین میں تجھ کو کھلا ہی جا ہے حالِ زبون اپنا پوشیدہ کچھ نہ بھٹا تو ظالمِ ادھر کی سُدھ لے جو صبح صبح گاہی</p>

قربان کہ محبت وہ جاہو جس میں ہر سو
دشوار جان دینا آسان ہو رہا ہے

ہر شب گلی میں اُس کی روٹی ہے جو ہم تو
اک روز تیر صاحب طوفان ہو رہا ہے

تیری گلی سے جب ہم غم سفر کریں گے
آزادہ خاطر وں سے کیا فائدہ سخن کا
عذر گناہِ خوباں بدتر گنہ سے ہو گا
سر جائیگا دلیکن آنکھیں اُدھر ہی ہونگی
اپنی خبر بھی ہم کو اب دیر پہنچتی ہے
گردل کی تابِ طاقت یہ ہو تو ہمنشین ہم
یہ ظلم بے نہایت دیکھو تو غور و بویاں
اپنے ہی جی میں آخر انصاف کر کہ کبتک

ہر ہر قدم کے اوپر پتھر جگر کریں گے
تم حرف نہ کرو گے ہم گریہ سیر کریں گے
کرتے ہوئے تلافی بے لطف کریں گے
کیا تیری تیغ سے ہم قطع نظر کریں گے
کیا جانے یار اُس کو کبتک خبر کریں گے
شامِ غم جدائی کیونکر سحر کریں گے
کتے ہیں جو ستم ہو ہم تجھ ہی پر کریں گے
تو یہ ستم کرے گا ہم در گزر کریں گے

صلح طرفہ ہیں ہم عالم میں ریختے کے
جو تیر جی لئے گا تو سب ہنس کریں گے

آنکھیں لڑا لڑا کر کبتک لگا رکھیں گے
فکر دہن میں اُس کی کچھ بن نہ آئی آخر
مشتِ نمک کو میں نے بیکار کم رکھا ہے
سبز ان شہر اکثر درپے ہیں آبرو کے
آنکھوں میں دلبروں کی مطلق نہیں مروت
جینے ہیں جب تلک ہم آنکھیں بھی لڑتیاں میں
اب چاند بھی لگا ہو تیرے سے جلوہ کہنے
مرگان و چشمِ داہر و سب ہیں ستم کی مائل

اس پرے ہی میں خوباں ہم کو سلا رکھیں گے
اب یہ خیال ہم بھی دل سے اٹھا رکھیں گے
چھاتی کے زخم میرے مدت مزا رکھیں گے
اب زہرِ پاس اپنے ہم بھی سنگار رکھیں گے
یہ پاسِ آشنائی منظور کیا رکھیں گے
دیکھیں تو جو خوبان کبتک روا رکھیں گے
شبہائے ماہِ چندے تجھ کو چھپا رکھیں گے
ان آفتوں سے دل ہم کیونکر بچا رکھیں گے

دیوانِ میر صاحب ہر یک کی آواز بغل میں
دو چار شعر ان کے ہم بھی لکھا رکھیں گے

تجھ سے دُچار ہو گا جو کوئی راہ جاتے
گردل کی بیقراری ہوتی یہی جواب ہو

پھر عمر چاہئے گی اُس کو کجاں آتے
تو ہم ستم رسیدہ کا ہیکہ جینے پاتے

<p>اب سعی چاہئے ہو بالیں سے سر اٹھاتے پر زبر تیغ اُس کی ہم ملک تو سر ملاتے کاسے کو خاک میں ہم اپنے تئیں ملاتے تخم جاتے ہیں کچھ آنسو انوں کو آتے آتے حال خراب مجلس ہم تیغ کو دکھاتے اگر کاش جان دیتے ہم بھی نہ لنگھاتے</p>	<p>وے دن گئے گئے ٹھکر جاتے تھو اُس گلی میں کب تھی ہمیں تمنا اضعف یہ کہ تڑپیں گر جانے کہ یوں ہی برباد جائیں گے تو شاید کہ خون دل کا پہنچا ہے وقت آخر اس سمت کو پلٹتی تیری نگہ تو ساقی جی دینا دلہی سے بہتر تھا صدمہ اب</p>
<p>شب کو تہ اور قصہ ان کا دراز ورنہ احوال متیر صاحب ہم تجھ کو سبباتے</p>	
<p>نہ نکلا کچھ عہدہ مور سے کہ فریاد میں ہے جس شور سے قسم ہے تجھے ملک برس زور سے دھواں سا اٹھا کچھ لب گور سے ہوا اس گلی میں بستر چور سے</p>	<p>ہو عاجز کہ جسم اس قدر زور سے بہت دور کوئی رہا ہے مگر مری خاک تفتہ پر ای ابر تر ترے دل جلے کو رکھا جس گھڑی نہ پوچھو کہ بے اعتباری کی میں</p>
<p>جو ہو متیر بھی اس گلی میں صبا بہت پوچھو تو مری اور سے</p>	
<p>یہاں سلیمان کے مقابل مور ہو چشم شیر اپنا چراغ گور ہو ایک عالم اُس کے اوپر ڈور ہو وائے وہ جس کا عصا کش کور ہو صبح کی بھی باد بادی چور ہو کیونکہ کہنے حق ہماری اور ہو</p>	<p>مت ہو مغرور ایک تجھ میں زور ہو مر گئے پر بھی ہے صولت فخر کی جب کاغذ باد کا ہے شوق اسے رہنمائی شیخ سے مت چشم رکھ لے ہی جاتی ہے زر گل کو اڑا دل کھینچے جاتے ہیں سائے اس طر</p>
<p>تھا بلا ہنگامہ آرا متیر بھی اب تلک گلیوں میں اُس کا شور ہو</p>	
<p>ملتی نا چار ہوا چاہے کس کا طلبگار ہوا چاہے</p>	<p>غیر سے اب یار ہوا چاہے جسکے تیل ڈھونڈیں میں وہ سب ہیں ہو</p>

<p>اس لئے بیمار ہوا چاہئے دل کو گرفتار ہوا چاہئے مرنے کو تیار ہوا چاہئے جلدِ خسرو دار ہوا چاہئے دل کے خسرو ہوا چاہئے سایہ دیوار ہوا چاہئے آہ سبک بار ہوا چاہئے</p>	<p>تاکہ وہ ٹکآن کے پوچھے کھو زلفت کسی کی ہو کہ ہواں و خط تیغِ بلند اُس کی ہوئی بلہوس مصطفیٰ بیخودی ہو یہ جہاں مول ہو بازار کا ہستی کے یہ کچھ نہیں خورشید صفت سرکشی کر نہ تعلق کہ یہ منزل نہیں</p>
<p>گو سفری اب نہیں ظاہر میں میسر عاقبت کار ہوا چاہئے</p>	
<p>پامال ہو گئے تو نہ جانا کہ کیا ہوئے ہم آخر بہارِ قفس سے رہا ہوئے آدم کی قدر ہوتی ہو ظاہر جدا ہوئے گل وا ہوئے ہزار دے ہم نہ وا ہوئے</p>	<p>یہاں سرکشاں جو صاحبِ تاج دلوں آہو دیکھی نہ ایک چٹک گل بھی چین میں آہ پچھتاؤ گے بہت جو گئے ہم جہان سے تجھ بن دماغ صحبت اہل چین نہ تھا</p>
<p>سر دیئے میسر ہم نے فراغت کی عشق میں ذمہ ہمارے بوجھ تھا بائے ادا ہوئے</p>	
<p>اک نظر گل دیکھنے کے بھی ہمیں لالے پڑے رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالے پڑے ہر طرف تو ہیں گلی کو چوں میں متوالے پڑے میر پاؤں میں تو پہلے ہی قدم چھالے پڑے گھر میں ہسالیوں کو شہ کو کے پر نالے پڑے روتے روتے بسکہ میری آنکھوں میں خالے پڑے</p>	<p>اس اسیری کے نہ کوئی اے صبا پالے پڑے حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش مت نگاہ مست کو تکلیف کرساقتی زیاد کیہ نہ کہ طے ہو دشتِ شوق آخر کو مانندِ بستر شک جوش مارا اشکِ خونیں نے مرے دل سے لیس ہیں بعینہ ویسے جوں پر داکرے ہے عنکبوت</p>
<p>گر محوشی سے مری گریہ کی شہ کنکھوں کی راہ گوشہ دامن میں میسر آتش کے پر کالے پڑے</p>	
<p>دل نے صدے بڑے اٹھائے تھے کتے آنسو پلک تک آئے تھے</p>	<p>رہنچ کھینچے تھے دماغ کھائے تھے پاسِ ناموس عشق تھا در نہ</p>

<p>زخم چھاتی کے سب دکھائے تھے یہاں کبھو سر و گل کے سائے تھے کس توقع پہ دل لگائے تھے سانس بھی ہم نہ لینے پائے تھے</p>	<p>دہی سمجھانہ ورنہ ہم بنے تو اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں کچھ نہ سمجھے کہ تجھ سے یاروں نے فرصتِ زندگی سے مت پوچھو</p>
<p>میر صاحب رُلا گئے سب کو کل وے تشریف یہاں بھی لائے تھے</p>	
<p>نگاہیں اٹھ گئیں طوفانِ پر سے بڑی کلول ٹلی ہی جان پر سے اٹھالوں میں اُسے قرآن پر سے خدائی صدقے کی انسان پر سے</p>	<p>گرے بحیرہ بلا شرکان تر سے ہمیں غش آگیا تھا وہ بدن دیکھ لیا دل اُس مخطوط روئے میرا کہاں ہیں آدمی عالم میں پیدا</p>
<p>تفنگ اُس کی چلی آواز پر لیک گئی ہے میر گولی کان پر سے</p>	
<p>پر نہ اتنا بھی کہ ڈوبے شہر کم روئے نخندہ صبحِ جن پر مشلِ شبنم روئے عید کے دن ہنسنے تو دس دن محرم روئے ہر جگہ برجی میں یوں آیا دما دم روئے مدتوں تک کیجئے غمِ مشلِ آدم روئے وادیِ بجنوں پہ بھی اے ابراک دم روئے</p>	<p>خوب ہی اے ابراک شبِ آو با ہم روئے وقتِ خوش دیکھانہ اکدم سے زیادہ دہریں شادی و غم میں جہاں کی ایک دس کا فرق دیکھا ماتم خانہ عالم کو ہم مانند ابر ہو جدا زدوس سے یعنی گلی سے یار کے اے یوں کرے مقرر اٹھے جب کسار سے</p>
<p>عشق میں قریب گریہ کو نہیں درکار میر ایک مدت صبر ہی کا رکھیے ماتم روئے</p>	
<p>دو دو جگہ سے میرے یہ چھت سب سیاہ ہے ساقی جو تو بھی مل جلتے تو واہ واہ ہے احوال پر ہمارے تمہیں کب نگاہ ہے دیکھا جو شیخ شہرِ عجب سگاہ ہے یعنی کہ کام اس کا کچھ اب دبراہ ہے</p>	<p>نیلا نہیں سپہر تجھے اشتباہ ہے ابر و بہار و بادِ سبھوں میں ہے اتفاق سے سے ایسی آنکھیں تمہاری نہیں لگیں کس کس طرح سے ہاتھ نچاتا ہر وعظ میں ہے روئے غجز میر تری خاک راہ پر</p>

تکلف برطون بے مہر ہے یاری کو کیا جانے
وہ اس ترکیب تو کی نالہ واری کو کیا جانے
دل آزاری کی باتیں کر تو دلداری کو کیا جانے
نہیں تہمت ہو تجھ پر تو جفاکاری کو کیا جانے

نہیں قید الفت میں گرفتاری کو کیا جانے
وہ ہر اک بندس نالہ مبارک مرغ گلشن کو
ستم ہر تیری خوشے خشکیں پر ٹپک بھی دلجوئی
اگلہ اپنی جفا کا سن کے مت آزرده ہو ظالم

ترا ابرام اس کی سادگی پر میر میں پانا
بھلا ایسا جو ناداں ہو وہ عیاری کو کیا جانے

کتنے اک شک ہوئے جمع کہ طوفان ہوئے
گھر کے گھر اُن کے ہیں اس تہی میں ویران ہوئے
مشت پر باغ میں آئی ہی پریشان ہوئے
ساقی ہم توبہ کے کرنے سے پشیمان ہوئے
دیکھ کر منہ کو ترے گل کے تئیں کان ہوئے
جب اس چرخ سیکہ سہ کے مہمان ہوئے

جوش دل آئے بہم دیدہ گریان ہوئے
کیا چھپیں شہر محبت میں ترے خانہ خراب
کس نے لی رخصت پرواز پس از مرگ نسیم
سبزہ دلالہ دگل ابرو ہوا ہے سے دے
دعویٰ خوش دہنی گرچہ اُسے تھا سیکن
جام غول بن نہیں ملتا ہو ہمیں صبح کو آب

اپنے جی ہی نے نہ چاہا کہ پیس آب حیات
یوں تو ہم میر اسی چشمے پہ بجاں ہوئے

مر جائے دلے اس کو یہ آزار نہ ہوئے
پر دام محبت میں گرفتار نہ ہوئے
یہ باد کیلجے کے کہیں پار نہ ہوئے
کوئی بال شکستہ پس دیوار نہ ہوئے
شرمندہ یک گوشہ دستار نہ ہوئے
یارب کسو کو اس سے سروکار نہ ہوئے
بہتر تو تجھے ترک ہو تا خوار نہ ہوئے
بے جرم کہیں ان کا گنہگار نہ ہوئے
یہ جان سبک تن پترے بار نہ ہوئے
ہر ایک قدم حل کہیں زہار نہ ہوئے
یسیر سر کو چہر و بازار نہ ہوئے

یارب کوئی ہو عشق کا بیمار نہ ہوئے
زنداں میں پھنسنے طوق پڑے قید میں مر جائے
اس واسطے کانپوں ہوں کہ ہو آہ نہٹ سرد
صد نالہ بجانگاہ ہیں وابستہ چمن سے
پژدہ بہت ہو گل گلزار ہمارا
مانگے ہو دعا خلق تجھے دیکھ کے ظالم
ہوں دوست جو کتا ہوں سن ای جان دشمن
خو باں بُرے ہوتے ہیں اگرچہ ہیں نکو رو
باندھے نہ پھرے خون پر اپنی تو کمر کو
چلتا ہو رہ عشق ہی اس پر بھی چلے تو
صحرائے محبت ہو قدم دیکھ کے رکھ میر

<p>اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے مجنون زخود رفتہ کبھو راہ پر آوے کوئی بھیجیو ظالم کہ تسلی تو کر آوے آشوب فغاں کے مرے عہد سہرا آوے قطرہ جیتک پلک پر کوئی ٹکڑا نظر آوے گل کیا کہ جسے آگے ترے بات کر آوے ہلنے میں ترے ہونٹوں کے گلبرگ تر آوے اگر جان بلب آمدہ رہ تاخیر آوے</p>	<p>برقع کو اٹھا چہرے سے وہ بت اگر آئے اسی ناقہ لیلیٰ دو قدم راہ غلط کر ٹھک بعد مرے میرے طرفداروں کنو تو کیا ظن ہو گردوں تنک حوصلہ کا جو ممکن نہیں آرام ہے بیتابی جگر کی مت ممتحن بلغ ہوا غیبت گلزار کھلتے میں ترے منہ کی کلی پھاٹے گریباں ہم آپ جاتے رہے ہیں ذوق خیر میں</p>
---	--

کہتے ہیں ترے کوچ سے شیر آئے کئے ہو
جب جانے وہ خانہ خراب اپنے گھر آئے

<p>شاید کہ نظیر علی کے بھی عہد سہرا آوے اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے یہ تو ہو کوئی گورِ غریباں میں رہا آوے دیوار پہ خورشید کا مستی سے سر آوے جن تک کہ بصد ناز نسیم سحر آوے کس واسطے عاشق کی شبِ غم بسر آوے وہ صید فکن تیغ بکھتا کہ ہر آوے</p>	<p>ہو جی میں غزل در غزل ای طبع یہ کئے جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے تلوار کا بھی مارا خدا رکھے ہو ظالم میخانہ وہ منظر ہو کہ ہر صبح جہاں شیخ کیا جانیں وہ مرغان گرفتار چین کو تو صبح قدم رنجہ کرے ٹک تو ہو ورنہ ہر سو سر تسلیم رکھے صیدِ حرم میں</p>
---	--

۱۔ نظیر سی۔ مولانا نظیری نیشاپور کے رہنے والے تھے دہلی سے ہندوستان آئے۔ خانخانان کے مالدار کرم سے فیض پائے اور اسی وقت ان کو زبردست شہرت حاصل ہوئی۔ خانخانان کی مدح میں نہایت پُر زور قصائد کہے اور ایک طویل قیام کے بعد حرمینِ محترمین کی زیارت کو گئے اور بعدِ حج وغیرہ پھر ہندوستان آئے۔ ایک مرتبہ جہانگیر نے ایک عمارت کے کتبے کیلئے ان کو حکم دیا۔ انھوں نے ایک غزل کہی جس کا مطلع یہ ہے۔ اے خاکِ اتِ صندل ہر گشتہ سراں را بجا باد اثرہ جاروب ہمت تاجوراں را۔ بادشاہ نے اس کے صلہ میں قریب تین ہزار بیگہ زمین عنایت فرمائی۔ نظیری نہایت نیک طینت صوفی مشربِ مہذب الاخلاق تھے آخر میں ان کا کلام بالکل صوفیانہ ہوتا تھا۔ آخر عمر میں احمد آباد گئے۔ اور قریب بارہ برس زندہ رہ کر سنہ ۱۰۲۳ھ میں انتقال کیا اور احمد آباد ہی میں تاج پورہ میں مدفون ہوئے۔ ان کی قبر پر ایک گنبد بنا ہوا ہے۔ ایک ضخیم کلیات اُن سے یادگار ہے۔ میر تقی نے شاہی کسی غزل کا کوئی مطلع لیکر یہ غزل کہی ہے۔ یا اُن کی سلاست بیان کی طرف اشارہ ہے۔

<p>اب تو ہی مگر اب کبھو اس اور در آوے اک جرم بدل در نہ یہ مندی ہر آوے ہر عیب بڑا اُس میں جسے کچھ ہنر آوے کیونکہ کبھو میسر بلا کش ادھر آوے</p>	<p>دیواروں سے سرمارتے پھر نیکا گیا وقت واعظ نہیں کیفیت میخانہ سے آگاہ صانع ہیں سب خوار ازاں جملہ ہوں میں بھی اگر وہ کہ تو بیٹھا ہے سر پہ زہن سار</p>
<p>موت و شہتِ محبت میں قدم رکھ کہ خطر کو ہر گام پہ اُس رہ میں سے حذر آوے</p>	
<p>تم نے حقوق دوستی کے سب ادا کئے برسوں میں پڑے ہو جھگ جھلا کئے ہم جو چین میں برسوں گرفتہ رہا کئے جو اس مرض میں ہوتے بھلے ہم دوا کئے ہر چند بند بند بھی اُس کے جدا کئے اغیار و سیاہ ترے منہ لگا کئے صبح ان سے برسوں میں ہم ملا کئے تم لوگ غور و جو کئے بے وفا کئے</p>	<p>لگوائے پتھر اور بُرا بھی کہا کیے کھینچا تھا آہ شعلہ فشاں نے جگر سے سر غنجہ نے ساری طرز ہاری ہی اخذ کی تدبیر عشق میں بھی نہ کرتے قصور یار جوں نے نہ تیرے کشتے کے لب رہی فشاں کیا حرف و نشیں ہو مرا جسے خط مدام پھر شام آشاں کبھو نکلے گلزار بے عیفات ہیگی خدا ہی کی اہ بیتاں</p>
<p>اب خاک سی اڑے ہو منہ اوپر و گر نہ میسر اس چشمِ گریہ ناک سے دریا بہا کئے</p>	
<p>پہرہ نلی کا یہ سائبان جل جاوے میں جس طرح کسو کا خانان جل جاوے بدن میں ٹک رہے تو آتھان جل جاوے بیان کرنے سے آگے زبان جل جاوے سنے تو بلبل نالاں کی جان جل جاوے خزاں میں برق گرے آشیان جل جاوے خیال یہ ہو مبادا دکان جل جاوے کہوں تو دستِ رز کی ... ن جل جاوے مبادا آہ کرے سب جہاں جل جاوے</p>	<p>کروں جو آہ زمین و زمان جل جاوے دی آگ دل کو محبت نے جب سے جلتا ہوں دوا پذیر نہیں اس طبیب تب غم کی نہ آوے سوزِ جگر منہ پہ شمع ساں کی کاش ہمارے نالے بھی آتش ہی کے ہیں پرکالے ہزار حیف کہ دل خار و خس سے باز رہے ٹوٹی متاعِ سینہ سب آتش ہے نائدہ کس کا نہ پوچھ کچھ لب تر ساجے کی کیفیت نہ بول متیرے مظلوم عشق ہے وہ غریب</p>

گزار خوش بنگا ہاں جس میں ہو میرا بیاہاں ہے
 کرے ہو خندہ دندان تو میں بھی ہوں گا
 چمن پر نوحہ وزاری سے کس گل کا یہ ماتم ہو
 ہر اک مٹر گاں پہ میرے اشک کے قطر و جھکتے ہیں
 سواد بر محبوں تو چسپہر اگاہ غزالاں ہے
 چسکتی زور ہے بجلی مقدر آج باراں ہے
 جو بنم ہو تو گریاں ہو جو بلبل ہو تو نالاں ہے
 تاشا مفت خوباں ہو لب ریا چراغاں ہے

کیا تھا جا بجا رنگیں لہو مجھ احسب میں رو کر
 گریباں میرے کا دیکھا مگر گلچیں کا داماں ہے

اپنا شعار پوچھو تو مہرباں وفا ہے
 بالیں پہ میری آکر ٹک دیکھ شوق دیدار
 بے اس کے رک کے مرتے گرمی عشق میں تو
 شکوہ ہے رونے کا یہ بیگانگی سے تیسری
 مرت کر زمین دل میں تخم امید ضائع
 شرمندہ ہوتے ہیں گے خورشید و ماہ دونوں
 او شمع بزم عاشق روشن ہو یہ کہ تجھ بن
 جیتے ہی جی تلک ہیں سائے علاقے سو تو
 پر اس کے جی میں ہم سے کیا جائے کہ کیا ہو
 سارے بدن کا جی اب آنکھوں میں آ رہا ہو
 کرتے ہیں آہ جبتک تب تک ہی کچھ ہوا ہو
 مٹر گان تر و گرد آنکھوں میں آشنا ہو
 بوٹا جو پھیاں اگا ہے سو اگتے ہی جلا ہو
 خوبی نے منہ کی تیرے ظالم قراں کیا ہو
 آنکھوں میں میری عالم تاریک ہو گیا ہو
 عاشق ترا مجرد فراق ہی ہو چکا ہو

صد سحر دیکھ قیام خط میسر جی کا دیکھا
 قاصد نہیں چلا ہے جادو مگر چلا ہے

حرم کو جائے یا دیر میں بسر کرے
 کٹے ہے دیکھے یوں عمر کب تلک اپنی
 وہ مست ناز تو مچلا ہے کیا جتائے حال
 ہوا ہے دن تو جدائی کا سو تو بے شام
 جہان کا دید بجز ناظر نظارہ نہیں
 جیون سے جاتے ہیں ناچار آہ کیا کیا لوگ
 تری تلاش میں اک دل کدھر کدھر کرے
 کہ سنئے نام ترا اور چشم تر کرے
 جو بے خبر ہو بھلا اس کے تئیں خبر کرے
 شب فراق کس امید پر سحر کرے
 کہ دیدنی ہی نہیں جیسے یہاں نظر کرے
 کہھو تو جانب عشاق بھی گزر کرے

ستم اٹھانے کی طاقت نہیں ہو اب اس کو
 جو دل میں آوے تو ٹک رحم میر پر کرے

شہو چمن میں تری گل پیر مٹی ہے
 قرباں ترے ہر عضو پہ نازک بدنی ہے

کشتہ ہو ترا اور یہی بے کفنی ہے
وہ سوختنی ہے تو یہ گردنِ دلی ہے
آئسو نہیں گویا کہ یہ میرے کی کنی ہے
جائے کا ترے رنگِ ستگر چینی ہے
فسر باد کے ذمہ بھی عجب کہ کنی ہے
اچھو صبحِ وطن تو تو مجھے بے وطنی ہے
ان بلہوسوں میں کوئی مجھ سا بھی غنی ہے
ہر لختِ جگر رشکِ عقیقِ یمنی ہے

عربانی آشفقہ کہاں جائے پس از مرگ
سجھے ہو نہ پردانہ نہ تھانے ہو زبانِ شمع
لیتا ہی نکلتا ہو مرا لختِ جگر اشک
بلبل کی کف خاک بھی اب ہوگی پرشیاں
کچھ تو ابھراے صورتِ شیریں کہ دکھاؤں
ہوں گرم سفرِ شامِ غریباں سو خوشی ہوں
ہر چند گدا ہوں میں ترے عشق میں لیکن قطعہ
ہر اشک مرا ہو درِ شہوار سے بہتر

پکڑی ہو پیٹ میں طیش اور جگرے
شاید کہ مرے جی ہی پر اب آن بنی ہے

پر ہم جو نہ ہوں گے تو بہت یاد کرو گے
ٹھک پاس ہنرمندی فسر یاد کرو گے
اک اور مری جان یہ سید او کرو گے
کچھ شور ہی شر پر تو مجھے یاد کرو گے
مانند جبریں نالہ و فسر یاد کرو گے

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے
زہنار اگر خستہ دلاں بیتوں جساؤ
غیر دل پہ اگر کھینچو گے شمشیر تو خواباں
جاگہ نہیں یہاں روئیے جس پر نہ کھڑی ہو قطعہ
اس دشت میں ای راہِ رواں ہر قدم او پر

گردِ بھوکے تم طرزِ کلام اس کی نظر کرو
ای اہل سخن میر کو استاد کرو گے

ہم تو اسے ہمنفساںِ دیرِ بیدار ہوئے
یک نگہ مول ہوا تم نے خبرِ بیدار ہوئے
دے بھی رسوائے سر کو چہ بازار ہوئے
ایک پرواز نہ کی تھی کہ گرفتار ہوئے
نامِ فردوس کا ہم لے کے گنہگار ہوئے
کس توقع پہ ترے طالبِ دیدار ہوئے

خوش سراجام تھے دی جلد جو ہشیار ہوئے
جنسِ دل دونوں جہاں سبلی بہا تھی اس کا
عشق وہ ہو کہ جو تھے خلوتی منزلِ قدس
سیرِ گلزارِ مبارک ہو صبا کو ہم تو
اس تمنا کے کوچہ کے ہوا داروں میں
وعدہِ حشر تو موہوم نہ سجھے ہم آہ

میر صاحب نے خدا اجائے ہوئی کیا قصیر
جس سے اس ظلم نمایاں کے سزاوار ہوئے

ترا ہی ناتوانی جو کوئی عالم میں رسوا ہے
 نیاز ناتواں کیا ناز سرِ قد سے بر آئے
 ابھی اک عمر رونا ہی نہ کھووا شک آنکھوں تم
 کیا اسے سایہ دیوار تو نے مجھ سے روپناں
 بھلے کو اپنے سب ڈرے ہیں یہ اپنا بُرا چاہو
 رہو ٹک در ہی پسند دو کو جوں میں مجھے لڑو
 تو اتنی کامنہ دیکھا نہیں اُن نے کہ کیا ہو
 مثل مشہور ہے یہ تو کہ دست زور بالا ہو
 کر و کچھ سوچتا اپنا تو بہت رہو کہ دنیا ہو
 مرے اب صوب میں جلنے ہی کا آثار پیدا ہو
 چلن اس دل کا تم دیکھو تو دنیا سے نرالا ہو
 کرو گے تنگ اسے تم اور تو نزدیک صحرایہ

گلشنِ پیشِ کامل کا مجھ سے یوں لگا کتنے
 تو اپنی فصد کر جلدی کہ تجھ کو میرا سودا ہو

گزار ابر اب بھی جب کبھو ایدھر کو ہوتا ہے
 ہوا مذکور نام اُس کا کہ آنسو بہ چلے سہ پہر
 بجائے سینہ کوئی سنگ سے دل خون بہتے ہیں
 نہ کی نشو و نما کامل نہ کام اپنا کیا حاصل
 ہلانا ابروؤں کالے ہو زیر تیغ عاشق کو
 کہاں ہو رشک آبِ زندگی ہو تو کہ یہاں حصن
 لگام نہ کو میرے دیکھ کر وہ نا سمجھ کہنے
 پریشاں گرد سا گاہے جو بجاتا ہو صحرائیں

ہماری بیکسی پر زار بارال دیر روتا ہے
 ہمارے کام سارے دیدہ تر ہی ڈبوتا ہے
 جو ہدم ایسے جاتے ہیں تو ماتم سخت ہوتا ہے
 فلک کوئی بھی دل سے تخم کہ بیونت ہوتا ہے
 پلک کا مارنا بر بھی کیجے میں چھوٹا ہے
 ہر اک پاکیزہ گوہر خجی کا بنو ہاتھ دھوتا ہے
 جوانی کی ہو نیند اسکو کہ اس غفلت سوتا ہے
 اُسی کی جستجو میں خضر بھی اوقات کھوتا ہے

نہ رکھو کان نظم شاعران حال پر اتنے
 چلو ٹک میرے کوسنے کہ موتی ہی پڑتا ہو

ہم تو اس کے ظلم سے ہدم چلے
 ٹوٹے جوں لالہ ستاں سے ایک پھول
 جنبش ابرو تو دھماں رہتی نہیں
 نم جگر کے آیا آخر ہو گئے
 دیکھتے بخت زبوں کیا کیا دکھائے
 بھاگنے پر بیٹھے تھے گویا غزال
 مجھ سے ناشایستہ کیا دیکھا کہ میر

رہ سکے ہے تو تو رہ یہاں ہم چلے
 ہم بے بھان سرِ داغ یک عالم چلے
 کب تلک تلوار بھیں ہر دم چلے
 اشک خونی کچھ مژہ پر جسم چلے
 تم تو خواباں ہم سے ہو بر ہم چلے
 تیسری آنکھیں دیکھتے ہی دم چلے
 آتے آتے کچھ جو آنسو ہم چلے

غیر ہم کو ذبح کیا ہے طاقت ہے نے یار ہے
 اس کتنے کر کے دلیسری صبرِ کرم کو مارا ہے
 بانغ کو تجھ بن اپنے بھائیں آتش دی ہے بہاراں نے
 ہر غنچہ اخگر ہر ہم کو ہر گل ایک انگار ہے
 جب تجھ بن لگتا ہے تڑپنے جائے ہے نکلا ہاتھوں سے
 ہے جو گروہ سینے میں اُس کو دل کئے یا پارا ہے
 راہِ حدیث جو ملک بھی نکلی کون سکھائے ہم کو پھر
 روئے سخن پر کس کو دے وہ شوخ بڑا عیارا ہے
 کام اُس کا ہے خون انسانی ہر دم تیری فرقت میں
 چشم کو میسری اگر دیکھ اب لو ہو کا قوارا ہے
 بال کھلے وہ شب کو شاید بسترِ ناز پہ کسوتا تھا
 آئی نسیم صبح جو ایدھر پھیلا غنیر سارا ہے

کس دن دامن کھینچ کے اُن نے یار سے اپنا کام لیا مدت گزری دیکھتے ہم کو میسر بھی اک ناکارا ہے	بندِ قبا کو خواباں جن وقت وا کریں گے رونا یہی ہے مجھ کو تیسری جفا سے ہر دم ہے دین سکھ دینا گردن پہ اپنی خواباں درویش ہیں ہم آخر دواک ننگ کی رخصت آخر تو روزی آئے دو چار روز ہم بھی عالم مرے ہو تجھ پر آئی اگر قیامت دامانِ دشت سوکھا ابرو کی بے تہی سے لائی تری گلی تک آوارگی ہماری
---	--

احوالِ میسر کیونکر آخر ہو ایک شب میں
 اک عمر ہم یہ قصہ تم سے کسا کریں گے

<p>اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے سو ہم اُن کے نشان تیر ہوئے ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے ان دنوں تم بہت شریر ہوئے گوشتے گوشتے میں اب گیر ہوئے لے جاؤں ہم نہ طفل شیر ہوئے یا سفیدی کی یا آسیر ہوئے ہم جو پیدا ہوئے سو پیر ہوئے</p>	<p>ہم ہوئے اتم ہوئے کہ مہر ہوئے جن کی خاطر کی استخوان شکنی نہیں آتے کسو کی آنکھوں میں آگے یہ بے ادائیاں کب تھیں اپنے روتے ہی روتے صحرائے ایسی ہستی عدم میں داخل ہوئے ایک دم تھی نمود بود اپنی یعنی مانند صبحِ دُنیائیں</p>
<p>مست مل اہلِ دُور کے لڑکوں سے مہر جی ان سے مل فقیر ہوئے</p>	<p>توجہ تیری ہو حیرت مری آنکھوں پہ کیا گم ہو کرے ہو مو پریشاں غم وفا تو تغیر تو لے دور گئی دہر کی پیدا ہے یہاں سے دل اٹھا اپنا</p>
<p>جو میں ہر اک شرہ دیکھوں کہ یہ تر ہے کہ یہ غم ہو جیا کر حق صحبت کی کہ اس بکس کا ماتم ہو کسو کے گھر میں شادی ہو کہیں ہنگامہ غم ہو</p>	<p>کہیں آشفنگاں سے میسر ہوئے ہو حاصل جو زلفیں اُس کی در ہم ہیں مرا بھی کام پر ہم ہو</p>
<p>درد بے اختیار اٹھتا ہے ناقواں اک غبار اٹھتا ہے</p>	<p>جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے اب تلک بھی مزارِ محنوں کے</p>
<p>اگر بگولا غبار کس کا مہر کہ جو ہو بقرار اٹھتا ہے</p>	<p>کیا مرے سر درواں کا کوئی مائل ایک ہے راہ سب کو ہو خدا سے جان اگر پہنچا ہے تو اس مرے بُت نے سبھوں کو حق سے توڑ اپنا کیا کیا عرب میں کیا عجم میں ایک بیلی کا ہو شور ایک سے ہو خیرین غم دانہ اشک ایک سے اس شکارِ افکن کے کوچہ سے نہیں جاتا ہو ظلم</p>
<p>سیکڑوں ہم غلوں گزرتے ہیں وہ قاتل ایک ہے ہوں طریقے مختلف کہتے ہی منزل ایک ہے کام میں اپنے بھی وہ عبودِ مائل ایک ہے مختلف ہوں گو عبارات انکا تحمل ایک ہے دیدہ دُور الغرض دنوں کا حاصل ایک ہے ایک اگر جی سے گیا تو نیم بمل ایک ہے</p>	<p>کیا مرے سر درواں کا کوئی مائل ایک ہے راہ سب کو ہو خدا سے جان اگر پہنچا ہے تو اس مرے بُت نے سبھوں کو حق سے توڑ اپنا کیا کیا عرب میں کیا عجم میں ایک بیلی کا ہو شور ایک سے ہو خیرین غم دانہ اشک ایک سے اس شکارِ افکن کے کوچہ سے نہیں جاتا ہو ظلم</p>

چشم و ابرو ناز و خوبی زلف و کامل خال و خطا	دیکھتے کیا ہو بلائیں اتنی ہیں دل ایک ہے
کام کچھ دنیا کے آسانی میں ہو تو میسر کر	مردن دشوار بھی درپیش منزل ایک ہے
جبتک گڑی اٹھائی گئی ہم کڑے رہے اب کیا کریں نہ صبر ہو دل کو نہ جی میں تاب وہ گل کو خوب کہتی تھی میں اس کے روئے تئیں فرہاد و قیس ساتھ کے سب کے چل بے کس کے تئیں نصیب گل فاتح ہوئے برسوں تلک نہ آنکھ ملی ہم سے یار کی	ایک ایک سخت بات پہ برسوں اڑے رہے کل اس گلی میں آٹھ پہر غش پڑے رہے بلبل سے آج باغ میں جھگڑے پڑے رہے دیکھیں نباہ کیونکہ ہوا ب ہم چھڑے رہے ہم سے ہزاروں اس کی گلی میں گڑے رہے پھر گو کہ ہم بصورت طساہ اڑے رہے
یعنی کہ اپنے عشق کے حیران کار میسر دیوار کے سے نقش در ادر کھڑے رہے	
شش جہت سے اس میں ظالم لوئے غم کی راہ ہے ایک تھکنے کا نہیں شرکاں تلک بوجھل ہیں ہم جوانوں کو چھوڑا اس سے سب پکڑ گئے پا برہنہ خاک سر میں مو پریشاں سینہ چاک	تیرا کوچہ ہم سے تو کہہ کس کی بسمل گاہ ہے کاروان لخت دل ہر اشک کے ہمراہ ہے یہ دو سالہ دست رز کس قدر نشاہ ہے حال میسر دیکھنے آئیے ہی خواہ ہے
اس جنوں پر میسر کوئی بھی پھرے ہر شہر میں جادو صحرائے کمر سازش جو تجھ سے راہ ہے	
مشکل ہو ہونا روکش خسار کی جھلک کے مرتا ہو کیوں تو ناحق یاری برادری پر کہتے ہیں گور میں بھی ہیں تین روز بھاری لاتے نہیں نظر میں غلطائی گسر کو	ہم تو بشر ہیں اس جا پر جلتے ہیں ملاک کے دنیا کے سارے نالتے ہیں جیتے جی تلک کے جادیں کہ صحرائے مائے ہوئے فلک کے ہم مقتقد ہیں اپنے آنسو ہی کی دھلک کے
کل اک مژہ بچوڑے طوفانِ نوح آیا فکر فشار میں ہوں میسر آج ہر پلاک کے	
تا چند ترے غم میں یوں آ رہا کیجے نے اب ہے جگر کا دی نے سینہ خراشی ہو	امید عبادت پر بیمار رہا کیجے کچھ جی میں یہ آئے ہو سیکار رہا کیجے

کیفیت چشماں اب معلوم ہوئی اُنکی دل جاؤ نواب جاؤ ہر خونِ جگر ہوئے	یہ مست ہیں دغولی ہشیار رہا کیجے اک جان ہو کس کس کو غمخوار رہا کیجے
ہو زلیست کوئی یہ بھی جو تیر کر دی تو ہر آن میں مرنے کو تیار رہا کیجے	
طاقت نہیں ہو جی میں اب جگر رہا ہو مارا ہو کس کو ظالم اس بے سلیقگی سے پہنچا تھا تیغ کھینچے مجھ تک جو بول دشمن آنے کہا ہو میرے خوش قدم نے رات گزری	پھر دل ستم رسیدہ اک ظلم کر رہا ہے داسن تمام تیرا لو ہو میں بھر رہا ہے کیا مارتا ہے اس کو یہ ابھی مر رہا ہے ہنگامہ قیامت اب صبح پر رہا ہے
چل ہمنشیں کہ دیکھیں ادارہ تیر کو ملک خانہ خراب ہے بھی آج اپنے گھر رہا ہے	
قرار دل کا یہ کاہیکو ڈھنگ تھا آگے اٹھائیں تیرے لئے بد زبانیاں اُن کی ہماری آہوں سے سینہ پہ ہو گیا بازار رہا تھا شمع سے مجلس میں دوش کتنا فرق	ہمارے چہرے کے اوپر بھی رنگ تھا آگے جنھوں کی ہم کو خوشامد سے ننگ تھا آگے ہر ایک زخم کا کوچہ جو تنگ تھا آگے کہ جل بچھے تھے یہ ہم پر تنگ تھا آگے
کیا خراب تغافل نے اس کے در نہ تیر ہر ایک بات یہ دشنام و سنگ تھا آگے	
تجھ بن خرابِ خستہ زبوں خوار ہو گئے خوبی بخت دیکھ کہ خوبان بے وفا ہم بھی سیر کی تھی چمن کی پرلے نسیم وہ تو گئے لگا ہوا سوتا تھا خواب میں اپنی یگانگی ہی کیا کرتے ہیں بیاں لائی تھی شیخوں پر بھی خرابی تری نگاہ	کیا آرزو تھی ہم کو کہ بیمار ہو گئے بے ہیج میرے در پر آزار ہو گئے اُٹھتے ہی آشیاں سو گز قرار ہو گئے بخت اپنے سو گئے کہ جو بیدار ہو گئے اغیار رو سیاہ بہت یار ہو گئے بے طالعی سے اپنی وہ ہشیار ہو گئے
کیسے ہیں مے کہ جیتے ہیں صد سال تہو تیر اس چارون کی زلیست میں بزار ہو گئے	
سنگ آئے ہیں دل اس جی سے اٹھا بیٹھیں گے بھوکوں مرنے ہیں کچھ اب یا بھی کھا بیٹھیں گے	

<p>کسو دیر لانے میں تکیہ ہی بنا بیٹھیں گے پہلے تلوار کے نیچے ہمیں جب بیٹھیں گے ہم تو ایک آدھ گھڑی اٹھ کے جدا بیٹھیں گے وقت کے وقت یہ سب منہ کو جھپا بیٹھیں گے اب سہراہ دم صبح سے تم بیٹھیں گے گردنیں یار کسی روز گستا بیٹھیں گے دل کو اس زلفِ مسلسل سے لگا بیٹھیں گے</p>	<p>اب کے بگڑے گی اگر ان سے تو اس شہر سے جا معرکہ گرم تو ٹانگ ہوئے دو خونریزی کا ہوگا ایسا بھی کوئی روز کہ مجلس سے کھو جانہ اظہار محبت پہ ہو سنا کوں کی دیکھیں نہ غیرتِ خورشید کہاں جاتا ہے بھیڑ مٹلتی ہی نہیں آگے سے اُس ظالم کے کب تلک کلیوں میں سو دانی سو پھرتے رہتے</p>
<p>شعلہ افشال اگر ایسی ہی رہی آہ تو مہر گھر کو ہم اپنے کسو رات جلا بیٹھیں گے</p>	
<p>شور سے جیسے بان جاتا ہے ہاتھ سے یہ مکان جاتا ہے مختب اک جہان جاتا ہے ایک عالم کا جان جاتا ہے غیر کی بات مان جاتا ہے کوئی اب یہ نشان جاتا ہے سو طرف ہی گمان جاتا ہے</p>	<p>نالہ تا آسمان جاتا ہے دل عجب جائے ہو لیکن مفت کیا خرابی ہے میکہ کی سہل جب سہراہ آئے ہو وہ شوخ اس سخنِ ناشنو سے کیا کئے عشق کے داغ کا عبث ہو علاج گودہ ہر جہائی آئے اپنی اور</p>
<p>مہر گو عمر طبعی کو پہنچا عشق میں جوں جواں جاتا ہے</p>	
<p>بھول تو ہم کو گئے ہو یہ تمھیں یاد ہے دشت میں قیس ہے کوہ میں فرہاد ہے ہم حرم میں بھی ہے تو ترے داماد ہے تاسحر ایسی ہی جو زاری دفر یاد ہے</p>	<p>مہر ہی جاوے گئے بہت ہجر میں ناشاد ہے ہم سے دیوانے رہیں شہر میں سجان اند کچھ بھی نسبت نہ تھی جب دیر سے تبا کیا تعلق دور اتنی تو نہیں شام اجل دوری میں</p>
<p>مہر تو کٹوا ہی چلے مہر تڑپ سے تو بچیں جو ٹانگ اک پانوں رکھے جھاتی پہ جلا دیے</p>	
<p>روبال دو دو دن تک جوں برتر ہے ہے</p>	<p>جب دھنے بیٹھتا ہوں تب کیا کسر ہے ہے</p>

<p>آہ سحر کی میری برجھی کے دھوسہ سے آگہ تو رہے اُس کی طرزہ و روش سے ان روزوں اتنی غفلت اچھی نہیں ادھر سے آب حیات کی سی ساری روش ہو اُسکی تلوار اب لگا ہے بیڈ دل پاس رکھنے درے کبھو جو آئے دیکھا ہو میں نے اُس کو آخر کہاں تک ہم اک روز ہو چکیں گے</p>	<p>خورشید کے منہ اوپر اکثر سپر رہے ہے آنے میں اُس کے لیکن کس کو خبر رہے ہے اب اضطراب ہم کو دو دو پر رہے ہے پر جب وہ اٹھ چلے ہو ایک ادھر رہے ہے خون آجکل کسو کا وہ شوخ کر رہے ہے تب سے ادھر ہی اکثر میری نظر رہے ہے برسوں سے وعدہ شب ہر صبح پر رہے ہے</p>
---	--

<p>میر اب بہار آئی صحرا میں جل جل کر کوئی بھی فصل گل میں تادان گھر رہے ہو</p>	<p>نالے کا آج دل سے پھر لب تلک گزر رہے اے حُب جاہ دالو جو آج تاجور ہے اب کی ہوائے گل میں سیرابی ہو نہایت اے مصفیہ بے گل کس کو دماغ نالہ شمع اخیر شب ہوں سن سرگزشت میری اب رحم پر اُسی کے موقوف ہو کہ یہاں تو تو ہی زمام اپنی ناتے تڑا کہ محسوس ہم مست عشق و اعطابے ہیج بھی نہیں ہیں اب پھر ہمارا اُس کا محشر میں ماجسہ ہو آفت رسیدہ ہم کیا سر کھینچیں اس چمن میں</p>
--	---

<p>گر میر اس زمیں میں اور اک غزل تو موزوں ہو حرف زن قلم بھی اب طبع بھی ادھر ہو</p>	<p>اُدھونڈا نیا ہے جو اس وقت میں سوز رہے ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یہاں دھوا جھولنے اُس کو ان پر خرابی آئی تجھ بن شکیب تک بے فائدہ ہوں تالان</p>
---	---

<p>پھر جاہ جس کی مطاق ہو ہی نہیں ہنر ہے یہ کار گاہ ساری دکان شیشہ گر ہے جانا گیا اسی سے دل بھی کسو کا گھر ہے مجھ نالہ کش کے تو اسے فریاد رس کہہ رہے</p>	
--	--

صید افگنو ہمارے دل کو جگر کو دیکھو اہل زمانہ رہتے اک طور پر نہیں ہیں کافی ہو تھر قاتل محض یہ خوں کے میرے تیری گلی سے بچکر کیوں مہر و مد نہ نکلیں	اک تیر کا ہدف ہو اک تیغ کا سپر ہے ہر آن مرتبے سے اپنے انھیں سسپر ہے پھر جس جگہ یہ جاوے اس جا ہی معتبر ہے ہر کوئی جانتا ہے اس راہ میں خطر ہے
---	--

وے دن گئے کہ آنسو نے تھے میرا اب تو
آنکھوں میں لخت دل ہے یا پارہ جگر ہو

شبِ شمع پر تیاگ کے آنے کو عشق ہے سار مار سنگ سے مردانہ جی دیا اٹھیو سمجھ کے جاوے کہ مانند گرد باد بس اسی سپر سعی سے تیری تور و زو شرب بیٹھی جو تیغ یار تو سب بچھ کو کھیا گئی اک دم میں تولے پھونکے یاد و جہاں تیں	اس دل جلے کی تاب کے لانے کو عشق ہے فرہاد کے جہان سے جانے کو عشق ہے آوارگی سے تیری نمائے کو عشق ہے یہاں غم ستانے کو ہو جلانے کو عشق ہے اے سیرے تیرے زخم اٹھانے کو عشق ہے اے عشق تیرے اک لگانے کو عشق ہے
--	---

سودا ہو تب ہو میر کو تو کر لے کچھ علاج
اس تیرے دیکھنے کے دوانے کو عشق ہے

جب ہے اُس بیوفانے بال رکھے ہاتھ کیا آوے وہ مکر ہے ہیج رہو راہِ خوفناک عشق پہنچے ہر اک نہ درد کو میرے ایسے زرد ویت ہو تو غیر ہے اب بحث ہو ناقصوں سے کاش فلک	صید بندوں نے جال ڈال رکھے یوں کوئی جی میں کچھ خیال رکھے چاہتے پانوں کو سنبھال رکھے وہ ہی جانے جو ایسا حال رکھے لے اُس سے جو کوئی مال رکھے مجھکو اس زمرہ سے نکال رکھے
---	---

سمجھ اندازِ شعر کو میرے
میر کا سا اگر کمال رکھے

یہاں جو وہ نو نہال آتا ہے اس کے چلنے کی آن کا بے حال پرتو گزرا فقس ہی میں دیکھیں	جی میں کیا کیا خیال آتا ہے مدتوں میں بحال آتا ہے اب کی کیسا یہ سال آتا ہے
--	---

شیخ کی تو نماز پر مت جا	بوجھ سہ کا سا ڈال آتا ہے
آر سی کے بھی گھر میں شرم سے میسر	کم ہی وہ بے مثال آتا ہے
پیری میں کیا جوانی کے موسم کو روئے رخصت اس کے ہائے جب دیکھتے ہیں ہم اخلاص دل سے چاہئے سجدہ نماز میں کس طور آنسوؤں میں نہاتے ہیں غم کشاں مطلب کو تو پہنچتے نہیں اندھے کے سے طور اب جان جسم خاک سے تنگ آگئی بہت	اب صبح ہونے آئی ہو اک دم کو سوئے آتا ہے جی میں آنکھوں کو ان میں گڑوئے بیفائدہ ہو ورنہ جو یوں وقت کھوئے اس آب گرم میں تو نہ انگلی ڈبوئے ہم مارتے پھرے ہیں یوں نہیں پتھر ٹوئے کبتک اس ایک ٹوکی مٹی کو دھوئے
آلودہ اس گلی کے جو ہوں خاک سے تو میسر	آب حیات سے بھی نہ وہ پائوں دھوئے
شب گئے تھے باغ میں ہم ظلم کے مارے ہوئے گور پر میری پس از مدت قدم رنجہ کیا آستینیں رکھتے رکھتے دیدہ خوشبار پر وعدے ہیں سارے خلاف حرف ہیں یکسر فریب پھرتے پھرتے عاقبت آنکھیں ہماری مندرگیں پیار کرنے کا جو خواہاں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ تم جو ہم سے مل چلے ٹاک شک سے بے لگے آج میرے خون پر اصرار ہو ہر دم ہے تمہیں لیتے کر دٹ اہل گئے جو کان کے موتی ترے	جان کو اپنی گل مہتاب نگارے ہوئے خاک میں مجھ کو ملا کر مہرباں بارے ہوئے حلق لسل کی طرح لوہو کے قرارے ہوئے تم لکین میں کہاں سے ایسے عیارے ہوئے سو گئے بیہوش تھے ہم راہ کے مارے ہوئے اُن سے بھی تو پوچھتے تم اتنی کیو پیارے ہوئے مہرباں جتنے تھے اپنی مدعی سارے ہوئے آج ہو کیا جائے تم کس کے سداکارے ہوئے شرم سے سر در گریباں صبح کو تارے ہوئے
استخوان ہی رہ گئے تھے بچاں مہم خوریز میسر	دانے پڑ کر تیچے اس شوخ کے آرے ہوئے
کرے کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے	زیریں سخت ہے آسمان دور ہے
جرس راہ میں جملہ تن شور ہے	مگر قافلے سے کوئی دور ہے
اے سدی سے دوستانہ کنتہم کہ چرا دل بتو دادم ؛ باید اہل تو گفتن کہ چنیں خوب چرائی عہدے تہذیب و تمدن	

<p>سلیستہ ہمارا تو مشہور ہے بھروسے جس پر تو مغرور ہے کسو کا مگر خون منظور ہے اگر اگر پیشہ تو پھر چور ہے وہی بیستہ رسی بدستور ہے مگر چشم خونبار ناسور ہے نہاں اس میں بھی شعلہ طور ہے</p>	<p>تم تائے دل کیلئے جان دی نہو کس طرح فکر انجام کار پلاک کی سیاہی میں ہو وہ نگاہ دل اپنا نہایت ہو نازک مزاج کہیں جو تسلی ہوا ہو یہ دل نہ دیکھا کہ لو ہو تھنبا ہو کبھو تینک گرم تو سنگریزے کو دیکھا</p>
<p>ہست سعی کرے تو مر رہے میر بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے</p>	
<p>پیشانی پہ دے فشقہ زتار پہن بیٹھے سب اٹھیلی مجلس جو کر کے سخن بیٹھے تہ گرد بیاباں کی بالائے بدن بیٹھے جوں مارسیہ کوئی کار ہے ہو کفن بیٹھے سبزی ہے ہم اکثر بتے ہیں مگن بیٹھے شوریدہ سر اپنے سے ہم باندھ کفن بیٹھے</p>	<p>اب میر جی تو اچھے زندیق ہی بن بیٹھے آزودہ دل الفت ہم چپکے ہی بہتر ہیں عریان پھر کبتک ای کا شہید ہیں گر پیکان خد نکلس کا یوں سلینڈر اوچھڑ جز خط کے خیال اس کے کچھ کام نہیں ہم کو شمسیر ستم اسکی اب گو کہ چلے ہر دم</p>
<p>بس ہو تو ادھر او دھریوں پھر نے ندیں ناچار ترے ہم یہ کیجیں ہیں چلن بیٹھے</p>	
<p>ہر اک لخت جگر کے ساتھ سوز خم کن نکلے کہ مجلس میں جس کے اشک کے پھر بھر کن نکلے ہمیں گرد سفرے جلد بھی صبح وطن نکلے بس ضامن ہوں اگر تابت بدن سے پیر کن نکلے</p>	<p>نہ تنہا داغ تو سینے پہ میرے اک چمن نکلے گماں کب تھا یہ پرانہ پر اتنا شمع روئیں کہاں تک ناز برداری کروں شام غریباں کی جنوں ان شورشوں پر ہاتھ کی چالاکیاں لیں</p>
<p>حرم میں میر جتنا بہتتی پر ہے تو مائل خدا ہی ہو تو اتنا بتکدے میں برہن نکلے</p>	
<p>اے یہ شعر قدیم بول قلی سخن میں ہی طبع ہے مجبوراً بحالہ رکھا گیا مکن ہے کہ دیکھا کے بجائے دیکھو ۱۲ آسی</p>	

اب تلک نیم جان ہے پیارے
سو ترا آستان ہے پیارے
یہ ہماری زبان ہے پیارے
اب تلک مجھ میں جان ہے پیارے
یہ ہمارا نشان ہے پیارے
یہ وہی آسمان ہے پیارے
قطع کیا اب اس کا بیان ہے پیارے
کنج لب پر گمان ہے پیارے

قصہ گر امتحان ہے پیارے
سجدہ کرنے میں کٹیں ہیں جہاں
گفتگو رینختے میں ہم سے نہ کر
کام میں قتل کے مرے تن دے
چھوڑ جاتے ہیں دل کو تیرے پاس
شکلیں کیا کیا کیا ہیں جلی خاک
جا چکا دل تو یہ یقینی ہے
پر تبسم کے کرنے سے تیرے

میر عدا بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

ہو ٹھوں پہ جان آئی پر آہ دے نہ آئے
یک قطرہ خون دل نے کیا کیا ستم اٹھائے
اُن کا نشان نیا یا خطر راہ میں سو پائے
آتشو گرے کروڑوں پلکوں کے ٹک ہلائے
گل جب چمن میں آئے زخم لینے سب دکھائے
پھرتی ہیں دے نگاہیں پلکوں کے سائے
سو گردش فلک نے سب خاک میں ملائے
بگڑیں ہزار شکلیں تب پھول یہ بنائے
نخاجی میں آہ کیا کیا پر کچھ نہ کہنے پائے
نار و خس چمن سے ناچار دل لٹکائے
بیدردی فلک نے وہ نقش سب مٹائے
ٹھوکرے اُس نگہ کی آشوب پھر اٹھائے
کیا حوصلہ کہ جس میں آزار یہ سمائے
مجلس میں جب گئے ہم غیرت جی جلائے
پھر گور پر ہماری بے قمع گو کہ آئے

کل وعدہ گاہ میں سے جوں توں کو ہم کولائے
زخموں پہ زخم جھیلے داغوں پہ داغ کھائے
اُس کی طرف کو ہم نے جب نامہ بر جلائے
خوں بستہ جب تلک شکلیں دریا کے کھڑے تھے
اس جنگجو کے زخمی اچھے نہ ہوتے دیکھے
بڑھتیں نہیں پلک سے تا ہم تلک بھی پہنچیں
پر کی بہار میں جو محبوب جلوہ گر تھے
ہر قطعہ چمن پر ٹک گاڑ کر نظر کر
یک حرف کی بھی مہلت ہم کو نہ دی اجل نے
جھانسی سیراہ اُن کی پائیز میں جنھوں نے
اُسے بھی تجسّے تھا یا ان تصویر کا سا عالم
دست ہوئی تھی بیٹھے جوش و خروش دل کو
اعجاز عشق ہی سے جیتے رہے دگر نہ
دل گر میاں انھیں کی خیر میں سوجھتے تھے
جیتے تو تیرے شب اس طرز عمر گزری

<p>قبر عاشق پر مقبرہ روز آنا کیجے رات دارو پیچے غیروں میں بے لیت لعل ٹٹک تھامے ہونٹھ کے ہلے سہیماں ہوتا ہر کام گوشہ چشم بتاں یا کنج لب اس وقت میں سیکھے غیروں کے ہاں چھپ چھپے علم تیر پھر رفتہ رفتہ قاصدوں رفتگی اس سے ہوتی نکلے ہر آنکھوں سے گوگردِ دردت جائے اشک</p>	<p>جو گیا ہو جان سے اُس کو بھی جانا کیجے یہاں سحر سر دکنے کا ہم سے بہانا کیجے اتنی اتنی بات جو ہووے تو مانا کیجے جا کہیں ہو تو دل اپنے کا ٹھکانا کیجے سائے عالم میں ہمارے سنیں نشانا کیجے جی میں ہر آب کی مقرر اپنا جانا کیجے تا کجا تیری گلی میں خاک چھانا کیجے</p>
--	--

آبشار آنے لگے آنسو کی پلکوں سے تو میر
کب تک یہ آب چادر منہ پہ تانا کیجے

<p>مہوشاں پوچھیں ٹٹک ہجراں میں گر جائے کام دل کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں کیونکر بنے مضطرب اس آستان سے اٹھ کے کچھ پایا نہ رو بعد طوفانیں ہو جی زائرِ سرمد بھی</p>	<p>اب کہو اس شہرِ ناپرساں سے کیدھر جائے آئیے تاجند و نا امیت پھر کر جائے منہ رہا ہر کیا جو پھر اب اس کے رہ جائے دشمن اٹھنے لگو کہوں میں مستر جائے</p>
---	---

شوق تھا جو یار کے کوچے ہمیں لایا تھا میر
پانوں میں طاقت کہاں اتنی کہ اب گھر جائے

<p>غالب کہ یہ دل خستہ شرب ہجر میں مر جائے ہے طرفہ مفتن نگہ اُس آئینہ رو کی نہ بست کدہ ہے منزل مقصود نہ کعبہ ہر صبح تو خورشید ترے منہ پہ چڑھے ہے یا قوت کوئی ان کو کہے ہر کوئی ظلم برگ ہم تازہ شہیدوں کو نہ آدیکھنے نازان گرے کو مرے دیکھ ٹٹک اک شہر کے باہر مت بیٹھ بہت عشق کے آزرہ دلوں میں</p>	<p>یہ رات نہیں وہ جو کہانی میں گزر جائے ایک پل میں کرے سیکڑوں غم اور گرجائے جو کوئی تلاش می ہو تڑاہ کد ہر جائے ایسا نہ ہو یہ سادہ کہیں جی سے اتر جائے ٹٹک ہونٹھ ہلا تو بھی کہ ایک بات ٹھہر جائے دامن کی ترے زہ کہیں ہو میں نہ بھر جائے اک سطح ہو پانی کا جہان تک کہ نظر جائے نالہ کسو مظلوم کا تا تیر نہ کر جائے</p>
--	--

اس دھڑ سے تختہ جو کوئی پہنچے کنایے
تو میر وطن میرے بھی شاید یہ ہجر جائے

لے تلاشِ ترکی لغت پر بھی تلاش کرے دانا اور جولاشی کے معنی پر تلاشی استعمال کر لے ہیں یہاں ہے اسی

<p>ہم نے جانا تھا سخن ہونگے زباں پر کتنے میں نے اُس قطعہ صنّاع سے سر کھینچا ہو کشور عشق کو آباد نہ دیکھا ہم نے آہ نکلی ہے یہ کس کی ہوس سیر ہزار دیکھو پتھر مزار کاں کی ٹلک آتش دستی کب تلک یہ دل صد بارہ نظر میں رکھے عمر گزری کہ نہیں دودھ آدم سے کوئی</p>	<p>پرستلم ہاتھ جو آئی لکھ دفتر کتنے کہ ہر اک کوچے میں جس کے تھے ہنر کتنے ہر گلی کوچہ میں اوڑھنے تھے گھر کتنے آتے ہیں بارغ میں آوارہ ہو کر پر کتنے ہر سحر خاک میں ملتے ہیں دُور تر کتنے اس پر آنکھیں ہی سے رہتے ہیں لبر کتنے جس طرف دیکھے عرصہ میں یہاں بخر کتنے</p>
<p>لو ہے بیچارہ گدا میسر ترا کیا مذکور مل گئے خاک میں بھیاں صاحب افسر کتنے</p>	<p>آہ جس وقت سر اٹھاتی ہے ناز بردار لب ہے جاں جب سو اے شب بھر راست کہ تجھ کو</p>
<p>عرش پر بر چھیاں چلاتی ہے تیرے خط کی خبر کو پاتی ہے بات کچھ صبح کی بھی آتی ہے</p>	<p>چشم بد دور چشم ترا میسر آنکھیں طوفان کو دکھاتی ہے</p>
<p>کیا ناز کرے ہو اب ہم میں کیا رہا ہے سارا پتھر اب تو دامن پر آ رہا ہے آیا ہوں جب بخود میں جی اس میں جا رہا ہے راز محبت اپنا کس سے چھپا رہا ہے سو سو غزال ہر سو آنکھیں لگا رہا ہے پھر چاہتے ہو کیا تم اب اک خدا رہا ہے خوبی کا در کسو کی منہ پر بھی دار رہا ہے کس سے وہ بے مروت چھپ کر کشتار رہا ہے تو بھی کسو نگہ سے اے گل جدار رہا ہے جینے کا اس سچ میں اب کیا مزار رہا ہے جینے سے متشیر یہ کچھ دل اٹھار رہا ہے</p>	<p>طاقت نہیں ہو دل میں نے جی بجا رہا ہے جیب اور آستین سے روئے کا کام گزرا اب چیت گر نہیں کچھ تازہ ہوا ہوں بیکل کا ہیکا پاس اب تو رسوائی دور پہنچی گرد رہ اُس کی یار کس اور سے اٹھے گی بندے تو طرح دار وہیں طرح کش تھا ہے دیکھ اس دین کو ہر دم اچھو آری کہ یوں ہی وے لطف کی نگاہیں پہلے فریب ہیں سب اتنا خزاں کرے ہو کب زرد رنگ پر بھیاں رہتے ہیں دماغ اکثر ننان دنک کی خاطر اب چاہتا نہیں ہو بوسہ جو تیرے لب سے</p>

تڑپنا بھی دیکھنا نہ بسمل کا اپنے نہ پوچھو کہ احوال ناگفتہ بہ ہے دل زخم خوردہ کے اور اک لگائی ٹاک ابرو کو میری طرف کیجے مائل ہو افسر قیس آخر بھی بھال رہنائیں رکھیں میں نے عالم میں کیا کیا	میں کشتہ ہوں اندازِ قاتل کا اپنے مصدیت کے مارے ہوئی دل کا اپنے مداوا کیا خوب گھائل کا اپنے کبھو دل بھی رکھ لیجے مائل کا اپنے سخن ہو جنوں کے ادائل کا اپنے ہوں بندہ خیالاتِ باطل کا اپنے
مقام فنا واقعہ میں جو دیکھا اثر بھی نہ تھا گور منزل کا اپنے	
جب تک کہ ترا گزرنہ ہوئے لے تیغ و سپر کو توجہ نہ ہوئے رونے کی ہے جاگہ آہ کرے بیمار رہے ہیں اس کی آنکھیں رکتی نہیں تیغِ نالہ ہرگز کر بے خبر اک نگہ سے ساتی خستے ترے موئے عنبریں کے	جسارہ مری گور پر نہ ہوئے خورشید کا منہ اُدھر نہ ہوئے پھر دل میں ترے اثر نہ ہوئے دیکھو کسو کی نظر نہ ہوئے جب تک کہ جگر سپر نہ ہوئے لیکن کسو کو خبر نہ ہوئے کیونکر جنیں بسر گرنہ ہوئے
رکھ دیکھ کے راہِ عشق میں پائے یہاں میسر کسو کا سر نہ ہوئے	
رات گزری ہے مجھے نزع میں روتے روتے کھول کر آنکھ اڑا دیدہ جہاں کا غفل آکھیں سپر جائیں گی اب صبح کے ہوتے ہوتے خواب ہو جائیگا پھر جاگنا سوتے سوتے	
جم گیا خوں کعبِ قاتل پہ ترا میسر ز بس اُن نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوئے دھوئے	
یعقوب کے نہ کابہ احزاں تلک گئے بارے نسیم ضعف سے کل ہم اسیر بھی	سو کا روان مص سے کنعان تلک گئے ستاہے میں جی کے گلستان تلک گئے
۱۷ دید تیر کے زمانہ تک مختلف فیہ تھا۔ چنانچہ سودا کا شاعر تھا۔ چہرہ کو دیکھا اور جب خواب سے بکلیا ہو وہ بے قرار آئینہ کا اب بے منت مستقل ہو۔ ۱۸۔ ۱۷ ساہٹا۔ اب بغیر (د) کے بولا جاتا ہے اور نصحا اسی کو فصیح جانتے ہیں۔ آتشی	

<p>گر ہم جنوں کے مارے بیاہاں تہا گئے بلبل وہ چھہ انھیں یاراں تہا گئے سورفتہ رفتہ خار فیلان تہا گئے</p>	<p>رہنے نہ دیں گے دشت میں مجنوں کو چین ہے کو موسم شباب کہاں گل کے داغ کچھ آبلے دے تھے رہ آور عشق نے</p>
<p>پھاڑا تھا جیب پی کے خوشوق میں تمیر مستانہ چاک لوٹتے داماں تہا گئے</p>	
<p>اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے عیسائی دھنڑ کیا سبھی یکبار مر گئے سر کو پٹاک کے ہم پس دیوار مر گئے گویا متاع دل کے خریدار مر گئے تھا جن سے لطف زندگی دیار مر گئے لگتے ہی اُس کے ہاتھ کی تلوار مر گئے جب جی ہوئے دباں تو ناچار مر گئے</p>	<p>جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے ہوتا نہیں ہو اُس لب فو خط پہ کوئی سبز یوں کانوں کان گل نے نہ جانا چمن ہیں آہ صد کارواں فنا ہو کوئی پوچھتا نہیں مجنوں نہ دشت میں رہ نہ فر باد کوہ میں افسوس دے شہید کہ جو قتل گاہ میں تھو سے دُچار ہوئیگی حسرت کے مبتلا</p>
<p>گھر نہ تمیر عشق میں اس سہل زلیست پر جب بس چلا نہ کچھ تو مرے یار مر گئے</p>	
<p>رنگیلی نیٹ اس جواں کی طرح ہے بھلا تو ہی کہہ یہ کہاں کی طرح ہے قلم خراب و پریشاں یہاں کی طرح ہے</p>	<p>تمام اُس کے قد میں سماں کی طرح ہے بڑے ہونا احوال گوشن کے میرے اڑی خاک گا ہے رہی گاہ ویراں</p>
<p>تعلق کرو میرا اس پر جو جا ہو میری جان یہ کچھ جہاں کی طرح ہے</p>	
<p>نالوں نے میرے ہوش جرس کے اڑائے لشتر نہ تو لگا دے تو میرا موپے</p>	<p>محل کے ساتھ اُس کے بہت شور میں گئے فصا د خوں فساد پہ ہو مجھ سے ان دنوں</p>
<p>صوت جرس کی طرز بیاہاں میں ہائے تمیر تنہا چلا ہوں میں دل پر شور کو لئے</p>	
<p>اُلی اس بلائے ناگماں پر بھی بلا آوے بلا سے چاک ہی ہو جائے سینہ ٹکا آوے</p>	<p>کہاں تک غیر جاسوسی لینے کو لگا آوے رکا جاتا ہو جی اندر ہی اندر آج گری سے</p>

یہ جی صدقے کیا تھا پھر نہ آئے تن میں یا آئے
 اہنسی وہ جائے میری اور رونایوں چلا آئے
 وگرنہ برق جاکر آشیاں میرا جلا آئے
 یہ بت سنگیں دلی اپنی نہ چھوڑیں گرجا آئے
 تو زاہد پیر بالغ ہو بے تہ تجھ کو گلیا آئے
 یہ دولت خانہ ہو اُس کا وہ جب چاہے چلا آئے

ترا آنا ہی اب مرکوز ہے ہم کو دم آخر
 یہ کسم آمد و رفتِ دیارِ عشق تازہ ہے
 اسیری نے چمن سے میرے دل گرمی کو دھوا آلا
 امیدِ رحم اُن سے سخت ناہمی ہو عاشق کی
 یہ فنِ عشق ہو آئے اُس طینت میں جس کی ہو
 ہمارے دل میں آنے سے تکلف غم کو بجا ہو

برنگ بوئے غنچہ عمر اک ہی رنگ میں گزری
 میسرِ تیر صاحبِ گر دل بے مدعا آئے

گو ننگ اُس کو آئے ہو عاشق کو نام سے
 درِ صفر ہو خوب ہیں جس میں صاف سے
 ہو میسر کام میرے تیں اپنے کام سے
 کیا میٹھوں کو اَوّل ماہِ صیام سے

پڑھتے نہیں نمازِ جنازہ پہ اُس کے میسر
 دل میں غبار جس کے ہو خاکِ امام سے

اچنبھا ہو اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آئے
 بھرا ہو دل میرا جامِ لبالب کی طرح ساقی
 بغل پروردہ طوفاں ہوں میں یہ موج ہو میری
 وگر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اُس کو خواب آئے
 گلے لگے بے دلوں میں جو مینائے شراب آئے
 بیاباں میں اگر روئل تو شہر میں بھی آئے

لیٹا ہو دل سوزاں کو اپنے مہینے خط میں
 اگلی نامہ بر کو اُس کے لیجانے کی تاب آئے

سماجت اتنی بھی سب کوئی خدا بھی ہو
 کسو کے پاس اس آزار کی دوا بھی ہو
 صنم کہہ میں تو ٹک آ کے دل لگا بھی ہو
 لگے جو پھرتے ہیں ہم کچھ تو عدا بھی ہو
 نگاہ غور سے کر مجھ میں کچھ رہا بھی ہو
 جراحِ ت اُس کو دکھانے کا کچھ مزا بھی ہو
 ہر ایک بات کو آخر کچھ نہتا بھی ہو
 کہیں ہجوم سے اندوہ غم کو جسا بھی ہو

حصولِ کام کا دل خواہ بھیاں ہو ابھی ہو
 موئے ہی جاتے ہیں ہم دردِ عشق سیارو
 اُداسیاں تھیں مری خالقمہ میں قابلِ سیر
 یہ کہنے کیونکہ کہ خواہاں سے کچھ نہیں مطلب
 ترا ہو وہم کہ میں اپنے پیر بن میں ہوں
 جو کھو لوں سینہ مجروح تو ننگ چھڑ کے
 کہاں تلک شبِ روز آہ دردِ دل کہے
 ہوس تو دل میں ہمارے جگہ کرے لیکن

<p>غم فراق ہو دُنبالہ گرد عیش وصال قبول کرے تری رہ میں جی کو کھو دینا جگر میں سوزن شرکاء کے تئیں کدھپ گڑا فقط مزا ہی نہیں عشق میں بلا بھی ہو جو کچھ بھی پائیے تجھ کو تو آشنا بھی ہو کسو کے زخم کو تو نے کبھو سیا بھی ہو</p>	<p>گر آرزو شہر و فایں سمجھ کے کر محبوں کہ اس دیار میں مٹے شکر پا بھی ہے</p>
<p>بسکہ دیوانگی حال میں چالاک ہوئے سہر گر یا لوں پہ قاتل کے کٹائی گردن سو گر بیان مرے ہاتھ سے بچاں چاک ہوئے اپنے ذمہ سے تو صد شکر کہ ہم پاک ہوئے</p>	<p>پانامی سے فراغت ہی نہیں تیرا ہیں کوئے دلبر میں عبث آن کے ہم خاکا ہے</p>
<p>صید افکنوں سے ملنے کی تدبیر کریں گے فریاد اسیرانِ محبت نہیں بے ہیچ دیوانگی کی شورشیں دکھائیں گی بلبل وہ اس سے سحر حرف تو ہو گو کہ یہ سر جانو رسوائی عاشق سے تسلی نہیں خواہاں یار پہ بھی دن ہو نیگا جو مصرعے جل کر شب بکھی ہو زلف اُس کی بجز دام اسیری غصے میں تو ہو دیگی توجہ تیری ایہ صبر نکلانہ منا جاتیوں سے کام کچھ اپنا اس دل کے تئیں پیشکش تیر کریں گے یہ نالے کسو دل میں بھی تاثیر کریں گے آتی ہو بہار اب ہمیں زنجیر کریں گے ہم حلق بریدہ ہی سے تقریر کریں گے مر جاویگا تو لغش کو تشبیر کریں گے کنعائ کی طرٹ قافلہ شب گیر کریں گے کیا یار اب اس خواب کی تعبیر کریں گے ہر کام میں ہم جان کے تقصیر کریں گے اب کوئی خراباتی ہواں پیہ کریں گے</p>	<p>باز یہ نہیں میرے احوال کا لکھنا اس قصہ کو ہم کرتے ہی تحریر کریں گے</p>
<p>دل کی طرف کچھ آہ سے دل کا لگاؤ ہو اٹھتا نہیں ہو ہاتھ ترا تیغ جو رے بانغ نظر ہو چشم کی منظر کا سب یہاں ٹکاپ بھی تو آئے بچاں زور باؤ ہو ناحق کشی کہاں تئیں یہ کیا سمجھاؤ ہو ٹاک ٹھہر دیکھاں تو جانو کہ کیسا دکھاؤ ہو</p>	<p>لے ستودا دلوی ۵ سمجھ کے رکھو قدم و شہتِ خار میں مجنوں راہِ غصے میں ترے ہم نے عجیب لطف اٹھایا ہو اب تو عہد آور بھی تقصیر کریں گے۔ ۱۲</p>

تقریب ہم نے ڈالی ہو اُس سے جوئی کی اب ٹپکا کرے ہو آنکھ سے لوہو ہی روزِ شب ضبطِ سرِ شکِ خوئیں سے جی کیونکہ شاد ہو اب سب کے روزگار کی صورت بگڑ گئی چھاتی کے میری سارے نمودار ہیں یہ زخم	جو بن پڑے ہو ٹمک تو ہمارا ہی داؤ ہو چہرے پہ میرے چشم ہو یا کوئی گھاؤ ہو اب دل کی طرف لوہو کا سارا بہاؤ ہو لاکھوں میں ایک دو کا کہیں کچھ بناؤ ہو پردہ رہا ہو کونسا اب کیا چھپاؤ ہو
---	---

عاشق کہیں جو ہو گے تو جانو گے قدرِ میر
اب تو کسی کے چاہنے کا تم کو چاؤ ہے

جہاں میں روز ہو آشوبِ اُس کی تارِ مست سوا ہوں ہونے کے دلِ افسردہ بیخِ کلفت جہاں ملے تہاں کا فرہی ہونا پڑتا ہے تسلی اُن نے نہ کی ایک دُسخن سے کبھو پلک کے مارے ہم تو نظر نہیں آتے امیرِ زادوں سے دلی کے مل نہ تا مقدور یہ جہل دیکھ کہ ان تجھے میں اٹھا لایا رہا نہو گا بخودِ صانع ازل بھی تب وہ آنکھیں پھرے ہی لیتا ہے دیکھتے کیا ہو	اٹھے ہو فتنہ ہر اک شمعِ ترقیا مست اُگے ہو سبزہ پڑ مردہ میری تربت خدا پناہ میں رکھے بتوں کی صحبت جو کوئی بات کہی بھی تو آدمی لگتی ہے سخن کرو ہو بحثِ تم ہماری فرصت کہ ہم فقیر ہوئے ہیں اُنھیں کی دولت گراں وہ بار جو غما بیش اپنی طاقیت بنایا ہو گا جب اُس منہ کو بہت قدرت معاملت ہو ہمیں دل کی بے مروت
---	--

جو سوچے ملک تو وہ مطلوب ہم ہی نکلتے میر
خواب پھرتے تھے جس کی طلب میں مدت

رقت ایک جانِ و بال ہو کوئی دم جو ہو تو عذاب ہے
دلِ داغِ گشتہ کہا ہے، جگرِ گداختِ آب ہے
مری خلقِ محوِ کلام سب مجھے چھوڑتے ہیں خموش کب
مرا حرفِ رشکِ کتاب ہے مری بات لکھنے کا ہے
جو وہ لکھتا کچھ بھی تو نامہ بر کوئی رہتی منہ میں ترناں
تری خاموشی سے نکلے ہے کہ جوابِ خط کا جواب ہے

لے میری تہِ بدلی سے مت مل اہلِ دُول کے لڑکوں سے نہ تمیر جی اُن سے مل فقیر ہوئے۔

رہے حال دل کا جو ایک سا تو رجوع کرتے کہیں بھلا
 سو تو یہ کبھو ہمہ داغ ہو کبھو نسیم سوز کیا ہے
 کہیں گے کہو تمہیں لوگ کیا یہی آرسی یہی تم سدا
 نہ کسو کی تم کو ہے ٹک جیانا ہمارے منہ سے حجاب ہے
 چلو میکدے میں بسر کریں کہ رہی ہو کچھ برکت وہیں
 لبِ نانِ داس کا کیا ہے دمِ آب وصال کا شراب ہے
 نہیں کھلتیں آنکھیں تمہاری ٹک کہ مال پر بھی نظر کرو
 یہ جو وہم کی سی نمود ہو اسے خوب دیکھو تو خواب ہے
 گئے وقت آتے ہیں ہاتھ کب ہوتے ہیں گنوا کے خراب سب
 تجھے کرنا ہوئے سو کر تو اب کہ یہ عمر برقی شتاب ہے
 کبھو لطف سے نہ سخن کیا کبھو بات کہ نہ لگا لیا
 یہی لحظہ لحظہ خطاب ہے وہی لمحہ لمحہ عتاب ہے
 تو جہاں کے بحرِ عینق میں سر پر ہوا نہ بلند کر
 کہ یہ پنج روزہ جو بود ہو کسو موج پر کا حباب ہے
 رکھو آرزو مِ خام کی کرو گفت گو خطِ جام کی
 کہ سیاہ کاروں سے حشر ہیں نہ حساب ہے نہ کتاب ہے

مرا شور سن کے جو لوگوں نے کیا پوچھنا تو کہے ہو کیا
 جسے میسر کرتے ہیں صاحبو! یہ وہی تو خانہ خراب ہے

نس پہ یہ جان بلب آمدہ بھی محضوں ہو
 چشمِ اعجازِ مرثہ سمجھ افسوں ہو
 اس ستم پر بھی مراد لہی کا ممنوں ہو
 گردِ دنیاں پریشان شدہ مینوں ہو
 عکس گل آب میں تکلیف ہے گلگوں ہو
 مصرعِ بالہ جگر کا دی ہے گو موزوں ہو
 روشِ گرہِ غم حوصلہ ہاسوں ہو

سینہ ہو چاک جگر پارہ ہو دل سب خوں ہو
 اُس سے آنکھوں کو ملا جی میں ہے کیونکر تاب
 آہ یہ رسم وفا ہووے برفاقتاد کہیں
 کبھو اس دشت سے اٹھتا ہو جو ایک بار تنگ
 کیونکہ بے بادہ لب جو پہ چین میں یہ ہے
 پار بھی ہو نہ کیلجے کے تو پھر کیا بلیل
 شہر کتنا جو کوئی ان میں سرشک افشاں ہو

خون ہر ایک رقم شوق سے ٹپکے تھالے | وہ نہ سمجھا کہ مرے نامہ کا کیا مضمون ہو

مینہ کی بات پہ ہر وقت چھینچھلایا نہ کر
سڑی ہو جھٹی ہے وہ شیفہ ہے جنوں ہو

کنا ترے منہ پر تو نیٹ بے ادبی ہو | اس دشت میں اوسیل سنہل ہی قدم رکھ
ہر اک سے کہانیند میں پر کوئی نہ سمجھا
عزالت سے نکل شیخ کہ تیرے لئے تیار

اچھ نہ تو روز سب سے تیرے پر لانا
بیچارہ وہ اک نعرہ زن نیم شبی ہو

دوسو نوپ دودل کو میرا کوئی نشان ہے | بیٹھا جگر سے اپنے کھینچوں ہوں کر پکیاں
روشن ہو چلے مرنا پروالے کا دیکھن
بھڑکے ہو آتش گل آبر تر تر جسم
ہم زمزمہ تو ہو کے مجھ نالہ کش سے چپ رہ
کس دور میں اٹھایا مجھ سینہ سوختہ کو

پیر مغاں سعادت تیری جو ایسا آئے
یہ مینہ مسکیشوں میں اک طرز کا جوان آئے

ہسائیہ چمن یہ نیٹ زار کون ہو | مرگیاں بھی پھر گئیں تری بہار چشم دیکھ
نالے جو آج سننے ہیں سوہی جگر خراش
آیا نہ آشیانہ بلبل میں کام بھی

بازار دہر میں ہو جٹ تیر عرض مہر
یہاں ایسی جنس کا تو خسریا رکون ہو

<p>مجھ سوزِ بعدِ مرگ سے آگاہ کون ہے بیکس ہوں مضطرب ہوں مسافر ہوں بیوطن لبریز جس کے حسن سے مسجد ہو اور میر رکھو قدم سنبھل کے کہ تو جانتا نہیں</p>	<p>شیع مزارِ میسر بجز آہ کون ہے دُوری راہ بن مرے ہمراہ کون ہے ایسا بتوں کے بیچ وہ اللہ کون ہے مانندِ نقش پایہ سر راہ کون ہے</p>
<p>ایسا اسیرِ ستہ جگر میں سنا نہیں ہر آہِ میسر جس کی ہو جاں گاہ کون ہے</p>	
<p>دیکھا کروں تجھی کو منظور ہو تو یہ ہے نزدیک تجھ سے سب کیا قتل کیا جلا تا رونے میں دن کی ہیں آہ و فغاں سوراہیں چاک جگر کو میرے بر جا ہے جو کہو تم کتا ہو کوئی عاشق کوئی کے ہو خبطی</p>	<p>آنکھیں نہ کھولوں تجھ بن مقدور ہو تو یہ ہو ہم غمزدوں سے ملنا اک دور ہو تو یہ ہو گر شغل ہے تو یہ ہے مذکور ہو تو یہ ہو گر زخم ہے تو یہ ہے ناسور ہو تو یہ ہو دُنیا سے بھی نرالا رنجور ہو تو یہ ہو</p>
<p>کیا جانوں کیا کسل ہو واقع میں میرے تئیں دو چار روز سے جو مشہور ہو تو یہ ہے</p>	
<p>کوئی ہوا نہ روکش ٹاک میری چشم تر سے وحشتِ میری یار و خاطر نہ جمع رکھو اب جوں سرِ شاکلن سو پھر کی چشمِ تر کھ دیدار خواہ اُس کے کم ہوں تو شور کم ہو دلِ ایک ہو جلا بھی خونِ ایک ہو بہا بھی دل کس طرح نہ کھینچیں اشعارِ ریختہ کے انجام کارِ بلبل دیکھا ہم اپنی آنکھوں بیطاقتی نے دل کی آنسو کو مار رکھا دلکش یہ منزل آخر دیکھا تو آہ نکلی</p>	<p>کیا کیا نہ ابر اگر بھیاں روزِ روز بر سے پھر آئے یا نہ آئے لو پر اٹھا جو گھر سے جو خاک میں ملے ہیں گر کر تری نظر سے ہر صبح اک قیامت اٹھتی ہو اُسکے در سے اب بحث کیا ہو دل سے کیا گفتگو جگر سے بہتر کیا ہو میں نے اس عیب کو ہنر سے آوارہ تھے چین میں دو چار ٹوٹے پر سے آفتِ ہمارے جی کی آئی ہمارے گھر سے سب یار جا چکے تھے آئے جو ہم سفر سے</p>
<p>آوارہ میسر شاید وہاں خاک ہو گیا ہے اک گردِ اٹھ چلے ہو گاہ اُس کی رگدڑ سے</p>	
<p>وعدہ و عید پیاسے کچھ تو قرار ہوئے دل کی محالمت ہو کیا کوئی خوار ہوئے</p>	

نور اک سے نہ باندھے دیکھے نہ تو تڑپنا از لبس لہو پیا ہو میں تیرے غم میں گلرو میں مست مر گیا ہوں کر تا عجبت ساقی	کس آرزو پہ کوئی تیرا شکار ہوئے تیرے میری شاید حشر بہار ہوئے اگر سنگ شیشہ میرا سنگ مزار ہوئے
اے غیر میر تجھ کو گر جوتیاں نہ مارے سید نہ ہوئے پھر تو کوئی چمار ہوئے	
رہی نہ چنگی عالم میں دور خامی ہے نہ اٹھ تو گھر سے اگر جا رہا ہو ہوں شہور	ہزار حیف کمینوں کا چرخ حامی ہو ہنگیں جو بیٹھا ہو گر کر تو کیسا نامی ہو
ہوئی ہیں فکریں پریشان میر یاروں دی حواس خمسہ کرے جمع سو نظامی ہے	
انجام دل غم کش کوئی عشق میں کیا جانے وہاں آری ہر وہ ہو بھیاں سنگ ہر چھائی ہو ناصح کو خبر کیا ہو لذت سے غم دل کی میں خطا جہیں اپنا یارو کسے دکھلاؤں بی طاعتی دل نے ہم کو نہ کیا رسوا اس مرتبہ ناسازی نبھتی ہو دلا کوئی	کیا جانے کیا ہوگا آخر کو خدا جانے گزرتے ہو جو کچھ ہم پر سو اس کی بلا جانے ہو حق بہ طرف اس کے چکے تو مزار جانے قسمت کے لکھے کے تیں بھیاں کوٹن جانے ہو عشق مزار اسکو جو کوئی چھپا جانے کچھ خلق بھی پیدا کر تا خلق بھلا جانے
ایک بجائے یہ میر اس کے دروازہ کی مٹی بھی اس درو مجت کی جو کوئی دوا جانے	

۱۔ نظامی (گنجہ ایران) ۵۳۴ھ میں پیدا ہوئے (دوسرے ۵۹۴ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے پانچ شونیاں لکھیں جن میں
خمس نظامی کے نام سے مشہور ہیں ان میں سے ہر ایک شہنوی کسی خاص فرمائش اور خاص محل پر لکھی گئی۔ چنانچہ خسہ شیریں طغرل ارسلان
بلقوی کے نام پر لکھی اور اس کے جائزہ میں چودہ گانوں ملے اور غزنو امیر ابہرام شاہ کے نام پر لکھی اور اس میں پانچہزار اشرفیاں
اور ایک قطار شتر خٹل مال متاع سے بھرے ہوئے پیش کئے۔ اس وقت ان کا سن تقریباً ۲۵ سال کا تھا۔ اسی طرح لیلی مجنوں
منوچہر کے حکم سے ۵۹۴ھ میں تمام کی اسی طرح ہفت پیکر سلطان غیاث الدین کرہ سلطان علاء الدین آتہ نقری کی فرمائش سے
اور سکندر نامہ کو اپنے شوق سے لکھا مگر ابوبکر لہرۃ الدین کے نام موسوم کیا۔ میر تقی مرحوم نے اسی خمسہ کی طرف اشارہ کیا ہو اگر کما حقہ
کہ ہمارے زمانہ میں یہ حال ہو کہ جو اس خمسہ جمع کرے وہی نظامی ہو۔ آج

<p> چھڑ رکھی ہے تم نے کیا ہم سے روشنی ہو سو بھیاں مردم سے دشمنی ہے تمام عالم سے آخر ان کیسوان درسم سے بہ گئے اشک دیدہ غم سے کہیں پیدا بھی ہوتے ہیں ہم سے آفتیں آئیں اس کے مقدم سے تیغ نکلی اس ابروئے خم سے منہ چھپانا یہ کیا ہو پھر ہم سے ملے اُس کے کسو جو محرم سے </p>	<p> بہنتے ہو روتے دیکھ کر غم سے مند گئی آنکھ ہو اندھیرا پاک تم جو دل خواہ خلق ہو ہم کو درہمی آگئی مزا جوں میں سب نے جانا کہیں یہ عاشق ہو مفت دیوں ہاتھ تو نہ کھو ہم کو اکثر آلات جور اس سے ہوئے دیکھ دے پلکیں بر چھیاں چلیاں کوئی بیگانہ گر نہیں موجود وجہ پردے کی پوچھتے بارے </p>
---	--

درپے خون میرے ہی نہ رہو
 ہو بھی جاتا ہے جرم آدم سے

<p> رنج و محنت کمال راحت ہے ورنہ عاشق کو چشم خفت ہے دل آزرده گر سلامت ہے ہر طرف کو چہ جبراحت ہے کسو حسرت کی دل سے زخمت ہے قد و قامت ترا قیامت ہے دل پر میرے عجب مصیبت ہے کب موثر تری نصیحت ہے کہ مجھے خوش دلی اذیت ہے وقت جاتا رہے تو حسرت ہے دم غنیت میاں جو فرصت ہے چاہے یوں جو فی الحقیقت ہے واعظا اپنی اپنی قسمت ہے </p>	<p> نالہ عجز نقص الفت ہے عشق ہی گریہ ندامت ہے تادم مرگ غم خوشی کا نہیں دل میں ناسور پھر جبر چاہے رونا آتا ہے دم بدم شاید فتنے رہتے ہیں اُس کے سایہ میں نہ تجھے رحم نے اُسے ٹک صبر تو تو نادان ہے نیٹ نا صبح دل پہ جب میرے آکے یہ ٹھہرا رنج و محنت سے باز کیونکہ رہا کیا ہو پھر کوئی دم کو کیا جانو تیرا شکوہ مجھے نہ میرا بخت تجھ کو مسجد ہو مجھ کو میخانہ </p>
--	---

ایسے ہنس کلمہ کو شمع سے تشبیہ
باطل السحر دیکھ باطل ہے
ابر تر کے حضور بھوٹ بہا
کیا ہوا گر غزل قصیدہ ہوئی
ترتیبِ مہر پر ہیں اہل سخن قلعہ
شمع مجلس کی رونی صورت ہو
تیری آنکھوں کا سحر آفت ہو
دیدہ تر کو میسر رحمت ہو
عاقبت قصہ محبت ہو

تو بھی تقریب فاتحہ سے چل
بخدا واجب الزیارت ہے

پھر اُس سے طرح کچھ جو دعویٰ سی ڈالی ہو
سچ پوچھو تو کب ہیگا اُس کا سادہن غنچہ
دیہی کو نہ کچھ پوچھو اک بھرت کا ہو گڑوا
ہم قد خمیدہ سے آغوش ہوئے سائے
عزت کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی
دو گام کے چلنے میں پامال ہوا عالم
ہیگی تو دو سالہ پر ہے دختِ برز آفت
خونریزی میں ہمسوں کی جو خاک برابر ہیں
جب سر چرے ہوں ایسے تب عشق کریں سو بھی
ان مہجوں میں زار ہر چہ سر زدہ مت آنا
کیا تازہ کوئی گل نے اب شاخ نکالی ہو
لشکیں کے لئے ہم نے اک بات بنالی ہو
ترکیب کیا کئے سانچے میں کہ ڈھالی ہو
پر فائدہ تجھ سے تو آغوش وہ خالی ہو
چپ رہے تو چشمک ہو کچھ کئے تو گالی ہو
کچھ ساری خدائی سے وہ چال نرالی ہو
کیا پیر مفاں نے بھی اک چھو کری پالی ہو
کب سر تو فرد لایا ہمت تری عالی ہو
جول توں یہ بلا سر فرسارِ مادی ہو
مندیل تری اب کے ہم نے تو بچائی ہو

کیا میسر روتا ہو پامالی دل ہی کو
ان لونڈوں نے تو دلی سب پر پٹھالی ہو

نازِ جن وہی ہو بلبل سے گو خنزاں ہو
گر اس جن میں وہ بھی اک ہی لبِ دہاں ہے
ہنگام جلوہ اُس کے مشکل ہو ٹھہرے رہنا
پتھر سے توڑنے کے قابل ہے آرسی تو
بانغ و بہار ہو وہ میں کشتِ زعفران ہوں
ہر چند ضبط کرے چھپتا ہو عشق کوئی
ہنسی جو زرد بھی ہو سو شاخ زعفران ہو
لیکن سخن کا تجھ سے عجب کو منہ کہاں ہو
چتون ہو دل کی آنت چٹک بلائے جاں ہو
پر کیا کریں کہ پیارے منہ تیرا درمیاں ہو
جو لطف اک ادھر ہو تو یہاں بھی کٹاں ہو
گزلے ہو دل پہ کچھ چہرے ہی زعمیاں ہو

اس فن میں کوئی بے تہ کیا ہو مرا معارض
عالم میں آب و گل کا ٹھہراؤ کس طہرچ ہو
چرخا رہیگا اس کا تا حشر میکشاں میں
اول تو میں سندھوں پھر یہ مری زباں ہو
گر خاک ہو اڑے ہو اور آب ہو رواں ہو
خونریزی کی ہماری رنگین داستاں ہو

از خویش رفتہ اس بن رہتا ہو میر اکثر
کرتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہو

تیرا خرام دیکھے تو جاسے نہ ہل سکے
اس دل جلے کی تاب کے لانے کو عشق ہو
کہتا ہو کون تجھ کو کہ اے سینہ رک نہ جا
گرد و پر کو اس کو بھگنے دے ناز کی
کیا اس غریب کو ہو سیر یہ ہمسایہ
ہو جائے حیف بزم جہاں مل لے او تینگ
کس کو ہے آرزو کے افات فراق میں
مت ہر چشم کم سے مری چشم تر کو دیکھ
کیا جی تدر و کا جو تہ آگے چل سکے
فانوس کی سی شمع جو پرے میں جل سکے
اتنا تو ہو کہ آہ جگر سے نکل سکے
حیث سے آفتاب کی پھونچ ڈھل سکے
جو اپنی بے و باغی سے نکھی نہ جھل سکے
اپنے آپ جو کوئی گھڑی ہاتھ مل سکے
ایسا تو ہو کہ کوئی گھڑی جی سنبھل سکے
چشمہ ہو یہ وہ جس سے کہ دریا ابل سکے

کہتا ہو وہ تو ایک کی دس میر کم سخن
اس کی زباں کے عہد سے کیونکر نکل سکے

تغیر قافیہ سے یہ طہرچی غزل کہوں
خورشید تیرے چہرہ کے آگے نہ آ سکے
ہم گرم رو ہیں راہ فنا کے شر صفت
غافل نہ رہو آہ ضعیفوں سے سرکشاں
میرا جو بس چلے تو منادی کیا کروں
تدبیر حبيب پارہ نہیں کرتی فائدہ
اس کا کمال چرخ یہ سر کھینچتا نہیں
یہ نغ ہے یہ طشت ہو یہ تو ہو لبوس
اس رشک آفتاب کو دیکھے تو شرم ہو

تا جس میں زور کچھ تو طبیعت کا چل سکے
اس کو جگر بھی شہر ط ہو جو تال سکے
ایسے نہ جائیں گے کہ کوئی کھوج پا سکے
طاقت ہو اس کو یہ کہ جہاں کو جلا سکے
تھا اسے دل نہ کوئی کسو سے لگا سکے
ناصر جگر کا چاک سلا جو سلا سکے
اپنے تین جو خاک میں کوئی ملا سکے
کھانا تجھ حرام ہے فو زخم کھا سکے
ماہ فلک نہ شہر میں منہ کو دکھا سکے

کیا دل فریب جائے ہو آفاق ہمنشیں ق دوون کو بھیاں جو آئے سو برون جائے
مشعر ہو اس پہ مردن دشوار فتکال یعنی جہاں سے دل کو نہ آساں اٹھاسکے

بدلوں کا اس نعل کے بھی میں قافیہ کو میر
پھر فکر گو نہ عہد سے اُس کے برائے

کیا غم میں ویسے خاک قتادہ ہو سکے
ہم ساری ساری رات ہو گریہ ناک لیک
رونا تو ابر کا سا نہیں یار جانتے
برسوں ہی منتظر سہرہ پر ہیں ہوئے
دامن پکڑ کے یار کا جو ٹک نہ رو سکے
ماتمذمع دلغ جگر کا نہ دھوسکے
اتنا تو رو پیے کہ جہاں کو ڈلو سکے
اس قسم کا تو صبر کسو سے نہو سکے

رہتی ہو ساری رات مردم سے چل میر
نالہ رہے تو کوئی محلے میں کسو سے

آتش کے شعلے سے ہمارے گزر گئے
منزل نہ کر جہاں کو کہ ہم نے سفر سے آہ
مشت نہک سو بھی تو کعبو یاد کرہیں
ناصح نہ روویں کیونکہ محبت کے جی کو ہم
تلوار آپ کھینچے حاضر ہے بھیاں بھی سر
کر دیں گے آسمان وزیں ایک حشر کو
یہ راہ و رسم دل شدگان غفستنی نہیں
روز و دل اشکی گلی تک تھے ہم بھی ساتھ
بس اے تب فراق کہ گرمی میں مر گئے
جنکا کیا سرائع سندانے گزر گئے
اب داغ کھاتے کھاتے فلک جی تو بھر گئے
اے خانناں خراب ہمارے تو گھر گئے
بس عاشقی کی ہم نے جو مرنے سے ڈر گئے
اُس معرکہ میں یار جی ہم بھی اگر گئے
قطعہ جانے وے میر صاحب و قبلہ جدھر گئے
جب درد مند ہم کو دے معلوم کر گئے

گر یک نگاہ یاس کی ٹپے سے رو دیا
پھر ہم ادھر کو آئے میاں وے ادھر گئے

دن کو نہیں رہ چیں نہ ہو خواب مجھے
ہنگامہ میری نقش پہ تیری گلی میں ہو
ٹک داد میری اہل محلہ سے چاہو
طوفاں بجائے اشک ٹپکتے تھے چشم سے
دو حرف اُس کے منہ کے تو لکھ بھیجیو شتاب
میرنا پڑا ضرور ترے غم میں اب مجھے
بجائیں گے جنازہ کشاں بھیاں کب مجھے
تجھ بن خراب کرتے رہے ہیں یہ سب مجھے
اے ابر تر داغ تھار دے کا جب مجھے
قاصد چلا ہو چھوڑ کے تو جان بلب مجھے

کچھ ہے جواب جو میں کروں حشر کو سوال قطعہ
غیر از خموش رہنے کے ہونٹھوں کے سوکھنے
ہاں تھا تو نے جان سو کہہ کس سبب مجھے
لیکن نہیں ہے یا جھگڑنیکا ڈھب مجھے

پوچھا تھا راہ جاتے کہیں ان نے میرے کو
آنا ہے اُس کی بات کا اب تک عجب مجھے

کاتب کہاں مانع جواب شکوہ ٹھکانے
غیروں کا ساتھ موجب صد دہم ہو بتاں
بس ہو یہ ایک حرف کہ مشتاق جانے
اس امر میں خدا بھی کہے تو نہ مانے
شب خواب لباسِ حویاں تہی میں یہ
جب سوئے تو چادرِ مہتاب تانے
اپنا یہ اعتقاد ہو تجھ جستجو میں یار قطعہ
لے اس سرے سے اُسے تک خاک چھانے
پھر یا نصیب یہ بھی ہو طالع کی یادری
مر جائیں ہم تو اس پہ بھی ہم کو نہ جانے

لوٹے ہو خاکِ خون میں غیروں کیساتھ میرے
ایسے تو نیم کشتہ کو ان میں نہ سائے

مرے اس رُک کے مرجانے سے وہ غافل ہو کیا جانے
گزرنا جان سے آساں بہت مشکل ہو کیا جانے
کوئی سرسنگ سے مادو کسی کا واپس دم ہو
وہ آئینے میں اپنے نازِ برائے ہے کیا جانے
نظرِ مطلق نہیں ہجراں میں اس کو حال پر میرے
مرا دل اُس کے غم میں گویا اس کا دل ہو کیا جانے
جنونیِ خطی دیوانہ سڑی کوئی عشق کو سمجھے
فلاطوں سے نہیں یہاں بحث وہ عاقل ہو کیا جانے
تڑپنا نقشِ پائے ناقہ پر جانے ہواکِ مجنوں
بیاباں میں وہ لیلیٰ کا کدھر محفل ہو کیا جانے
پر صایا اُس کو بہتیرا کہ مت لا رازِ دل منہ پر
بچہ طفلِ اشک کو دیکھا تو ناقابل ہو کیا جانے
عرف ہونا مرا مشکل ہو میرے اس شمع کے فن سے
یونہی سودا کبھو ہوتا ہو سو جاہل ہو کیا جانے

<p>آہ کرے کہ ٹاک ہوا ہو دیکھے ہوتے ہوئے کیا ہو جان میں کچھ بھی جو رہا ہو کئے کچھ بھی تو دعا ہو دیکھے ایک سال کیا ہو دل گرفتہ تری بلا ہو جانے وہ جس کا دل لگا ہو شاید اس پر دین خدا ہو</p>	<p>کب تک جی رُکے خفا ہو جی ٹھہر جائے یا ہوا ہو کاہش دل کی کیجئے تدبیر چپ کا باعث ہو بے ممتائی لے کلی مائے ڈالتی ہو نسیم مر گئے ہم تو مر گئے تو بجے عشق کیا ہو درست ای ناصح پھر نہ شیطاں سجد آدم سے</p>
<p>نہ سنارات ہم نے اک نالہ غالباً میت مر رہا ہو</p>	
<p>دن گزر جائیں ہیں پر بات چلی جاتی ہو بارے ام ہمنشین اوقات چلی جاتی ہو عمر کے حیف ہی کیا سات چلی جاتی ہو اور دھاں بازی ہوئی بات چلی جاتی ہو عمر بھر ایک ملاقات چلی جاتی ہو شیخ کی ساری کرامات چلی جاتی ہو مستوں سے لوگ ہی کلمات چلی جاتی ہو مرنے پر آیا ہے پر لات چلی جاتی ہو اکرو طامات کی اک گھٹات چلی جاتی ہو</p>	<p>کچھ تو کہہ وصل کی پھر رات چلی جاتی ہو رہ گئے گاہ تبسم پہ گئے بات ہی پر ٹک تو وقف بھی کر کے گردشِ دریاں یہ جان بھاں تو آتی نہیں شطرنج زمانہ کی چال روز آنے یہ نہیں نسبت عشقی موقوف خرقہ منہیل دردِ امست لئے جاتے ہیں ہو موذن جو بڑا مرع مصلی اس کی پانوں رکنا نہیں مسجد سے دم آخر بھی ہر سحر درپے آرام سے آشامان ہے</p>
<p>ایک ہم ہی سے تفاوت ہو سلوکوں میں تیر یوں تو اوروں کی مدارات چلی جاتی ہو</p>	
<p>کیا کیجے میری جان اگر مر نہ جائے اس طفلِ نابینہ کو کہاں تک پڑھائے اپنے تئیں تو دل سے ہوائے بھلائیے مر جائے کہیں کہ ٹک آرام پائیے</p>	<p>منصف جو تو ہو کب تئیں یہ دکھ اٹھائے اظہارِ راز عشق کئے بن رہے نہ اشک تم نے جو اپنے دل سے بھلایا ہمیں تو کیا فکرِ معاش یعنی غمِ زلیست تا بہ کے</p>

<p>جالتے ہیں کیسی کیسی لئے دل میں حسرتیں لوٹوں ہوں جیسے خاک چین پر سیاہی اور آئیں</p>	<p>ہلکے دیکھنے کو جاں بلبوں کے بھی آئیے گل کو بھی میری خاک پہ ڈونہی لٹائیے</p>
<p>پہنچا تو ہوگا مجمع مبارک میں حال میر اس پر بھی جی میں آئے تو دل کو لگائیے</p>	<p>پہنچا تو ہوگا مجمع مبارک میں حال میر اس پر بھی جی میں آئے تو دل کو لگائیے</p>
<p>نہیں دوسواں جی گنوانے کے میرے تفسیر حال پر مت جا دم آخر ہی کیا نہ آنا تھا اس کہ ورت کو ہم سمجھتے ہیں بس ہیں دو برگ گل قفس میں صبا مرنے پر بیٹھے ہیں سنو صاحب اب گریباں کہاں کہ اے نا صبح چشم بزم سپہر جھپکی ہے دل دین ہوش و صبر سب ہی گئے کب تو سوتا تھا گھر مرے آکر مرہ ابرو نگہ سے اسکی میر قطعہ</p>	<p>ہائے رے ذوق دل لگانے کے اتفا قاست ہیں زمانے کے اور بھی وقت تھے بہانے کے دھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے نہیں بھوکے ہم آب و دانے کے بندے ہیں اپنے جی جلانے کے پڑھ گیا ہاتھ اُس دوانے کے صدقے اس انکھڑیاں لڑانے کے آگے آگے تمہارے آنے کے جاگے طالع غریب خانے کے کشتہ ہیں اپنے دل لگانے کے</p>
<p>تیر و تلوار و سیل بچا ہیں سارے اسباب مار جانے کے</p>	<p>تیر و تلوار و سیل بچا ہیں سارے اسباب مار جانے کے</p>
<p>ایسے گئے ایام ہماراں کہ نہ جانے سب ہو گئے ہیں شور ترا سُن کے دوانے اب ہم بھی نہیں رہتے وہے ہیں زمانے پھٹنے لگے ہیں کپڑے جو ہوتے ہیں پانے اس ورد میں کس کس کو کیا نفع نوانے شانہ کے نصیبوں میں تھے یوں ہاتھ بندھ جانے ہر چند کیا شور قیامت نے مہر جانے رہتے ہیں ترے تیر ستم ہی کے نشانے</p>	<p>کلمہ صحتی گل جو کہیں کوئی نہ مانے تھے شہر میں اور شک پری جتنے سیانے ہمراہ جوانی گئے ہنگامے اٹھانے پیری میں جو باقی نہیں جانے میں تو کیا دور مرنے ہی سے ہم نے کسکند محبت ہو کس کو میر تری زلفوں کی اسیری ہلکے آنکھ بھی کھولی نہ زخود رفتہ نے اُس کے لوہے کے تو ہے ہیں جگر اہل محبت</p>

ظاہر ہو کہ منہ پھیر لیا ہم سے خدا نے
کن کن روشوں ہم کو بھرایا ہے ہوائے
آئے بھی جو ہو تو مجھے مجلس سدا ٹھانے
خاک اسکی سر راہ کی کوئی کتبیں بچانے
آتے جو ہو ہر شام و سحر تیر لگانے
کم جاتے جو اُس کو چہ میں پر ہم تھے دولے
ہم جی سے گئے پر نہ گئے اُس کو بہانے

کا ہی کو یہ انداز تھا اعراض بتاں کا
ان ہی چہنوں میں کہ جنھوں میں نہیں اب چھائی
کب کب مری غرت کی لڑی بیٹھی ہو ٹکاپس
پایا جو نہ ہم نے دل گم گشتہ کو اپنے
کچھ تم کو ہائے جگر وں پر بھی نظر ہے
مجرور بدن سنگ سے طفلان کو نہوتے
آنے میں فعلل ہی کیا عاقبت کار

قلیوں میں بہت بہت پریشاں ہو پھرے ہیں
اوباش کسور روز لگا دیں گے ٹھکانے

بی طاقتی دل کو بھی مقدور ہوا ہے
یہ قصہ تو اس شہر میں مشہور ہوا ہے
افسانہ مرے حال کا مذکور ہوا ہے
یہاں آج مرا شیشہ دل جو پر ہوا ہے
یعقوب بجا آنکھوں سے معذور ہوا ہے
یہ کائنات سر کائنات طنبور ہوا ہے
نزدیک مرے کب یہ سر دور ہوا ہے
کیا ساتھ مرے اغوں کے محسوس ہوا ہے
اک شمع کا چہرہ ہے سو بے نور ہوا ہے

تین ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا ہے
بہنچا نہیں کیا سماع مبارک میں مرا حال
بیخوابی تری آنکھوں پہ دیکھوں ہوں گہرا
کل صبح ہی سستی میں سیر راہ نہ آیا
کیا سوچے اے جس کی ہو یوسف ہی نظریں
پر شور سے جو عشق معنی پسراں کے
تلوار لے چھڑا تو ابائیں کائنات میں
خورشید کی محشر میں طیش ہو گی کہانتاک
اگر شک سحر بزم میں لے منہ نقاب اب

اُس شوق کو ٹٹکے کچھ کہ چشم نگراں ہے
جو زخم جگر کا مرے ناسور ہوا ہے

ہر سحر و فہر باد نہایت کیجے
اپنا شیوہ نہ نہیں یہ کہ نکایت کیجے
دودل ہو کے فلک تجھ میں میریت کیجے
عوض جو رجھا ہم پر عنایت کیجے
اس پر بھی جی میں اوسے تو دل کو لگائیے آہیر

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجے
گو کہ سر خاک قدم پر ترے لئے اس میں
ہم جگر سوختہ کے جی میں جو آوے تو ابھی
عشق میں آپ کے کڑے نہ ہماری تو مگر
سہ پہنچا تو ہو گا سماع مبارک میں حال میر

<p>مت چلا عشق کی رہ کی کہ کوئی چنانچہ</p>	<p>ابھی گمراہ ہیں ہم کس کو ہدایت کیجے</p>
<p>کس کے کہنے کو ہو تاثیر کہ اک تیر ہی ہو رمز و ایما و اشارات و کنایات کیجے</p>	
<p>دل جو پُر بقرار رہتا ہے ترے بن دیکھے میں مکدر ہوں جبر یہ ہو کہ تیری خاطر دل دل کو مت بھول جانا میرے بعد دور میں چشم مست کے تیرے بسکہ تیرا ہوا بلا گرداں ہر گھڑی رنجش ایسی باتوں میں تجھ بن آئے ہیں تنگ جینے سے دل کو گواہ تھیں رکھو اب تم غیر مت کھا فریب خلق اس کا دلبر و دل چراتے ہو ہر دم</p>	<p>آج کل مجھ کو مار رہتا ہے آنکھوں پر اب غبار رہتا ہے روز بے اختیار رہتا ہے مجھ سے یہ یاد گار رہتا ہے فتنہ بھی ہوشیار رہتا ہے سر کو میرے دوار رہتا ہے کوئی اخلاص و پیار رہتا ہے مرنے کا انتظار رہتا ہے کوئی یہ بعیت رار رہتا ہے کوئی دم میں وہ مار رہتا ہے یوں کہیں اعتبار رہتا ہے</p>
<p>کیوں ہوئے غریزہ لہا تیر</p>	<p>کس کے کوچے میں خوار رہتا ہے</p>
<p>دہر بھی میرے طرف مقتل ہے کثرت غم سے دم لگا رکھنے روز گتے ہیں چلنے کو خواہاں چھوڑ مت نقد وقت نسیم پر بند ہو تجھ سے یہ کھلا نہ کہجھو سینہ چاکی بھی کام رکھتی ہے ابھی ہاتھوں میں شوق کے تیرے ٹک گرہیاں میں سر کو ڈال کے دیکھ ہجر باعث ہو بد گمانی کا مر گیا کوہکن اسی غم میں</p>	<p>جو ہے سو کوئی دم کا فیصل ہے حضرت دل میں کج و نگل ہے لیکن اب تک تو روز اول ہے آج جو کچھ ہے سو کہاں کل ہے دل ہے یا خناسہ مقفل ہے یہی کہ جب تلک معطل ہے دامن بادیہ کا آسپل ہے دل بھی کیا لوق و دق جنگل ہے غیرت عشق ہے تو کب کل ہے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہار</p>

<p>دل کے نالوں کا ان پردوں میں کچھ آنکھیں آنکھیں ہوں تو یہ چین آئینہ نسیم رنگ بعد ازاں اسے کوہن سر ہر ترا اور سنگ جن کے ہاتھوں سے قیامت پر بھی عرصہ ناخلف سارے قبیلہ کا ہمارے رنگ آہ بھی سر و گلستان شکست رنگ دو قدم اُسکی گلی کی راہ سو فرسنگ تجھ کو مجھ کو اتنی اتنی بات اوپر جنگ پیش رفت آگے ہمارے کب یہ عذر رنگ ورنہ ہر مصرع یہاں معشوق شوق و شنگ شعر یہ کم فہم سمجھے ہیں خیال رنگ</p>	<p>جانگد از اتنی کہاں آوازِ عود و چنگ ہو رُود و خال و زلف سے ہیں سنبل و سبزہ و گل بیسٹوں کھوٹے سے کیا آخر ہو سب کا عشق آہ ان خوش فامتوں کو کیونکہ ہمیں لائے عشق میں وہ گھر ہو اپنا جس میں مجنوں یہ ایک چشم کم سے دیکھ مت قری تو اس خوش قد کو تک ہم سے تو جا پا نہیں جاتا کہ بحیرہ دل میں وہاں ایک بو سے پر لو کی ہو صلح پر احو زود و رخ پانوں میں چوٹ آنے کے پیاسے بہانے جانے کو فکر کو نازک خیالوں کی کہاں پہنچے ہیں یار سر سری کچھ سن لیا پھر واہ و اگر اٹھ گئے</p>
<p>صبر بھی کرتے بلا پر صبر جب جی بکھو جب تب رونا ہی کرنا یہ بھی کوئی نہنگ</p>	<p>منجبر بکھ وہ جب سے سفاک ہو گیا ہو جس سے اسے لگاؤں رد کھا ہی ہوٹے ہے کیا جانوں لذت درد اس کی جراتوں کی صحبت سے اس جہاں کی کوئی خلاص ہوگا دیوار کہنہ ہو یہ مست بیٹھ اس کے سایہ شرم و حیا کہاں کی ہر بات پر ہو شمشیر</p>
<p>ملک ان ستمزدوں کا سب پاک ہو گیا ہو سینے میں جل کر از بس دل خاک ہو گیا ہو یہ جانوں ہوں کہ سینہ سب چاک ہو گیا ہو اس فاحشہ پہ سب کو امساک ہو گیا ہو اٹھ چل کہ آسمان تو کا واک ہو گیا ہو اب تو بہت وہ ہم سے بے باک ہو گیا ہو</p>	<p>زیر فلک بھلا تو رووے ہر آپ کو میر کس کس طرح کا عالم یاں خاک ہو گیا ہو</p>
<p>دے بھی سے ابر زور آیا ہے بے طرح گھر میں چور آیا ہے</p>	<p>ساقی گھر چاروں اور آیا ہے غارت دل کرے ہر ابر سیاہ</p>
<p>آج تیری گلی سے ظالم میٹر لو ہو میں شور بوز آیا ہے</p>	<p></p>

فقیہانہ آئے صدا کر چلے جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے کوئی ناامید نہ کرنے نگاہ بہت آرزو تھی گلی کی تری دکھائی دے یوں کہ بخود کیا جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی قطعہ پرستش کی بھیاں کر لے بت تجھے جھڑے پھول جس لنگ گلبن سے یوں قطعہ نہ دیکھا غم دوستاں شکر ہے گئی عمر در بند فکر غزل قطعہ	میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے سو اس عہد کو اب وفا کر چلے کہ مقدور تک تو دوا کر چلے ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے سو بھیاں سے لمو میں نہا کر چلے ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے حق بندگی ہم ادا کر چلے نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے ہمیں دایع اپنا دکھا کر چلے سو اس فن کو ایسا بُرا کر چلے
--	--

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے تیر
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

اپنا سر شوریدہ تو وقت خم چوگان ہے
آ بلہوس گر ذوق ہے یہ گو ہے یہ میدان ہے
عالم مری تقلید سے خواہش تری کرنے لگا
میں تو پشیمیاں ہو چکا لوگوں کو اب ارمان ہے
ہر چند بیش از بیش ہے دعویٰ تو رونیکا تجھے
پر دیدہ نمناک بھی اے ابر تر طوفان ہے
اس بیدی میں بھی کھجور دل بھر اٹھے ہو دم ترا
آٹک شتابی بے وفا اب تک تو مجھ میں جان ہے
ہر لحظہ خنجر درمیاں ہر دم زباں زیر زباں
وہ طور وہ اسلوب ہے یہ عہد یہ پیمان ہے

لے ایک ہم ہیں جو ہوئے ایسے پشیمان کہ بس + ایک وہ ہیں کہ جھین چاہ کے ارمان ہوئے

اس آرزوئے وصل نے مشکل کیا جیسا مرا
ورنہ گزرتا جان سے اتنا نہیں آسان ہے

بس بیوقاری ہو چکی گلیوں میں خواری ہو چکی
اب پاس کر ٹک مٹیر کا دو چار دن ہمارا ہے

خوب تھے وہ دن کہ ہم تیرے گرفتاروں میں تھے
غمز دوں، اندوہ کینوں، ظلم کے ماروں میں تھے
دشمنی جانی ہے اب تو ہم سے غیروں کے لئے

اک سماں سا ہو گیا وہ بھی کہ ہم یاروں میں تھے
مست بخت سے گزر قمری ہماری خاک پر
ہم بھی اک سرد رواں کے ناز برداروں میں تھے
مر گئے لیکن نہ دیکھا تو نے اودھسہ اکٹھا

آہ کیا کیا لوگ ظالم تیرے بیماروں میں تھے
گرچہ جسم عشق غیروں پر بھی ثابت تھا دلے
قتل کرنا تھا ہمیں ہم ہی گنہگاروں میں تھے

اک رہا مڑگاں کی صف میں ایک کے ٹکڑے ہوئے
دل جگر جو مٹیر دونوں اپنے غمخواروں میں تھے

وہاں یہ عاجز مدام ہوتا ہے	جس جگہ دور جام ہوتا ہے
کیسا خط و پیام ہوتا ہے	ہم تو اک حرف کے نہیں ممنون
اک کرشمہ میں کام ہوتا ہے	تیرے ناکاموں پر نہ ہر دم کھینچ
روز ان کا بھی شام ہوتا ہے	پوچھ مت آہ عاشقوں کی معاش
اپنا کھانا حرام ہوتا ہے	زخم بن غم بن اور غصہ بن
جس پہ شب اختلام ہوتا ہے	شیخ کی سی ہی شکل ہے شیطان

مٹیر صاحب بھی اُس کے ہاں تھی پر
جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

لے مٹیر صاحب بھی اُس کے ہاں تھے ایک پابندہ زنجیرہ کے مانند مٹیر

<p>وقتِ شکیبِ خوش کہ گیا در میان سے نکلا نہ حرفِ خیر کسو کی زبان سے کیا جائے یہ آگ ہے کس دودمان سے اس قصے کی کتاب میں اس داستان سے جوں برق ہم ٹپ کے گرو آشیان سے القصہ خوش گزرتی ہو اس بد گمان سے</p>	<p>بیٹا بیوں میں تنگ ہم آئے ہیں جان سے ہم خامشوں کا ذکر تھا شبِ اسکی بزم میں آبِ خضر سے بھی نہ گئی سوزشِ جگر بجز عشقِ جنگ دہرست پڑھ کہ خوش ہیں ہم آئے کا اس چین میں سبب بیکلی ہوئی اب چھوڑ یہ رکھی ہو کہ عاشق ہو تو کہیں</p>
---	--

داغوں سے چرچین جگر میرے دہریں
ان نے بھی گل چنے بہت اس گلستان سے

<p>اس گریباں ہی سے اب ہاتھ اٹھایا ہم نے سر پہ دیکھا نہ گل و سرو کا سایا ہم نے بسترِ خاک ہی میں اب تو بچھایا ہم نے ڈرتے ڈرتے ہی کچھ احوال سنایا ہم نے چار دن یہ بھی تماشا سا دکھایا ہم نے خوبی گل کا مزا خوب اڑایا ہم نے آہ کیا جانے دیا کس کا بچھایا ہم نے قیس و فرہاد کو پھر یاد دلایا ہم نے سو تہِ خاک بھی آرام نہ پایا ہم نے</p>	<p>چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے حسرتِ لطفِ عزیزانِ چینِ جلی میں رہی جی میں تھا عرش پہ جا باندھے تکیہ لیکن بعد یک عمر کہیں تم کو جو تنہا پایا یہاں فقط رنجتہ ہی کہنے نہ آئے تھے ہم بارے کل باغ میں جا مرغِ چین سے ملکر تازگیِ داغ کی ہر شام کو بے ہیج نہیں دشت و کسار میں سر مار کے چندی تجھ بن بے کلی سے دل بیتاب کی مرگز سے تھے</p>
---	--

پستم تازہ ہوا اور کہ یائیز میں میر
دل خصل و خار سے ناچار لگایا ہم نے

<p>پھرتے ہیں ہم بھی ہاتھ میں سر کو لے رہے اب تو نشے میں جاتے ہو زخمی کئے ہوئے بایاں کارِ عشق میں ہم مرتبے ہوئے ہوتا ہی کیا ہمارے گریباں سے ہوئے</p>	<p>ظالم کہیں تو مل کبھو وارو پئے ہوئے آؤ گے ہوش میں تو ٹٹکاک سدھ بھی لیجؤ جی ڈوبتا ہے آس گہر تر کی یاد میں سی چاک دل کہ چشم سے ناصح انو تھئے</p>
---	--

کافر ہوئے بتوں کی محبت میں میر جی
مسجد میں آج آئے تھے قشقہ بے ہوئے

کرو تو کل کہ عاشقی میں نہ یوں کرو گے تو کیا کرو گے
 الم جو یہ ہے تو درد مند و کہاں تلک تم دوا کرو گے
 جگر میں طاقت کہاں ہو اتنی کہ درد و ہجرال کو مٹا رہے
 ہزاروں دعدے وصال کے تھے کوئی بھی جیتے و فاکرو گے
 ہماں کی مسیح تمام حیرت نہیں ہو جس پر نگہ کی نصرت
 نظر پڑے گی لبان بسمل کبھو جوشرگاں کو داکرو گے
 اخیر الفت یہی نہیں ہو کہ جل کے آفر ہوئے تینے
 ہوا جو یہاں کی یہ ہو تو یار و غبار ہو کر اڑا کرو گے
 بلا ہے ایسا چلیدن دل کہ صبر اس پر ہو مشکل
 داغ اتنا کہاں رہے گا کہ دست بردل رہا کرو گے
 عدم میں ہم کو یہ غم رہیگا کہ ادروں پر اب تم رہیگا
 تھیں تو لت ہو ستلے ہی کی کسو پر آخر جاکرو گے
 اگرچہ اب تو خفا ہو لیکن موئے گئے پر کبھو ہمارے
 جو یاد ہم کو کرو گے پیارے تو ہاتھ اپنے ملا کرو گے
 سحر کو محراب تیغ قاتل کبھو جو یار و ادھر ہو مائل
 تو ایک سجدہ لبان بسمل مری طرف سے ادا کرو گے

غم محبت سے میر صاحب ہنگاموں میں غمیر ہو تم
 جو وقت ہو گا کبھو مساعد تو میر حق میں عاکرو گے

جو کہ ہو سوے داغ نکلتے ہے ہو جو اندھیر شہر میں خورشید جو بکاری ہی سے رہیگا شیخ دے ہو جنبش جو دھان کا خاک باؤ قلعہ ہر حیر حادثہ مری خاطر	اوسے اک داغ نکلتے ہے دن کو لیکر چراغ نکلتے ہے اب تو لیکر چراغ نکلتے ہے جگر داغ داغ نکلتے ہے بھر کے خون کا ایلان نکلتے ہے
---	--

سہ چاغ بروزن براق سرخ عصا جس کو ہانڈی کھتے ہیں ۱۲

اُس گلی کی زمین تفتہ سے دل جلوں کا سراغ نکلتے ہے

شاید اُس زلف سے گلی ہو میسر
باؤ میں اک دماغ نکلتے ہے

ہے خاک جیسے ریگِ رواں سب نہ آب ہے
دریائے موجِ خیسز جہاں کا سراب ہے
روز شمار میں بھی محاسب ہے گر کوئی
تو لے حساب کچھ نہ کر آخر حساب ہے
اس شہرِ دل کو تو بھی جو دیکھے تو اب کے
کیا جانتے کہ بستی یہ کب کی خراب ہے
منہ پر لئے نقاب تو اے ماہِ گیا چھے
آشوبِ شہرِ حسن ترا آفتاب ہے
کس رشکِ گل کی باغ میں زلفِ سیہ کھلی
موج ہوا میں آج نیپٹ پہنچ و تاب ہے
کیا دل مجھے بہشت میں لے جائے گا بھلا
جس کے سبب یہ جان پر میری عذاب ہے
سن کان کھول کر کہ تنک جلد آنکھ کھول
غافل یہ زندگانی فسانہ ہو خواب ہے
رہ آشنائے لطفِ حقیقت کے بھر کا
ہے رشکِ زلف و چشم جو موجِ حباب ہے

آتش ہے سوزِ سینہ ہمارا مگر کہ میسر
نامے سے عاشقوں کے کبوترِ کباب ہے

کیا کیا بیٹھے بگڑ بگڑ تم پر ہم تم سے بنائے گئے
اچھلے باتیں اٹھائے گئے سر کاٹے دوہائے گئے
اٹھے نقابِ جہاں سے یارب جس سے تکلف پہنچ میں ہے
جب نکلے اُس راہ سے ہو کر منہ تم ہم سے چپائے گئے

کب کب تم نے سچ نہیں مانیں جھوٹی باتیں غیروں کی
 تم ہم کو وہیں جلائے گئے وے تم کو وہیں لگائے گئے
 صبح وہ آفت اٹھ بیٹھا تھا تم نے نہ دیکھا صد افسوس
 کیا کیا فتنے سر جوڑے پلکوں کے سائے سائے گئے
 اللہ سے یہ دیدہ درائی ہوں نہ ملدہ کیونکہ ہم
 آنکھیں ہم سے ملائے گئے پھر خاک میں ہم کو ملائے گئے
 آگ میں غم کی ہو کے گدازاں جسم ہوا سب پانی سا
 یعنی بن آن شعلہ رخوں کے خوب ہی ہم بھی تائے گئے
 ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بھی حد ایک لآخر ہوتی ہے
 کشتہ اُس کی تیغ ستم کے گورتیں کب لائے گئے
 خنجر جو مل جاتا ہے گا ہے آپ کو بھولا خوب نہیں
 کھوئے گئے اُس راہ کے در نہ کا ہی کو پھر پائے گئے

مرنے سے کیا میسر جی صاحب ہم کو ہوش بخے کیا کرے
 جی سے ہاتھ اٹھائے گئے پر اُس سے دل نہ اٹھائے گئے

ادھر سے ابر اٹھ کر جو گیا ہے	ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے
مصائب اور تھے پردل کا جانا	عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
مقامِ خانہ آفاق وہ ہے	کہ جو آیا ہے یہاں کچھ کھو گیا ہے
کچھ آؤ زلف کے کوچہ میں درپیش	مزاج اپنا ادھر اب تو گیا ہے

سرخانے میسر کے کوئی نہ بولو
 ابھی تک روتے روتے سو گیا ہو

عمر بھر ہم رہت شرابی سے	دل پر خون کی اک گلابی سے
جی ڈھا جائے ہو سحر سے آہ	رات گزے گی کس خرابی سے
کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہو	اُس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

لے سودا سودا کی جو بالیں یہ ہوا شور قیامت - خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

دانع ہوں اُس کی بیجاابی سے	برقع اٹھتے ہی چاند سا نکلا
کام تھے عشق میں بہت پر میسر	ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے
تا صبح دو صد نالہ سر انجام کریں گے دو شخص جہاں شکوہ ایام کریں گے وے لوگ ہی آخر تجھے بدنام کریں گے اک روز یہی دل میں ترے کام کریں گے	دن دوری چین میں جو ہم شام کریں گے ہوگا ستم و جور سے تیرے ہی کتایہ آمینش بیجا ہو تجھے جن سے ہمیشہ نالوں سے مرے رات کے غافل نہ رہا کر
گر دل ہو یہی مضطرب الحال تو اسی میسر	ہم زیرِ نرین بھی بہت آرام کریں گے

دیوان دوم

میر تقی میر دہلوی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

<p>نکلے ہی جی ہی اس کے لئے کائنات کا ورنہ بناؤ ہوئے نہ دن اور رات کا صورت نہ پکڑے کام فلک کی ثبات کا کیا سہل ہی زمیں سے نکلنا نبات کا عیسیٰ و خضر کو ہی مزار کب وفات کا لکھنا نہ تو بھی ہو سکے اس کی صفات کا شمع حرم ہو یا کہ دیا سومات کا ہی دید چشم دل کے کھلے سین فات کا مصحف کو کھول دیکھ ملک انداز بات کا مذکور و ذکر بھیاں نہیں صوم و صلوات کا</p>	<p>ہر ذی حیات کا ہی سبب جو حیات کا بکھرے ہو زلف اس رخ عالم فریب در پردہ و دہی معنی مقوم نہ ہوں اگر ہیں مشغیل خاک سے اجڑائے نو خطاں مستہلک اس کے عشق کے جانے ہیں قدر مرگ اشجار خامہ ہوویں جو آبِ سیمہ بھار اس کے فروغِ حق سے جھکے ہی سب میں نور یا لذات ہی جہاں میں وہ موجود ہر جگہ ہر صفحے میں ہی محو کلام اپنا دس جگہ ہم مذنبوں میں صرف کرم سے ہی گفتگو</p>
--	--

کیا میرے سچے کو نامہ سیاہی کا منکر ہو
نعمتِ رسل سا شخص ہی ضامنِ نجات کا

<p>دیواں میں شعر گر نہیں نعتِ رسول کا ایسا وسیلہ ہی بھی خدا کے حصول کا محبوب ہی ملک کا فلک کا عقول کا مذہب کچھ اور ہو گا کسی بواغِ فضول کا سرِ مہ کریں ہیں رہ کی تری خاکِ دھول کا ہی قصدِ سب کو تیری رضا کے حصول کا</p>	<p>جلوہ نہیں ہی نظم میں حسن قبول کا حق کی طلب ہی کچھ تو محمد پرست ہو مطلوب ہی زمان و مکانِ جہان سے احمد کو ہم نے جان رکھا ہی وہی احمد جن مردماں کو آنکھیں دیا ہو خدا نے مقصود ہی علی کا دلی کا سبھی کا تو</p>
---	---

۱۱۱
ناتِ اہلِ ایمان کا

<p>تھی گفتگوئے باغِ فدا کی ق دعویٰ جو حق شناسی کا رکھے سوا اس قدر</p>	<p>جائے ہو جس کو علمِ ہدیٰ کے اصول کا پھر جان بوجھ کر یہ تلفِ حق بتول کا</p>
<p>پر وائے حشر کیا ہو تجھے میتِ شاد ہو عذر خواہ جسمِ جوہ تجھ لول کا</p>	<p>جو معتقد نہیں ہو علیؑ کے کمال کا عزتِ علیؑ کی قدر علیؑ کی بہت ہو دور</p>
<p>ہر بال اس کے تن پہ ہو موجبِ دال کا مورد ہو ذوالجلال کے عشرِ جلال کا جس جانہ تھا لگاؤ گمان و خیال کا مخلوق آدمی نہ ہوا ایسی چال کا تھا مشورتِ شریکِ حق لایزال کا چھوڑا نہ نامِ کعبہ میں کفن و ضلال کا یہ جو دستِ رزنا مجھے ہو حشر میں اُس کی ہی چال کا</p>	<p>راہِ خدا میں اُن نے دیا اپنے بھی تئیں نسبت نہ بندگی کی ہوئی جس کی ہاں در توٹا بتوں کو دوشِ بنی پرستم کو رکھ شخصیت ایسی کس کی تھی ختمِ رسل کے بعد رکھنا قدم پہ اُس کے قدم کب ملک ہو توٹا بتوں کو دوشِ بنی پرستم کو رکھ راہِ خدا میں اُن نے دیا اپنے بھی تئیں نسبت نہ بندگی کی ہوئی جس کی ہاں در</p>
<p>مگر نجاتِ مہم کو کیا مدد خواہ اولادِ کارِ علیؑ کی محمدؐ کی آل کا</p>	<p>مگر نجاتِ مہم کو کیا مدد خواہ اولادِ کارِ علیؑ کی محمدؐ کی آل کا</p>
<p>کب خضر و مسیحائے مرنے کا مزا جانا خاتم کو سلیمان کی انگشتِ پا جانا منہ صبح دکھا جانا پھر شام چھپا جانا جائے ہو خدا اس کو میں تجھ کو خدا جانا آخر وہ بُرا نکلا ہم جس کو بھلا جانا اس دشت میں سرگائے جو سیلِ جلا جانا اچھا نہیں چہرے پر لوہو کا بہا جانا عاشق کے حقوق اگر ناحق بھی مٹا جانا جائے تو ہو پر ہم سے ملک کچھ ملا جانا اک غمِ زباں تازہ ہر روز اٹھا جانا اس راہ سے نکلے تو ہم کو بھی جگا جانا</p>	<p>لذت سے نہیں خالی جاؤں کا لپکا جانا ہم جاہ و حشم بھیاں کا کیا کہنے کیا جانا یہ بھی ہو ادا کوئی خورشیدِ منطِ پایے کب بندگی میری ہی بندہ کرے گا کوئی تھا ناز بہت ہم کو دانست پر اپنی بھی گردن کشی کیا حاصل مانند بگولے کے اس گریہِ غمین کا ہو ضبط تو بہتر ہو یہ نقشِ دلوں پر سے جائے کا نہیں اس کو دھبے بیکھے کا ایدھر ایسا ہی تمہارا تھا اُس شمع کی مجلس میں جانا ہم پھر محال اگر شورِ قیامت ہم سوتے ہی نہ رہ جاؤں</p>

کیا پانی کے مول اگر مالک نے گہر بچا ہو میرے قے نسبت روح اور جسد کی سی جاتی ہو گزر جی پر اس وقت قیامت ہی برسوں سے مری اس کی رہتی ہو یہی صحبت	ہو سخت گراں سستا یوسف کا بکا جانا کب آپ سے میں تجھ کو ای جان جدا جانا یاد آوے ہو جب تیرا یکبارگی آ جانا تیغ اُس کو اٹھانا تو سر مجھ کو جھکا جانا
--	---

کب میرے لیے تھی
دل کو تو لگا بیٹھے لیکن نہ لگا جانا

پائے خطاب کیا کیا دیکھے عتاب کیا کیا کھٹے ہیں خاک اڑا کر جوں گرد باد برسوں کچھ گل سے ہیں شکستہ کچھ سرو سے ہیں قد کش انوار جرم میرے پھر بے شمار بے حد کک لک لک ہی ہو سینوں میں کچھ نہ پوچھو افراط شوق میں تو رو مت رہی نہ مطلق پھر پھر کیا ہو اگر ٹنہ تک جگر ہمارے آشفٹہ اُس کے کیسو جوت ہوئے ہیں منہ پر	دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا گلیوں میں ہم ہوئے ہیں اس بن خراب کیا کیا اس کے خیال میں ہم دیکھے ہیں خواب کیا کیا روز حساب لیں گے مجھ سے حساب کیا کیا جل جل کے ہم ہوئے ہیں اس بن کباب کیا کیا کتے ہیں میرے منہ پر آب شیخ و شاب کیا کیا گزرے ہیں جان دل پھیل اضطراب کیا کیا تب سے ہمارے دل کو ہو چہرچ و تاب کیا کیا
--	--

کچھ سوچتا نہیں ہو سستی میں میر جی کو
کرتے ہیں پوچ گوئی بی کر شراب کیا کیا

دامن وسیع تھا تو کاہیکو چشم تر سا شاید کباب کر کر کھایا کبوتران نے وحشی مزاج از بس مانوس بادیہ ہیں جس ہاتھ میں رہا کی اُس کی گھر ہمیشہ سب پہنچ کی یہ باتیں ہیں شاعروں کی دوشہ طرز نگاہ اُس کی دل لے گئی سمجھوں کے تم واقف طریق بے طاقتی نہیں ہو کچھ بھی معاش ہو یہ کی اُن نے ایک جنگ ملک ترک عشق کرے لاغر بہت ہوئے ہم	رحمت خدا کی تجھ کو ای ابر زور برسا نامہ اڑا پھرے ہو اُس کی گلی میں پرہیا ان کے جنوں میں جنگل اپنا ہوا ہو گھر سا اُس ہاتھ مارنے کا سر پر بندھا ہو کر سا باریک اوزنا زک موب ہو اُس کمر سا کیا مومن و برہن کیا گیسو اور تر سا یہاں راہ دو قدم ہو اب دور کا سفر سا جب مدتوں ہمارا جی دیکھنے کو تر سا آدھا نہیں باہر اجمہر پنج ورسا
---	--

<p>رہتا ہو عرض ہی میں اکثر پڑا مگر سا</p>	<p>واعظ کو یہ جلن ہو شاید کہ فرہی سے</p>
<p>انداز سے ہو پیدا سب کچھ خبر ہو اس کو</p>	<p>گو مہر سے بے سرو یا ظاہر ہو بیخبر سا</p>
<p>شکر خدا کہ حق محبت ادا ہوا جاتا ہو اب توجی ہی ہمارا چلا ہوا نکلے ہو کوئی لخت دل اب سچ چلا ہوا تصویر کی کلی کی طرح دل نہوا ہوا جاگہ سے دل گیا جو ہمارا بجا ہوا انجام کار مدعی کا مدعا ہوا جیسے کسو کا کوئی نگر ہو لٹا ہوا بیار دل بھلا نہ ہوا تو بھلا ہوا</p>	<p>تیغِ ستم سے اس کی مرا ستر جدا ہوا قاصد کو دے کے خط نہیں کچھ بھیجا ہوا وہ تو نہیں کہ اشک تھمتے ہی نہ آنکھ سے حیران رنگِ باغ جہاں تھا بہت کا عالم کی بے فضا کی تے تنگ گئے تھم در پہلے ہمارے جی کے ہوا غیر کے لئے اس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھئے بدتر ہو زلیست مرگ سے حیران یار میں</p>
<p>کہتا تھا میرے حال کو جب تو تھا بھلا</p>	<p>کچھ ضبط کرتے کرتے ترا حال کیا ہوا</p>
<p>پہلے سلوک ایسے ہی تیرے تھے اب ہو کیا کرتے ہو قہر لطف کی جاگہ غضب ہو کیا مجلس میں جب خفیف کیا پھر ادب ہو کیا اس راہِ صعبِ عشق میں یار و لعب ہو کیا یہ بھی مقام ہائے اتمال طلب ہو کیا عالم تمام گروہ نہیں تو یہ سب ہو کیا گریہ ہی اپنے دن میں تو تاریک شب ہو کیا اپنا ہی ظرف تھا جو نہ پوچھا سبب ہو کیا ظاہر میں کیا کو ہو - سخنِ زیر لب ہو کیا</p>	<p>رفقار و طوطو طرز و روش کا یہ ڈھب ہو کیا ہم دل زدہ نہ رکھتے تھے تم سے یہ چم داشت عزت بھی بعدِ ذلت بسیار چھپڑ ہو آئے ہم آپ میں تو نہ پہچانے پھر گئے حیراں ہیں اس دہن کے عزیزانِ خورہ ہیں آنکھیں جو ہو دیں تیری تو تو عین کر رکھے اس آفتاب بن نہیں کچھ سو جھتا ہمیں تم نے ہمیشہ جو د ستم بے سبب کئے کیونکر تمھاری بات کرے کوئی اعتبار</p>
<p>اس مہرِ بغیر میں کا مڑنا عجیب ہوا</p>	<p>ہر چند مرگ عاشق مسکینِ عجب ہو کیا</p>
<p>آئی قیامت اُن نے جو پردا اٹھا دیا</p>	<p>اجھکی دکھا کے پور کو جن سے جلا دیا</p>

<p>اس فتنے کو جگا کے پیشیاں ہوئی نسیم اب بھی دماغ رفتہ ہمارا ہی عرش پر جانی نہ قدر اس گہر شب چرائے کی تقصیر جان دینے میں ہم نے بھونہ کی گرمی چرائے کی سی نہیں وہ مزاج میں وہ آگ ہو رہا ہو خدا جانے غیر سے آنا کیا تھا فرش تری روئے ہم ہوں کاش اب گھٹتے گھٹتے جان میں طاقت نہیں رہی تنگی لگا ہو کرنے دم اپنا بھی ہر گھڑی کی چشم تو نے باز کہ کھولا درِ ستم</p>	<p>کیا کیا عزیز لوگوں کو اس نے سلا دیا گو آسمان نے خاک میں ہم کو ملا دیا دل ریزہ خدوت کی طرح میں اٹھا دیا جب تیغ وہ بلند ہوئی سر بھکا دیا اب دل فسر دی سے ہوں جیسے بچھا دیا میری طرف سے اُس کے تئیں کیا لگا دیا سو تو نے مار مار کے آکر بچھا دیا ٹک ٹک چلی صبا کہ دیا سا بڑھا دیا کڑھنے نے دل کے جی کو ہارے کھیا دیا کس مدعی خلق نے تجھ کو جگا دیا</p>
---	--

کیا کیا زبانِ سیر نے کھینچے ہیں شقی میں
دل ہاتھ سے دیا ہو جدا سر جدا دیا

<p>بہتوں کو آگے تھا یہی آزار عشق کا بے پردگی بھی چاہ کا ہوتا ہو لازمہ زندانی سیکڑوں مرے آگے رہا ہوں نخا بانِ مرگ میں ہی ہوا ہوں مگر نیا منصور نے جو سر کو کٹایا تو کیا ہوا جانا وہی سنا ہم حسرت جہاں سے پھر بعد میرے آج تلک سر نہیں بکا لگ جائے دل کہیں تو اُسے جی میں اپنے کو چھوٹا جو مرے قید عبارت میں پھنسا مشکل ہو عمر کا ٹپنی تلوار کے تیلے وہاں تھوں گے دعو کو دیکھا ہو میں قطع</p>	<p>جیتا رہا ہو کوئی بھی بیمار عشق کا کھلتا ہی ہو ندان یہ اسرار عشق کا چھوٹا نہ میں ہی تھا جو گنہگار عشق کا جی بیچے ہی پھرے ہو خریدار عشق کا ہر سر کہیں ہوا ہو سزاوار عشق کا ہوتا ہو جس کو سب کت پیار عشق کا اک عمر سے کساد ہو بازار عشق کا رکھتا نہیں شگون کچھ اظہار عشق کا القصہ کیا رہا ہو گرفتار عشق کا سر میں خیال گو کہ رکھیں یار عشق کا پورا جہاں لگا ہو کوئی وار عشق کا</p>
--	--

کھو ہی رہا نہ جان کو نا آزمودہ کار
ہوتا نہ میرے کاش طلبگار عشق کا

<p>رہے ہمان میں تو دیر میں رہا نہ رہا دل ستم زدہ کس دقت اس میں جا نہ رہا پھر ایک دم میں وہ بے دید آشنا نہ رہا ہزار شکر کسوسے ہمیں گلا نہ رہا جراحت اس کو دکھانے کا اب مزا نہ رہا کہ جی سے ہاتھ اٹھا کر وہ اٹھ گیا نہ رہا جگر تمام ہوا خون و دل بجا نہ رہا لگائی ایسی کہ تسمہ بھی چہر لگا نہ رہا</p>	<p>ستم سے گو یہ ترے کشتہ وفا نہ رہا کب اس کا نام لے غش نہ آگیا مجھ کو ملانا آنکھ کا ہر دم فریب تھا دیکھ سوئے تو ہم پہ دل پر کو خوب خالی کر ادھر کھلی مری چھائی ادھر نک چھڑا ہوا ہوں تنگ بہت کوئی دن میں سن لیجو ستم کا اس کے بہت میں نزار ہوں ممنون قطعہ اگرچہ رہ گئے تھے استخوان پوست و لے</p>
<p>حمیت اس کے تیس کہتے ہیں جو میر میں تھی گیا جہاں سے یہ تیری گلی میں آ نہ رہا</p>	
<p>شاید ہمیں دکھا دین گے دیدار نہا کا میخانے کے ہاں دیکھئے یہ رنگ ہوا کا کیا ذکر ہو واعظ کے مصلیٰ و ردا کا ہر لحظہ نہ ہو ممتحن ار باب وفا کا معلوم تھا مدت سے ہمیں نفع دوا کا بالعکس اثر پاتے تھے ہم اپنی دوا کا حیرت زدہ ہوں یار کی میں شرم و حیا کا تب دیدہ تر سے بھی ہوا ایک جھڑکا جس خاک پہ ہوگا اثر اس کی کف پا کا</p>	<p>کرتے ہی نہیں ترک بناں طور جفا کا ہو ابر کی چادر شفقی جو رش سے گل کے بہتیری کرو جنس کلاوں کے پڑی ہو مر جائے گا باتوں میں کوئی غزریوں ہی تدبیر تھی تسکیں کیلئے لوگوں کی رورہ ہاتھ آئینہ رویوں سے اٹھا بیٹھیں کیو آنکھ اس کی نہیں آئینہ کے سائے ہوتی برسوں سے تو یوں ہو کہ گھٹا جب آئند آئی آنکھ اس سے نہیں اٹھنے کی صاحب نظر دل</p>
<p>تلوار کے سایہ ہی میں کاٹے ہو تو اوی میر کس دل زدہ کو ہوئے ہو یہ ذوق فنا کا</p>	
<p>بکھ درد عاشقی کا اُسے بھی مزا لگا گر لائے اس آگ کا ٹک دل کو جا لگا بھڑکا رکھا ہو لوگوں نے اس کو گلا لگا میں اٹھ گیا کہ غیر ترے کانوں آ لگا</p>	<p>رہتا ہو ہڈیوں سے مرے جو ہما لگا غافل نہ سوز عشق سے رہ پھر کباب ہو دیکھا ہمیں جہاں وہ تھاں آگ ہو گیا مہلت تنگ بھی ہو تو سخن کچھ اثر کرے</p>

<p>اب آج چشم ہی ہو ہمارا محیط خلق ہر چند اس کی تیغِ ستم تھی بلند لیک مجلس میں اس کی بار نہ مجھ کو ملی کبھی بوسہ لبوں کا مانگتے ہی منہ بکھر گیا</p>	<p>دریا کو ہم نے کب کا کنارے رکھا لگا وہ طور بد نہیں تو قیامت بھلا لگا دروازے ہی سے گر چہ بہت میں رہا لگا کیا اتنی میری بات کا تم کو بُرا لگا</p>	
<p>عالم کی سیر میری صحبت میں ہوئی طالع سے میرے ہاتھ پہ دستِ ہالکا</p>		
<p>چاہ یوسف تھا ذقن سو چاہ رستم ہو گیا حق بجانب تھا ہمارے سخت ماتم ہو گیا اب جہاں کوئی نہیں بھیاں ایک عالم ہو گیا زلف کے درہم ہوئے اک جمع برہم ہو گیا اب حیوانِ عین طالع سے مرے سم ہو گیا فائدہ اب جبکہ مست و محراب سا خم ہو گیا وحشتِ دل بڑھ گئی آرام جاں رم ہو گیا جن نے دیکھا ایک دم اس کو سولے دم ہو گیا پنا عسریٰ ایل وہ جانِ خشم ہو گیا</p>	<p>خط سے وہ زور صفائے حسن اب کم ہو گیا سینہ کو بی سنگ سے دل خون ہونے میں رہی ایک سا عالم نہیں رہتا اس عالم کے بیچ آنکھ کے لڑتے تری آشوب سا بریا ہوا اس لب جاں بخش کی حسرت نے مارا جان سے وقت تب تک تھا تو سجدہ سجدوں میں کفر تھا عشق ان شہری غزلوں کا جنوں کو اب کھنچا جی کھینچے جاتے ہیں فطرتِ شوق سے آنکھوں کی اور ہم نے جو کچھ اُس سے دیکھا سو خلافِ چشمِ دشت</p>	
<p>کیا کہوں کیا طرحیں بدیں چاہ نے آخر کو کس تھا گرہ جو درد چھاتی میں سوابِ غم ہو گیا</p>		
<p>برسوں سے صوفیوں کا مصلیٰ تو تہ ہوا بالقرض آسماں پہ گیا بھول رہا ہوا جاگہ سے اپنے عضو کوئی لے جگہ ہوا کس کی ترازو یار کا تیسیر بنگہ ہوا</p>	<p>کیسی ہو کیوں تو ناز سے پھر گرم رہا ہوا معلوم تیرے چہرہ پر ناز کا سا لطف پوچھ اُس سے دردِ ہجر کو جس کا بہ ناز کی ہم پہ اپنا کون ہو اس معرکہ کے بیچ</p>	
<p>ایسا فقیر ہونا بھلا کیا ضرور تھتا دونوں جہاں میں مسمِ عبتِ دوسیر ہوا</p>		
<p>مجلس میں سن سپند کیا یک اچھل پڑا گل گوچن میں جاے سے اپنے نکل پڑا</p>	<p>لذکر میری سوختگی کا جو چل پڑا پہنچے ہو کوئی اُس تن نازک کے لطف کو</p>	

<p>کہنے لگا کہ یوں ہی کوئی دن تو چل پڑا بالوں میں اور پیچ میں پکڑی کے بل پڑا پہلے میں اُس پانکے کے نہایت خلل پڑا دیکھی جو اچھی سنو تو یہ لڑکا چل پڑا</p>	<p>میں جو کہا اک کسی سگے ہر دل کے بیچ بل کیوں نہ کھائیے کہ لگا رہنے اب تو وہاں تجھے اختلال اگر جو مزاجوں میں کہے ایک رہتا نہیں ہر آنکھ سے آنسو ترے لئے</p>
<p>سر اُس کے پاؤں سے نہیں اٹھتے ستم ہر سیر گر خوش غلات نیمچہ اُس کا اگل پڑا</p>	
<p>چہرہ تمام زرد زر ناب سا ہوا کچھ کہنے پیراتے خوں ناب سا ہوا اب نہ لگ گئے ہیں تو تالاب سا ہوا خجستہ سر دجے چین آب سا ہوا حلقہ ہماری چغم کا گرد آب سا ہوا ایسا زل کے شوق سے اطاب سا ہوا قد تو ترا حمیدہ ہو محراب سا ہوا خط پشت لب سبز سیراب سا ہوا تک تک کراہیدے خواب سا ہوا</p>	<p>دل فرط اضطراب سے سیلاب ہوا شاید جگر گداختہ یک لخت ہو گیا دے دن گئے کہ اشک سے چہر کا وسا کیا اک ن کیا تھا یار نے قد ناز سے بلند کیا اور کوئی رنے کہ اب جوش اشک سے قصہ تو ختم تھا دلے طول کو کھنچا عامہ ہو مؤذن مسجد کہ بار حشر بات اب تو سن کہ جائے سخن میں ہو چل بارغ میں بھی سوتے ہے اُٹھ کر کھو کہ گل</p>
<p>تجھے تجھے ہم تو میر کو عاشق اسی گھڑی جب سن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا</p>	
<p>خانہ خراب ہو جو آئینہ ساز کا گالی ہو اب جواب سلام نیاز کا اس کو دہی ہو شوق بھی ترک ناز کا پرو فر کچھ نہیں ہو دل بے گداز کا کھلتا تو دیکھ اس مفرہ نیم باز کا جی پر وبال سب ہو یہ عمر دراز کا کشتہ ہوں یار میں تو تے امتیاز کا انداز دیدنی ہو مرے دل نواز کا</p>	<p>دیکھ آری کو یار ہوا محو ناز کا ہوتا ہو کون دست بھراں غور سے ہم تو سمند ناز کے پامال ہو چکے ہو کیسا اگر ان محبت میں قدر خاک اس لطف سے نہ غمچہ نرس کھلا کھو کوتاہ تھا فسانہ جو مر جائے ہم شباب مارا نہ اپنے ہاتھ سے مجھ کو ہزار حین ہمتی ہو یوں پلک کہ گڑھی دل میں جا ہو</p>

<p>پھر میر آج مسجد جامع کے تھے امام داع شراب ہوتے تھے کل جاننا کا</p>		<p>شور سا ہی تو ولیکن دُور کا بات کہتے سر کٹا منصور کا اُس دل مرحوم کا مغفور کا مقتبس بھیاس سے ہی شعلہ طور کا مت جھکوسر گو کسو مغفور کا ٹوٹے جب کا سر مغفور کا منہ کھلے تو جیسے چہرہ حور کا آنکھ کے آگے یہ مہبتا نور کا</p>		<p>غم ابھی کیا محشر مشہور کا حق تو سب کچھ ہی ہو تو ناخبر بول بیچ سے کب کا گیا اب ذکر لب طرفہ آتش خیر سنگستان ہول مرگے پر خاک ہو سب کبر و ناز ٹھیکرے کو قدر ہی اس کو نہیں ہو کھڑا وہ تو پری سی ہی کھڑی دیکھ آتے کیونکر لکھ بھیجیں</p>	
<p>چشم بہنے سے کبھور ہتی نہیں کچھ علاج ای میر اس ناسور کا</p>		<p>بجھو سا کیا ہی عمر بے وفا کا کھلا تھا کیا کہیں بندش قبا کا رہا ہو گا کوئی بندہ خدا کا کیا یکے جنازہ جس کو تا کا گیا وہ شور سر کا زور پا کا ہدایت مرتبہ تھا انتہا کا شرع موم تھا ہم کو دوا کا نہیں شیوہ یہ اپنے آشنا کا پڑے ہی پالوں بیٹھ بچہ صبا کا ہیں تو پاس ہی ابرو ہوا کا نمونہ ہی یہ آشوب بلا کا</p>		<p>نظر میں طور رکھ اس کم غما کا گلوں کے پیر ہیں چاک سارے پرستش ایسا سی بت کی ہی ہر سو بلا ہیں قادر انداز اس کی آنکھیں بجا ہی عمر سے اب ایک حسرت مداوا خاطر سے تھا و گرنہ لگا تھا روگ جب سے یہ تبھی سے مروت چشم رکھنا سادگی ہو کہیں اُس زلف سے کیا لگ چلی ہو نجا تو دور صوفی خانقہ سے نجانو میر کو ایسا ہی چپکا</p>	
<p>کرودن ہی سے نصرت ورنہ شب کو نہ سونے دیگا شور اس بے لڑا کا</p>					

<p>وہ ترکِ مست کسو کی خبر نہیں رکھتا بلا سے آنکھ جو پڑتی ہو اُس کی دس جاگہ رہے نہ کیونکہ یہ دل باختہ سدا تنہا جنھوں کے دم میں ہوتا شیر اور ہیں بے لوگ کہیں ہیں اب کی بہت رنگ اڑ چلا گل کا تو کوئی زور ہی نسخہ ہو ای مفحجِ دل خدا کی اُور سے ہو سب یہ اعتبار نہ غلط ہو دعویٰ عشق اس فضول کا بے رب</p>	<p>کہ میں شکارِ زبوں ہوں جگہ نہیں رکھتا ہمارا حال تو نظر نہیں رکھتا کہ کوئی آئے کہاں میں تو گھر نہیں رکھتا ہمارا نالہ جائگاہِ اثر نہیں رکھتا ہزار حیف کہ میں بالِ دہر نہیں رکھتا کہ طمعِ عشق میں ہرگز ضرر نہیں رکھتا جو خوب دیکھو تو میں کچھ ہنر نہیں رکھتا جو کوئی خشک لب اور چشمِ تر نہیں رکھتا</p>
<p>جدا جدا پھرے ہو میرے کس خاطر خیال ملنے کا اُس کے اگر نہیں رکھتا</p>	
<p>کیا میں جان سے وہ بھی جو ٹک آتا تو کیا ہوتا بکھرا تھا دور اُس سے مدتوں میں کوہِ دھج میں ہوئے آخر کو سارے کام ضائع ناشکیبی سے دمِ سہل ہمارے زیر لب کچھ کچھ کہا سب نے گئے سے غیر کے وہ توڑ بیٹھا دو ہیں یاروں سے بھوسہ گرم بازی اہدوں سے جہاں بھی آجاتا</p>	<p>قدم و د ساتھ میری نقش کے جاتا تو کیا ہوتا بلا کر پاس اپنے جھک بٹھلاتا تو کیا ہوتا کوئی دن اور تابِ حجبِ دل لاتا تو کیا ہوتا جو وہ بے رحم بھی کچھ منہ سے فرماتا تو کیا ہوتا کہ جاتا اگر ٹک چاہ کا ناسا تو کیا ہوتا ہمیں یک چند اگر وہ اور بلاتا تو کیا ہوتا</p>
<p>گئے میرے کو کل قتل کرے اُس کے در پر سے ہو وہ بھی گھر سے باہر اپنے ٹک آتا تو کیا ہوتا</p>	
<p>یعنی کہ فرطِ شوق سے جی بھی ادھر چلا گیسوئے پیچدار جو منہ پر بھر چلا کپڑے گلے کے سائے مگر خوں میں بھر چلا آفتِ رسیدہ پھر وہ کوئی دم میں مر چلا کس خانہاں خواب کے ایسے تو گھر چلا تیر مژہ اُس ابرو کساں کا اگر چلا لطیف ہوا سے شیش بہت بے خبر چلا</p>	<p>میں غش کیا جو خط لے ادھر نامہ بر چلا سدہ لے گئی تری بھی کوئی زلفِ مشکبو لڑکا ہی تھا نہ قاتلِ ناگردہ خوں ہنوز ہر مایہ حیات گیا جس گئے سے تو تیار ہی آج رات کہیں رہنے کی سی ہو دیکھو گے کوئی گوشہ نشین ہو چکا غریب بے م رہا بہار میں ساری ہزار حیف</p>

ہم سے تکلف اُس کا چلا جائے ہو وہی قی کل راہ میں ملا تھا سو منہ ڈھانپ کر چلا	
یہ پھیر دیکھ ہنس کے رخ زرد پر مرے کہتا ہی مہر رنگ تو اب کچھ نکھر چلا	
وہ شوخ ہم کو پاؤں تلے ہی ملا کیا چھاتی کبھونہ گھنٹی کی لگ کر گلے سے آہ کس وقت شرح حال سے فرصت ہیں ہوئی ہم تو گمان دوستی رکھتے تھے پر یہ دل	اس دل نے کس بلا میں ہمیں مبتلا کیا دل اُس سے دور سینے میں اکثر جلا کیا کس دن نیانہ قاصد ادھر سے چلا کیا دشمن عجب طرح کا بغل میں پلا کیا
کیا لطف ہے جسے جو بے حال کوئی مہر جینے سے تو نے ہاتھ اٹھایا بھلا کیا	
اس موج خیز دہر میں تو ہو حجاب سا برقع اٹھا کے دیکھے ہو منہ سے کبھو ادھر وہ دل کہ تیرے ہوتے ہے تھا بھرا دس روز آگے دیکھا تھا جیسا سو اب نہیں اس عمر میں یہ ہوش کہ کہنے کو نرم گرم ہو یہ فریب شوق کہ جاتے ہیں خط چیلے کیا سطر موج اشک روانی کے ساتھ ہو دور رخ ہوا ہو اجڑ میں اس کے کہاں ہیں مدت ہوئی کہ دل سے قرار و سکون گئے	آنکھیں کھلیں تری تو یہ عالم ہو خواب سا بارے ہوا ہو اندنوں رفیع حجاب سا اب اس کو دیکھے تو ہو اک گھر خراب سا دل رہ گیا ہو سینے میں جل کر کباب سا بگڑا رہے ہو ساختہ مست شراب سا وہاں سے وگرنہ کب ہوا ہو جواب سا مشتاقی گریہ ابر ہو چشم پر آب سا سوڑ دروں سے جان پہ ہر اک عذاب سا رہتا ہو اب تو اکٹھ پہر اضطراب سا
تو ج اب سا ہو ولیکن اڑے ہو خاک ہو مہر بحر بے تر ہستی سراب سا	
کب لطف زبانی کچھ اُس غنچہ دہن کا تھا اسباب تھی سب مرنے ہی کے لیکن بھیل کو سوا پایا کل پھولوں کی دکاں پر بیڈ دل قدم تیرا پڑنا تھا لیکن میں مرغانِ قفس سائے تبلیج میں سنے گل کی	برسوں نے پر ہم سے مر نہ ہی سخن کا تھا اب تک نہ سوئے ہم جو اندیشہ کفن کا تھا اس مرع کے بھی جی میں کیا شوق چمن کا تھا رونا ہمیں اول ہی اس تیرے چلن کا تھا ہر چند کہ ہر اک کا ڈھلکا ہوا منکا تھا

<p>دریا میں کہیں شاید عکس اس کے بدن کا تھا معمشوق جو اپنا تھا باشندہ دکن کا تھا اس دن ہی انھیں دیکھے ماتھامر ٹھنکا تھا</p>	<p>سب سطح ہر پانی کا آئینے کا ساتھ تھے نہوگر نہیں ہم یوں ہی کچھ ریختہ کنے سے جھوٹ سنیں تم جس دم سچ نکلے تھے اک بیجا</p>
<p>رہ میسر غریبانہ جاتا تھا چسلا روتا ہر گام گلہ لب پر یارین وطن کا تھا</p>	
<p>کوئی خاک سے ہو کیساں وہی ان کو ناز کرنا انھیں ناز کرتے رہتا انھیں جی نیاز کرنا نہو اب مجھے میسر کبھو چشم باز کرنا مجھے چاہئے ہو جس سے ہمت احتراز کرنا ہو اس اور عاشقی میں ٹک اک امتیاز کرنا انھیں بات ہو جو تھوڑی اسے بھی دراز کرنا</p>	<p>یہ روش ہو دلبروں کی نہ کسو سے ساز کرنا کوئی عاشقوں بتاں کی کرے نقل کیا معیشت رہیں بند میری آنکھیں شب روز ضعف ہی ہیں یہ بھی طرفہ ماجرا ہے کہ اسی کو چاہتا ہوں نہیں کچھ رہا تو لڑکا تھے پر ضرور ہر اب کوئی عاشقوں کی پھپھٹ انھوں نے اٹھائی تھی</p>
<p>ابھی میسر کھینچے نقشہ در دیر پر تھے ساجد انھیں اعتماد قابل انھوں کا غماز کرنا</p>	
<p>کیا جانے کہ میسر زمانے کو کیا ہوا ہاتھوں سے میں تھکے ہوئے جلا ہوا اچھا ہوا نہ دایع جگر کا لگا ہوا ہو شیخ شہریا کوئی جن ہی پڑھا ہوا دل کا لگاؤ کوئی رہا ہو چھا ہوا آنا نہیں ہے پھر کے ادھر کا گیا ہوا گر کوئی روئے بیٹھ گیا دل بھرا ہوا کیا جانے سر نوشت میں کیا ہو لکھا ہوا جھوٹے اس کے اس کا لگا یا بندھا ہوا دل جو بجا رہا نہ ہمارا بجا ہوا سو جا سے سائے ہو گریباں بھٹا ہوا جب کچھ رہا نہ باغ میں تب میں رہا ہوا</p>	<p>ایک آن اس زمانے میں یہ دل نہ دا ہوا دکھلاتے کیا ہو دست خانی کا مجھ کو رنگ سوزش وہی تھی چھاتی میں مرنے تلک مرے سر ہی چڑھا ہے ہر اک بادہ خوار کے نظارہ کو گود دست رکھا مرے میں ولے از خویش رفتہ میں ہی نہیں اس کی اہیں یوں پھر اٹھانے جانے گا ایڑہ رشت سے لیکر جواب خط کا نہ قاصد بھیسر کبھو گوہ میں ملے ہندی کے رنگوں فلک لے اٹھتے نقب فراق کے جی سے کہاں تلک دامن سے منہ چھپائے جنوں کب با چھا دیکھانہ ایک گل کو بھی چٹک لنی میں ہا کر</p>

<p>برسوں ہوئے کہ ہم سے تودہ ہو لڑا ہوا بارے خدائے عز و جل ناخدا ہوا</p>	<p>کیا جانے ملاپ کسے کہتے ہیں لیگ بحر بلا سے کوئی نکلتا مرا جہ ساز</p>
<p>اس بحر میں ایک در غزل تو بھی میر کہہ دریا تھا تو تو تیری روانی کو کیا ہوا</p>	
<p>دیکھا پھر اُس کو خاک میں ہم نے ملا ہوا رہتا نہیں ہر ہاتھ ہمارا اٹھا ہوا کنے لگا کہ آپ کو بھی اب نشا ہوا آتا ہے اُس کے پاس سے عاشق لٹا ہوا جاتا ہے دونوں آنکھوں سے یا بہا ہوا کیا جانے کہ دل کو مرے کیا بلا ہوا میں سادگی سے جانا کہ اب آشنا ہوا ایکوں کی عید ایکوں کے گھر میں دہا ہوا پایا تو ابرسا کہیں روتا کھڑا ہوا وہ آج میں سنا تو ہی میرا کہا ہوا دل خواہ بارے مدعی کا مدعا ہوا</p>	<p>اس کام و جان و دل سے جو کوئی جدا ہوا کہ ترک گرچہ بیٹھے ہیں پر جو وہی تلاش کھینچا بغل میں میں جو اُسے مست پاکے رات نے صبر ہو نہ ہوش ہے نے عقل جو نہ دین اٹھتا ہے میرے دل سے کبھو جوش سا تو پھر جوں صید نیم گشتہ تڑپتا ہے ایک سا خدا آئے پر جو گرم وہ پر کار مل چلا ہم تو لگے کناکے ہوئے غیب ہمنار جوں برق مجھ کو ہنستے نہ دیکھا کسوں نے آہ جس شعر پر سماع تھا کل خالقہ میں پایا مجھے رقیب نے اُس کی زیر تیغ</p>
<p>بیمار مرگ سا تو نہیں روز اب بشر دیکھا تھا ہم نے میرے کو کچھ تو بھلا ہوا</p>	
<p>گل لے کے کہنے کو منٹھ نہ ادھر ہم نے کیا بے مانع اتنے جو ہو ہم پہ مگر ہم نے کیا کیا کریں اس دل خستہ کو سپر ہم نے کیا سج تری دیکھ کراہی شوخ حذر ہم نے کیا کیا کہیں عمر کو اس طرح بسر ہم نے کیا رات کی سینہ خراشی میں ہنر ہم نے کیا دیکھتے دیکھتے ہی آنکھوں میں گھر ہم نے کیا آہ یوں کو چہ دبے سفر ہم نے کیا</p>	<p>کل دل آزرہ گلستاں سے گزر ہم نے کیا گر گئی خواب سے بیدار تھیں صبح کی باد سیدھی تلوار کے منہ پر ترے ہم آئے چلے نیچے ہاتھ میں مستی سے لہو سی آنکھیں پاؤں کے نیچے کی مٹی بھی نہ ہو گی ہم سی کھا گیا ناخن سر نیز جگر دل دونوں کام اُن ہونٹھوں سے وہ لے جو کوئی ہسا ہو جیسے حسرت لے جاتا ہے جہاں سے کوئی</p>

منصفی کیجے تو کچھ کم نہ بگر ہم نے کیا	بارے کل بھر گئے اس ظالم خونخوار سے ہم
اس رُخِ دزلت کی بسیج ہو یہاں اکثر تیر	ورد اپنا یہی اب شام و سحر ہم نے کیا
لگ نک نظر ایدھر نہیں کہ اس سے ہو منظور کیا لاگ دل کی چاہئے ہو یہاں قریب و دور کیا ہم دو اتے ہیں ہمیں دیران کیسا معمور کیا حال میں اپنے ہوں عاجز میں مجھے مقدر کیا ٹھیکر اس مرتبے میں کیا سب فغفور کیا مدیں جاتی ہیں اُن باتوں کا اب مذکور کیا بہ نہیں اب تک ہوا اُنہ کا ترسے زاسور کیا تم مجھے رہتے ہو اکثر مجلسوں میں گھور کیا آر سی جا دیکھ گھر سے ہو منہ پر نور کیا	اس قدر آنکھیں چھپاتا ہی تو اسی مغرور کیا وصل و ہجرال سے نہیں ہو عشق میں کچھ گفتگو ہو خرابی اور آبادی کی عاقل کو متنبہ کیا اُٹھ نہیں سکتا ترے دے شکایت کیا مری سب ہیں یکساں جب فنا یکبارگی طاری ہوئی لطف کے حزن و سخن پہلے جوتھے بہر فریب دیکھ بہتی آنکھ میری ہنس کے بولا کل وہ شوخ میں تو دیکھوں ہوں تھکے تھکے کو تم نے دل لیا ابر ساروتا جو میں نکلا تو بولا طنز سے
ہم کے گیسخت کر جی کو گیا اس جاسے وہ رنجور کیا	ہم کے گیسخت کر جی کو گیا اس جاسے وہ رنجور کیا
رد نام اسنو گے کہ طوفان کر رہا پریشگر ہی کہ صبح تیں بے خبر رہا رگ رگ کے وہ ستمزدہ ناجار مر رہا برسوں سے اس کا آنا یہی صبح پر رہا لیکن مرانہ گریہ شام و سحر رہا اس بن میں ہمیشہ وطن میں سفر رہا بچہ وجہ بھی کہ آپ کا منہ ہو اتر رہا ہو آب تیغ برسوں تری تاگر رہا	جوں ابر بوجھ میں ہی نہایت ہی بھر رہا شب میکہد سے وار و مسجد ہوا تھا میں دل جس سے ایک بار نہ پھر تو ہوا دو چار تسکین دل ہو تب کہ کبھو آ گیا بھی ہو اس زلف دلخ کو جو بے مجھے مدیں ہو میں رہتے تو تھے مکان پہ لے آپ میں تھے اب چھپڑ یہ رکھی ہو کہ پوچھے ہی بار بار اکدم میں یہ عجب کہ مرے سر پہ پھر گیا
کاسے کو میں نے متیر کو چھڑا کہ ان لے آج	کاسے کو میں نے متیر کو چھڑا کہ ان لے آج
یہ درد دل کہا کہ مجھے درد سہر رہا	یہ درد دل کہا کہ مجھے درد سہر رہا
دیکھی کہاں وہ زلف کہ سودا سا ہو گیا	دل دفعۂ جنون کا مہیا سا ہو گیا

<p>دیکھا تو ایک پل ہی میں دریا سا ہو گیا گل سوکھ تیرے ہجر میں کانٹا سا ہو گیا اب دل کو دیکھتے ہیں تو صحرا سا ہو گیا</p>	<p>لہک جوش سا اٹھا تھا مگر دل سے رات کو بے رونقی باغ ہو چکا گل سے بھی پرے جلوہ ترا تھا جب نہیں باغ وہاں تھا</p>
<p>کل تک تو ہم نے ہنستے چلے آئے تھے ہمیں منا بھی میسر جی کا تماشا سا ہو گیا</p>	
<p>سن گلہ بلبل سے گل کا اور بھی جی رک گیا لگا اٹھی یہ آگ ناگاہی کہ گھر بچھک گیا دیکھ اب پیری میں قد تیرا کھر کو جھک گیا شیخ آیا میگردے کی اور جب تب تنھک گیا</p>	<p>دل کی داشتہ کیلئے کل باغ میں میں تک گیا عشق کی سوزش نے دل میں کچھ بچھوڑا کیا کہیں ہم نہ کہتے تھے کہ غافل خاک ہو پیش از فنا خدمت معقول ہی سب بچھپے کرتے رہے</p>
<p>میسر اس قاضی کے لونڈے کے لئے آکر ہوا سب کو قضیہ اس کے جینے کا تھا بار چک گیا</p>	
<p>اس وہم کی نمود کا ہی اعتبار کیا گل کیسے باغ کہتے ہیں کس کو بہار کیا بھرا در کوئی اس کا کہے انتظار کیا لائے تھے ساتھ چاکل الیسا انار کیا ہم اس کی خاک اہیں ہم غبار کیا کیا جانتے کہ دل کو یہ خار کیا روتے ہیں ہم بھی بڑھتی زار زار کیا ہو برق پارہ یہ اسے آدے قرار کیا ہم جانتے نہیں کہ تیرا ہی بیار کیا کشتوں کا اس کے وزیر میں شمار کیا کم ہو گیا ہی یاروں کا ذوق شکار کیا کنے کو اختیار ہے پر اختیار کیا</p>	<p>پھرتا ہی زندگی کے لئے آہ خوار کیا کیا جانیں ہم اسیر قفس زراہی نسیم نہ نکھیں بزم گلش قدم ہو گئیں سفید سیکھی ہو طرح سینہ نگاری کی سہری کیش کسو سے ایسی کڈرت رکھے وہ شوق نے وہ نگہ چھپی ہو نہ وہ بلیکس گڑ گئیں لیتا ہو ابراب نہیں اس ناچے سے آب عاشق کے دل سے رکھ نہ تنہا کی چشم دا صحبت رہی بگڑتی ہی اس کینہ ور سے آہ مارا ہو ایک دو کو تو ہو مدعی کوئی مدت سے جرگہ جرگہ سیر تیر ہیں غزال پاتے ہیں اپنے حال میں محبوب کو ہم</p>
<p>آخر زمانہ سازی سے کھویا نہ دفتر میسر یہ اختیار تم نے کیا روزگار کیا</p>	

لے مرزا غالب دل میں ذوق وصل دیا دیا رنگ باقی نہیں آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا بل گیا۔

<p>غنجہ ہی وہ دہان ہو گویا میرے مرنے سے بھی وہ چوٹے ہو چاہے جیتے گزے اس کا نام سرسر کیوں ہو لیک وہ پرکار حیرت روئے گل سے مرغ چمن مسجد ایسی بھری بھری کب ہو جائے ہو شور سے فلک کی طرت بسکہ میں اس غزل میں شعر بلند</p>	<p>ہونٹھ پر رنگ پان ہو گویا اب تلک مجھ میں جان ہو گویا منہ میں جب تک زبان ہو گویا دیکھو تو ہنس رہا ہو گویا چپ ہو یوں بے زبان ہو گویا میسکہ اک جہان ہو گویا نالہ صبح بان ہو گویا یہ زمین آسمان ہو گویا</p>
<p>وہی شور مزاج شیب میں ہو میر اب تک جوان ہو گویا</p>	
<p>ان سختیوں میں کس کا میلان خواب پر تھا آن ابرو و مژدہ سے کب میرے جی میں ڈر تھا ان خوبصورتوں کا کچھ لطف کم ہو مجھ پر تیش سے کوہ کن کے کیا طے نہ کام نکلا عصمت کو اپنی وصال تو روئے تلک بچ رہا کل ہم وہ دونوں یکجا ناگاہ ہو گئے تھے ہوش اڑ گئے سبھوں کے شور سے اُس کے پھر آج یہ کہانی کل شب پہ رہ گئی ہو رشتک اس شہید کا ہو خضر و سیح کو بھی ہشیاری اس کی دیکھو کیفی ہو مجھ کو مارا سدرنگ ہو خرابی کچھ تو بھی رہ گیا ہو تھا وہ بھی اک زمانہ جب نالے آتشیں تھے</p>	<p>بالیں کی جاے ہر شب یہاں سنگ زیر تھا تنبخ و سناں کے منہ پر اکثر مرا جب گہ تھا یہ عمر ورنہ اس جا پر یوں ہی کا گزر تھا اپنے تو ناخنوں میں اس طور کا ہنس تھا اغزش ہوئی جو مجھ سے کیا عیب میں بشر تھا وہ جیسے برقِ خاطر میں جیسے ابر تر تھا مرغ چمن اگرچہ یکشت بال و پر تھا ہوتا نہ رہتا تلک تو قصہ ہی مختصر تھا جو کشتہ اُس کی جانب دو گام پیشتر تھا تائیں کے سب کہیں یہ وہ مست و بیخو تھا کیا نقل کرے یار و دل کوئی گھر گھر تھا چاروں طرف سے جھل جھلکا دہر دہر تھا</p>
<p>جب نالہ کش ہوا وہ تب تجا سیں رُلائیں تھا میر دل شکستہ یا کوئی نوحہ گر تھا</p>	
<p>تنبخ لے کر کیوں تو عاشق پر گیا</p>	<p>زیر لب جب کچھ کہا وہ مر گیا</p>

<p>دامن پاک اس کاغذ میں پھر گیا ہاتھ سے جس کے وہ سین بر گیا پھر نہ آیا جو کوئی اور سر گیا آج تک وہ شمع کس کے گھر گیا کیا سنان و تیغ سے میں ڈر گیا</p>	<p>تڑپے زیر تیغ ہم بے ڈول آہ خاک ہو پچھڑے اگر سونا بھی پھر کیا بندھا ہے اس کے کپے میں ظلم خاندان کیا کیا ہوئے اس بن خراب ابرو و شرکاء ہی میں کاٹی ہو عمر</p>	
<p>کتنے ہیں ضائع کیا اپنے سین میتیر تو دانا تھا یہ کیا کر گیا</p>		
<p>اب ضبط کریں کب تک منہ تک تو جگر آیا سو آنکھوں میں جی آیا پروہ نہ نظر آیا دارو پیئے وہ کانسر کا ہے کو ادھر آیا کی مشق ستم تو نے پر خون نہ کر آیا جنش سے ترے لب کی یا قوت بھی تر آیا ٹک پیٹے تو ہم پوچھیں کیا لے کے خبر آیا اس نخل میں ماتم کے کیا خوب شمر آیا سج ایسی تری نکلی ہم کو بھی خطر آیا یوں اپنا زمانہ تو بن یار بسر آیا جس سے کہو وہ ملتا ایسا نہ ہنر آیا</p>	<p>جی رگ گئے اے ہمد دل خون ہو بھر آیا مٹی چشم دم آخر وہ دیکھنے آوے گگا بے سدھ پڑے ہیں سائے سجادوں پہ اسلامی ہرختہ ترا خواہاں یک زخم و گر کا مغب گلبرگ ہی کچھ تنہا پانی نہیں نخلت سے بالفعل تو ہو قاصد نحو اس خط و گیسو کا تا بوقت پہ بھی میرے پتھر پڑے لے جاتے ہو حق بطرت اس کے یوں جس کے گیا ہو تو کیا کہئے کہ پتھر سے سہارے ہم گزے صنعت گریاں ہم نے کیں سیکڑوں بھاں لکین</p>	
<p>در ہی کے سین تکتے پتھر اکبر آئیں تو وہ ظالم سنگیں دل کب میتیر کے گھر آیا</p>		
<p>کہ سحر نالہ کش ہو بلبل سا وہاں وہی ہو سو ہر تال سا یہ بھی پڑ پچ اب ہو کاکل سا یہاں چلا جائے ہو لسل سا</p>	<p>یار ہو میتیر کا سگر گل سا یہاں کوئی اپنی جان دو دشوار سا دود دل کو ہمارے ٹک دیکھو شوق ان اس کے لئے بالوں کا</p>	
<p>لے آزاد معاصر ولی سے آئیں جہاں کی ساری آزادیں منتیں پر ہو جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا میتیر تھی تیر سے صنعت گریاں ہتیری کیں ایک دیر لغ ہزار دیر لغ ہو جس سے یار بھی ملتا ہم سے ایسا نہ ہنر نہ آیا</p>		

<p>تم نے بھی کچھ کیا تغافل سا اس میں بھی تم کو ہو تامل سا مے کے کچھ محاسب کا منہ جھلسا خط ہوا شوق سے ترسل سا</p>	<p>کب تھی جرأت و قیاب کی اتنی یک لنگہ ایک چشمک ایک سخن بائے مستوں نے ہوشیاری کی شرم آتی ہو پہنچتے ادھر</p>
<p>اُدھی زنجیر پائے میسر مگر رات سُننے رہے ہیں اہم غل سا</p>	
<p>گل اشتیاق سے میرے گلے کا ہار ہوا جو تیر اس سے چلا سو جگر کے پار ہوا ادھر سے ابر جب آیا تب اشکبار ہوا انھوں کا طائر سدرہ نشیں ٹسکار ہوا قریب تھا وہ کوئی دن جو ہم سے یار ہوا جگر تمام ہوا خون تب تیرا ہوا</p>	<p>چمن میں جا کے جو میں گرم وصفِ پار ہوا تھکے ترکش ٹرگاں کی کیا کرولِ تعریف ہماری خاک پہ اک بیگسی برستی ہو کریں نہ کیونکہ یہ ٹرگاں بلند پروازی کبھو بھی اُس کو تیرے دل سے ملے پایا پھر بہت دنوں سے دروڑے میں اضطراب سا تھا</p>
<p>شکِ ب میسر جو کرنا تو دقررہ جاتا ادھر کو جا کے عبث یہ حبیبِ خواہ ہوا</p>	
<p>اندرون میں جیسے باغ لگا شمع سے جیسے لیں چراغ لگا خوب باندھوں گا گر دماغ لگا ہاتھ گر گوشہ فراغ لگا</p>	<p>ایک دل کو ہزار داغ لگا اُس سے یوں گل نے رنگ پکڑا ہوا خوبی یک پیچ بندِ خواہ کی پانوں دامن میں کھینچ لیں گے ہم</p>
<p>میسر اس بے نشان کو پایا جان کچھ ہمارا اگر سران لگا</p>	
<p>ہنس کے اس پرچے کو میرے ہی گلے بندھوا گیا دیکھ کر کھویا گیا مجھ کو ہر یک پایا گیا عکس اپنا آرسی میں دیکھ کر شہرِ ناگیا دیکھ کر اُس کو ملک سے بھی نہ بھاں ٹھہرا گیا ایک عالمِ دوشاں اس بیچ میں مارا گیا</p>	<p>تغ کی اپنی صفت لگتے جو کل وہ آگیا دست و پاؤں کرنے سے میرے کھلے اسرارِ عشق داغِ مجبوی ہوں اس کا میں کہ میرے روبرو ہم بشرِ عاجز ثبات پا ہمارا کس قدر یار کے بالوں کا بندھنا تیرے ہر پگڑی کے سار</p>

لے میری تیرے ادھر سے ابر جو اٹھ کر گیا ہو۔ ہماری خاک پر بھی رو گیا ہو۔ لے اندرون میں بھی دل باطن

ہم نہ جانا استلا اس طفل بازی کوش کا اپنی
کیا کروں ناچار مرے کو ہوا تیار میں
جی کوئی لگتا ہو اُس کے اٹھ گئے پرانے میں
ہو گئے تحلیل سب اعضا مرے پا کر گداز

یوں تو کہتا تھا کوئی ویسے کو باندھ ہو گئے
پر وہ پھندا سا جو آیا میسر بھی پھندا لگیا

دل عشق میں خوں دیکھا آنکھوں کو لگیا دیکھا
مجرع ہو سب سینہ تیس پر ہو نک پاشی
یکبار بھی آنکھ اپنی اُس پر نہ پڑی مرنے
کا ہش کا مری اب یہ کیا تجھ کو تعجب ہو
آنکھیں لکھیں پھر تجھ بن کیا کیا نہ عزیزوں کی
جی دیتے ہیں مرنے پر سب شہر محبت میں

کہہ دل کو گنوا یا ہو یا رنج اٹھایا ہو
ای میسر تھے ہم نے تجھ آج خفا دیکھا

باگ جو وہ صنم ستم ایجاد آگیا
پھوڑا تھا سر تو ہم نے بھی پر اس کو کیا کریں
اپنا بھی قصہ تھا سب پر دیوار باغ کا
جو وہ ستم اٹھانے ہی اُس کے بڑے کشمکش

دیکھیں تے آدمی کی روش میسر ہم تری
گر سامنے سے نک وہ پری زاد آگیا

گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا
برسوں یک بوسہ لب لپٹ گئے جاتے ہیں نہیں
دیکھنے آئے دم ترع لئے منہ پہ نقاب
جب نہ تب مرنے کو تیار ہے عشق میں ہم
ندگی ہوتے ہیں اک آن میں اب تو دلدار

اک لے لینے لگا آئے تھے یہ آنا کیا تھا
رات آتے ہی کہا تم نے جو مانا کیا تھا
آخری وقت مرے منہ کا چھپانا کیا تھا
جی کے تئیں اپنے بھو ہم نے نہ جانا کیا تھا
ہر جب رہم تھی یارب وہ زمانا کیا تھا

۱۔ طالع نہرت روائی محمد علی صاحب دہلوی حضرت مولانا ابوالحسن علی بن ابی طالب (ع) سے
۲۔ تم آگ لینے آئے تھے کیا آگے کیا پلے (ذوق)

ننگِ خواری تھا اگر دل کا لگانا کیا تھا	عزت و عشق کہاں جمع ہوئے ایہ دم
گر خطِ سبز سے اس کے ہاتھیں تھیں کچھ لاگ پھر بھلا میسر جی یہ نہ ہر کا کھانا کیا تھا	
<p>دامن گل گریہِ خونیں سے سب افشاں ہوا پر ہر اک دردِ سخن سے میسر کے نالاں ہوا دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر سب ویراں ہوا جو شکار اس تیغ کے سایہ تلے بیجاں ہوا کس دلی الطبع کے گھر جا کے میں تہماں ہوا اب جو آنکھوں سے تجاؤز گر چلا طوفاں ہوا صورتِ احوال ساری دیکھ کر حیراں ہوا چہروں کو غارہ ہوا ہونٹوں کا رنگ پاں ہوا ایر کو دیکھو کہ جب آیا ادھر سرگیاں ہوا کام تو مشکل نظر آتا تھا پر آساں ہوا</p>	<p>وارد گلشنِ غزلِ خواں وہ جو کسیر یہاں ہوا طاہرانِ بانع کو تنہا بہت بختی کا دماغ دل کی آبادی کو پہنچا اپنے گویا چشمِ زخم سبز بختی پر ہوا اس کے طائرِ سدرہ کو رشک خاک پر بھی دوڑتی ہو چشمِ ہر ماہِ چسرخ تھا جگر میں جب تلک قطرہ ہی تھا خوں کا رشک اُس کے میرے بیچ میں آئینہ آیا تھا قلعے دل لے خوں ہو عشقِ نوبل میں بھی کیا بد رشک تم جو کل اس راہ نکلے برق سے ہنستے گئے جی سے جانا بن گیا اُس بن ہمیں پل مارے</p>
جب سے ناموس جنوں گردن بندھا ہے تب میسر جیبِ جاں وابستہ زنجیرِ تا داماں ہوا	
<p>مستی کے ذوق میں ہیں آنکھیں بہت ہی خیرا قند و نبات کا بھی نکلا ہو خوب شیرا جاگہ سے اپنی جانا اپنا نہیں دھیرا انداز و ناز اپنے غمزہ اٹھائی گیرا شیریں کو اس جگہ پر ہوتا ہے شغیرا حیرانِ چشمِ عاشق دے ہو جیسے ہیرا پیرِ مٹاں موائسواں اس کا بنا حلیہ ایسا گناہ مجھ سے وہ کیا ہوا کبیرا</p>	<p>آیا ہے ابرج کا قبیلہ سے تیرا تیرا نجلت سے اُن لبوں کے پانی ہو بہ چلے ہیں مجنوں نے حوصلے سے دیوانگی نہیں کی اس راہزن سے مل کر دل کیونکہ کھو نہ بیٹھیں کیا کم ہو لونا کی صحرائے عاشقی کی آئینے کو بھی دیکھو پر تلک ادھر بھی دیکھو نیت پہ سب بنا ہو یہاں مسجد اک بڑی تھی ہمراہ خوں تلک ہو تلک پانوں کے چھوئے</p>
غیرت سے میرے صاحبِ سبب ہو گئے تھے نکلانہ بوند لو ہو سینہ جوان کا چیرا	

<p>دیکھا نہ بد گمان ہمارا بھلا پھر میں منہ پر اپنے خاک لے جا بجا پھر سو بار اپنے منہ سے جگر تو گیا پھر جوں یہ اس کے ساتھ ملک پھر لگا پھر بیمار عشق گور سے گو بار بجا پھر جو ایک دن نہ تیری گلی میں چلا پھر چند سے وہ رشک نہ جو ہم سے جدا پھر بارے وہ ربط و قوتی سب کا مزا پھر میں جیسے ابر برسوں میں دل بھرا پھر تو دیکھو کہ باد یہ سارا بھا پھر اُس سے خدائی پھرتی ہر جس خدا پھر</p>	<p>یہاں اپنی آنکھیں پھر گئیں پر وہ نہ آ پھر آیا نہ پھر وہ آمینہ رو تک نظر رکھے کیا اور جی رند سے کسو کا تیرے اجر میں الشر سے دلکشی کہیں دیکھا جو گرم ناز میں لیجو ایک بار مسافر ہی ہو گیا کہ وہ شکستہ پا ہمہ حسرت نہ کیونکہ چلے طالع پھر ہے پھر پھر، قلب پھر گئے پر بے تک ہر ملنے کی اس وقت میں تلاش آنسو گرا نہ راز محبت کا پاس کر بے صرفہ رونے لگ گئے ہم بھی اگر کبھو بندہ ہو پھر کہاں کا جو صاحب ہو بے دماغ</p>
<p>کام اپنا اس جنوں میں ہم نے بھی کیس کو کیا چشم کو پانی کیا سب دل کو سب لہو کیا اس سبب گل کو چمن کے دیر میں نے لہو کیا خبر د اُس کو کیا نسیکن بہت بد خو کیا جیسے سوتے سوتے ایدھر سے ادھر پہلو کیا تو نے مائل کیوں ادھر کو گوشہ ابرو کیا ارے تلواروں کے ان نے بہتوں کو تو کیا جن نے باش خواب کا برسوں مرا بازو کیا</p>	<p>پھر بے کب تک شہر میں اب سوتے نہ حرا د کیا عشق نے کیا کیا نصرت یہاں کے ہیں آج کل نکمت خوش اُس کے پنڈے کی سی آتی ہو مجھے کام میں قدرت کے کچھ بولا نہیں جاتا ہو ہائے جانا اس آرام گاہ سے ہو بعینہ بس یہی عزتی اسلام کے کیا کیا پھرے ہیں حیات پاک وہ تو کش کا انجھی پر کیا ہو سر گرم ہنفا ہاتھ پر رکھ ہاتھ اب وہ دو قدم چلتا نہیں</p>
<p>تجھ پر کوئی ای کام جاں دیکھا نہ یوں مڑا ہوا دل مضطرب ایسا نہ تھا کیا جانے اب کیا ہو</p>	<p>عاشق ترے لاکھوں ہو مجھ سا نہ پھر پیدا ہوا دلت ہوئی الفت گئے برسوں ہو طاقت گئے</p>

لے میت اس کے نہیں کہتے ہیں جوتہ میں تھی، دیکھا جہاں سے پتیری گئی میں آ نہ رہا۔

کل صبح میر باغ میں دل اور میرا رگ گیا وے دن گئے جو بھیاں کھوٹھتا تھا دل سے خوش کتنوں کے دل بیجاں ہوئے کتنے نہ جانا کیا ہوئے مستی میں لغزش ہو گئی معذرت رکھا چاہئے جوں حسن ہوا کتنے گرتے عشق بھی ہو پردہ در فرہاد و مجنوں دون گئے ہم اور دامن یوں چلے	بلبل نہ بولا منہ سے کچھ گل ٹپکنے مجھ سے دوا ہو اب لگ گئے رونے جہاں مل پاتے دریا ہو چلنے میں اس کے دو قدم ہنسا مارا کہ برپا ہو ای اہل مسجد اس طرف آیا ہوں میں، سکا ہو وہ شہر عالم ہوا میں خلق میں رسوا ہو اس عارف سے چاہ کے وہ کون سا اچھا ہو
---	---

یا مرن خط ہی درمیاں یا گیسوؤں کا پڑیاں
کیا میر صاحب کے تئیں پھر اندنوں سودا ہو

تمام روز جو کل میں پئے شراب پھرا اثر بن آہ کے وہ منہ ادھر نہ ہوتا تھا نہ لکھے خط کی نمط ہو گئیں سفید لکھیں وہ رشک گنج ہی نایاب تھا بہت درد کسو سے حرف محبت کا فائدہ نہ ہوا لکھا تو دیکھ کہ قاصد پھرا جو مدت میں	لسان جام لے دیدہ پیر آب پھرا ہوا پھری ہو مگر کچھ کہ آفتاب پھرا تجھے بھی عشق ہو قاصد بھلا شتاب پھرا خواب کو نسا جس میں نہیں خراب پھرا بغل میں میں تو لے بھلا بہت کتاب پھرا جواب خط کا مرے صاف بے جواب پھرا
--	--

کہیں ٹھہرنے کی جا بھیاں نہ دیکھی میں نے میر
چمن میں عالم امکاں کے جیسے آب پھرا

بے رنگ بے ثباتی یہ گلستاں بنایا اڑتی ہو خاک یارب شام و سحر جہاں میں اک رنگ پر نہ رہنا بھیاں کا عجیب نہیں ہو آئینے میں کہاں ہو ایسی صفائے تو سرگشتہ ایسی کس کی ہاتھ آگئی تھی مٹی نقش قدم سے اس کے گلشن کی طرح ڈالی ہونے پہ جمیع اپنے پھولا بہت تنہا لیکن اس صحن پر یہ وسعت اللہ سے تیری صنعت دل ملک ادھر نہ آیا ایدھر سے کچھ نہ پایا	بلبل نے کیا سمجھ کر بھیاں آشتیاں بنایا کس کے غبار دل سے یہ خاک واں بنایا کیا کیا نہ رنگ لائے تب یہ جہاں بنایا جہوں سے راستوں کے وہ آستان بنایا جو چرخ زن قضا نے یہ آسمان بنایا گردہ اس کی لے کر سرور رواں بنایا کیا غنچہ تنگ آیا جب وہ دہاں بنایا معارفے قضا کے دل کیا مکاں بنایا کنے کو ترک لے کر اک بانگ بھیاں بنایا
---	--

دریوزہ کرتے گزری کلیوں میں عمر اپنی	درویش کب ہوئے ہم تکیہ کہاں بنایا
وہ تو مٹا گیا تھا تربت بھی میسر جی کی	دو چار انیشیں رکھ کر پھر میں نشان بنایا
اُس کام جان و دل نے عالم کا جان مارا بلبل کا کنشیں دم دل کو لگا ہوا ہے خوں کچھ نہ تھا ہمارا مرکوز خاطر اس کو سرِ حشمت حسن کا وہ آیا نظر نہ مجھ سے کو صبر و حواس و دانش سب عشق کے زبوں میں کیا خون کا مزا ہو اسی عشق تجھ کو طالم ہم عاجزوں پر آکر یوں کوہِ غم گرا ہو کب جی بچے ہو یار و خوش رو و موہتا ہے	زلفوں کی درہمی سے برہم جان مارا ایسا کنھوں نے جیسے چھائی میں بان مارا لشہ اک ہیں بھی یوں درمیان مارا اس راہزن نے غافل کیا کاروان مارا میں کاوشِ مرہ سے عالم کو چھان مارا ایک ایک دم میں تو نے سو سو جوان مارا جیسے زمیں کے اوپر ایک آسمان مارا گر قبضہ بچ گیا تو پھر شرم آن مارا
کہتے نہ تھے کہ صاحب اتنا گرہا نہ کریے	اس غم نے میسر تم کو جی سے ندان مارا
یہ میسر ستم کشتہ کسو وقت جواں تھا جادو کی پڑی پرچہ ابیات تھا اس کا جس راہ سے وہ دل زدہ دلی سے نکلتا فسر نہ تھا ایسا کہ ہوں آبِ زدہ خاک کس مرتبہ تھی حسرت دیدارِ مرے ساتھ مجنوں کو عبث دعوئے وحشت ہو گئی تھی غافل تھے ہم احوالِ دلِ حسرت سے اپنے بڑے کس زور سے نہ زاد نے خارا شکنی کی	اندازِ سخن کا سبب شور و فغاں تھا منہ تکتے غزل پڑھتے عجب سحر بیاں تھا ساتھ اُس کے قیامت کا سا ہنگامہ وہاں تھا آنند ہی تھا بلا تھا کوئی آشوب جہاں تھا جو پھول مری خاک سے نکلا ہنگراں تھا جس دن کہ جنوں مجھ کو ہوا تھا دکھاں تھا وہ کنج اسی کنج خرابی میں نہاں تھا ہر چند کہ وہ بیکس و بیتاب و تواں تھا
گو میسر جہاں میں کنھوں نے تجھ کو نہ جانا	موجود نہ تھا تو تو کہاں نامِ نشان تھا
عشق کو پیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا	دل نہ تھا ایسی جگہ جس کی نہ سُدھ لیجے ہو

عزت اسلام کی کچھ رکھ لی خدا نے ورنہ گھر کے آگے سے ترے نفش گئی عاشق کی جو ہو سو بیخود رفتار ہو تیرا ای شمع اب تو صد چند ستم کرنے لگے تم ای کاش دل سے خوش طرح مکاں بھر بھی کہیں بتے ہیں دل پہ رکھتا ہوں کبھو سر سے کبھو اردن ہوں کم کم اٹھتا وہ نقاب آہ کہ طافت رہتی	زلزلت نے تیری تو رفتار بندھایا ہوتا اپنے دروازے تلک تو بھی تو آیا ہوتا اس روش سے نہ قدم تو نے اٹھایا ہوتا عشق اپنا نہ تمہیں میں نے جتایا ہوتا اس عمارت کو ٹک اک دیکھ لکھایا ہوتا ہاتھ پانوں کو نہ میں تیرے لگا یا ہوتا کاش یک بار ہمیں منہ نہ دکھایا ہوتا
--	---

میر اظہار محبت میں گیا جی نہ ترا
ہائے نادان بہت تو نے چھپایا ہوتا

مکث طالع دیکھ وہ ایدھر کو چل کر رہ گیا خواب میں کل پانوں اپنے دوست ملتا تھا ہم تو تھے سرگرم پاؤسی خدا نے خیر کی ہم بھی دنیا کی طلب میں سرکے ہوئے کھڑے کیا کہوں بیتابی شب ہو کہ ناچار اس بغیر کیا ہمیں کو یار کے فیض نے کھا کر دم لیا دلو قدم ساتھ اس جہان جو کے چلا جاتا ہو جی اک کچھ کچھ اپنی ہی اُس کے سامنے ہوتی نہیں	رات جگر خلی چاند سا گھر سے کل کر رہ گیا اک کچھ دشمن کل گئی سو ہاتھ مل کر رہ گیا نیمچہ کل خوش غلاف اُس کا اگل کر رہ گیا ہائے اپنا پانوں اس ہ میں بچل کر رہ گیا دل مرے سینے میں دودھ ہاتھ پھیل کر رہ گیا ایسے بہتیروں کو یہ اثر درنگل کر رہ گیا بہوس عیار تھا دیکھا نہ مل کر رہ گیا جن نے وہ خونخوار سج دیھی اہل کر رہ گیا
---	---

ایک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میر بر
برسوں سے جلتا تھا شاید ات جل کر رہ گیا

طریق خوب ہو آپس میں آشنائی کا ہوا ہو کج نفس ہی کی بے پری میں خوب یہیں ہیں دیر و حرم اب تو یہ حقیقت ہو نہ پوچھ ہندی لگانے کی خوبیاں اپنی نہیں جہان میں کس طرف گفتگو دیسی کسو پہاڑ میں جوں کوہ کن سراب ماریں	نہ پیش آوے اگر مرسلہ جدائی کا کہ برگی سال تلک لطف تھا رہائی کا دماغ کس کو ہو ہر در کی جہہ سانی کا جگر ہو خستہ ترے پیغم حسنائی کا یہ ایک قطرہ غم ہو طرقت جدائی کا خیال ہم کو بھی ہو بخت آزمائی کا
---	---

<p>بجرا رہا نہ دل شیخ شورِ محشر سے رکھا ہی باز ہیں در بدر کے پھرنے سے لا کہیں تو دکھا دیں گے عشق کا جھنگل نہ اُنسن مجھ سے ہوا اُس کو میں ہزار کیا</p>	<p>چانچے جگر بھی چاہے ہی کچھ تھا منا اداؤں کا سروں پہ اپنی ہوا احسان شکستہ پانی کا بہت ہی خضر کو غسّہ ہو رہنمائی کا جگر میں داغ ہو اُس گل کی بیوفائی کا</p>
<p>جہاں سے میسر ہی کے ساتھ جانا تھا لیکن کوئی شریک نہیں ہو کسو کی آئی کا</p>	
<p>یہ رنگی بھی ہوئی ہو جی ہی چلا گیا کیا کئے ایک عمر میں بے لب تھے کچھ ثابت ہو اس کے پہلو سے پہنچے ہو ہم کو بچ مالاں ہو غنڈ لیب گل آشفہ رفتہ سرو پڑھتا تھا میں تو سمجھ لے ہاتھ میں درود رکھنا نشان قبر کا میری نہ خوش کیب منصف ہو تو ہی شیخ کہ اس مست نازبن ہرگز بھی نہ سکر لگی آہ عشق میں کیوں میں کہا کہ منس کے نہ زخم پر چھڑک آنسو تو ڈر سے پی گئے لیکن وہ قطرہ آب وقتِ اخیر کیا یہ ادا تھی کہ عشق سے میں</p>	<p>کل حال میسر دیکھ کے عشق مجھ کو آگیا سوبات پان کھاتے ہوئے وہ چلا گیا دیکھا نہ درد دل کے کہے سر جھکا گیا ہلک بیٹھ کر چین میں وہ فتنہ اٹھا گیا صلواتیں مجھ کو آکے وہ ناحق سُنا گیا آپا سو اور خاک میں مجھ کو ملا گیا ہم آپ سے بھلا گئے مجھ سے رہا گیا مانند شمع داغ ہی سب ہم کو کھا گیا بے لطف اس کے ہونے میں راز اُٹھ گیا اک آگ تن بدن میں ہمارے لگا گیا جب آنکھ کھولی بالوں میں منہ کو چھپا گیا</p>
<p>کیا پوچھتے ہو داغ کیا مرگ میرے مر کر وہ سینہ سوختہ چھاتی جلا گیا</p>	
<p>اس آگ نے بھڑک کر در بست گھر جلایا یوسف عزیز دلہا سستا بہت بکایا اس حشمِ روزِ سینے روزِ سیہ دکھایا دل کا لگاؤ یار دچھپتا نہیں چھپایا دہت ہوئی کہ ہم نے جینے سے ہاتھ اٹھایا ہنگامِ سخن عاشق سر پر جو نہ آیا</p>	<p>سوزِ دروں سے آخرِ جہنم دل کو پایا جی دے کے لیتے ایسے معشوق بے بدل کو زلزلتِ سیاہ اُس کی جاتی نہیں نظر سے نام اُس کا سن کے آنسو گر ہی پڑے پلک سے تھا لطفِ زلیبت جن سے دے اب نہیں میر ہندی لگی تھی تیرے پانوں میں کیا پایے</p>

<p>رکھتا ہو داغِ ہم کو قامت کا اس کی سایا دانستہ باؤلا ہم اپنے تئیں بسایا استکھوں کے مُنہ گئے پر آرام سا تو پایا</p>	<p>یہ پیروی کسوتے کا ہے کو ہو سکے اور دیکھی نہ پیش جاتے ہرگز خودوری میں کستی تھی بیدار غمی اک شورِ مادمں میں</p>
<p>گل پھول سے بھی توجہ لیتا ہو منہ کو پھیرے کھڑے سے کس کے تو نے اسی میں دل لگایا</p>	
<p>شاعری تو شعار ہو اپنا دیر سے انتظار ہو اپنا اب یہی روزِ گار ہو اپنا اس میں کیا اختیار ہو اپنا شہرِ شہرِ اشتہار ہو اپنا سودوں کا غبار ہو اپنا</p>	<p>نکتہ مشتاقِ دیدار ہو اپنا بیخودی لے گئی کہاں ہم کو روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات دیکے دلِ ہم جو ہو گئے مجبور کچھ نہیں ہم مثالِ عقالیق جس کو تم آسمان کہتے ہو</p>
<p>صرف آزار میں نہ کرو خستہ اپنا ہو زار ہو اپنا</p>	
<p>ماہِ تمام یارو کیا ناتمام نکلا عشق کی طرح اپنا عجلت سے نام نکلا سودا اُنھوں کا آخر دیکھا تو خام نکلا اس عشقِ فتنہ گر سے وہ کس کا کام نکلا</p>	<p>روکش ہوا جو شبِ ہالائے بام نکلا ہو گوشہ گیرِ شہرت مد نظر اگر ہو تھا جن کو عاشقی میں دعوایِ پختہ منقوی نومید قیس پایا ناکام کوہ کن کو</p>
<p>کیونکر نہ مر رہے جو بیتاب ہو اک آدھ دن تو گھر سے دل تمام تمام نکلا</p>	
<p>اب تو چپ بھی رہا نہیں جاتا اپنے ہاں سے دہا نہیں جاتا اب تم تک سہا نہیں جاتا تب تو اس سے بہا نہیں جاتا</p>	<p>کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا نعم میں جاتی ہو عمرِ دہ روزہ طاقتِ دلِ تلکِ تعب پہنچے اُس دُرِ ترکا حیرتی ہو بحیرہ</p>
<p>کب تری رہ میں گھر کا لوہا لوہو میں آہنا نہیں جاتا</p>	

<p>مجھے سیدھیاں وہ سنانے لگا ستم کیسے کیسے اٹھانے لگا جگر آہ اُسنے تک تو آنے لگا موا جو کوئی وہ ٹھکانے لگا سو بھیاں جی ہی اب بھول جانے لگا سو آنکھیں وہ مجھ کو دکھانے لگا</p>	<p>بچی اُس کی جو میں جتانے لگا تخل نہ تھا جس کو ٹک سودہ میں رُند سے عشق میں کوئی یوں کب تلک پریشاں ہیں اس وقت میں نیک و بد کردوں یاد اُسے ہوں جو میں آپ میں پس از عمر اُدھر گئی تھی نگاہ</p>
<p>انہیں رہتے حائل علاقے بغیر کہیں میسر دل کو دوانے لگا</p>	
<p>مطلق نہیں ہم سے ساز تیرا جاتا نہیں اجتر از تیرا کہہ دیتے ہیں وہ ہی راز تیرا کید سر ہو وہ امتیاز تیرا</p>	<p>اللہ سے غسر و راز تیرا ہم سے کہ تجھی کو جانتے ہیں مل جن سے شراب تو پئے ہو کچھ عشق دہوس میں فرق بھی کر</p>
<p>کتے نہ تھے میسر مت کرھا کر دل ہو نہ گیا گدا از تیرا</p>	
<p>لے گا نیند بھر تب مجھ کو سونا کنائے بیٹھ کر ہاتھوں کو دھونا</p>	<p>لظرمیں آئے گا جب جی کا کھونا مرا خون تجھ پہ ثابت ہی کرے گا</p>
<p>وصیرت میسر نے مجھ کو یہی کی کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا</p>	
<p>گل دستہ دستہ جس کو چراغی دیا کیا سہتا رہا جفا میں جب تک جیا کیا</p>	<p>اُس آستانِ داغ سے میں زریا کیا کیا بعدِ مرگ یاد کر دل کا دفا بچھے</p>
<p>اب وہ جگر طیش سے پڑتا ہو تشن لب دست تلک جو میسر کا لو ہو بیا کیا</p>	
<p>تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جانا بے پردہ جو وہ ہوتا تو کس سے رہا جانا ہم دیکھتے تھے کچھ کو تو تو منہ کو چھپا جانا</p>	<p>اسو مری آنکھوں میں ہر دم جو نہ آ جانا اصلح ہو حجاب اُس کا ہم شوق کے ماروں سے ظفلی کی ادا تیری جاتی نہیں یہ جی سے</p>

<p>صد شکر کہ داغِ دل افسردہ ہوا ورنہ کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا ان آنکھوں سے ہم شی بر جا ہی جو میں جل کر صحبت سگ و آہو کی یک عمر رہی باہم گر عشق نہیں ہو تو یہ کیا ہو بھلا مجھ کو جوں ابر نہ تھم سکتا آنکھوں کا مری جھک</p>	<p>یہ شعلہ بھڑکتا تو گھر بار جلا جاتا یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی کہا جاتا بادام کو کل یار و مجلس ہی میں کھا جاتا وہ بھانگنا مجھ سے تو میں اسے کھا جاتا جی خود بخود ای ہمدرد کا ہیکو کھا جاتا جوں برق اگر وہ بھی جھلکی سے دکھا جاتا</p>
<p>تکلیف نہ کی ہم نے اس خوشی کو مرنے کی تھا میر تو ایسا بھی دل جی سے اٹھا جاتا</p>	
<p>بالقوہ ٹک دکھائیے چشم پر آب کا جو کچھ نظر پڑے ہی حقیقت میں کچھ نہیں دریا دلی جنھیں ہو نہیں ہوتے کا سہ لیس شاید کہ قلب یار بھی ٹک اس طرف پھر یارے نقاب دن کو جو رکھتا ہی منہ پہ تو تلوار بن نکلتے نہیں گھر سے ایک دم یہ ہوش دیکھ آگے مرے ساتھ غیر کے مجنوں میں اور مجھ میں کرے کیوں فرق عشق رو فرصت جوانی پہ جوں ابر بے خبر وہاں سے تو نامہ بر کو ہی کیا جواب ملان چکا کرے ہی زہر ہی صفت اس نگاہ سے</p>	<p>و اس پلڑے کے روئے یک دم سحاب کا عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہی خواب کا دیکھا ہی دائرگوں ہی پیالہ حباب کا میں منتظر زمانے سے ہوں انقلاب کا پردہ سارہ گیا کچھ اک آفتاب کا نوحں کر رہو گے تم کسو خانہ خراب کا رکھتا ہی پانوں مست ہو جیسے شراب کا چھپتا نہیں مزا تو جلے سے کباب کا نماز برق کا سا ہی غم شباب کا میں سادگی سے لاگو ہوں خط کے جواب کا وہ چشم گھر ہی غصہ و ناز و عتاب کا</p>
<p>لایق تھا یہ جھینے ہی کے مصرعِ قد یار میں معتقد ہوں میر تری انتخاب کا</p>	
<p>خندہ دندان نما کرتا جو وہ کافر گیا کیا گرز کوے محبت میں ہنسی ہو کھیل ہی کیا کوئی زبر فلک اونچا کرے منہ برق غم</p>	<p>گو ہر تریوں سر شگ آنکھوں سے سب کی گر گیا پانوں رکھا جس نے ٹک و دھر پھر اس کا سر گیا ایک پتھر سادے کا آ لگا سر چر گیا</p>
<p>سہ کنا بیگم کا ایک شعر ہو، سہ مقابل ہو ترے لب اگر مری چاہاؤں، تری آنکھوں کی ہر تپتی کرے ہوا ام کھاؤں شہِ بردوش غیر دست نہاد از رہ کم - نارا چو دید لوز پارا بناد ساخت (قتیل)</p>	

<p>ایک ناکسی سپاہی دکھنوں میں گھر گیا بخت کی برکشتی سے آتے آتے پھر گیا یعنی لوہا تھا کڑا تیغ ستم کا گر گیا</p>	<p>نیزہ بازارِ مرہ میں دل کی حالت کیا کہوں بعد مدت اس طرف لایا تھا اُس کو جذبِ عشق نیز دست اتنا نہیں وہ ظلم میں اب فرق ہو</p>
<p>اسختِ اہم کو مہمیر کے مرجانے کا افسوس ہو تم نے دل پتھر کیا وہ جان سے آخر گیا</p>	<p>اس بد زباں نے حرفِ سخن آہ کب کیا طاقت سے میرے دل کی خبر کچھ کو کیا نہ تھی یکساں کیا نہیں ہو ہیں خاک رہ سے آج</p>
<p>چپکے ہی چپکے اُن نے ہمیں جاں بلب کیا ظالم نگاہِ چشمِ ادھر کی غضب کیا ایسا ہی کچھ سلوک کیا اُن نے جب کیا بس منہ بچوں نے حد سے زیادہ ادب کیا القصہ اپنے روز کو ہم نے بھی شرب کیا کیا جانوں غن اُن نے مرا کس سبب کیا ہم جی سے اپنے جاچکے تم قصد تب کیا جس کی نگاہ پر گئی اُن نے عجب کیا اک دن جدا نہ غیر سے ہم کو طلب کیا</p>	<p>اُس رخ سے دل اٹھایا تو زلفوں میں جا پھنسا ظاہر ہوا نہ مجھ پہ کچھ اس ظلم کا سبب کچھ آگے آئے ہوتے جو منظورِ لطف تھا بچھڑے نمھائے اپنا عجب حال ہو گیا برسوں سے اپنے دل کی ہو دل میں کہ یار نے</p>
<p>کی زندگی سودہ کی سوے اب ہو اس طرح جو کام میرے جی نے کیا سو کدھب کیا</p>	<p>اب چھائی کے جلنے نے کچھ طور بدل ڈالا ہم عاجز دلی کا کھونا مشکل نہیں ہو ایسا انکھیلی کی بھی اس کی دل تاب نہیں لانا تشویش سے اب خالی کس دن ہو مزاج اپنا</p>
<p>سب درد ہو شدت کا اس دل ہی کو دل ڈالا کچھ چونٹیوں کو لے کر پاتوں تلے مل ڈالا کیا پکڑی کے بیچوں میں لے بالوں کو بل ڈالا اس دل کی خلش نے بھی کیا آہ خلل ڈالا</p>	<p>مچھ مہبت کو کیا نسبت ام میرے مسائل سے منہ شیخ کا مسجد میں میں رک کے مسل ڈالا</p>
<p>یونان کی طرح بستی یہ سب میں دُور رہا احوالِ عاشقی کا مری گو گو رہا کوچے میں اس کے جا کے ستم دیدہ جو رہا</p>	<p>طوفانِ میرے رونے سے آخر کو ہو رہا بہتوں نے چاہا کہئے یہ کوئی نہ کہہ سکا آخر موا ہی وہاں سے نکلتا سنا اُسے</p>

<p>پایان کار آنکھوں کو اپنی میں رو رہا تباہی بھی دہی تھا دہی مردہ شور رہا رہتے تھے ہم تو دل ہی کو تو جی بھی کھو رہا</p>	<p>آنسو تھما نہ جب سے گیا وہ بنگاہ سے کیا بے شریک زندگی کی شیخ شہر سے باروں نے جل کے مرنے سے میر کیا خطاب</p>
<p>جب رات سر پٹنے نے تاشیر کچھ مچی ناچار مٹیر منڈ گری شی مار سو رہا</p>	
<p>اس لب خاموش کا قائل ہوا یہ تماشائی عبث گھائل ہوا عاقبت بوسے کا میں سائل ہوا اپنا ہونا بیچ میں حائل ہوا</p>	<p>لعل پر کب دل مرا نائل ہوا لو لگیں آنکھیں اٹھائی دل نے چوٹ ناشکینی سے گئی ناموس ففسر ایک تھے ہم دے نہ ہوتے ہست اگر</p>
<p>مٹیر ہم کس ذیل میں دیکھ اس کی نگہ ہوش اہل قدس کا زائل ہوا</p>	
<p>کہ مجھ کو اس کی گلی کا خدا گدا کرتا تو تیرے جی میں مخالف نہ تھی جا کرتا دماغ کا شے اپنا بھی ملک وفا کرتا کبھو جو آن نکلتا کوئی صدا کرتا جو کوئی اور بھی جھنوں کی کچھ دوا کرتا کبھو وہ یہاں تو مے لٹھ بھی لگا کرتا بھلا کسوسے جو کرتا تو تو بُرا کرتا کبھو کبھو جو یہ دریائے خوں چڑھا کرتا بشرور ربط میں اس کے جود بھلا کرتا وگر نہ شام سے ہنگامہ ہی رہا کرتا فقیر تلکے سے کاہیکو یوں اٹھا کرتا کبھو نسیم سے میں درد دل کہا کرتا خراب و خواہ کہاں تک بھلا پھرا کرتا ہلاک آپ کو کرتا نہ میں تو کیا کرتا</p>	<p>کوئی نقیر یہ امر کا ش کے دعا کرتا کبھو جو آن کے ہم سے بھی تو ملا کرتا چمن میں پھول گل ابے نہزار رنگ گلے فقیر بستی میں تھا تو ثرا زیاں کیا تھا علاج عشق نے ایسا کیا نہ تھا اس کا تہم کے چھوٹے سے استاد کی گھی جوتی بدی نتیجہ ہو نیکی کا اس زمانے میں ملاطم آنکھ کے صد رنگ ہتے تھے تجھ بن کہاں سے مچلی یہ آتش نہ مانتا تھا میں گلی سے بار کی اہم لے گئے سر پر شور خراب مجھ کو کیا دل کی لاگ نے در نہ گئے یہ تیرے نہ تھا ہمنفس کوئی اوگل کہیں کی خاک کوئی منہ پہ کب ملک ملتا موتے ہی رہتی تھی عزت مری محبت میں</p>

<p>ترے مزاج میں تابِ تعب تھی میر کہاں کس سے عشق نہ کرتا تو تو عجب لا کرتا</p>	
<p>بندھارات آنسو کا کچھ تار سا کوئی ساد ہی اُس کو سادہ لے محبت ہی یا کوئی جی کا ہر روگ گل و سرو اپنے جیسے ہی لے جو ایسا ہی تم اہم کو سمجھو ہو سہل فلک نے بہت اچھینچ آزار لیک مگر آنکھ تیری بھی چپ کی کہیں چمن ہو سے جو آنجن تجھ سے دھال کھڑے منتظر ضعف جو آگیا دکھاؤں متاع و فاکب اُسے عجب کیا جو اس زلف کا سایہ دار</p>	<p>ہوا ابرِ رحمت گنہگار سا لگے ہی ہمیں تو دھتار سا سدا میں تو رہتا ہلکا بیمار سا نہ نکلا چمن میں کوئی یار سا ہمیں بھی یہ جینا ہی دشوار سا نہ پہنچا ہم اُس دل آزار سا ٹپکتا نہ چتون سے کچھ پیار سا لگے آنکھ میں سب کی گلِ خار سا گرا اُس کے در پر پیو ازار سا لگا دھال تو رہتا ہر بازار سا پھرے راتوں کو بھی پریدار سا</p>
<p>نہیں میر متانہ صحبت کا باب مصاحب کرد کوئی ہشیار سا</p>	
<p>حیراں ہی لحظہ لحظہ طرزِ عجب عجب کا کہتے ہیں کوئی صورت بن معنی بھیاں نہیں ہو نسبتِ درست جس کی اس رد و موسے پائی افسوس ہو نہیں تو انصاف دوست و درنہ سودائی ایک عالم اس کا بنا پھرے ہو منہ اس کے منہ کے اوپر شام و سحر کھول ہوں</p>	<p>جو رفتہ محبت واقف ہو اس کے ڈھب کا یہ وجہ ہو کہ عارف منہ دیکھتا ہو سب کا ہے درہم اور برہم حال اس کے روزِ ڈھب کا شایانِ لطف دشمنِ شایستہ میں غضب کا ہر چند عزالتی ہو وہ خصال کج لب کا اب ہاتھ سے دیا ہو سرِ رشتہ میں ادب کا</p>
<p>کیا اچکل سے اُس کی یہ بے تو جہی ہو منہ اُن نے اس طرف سے پھیرا ہو میر کب کا</p>	
<p>سیکڑوں سیکڑوں کا جان گیا و اے احوال اس جفاکش کا</p>	<p>پر یہ تیرا نہ امتحان گیا عاشق اپنا جسے دھجان گیا</p>
<p>لے ضعف بھی غش ۱۲ پریدار آئیب زد ۱۲۵</p>	

<p>جی گیا پر نہ یہ نشان گیا آج سو سو طرف گمان گیا تب تو میں نے کہا سومان گیا ہاتھ سے جس کے یہ مکان گیا ایک میرا ہی یوں نہ جان گیا شوق میں برسوں خاک پھان گیا</p>	<p>دائع حراں ہو خاک میں بھی ہاتھ کل نہ آنے میں ایک بھیاں تیرے حرف نشنو کوئی اسے بھی ملا دل سے مت جا کہ پھر وہ بچنایا پھرتے پھرتے تلاش میں اس کی اب جو عیسیٰ فلک پہ ہو وہ بھی قی</p>
<p>کون جی سے بجائے گا ای میسر حقیقت یہ ہے کہ تو جوان گیا</p>	
<p>سوزِ دروں سے نامہ کباب ورق ہوا مڑا ہو جو کوئی اُسے کہتے ہیں حق ہوا یہ شہر جب تمام لٹا تب نسق ہوا آتے ہی تیرے باغ میں گل کا فاق ہوا سو دیدہ اب گداختہ ہو کر شفق ہوا کس درد مند عشق کو یا رب قلع ہوا</p>	<p>ہنگامِ شمعِ غم جگر خامہ شوق ہوا بندہ خدا ہو پھر تو اگر گزرتے آپ سے دل میں رہا نہ کچھ تو کیا ہم نے ضبطِ شوق وہ رنگِ ہر روش وہ طرح سب گئی برباد برسوں تری گلی میں چمن ساز جو رہا لے کر زمیں سے تا فلک ک گیا ہو آہ</p>
<p>اس نو ورق میں میسر جو تھا شرحِ بیست بیٹھا جو دے کے میں تو تراک سبق ہوا</p>	
<p>دل نے جگر کی اور اشارت کی بھیاں گرا پھر دید کی جگہ نہیں جو یہ مکان گرا اک تیر میں وہ مرنے بلند آشییاں گرا یعنی کہ اس کے درہی پہ میں ناتواں گرا جس سے کیا خیال کہ یہ سہماں گرا پتھر بھی وہاں کے جل گئے جا کر جہاں گرا</p>	<p>کل میں کہا وہ طور کا شعلہ کہاں گرا منظرِ خواب ہونے کو ہو چشمِ ترکا حیف روح القدس کو سہل کیا یا رے شکار پہنچا یا مجھ کو عجز نے مقصود دل کے تئیں شورِ آگ مری نہاں ہے تجھ بن اٹھا تھارا کیا کم تھا شعلہ شوق کا شعلے سے طرے کے</p>
<p>دوبا خیال چاہ زرخداں میں اس کی میسر دانستہ کیوں کو میں بھلا یہ جواں گرا</p>	
<p>وہاں کام ہی رہا تجھے بھیاں کام ہو چکا</p>	<p>آتے ہی آتے تیرے یہ ناکام ہو چکا</p>

موسم گیا وہ ترک مجتہد کا ناصحا
یا خط پہلے ہی آتے تھے یا حرف ہی نہیں
نا آشنائے حرف تھا وہ شوخ جب تبھی
میں اب تو خاص و عام میں بدنام ہو چکا
شاید کہ سادگی کا وہ ہنگام ہو چکا
ہم سے تو ترک نامہ و پیغام ہو چکا

ترپے ہی جب کہ سینے میں پھلے ہو دو دو ہاتھ
گردل ہی ہو میرے تو آرام ہو چکا

سنبھل تھا بے گیسو دکنم میں لٹ گیا
عالم میں جاں کے فحش کو تنہا تھا اب تو میں
ظلم و جفا و جور پر اصرار اس قدر
اب کہ سماں نہیں ہے کہ وہ کام جان خلق
و شوار سیتے ہیں گے جو بیٹھ بٹھ ہی ہو چیب
دامان و جیب دونوں ہوئے ٹکڑے ایک جا
خاطر اگر ہو جمع پریشانی بھی نہ تھے
ملکات اس کے منہ سے ہوا تھا مقابلہ
کیا پوچھو ہو نصیب ہمارے الٹ گئے

ابرو کی تیغ دیکھ مہر عید کٹ گیا
آلودگی جسم سے مائی میں اٹ گیا
ہٹ دیکھ دیکھ تیری لالنا بھی ہٹ گیا
مغموم ہم کو دیکھ کے دوڑا لپٹ گیا
بیٹھ یوں سے اس کی لالنا تو پھٹ گیا
اب کی یہ کام ہاتھ سے بیر سمٹ گیا
سوں تو دو وطن تری لالوں سے ہٹ گیا
بھرا ہ چارہ کو جو دیکھا تو گھٹ گیا
چل کر ادھر کو یا پھر ادھر الٹ گیا

بلبل کی اور گل کی جو صحبت کی میرے
دل اپنا دلہنوں کی طرف اُچٹ گیا

سینے میں شوق میرے کے سب درد ہو گیا
ٹکڑا تھا آج صبح بہت گرم ہوئے
بے پردہ اس کی شوخی قیامت ہو دیکھو
کشتی ہر اک فقیر کی بھر دی شراب سے

دل پر رکھا تھا ہاتھ سو منہ زرد ہو گیا
خورشید اس کو دیکھتے ہی سرد ہو گیا
یہاں خاک سی اڑادی فلک گرد ہو گیا
اس دور میں کمال عجب مرد ہو گیا

دفتر لکھے ہیں منہ سے دل کے الم کے یہ
یہاں اپنے طور و طرز میں وہ فرد ہو گیا

کیا تو نمود کس کی کیسا کمال تیرا
کیا ہی جو ہو ترنخ زن سہ پاس کا ستارا
ہر گل مغل بچہ وہ مرزا ہے اس کے آگے

اس نقش و ہم آیا کیدھر خیال تیرا
ہر دارن جان عالم بھڑکی کمال تیرا
کچھ بھی بھلا لگے ہو منہ لال لال تیرا

<p>ہو کتاب کو بھی ایسا سال تیرا دیکھا نسیم نے بھی شاید جمال تیرا کیا جاتے رفتہ رفتہ کیا ہو مال تیرا اک دن زبان ہو گا ایک ایک بال تیرا سوچی کو خوش نہ آیا ہرگز ملال تیرا</p>	<p>بجھ روئے خوں نشان سے انجم کی بجھال اب صبح پاس گل کے ہو کر نہیں نکلتی پہلا قدم ہو انسان پا مال مرگ ہونا ہوگی جو چل سر مو پہاں نہیں ہیکلی تفصیل حال میری بھی باعث کدورت</p>
<p>پچھ زرد زرد چہرہ پچھ لائو بدن میں کیا عشق میں ہوا ہر ای تیرا حال تیرا</p>	
<p>اگرچہ آسمان تک شور جگے ہم فقیروں کا دلوں میں کام کر جانا ہر جہاں جادو کے تیروں کا سر زنجیر زیر سر رکھے ہر ہم اسیروں کا شہید اک میں نہیں ان باندھنوں کے سرخ چیروں کا چمن میں غنچہ ہو آنا گلوں پر ہم صغیروں کا کوئی اب نام بھی لیتا نہیں ان ملک گیروں کا</p>	<p>فروما نہیں سنا ہے اب کے اسیروں کا تبسم سحر ہو جب پان سے لب سرخ ہوں اس کے سرکنا اس کے درباں پاس ہو شب کو بھی مشکل گئے بہتوں کے سر لڑکوں نے جو یہ باندھنوں باندھے قفس کے چاک سے کھیں ہوں میں تنگ آنا ہوں ہلکے دیکھتے زیر زنجیں تھا ملک سب جن کے</p>
<p>دل چپ کو تو ان پلکوں ہی نے سب بھان مارا تھا کیا مہیرا نے خالی یوں ہی ترکش اپنے تیروں کا</p>	
<p>ہوا وہ بے مروت بے وفا ہرگز نہ یار اپنا کہ مدت ہو گئی ہم کھینچتے ہیں انتظار اپنا کہ رنجش اس جگہ ہوئے جہاں ہوا اعتبار اپنا وے نکلا نہ خاطر خواہ رہنے سے غبار اپنا ہوا صحبت میں ان لڑکوں کے فالہ روزگار اپنا مگر شہر میں کم ہی جیسے عنقا اشتہار اپنا کھڑا بھی وہاں نہ جا کر ہوں اگر ہوا اختیار اپنا</p>	<p>ہوئیں رسوائیاں جس کیلئے جھوٹا دیار اپنا خدا چاہے ہمیں اس بیخودی نے کس طرف بھینکا ذلیل اس کی گلی میں ہوں تو ہوں از رو کی کسی اگرچہ خاک آرائی دیدہ ترے بیاباں کی کسا بد وضع لوگوں نے جو دیکھارات کو ملتے کریں جو ترک عزت واسطے مشہور ہونے کے دل بے تاب دبے طاقت سے کچھ چلتا نہیں درنہ</p>
<p>۱۔ حسرت سوانی سے عشق بتاں کو جی کا بھال کر لیا ہو : حسرت یہ تو نے اپنا کیا حال کر لیا ہو۔ ۲۔ میر تقی میر سے : بیخودی نے گئی کہاں ہم کو ڈیر سے انتظار ہو اپنا۔ ۳۔ میر تقی میر سے : ہم آپ کے سوالی کہاں گئے پو مدت ہوئی کہ اپنا ہمیں انتظار ہو۔</p>	

<p>جہاں سے لوگ سب بختِ مفر کرتے ہیں بار اپنا ہوا ہر دونوں جاگہ ایک و باری گزار اپنا سہہ ہیں اب تلک جیتے وئے دل مار مار اپنا</p>	<p>عجب ہم بے بصیرت ہیں کہاں کھولا ہوا بار اگر نہو یوں سیکدہ مسجد سا پرواں ہوش جالتے ہیں سرا پا آرزو ہم لوگ ہیں کاہیکو زندوں میں</p>
<p>کیا وہ بوجھ سب ہلکے ہوئے ہم میسر آخر کو مناسبت تھا نہ جانا اس گلی میں بار بار اپنا</p>	
<p>اس قدر حال ہمارا نہ پریشان ہوتا لپٹے جاتے میں اگر آج گمبیاں ہوتا شورِ محضوں نہ اگر سلسلہ جنبیاں ہوتا دل کی تقلید نہ کرتا تو نہ حیراں ہوتا شاید اس طور میں ایام کا نقصاں ہوتا دیکھتے تھے کہ وہی لوح کا طوفاں ہوتا یہ بنگر کا ہیکو اس طرح سے دیراں ہوتا سرو اتنا نہ اکر تا اگر انساں ہوتا</p>	<p>رابطہ دل زلفت اس کی جو نہ چسپاں ہوتا ہاتھ واسن میں تھے بارے تھنہ جھلا کے نہ ہم میری زنجیر کی جھنکار نہ کوئی سنستا ہر سحر آئینہ رہتا ہر ترا منہ نکست وصل کے دن سے بدل کیونکہ شیب ہجران ہو طور اپنے پہ جو ہم روتے تو پھر عالم میں دل میں کیا کیا تھا اگلے جو نہ جالی یاس خاک پا ہو کے ترے قد کا چمن میں آہتا</p>
<p>میسر بھی دیر کے لوگوں ہی کی ہی کہنے لگا کچھ خدا نکستی بھی کہتا جو مسلمان ہوتا</p>	
<p>کام اس شوق کے ڈوبے ہوئے کا پار کیا ہو کے میں خاک برابر اُسے ہمار کیا بخت بد نے نکلتے دل کا خریدار کیا چرخِ ناساز نے غیروں سے اُسے یار کیا کوقت نے دل کی توجہ سے بھی بیزار کیا کیا کیا ہم نے کہ اس راز کو اظہار کیا بڑھ گئی کاہش دل ایسی کہ بیمار کیا موسم گل نے مگر رختِ سفر بار کیا</p>	<p>جس پہ اس موج سی شمشیر کا اک وار کیا اگیا عشق میں جو پیش نشیب اور فراز کیا کیا کروں جنس وفا پھیرے لئے جانا ہوں اتفاق ایسے پڑے ہم تو منافق ٹھہرے ایسے آزار اٹھانے پے کا ہمیں کب تھا دماغ جی ہی جاتے تھے میں عشق کے مشہور ہوئے دیکھے اس ماہ کو جو کہتے پوچھنے گزرے نااہلِ بیل بیدل ہر پریشاں بہت</p>
<p>میسر ایڑا اش زباں بند رکھا کرتے ہم صبح کے اوسنے نے ہم کو گرفتار کیا</p>	

<p>سب یار آدم گری کر گیا نظر پھیری تو نے تو وہ مر گیا وہ کس خانہ آباد کے گھر گیا مجھے دیکھ کر محتضنہ ڈر گیا</p>	<p>شب رفتہ میں اس کے در پر گیا شکستہ دل عشق کی جان گیا ہوئے یار کیا کیا خراب اس بغیر کشنہ تھا لڑکا ہی ناکردہ عوں</p>
<p>بہت رفتہ بہتے ہو تم اس کے اب منزل آب کا میسر کیدھر گیا</p>	
<p>ایسی پیش سے دل کی کوئی جگر ہے گا جوں نقش پا ہمارا تا دیر اثر ہے گا اس طور لو ہو میں تو دامن کو بھر ہے گا پہنچی خبر ادھر کی دل بے خبر ہے گا کل کی سمجھو کل ہی کل تو اگر ہے گا ماتم میں دل کے شیون دود پھر ہے گا ایسا ہی جو وہ چہرہ پیش نظر ہے گا میرا یہ ڈھب دلوں میں کچھ راہ کر ہے گا</p>	<p>بے طاقتی میں تو تو ای میسر مر ہے گا کیا ہو جو راہ دل کی طے کرتے مر گئے ہم ست کر لڑکین اتنا خونیزی میں ہماری آگاہ پائی ہم نے کھوئے گئے سے یعنی ہی فردا کا سوچ تجھ کو کیا آج ہی پڑا ہو لوگوں کا پاس ہم کو مانے سکے ہو ورنہ پایان کار دیکھیں کیا ہوئے دل کی صورت اب رفتگی رویہ اپنا کیا ہے میں نے</p>
<p>ہم کوئی بیت جا کر اس ہی کے رہنے میں گئے وحشت زدہ کسودن گر میسر گھر ہے گا</p>	
<p>سختیاں جو میں بہت کھینچیں سودل پتھر ہوا خون اس کے رہ گزر کی خاک پر اکثر ہوا گرد اس کے جو پھر اس کو مرے چکر ہوا بھول خوش رنگ در اس کے فرش پر بچھکر ہوا کوٹسا بیمار دل کا آج تک بہتر ہوا صورت خوش جن نے دیکھی اس کی ہوا دھڑ ہوا گوہر خوش آب انداز سخن سے تر ہوا کام جو مجھ سے ہوا سو عقل سے باہر ہوا اس کی بے خوابی سے ہنگامہ مرے سر پر ہوا</p>	<p>پند گو مشفق عبث میرا نصیحت کر ہوا گاڑ کر مٹی میں رومے بچ کر کیا ہم ہی ہوے اب اٹھا جاتا نہیں مجھ پاس پھر ٹک بیٹھ کر کب کھبا جاتا تھا یوں آنکھوں میں جیسا صبح تھا کیا سنی تم نے نہیں بد حالی فراد و قیس کون کرتا ہو طرے مجھ عاشق بیتاب کی جل گیا یا قوت اس کے لعل لب جب مل گئے کیا کہوں اب کی جنوں میں گھر کا بھی رہنا گیا شب نہ کرتا شور اس کو چہ میں گریں جانتا</p>

ہوئے یارب ان سیر و آنکھوں کا خانہ غراب | یک نظر کرتے ہی میرے دل میں اس کا گھر

استخوان سب پوست سے سینے کے آگے ہیں نظر
عشق میں ان نو خطوں کے میسر میں مسطر ہوا

ٹپکتی پلکوں سے رومال جس گھڑی سر کا
کبھو تو دیر میں ہوں میں کبھو ہوں کعبہ میں
غم فراق سے پھر سوکھ کر ہوا کا نشا
اسیرِ جگے میں ہو جاؤں میں تو ہو جاؤں
ہیں کہ جلنے سے خورگ ہیں آگ میں ہر پیش
قریب خط کا ٹکٹنا ہوا سو خط موقوف
بتا کے کعبہ کا رستہ آگے بھلاؤں راہ
کسو سے مل چلے ملک وہ تو ہے بہت دیر
شکستہ بانیِ دل بستی پر اب کی نہ جا
تلاشِ دل نہیں کام آتی اس رخ میں گئے
پھر ہے ہر خاک لے منہ پہ یا نہ پہننے

طرف ہوا نہ کبھو ابر دیدہ تر کا
کہاں کہاں لئے پھرتا ہے شوق اس در کا
بچھا جو بھول اٹھا کوئی اس کے بستر کا
وگرنہ قصد ہو کس کو شکار لاغ کا
محیط میں تو تلف ہوتا ہے سمندر کا
غبار دور ہو کس طور میرے دلبر کا
نشاں جو پوچھے کوئی مجھ سے یا کے گھر کا
سلوک کا ہی کو شنیوہ ہے اس سنگر کا
چمن میں شور مرا اب تلک بھی ہے پر کا
کہ چاہ میں تو ہے مرنا برا شنار کا
یہ آئنے ہی نظر کردہ کس قلندر کا

نہ ترک عشق جو کرتا تو میسر کیا کرتا
جفا کشی نہیں ہے کام ناز پرور کا

حلقہ ہوتی وہ زلفت کہاں کو چھپا رکھا
اس مہ سے دل کی لگا ہے ہی متصل ہی
گڑوا دیا ہوا مار کر اک دو کو تو کہوں
ملک میں لگا تھا اس نکلی شوخ کے گلے
کا ہی کو آئے چوٹ کوئی دل پہ شیخ کے
ہم سر ہی جاتے عشق میں اکثر سنا گئے
آزارِ دل نہیں ہے کسو دین میں دست
کیا میں ہی مجھ چٹک انجم ہوں خلق کو
کیا زہر چشم یار کو کوئی بیاں کرے

طاق بلند پر اسے سب نے اٹھا رکھا
گو چرخ نے بصورت ظاہر جدا رکھا
کب ان نے خون کرنے کسو کا دبا رکھا
پھانسی کے میرے زخموں نے بریلز اڑا رکھا
اس ملبوس نے اپنے تئیں تو بچا رکھا
اس راہِ خوفناک میں کیوں تم نے پار رکھا
کیا جانوں ان بتوں نے ستم کیوں روا رکھا
اس مہ نے ایک جھمکی دکھا کہ لگا رکھا
جس کی طرف نگاہ کی اس کو سلا رکھا

ہر چند شمعِ میر کا دل معقود تھا پر اس غزل کو ہم نے بھی سن کر لکھا رکھا	
میں جوانی میں سے پرست رہا در میخانہ میں مرے سر پر سر پہ پتھر جنوں میں کب نہ پڑے ہاتھ کھینچا سو پس ہو کر جب آنسو پی پی گیا جو برسوں میں جب کہو تب بلند کئے اُسے	گردن شیشہ ہی میں دست رہا حال محدود وار بہت رہا یہ سب ثابت شکست رہا تب گنہ کرنے کا نہ دست رہا دل درونی میں آبِ خست رہا قد خواہاں کا سر و بست رہا
میر کے ہوش کے ہیں ہم عاشق فصل گل جب تلک تھی مست رہا	
چمن بھی ترا عاشق زار تھا گئی نیند شیون سے بلب کی رات قد یار کے آگے سر و چمن یہی جنس دل کی گراں ندر تھی بہت روئے ہم شبنم و گل کو دیکھ مجھے اسی دل چاک کیا شاہ سا	گل سرخ اک زرد رخسار تھا کہیں دل ہمارا گرفتار تھا کھڑا دور جیسے گنہگار تھا وے جب تلک تو خریدار تھا کہ چپاں ہمیں بھی کہیں پیار تھا کسو زلف سے کچھ سروکار تھا
گیا میر بھاس سے کرو گے جو یاد کہو گے کہ مشکین عجب یار تھا	
دل گیا مفت اور دکھ نہ پایا مر گیا تس پہ سنگسار کیا یہ شب ہجر سر کرے ہی پری	ہو کے عاشق بہت میں پچھتایا نخل ماتم مرا یہ پھل لایا ہو سفیدی کا جس جگہ سایا
صحن میں میرے اگل ہناب کیوں شگوفہ تو کھلنے کا لایا	
چاک کر سینہ دل میں پھینک دیا نم کو جیتار کے خدا ہی بتاں	کھینچے ایذا ہمیشہ کس کی بلا مر گئے ہم تو کرتے کرتے وفا

دل سے اک داغ ہی جدا نہ ہوا	سب گئے ہوش و صہر و تاب تو اس
<p>اٹھ گیا میرے سر وہ جو بالیں سے پھر مری جان مجھ میں کچھ نہ رہا</p>	
<p>اب کے مجھے بہار سے آگے جنوں ہوا سینو کہ ایسی چال پر اک آدھ رخوں ہوا سیلاب آیا، آگے چلا، کیا شکوں ہوا روح الامیں کا نام شکا پر زبوں ہوا گلبرگ سادہ ہونٹھ جو تھا نیلوں ہوا اس رہ میں نقش پا ہی مرا رہنمویں ہوا</p>	<p>اندوہ و غم کے جوش سے دل لک کے خوں ہوا اچھا نہیں ہو رفتن رنگیں بھی اس تدر جی میں تھا خوب جا کے خرابے میں رُوئے پنچ گاہ عشق میں افراط و صید سے ہوں داغ نازی کہ کیا تھا خیال بوس میں دور ہوں اگرچہ برا بر ہوں خاک سے</p>
<p>میرے آن نے سر گوشت سنی ساری ات گو افسانہ عاشقی کا ہماری فسوں ہوا</p>	
<p>پیرہ رہا ہر کون سا ہم سے حجاب کیا برے ہو آج صبح سے چشم پر آب کیا وہ پاس ان بیٹھے کسو کے حساب کیا دل ہو اگر بجا تو یہ ہے اضطراب کیا محشر کو ہم سوال کریں تو جواب کیا اب وہاں آگئے یہ پتھر ہو بھیں غدا کیا ہو اب تکلف آگے جلے گا کباب کیا گرداب کیسا، موج کہاں ہو حباب کیا ای عمر برق جلوہ گئی تو ثناب کیا</p>	<p>منہ پر اس آفتاب کے ہو یہ نقاب کیا ای ابر تر پہ گریہ ہمارا ہے دیدنی دم گنتے گنتے اپنی کوئی جان کیوں نہ دو سو بار اس کے کوپے تلک جاتے ہیں چلے بس اب نہ منہ کھلاؤ ہمارا ڈھکے رہو دورخ سو عاشقوں کو تو دورخ نہیں ہا ہم جل کر ایک اکھ کی ڈھیری بھی ہو گئے ہستی ہو اپنے طور پہ جو بے جوش میں دیکھا پلک اٹھا کے تو پایا نہ کچھ اثر</p>
<p>ہر چند میرے بستی کے لوگوں سے اور لغو پر ہائے آدمی ہو وہ خانہ خراب کیا</p>	
<p>کھب گئی جی میں تھی بانگی ادا ہائے سے چشم دلبر ال کی ادا سننے ہو میرے بد زباں کی ادا</p>	<p>ای نیکلے یہ تھی کہاں کی ادا جادو کرتے ہیں اک نگاہ کے بیچ بات کہنے میں گالیاں بے اد</p>

دل چلے جاتے ہیں خرام کے ساتھ	دیکھی چلنے میں ان بتاں کی ادا
خاک میں ملنے کے لیے ہم سجے	بے ادائی تھی آسمان کی ادا
<p>رہا میں تو عزت کا اعزاز کرتا نہ ہوتا میں حسرت میں محتاج گریہ نہ ٹھہرا میرے پاس دل در نہ اہنگ جو جانوں کہ دربر ہو ایسا وہ دشمن تو تمکین سے کچھ نہ بولا وگرنہ گلو گیر ہی ہو گئی یا وہ گوئی</p>	<p>چلا عشق خواری کو ممتاز کرتا جو کچھ آنسوؤں کو پس انداز کرتا اُسے ایسا ہی میں تو جانناز کرتا تو کا ہے کو الفت میں ساز کرتا مسیحا صنم ترک اعجاز کرتا رہا میں خموشی کو آواز کرتا</p>
زیارت گہ کبک تو ہو بلا سے	ٹلک آہِ مہم کی خاک پر زکرتا
عید آئندہ تک ہے گا گلا	ہو چکی عید تو گلے نہ ملا ڈوبا لو ہو میں دیکھنا سرخار حیف کوئی بھی آبلہ نہ چھلا
میں تو افسردہ ہر چمن میں پھرا	غنیچہ بول مرا کہیں نہ کھلا
<p>یہ چوٹ کھائی ایسی دل پر کہ جی گنوا یا مدت میں وہ ہوا شبِ اہم بستر آ کے میرا الجھاؤ پڑ گیا سو سب کچھ نہ اپنی اس کی آئینہ رو ہمارا آیا نہ نزع میں بھی اس بے مروتی کو کیا کہتے ہیں بتاؤ وہ روئے خوب اب کی ہرگز گیا نہ دل سے خلطہ ہمارا اس کا حیرت ہی کی جگہ آؤ طرزِ نگہ سے اُس کی ہیوش کیا ہوں میں ہی آنکھیں کھلیں تو دیکھا جو کچھ نہ دیکھنا تھا باقی نہیں با کچھ کھٹتے ہی کھٹتے اہم میں</p>	<p>یعنی جدائی کا ہم صدمہ بڑا اٹھایا خوابیدہ طالعوں نے اک خواب سا دکھایا جھگڑے رہے بہت گزشتے بہت قصا یا وقتِ اخیر اُن نے کیا خوب نہ چھپایا ہم مائے بھی گئے پر وہ نقش پر نہ آیا جب گل کھلا چمن میں تب باغِ ہم نے کھایا ڈھونڈا جہاں ہم اُس کو وہاں آپ کو ہی پایا ان مست آنکھوں نے بہتیروں کو سلا یا خوابِ عدم سے ہم کو کھٹے کے تئیں جگایا بیماری دلی نے چنگا بہت بنایا</p>

تو نے کہ پاؤں سے دل باہر نہیں کھا ہو	عقیارِ پن یہ کن نے تیرے حسیں سکھایا
کس دن ملائمت کی اس بے میسر سے	سختی کھینچے نہ کیونکر تھپسے دل لگایا
سمندر کا میں کیوں احساں سہوں گا	مرے آنسو نہیں اُن پر ہوں گا
نہ تو آوے نہ جاوے بے قراری	یوں ہی اک دن سنا میں مر رہوں گا
ترے نعم کے ہیں خواہاں سب کھا غم	کئی کیا ہوگی جو اک میں نہ ہوں گا
اگر جیتا رہا میں میرے رازِ یار	تو شب کو موبو قصہ کہوں گا
رکھتا تھا ہاتھ میں سرشت بہت سینے کا	روگیا دیکھ رفو چاک مرے سینے کا
اسی طیش لو ہو پئے میرا تو جھوٹ کے	کس سے یہ قاعدہ سیکھا ہو پونے کا
اس میں حیران ہوں کس کس کا کھاتھ کرے	بدگمانی کا تغافل کا ترے کینے کا
میر کی نبض پہ رکھ ہاتھ لگا کئے طیب	کج کی رات یہ بیمار نہیں جینے کا
عشق سے دل یہ تازہ داغ جبلا	اس سیہ خانہ میں چسپاں جلا
میر کی گرمی تم سے چسپاں آو	کس سے ملتا آو یہ داغ جبلا
ردیف البار	
اندوہ سے ہوئی نہ رہائی تمام شب	مجھ دل زدہ کو نیند نہ آئی تمام شب
جب میں شروع قصہ کیا آنکھیں کھول دیں	یعنی تھی مجھ کو چشم نمائی تمام شب
پیشک چلی گئی تھی ستاروں کی صبح تک	کی آسمان نے دیدہ درائی تمام شب
سخت سیہ نے دیر میں کل یادری سے کی	تھی دشمنوں سے اُس کو لڑائی تمام شب
بیٹھے ہی گزری وعدے کی شب نہ پھرا	ایذا عجب طرح کی اٹھائی تمام شب
سناہٹ سے دل سے گزر جائیں سو کہاں	بلبل نے گو کی نالہ سرائی تمام شب
تارے سے میری ہلکوں پر قطرے برشکے	دیتے ہیں میر دھکا کی تمام شب

داع ہوں جلتا ہر دل بے طور اب زخم دل غائر ہو پہنچا تا جگر	دیکھئے کیا گل کھلے ہو اور اب تم لگے کرتے ہماری غور اب
شعر پڑھتے پھرتے ہیں سب میرے اس قلمرو میں ہواں کا دور اب	
وہ جو کشش تھی اس کی طرف سے کہاں اب اتنا بھی منہ چھپانا خط آئے پہ جب کیا سپھول اس چمن کے دیکھئے کیا کیا جھڑے ہیں حق و ملک میں و فلک سب نکل گئے نکلی تھی اُس کی تیغ ہوئے خوش نصیب لوگ زردی رنگ ہو نیم پوشیدہ پر دلیل پیش از دم سحر ہوا رونا لہو کا دھکیم نالاں ہوئے کہ یاد ہمیں سب کو دے گئے	تیر و کہاں ہو ہاتھ میں سینہ نشاں ہو اب لڑکا نہیں ہو نام خدا تو جواں ہو اب سیل بہار آنکھوں سے میری رواں ہو اب بارِ گران و عشق و دل ناتواں ہو اب گردن جھکائے میں تو سنا یہ اماں ہو اب دل میں جو کچھ ہو منہ سے الگ عیاں ہو اب پھولے ہو جیسے ساجھ دی بیاں سماں ہو اب گلشن میں عندلیب ہماری زباں ہو اب
برسوں ہوئے گئے آگے پر بھولتا نہیں یادش بخیر تیرے خوش جہاں ہو اب	
شبِ نیم سے کچھ نہیں ہو گل و پاسن میں اب لوسدھ شباب فاختہ گر یہ ناک کی سوزش بہت ہو دل میں تو آنسو کو بی نہ جا تھا گوش زد کہ گوروں میں لگ لگاتے ہو آگ جی ڈوب جائے دیکھیں جہاں بھر نظر ادھر لبِ شنگانِ عشق کے ہیں کام کے وہ لعل تب قیس جنگلوں کے تئیں آگ دے گیا سن سوزِ دل کو میرے بہت روئی راتِ شمع	دیکھ اس کو بھر بھرا ہے سب کے دہن میں اب آیا نہیں ہو دیر سے جوئے چمن میں اب کرتا ہو کام آگ کا ایسی جلن میں اب یہاں دل بھرے ہوئے کے سبب ہو فلن میں اب تم کہتے ہو نہیں مرے چاہ و ذقن میں اب کیا اب کو جو ہو دوسے عقیق یمن میں اب اہم بھر چلے ہیں رونے سے اب بے بن میں اب بیرون بزم لائے ہیں بھنسنے لکن میں اب
دیکھو تو کس روانی سے کہتے ہیں شعر میرے دُور سے ہزار چند ہواں کے سخن میں اب	
جیسا مزاج آگے تھا میرا سوکھ ہو اب	ہر روز دل کو سوز ہے ہر شب تعب ہو اب

سُدا کچھ سنبھالتے ہی وہ معسر در ہو گیا دوری سے اس کی آہ عجب حال میں ہیں لوگ طاقت کہ جس سے تاب جفا تھی سو ہو چکی دریا چلا ہے آج تو بوس و کنار کا جاں بخشیاں جو پیشتر از خط کیا کئے رنجش کی وجہ آگے تو ہوتی بھی تھی کوئی لے چاہ وہ اُسے ہے نہ مجھ کو ہے وہ دماغ	سہر آن بید ماعنی دہر دم غضب ہے اب کچھ تھی جو پاس نہ کرے تو عجب ہے اب ستھوڑی سی کوفت میں بھی بہت تعب ہے اب گر جی چلائے کوئی دانا تو ڈھب ہے اب اُن ہی لبوں سے خلق خدا جلد لب ہے اب رو پوش ہم سے پار جو بے سبب ہے اب جانا مرا ادھر کو بشرطِ طلب ہے اب
---	--

جاتا ہوں دن کو لے تو کتنا ہے دن کو میر
جو شب کو جائے تو کہے ہے کہ شب ہے اب

عشاق کے تئیں ہے عجز و نیاز واجب یوں سرفرو نہ لائے ناداں کوئی و گرنہ ناسازی طبیعت ایسی پھر اُس کے اوپر لڑکا نہیں رہا تو جو کم تمیز ہووے	ہے فرض عین رونا دل کا گداز واجب رہتا سجد میں ہے جیسے نماز واجب ہے ہر کسو سے مجھ کو ناپار ساز واجب عشق و ہوس میں اب ہے کچھ امتیاز واجب
---	--

صرفہ نہیں ہے مطلق جانِ عزیز کا بھی
اے میر تجھ سے ظالم ہے احتراز واجب

تابوت پر بھی میرے نہ آیا وہ بے نقاب اس آفتابِ حسن کے جلوے کی کس کو تاب اس عمر برق جلوہ کی فرصت بہت ہے کم غفلت سے ہے غرور تجھے ورنہ ہے بھی کچھ اس موج خیز دہرنے کس کے اٹھائے ناز یہ بستیاں اُجڑے گئیں بستیاں بھی ہیں بیتا بیاں بھری ہیں مگر کوٹ کوٹ کر ملک دل کے نسخے ہی کو کیا کر مطالعہ	میں اٹھ گیا ولے نہ اٹھا بچ سے حجاب آنکھیں اُدھر کئے سے بھرتا ہے وہیں آب جو کام پیش آوے تجھے اس میں ہوشیاب بھاں وہ سماں ہے جیسے کہ دیکھے کوئی خواب کچھ بھی ہوا نہ خوب کلد گوشہ حباب دل ہو گیا خراب جہاں پھر رہا خراب خرقے میں جیسے برق ہماے ہے اضطراب اس درس گہ میں حرف ہمارا ہے اک کتاب
---	--

لے نظری سے توبہ حسین چہ کردی کہ ہا کنی نظری ۔ بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

مجنوں نے ریگ باد سے دل کے غم گئے کاش اس کے روبرو نہ کریں مجھ کو حشر میں شاید کہ ہم کو بوسہ بہ پیغام دست نے ہو ان بھوؤں میں خال کا نقطہ دلیل فہم	ہم کیا کریں کہ غم ہیں ہمارے تو بے حساب کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب پھرتا ہو بیچ میں تو بہت سا غر شراب کی ہو سمجھ کے بیت کسوٹے یہ انتخاب
--	--

گزرے ہو پتھر لوٹتے دن رات آگ میں
ہو سوز دل سے زندگی اپنی ہمیں عذاب

جو کہو تم سو ہو بجا صاحب سادہ ذہنی میں نکتہ چیں تھے ہم نہ دیا رحم ملک بہتوں کے تئیں بندگی ایک اپنی کیا کم ہو مہر افزا ہو منہ تمہارا ہی خط کے پھٹنے کا تم سے کیا شکوہ پھر گئیں آنکھیں ہم نہ آن پھرے شوق رخ یاد لب اغم دیدار بھول جانا نہیں غلام کا خوب	ہم بڑے ہی سہی بھلا صاحب اب تو ہیں حرف آشنا صاحب کیا کیا ہائے یہ خدا صاحب اور کچھ تم سے کیے کیا صاحب کچھ غضب تو نہیں ہوا صاحب اپنے طالع کا یہ لکھا صاحب دیکھا تم کو بھی واہ وا صاحب جی میں کیا کیا مرے رہا صاحب یاد خاطر رہے مرا صاحب
---	--

کس نے سن شعر میر یہ نہ کہا
کیونچہ ہائے کیا گما صاحب

عجب صحبت ہو کیونکر صبح اپنی شام کر لے اب ہزاروں خواہش مردہ نے سر دل سے نکالا ہو بلا آشوب تھا گو جان پر آواز اُلفت میں بہت کی یا صغیر گویا آئے مشہور کا فر ہم زباں خامہ کے ہلتے ہی ہزاروں اشک گئے ہیں کہاں تک کام ناکام اس جفا جو کے لئے مرے	جہاں ملک آن بیٹھے حکم آرام کر لے اب قیامت جی پہ ہو دیدار کو ملک عام کر لے اب ہوا سو تو ہوا اندیشہ انجام کر لے اب وظیفہ کوئی دن اپنا خدا کا نام کر لے اب حقیقت اپنے دل کی آہ کیا ارقام کر لے اب اگر تلوار ہاتھ آئے تو اپنا کام کر لے اب
--	---

فساد شلخ در شلخ اس نہال حسن کے غم کا
کہاں اسی پتھر بے برگ دلوں کا نام کر لے اب

برقع میں کیا پھپھیں دے ہو دیں جنہوں کی یہ تاب
 اُنکل نہیں کو اُن نے آخر ہر ہفت بستایا ہے
 کچھ قدر میں نہ جانی غفلت سے رنگاں کی
 اُن بن ہی کے سبب ہیں اس لالچی سے سائے
 اس بحرِ حسن کے تئیں دیکھا ہو آب میں کیسا
 اچرچ ہے یہ کہ مطلق کوئی نہیں ہو خواہاں
 سخی چشم یہ رُکے گا پلکوں سے گریہ لیکن
 تو بھی تو مختلط ہو سہرے ہیں ہم سے ساقی
 نکلی ہیں ابلی کلیاں اس رنگ سے چمن میں

رُخسار تیرے پیائے ہیں آفتاب مہتاب
 ہر چند ہم بلا کش تھے ایک تیر پر تاب
 آنکھیں سی کھل گئیں اب جب جتن میں خواب
 یہاں ہو فقیری محض وہاں چاہئے ہی اسباب
 جاتا ہو صدقے اپنے جو لحظہ لحظہ گرداب
 جنس وفا اگرچہ ہیگی بہت ہی کیا اب
 ہوتی ہو بند کوئی تنکوں سے راہ سیلاب
 لیکر بغل میں ظالم میسنائے بادۂ ناب
 سر جوڑ جوڑ جیسے مل بیٹھتے ہیں احباب

کیا لعل کہو کے اے میر چت چڑھے ہیں
 چہرے پہ تیرے ہر دم بہتا رہے اے خونِ ناب

روایت التار

دیر کچھ کھینچتی تو کہتے بھی ملاقات کی بات
 گفتگو شاہد دے سے ہی نہ غیبت نہ گلہ
 سن کے آواز سب یار ہوئے ہم خاموش
 مٹے اوجھ اور سخن زیر لبی غیب کے ساتھ
 اس لئے سب سے چپکا کہ پڑے شہر میں شور
 یہ کس آشفقت کی جمعیت دل تھی منظور

ملنا اپنا جو ہوا اُس سے سودہ بات کی بات
 خالقہ کی سی نہیں بات خرابات کی بات
 بولتے وہاں ہیں جہاں ہو کسوات کی بات
 اس فریب بندہ کی ناگفتنی ہو گھات کی بات
 ہم سمجھتے ہیں یہ شادی و طامات کی بات
 بال بچھڑے ترے منہ پر ہیں رات کی بات

گفتگو و صفوں سے اس ماہ کے کر لے اے میر
 کاش افزا ہو کروں اُس کی اگر ذات کی بات

ہم تم سے چشم رکھتے تھے دلداریاں بہت
 دیکھیں تو کیا دکھائے یہ افراطِ اشتیاق
 جب تک لمبے جلے سے جھائیں تھیں اٹھ سکیں
 آزار میں تو عشق کے جاتا ہو بھول جی

سو التفات کم ہو دل آزاریاں بہت
 لگتی ہیں تیری آنکھیں ہیں پیاریاں بہت
 کرنے لگے ہو اب تو ستم گاریاں بہت
 یوں تو ہوئیں تھیں یا ہیں بیماریاں بہت

	<p>شکوہ خراب ہونے کا کیا چاہنے میں میر ایسی تو ای عزیز ہیں یہاں خواریاں بہت</p>	
<p>شور و شر سے میرے اک فتنہ رہا کرتا تھا رات سینہ چاکی اپنی میں بیٹھا کیب کرتا تھا رات ہر گلی میں اک فقیر اس کو دعا کرتا تھا رات میں کہا کرتا غم دل وہ سنا کرتا تھا رات زرد رخ پر لالہ گول آنسو بہا کرتا تھا رات وہ سخن نشنو جو ٹک میرا کہا کرتا تھا رات جوں چراغ دقعت دل کاسب جلا کرتا تھا رات میں بھی ہر ہر بہت پر اس کے بکا کرتا تھا رات</p>	<p>یاد ایامی کہ ہنگامہ رہا کرتا تھا رات کام کیا تھا جیب دامن سے مجھے پیش از جنوں جن دنوں کھینچا تھا سر اس بادشاہ حسن نے اب جہاں کچھ بات چھڑی سوچ لایا پیش ازین ہجر میں کیا کیا سے دیکھے ہیں ان آنکھوں سے میں کیا کموں پھر کیسے کیسے دن دکھاتا سا لہما دیکھنے والے ترے دیکھے میں ہر شے شمع بعد میرے اس غزل پر بھی بہت دویں لوگ</p>	<p>دیکھ خالی جا کہیں گے برسوں اہل روزگار میر اکثر دل کا قصہ یہاں کہا کرتا تھا رات</p>
<p>گویا وفا ہو عہد میں اس کے کبھو کی بات گر سبز بھی ہوا ہوں تو جیسے کسو کی بات کہنے جہاں کہوں یہ تو ہے رو برو کی بات گلزار میں چلی تھی کہیں اس کے رو کی بات کیا اعتبار رکھتی ہو اس پوچ گو کی بات چل بھی پڑی ہو بات تو اس تند خو کی بات</p>	<p>کیا کوئی زلفت یار سے حرف و سخن کرے رکھتی ہو میر طول بہت اس کے مو کی بات</p>	<p>کیا پوچھتے ہو آہ مرے جگ جو کی بات اس بانع میں نہ آئی نظر خسرو مری آئینہ پانی پانی رہا اس کے سامنے سر گل نے پھر جھکا کر اٹھایا نہ شرم سے حرم میں مہ کے گننے سے واعظ کے ہر فتور ہم سوختوں میں آتش سرکش کا ذکر کیسا</p>
<p>پر منہ پہ آہی جانی ہو بے اختیار بات آپس میں یوں تو ہوتی ہو یار و ہزار بات اس تھوڑے سن و سال میں یہ پیچیدہ بات پاؤں کی سائے شہر میں جب اشتہار بات گلاب آدمی کی جنس کرے ہو پکار بات</p>	<p>سنتا نہیں اگرچہ ہمارا نگار بات بلبل کے بولنے سے ہو کیوں بے دماغ گل منہ تک ہو جو ہو وہ فریبندہ حرم زن بوسہ چپکے لب کا کہ تب کچھ نہیں مزا ہر کس کی صوت انکرا صوت واعظ</p>	

آہو کو اُس کی چشم سخن گو سے مت ملا
یوں بارِ گل سے ابھی اچکے ہیں نہالِ بانع
آزردہ دل کو حرف پہ لانے کا لطف کیسا
میرجاں کوئی کے ہو کوئی ان لبوں کو لعل

یوں چپکے چپکے میسر تلف ہو گا کب تلک
کچھ ہووے بھر کر اس سے بھی کر ایک بار بات

ہوتی ہو کر چہ کہنے سے یار و پرانی بات
جانے نہ تجھ کو جو یہ تصنع تو اُس سے کر
لگ کر تدرورہ گئے دیوارِ بانع سے
کہتے تھے اُس سے لیے تو کیا کیا نہ کیے لیک
اب تو ہوئے ہیں ہم بھی ترے ڈھب آشنا
بلبل کے بولنے میں سب انداز ہیں مرے
بھر کا تھارات دیکھ کے وہ شعلہ خوب مجھے
عالم سیاہ خانہ ہو کس کا کہ روز و شب
اک دن کہا تھا یہ کہ خموشی میں ہر دستار
اب مجھ ضعیف و زار کو مست کچھ کمال کرو

خط لکھتے لکھتے میسر نے دفتر کے رواں
افراطِ اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

ہو زبان زد جو سکندر ہو چکا لشکر سمیت
چشمے آبِ شور کے نکلا کریں گے وہاں جہاں
ہم اُٹھے روئے تولی گردوں نے پھر راہِ گریز
مستی میں شرم گنہ سے میں جو رو یا ڈاڑھ مار
بعث اپنا خاک سے ہو گا جو اس شورش کی ساتھ
کب تلک یوں لو ہو پیتی ماتھ اٹھا کر جان سے
گنجِ قاروں کا سا پھاں کس کے کئے تھا سو تو تیر

سہر بھی اس کا کھپ گیا آخر کو جہاں افسر سمیت
رکھیں گے مجھ تلخ کامِ غم کو چشمِ تر سمیت
بیٹھ جائے گا یہ ماتمِ خانہ بامِ دور سمیت
گر پڑا بیخود ہو و اعظا جمعہ کو منبر سمیت
عرش کو سر پر اٹھالیوں گے ہم مخشر سمیت
وہ کمر کوئی میں بھر لی ہم نے کل خنجر سمیت
خاک میں ملتا ہو اب تلک اپنے مال و زر سمیت

کوفت گزے ہو فراق پار میں جی پر بہت
جیسے رہ پڑتا ہے دشمن کا کہیں لشکر بہت
عشق تیرا کام ہے تو ہے بغل پر در بہت
مدعی پر چاک سے اس کی پڑ گیا ہے در بہت
ان گئی کوچوں میں ہم نے کھائے ہیں پھر بہت
اس کے تو نے دیکھی ہے غلطی گو بہت
رہ گئے ہیں مجھ سے کوئے پار میں مگر بہت
اب عنایت پار کی رہتی ہے کچھ ایدھر بہت

دیکھے کب ہو وصال اب تو لگے ہو در بہت
دل کی ویسی ہے خرابی کثرت اندوہ سے
ہنہشیں جا بیٹھ محنت کش کوئی دل چاہے
بس نہیں مجھ نا تو اس کا ہائے جو کچھ کر سکوں
سخت کر جی کیونکہ یکبارگی کریں ہم ترک شہر
دیکھ روئے زرد پر بھی میرے آنسو کی دھلک
ہمنفس کیا مجھ کو تو رویا کرے ہے روز و شب
کم مجھی سے بولنا کم آنکھ مجھ پر کھولنا

کیا سبب ہے اب یہاں پر جو کوئی پاتا نہیں
میسر صاحب آگے تو رہتے تھے اپنے گھر بہت

جلے کو اور تو آنا جلا مت
ہمارا آہ تم کا ٹو گلا مت
نہ وہ اب ریلے صاحب جلا مت
نہ چاہت کی چھی ہم سے جلا مت

لامت گر نہ مجھ کو کر لامت
گلے مل عید قرباں کو سمجھوں کے
تری نا آشنائی کے ہیں بندے
بہت روئے نے رسوا کر دکھایا

کھو تلوار وہ مینے ہے اس میسر
لڑی قسمت تو سر کو تک لامت

ردیف جیم فارسی

صبح کی باد نے کیا چھونک دیا کان کے بیچ
اک خلافت آیا نہ ہست دو مسلمان کے بیچ
وہ لغت میں کج ہے حضرت انسان کے بیچ
ہی نہ اک طرح کی نسبت سگ در بان کے بیچ
ویسی ہی ان کی بھی ہوگی سر دیوان کے بیچ
پکڑی ابھی ہے مری اب تو بیابان کے بیچ
رہنے پڑ جائیں گے واعظ ترے ایمان کے بیچ

آگ سا تو جو ہوا اس گل تر آن کے بیچ
ہم نہ کہتے تھے کہیں زلف کہیں رخ نہ دکھا
باوجود ملکیت نہ ملک میں پایا
پاسباں سے ترے کیا دور جو ہماز رقیب
جیسی عزت مرے دیوان کی امیروں میں ہوئی
ساتھ ہی اس سرعریاں کی یہ وحشت کرنا
مے پھر بلکیں اگر کھب گئیں جی میں تو وہیں

کہا کہوں غولی خطا دیکھ ہوئی بسند آواز
گھر میں آئینہ کے کب تک تھیں نازاں دیکھوں
سسر گویا کہ دیا اُن نے مجھے پان کے پنج
کبھو تو آؤ مرے دیدہ حیران کے پنج

میر زانی کا کب ای میر جلا عشق میں کام
کچھ لقب کھینچنے کو تاب تو ہو جان کے پنج

عشق میں ای طیب ہاں ٹک سوچ
بے تامل ادائے کیں مست کر
سرسری مست جہاں سے جا غافل
پھیل اتنا پڑا ہو کیوں بھیاں تو
ہونٹھ اپنا ہلانہ سمجھے بن
گل و رنگ و بہار پر دے ہیں
پائے جاں درمیاں ہو بھیاں ٹک سوچ
قتل میں میسر مہاں ٹک سوچ
پانوں تیسرا پڑے جہاں ٹک سوچ
یار اگلے گئے کہاں ٹک سوچ
یعنی جب کھولے تو زباں ٹک سوچ
ہر عیاں میں ہو وہ نہاں ٹک سوچ

فائدہ سر جھکے کا شیب میں میر
پیری سے آگے ای جواں ٹک سوچ

دل کھو گیا ہوں میں نہیں دیوانہ پن کے پنج
کیا جانے دل میں چاؤ تھے کیا کیا دم و سال
کتناں سے جا کے مصر میں یوسف ہوا عزیز
شن ای جنوں کہ مجھ میں نہیں کچھ سولے دم
سہ سہ ہند ہی ہیں نہیں کچھ پیر یختہ
ستھرائی اور ناز کی گلہ رنگ کی درست
بلبل خموش دلالہ دگل دونوں سُرخ و زرد ق
کل ہم بھی سیر باغ میں تھے ساتھ یاد کے
یا ساتھ غیر کے ہر تھمیں ویسی بات چیت ق
یا پاس میرے لگتی ای چپ ایسی آن کر

تم بھی تو دیکھو زلفِ شکن و شکن کے پنج
مہجور اس کا تھا ہمہ حسرت کفن کے پنج
غرت کسوی ہوتی نہیں ہو وطن کے پنج
تار ایک رہ گیا ہو یہی پیر ہن کے پنج
ہو دھوم میسر شرعی سائے دھن کے پنج
پرو لسی بو کہاں کہ جو ہو اس بدن کے پنج
شمشاد محو بیکلی اک لستن کے پنج
دیکھا تو اور رنگ ہو سائے چمن کے پنج
سو سو طرح کے لطف ہیں اک اک سخن کے پنج
گویا زباں نہیں ہو تھاسے دہن کے پنج

فرار و قیس و میر
یوں ہی گئے ہیں سب کی رہی من کی من کے پنج

جھوٹ ہر چند نہیں یار کی گفتار کے پنج
دیر لیکن ہو قیامت ابھی دیدار کے پنج

خونے بکنے کو چلے آئے ہیں بازار کے بیچ
جان ہو ورنہ کب اس کے گسو بیار کے بیچ
بال جو اور گھر سے لگے دستار کے بیچ
زندگی کی نہیں امید اس بازار کے بیچ
جنس یہ بکتی نہیں آپ کی سرکار کے بیچ
میں نے موتی سے پروئے ہیں ہر خار کے بیچ
خوبی عاشق کی نہیں عشق کے انہار کے بیچ

کس کی خوبی کے طلبگار ہیں عزت طلباں
خضر و عیسیٰ کے تئیں نام کو جیتا سن لو
اگلے کیا بیچ تمھارے نہ تھے بس عاشق کو
عشق ہو جس کو ترا اس سے تو رکھ دل کو جمع
ہم بھی اب ترک وفا ہی کریں گے کیا کریے
دیدنی دشت جنوں ہو کہ پھپھو لے پا کے
پروہ اٹھتا ہو تو پھر جان پر آنتی ہو

اس زمیں میں غزل اک اور بھی موزوں کر میر
باتے ہیں زور ہی لذت تری گفتار کے بیچ

جی لئے اُن نے ہزاروں کی یونہی پیار کے بیچ
اور رہ جائے تری ایک ہی تلوار کے بیچ
جی ہی دینا پڑے ہو عشق کے اقرار کے بیچ
یہی ہنکار سی ہو مرنے گفتار کے بیچ
حیث میں اپنی نکالی ہو اسی ہار کے بیچ
لطف نکلے ہیں ہزاروں تری رفتار کے بیچ
موسم رفتہ بھی پھر آئے ہو گلزار کے بیچ
کن نے گاڑی ہیں نگاہیں تھے رخسار کے بیچ
یہ جگر داری تھی کس خود کے سزاوار کے بیچ
والے تسبیح کے ہیں رشتہ زنا کے بیچ

آتی ہر خون کی بو دوستی یار کے بیچ
حیف وہ کشتہ کہ سو رنج سے آف تجھ تک
گرچہ چھپتی نہیں ہو چاہ پہرہ منکر پاک
نالہ شب آئے قفس سے تو گل لباس پہ نہ جسا
اُنس کرتا تو ہو وہ مجھ کو خرد بانستہ جان
چال کیا کبک کی اک بات چلی آتی ہے
تو جو جاتا ہو چین میں تو تماشے کے لئے
دایع چپک نہ اس لفظ سے تھے کھڑے پر
گئے شمشیر زنی سے کف نازک میں ہیں
تو بہ صد بار کہ مستی میں پرو ڈالے ہیں

حلقہ گیسوے خوباں پہ نہ کر چشم کو دا
میر امرت نہیں ہوتا دہن بار کے بیچ

روایت حلی

ہر گام پر تلف ہوئے آب رواں کی طرح
جہتی لگے ہو سب کو مرے بد زباں کی طرز

آنے کی اپنے کیا کہیں اس گلستاں کی طرح
کیا میں ہی چھڑ چھڑ کے کھاتا ہوں گالیاں

اب تازہ یہ نکالی ہو تم نے کہاں کی طرح
سیکھی ہو عندلیب نے ہم سے فغاں کی طرح
کچھ اور ہو گئے جو کسوختہ جاں کی طرح
نکتے ہیں ساری عرش میں ہر ہنر کاں کی طرح
میری غزل پڑھی تھی شکاکِ فضا خواں کی طرح
ملتی تھی سروبان میں کچھ اس جواں کی طرح
ڈالی جن میں ہم نے اگر آشیاں کی طرح

آگے تو بے طرح نہ کبھو کہتے تھے ہمیں
یہ شورِ دل خراش کب اٹھتا تھا باغ میں
کرتے تو ہوستم پہ نہیں رہنے کے حواس
نقشہ آہی دل کا مرے کون لے گیا
مرغِ جن نے زور رلا یا سمجھوں کے تئیں
لگ کر گلے سے اُس کے بہت میں بکا کیا
جو کچھ نہیں تو بجلی سے ہی بھول پڑ گیا

یہ باتیں رنگ رنگ ہماری ہیں ورنہ میر
آجاتی ہو کلی میں کبھو اس رہاں کی طرح

بھرنے آدیں کیونکہ آنکھیں میری پانے کی طرح
اُس کی آمد میں ہو ساری گھل گئے کی طرح
سیکھ لی تاروں نے اُس کی آنکھ جھکانے کی طرح
کوئی تو بتلاؤ اُس کے دام میں لانے کی طرح
اس سحر میں کتنی ہو اس میرے دیوانے کی طرح
عشق نے مدت بچھا ڈالی ہو درائے کی طرح
ہو دل صد چاک میں بھی مرنے سب شانے کی طرح
دیدتی ہو درد مندوں کی بھی مرجانے کی طرح
ڈھونڈ کر اک کارٹھے اب اس کے بھی پانے کی طرح
ایسے دیوانے کو سمجھاتے ہیں سمجھانے کی طرح

دور گردوں سے ہوئی کچھ اور میخانے کی طرح
آسکتا ہو کبھو ہنستا تو ہو بارے وہ سار
چشمِ بیاخ میں اتنی دل کشی آگے نہ تھی
ہم گرفتاروں سے وحشت ہی کرے ہو وہ غزال
ایک دن دیکھا جو اُن نے بید کو تو کہہ اٹھا
آج کچھ شہرِ وفا کی کیا خبر رہی ہو نہی
پہنچ سا کچھ ہو کہ زلفِ مخطیہ ایسا ہو بناؤ
کس طرح جی سے گزر جاتے ہیں آنکھیں موند کر
ہو اگر ذوقِ وصال اس کا تو جی کھو بیٹھے
یوں بھی سر چڑھتا ہو ای صاحب کوئی مجھ سے کہ ہے

جان کا مرنے نہیں ہو کچھ تجھے کڑھنے میں میر
غم کوئی کھاتا ہو میری جان غم کھانے کی طرح

رولیت خاں معجم

اگرچہ لعل بدخشاں میں رنگِ ہنگ ہو شوخ
یہ تیرے دونوں لبوں کا بھی کیا ہی رنگِ شوخ
لے مولا! حالیؔ کی نصیحتِ بڑی طرح ناصح : اور اک پس ملا دیا پس میں

کبھو تو نیو چلا کر ستم کھنچیں کب تک سکھائیں کن لے تجھے آہ ایسی اچلیسیاں بغیر بادہ تو یوں گرم آکے کب ملت جگر میں کس کے ترے ہاتھ سے نہیں سوراخ صنم فراق میں میں تیرے کچھ تو کر رہت خیال چاہ کے سر رشتے کا تجھے کب ہو ابھی تو آنے میں عرصہ ہے کچھ قیامت کے	کہاں کے طور سے تو سخت خانہ جنگی ہو شوخ کہ برق پر تری شوخی سے کام تنگ ہے شوخ نشہ ہے زور تجھے اُس کی یہ تنگ ہے شوخ ملک تلک تو ترا زخمی خدنگ ہے شوخ پہ کیا کروں کہ مرا ہاتھ زیر سنگ ہے شوخ ترے تو ہاتھ میں شام و سحر تنگ ہے شوخ قد بلند کو کھینچ اپنے کیسا درنگ ہے شوخ
---	---

برآز مہیر سے کس طرح تیری صحبت ہو
تجھے تو نام سے اُس خستہ جاں کی تنگ ہے شوخ

روایت دال

رہے بغیر تیرے ای رشک ماہ تا چند اب دیکھنے میں پیائے ٹک تو بڑھ اعدا خط سے جو ہو گرفتہ وہ مہ نہیں نکلتا عمر سبز ساری منت ہی کرتے گزری یہاں ناز و سرکشی سے کیا دیکھتا نہیں ہو جب مہ ادھر سے نکلا جانا وہ گھر سے نکلا	آنکھوں میں یوں ہمارے عالم سیاہ تا چند کو تاہ تریلک سے ایدھر نگاہ تا چند مانند چشم اختر ہم دیکھیں راہ تا چند بے جرم آہ رہے یوں عذر خواہ تا چند بچ اس چمن میں ٹھہری گل کی کلاہ تا چند رکھتا ہے داغ دیکھیں یہ اشتباہ تا چند
--	---

ایذا بھی کھنچ چکے گر جو ہفتے عشرے کی ہو
اس طرح مرتے رہے ای مہیر آہ تا چند

تجھ بن ای نو بہار کے مانند پہنچی شاید جگر تک آتش عشق کو دماغ اُس کی رہ سے اٹھنے کا کوئی نکلے کلی تو لالہ کی سرو کو دیکھ محش کیا ہم نے ہار کر شب گئے پڑے اُس کے	چاک ہو دل انار کے مانند اشک ہیں سب شزار کے مانند بیٹھے اب ہم غبار کے مانند اس دل داغ دار کے مانند تھا چمن میں وہ یار کے مانند ہم بھی بھولوں کے ہار کے مانند
---	--

برق تڑپی بہت دے نہ ہوئی
اُن نے پھینچی تھی صید گہ میں تیغ
س دل بے تسرار کے مانند
ق برق ابر بہار کے مانند
ہم بھی دُبلے شکار کے مانند
تو بھی مجھ دل نگار کے مانند
رخم کھا بیٹھو جگر پرست

اُس کی سرتیز ہر پلک ہر تیز
نہنجہ آبدار کے مانند

آواز ہماری سے نہ رک ہم ہیں دعا یاد
ہر آن وہ انداز ہو جس میں کہ کہے جی
کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری
کیفیتیں عطار کے لونڈے میں بہت تھیں
کیا جاے کسی بوس لب یار کی لذت
جی بھول گیا دیکھ کے چہرہ وہ کتابی
سب غلطی رہی بازی طفلانہ کی یکسو
کہے تو گئے بھول کے ہم دیر کا رستہ
اُسے گی بہت ہم بھی فقیروں کی صدا یاد
اُس مختصر عروج کو کیا کیا ہوا یاد
اپنی بھی وفا یاد ہو اُس کی بھی جفا یاد
اس نسخے کی کوئی نہ رہی حیف دوا یاد
جب تک جنیں گے ہم کو رہے گادہ مزا یاد
ہم عصر کے علامہ تھے پر کچھ نہ رہا یاد
وہ یاد فراموش تھے ہم کو نہ کیا یاد
اُٹا تھا دے راہ میں ہر گام خدا یاد

اک لطف کے شرمندہ نہیں یہ ہم اس سے
گو بھیاں سے گئے اُن نے بہت ہم کو کیا یاد

سیر کر کے نہ لی تو نے تو خبر صیاد
پھر میں گے لوٹے تھیں چمن میں بادے ساتھ
رہے گی ایسی ہی گزری ہیں اس سال
چمن کی یاد کی آتے خبر نہ اتنی رہی
شکستہ بالی کو چاہے تو ہم سے ضامن کے
ہوانہ وا در گلزار اپنے ڈھب سے کھو
سنا ہی بھڑکی ہوا بجی بہت ہی آتش گل
اڑا کے مرے پر کالہ جگر صیاد
موتے گئے بھی مر مشیتِ بال و پر صیاد
تو دیکھو کہ رہے ہم نفس میں مر صیاد
کہ میں کہہ ہوں کہہ ہوں کہہ ہوں کہہ صیاد
شکار موسم گل میں ہمیں نہ کر صیاد
کھلا سو منہ پہ ہمارے نفس کا در صیاد
چمن میں اپنے بھی ہیں خار و خس گھر صیاد

لے میس کیا سادہ ہیں بیمار ہو جس کے سبب
لے گو بھیاں سے گئے یعنی بھیاں سے چلے جاتے پر ۱۲
اُس عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں
۱۲ موتے گئے یعنی مرے اور چلے جاتے پر بھی ۱۲

گلی بہت رہیں چاک نفس تھکھیں لیک	پڑا نہ ایسی کوئی پھول گل نظر صیاد
اسیر رہ نہ ہوتے اگر زباں رہتی	ہوئی ہماری یہ خوش خوالی سحر صیاد
لڑکے پھر آئے ڈر گئے شاید سب پریشان دلی میں شب گزری کچھ خبر ہوئی تو نہ ہوتے خبر ہیں مکان دسرا وجہ خالی آنکھ آئینہ رو چمپاتے ہیں لوہو آنکھوں میں اب نہیں آتا اب کہیں جنگلوں میں ملتے نہیں بیٹلی بھی نفس میں ہر دشوار	بگڑے مجھے چھ سنور گئے شاید بال اُس کے بکھر گئے شاید صوفیاں بے خبر گئے شاید یار سب کوچ کر گئے شاید دل کو لے کر مکر گئے شاید زخم ابل کے بھر گئے شاید حضرت خضر مر گئے شاید کام سے بال و پر گئے شاید
شور بازار سے نہیں اُٹھتا	راستہ کو میسر گھر گئے شاید
بہی تھی کچھ اک اُس سے مدت بعد جس دلی کے حالات میں کیا کہوں موا کو کہن بے ستوں کھود کر لگا آگ پانی کو دوڑے ہو تو کے کو ہمارے کب اُن نے سنا سخن کی نہ تکلیف ہم سے کرو	سو پھر بگڑی پہلی ہی صحبت کے بعد قیامت تھی ایک ایک ساعت کے بعد یہ راحت ہوئی ایسی محبت کے بعد یہ گرمی تری اس شرارت کے بعد کوئی بات مانی سو منت کے بعد لوٹیکے ہو اب شکایت کے بعد
نظر میں رہنے کیسی حسرت کی	بہت روئے ہم اُس کی نصرت کے بعد
روایت ہے مہلم	
رفقار میں یہ شوخی رحم ای جواں زیں پر	لاتا ہوا تازہ آفت تو ہر زماں زیں پر
لے لائے گل و گلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر پو تو گرفتار ہوئی اپنی مدد کے باعث	

آنکھیں لگی رہیں گی برسوں وہیں سبھوں کی
میں مشت خاک یارب بارگراں غم تھا
آنکھیں ہیں بچھ رہی ہیں لوگوں کی تیری میں
خاک سیہ سے یکساں ہر ایک ہو گئے تو
چشمے کہیں ہیں جو شان جو تک کہیں ہیں جاری
آتا نہ تھا فروسہ جن کا کل آساں سے
جو کوئی یہاں سے گزرا کیا آپ نے گزرا
پھر بھی اٹھالی سر پر تم نے زمین سب آکر
کچھ بھی مناسبت نہ کی یہاں عجز وہاں تکبر
پست و بلند یہاں کا ہو اور ہی طرف سے
قصرِ جہاں تو ہم نے دیکھا نہیں جو کہے
یہاں خاک سے انھوں کی لوگوں نے گھر بنائے

کیا سر جھکا سہ ہو تیرا اس غل کوں کر
بار سے نظر کرو دکھ ای مہرباں نہیں پر

کیا کیا نہ ہم نے کھینچے آزار تیری خاطر
غیروں کی بے داغی بیتابی چھاتی داغی
کیا جانے کہ ہو تو کیا جنس بیش قیمت
اکبار تو نے اگر خاطر نہ رکھی میسری
میں کیا کہ آہ کافر دین کے اکابر دین نے
گودیل دھسک ہی جائے آنکھیں ابل ہی دیں
ایک آن تیری ابرو ایدھر جھکی نہ پائی
کیا چیز ہو تو بیائے مفلس ہیں دل تیرے

مجھ سے دو چار ہونا پھر آہ بن نہ آیا
دی جان میری رچی نے ناچار تیری خاطر

ای صبا گر شہر کے لوگوں میں ہو تیرا گزار
کیوہم صحرا نوردوں کا تمامی حال گزار

خاکِ دہلی سے جدا ہم کو کیا یکبارگی
منصبِ بلبل غزلخوانی تھا سو تو ہو اسیر
طاہر خوش زمزمہ کنجِ قفس میں ہی خموش چہان
برگِ گل سے بھی کیا نہ ایک تلک ہم کو یاد
بے خلش کیونکر نہ ہو گرم سخن گلزار میں
بلبل خوش لہجہ کے جانے پہ گو غوغائیاں
طاہران خوش لب لہجہ نہیں رہتے چھپے
شہر کے کیا ایک دو کو جو میں تھی شہرت رہی
کیا کہوں سوئے چمن ہوتا جو میں سرگرم گشت
شور سن سن کر غزل خوانی کا میرے ہر صنفیر
خوشنوائی کا جنھیں دعویٰ تھا رہجائے تموش
بعضوں کو رشکِ قبولِ خاطر و لطف سخن
ایک کے ہونٹھوں کے اوپر آفریں استاد تھا
رابط کا دعویٰ تھا جن کو کہتے تھے مخلص ہیں ہم
نقل کرتے کیا یہ صحبت منعقد جب ہوتی بزم
بندگی ہو خدمتِ عالی میں ہم کو دیر سے
سو نہ خط ان کا نہ کوئی پرچہ پہنچا مجھے تلک
رفتہ رفتہ ہو گئیں آنکھیں مری دونوں سفید
لگتے گرد و حرتِ لطف آمیز بعد از چند روز
سو تو یک نہ نوشتہ کاغذ بھی نہ آیا میرا پاس
خط کتابت سے یہ کہتے تھے نہ بھولیں گے تجھے
جب گیا میں یاد سے تب کس کا گھر کا ہے کا پاس
اب بیاباں دریاں ہو مرا شور و فغاں
ہو مثل مشہور یہ عمر سفسر کوتاہ ہو
اک پر افشانی میں بھی ہو یہ وطن گلزار سا

آسماں کو تھی کدورت سو نکالایوں غبار
شاعری زارغ و زغن کا کیوں ہوئے ایشعار
چھپے چڑیاں کریں ہیں صحنِ گلشن میں ہزار
نامہ و پیغام پیش بلے مراتب و درکنار
میں قفس میں ہوں کہ میر تھا دلوں میں خار خار
طرحِ غوغا کی چمن میں ڈالیں پر کیا اعتبار
شور سے ان کے بھرے ہیں قمر و شہر و دیار
شہروں شہروں ملکوں ملکوں کی انھوں کا اشتہار
پھول گل جب کھلنے لگتے خوش زن ہوتی ہمار
غنجہ ہوا آتے ہو ہوتا آب رنگ شاخسار
جن کو میں کرتا مخاطب ان کو ہوتا افتخار
بعضوں کا سینہ دگار و بعضوں کا دل داغ دار
ایک کہتے تھے رفیع دل ہو اپنا استوار
جاتے ہیں ذاتِ سامی ہی کو ہم سب خاکسار
بیٹھ کر کہتے تھے منہ پر میرے بعضے بعضے یار
کر رہی ہو جان اپنی ہم نے حضرت پر تشار
واہ واہی رابطہ رحمت ہو یہ اخلاق و پیار
بسکہ نامے کا کیا یاروں کے میں نے انتظار
تو بھی ہوتا اس دل بیتاب و طاقت کو قرار
اُن ہم آوازوں سے جن کا میں کیا ربط آشکار
آویں گے گھر بار کی تیرے جس کو بار بار
آفریں صد آفریں ای مردمانِ روزگار
گو چمن میں خوش کی تم نے میری جائے نالہ زار
طالع برگشتہ بھی کرتے ہیں اب ابداد کا
سامعوں کی چھاتیاں نالوں سے نہیں گئی دگار

دستِ جانِ خون	<p>ممنہ پر آویں گے سخن آلودہ خونِ جگر لب لے کر تاسخی ہیں نوچکاں شکوے بھر چپ بھلی گوتلو کامی کھینچی اس میں پڑے آج سے کچھ بے حسابی جو رکنِ مردم نہیں بس قلم رکھ ہاتھ سے جانے بھی ہے یہ حرفِ تیر</p>	<p>کیونکہ یارانِ زماں سے چاک ہو دلِ جلاں لیک ہو اظہارِ ہر ناکس سے اپنا تنگے عار بیتِ سخی طبعِ نازک پر ہو اپنی ناگوار اُن سے اہلِ دل سدا کھینچے ہیں رنجِ بیشمار کاہ کے چاہے نہیں کسار ہوتے بیوقار</p>
---------------	---	--

کام کے جو لوگ صاحبِ فن ہیں سو محمود ہیں
بے تلی کرتے رہیں گے حاسدانِ نابکار

<p>آغشتہ خونِ دل سے سخن تھے زبان پر کچھ ہو رہے گا عشقِ دہوس میں بھی امتیاز یہ دوسری کے فنِ فریب اتنی عمر میں محتاج کر خدا نہ نکالے کہ جوں ہلال دیکھا نہ ہم نے چھوٹ میں یا قوت کی کھو کیا رہروانِ راہِ محبت ہیں طرفہ لوگ پہنچانے اس کی داد کو مجلس میں کوئی رات یہ چشمِ شوق طرفہ جگہ ہو دکھاؤ کی بزاؤ کے کو دیکھ کے خرقے بہت پھٹے</p>	<p>رکے نہ تم نے کان ٹک اس داستان پر آیا ہو اب میزاجِ ترا امتحان پر جھنجھلا ہٹا بٹو آفے ہو اس کے سیان پر تشہیر کون شہر میں ہو پارہ نان پر تھا جو سماں لبوں کے ترے رنگِ پان پر انغماض کرتے جاتے ہیں جی کے زیاں پر مارا بہت پتنگ نے سرِ شمع دان پر ٹھہرو بقدر یک شہرہ تم اس مکان پر بیٹھا وہ اس قماش سے اگر دکان پر</p>
--	--

موزوں کرو کچھ اور بھی شاید کہ مہیت
رہجائے کوئی بات کسو کی زبان پر

<p>کیا کیا نہ لوگ کھیلے جاتے ہیں جان پر کچھ ان دنوں اشارہ ابرو ہیں سبز تیز تھوڑے میں دور کھینچے ہو کیا آدمِ آپ کو کس پر تھے بید مانگ کہ ابرو بہت ہو خم کس رنگِ راہِ پائے نگاہیں سے نو چلا چرچا سا کر دیا ہو مرے شورِ عشق نے پلی پی کر اپنا لو ہو رہیں گو کہ اہم ضعیف</p>	<p>اطفالِ شہر لائے ہیں آفتِ جہان پر کیا تم نے پھر رکھی ہو یہ تلوار سان پر اس مشیتِ خاک کا ہو دماغِ آسمان پر کچھ زور سا پڑا ہو کہیں اس کمان پر ہونے لگے ہیں خونِ قدم کے نشان پر نڈکورا بھی ہو یہ ہر اک کی زبان پر جوں ریختی نہیں ہو انھوں کے تو کان پر</p>
--	---

<p>یہ وہم ہے کہ اور کا ہو میرے تئیں خیال کیفیتیں ہزار ہیں اُس کام جاں کے پیچ</p>	<p>تو مار ڈالیو نہ مجھے اِس گمان پر دیتے ہیں لوگ جان تو ایک ایک آن پر</p>
<p>دامن میں آج میسر کے دایع شراب ہو تھا اعتمادِ ہم کو بہت اس جوان پر</p>	
<p>مست آنکھ ہمیں دیکھ کے یوں مار دیا کر آئینے کی مشہور پریشاں نظری ہو سو بار کہا غیر سے صحبت نہیں اچھی کیوں آنکھوں میں سرے کا تو دنبالہ لکھے ہو</p>	<p>غمزے ہیں بلا ان کو نہ سزا کر دیا کر تو سادہ ہی ایسوں کو نہ دیدار دیا کر اس جہت کو مجلس میں نہ تو بار دیا کر مست ہاتھ میں اسنتوں کے تلوار دیا کر</p>
<p>کچھ خوب نہیں اتنا ستانا بھی کسو کا ہو میسر فقیر اس کو نہ آزار دیا کر</p>	
<p>طاقت نہیں ہو جان میں کڑھنا تعب اور ہر چیز چپ ہوں لیک مرا حال ہو عجب آنکھ اس کی اُس طرح سے نہیں پڑتی ٹاک ادھر کیا کیئے حال دل کا جدائی کی رات میں دل لے چکے دکھا کے رُخِ خوب کو تبھی اس دل لگے کے روگ کو نسبتِ مرفوع کیا طور اگلے تیرے ملتے نہیں اس طرح سے ٹک کیا بات تیری اسی ہم عیاری و فریب</p>	<p>بے لطفیاں کرو ہو یہ پس پر غصہ ہے اور احوال پر سی تو نہ کرے تو عجب ہے اور اب خوب نکھتے ہیں تو چتون کا ڈھب ہے اور گزری ہو کب کہانی کے سے یہ شرب ہے اور اب سُنہ چھپا جو بیٹھے یہ حسنِ طلب ہے اور اپنا یہ جلتے رہنا ہے کچھ اور تب ہے اور وہ اور کچھ تھا ہم سے تو پیار ہے یہ اب ہے اور آنکھیں کہیں ہیں اور سخن زیر لب ہے اور</p>
<p>اسبابِ مرگ کے تو مہیا ہیں سائے میسر شاید کہ زندگانی کا اپنی سبب ہے اور</p>	
<p>آہمنشیں کسو کے مستِ عشق کی ہوس کر فرصت اس چمن کی کل روکے میں جو پوچھا ہم موم سے ناتواں تھے سو ہو چکے ہیں کب کے</p>	<p>جاتی ہیں یوں ہی ناداں جانیں ترس ترس کر چٹک کی ایک گل نے میری طرف کو سنس کر نکلے ہو تم پیارے کس پر گمر کو کس کر</p>
<p>لے تیر لقی تیر دہوی سے کہا میں نے کتنا ہو گل کا ثبات و کلی نے پیسن کر تبسم کیا</p>	

<p>مت چھیڑا برمجھ کو یوں ہی برس برس کر اس دام میں موئے ہیں بتیرے صید پھنس کر پگڑی میں بال اپنے نکلا جو وہ گھر سے کر لکڑے گلے کے اپنے ناحق نہ اچر چل کر دیوارِ باغ کو تو ہارسے درِ فقس کر</p>	<p>جی رگ گیا کہیں تو پھر ہو نیکا اندھیرا کیا ایک تنگ میں ہی ہوں اُس زلفِ شیریں سے اک جمع کے سر اوپر روزِ سیاہ لایا اس قافلہ میں کوئی دل آشنا نہیں ہو عتیاد اگر اجازت گلگشت کی نہیں تنگ</p>
<p>بلے ہیں آؤ تیرے بچہ بن رہتا نہیں دل اس کا تنگ تو بھی اسی ستم جو جو رستم کو پس کر</p>	<p>آئی ہو اس کے کوچے سے ہو کر صبا کچھ اور اندبیر دوستوں کی تجھے نفع کیا کرے امستانِ عشق و اہلِ خرابات میں ہو فرق کیا نسبت اُس کے قامتِ دلکش سے سرو کو ماںجا جو آری نے بہت آپ کو تو کیا اُس کی زیادہ کوئی سے دلِ داغ ہو گیا اس طور سے تمھارے تو مرتے نہیں ہیں ہم صورت پرست ہوتے نہیں معنی آشنا</p>
<p>کیا سہ میں خاک ڈالتی ہو اب ہوا کچھ اور بیماری اور کچھ ہو کریں ہیں دوا کچھ اور میخوارگی کچھ اور ہو یہ نشہ تھا کچھ اور انداز اُس کا اور کچھ اس کی ادا کچھ اور خسارے کے ہو سطح کے اس کے صفا کچھ اور شکوہ کیا جب اس سے تیراں لگے کیا کچھ اور اب دلسلے ہمارے نکالو بھنا کچھ اور ہو عشق سے بتوں کے مرا مدعا کچھ اور</p>	<p>مہنے پہ جان دیتے ہیں وارفتگانِ عشق ہو تیرے راہِ درسم دیارِ وفا کچھ اور</p>
<p>جی لگ رہا ہو خار و خسِ آشیاں کی اور منہ کر کے بھی نہ سوئے کچھ جہاں کی اور</p>	<p>چمکی ہو جب سے برقِ سحر گلستاں کی اور وہ کیا یہ دل لگی ہو فنا میں کہ رفتگاہ</p>
<p>لے گھر سنا۔ گھنٹوں بولتے ہیں لیکن دہلی امیر اکبر آباد میں اس کی بجائے اُرسا برائے ہملہ اور نیزہ رائے ثقلیل اب تک بولتے ہیں۔ تیر کی زبان پر بھی اُرسا ہوگا۔ غالباً یہ تحریف گھنوی کاتب کی ہو۔ نظیر اکبر آبادی کا یہ شعر اس کی سند ہو سکتا ہو۔</p>	
<p>پینے پھر ہیں شوخ کڑے اور ہنسلیاں پھولوں کی پگڑیوں میں ہیں شاخیں اُرس لیاں</p>	<p>رہ ذکرِ عید گاہِ اکبر آباد (کلیاتِ نظیر شہباز) ایک اور جگہ بھی یہی لفظ اسی تہریف کے ساتھ آچکا ہو۔ اسی</p>

رہ جاتے ہیں گے دیکھا گل اُس دہاں کی اور
دیکھا نہ کر غضب سے کسو خستہ جاں کی اور
جھٹے چمن میں دیکھا ٹپک آب رواں کی اور
لاٹے اسی کو کھینچ کسو ناتواں کی اور
رہتے ہیں کان سب کے اُسی بندیاں کی اور
اب دیکھتا نہیں ہو کوئی اس مہکاں کی اور
جاتا ہے اکثر اُپ غبار آسمان کی اور

رنگِ سخن تو دیکھ کہ حیرت سے باغ میں
آنکھیں سی کھل ہی جائیں گی جو مر گیا کوئی
کیا بے خبر ہے رفتن رنگین عمر سے
یہاں تابِ سعی کس کو مگر جذبِ عشق کا
یار ہے کیا مزا سخن تلخ یار میں
یا دل وہ دیدنی تھی جگہ یا کہ تجھ بغیر
آیا کے تکررِ خاطر ہے زہرِ خاک

کیا حال ہو گیا ہے تیرے غم میں
دیکھا گیا نہ ہم سے تو ٹپک اُس جواں کی اور

مگر اور تھے تب ہوئے ہوا ب اور
تو دل ہے کچھ اور زہرِ لب اور
طرح پان کھانے کی تھی کچھ جب اور
تکلف نہیں اس میں تھے تھر تب اور
اٹھا دیں گے تیرے ستم ہی کب اور

نئے طور سیکھے نکالے طرب اور
ادا کچھ ہے انداز کچھ ناز کچھ
لب سرخ کر ٹپک دکھاتے نہیں
نہ گرمی نہ بے شش نہ اب وہ تپاک
زمانہ مرا کیونکہ یکساں رہے

جدا اتفاقاً رہا ایک میں
وگرنہ ملے یوں تو اُس سے سب اور

تصدیق کھینچی ہم نے یہ کام اختیار کر
پر دم بخود ہی رہتے ہیں ہم جی کو مار کر
کافر کو بھی نہ اس سے الہی دوچار کر
ای ترک صید پیش ہیں بھی شکار کر
کس طرحی کو ہم نہ لگا بیٹھیں ہار کر
بیٹھا تو روزِ حشر تائیں انتظار کر
گل سب چلے ہیں رختِ سفر اپنا بار کر
ہم اور ایرِ آج اُسے ہیں قرار کر
یہ بھول گل بھی زور رہے ہیں ہمار کر

آخر دکھائی عشق نے چھاتی نگار کر
اس باعثِ حیات سے کیا کیا ہیں ہم آہشیں
ٹپک سامنے ہوا کہ نہ ایمان نہ دین و دل
جاشوق پر نہ جاتن زار و تزار پر
وہ سخت باز داؤ میں آتا نہیں ہے ہائے
ہم آپس گئے تو گئے پریشان نقش
کن آنکھوں دیکھیں رنگِ خزاں کے باغ سے
چل تھل بھریں نہ جب تئیں دم تبتیں نہ لیں
اک صبح میری چھاتی کے داغوں کو دیکھ تو

مرتے ہیں میرے سب پہ نہ اس سبکی کے ساتھ
ماتم میں تیرے کوئی نہ رویا پکار کر

جنوں میں اب کی کام آئی نہ کچھ تدبیر بھی آخر
اگر ساکت ہیں ہم حیرت سے پر ہیں دیکھنے قابل
یہ کیا یک یوں نہیں ہوتے ہیں پیارے جان کے لاگو
کلیچہ چین گیا پر جان سختی کش بدن میں ہر
نہ دیکھی ایک اشد اپنے دل کی اس گلستاں میں
سر و کار آہ کب تک مہ و کاغذ سے یوں بکھنے

پھرے ہو باؤلا سا پیچھے ان شہری غزلوں کے
بیاباں مرگ ہو گا اس چلن سے میرے بھی آخر

رہ جاؤں چپ نہ کیونکہ براجی میں مان کر
کتے ہیں چلتے وقت ملاقات ہو ضرور
کیا لطف تھا کہ میکہ کی لپٹ بام پر
آیا نہ چل کے یہاں تیں وہ باعث حیات
ایسے ہی تیز دست ہوں نیری میں تو پھر
یہ بے مروتی کہ نگہ کا مضائقہ
رنگین گور کر نی شہیدوں کی رسم ہو
رکھتا تھا وقت قتل مرا امتیاز باے
تم تیغ جوڑ پھینچ کے کیا سوچ میں گئے
وے من گئے کہ طاقت دل کا تھا اعتماد

آؤ بھلا کبھو تو سو جاؤ زبان کر
جاتے ہیں ہم بھی جان بکھجوان کر
سوئے تھے مست چادر تباہ تان کر
مارا ہوا نہ جان تھے ہم کو تو جان کر
رکھو گے تیغ جوڑ کی یکپند میان کر
اتنا تو میری جان مجھ سے سیان کر
تو بھی ہماری خاک پر خاک نشان کر
سو خاک میں ملایا مجھے سب میں سان کر
مرنا ہی اپنا جی میں ہم آئے ہیں ٹھان کر
اب یوں کھڑے کھڑے نہرا امتحان کر

اُس گوہر مراد کو پایا نہ ہم نے میرے
بیابان کار مر گئے یوں خاک چھان کر

مجھ کو قفس میں سنبھل دریاں کی کیا خبر
رہتا ہو ایک لاشہ انھیں جن کو ہر شناخت
ملک پوچھتے جو آن نکلتا کوئی ادھر

کہہ اے سیم صبح گلستاں کی کیا خبر
ہو زاہدوں کو مستی و فاس کی کیا خبر
اب بعد مرگ قہن بایاں کی کیا خبر

برباد جائے یہاں کوئی دولت تو کیا عجب	آئی جو تم کو ملک سلیمان کی کیا بسر
آیا ہر ایک شہر غریباں سے تازہ تو	میسر اُس جوان حال پریشاں کی کیا خبر
اب تنگ ہوں بہت میں مت اور دشمنی کر جب تک شگاف تھے کچھ اتنا نہ جی رُکے تھا قہقہہ نہیں سنا کیا یوسف ہی کا جو تو نے ناسازی و خشونت جنگل ہی چاہتی ہو کچھ آج اشکِ خونیں میں نے نہیں چھپائے کس مردنی کو اُس بن بھائی ہو زندگانی حرفِ غلط کو سن کر درپے نہ خوں کے ہونا دن رات کڑھتے کڑھتے میں بھی بہت کلاہوں رہتی ہو سو بھگتی رہتا نہیں ہے کوئی	لاگو ہو میرے جی کا اتنی ہی دوستی کر پچھتائے ہم نہایت سینے کے چاک ہی کر اب بھائیوں سے چندے تو گر گداہشتی کر شہروں میں ہم نہ دیکھا بالیدہ ہوتے کیشکر رہ رہ گیا ہوں برسوں لوہو کو اپنے پی کر بس جی چکا بہت میں اب کیا کروں گا جی کر جو کچھ کیا ہو میں نے پہلے اُسے سہی کر جو مجھ سے ہو سکے سواب تو بھی مت کی کر تو بھی جو بھیاں رہے تو نہ نارست بدی کر
تھی جب تلک جوانی رنج و لقب اٹھائے	اب کیا ہو میسر جی میں ترکِ ستگری کر
روایت نئے مجسم	
اُس شوخ نے سنا نہیں نام صبا ہنوز عاشق کے اُس کو گر یہ خونیں کا درد کیا کیا جانے وہ کہ گزری ہو یاروں کے جی پر کیا برسوں میں نامِ برست مرا نام جو سنا گھگھیا تے رات کے شبنم باچیں تو پھٹ گئیں کیا کیا کرے ہر جھٹیں قاصد سے لیتے خط	غنیچہ ہو وہ لگی نہیں اُس کو ہوا ہنوز اُسو نہیں ہو آنکھ سے جس کی گرا ہنوز مطلق کسو سے اُس کا نہیں دل لگا ہنوز کہنے لگا کہ زندہ ہو وہ تنگ کیا ہنوز نادا قہقہ قبول ہو لیکن دُعا ہنوز حالانکہ وہ ہوا نہیں حرف آشنا ہنوز

۱۷ پی سی، دراصل صحیح ہے۔ اس طرح کا استعمال اب درست نہیں۔ اسی قیاس پر سیج کی جگہ تسبی یا سجد کی جگہ مسیت

یا پلیدی کی جگہ پلید درست نہیں۔ وغیرہ۔ اسی

۱۲ کیلئے ہفتی بھل اکثر جگہ بولا جاتا ہے ۱۲

<p>پر بھر غم کی پانی نہ کچھ انتہا ہنوز ہم سادگی سے رکتے ہیں چشم وفا ہنوز وہاں بند اس قبا کے نہیں ہوتے وا ہنوز</p>	<p>سو بار ایک دم میں گیا ڈوب ڈوب جی خطے ہر بیوفائی حسن اس کے آئینہ سو عقدے فرط شوق سے پیش آئے دل کو بیاں</p>
<p>یہاں میسر ہم پہنچ ہی گئے مرگ کے قریب وہاں دلبروں کو ہی وہی قصد جفا ہنوز</p>	
<p>کوچہ کوئی کوئی ہو چمن زار سا ہنوز عرصے میں میں کھڑا ہوں گنہگار سا ہنوز جاتا ہو آنسوؤں کا چلا تار سا ہنوز بسوت میں بھڑپاں پری دار سا ہنوز نکلا نہیں ہو ایک رنج یار سا ہنوز گل حیرتی ہو صورت دیوار سا ہنوز</p>	<p>ہر میرے لوہور نے کا آثار سا ہنوز کب تک بھینچے گی صبح قیامت کی شام کو مدت ہوئی کہ خون جگر میں نہیں ولے سایہ سا گیا تھا نظر اس کا ایک دن برسوں سے گل حین میں نکلتے ہیں رنگ ننگ دیکھا تھا خانہ بانع میں پھرتے لے کہیں</p>
<p>مدت سے ترک عشق کیا میتھے دل سے زار و زبوں و زرد ہو بیمار سا ہنوز</p>	
<p>آؤ کہیں کہ رہتی ہیں رفتہ تمام روز ہم عاجزانہ کرتے ہیں اس کو سلام روز پہنچے ہو ہم کو اس سنیاک پیام روز حاضر ہو اپنی اور سے یوں تو غلام روز</p>	<p>کب تک بھلا بتاؤ گے یوں صبح شام روز وہ سرکشی سے گو متوجہ نہ ہو ادھر کہ رنج پھینچنے کو گئے کہ ہلاک کو منظور بندگی نہیں میری تو کیا کروں</p>
<p>برسوں ہوئے کہ رات کو ننگ بیٹھتے نہیں رہتے ہیں تم کو میسر جی کیا ایسے کام روز</p>	
<h2>رولیت سین</h2>	
<p>رہے غنچہ ستم ہی کے گلہو پاس نہ ہوئے وقت مر نیکی بھی تو پاس کہا یہ قصہ غم جس کو پاس رکھا تھا آئینے کو اس کے رو پاس</p>	<p>گئے جس دم سے ہم اس تندو پاس قیامت ہو نہ اس سلائیہ جان رُلا یا ہم نے یہروں رات اس کو کہیں اک دور کی سی کچھ تھی نسبت</p>

<p>دل و چشم مروت کیوں نہ خوں ہو یہی گالی یہی جھڑکی یہی چھیڑ</p>	<p>کچھ ہم جب نہ تب دیکھیں عدو پاس نہ کچھ میرا کیا تو نے کبھو پاس</p>
<p>چل اب اسی میسر بس اس سرود بن بہت رویا چمن کے آب جو پاس</p>	
<p>لو بھی ناک آن کھڑا ہو جو گنہگار کے پاس پوچھنے در نہ بھی آتے ہیں بیمار کے پاس بیٹھے بھی تو بھلا مردم ہشیار کے پاس گئے جو ایک و افسون ہوں ملدار کے پاس یہ جو اک خال بڑا ہی ترے رخسار کے پاس یہ بلا مکی نئی زلف شکنار کے پاس یوں ہی مرے گا قفس کی کبھو دیوار کے پاس ٹھک کبھو بیٹھو کو طالب دیدار کے پاس تریت پانی ہی تم نے کسو عیار کے پاس خط نمودار ہے یوں لعل شکر بار کے پاس یوں تو تسبیح بھی ہم رکھتے ہیں زنار کے پاس ابھی تسبیح دھری تھی تری دستار کے پاس اتنی مدت میں نہ پہنچا کوئی خطیار کے پاس</p>	<p>جب بٹھا دیں مجھے جلا دجھا کار کے پاس درد مندوں سے تمہیں دور پھرا کرتے ہو کچھ چشم مست اپنی سے صحبت نہ رکھا کرتی خندہ و چشمک حرف و سخن زیر لبی وانع ہونا نظر آتا ہو دلوں کا احسب خط نمودار ہوئے اور بھی دل ٹوٹ گئے در گلزار پہ جانے کے نصیب اپنے کہاں کیا رکھا کرتے ہو آئینے سے صحبت ہر دم دل کو یوں لیتے ہو کھٹکا نہیں ہونے پاتا مورچہ جیسے لگے تنگ شکر کو اگر جس طرح کفر بندھا ہے گلے اسلام کہاں ہم نہ کہتے تھے نہ مل میچوں سے اسی زاہد ہمارا سانی بھی نوشتے کی مرے دور کھنچی</p>
<p>اختلاط ایک تمہیں میسر ہی غم کش سے نہیں جب تب یوں تو نظر آتے ہو دو چار کے پاس</p>	
<p>رہتی ہو اسی ہی دھری خود غمار کے پاس ہو آہنیں جگر سو کرے بے وفائے پاس زنہار یہ کھڑے نہیں ہوتے دوار کے پاس ہوتی گلابی ایسے کسو میزار کے پاس آتا نہیں ہو جا کے کوئی پھر خدا کے پاس بیگانے ہی سے ہم ہے اس آشنا کے پاس</p>	<p>عزت نہیں ہو دل کی کچھ اس دُکرا کے پاس پہروں شبوں کو غم میں ترے جاتے ہے راہ و روش رکھیں ہیں جدا درد مند عشق گیا جانے قدر غنچہ دل باغباں پس جو دیر سے حرم کو گئے سو دہیں موعے کیا جانے کہ کہتے ہیں کس کو یگانگی</p>

	میر اس دل گرفتہ کے یہاں تو ملی نہ داد عقدہ یہ لیک جاؤں گا مشک کشا کے پاس	
یا اب پھٹک نہیں ہو کبیراں کے آس پاس ہم تو کیا ہو عشق میں دور از قیاس پاس مایہ نہیں ہو کچھ فلک بے سپاس پاس رکھتا ہو کون آتش سوز زندہ گھاس پاس بیچیں گے اب یہ جنس کو دل شناس پاس ہشیار رہ یہ عاریتی ہو لباس پاس		رہتے تھے ہم وے اٹھ پہر یا تو پاس پاس نالوگ بدگماں نہ ہوں آئے نہ اس کی اور گر ہی پڑے جو دیکھے ہو ترکا بھی گر کہیں شیخ ان لبوں کے بوسے کو اس ایش سے چمک تم نے تو قدر کی ہو متاع دفا کی خوب آلودہ کر نہ مستی سے جامہ گو جسم کے
	دستی ہو میر ربط ہو اس سے خلافت عقل بیٹھے سو جا کے کیا کوئی ایسے اداس پاس	

رولیت شین

رہتی ایک آدھ دن بہار ای کاش اس پہ دا ہوتیں ایک بار ای کاش رکتے میر بھی نعم شمار ای کاش اس پہ کی ہوتی میں شمار ای کاش شعر ہوتا ترا شعار ای کاش نہ بناویں مری مزار ای کاش اس سے ہوتے نہ ہم دو چار ای کاش ملتی یہاں جلے گور دار ای کاش چل پڑے بات پیش یار ای کاش		گل کو ہوتا صبا قرار ای کاش یہ جو دو آنکھ مند گئیں میری کن نے اپنی مصیبتیں نہ گئیں جان آخر تو جانے والی تھی اس میں راہ سخن نکلتی تھی خاک بے بھی وہ تو دیوے کا برباد شش جہت اب تو تنگ ہو ہم پر مرتے بھی تو ترے ہی کوچے میں ان لبوں کی کلی سے دل ہو بھرا
---	--	---

لے یہ شعر ایک قلبی نسخے میں اس طرح لکھا ہوا ملتا ہے

وہیں کرتے مری مزار ای کاش	مرتے بھی تو ترے ہی کوچے میں	اور مزار واسے ثانیہ کا دوسرا شعر قدیم قلبی نسخے میں نہیں ملتا۔ آئی
---------------------------	-----------------------------	--

	<p>بے اہل میسر اب پڑا مرنا عشق کرتے نہ اختیار اس کا شش</p>	
<p>ایک جان و صد تمنا یک دل ہزار خواہش مدت سے ہو ہمیں بھی سیر بہار خواہش رکھتی ہو ہم کو اتنا بے اختیار خواہش کیا کیا رکھیں ہیں اس کے امیدوار خواہش رکھتا ہو یار ہی کی سارا دیار خواہش شیوہ یہی تہمت افن و شعار خواہش دریا کو ہو یہ کس کا بوس و کنار خواہش عاشق کی ایک پائے کیونکر قرار خواہش اظهار کرتے کب تک یوں بار بار خواہش</p>		<p>کیا کہنے کیا رکھیں ہیں ہم تجھ سے یار خواہش لے ہاتھ میں قفس ٹمک صیاد چل چمن تک لے کچھ گنہ ہو دل کا نئے جرم جہنم اس میں حالانکہ عمر ساری مایوس گزری تیں پر غیرت دوستی کی کس سے ہو بے دشمن ہم مہر و زکیو بکھر خالی ہوں آرزو سے اٹھتی ہو موج ہر اک آغوش ہی کی صوت صد رنگ جلوہ گر ہو ہر جا وہ غیرت گل لیکبار بر نہ آئی اس سے امید دل کی</p>
	<p>کرتے ہیں سب تمنا پر میسر جی نہ اتنی رکھنے کی مار تم کو پایاں کار خواہش</p>	
<p>کیا جانے کہ کیا ہو یار و خدا کی خواہش رکھتے ہیں یار جی میں اس کی جفا کی خواہش پتھر پوچھتے ہو ہنسکر مجھ لے تو کی خواہش کیا کرے یہاں نہیں ہو جنس وفا کی خواہش رہتی ہو اس مرض میں بیکب غذا کی خواہش کرتا ہو کوئی ظالم ایسی بلا کی خواہش</p>		<p>مطلق نہیں ادھر ہو اس دلربا کی خواہش دیکھیں تو تیغ اس کی اب کس کے سر چڑھے ہو لعل خموش اپنے دیکھو ہو آرسی میں کیا اقلیم حسن سے ہم دل پھیلے چلے ہیں خون جگر ہی کھانا آغاز عشق میں ہو وہ شوخ دشمن جاں ای دل تو اس کا خواہاں</p>
	<p>میرے بھی حق میں کر ٹمک ہاتھوں کو میسر اونچا رکھتا ہو اہل دل سے ہر اک دعا کی خواہش</p>	
<p>خوبی رہا کرے ہو مری جان کیا ہمیش مجھ پاس تو مندی ہی کلی سا رہا ہمیش آپس میں ورنہ ہم تھی مہر و وفا ہمیش تھوڑی بہت چلی ہی گئی ہو دوا ہمیش</p>		<p>ہم پر روا جو رکھتے ہو جو ر و جفا ہمیش کس اعتبار دل کے تئیں گل میں ہر لوگ کچھ عہد میں ہمارے محبت ہوئی ہو تنگ فرصت مرض سے دل کے ہیں کب ہوئی تنگ</p>

اب عید جی بغیر ملے اُس کے ہی دہا رہتا تھا جو ہمارے گلے ہی لگا ہمیش
ہم تو جو رفتنی ہیں ملے ہی رہیں تو خوب رہتا نہیں ہو کوئی بغیر از خدا ہمیش

واقف نہیں ہوں میرے تو پر تمام شب
کرتا ہی شور آن کر اک بے لوا ہمیش

رولف طائے مہملہ

عشق کی رہ نہ چل خبر ہو شرط
دعوتِ عشق یوں نہیں صادق
خامی جاتی ہو کوئی گھر بیٹھے
قصہ حج ہو تو شیخ کو لے چل
قلب یعنی کہ دل عجب زر ہو
حق کے دینے کو چاہئے ہو کیسا
اول گام ترک سر ہو شرط
زردی رنگ و چشم تر ہو شرط
پختہ کاری کے تئیں سفر ہو شرط
کعبہ جانے کو یہ بھی خر ہو شرط
اُس کی نقادی کو نظر ہو شرط
یہاں نہ اسباب بے ہنر ہو شرط

دل کا دینا ہو سہل کیا ای میر
عاشقی کرنے کو جبگر ہو شرط

کرتے نہیں ہیں اُس سے نیا کچھ ہم اختلاط
ٹنک گرم میں طوں تو مجھی سے ملے خنک
ایسا نہ ہو کہ شیخ دفا دیوے ہمنشیں
بیگانگی مجھی سے چلی جاتی ہو خصوص
ہوتا تھا گلے لوگوں میں بھی باہم اختلاط
اوروں سے تو وہی ہو اُسے ہر دم اختلاط
ابلیس سے کرے ہو کوئی آدم اختلاط
رکھتا ہو یوں تو یار سے اک عالم اختلاط

کس طور اتفاق پڑی صحبت اُس سے دیر
ہو میر بے دماغ قیامت کم اختلاط

رولف عین

تیرے ہوئے شام کو گر زم میں آجائے شمع
ہو خجل ایسی کہ منہ اپنا نہ پھر دکھلائے شمع

لے سعدیؒ تہذیب دکان خانہ درگروی لکھنؤ ہرگز ای خام آدمی نشوی

<p>گر ہی یہاں کا ہو ڈھب تو حیف مجلسِ دے شمع سرکٹانے کو گلی میں جمع ہیں رگ ہاے شمع کھا چلا ہو جیسے اک ہی داغ ستریاے شمع</p>	<p>کیا جلے جاتے ہیں تجھ سے سب سے دیکھتے کس کے تئیں ہوتا ہو قطعِ زندگانی کا یہ شوق کچھ نہیں مجھ میں درون کی جلن سے اس طرح</p>
<p>داغ ہو کر جان دی ان نے بٹھائے واسطے مشتِ خاکِ مہر پر سو تم نہ لیکر آئے شمع</p>	
<p>یعنی اُس آتش کے پرکالے سے شرابی ہو شمع جوشِ نعم سے آپ ہی اپنے تئیں کھاتی ہو شمع رنگِ رو کو بزم میں ہر چند جھمکاتی ہو شمع اس بھبھوکے سے جو گھٹتی ہو سو بھنبھلاتی ہو شمع</p>	<p>اُس کے ہوتے بزم میں فالوس میں کی ہو شمع ہر زماں جاتی ہو گھٹتی سامنے تیرے کھڑی بیٹھے اُس نہ کے کسو کو دیکھتا ہو کب کوئی باد سے جنبش میں کچھ رہتی نہیں ہو متصل</p>
<p>چھوڑتی ہو لطف کیا افسردگیِ خاطر کی مہر آگے اس کے چہرہ روشن کے بچھ جاتی ہو شمع</p>	
<p>کڑھئے کب تک نہ ہو بلا سے نفع ہو رہیگا بس اب خدا سے نفع ڈھونڈو تم یار و آشنا سے نفع پہنچے ہو تیرے دستِ پائے نفع</p>	<p>عشق میں کچھ نہیں دوا سے نفع کب تلک ان بتوں سے چشم ہے میں تو غیر از ضرر نہ دیکھا کچھ مفتنم جاں کر کسو کے تئیں</p>
<p>اب فقیروں سے کہہ حقیقتِ دل مہر شاید کہ ہو دعا سے نفع</p>	
<p>روایفِ غین</p>	
<p>باقی نہیں ہو چھاتی میں اپنی تو جاے داغ اس عشقِ خانہ سوز نے کیا کیا دکھائے داغ ہم اُس گلی میں جب کے تڑپاں سے لائے داغ بہتیرے ایسے چھاتی پہ ہم نے جلاے داغ سو بار اُس کے کرتے سے مجھے دھلاے داغ مقدور تک تو چھاتی کے ہم نے چھپائے داغ</p>	<p>اب اس کے غم سے جو کوئی چاہے سوکھائے داغ چشم و دل و دماغ و جگر سب کو رو رہے جی جل گیا تقربِ انعبار دیکھ کر کیا لالہ ایک داغ پہ پھولے ہو باغ میں کیا شیخ کے درع میں تردد ہی ہم نے آپ آخر کو روے کار سے پردہ اٹھے گا کیا</p>

دل کی گرہ میں غنچہ لالہ کے رنگ میسر
سوزِ دروں سے کچھ نہیں ہو اب سولے دانغ

ردیف قار

جاتا ہو مید آپسے اس دام کی طرف
کرتا ہو کون عاشق بدنام کی طرف
مدت ہوئی کہ چھوٹی ہو آرام کی طرف
رہتی ہو چشم ماہ ترے بام کی طرف
وے دیکھتے نہیں سحر و شام کی طرف
ٹک دیکھ شیخ مج کے بھرے جام کی طرف
لیکن نظر نہیں ہو تجھے کام کی طرف
میلان طبع کب ہو کسو غام کی طرف

میلان دل ہو زلفِ سیہ فام کی طرف
دل اپنا عدل دائر محشر سے جمع ہو
اس پہلوئے فگار کو بستر سے کام کیا
یک شب نظر پڑا تھا کہیں تو سوابِ مدام
آنکھیں جنھوں کی زلفِ درخ یار سے لگیں
جوں چشم یار بزم میں اگلا پڑے ہو آج
خارا شکاف و سینہ خراش ایک سے نہیں
دل پاک ہے ہیں جن کے انھیں سے ہیں ہو شوق

دیکھی ہو جب سے اس بت کافر کی شکل میسر
جاتا نہیں ہو جی تنک اسلام کی طرف

ردیف قاف

اک جھکی میں کہاں پھر صبر و قرار عاشق
تو بھی تو ایک شب ہو شمع مزار عاشق
جوں موج ہو لبالب تجھ سے کنار عاشق
گر چاہنے میں ہوتا کچھ اختیار عاشق
بشکل کہ جی سے جاوے پھر خار خار عاشق
گزنے ہو کس طرح سے لیل و نہار عاشق
دل بستھے تو رہے بھی کچھ اعتبار عاشق
جاتا دکھائی دیوے رنج و خار عاشق
دنیا سے ہو نرالا کچھ کار و بار عاشق

ایر رشک برق تجھ سے مشکل ہو کار عاشق
خاک سیہ سے یکساں تیرے لئے ہوا ہوں
ای بھر حسن ہوئے یہ آگ سرد ٹک تب
دل خواہ کوئی دلبر ملتا تو دل کو دیتے
بلکوں کی اُس کی کاوش ہر دم جب الٹی ہوئے
کیا جانے محو ہو اپنے ہی رد و مو کا
خواری کا اپنی موجب ہو اضطرابِ ہر دم
ہنکھوں تلے سے سر کی وہ چشم مست ٹک تو
کیا بوجھ بھاری سے میں ناکام کاٹتا ہوں

اس پردے میں غم دل کتا ہو میرا
کیا شعر و شاعری ہو یارو شعار عاشق

جان کا روگ ہو بلا ہو عشق
سائے عالم میں بھر رہا ہو عشق
یعنی اپنا ہی مبتلا ہو عشق
کہیں بندہ کہیں خدا ہو عشق
کسو صورت میں ہو بھلا ہو عشق
مدعی ہو یہ مدعا ہو عشق
جس کسی کو کہیں ہوا ہو عشق
تو کے جس ناروا ہو عشق

کیا کہوں تم سے میں کہ کیا ہو عشق
عشق ہی عشق ہو جہاں دیکھو
عشق معشوق عشق عاشق ہو
عشق ہو طر و طور عشق کے تئیں
گر پرستش خدا کی ثابت کی
دلکش ایسا کہاں ہو دشمن جاں
ہو ہمارے بھی طور کا عاشق
کوئی خواہاں نہیں محبت کا

میر جی زرد ہوتے جاتے ہو
کیا کہیں تم نے بھی کیا ہو عشق

رولیت کا (تازی)

جاتی نہیں ہو اشک کے رنار کی ڈھلک
ملنے پھر میں ہیں خاک میں کس کیلئے فلک
ہم ناتوان عشق تمھارے کہاں تنگ
ٹک مل گئی تھی آگے مرے وہ پھری پلک

دیکھی تھی تیرے کان کے موتی کی اک جھپک
یار اک اشتیاق نکلتا ہو چسپال سے
طاقت ہو جس کے دل میں وہ دو چار دن ہے
برسوں ہوئے کہ جان سے جاتی نہیں خلش

آئی نہ ہاتھ میرے کی سیت پر کل سباز
تا بوقت پر تھی اس کے نیٹ کثرت ملک

پاس جاتا ہوں تو کتا ہو کہ بیٹھو دور ملک
اس فسانے کے تئیں ہونے تو دو مشہور ملک
دیکھو تم بھیاں کا خدا کے واسطے دستور ملک
عشق کرنے کو کسو کے چاہئے مقدور ملک
حوصلے سے بات کرتا کا شے منصور ملک

عزت اپنی اب نہیں ہو یار کو منظور ملک
حال میرا شہر میں کتے رہیں گے لوگ دیر
پشت پامائے ہیں شاہی بر گدائے کوئے عشق
چاہئے کا مجھ سے بے قدرت کا کیا ہو اعتبار
حق تو سب کچھ تھا ہی ناحق جان دی کس واسطے

منکر حسن بتا کیونکر نہ ہوئے شیخ میسر
حق ہر اُس کی اوردہ آنکھوں سے ہو معذور تلک

پھر کہیں کیا دل لگایا میسر جو ہو زرد رو
منہ پر آیا تھا ترے دو چار دن سے نور تلک

حال آنکہ کام پہنچ گیا کب کا جاں تلک
اس رشک نہ کے دل میں نہ مطلق کیا اثر
جو آرزو کی اُس سے سو دل میں ہی خوں ہوئی
کھینچا کئے وہ دور بہت آپ کو سدا
بلبل قفس میں اس لب دلچہ پہ یہ فغاں
پچھتائے اٹھ کے گھر سے کہ جوں نوید پر
آئی نہیں ہو تو بھی شکایت زباں تلک
ہر چنڈ پہنچی میری دُعا آسماں تلک
نومیدیوں بسر کرے کوئی کہاں تلک
ہمسائے ہم موائے آئے نہ یہاں تلک
آواز ایک ہو رہی ہو گلستاں تلک
جانا بنا نہ آپ کو پھر آشیاں تلک

ہم صحبتی یار کو ہو اعتبار شرط
اپنی پہنچ تو میسر نہیں پاساں تلک

ہم بے کسوں کا کون ہو ہجر ال میں غم شریک
دم رگ کے دو ہیں کیوں اگر مر نہ جائے وہ
خوں ہوتے ہوتے ہو چکے آخر کہاں تلک
دل تنگ ہو جئے تو نہ لیے کسو کے ساتھ
تمنائی ایک ہو سو ہو اس کے تم شریک
ہو میرے حال کا جو کوئی ایک دم شریک
اب دل جگر کہیں نہیں ہیں تیرے ہم شریک
ہوتے ہیں ایسے وقت میں یہ لوگ کم شریک

شاید کہ سر نوشت میں مرنا ہو گھٹ کے میسر
کاغذ نہ محرم غم دل سے قلم شریک

چلی ہو باغ کی صبا کیا خاک
ہی خبار اس کے خط سے دل میں بہت
ہم گرے اس کے در ہی پر مرکز
خاک ہی میں ملائے رختے ہو
سب موم ابتدائے عشق ہی میں
خاک پر ہی سدا جبین نیاز
دل جلا کوئی ہو گیا کیا خاک
باہم اب ہو یگی صفا کیا خاک
در کوئی کرے وفا کیا خاک
ہو کوئی تم سے آشنا کیا خاک
ہو دے معلوم انتہا کیا خاک
در کوئی ہو چہ سا کیا خاک

تربت میسر پر چلے تم دیر
اتنی مدت میں دھماں رہا کیا خاک

اجکل سے کچھ نہ طوفاں زرا ہی چشم گریہ ناک
یوں نہ روؤ تو نہ روؤ ورنہ روؤ پیار سے
دل سے آگے ٹک قدم رکھو تو پھر بھی دلبرو
بے گداز دل نہیں اسکان رونا اس قدر
سو جتنا اپنا کرے کچھ ابر تو ہو مصلحت
سہر ہو رونے سے میرے گوشہ گوشہ دشت کا

موجزن برسوں سے ہو دریا ہو چشم گریہ ناک
ہر قدم اس دشت میں پیدا ہو چشم گریہ ناک
سیر قابل دیدنی اک جا ہو چشم گریہ ناک
تہ کو پہنچو خوب تو پردا ہو چشم گریہ ناک
جوش نعم سے جیسے تابینا ہو چشم گریہ ناک
باعث آبادی صحرا ہو چشم گریہ ناک

دے حناے پامری آنکھوں ہی میں پھرتی ہے میر
یعنی ہر دم اُس کی زیر پا ہو چشم گریہ ناک

سو غونچکاں گلہ ہیں بس مری زباں تک
ملنے میں میرے گاہے ٹک تن دیا نہ اُس نے
ہر چند میں نے سر پر اس رہ کی خاک ڈالی
ان ہڈیوں کا جلنا کوئی ہمارے پوچھو
اُس کی نگلی کے سگے کی ہو موافقت میں
ابر بہار نے شب دل کو بہت حبلا یا
اُس مہ کے گوش تک تو ہرگز نہیں پہنچی
قید قفس میں مرناب شوق کا ہو مائع
ہونا جہاں کا اپنی آنکھوں میں ہو نہ ہونا

جی زندہ کیا ہو ظالم اب رحم کڑکھاں تک
حاضر رہا ہوں میں تو اپنی طرف سے جاں تک
لیکن نہ پہنچیں آنکھیں اس پاؤں کے نشان تک
لاتا نہیں ہی منہ وہ ابیری استخاں تک
اس راہ سے بھی پہنچیں شاید کہ پاساں تک
تھا برق کا چمکنا خاشاک آشیان تک
گو آہ بے سرایت جاتی ہو آسماں تک
پہنچیں گے مشقت پر بھی اگر یہ گلستاں تک
آتا نظر نہیں کچھ جاوے نظر جہاں تک

جاتی ہیں خط کے پیچھے جوں مہر آنکھیں میری
اب کارِ شوق میرا پہنچا ہو میرے بھیاں تک

لیا چیرہ دستی سے گر میرے سر تک
فٹے نیند کیسی کہ مانند انجم
اٹھا پاس بے اختیاری سے سب کا
دماغ اور دل ہیں سر اسیمہ دونوں
بلا شور ہنگامہ ہو دل زدوں کا
نہ دے ماریں چوکھٹ سے سر کو تو کیو

نہ پہنچا بکھو ہاتھ اُس کی کمر تک
کھلی رہتی ہیں میری آنکھیں سحر تک
بکا بیٹھے کرتے ہیں دو دو بہر تک
سر زخم شاید کہ پہنچا جگر تک
قیامت کہیں جائے ہو اُس گھر تک
رسائی ہوا چاہئے اُس کے در تک

محبت میں جی سے گئے میت کفر
خبر گفتنی ہو یہ ہر بے خبر تک

رولیف کاف فارسی

حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ
مرنے پہ جی ہی دیتے ہیں اس خاندان کے لوگ
ہنصم جاں کے سارے دوائے ہیں یہاں کے لوگ
اب کیا رہا ہو اٹھ گئے سب اس مکان کے لوگ
ہوتے ہیں فتنہ ساز یہی درمیاں کے لوگ
کم آشنا ہیں طور سے اس کام جاں کے لوگ
جو محرم روش ہیں کچھ اس بدگماں کے لوگ
خوش اعتقاد کتنے ہیں ہندوستان کے لوگ
کس درجہ سیر چشم ہیں کئے بتاں کے لوگ
یہ عشق پیشگاہاں ہیں اتنی کہاں کے لوگ

غافل ہیں ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ
مجنون و کوہ کن نہ تلف عشق میں ہوئے
کیونکر کہیں کہ شہر وفا میں جنوں نہیں
برونق تھی دل میں جب تمیں لستے تھے دلہاں
لوہم میں اور آپ میں مت دے کسی کو دخل
مرتے ہیں اس کے واسطے یوں تو بہت وے
پتے کو اس جن کے نہیں دیکھتے ہیں گرم
بخت چیز کیا کہ جن کو خدا مانتے ہیں سب
فردوس کو بھی آنکھ اٹھا دیکھتے نہیں
کیا سہل جی سے ہاتھ اٹھا بیٹھتے ہیں ہائے

منہ تکتے ہی رہے ہیں سدا مجلسوں کے بیچ
گویا کہ میسر محو ہیں میری زباں کے لوگ

اکسائے تن بدن میں مے پھکے ہی ہو آگ
پر اس بغیر اپنے تو بھائی لگی ہو آگ
سرگام راہ عشق میں گویا دہلی ہو آگ
کیسے نگر کو آہ محبت ستر دی ہو آگ
پانی ہو دل ہمارا کبھو تو کبھی ہو آگ
ہم مشت خس کا حکم رکھیں وہ پری ہو آگ
ماہی کی زلیست آب سمندر کا جی ہو آگ
کیا آج کل سے عشق کی یارو جلی ہو آگ
جب تب ہماری گود میں اب تو بھری ہو آگ

کیا عشق خانہ سوز کے دل میں چھپی ہو آگ
گلشن بھرا ہو لالہ و گل سے اگرچہ سب
پاؤں میں پڑ گئے ہیں پھپھوے مے تمام
جل جل گئے سب عمارت دل خاک ہو گئی
اب گرم و سرد دہرے یکساں نہیں ہو حال
کیونکر نہ اطمع آتشیں اس کی ہمیں جلا سے
کب لگ سکے ہو عشق جہاں سوز کو ہوس
روز ازل سے آتے ہیں ہوتے جگر کباب
بھگائے سے نہ گرتے تھے آگے جگر کے تخت

یاد رہے ہمیشہ جلتی ہی رہتی ہیں چھپائیاں	یہ کیسی عاشقوں کے دلوں میں رکھی ہو آگ
افسردگی سوختہ جاناں ہو قہر میں	دامن کو ٹپک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہو آگ
کچھ اور صبح دم سے ہوا ہو ہوا کا رنگ ظاہر ہو میرے منہ سے مرے مدعا کا رنگ ہوتا نہیں ہو سرخ تو ایسا حنا کا رنگ ہوتا ہو زرد بیشتر اہل فنا کا رنگ کس مرتبے میں شوخ ہو اسکی قبا کا رنگ اب زرد سب ہوا ہوں یہ ہوا انتہا کا رنگ گرمی پہ ہو دلیل بہت اس دوا کا رنگ کیا اُس کا طرحن لکھوں کیا ادا کا رنگ کیا دیکھتے نہیں ہیں سب اس بے وفا کا رنگ	ہو آگ کا سا نالہ کا ہاش فزا کا رنگ دیکھے ادھر تو مجھ سے نہ یوں آنکھ وہ چھپائے کس بیگنہ کے خون میں ترا پڑ گیا ہو پاؤں بے گہ شکستہ رنگی غور شید کیا عجب گل پیرین نہ چاک کریں کیونکہ رشک سے رہتا تھا ابتدائے محبت میں منہ سفید داروئے لعل گوں نہ پیو میسر ز اہو تم خوبی ہو اس کی چیز تحریر سے بروں پوچھیں ہیں وجہ گریہ خونیں جو مجھ سے لوگ
مقدور تک نہ گزرے مرے خوں سے یار میر	غیر دلوں سے کیا گلہ ہو یہ ہو آشنا کا رنگ
بہت اُس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ تکلف ہو بچاں جو چھپاتے ہیں لوگ ہماتے نہیں ہی بتاتے ہیں لوگ کبھو آپ میں ہم کو پاتے ہیں لوگ ہمیں کو نشانہ بناتے ہیں لوگ قیامت اذیت اٹھاتے ہیں لوگ	روِ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ مظاہر سب اُس کے ہیں ظاہر ہو وہ عجب کی جگہ ہو کہ اُس کی جگہ رہے ہم تو کھوئے گئے سے سدا اس ابرو کماں پر جو قرباں ہیں ہم نہ سویا کوئی شور شب سے مرے
ان آنکھوں کے بیمار ہیں میں	بجا دیکھنے ہم کو آتے ہیں لوگ
ردیف لام	
یار اگر ہو اہل تو ہو کام سہل	مار بھی آسان ہو دشنام سہل

کیا نکلتا ہے کسو کا نام سہل
کن نے پایا آہ بھیاں آرام سہل
کیا نکلا ہوں میں ہوا بادام سہل

جوں نگیں میں کی جگر کا دی بہت
جان دی یاروں سے تیا نکھیں نگیں
مدھی ہو چشم شورش یار کا

تم نے دیکھا ہوگا پکین میسر کا
ہم کو تو آیا نظر وہ خام سہل

دیکھی بے ستون میں زور آزمائیے دل
مے راہ کب دکھائی بے رہنمائیے دل
کیا خاک میں ملی ہے میری صفائیے دل
آئینہ ساں جنھیں ہے کچھ آشنائیے دل
گزرے ہے شاق مجھ پر جیسی جدائیے دل
آتی نہیں نظر کچھ مجھ کو رہائیے دل

پوشیدہ کیا ہے جو قدرت نمائیے دل
ہو تیرہ یہ بیا باں گرد و غبار سے سب
اندو غم سے اکثر رہتا ہوں میں مگر
پیش آئے کوئی صورت نہ موٹے نہیں ہے
مر تو نہیں گیا میں پر جی ہی جانتا ہے
اس دام گد میں اس کی سارے فریب ہی ہیں

گر رنگ ہے چلا ہے درلو بھی تو ہوا ہے
کہہ میسر اس چین میں کس سے لگائیے دل

اب جو کھلا سو جیسے گل بے بہار دل
اب آہنی ہو جی پہ رہا درکنار دل
یہاں چاہئے ہو دل سو کہاں میر یار دل
رہتا ہے کس امید پہ امید وار دل
ناچار اپنے رہتے ہیں جو مار مار دل
مدت سے ہے لال کے زیر غبار دل
کھینچتا ہو اس کی اور کو بے اختیار دل
ہو آدمی صنوبر اگر لاشے بار دل
رکھتی نہیں ہے برق ہی کچھ بے قرار دل
تسکین ان کی ہو نہ جو لیو یں ہزار دل
یوں باغ حسن میں بھی ہیں رنگیں انار دل
چھاتی ہے داغ، ٹکڑے جگر کے نگار دل

مدت تو دا ہوا ہی نہیں غنچہ دار دل
ہو غم میں یاد کس کو فراموش نگار دل
دشوار ہو ثبات بہت ہجر یار میں
وہ کونسی امید بر آئی ہے عشق میں
ظالم بہت ضرور ہے ان بیگسوں کا پاس
تم پر تو صاف میری کدورت کھلی ہے آج
ماں ادمہ کے ہونے میں مجبور ہیں سبھی
حد ہیگی دلبری کی بھی ای غیرت چین
داخل یہ اضطراب تنگ بیوں میں ہے
کیا گرسنہ ہیں چشم دل اب کے یہ دلبراں
جوں سیب ہیں دقن کے چمن زار حسن میں
ہم سے جو عشق کشتہ جئیں تو عجیب میسر

<p>کباں تک خاک میں میں تو گیا مل ہوا ہر رنگ میں جوں آب شامل ملے تو ہم سے تو سب سے جدا مل سو کیا جانے کیا ہو شب ہو حال کسو تو طرح ہم سے بھی بھلا مل بحمد اللہ کھلا اعتدال مل نہ بھیاں طالع رسائے جذبِ کامل ملایم چاہئے تھا بھیاں کا عامل</p>	<p>بہت مدت گئی ہو اب تک آمل ملے اُس بیرنگ کے نیرنگ تو دیکھ نہیں بھاتا ترا مجلس کا ملنا غنیمت جان فرصت آج کے دن اگرچہ ہم نہیں ملنے کے لائق لیا زاہد نے جامِ بادہ کھن پر وہی پہنچے تو پہنچے آپ ہم تک ہوا دلِ تعشقی کی سختی سے ویراں</p>
--	--

پس از مدت سفر سے آئے ہیں میر
 گئیں وہ اگلی باتیں تو اسی جاں

بھی

ردیفِ مہم

<p>عشق کی موسے جھک رہے ہیں ہم پردوں میں کھٹک رہے ہیں ہم عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم دامنِ دل جھٹک رہے ہیں ہم ایک مدت سے پاک رہے ہیں ہم اُس سخن پر اٹک رہے ہیں ہم کس کی یوں راہ تک رہے ہیں ہم دیر سے سر پٹک رہے ہیں ہم سو کئی دن سرک رہے ہیں ہم پوچھتے کیا ہو پاک رہے ہیں ہم</p>	<p>کچھ نہ پوچھو بہک رہے ہیں ہم سو کھ غم سے ہوئے ہیں کائنات سے وقفہ مرگ اب ضروری ہے کیونکہ گردِ علاقہ بیٹھ گئے کون پہنچے ہو بات کی تہ کو اُن نے دینے کہا تھا بوسہ لب نقشِ پا سے رہی ہیں کھل آنکھیں دستِ دیگی کب اُس کی پا بوسی بیڑِ صبا اس پاس ایک شب تھے گئے خام دستی نے ہائے داغ کیا</p>
---	--

میر شاید لیں اس کی زلف سے کام
 برسوں سے تو لٹک رہے ہیں ہم

نیکے پردے سے کیا خدا معلوم

ہو تیرے دل بتوں کا کیا معلوم

لہ رنگِ بختی جیوا ہو لے آ آ ہر رنگ میں شامل ہو بھیاں (میر)

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے علم سب کو ہو یہ کہ سب تو ہو گرچہ تو ہی ہو سب جگہ لیکن عشق جانا سہتا مار رکھے گا ان سپہ چشم دلبروں سے ہیں طرز کینے کی کوئی چھپتی ہو عشق ہو ای طیب جی کاروگ	سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم پھر ہو اللہ کیسا نا معلوم ہم کو تیری نہیں ہو چا معلوم ابتدا میں تھی انتہا معلوم تھی وفا چشم سو وفا معلوم مدعی کا ہے مدعا معلوم لطف کر ہو جو کچھ دوا معلوم
--	---

دل بجا ہو تو میرے کچھ کھا کر
کڑھنے پیچنے میں اشتہا معلوم

مجھے تو درد سے اک لٹس ہو وفا کی قسم کل اُن نے تیغ رکھی درمیاں کہ قطع ہو اب حنا لگی ترے ہاتھوں سے میں گیا پیسا فقیر ہونے نے سب اعتبار کھویا ہو قدم تلے ہی رہا اُس کے یہ سر پر شور سروں پہ ہاتھ کبھو تیغ پر کبھو اس کا	یہی سب ہو جو کھائی ہو میں دوا کی قسم نتم جو بیچ میں آئی سو اُس ادا کی قسم جگر اتنا ہو جوں مجھ کو تیرے پاکی قسم نتم جو کھاؤں تو کہتے ہیں کیا لدا کی قسم جو کھائیے تو مرے طالع رسا کی قسم کچھ ایک نتم نہیں میرے آشنا کی قسم
---	--

جدال دیر کے رہیاں نے کہاں تک میر
اٹھو حرم کو چلو اب تمہیں خدا کی قسم

اب سوکھی ہی جاتی ہو سب کشت ہوس ظالم صیاد بہار اب کی سب لونوں کا کیا میں ہی کس طور کوئی تجھ سے مقصود کرے حاصل کیوں سر چڑھے ہو ناحق ہم بخت سیا ہوں جوں ابر میں روتا تھا جوں برق تو نہنتا تھا	ای ابر تر اگر ملک ایدھر بھی برس ظالم ملک بارغ تلکے چل میرا بھی نفس ظالم نئے رحم ترے جی میں نے دل میں ترس ظالم ست پیچ میں پگڑی کے بالوں کو گھس ظالم صحبت نہ رہی یوں ہی ایک آدھ برس ظالم
--	--

لہ حیر صاحب کئی شعر اس نتم کے گزر چکے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ شعر ہے۔

اک جمع کے سرادپر رذر سیاہ لایا ؛ پگڑی میں بال اپنے نکلا جو دھگر س کر

کیا کھولے ہوئے محل بھیاں گرم حکایت ہو
مطلق نہیں گنجائش اب حوصلے میں اپنے
سرشتہ ہستی کو ہم دیکھ کے ہاتھوں سے
چل رہا میں کچھ کننا مانستہ جس ظالم
آزار کوئی کھینچے یوں کب تئیں بس ظالم
کچھ ٹوٹے ہی جاتے ہیں اب تار نفس ظالم

ناچند رہے گا تو یوں دایع غم اس مہ کا
چھاتی تو گئی تیری ای میر میر مجلس ظالم

محرم سے کسو رو برو ہوں کاشکے اب ہم
تدبیریں کریں اپنے تن زار و زبوں کی
تو لاگو نہ ہو جی کا تونا چار ہیں ورنہ
یک سلسلہ ہو قیس کا فریاد کا اپنا
کس دن نہ ملائیے تو گرم غسلی الرغم
مجمع میں قیامت کے اک آشوب سا ہوگا
کیا معرفت اس سے ہوئی یاروں کو نہ سمجھے
کہ نوح کیا منہ کو گئے کوٹ لی چھاتی
آغاز محبت میں تمامی ہوئی اپنی

تربت سے ہماری نہ اٹھی گرد بھی ای میر
ہی سے گئے لیکن نہ کیا ترک ادب ہم

مشتاق ان لبوں کے ہیں سب مرد و زن تمام
اب چھڑیے جہاں وہیں گویا ہو درو سب
آیا تھا گرم صید وہ جید صبر سے دشت میں
آوارہ گرد باد سے تھے ہم یہ سہریں
کیا لطف تن چھپا ہو مرے تنگ پوش کا
اس کا ردست بستہ پہ رکھیا نہ مدعی
اک گل زمیں نہ وقفے کے قابل نظر پڑی

دست لکھے گئے نہ ہوا پر سخن تمام
پھوڑا سا ہو گیا ہی ترے غم میں تن تمام
دیکھا ادھر ہی گرتے ہیں اب تک ہرن تمام
کیا خاک میں ملا ہو یہ دیوانہ پن تمام
اگلا پڑے ہو جائے سے اس کا بدن تمام
کیونکر نہ کام اپنا کرے کو کھن تمام
دیکھا بزنک آب رواں یہ چمن تمام

لہ میر تقی میر سے دور بیٹھا غبار تیر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

نیکلے ہیں محل کے رنگ گلستاں میں خاک سے
تہ صاحبوں کی آئی نکل سیکرے گئے
یہ دے ہیں اس کے عشق کے خونیں گفنِ تمام
گردی تھے اہل صومدہ کے پیرانِ تمام
میں خاک میں طمانہ کردوں کس طرح سفر
مجھ سے غبار رکھتے ہیں اہل وطنِ تمام

کچھ ہند ہی میں میسر نہیں لوگ جیب چاک
ہر میرے رنجیتوں کا دوانہ دکنِ تمام

بختِ سیہ کی نقل کریں کس سے چالِ ہم
کیونکر نہ اس چین میں ہوں تنہ نڈھالِ ہم
ہند سی لگی قدم سے ہوئے پائمالِ ہم
بھماں پھول سو گھنگھڑے ماہ و سالِ ہم
یا زلف و خط کو دیکھتے ہیں خال خالِ ہم
کیا جاتیں لوگ کہتے ہیں کیا کیا خیالِ ہم
مقدور تک تو اپنے گئے ٹال ٹالِ ہم
کرتے ہیں منہ کو اپنے تپا پتوں سے لالِ ہم
حور و پری کو جان کے کب ہیں ذوالِ ہم
منہ لودج لودج لے ہیں علی الا اتصالِ ہم
ظاہر میں ہیں کریں ہیں غائب زوالِ ہم
آئے نہ پھر تمھارے گئے ٹک بھالِ ہم
اب تم بغیر اتنے ہوئے ہیں وبالِ ہم
ہو دیں گے جس بلے کے صاب کمالِ ہم

تھکاب گماں ملے گا وہ دامن سوارِ میسر
کل راہ جاتے مفت ہوئے پائمالِ ہم

کون کتنا ہی منہ کو کھو لو تم ؟
حکمِ آب رواں رکھے ہی حسنِ
کاشکے پردے ہی میں بولو تم
بیتے دریا میں ہاتھ دھو لو تم
دلِ عجب ہی متاع جو لو تم
تھوڑی تو دور ساتھ ہو لو تم
کیا کسرا ہیں ہم اپنی جنس کو لیک
جانا کیا ہو اب جہاں سے ہیں

لے نظیر اکبر آبادی سے بن تختہ محلِ آخرش اس خاکِ چین سے ؛ نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا

<p>چمکے ہی ہو رہو نہ بولو تم ہاتھ نول میں مرے ڈبو لو تم دل جہاں پاؤ اب پرو لو تم آہ کب تک یہ موتی رو لو تم</p>	<p>جب میسر ہو بوسہ اس لب کا بچہ مرجاں کا پھر دھرا ہی ہے دست دے ہو کے پلک سے میل آتے ہیں متصل چلے آلتو</p>
<p>رات گزری ہو سب ترپتے میسر آنکھ لگ جائے تک تو سو لو تم</p>	
<p>بہتے ہیں خدا ہی کی قدرت سے ہم پڑے ہیں کھٹائی میں مدت سے ہم خفا رہتے ہیں اپنی صورت سے ہم کہ روکش ہوئے ہیں قیامت سے ہم گلہ رکھتے ہیں صبر و طاقت سے ہم مناتے رہے رات منت سے ہم نہ اس کا لیا نام غیرت سے ہم اُسے دیکھ رہتے ہیں حسرت سے ہم یہ رنگ اپنا دیکھا مروت سے ہم</p>	<p>موئے جاتے تھے فرط الفت سے ہم ترش رو بہت ہو وہ زر گر پسر نہیں دیکھتے صبح اب آر سی جو دیکھو وہ قامت تو معلوم ہو نہ تک لاسکا تاب جلوے کی دل نہ مانی کوئی اُن نے پھر رو پھڑ کر خدا سے بھی شب کو دغا مانگتے رکھا جس کو آنکھوں میں اک عمر اب بھریں آنکھیں لوہوتے رہنے لگیں</p>
<p>نہ مل میسر اب کے امیروں سے لو ہوئے ہیں فقیران کی دولت سے ہم</p>	
<p>یہ درد اب کہیں گے کوشا نہ ہیں سے ہم فریادی ہوں گے کل کے لو کو جیس سے ہم مدت لگے رہے ترے دامانِ زیر سے ہم کب تجھ سے دل اٹھاتے ہیں تیری نہیں سے ہم دیکھی عجب سفید تری آستین سے ہم دکھلایا صید کہ میں لیا رو یس سے ہم یہ بات روز کہتے رہے ہمنشین سے ہم سون لیا ہو گود میں بھر کر دہیں سے ہم</p>	<p>کب تک رہیں گے پہلو لگائے زیر سے ہم تلواریں کتنی کھائی ہیں سجدہ میں اس طرح نہ اک تک یہ سر جو نہ پہنچا تو یا نصیب ہوتا ہو شوق وصل کا انکار سے زیاد چھابے جو پیش دستی کرے نور ماہ پر یہ شوق صید ہوئے کا دیکھو کہ آپ کو تکلیف درد دل کی نکر تنگ ہوں گے لوگ اڑتی ہو خاک شہر کی گلیوں میں اب جہاں</p>

آوارہ گردی اپنی کھینچی میسٹر طول پر
اب چاہیں گے دعا کسو عزت نشیں سے ہم

ردیف نون

چکے تم سنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں
لوگ جو کچھ انھیں کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
درد جاں کاہ جو ہو اس کو دوا کہتے ہیں
پہلی قیمت کے تئیں مشک بہا کہتے ہیں

مدعی مجھ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں
دیکھ غوہاں کے بجا دل نہیں رہتا ہرگز
عشق کے شہر کی بھی رسم کے ہیں کہتے ہم
جی اگر زانوں کے سوئے میں ترے دس تو بول

حسن تو ہر ہی کرو لطفِ زباں بھی پیدا
میسر کو دیکھو کہ سب لوگ بھلا کہتے ہیں

جن کے نشان تھے فیلوں پر ان کا نشان نہیں
کیا شرح سوزِ عشق کروں میں زباں نہیں
مشفق کوئی نہیں ہو کوئی مہرباں نہیں
پھر آپ خوب دیکھئے تو درمیاں نہیں
جسمِ ضعیف و زار میں اب میرے جاں نہیں
شور اُس بلائے جاں کہاں میں کہاں نہیں

کیا کیا جہاں اثر تھا اسوا ب دھارِ عیاں نہیں
دفترِ بنی کہانی بنی مشنوی ہوئی
اپنا ہی ہاتھ سر پہ رہا اپنے ہاں سدا
ہنگامہ و فساد کی پاعدش ہو وہ کمر
جی ہی نکلی گیا جو گیا یارِ پاس سے
ہر عشق ہی سے چار طرٹ بحث و گفتگو

اس عہد کو نہ جانے اگلا سا عہد میسر
وہ دور اب نہیں وہ زمین آسماں نہیں

وہی اک جنس ہو اس کارواں میں
ملا کچھ سحر ہو اُس کی زباں میں
ہیں سب جاتے ہیں ہندوستان میں
جدا تھی شان اُس کی ہر زماں میں
کوئی کیا شاخ نکلی ہو کہاں میں
بلا کینہ ہو اپنے مہرباں میں
رہا ہو پھول پڑتا گلستاں میں

نہ نکلا دوسرا ویسا جہاں میں
کیا منہ بند سب کا بات کہتے
اگر وہ بت نہ جانے تو نہ جانے
نیا آنا فنا اُس کو دیکھ
کھینچی رہتی ہو اُس ابرو سے خم سے
جبیں پر چین رہتی ہو ہمیشہ
نیا ہو کیا شکوفہ یہ کہ اکثر

کوئی بجلی کا ٹکڑا اب تلک بھی	پڑا ہوگا ہمارے آشیاں میں
پھرے ہو چھاننا ہی خاک اور میسر ہوس کیا ہو مزاج آسماں میں	
نہیں بتحال لعل دلریا میں غریبا نہ کوئی شب روز کر بھیاں اٹھاتے ہاتھ کیوں نو مید ہو کر کے ہو ہر کوئی اللہ میرا کفن میں ہی نہ پنا وہ بدن دیکھ ادھر جانے کو آندھی تو ہو لیکن بلا تہ دار بحسب عشق نکلا لے برسوں وہی بیگانہ ہو وہ	گر پہنچا بہم آب بقا میں ہمیشہ کون رہتا ہو سرا میں اگر پاتے اثر کچھ ہم دعا میں عجب نسبت ہو بد میں خدا میں کھینچے لو ہو میں ہتھیروں کے جائیں سبکپائی سی ہو باد صبا میں نہ ہم نے انتہائی ابتدا میں ہنر ہو یہ ہمارے آشنا میں
اگرچہ خشک ہیں جیسے پر کاہ اڑے ہیں میرے حریف لیکن نہیں	
پڑے آٹکے اُن نے جب پہنچے ہم کفن میں لائی ہمار ہم کو زور آوری کچن میں قوت کہاں رہی ہو یا قوتی کمن میں پاکیزہ گوہروں کی عزت نہیں وطن میں ہنگامہ ہو رہا ہو اب شیخ و برہن میں	مر مر گئے نظر کر اُس کے برہنہ تن میں گل پھول سے کب اُس بن لگتی ہیں اپنی آنکھیں اب لعل تو خط اُس کے کم بجھتے ہیں دست یوسف عزیز دلہا جا مصر میں ہوا تھا ویر و حرم سے تو تو ٹلک گرم ناز نکلا
<p>لے جانہ کی جمع جائیں تیر کے زمانے میں درست تھی اب جائے بولی جاتی ہو اور اس طرح اس کا صرف قافیہ میں درست نہیں۔ میر حسن کے یہاں بھی ایک شعر شنوی میں ایسے ہی انداز سے قافیہ کو استعمال کیا ہو ہے</p> <p>لے بیلیے ہاتھ میں مانیں لگیں باغ کو دیکھنے بھالیں لے انتہا نہ لی۔ یعنی تھاہ نہ لی۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہو کہ انتہا لینے سے بگڑ کر تھاہ لینا ہوتا ہے تیر کے یہاں اور جگہ بھی اس محاورے کا اسی طرح استعمال ہوا ہے۔ ۱۲۔ آس</p>	

آجاتے تھر میں تو جیسے کہ آندھی آئی | کیا دھشتیں اٹھا میں ہم نے دولہے پن میں

ہیں گھاؤ دل پر اپنے تیغِ زباں سے سب کی | اس

تب دروہو ہمارے اگر میسر ہر سخن میں

کن نے لے لے بال دکھلائے ترے مانی کے تیں | آن لے جو اس طول سے کھینچا پریشانی کے تیں

کشتہ انداز کس کا تھا نہ جانا وہ جواں | لے رہے تھے کچھ ملک اک نقشِ قربانی کے تیں

چشمِ کم سے اشکِ خونیں کو نہ دیکھو زینہاں | ڈھونڈتے ہیں مردم اس باقوتِ سیلانی کے تیں

طائرانِ خوش معاش اس بارے کے ہم تھے گھو | اب ترستے ہیں نفس میں اک پر افشانی کے تیں

ہو جہان تنگ سے جانا بعینہ اس طرح | قتل کرنے لے چلیں ہیں جیسے زندانی کے تیں

یہ کہاں بنتِ العنقب اٹھتی ہیں کیفیتیں | ہو ٹھوک کیا اس کز نسبت ایسی مستانی کے تیں

دل جو پانی ہو تو آئینہ ہو روئے یار کا | خانہ آبادی سمجھ اس خانہ ویرانی کے تیں

فہم میں میرے نہ آیا پردہ در ہو طفلِ اشک | روؤں کیا ای ہمنشین میں اپنی نادانی کے تیں

کچھ نظر میں نے نہ کی جی کے زباں پر اپنی بے | دوست میں رکھے گیا اس دشمن جانی کے تیں

جب جلی چھالی بہت تر اشکِ افشاں ہو نہ میسر

کیا جو چھڑکا اس دکھتی آگ پر پانی کے تیں

جانا ادھر سے میرے اور ویسا ادھر کے تیں | بیاریوں میں جیسے بدلتے ہیں گھر کے تیں

کب ناخونوں سے چہرہ بچے اس صفا سے ہوں | رجھواڑ تم نہیں ہو جو دیکھو ہنر کے تیں

نخستے کو اس نگر کے طبیبوں سے کام کیا | ہمد تم مجھے دکھا کسو صاحبِ نظر کے تیں

خردوس ہو نصیب پدر آدمی تھا خوب | دل کو دیا نہ اُن نے کسو خوش پس کے تیں

ٹنگ دل کی بے قراری میں جاتے ہیں جی جے | ہر دم پیش سراپے میسر جگر کے تیں

تم دل سے جو گئے سو خرابی بہت رہی | پھر بھی بساؤ اگر اس آجڑے نگر کے تیں

اللہ ری ناز کی نہیں آتی خیال میں | کس کس طرح سے باندھتے ہیں اس کمر کے تیں

حالت یہ ہو کہ بیخبری دم بدم ہو یہاں | دے اب تلک بھی نہیں ٹنگ خبر کے تیں

مدت ہوئی کہ اپنی خبر کچھ ہمیں نہیں

کیا جائے کہ میسر گئے ہم کدھر کے تیں

کسکوں اول بخود تو دیر میں آتا ہوں میں | پھر جو یاد آتا ہو وہ چپکا سا رہ جاتا ہوں میں

<p>دائع ہوں کیونکہ میں درویش پارو بنے تب اچھ میں اُس طفل بازی کوش کے رہتا ہوں ہوں گر سنہ چشم میں دیدارِ خوباں کا بہت اب سب ہوتا ہوں پا کر آپ کو جیسے حساب ایک جاگہ کب ٹھہرنے ہے مجھ کو روزگار ہو کمالِ عشق پر بے طاقتی دل کی دہل آسمان معلوم ہوتا ہو درے کچھ اکیسا</p>	<p>بوریا پوشوں ہی میں وہ شعلہ خویا ہوں میں جا کے لڑکوں میں ٹکسا پنے دل پہلاتا ہوں میں دیکھتے پر اُن کے تلواریں کھڑا کھاتا ہوں میں یعنی اس ننگِ عدمِ ستی سے شر ماتا ہوں میں کیوں تم اکتاتے ہو اتنا آجکل جاتا ہوں میں جلوہ دیدار کی اب تاب کب لاتا ہوں میں دور اس سے آہ کیسا کیسا گھبراتا ہوں میں</p>
--	---

پس چلے تو راہ اُدھر کی میں نہ جاؤں لیک میر
 دل مرار ہوتا نہیں ہر چند سمجھاتا ہوں میں

<p>مدت ہوئی کہ پیچ میں پیغام بھی نہیں ایامِ حشر کر لیے بسر کس امید پر پروا اُسے ہو کا ہے کو ناکام گر مرد روویں اس اضطرابِ دلی کو کہاں تلک</p>	<p>نامے کا اُس کے گھر سے اب نام بھی نہیں ملنا انھوں کا صبح نہیں شام بھی نہیں اُس کام جاں کو تجھ سے تو کچھ کام بھی نہیں دن رات ہم کو ایک دم آرام بھی نہیں</p>
--	---

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میر کے
 کچھ طرازیے بھی نہیں ایہام بھی نہیں

<p>دم بدم اس ڈھبے رونا دیر گرایا ہمیں گرچہ عالم جلوہ گاہِ یار یوں بھی تھا وے ہم تنہی سمجھے تھے اب اس سادگی پر ہر پاس آنا یک طرف مطلق نہیں اب کہاں تجھ تک اس بی طاقتی میں کیا پہنچا ہوا تھا صبح نکلا تھا پشتر تلوار جوں خورشید لے</p>	<p>کیا لہو اپنا پیا تب یہ ہنسا آیا ہمیں آنکھیں جوں ہوندیں عجب عالم نظر آیا ہمیں خط نکلنے سے جو نامہ پیشتر آیا ہمیں کچھ گئے گزرتے سے سمجھا وہ پسر آیا ہمیں غش ترے کوچے میں ہر گام پر آیا ہمیں دیکھ کر خونخوار سج اس کی نظر آیا ہمیں</p>
---	---

کر چلا نہ خود غم زلف دراز دلبراں
 دور کا ایسا میر پیش اب سفر آیا ہمیں

<p>اشک کے جوش سے ہوں شام و سحر پانی میں شب نہاتا تھا جودہ رشکِ قمر پانی میں</p>	<p>جیسے ماہی ہر مجھے سیر و سفر پانی میں گتھی مہتاب سے اٹھتی تھی لہر پانی میں</p>
--	---

جیسے جھگے ہی پڑا گوہر ترپانی میں
گرچہ مرجاں کی طرح تھا یہ شجر پانی میں
جوں کشفِ جسم چھپا زیرِ سیر پانی میں
خوب کرے تامل تو اثر پانی میں
گرچہ لنگا سا تھا اس لڑکا گھر پانی میں
کچھ نہ معلوم ہوا ہائے اثر پانی میں
غود پھر لکڑی ہو ڈوبے نہ اگر پانی میں
پھول رہتا ہی بہت تازہ و تر پانی میں
مجھ کو لیجا کے ڈبو دیوں مگر پانی میں
سیکڑوں کرتے ہیں پیر اک ہنر پانی میں
رہنے سے دوں ہی مرِ نحت جگر پانی میں
بوند پانی کی نہیں آتی نظر پانی میں

ساتھ اس حسن کے دیتا تھا دکھائی وہ بدن
روئے سے بھی نہ ہوا سبز درختِ خواہش
موجِ گریہ کی وہ شمشیرِ جس کے ڈر سے
بیٹھنے سے کسودل صاف سے سرست تو چڑھے
آتشِ عشق نے راون کو جلا کر مارا
جوششِ اشک میں شبنم بھی گیا سیکھے
بردباری ہی میں کچھ قدر ہو گوجی ہو فنا
چشمِ تر ہی میں ہے کاش وہ ٹوٹے خوش نگ
روڈول تو آتش دل شمعِ نبطِ بختی نہیں
گریہ زار میں بیتابی دلِ طرفہ نہیں
برگ گل جوں گزر آئے آتے ہیں پھلے
محو کر آپ کو یوں ہستی میں اس کی جیسے

وہ گھر آنکھ سے جاے تو تھے آنسو میسر
بتا روپا ہوں کہ ہوں تباہ مگر پانی میں

گرچہ ہوتے ہیں بہت غوتِ دھڑ پانی میں
دل اچنبھا ہو کہ ہی سوختہ تر پانی میں
یہ گوارائی نہیں پاتے ہیں ہر پانی میں
آہ بالوں کو پراگندہ نہ کر پانی میں
جوں سمک گو کہ مرے دو ہیں پر پانی میں
رہتے ہیں روز و شبِ شام و سحر پانی میں
اب تو گرداب سے آتے ہیں نظر پانی میں
پاؤں رکھتے ہی نہیں بارِ در پانی میں

جوششِ اشک سے ہوں آٹھ پر پانی میں
ضبطِ گریہ نے جلایا ہو درونہ سارا
آبِ شمشیرِ قیامت ہو برندہ اس کی
طبعِ دریا جو ہو آشفقتہ تو پھر طوفاں ہو
غرقِ آبِ اشک سے ہوں بیک اڑا جاتا ہوں
مردمِ دیدہ تر مردمِ آبی ہیں مگر
ہمیت آنکھوں کی نہیں وہ رہی توڑتے
گریہ شرب سے بہت آنکھ ڈسے ہو میری

خوڑا گریہ سے ہوا میسر تباہ اپنا جہاز
ستخہ پارے گئے کیا جانوں کہ مگر پانی میں

کہ مل جاتا ہو ان جوؤں کا پانی بحرِ رحمت میں

دکھا کر اشکِ انشاں چشمِ فرستِ غیرِ فرست میں

سنبھالے سدھ کہاں میر ہی فرولتا نہیں ہرگز
گئے دن متصل جانیکے اسکی اور اٹھ اٹھ کر
تخل ہو سکا جب تک بن میں تاب طاقت تھی
عجب کیا ہی جو یاران چین کو ہم نہ پہچانیں
سلاتا تیغ خوں میں گرنے میر سے تو قیامت تھی
کوئی عمامہ لے بھاگنا کھنوں نے پیر بن بھاڑا
ملا تیوری پڑھائے تو لگا برو بھی خم کرنے

قدم پر رکھ قدم اس کے بہت مشکل ہو جانا
سر آمد ہو گیا ہی میر فن ہر والفت میں

کس کے جاؤں انہی کیا دوا پیدا کروں
لو ہو رتا ہوں میں ہر اک حرف خط پر ہر ماں
چال اپنی چھوڑتا ہر گز نہیں وہ خوش خرام
منصلحت ہی میری خاموشی ہی میں ہی ہمنفس
دل پریشانی بھگے ہے ہر بھیرے گل کے رنگ
ایک چٹنگ ہی چلی جاتی ہو گل کی میری اور
خوار تو آخر کیا ہو گلیوں میں تو نے بٹھے
خاک اڑاتا اشک اشتیاں آن نکلوں میں تو پھر
کبے جانے سے نہیں کچھ شیخ مجھ کو اتنا شوق

اب کی ہمت صرف کر جو اس سے جی اپنے مرا
پھر دُعا ای میر مست کر یو اگر ایسا کروں

کیا کو قیں اٹھائیں ہجر اں کے دردِ دم میں
گو قیں منہ کو نوچے فرہاد سر کو چیرے
اہل نظر کسو کو ہوتی ہو محرمیت
کلفت میں گزری ساری مدت تو زندگی کی
کرتے ہیں میر مل کر واعظ سے جس دم کا
تڑپا نہار نوبت دل ایک ایک دم میں
یہ کیا عجب ہو ایسے ہوتے ہیں لوگ ہم میں
آنکھوں کے اندھے ہم تو مدت ہے حرم میں
آسودگی کا منہ اب دیکھیں گے ہم عدم میں
کیا یہ بھی آگئے ہیں اس پوچھ گچھ کے دم میں

اس سے آنکھیں لگیں تو خواب کہاں
برق میں ایسے اضطراب کہاں
ابھی بکتوب کا جواب کہاں
ہم نہ ہو دیں تو پھر حجاب کہاں
مجھ بلا نوش کو شراب کہاں
یہ جہنم میں ہو عذاب کہاں
جلتے ہیں اس طرح کباب کہاں
عاشقوں کو سر کتاب کہاں

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں
بیکلی دل ہی کی تماشائی تھی
خط کے آئے پر کچھ کئے تو کئے
ہستی اپنی ہاڑیج میں پیدا
گر یہ شب سے سرخ ہیں آنکھیں
عشق ہو عاشقوں کے چلنے کو
داع رہنا دل و جسگر کا دیکھ
محو ہیں اس کتابی چہرے کے

عشق کا گھر ہو میرے آباد
ایسے پھر خانماں خراب کہاں

اب دو تو جام خالی ہی دو میں نشے میں ہوں
جام شراب پر نہ کرو میں نشے میں ہوں
جو چاہو تم بھی مجھ کو کو میں نشے میں ہوں
یا تھوڑی دور ساتھ چلو میں نشے میں ہوں
تم سرگراں تو مجھ سے نہ ہو میں نشے میں ہوں
چلتا ہوں میں بھی تنگ تو ہو میں نشے میں ہوں

یار دے مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں
ایک ایک فرط دور میں یوں ہی مجھے بھی دو
مستی سے درہی ہو مری گفتگو کے بیچ
یا ہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانند جام سے
معذور ہوں جو پاؤں مرا بے طرح پرے
بھاگی نماز جمعہ تو جاتی نہیں ہو کچھ

نازک مزاج آپ قیامت ہیں میرے جی
جوں شیشہ میرے منہ نہ لگو میں نشے میں ہوں

ایک رہتا ایک کھوتے عشق میں
بھر رہے تھے غوب روتے عشق میں
برسوں کاٹے ہم نے سوتے عشق میں
داع دل پر کے تو دھوتے عشق میں

کاشکے دل دو تو ہوتے عشق میں
پاس ظاہر شک نہ کرتے شب تو ہم
خواب میں دیکھا اُسی کو ایک ات
کاش پی جایا ہی کرتے اشک کو

دیکھیں ہیں کیا کیا ڈھلکتے اشک میرے
بیٹھے موتی سے پروتے عشق میں

کرتے ہیں جو کہ جی میں ٹھانے ہیں
خوبرو کس کی بات مانے ہیں

<p>پر مجھے یہ بھی خوب جائے ہیں ضعف بے طاقتی بہانے ہیں وہی جلنے جو خاک چھانے ہیں وہی نہ ہم ہیں نہ وہ زمانے ہیں اب مرے عہد میں فسانے ہیں عشق میں جن کے جی ٹھکانے ہیں شاعروں کے یہ شاخسانے ہیں</p>	<p>میں تو خواباں کو جانتا ہی ہوں جاہیں اُس گلی میں گر رہنا پوچھ اہل طرب سے شوق اپنا اب تو افسردگی ہی ہر آن قیس و فرہاد کے وہ عشق کے شور دل پریشاں ہوں میں تو خوش دے لوگ مشک و سنبل کہاں وہ زلف کہاں</p>
<p>عشق کرتے ہیں اُس پری رو سے میر صاحب بھی کیا دوائے ہیں</p> <p>پگڑی جامے بکے جس کے لئے بازاروں میں آدمی ایک نہیں اُس کے ہوا داروں میں لوگ اچھے تھے بہت یار کے بیماروں میں دشمنی آئے جسے دیکھتے ہی یاروں میں الغرض ایک ہو وہ شوخ ستمگاریوں میں اُن نے ہم کو نہ گنا اپنے گرفتاروں میں شعبہ لاکھوں طرح کے ہیں انھیں چاروں میں جا اچھتے ہیں گریبان کے دوتاروں میں ناکس اک نکلے ہیں خوں کے سزاواروں میں</p>	<p>آپ اُس جنس کے ہیں ہم بھی خریداروں میں بابغ فردوس کا ہو رشک وہ کوچہ لیکن ایکے بھی وہ بُرے حال میں آیا نہ کبھو دوستی کس سے ہوئی آنکھ کہاں جلے لڑی ہائے ہاتھ جہاں چوٹ پڑی دوہی کیا کشکش جس کے لئے یہ ہو شمار دم یہ کیسی کیسی ہو غنا صر میں بھی صورت بازی پیشوا ہاتھ مرے باندھو کہ ابلی ہر دم حسب مت سبھوں نے کھائے تھے تیغ کے زخم</p>
<p>اضطرابِ قلق و ضعف ہیں گریز میری زندگی ہو چکی تو اپنی ان آزاروں میں</p> <p>بہت پرہیز کر ہم سے ہمیں بیمار کرتے ہیں بھری مجلس میں بیٹھے عشق کا اقرار کرتے ہیں محلے کے ہمیں اب لوگ یوں ہی خوار کرتے ہیں</p>	<p>میر دل دہی تھی جن سے آزار کرتے ہیں کوئی ہم سا بھی اپنی جان کا دشمن کہیں ہو گا آتشاں دیں ہیں جہاں اس کا وہ ہر جانی نہیں ملتا</p>

لے آزار کرنا۔ یعنی ستانا۔ اب متروک ہو اور اس کی بجائے آزار دینا یا آزار پہنچانا بولتے ہیں۔ ۱۲

جنھوں سے عار تھی ہم کو سو ہم سے عار کرتے؟
سچی ہمارا اُس کئے جا جائے کیا اظہار کرتے؟
اسی اک حرف کو برسوں سے ہم تکرار کرتے ہیں
اُسے پھر بار کر دیں ہیں جس پر وار کرتے ہیں
سب سے دلکش جگہ سے خست پناہ کر کے ہیں

بلا آفت ہو کچھ دل پر کہ ایسا رنگ ہو اُن کا
کسو بے مہر کے نشیں مہر شاید پیار کرتے ہیں

یار یہ آسمان بھی مل جائے خاک میں
اب آگیا ہے فرق بہت اس تیاک میں
اس گوش کے گہر سے دم آئے ہیں ناک میں
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

کئے لطافت اُس تن نازک کی مہر کیا
شاید یہ لطف ہو گا کسو جان پاک میں

لیلیٰ کا ایک ناقہ سو کس قطار میں یہاں
کیا پھول گل کھلے ہیں بگی بہار میں یہاں
دریا بھرے ہیں ایک اک دامن تار میں یہاں
آیا بہت تفاوت صبر و قرار میں یہاں
ایک لگ لگا ٹھی ہے کنج مزار میں یہاں
روز شمار یا رو ہو کس شمار میں یہاں

جن راتوں مہر ہم کو رونے کا مشغلہ تھا
رہتا تھا بحرِ اعظم سو تو کنار میں یہاں

الاکھنچ بفل میں پہچہ کو دیر تلک ہم سار کریں
اور شدائد عشق کی ہ کے کیسے ہم ہوا کریں
چاہت کا انصاف کر دتم کیونکر ہم انکار کریں
خوبی بیاں کرتیری ہم کیا گل کو گلے کا ہار کریں

حجابِ ناکسی سے مر گئے روپوش کب تک ہوں
چھپا لیتا ہی مجھ سے چاند سامنے وہ خدا جانے
الف کی ریز اگر سمجھا اٹھا دل بحثِ علمی سے
بہت ہو تیز آبِ جدول شمشیرِ خواب کا
انوکھا تو کہ یہاں فکرِ اقامت سمجھ کو ہو ورنہ

کرتا نہیں قصور ہمارے ہلاک میں
گرمی نہیں ہو ہم سے وہ ای رشکِ آفتاب
اس ڈھنگ سے ہلا کہ بجا دل نہیں رہے
ایک جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے

محل نشیں ہیں کتنے خدام یار میں یہاں
سن شور کل فقس میں دل داغ سب ہوا
کب وکشی ہو میرے رونے میں ابر تھجے سے
تم تو گئے دکھا کر ٹلک برق کے سے بھکے
ہم مر گئے لیکن سوزِ دروں دہی ہے
ہجران کی گھڑی ہے سو سو برس تعب سے

آج ہمارے گھر آیا تو کیا ہے یہاں جو تار کریں
خاک ہوئے برباد ہوئے یا مال ہوئے سب محو ہوئے
زردی رخِ رونا ہر دم کا شاہدِ دو جب ایسے ہوں
بانع میں اب جاتے ہیں تو صرف اپنا چپ میں ہے

یہ وہ اپنا بے پروائی نو سیدی سے ٹھہرا ہے
 ہم تو فقیر ہیں خاک برابر آ بیٹھے تو لطف کیا
 پتا پتا گلشن کا تو حال ہمارا جانے ہے
 کیا ان خوش ظاہر لوگوں سے ہم یہ توقع رکھتے تھے
 کچھ بھی وہ مغرور رہے تو منت ہم سوار کریں
 ننگ جہاں لگتا ہوا ان کو خدا دے ایسے عار کریں
 اور کہے تو جسے اے گل بے برگ اظہار کریں
 غیر کو لیکر پاس بیٹھیں نہ کو گلیوں غوار کریں

میسر جی ہیں گے ایک جوالے کیا ہم نے دریں
 کچھ بھی جو سن پاویں یہ تو مجلس میں بتا کر کریں

گر کوئی اعمی کے کچھ پر کہاں وہ تو کہاں
 گل کو کیا نسبت ہے تجھ سے میں نہ مانوں زینہار
 عشق لاتا ہے بروے کار مجنوں سا کبھو
 دیکھیاں کجیاں کمال کی بھی خم محراب کے
 سنبل آچھی آپ ہیچ و تاب یوں کھایا کرے
 آگے یہ آنکھیں گلے کی ہار ہی رہتی تھیں روز
 لے گئے پیش فلک اس منہ کا ایسا رو کہاں
 رنگ اگر بالفرض تیرا سا ہوا یہ لو کہاں
 بید بہتیرے کھرے ہیں بے پریشاں مو کہاں
 پردوں کو پھینچتے ہیں جیسے فے ابرو کہاں
 یار کی سی زلف سے فے حلقہ حلقہ مو کہاں
 اب جگر میں خون نہیں ہے سر سے آنسو کہاں

میسر بیچ کتا تھا جنت ہو نصیب اس کے تئیں
 حور کا چہرہ کہاں اس کا رخ نیکو کہاں

بیگانہ وضع برسوں اس شہر میں رہا ہوں
 پوچھائے ہیں مجھ سے گلبرگ لب کو تیرے
 اب کار شوق دیکھوں پہنچے مرا کہاں تک
 تجھ سے متاع خوش کا کیونکر نہ ہوں معترف
 گل پھول کوئی کب تک جھڑ جھڑکے گرتے دیکھے
 کیا کیا کیا تامل اس فکر میں کیا مہل
 ہوتا ہے گرم کیا تو اے آفتابِ خوبی
 بھاگوں ہوں دور سے میں کس کا آشنا ہوں
 بلبل کے ہاتھ جب میں گلزار میں لگا ہوں
 قاصد کے پیچھے میں بھی مہیاقت اٹھ چلا ہوں
 یوسف کے ہاتھ پیارے کچھ میں نہیں بکا ہوں
 اس باغ میں بہت اب جو غنچہ میں رکا ہوں
 سمجھانے آپ کو میں کیا جانئے کہ کیا ہوں
 ایک دھ دم میں میں تو شبنم نمط ہوا ہوں

۱۔ میر تقی میر سے پتا پتا بونا بونا حال ہمارا جانے ہو جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہو
 ۲۔ نسخہ قدیم مطبوعہ کلکتہ میں بھی شیعہ اسی طرح ہے اور ایک قلمی نسخے میں پہلا مصرع اس طرح ہے۔ عر
 گو کوئی اعمی کے کچھ جو کہاں وہ تو کہاں

پیری سے جھلٹے جھلٹے پہنچا ہوں خاک تک میں وہ سرکشی کہاں ہو اب تو بہت دا

مجھ کو بلا ہو وحشت ای میرے دور اس سے

جاگتے جب اٹھا ہوں شوب سا اٹھا ہوں

کیا جانے کہ مر کو گیا کچھ خبر نہیں
مر جانا آنکھیں موندے یہ کچھ ہنر نہیں
کیا ای شب فراق تجھی کو سحر نہیں
دامن ہمارا ابر کی مانند تر نہیں
شالستہ پریدن گلزار پر نہیں
خط لگیا کہ راہ میں پھر نامہ بر نہیں
مطلق کسو کو حال پہ میرے نظر نہیں
راتوں کو گرہی ہو بکا تو جگر نہیں

کوچے میں تیرے میرے کا مطلق اثر نہیں
ہو عاشقی کے بیچ ستم دکھینا ہی لطف
کب شب ہوئی زمانے میں جو پھر ہوا نہ روز
ہر چند ہم کو مستوں سے صحبت ہے ہر ایک
گلگشت اپنے طور پہ ہو سو تو خوب بھیاں
کیا ہو بے حرفن گزر دوستی سے آہ
آنکھیں تمام خلق کی رہتی ہیں اس کی اور
کہتے ہیں سب کہ خون ہی ہوتا ہو شکر ختم

جاگر شراب خانے میں رہتا نہیں تو پھر
یہ کیا کہ میرے جمعہ ہی کی رات گھر نہیں

ہم لوگ تیرے اوپر تنو جی سے مرے ہیں
ہر لحظہ اس کے جلوے پیش نظر ہے ہیں
شالستہ پریدن دو چار پرے ہیں
اب یہ کہیں کہیں جو دیوار و درے ہیں
جوں چشمہ یوں ہی ہریوں ہم چشم ترے ہیں
صدے جنوں کے کیا ہم بے درد سرے ہیں
ہم دور اس سے بیدم دو دو پہرے ہیں
ہم بھیاں مسافرانہ آکر اترے ہیں
ہم بچے پھوٹے کے اب مانند بھرے ہیں
رحمت ہو ہم کو ہم بھی کیا بے خبرے ہیں
وسواس کیا ہو ہم کو جی سے گزرے ہیں
کہتے ہیں بعد مدت میرے اپنے گھرے ہیں

گو جان کر تجھے سب تعبیر کر رہے ہیں
کھنچتا چلا ہو اب تو تصدیق کو تصور
نکلے ہوس جواب بھی ہو دار ہی قفس سے
کل دیکھتے ہمارے لستے تجھے ہر برابر
کیا آج ڈبڈبائی دیکھو ہو تم یہ آنکھیں
لے غم ہو ہم کو بھیاں کائے فکر کچھ ہو ہاں کا
پاس ایک دن بھی اپنا ان لے نہیں کیا ہو
کیا یہ سرے فانی ہو جاے باش اپنی
ایسا نہ ہو کہ چھڑے لیکار پھوٹ بیٹے
اس میکہ میں جس جا ہشیار چائے تھے
گورا و عشق میں ہو شمشیر کے دم اوپر
پہل ہشن بنے تو ایک آدھ بیت سنے

<p>جی چاہتا ہو جا کے کسو اور مر رہیں تا حال کی خرابی سے ہم بے خبر رہیں دو تین آکے لوٹے مسافر اتر رہیں جیسے چراغِ آخر شب تاسحر رہیں لوگ آویں دیکھنے کو بہت ہم جو گھر رہیں یارِ قفس کے چھوٹنے تک بال و پر رہیں جب تک رہیں یہ چاہئے پیش نظر رہیں کل کی بھی دیکھ لیوں گے کل ہم اگر رہیں</p>	<p>یوں قیدیوں سے گپ تیں ہم تنگ تر رہیں آہِ کاش ہم کو سکر کی حالت ہے مدام رہتے ہیں یوں جو اس پریشاں کہ جو کہیں وعدہ تو جب ہو صبح کا تب ہم بھی جاں لب آوارگی کی سب ہیں یہ خانہ خرابیاں ہم نے بھی نذر کی ہو کہ پھر لے چن کے گرو ان دلبروں کی آنکھ نہیں جائے اعتماد خود کی فکر آج نہیں مقتضائے عقل</p>
<p>دیوانے کو جو خط لکھوں بتلاؤ کیا لکھوں کعبہ لکھوں کہ قبلہ اُسے یا خدا لکھوں اس درد مند عشق کی میں کیا دوا لکھوں مجنوں کو اُس کے حاشیہ پر میں دعا لکھوں</p>	<p>دل کو لکھوں ہوں آہ وہ کیا مدعا لکھوں کیا کیا لقب ہیں شوق کے عالم میں یا کے جیراں ہو میرے حال میں کہنے کا طبیب وحشت زدوں کو نامہ لکھوں ہوں کس طرح</p>
<p>جی کے اُلٹنے کا اُسے کیا ماجرا لکھوں جیسے ہو اس کی ابروئے خمدار درمیاں آیا جہاں کہیں قدم یار درمیاں</p>	<p>کچھ رو برو ہوئے پہ جو بٹھے تو بٹھے میر حلق رہتی ہو میرے خلق کے تلوار درمیاں برپا ہوا ہجوم سے یک حشر تازہ وہاں</p>
<p>۱۔ حالتِ بچودی و بچری کو غنیمت جانئے اور اُسی میں عمر گزرنے کے اور شعر بھی دیکھئے ۲۔ مزا غالب ہوئی ۳۔ حوت غرض نشاط ہو کس دوسیاہ کو ۴۔ اک گونہ بچودی مجھے دن رات چاہئے ملاو حالی پانی پتی ۵۔ لی ہوش میں نے کی جو ساقی ہے اجازت ۶۔ فرمایا خیر وار کہ نازک ہو زمانہ عمر ختام ۷۔ خواہم کہ بیلے خودی برآرم نفسی ۸۔ مخور دن و دست بودم زین سبب است ۹۔ میر تقی میر کا ایک در شعر اسی مضمون کا گزر چکا ہو ۱۰۔ فردا کا سوچ بچہ کو کیا آج ہی پڑا ۱۱۔ کل کی سمجھو کل ہی کل تو اگر رہے گا</p>	

<p>یوں رہیے آہ کب تئیں دیوار درمیاں دیکھی نہ ہم نے وہ کمر اک بار درمیاں آتما نہ کاشل وعدہ دیدار درمیاں کوئی نہیں ہو خوں کا سزاوار درمیاں حاجت نہیں جو آئے یہ تکرار درمیاں ٹھہرے قشون کیا نہیں سردار درمیاں جو یک نہیں گئے ہیں خریدار درمیاں بیدا ہو یہ قطعہ گلزار درمیاں مارا گیا عبث یہ گنگار درمیاں کئے بھی جو رہا ہو کوئی تار درمیاں</p>	<p>اس کام جاں میں ہم میں ہوا ہر حجاب چشم سو بار اس سے فتنے جہاں میں اٹھے ولے کیا کئے آوجی کو قیامت ہو انتظار رکھ دی ہو کتنے روزوں سے تلوار پارے ثابت ہو سائے غلق کے اوپر کہ تو ہو ایک آیا کئے دماغ کے اعضا میں یہ فتور بازار میں دکھائی ہو کب ان نے جنس جن دیکھیں چمن جو سینہ پر دماغ سے بڑھیں کھینچے نہ پانی اُس کی تو تلوار بھڑ میں ابھی جنوں کے پنج گریباں کا ذکر کیا</p>
--	---

کتنے دلوں سے تیرے سنا
 شاید نہیں ہو اب وہ گرفتار درمیاں

<p>ایک عالم میں ہیں ہم وہ پہ جہاں تہے ہیں پیش کچھ آؤ ہم اس کو چہ میں جا تہے ہیں بابت بوسہ ہیں پر سب کو چا تہے ہیں وحش و طیر آنکھیں ادھر ہی کو لگا تہے ہیں سیکڑوں آن کے یوسف سے بکا تہے ہیں گریہ خونیں سے لہو میں نہا تہے ہیں جیسے گردان کبوتر یہیں آ تہے ہیں ہر سحر صحبت و دشمن کو بھلا تہے ہیں</p>	<p>اتفاق ایسا ہو کڑھتے ہی سدا تہے ہیں برسی تلوار کہ حائل ہوئے ہیں سیل بلا کام آتا ہو میسر کسے ان ہونٹھوں سے دشت میں گرد رہ اس کی اٹھی ہو جیدھر کیا تری گرمی بازار کہیں غولی کی بستر اخاکہ اُس کی تو ہو اپنا لیکن کیوں اڑاتے ہو بلایا ہمیں کب کب ہم آپ حق تلف کن ہیں بتاں یاد دلاؤں کب تک</p>
--	---

یاد میں اُس کی قد و قامت دلکش کے میر
 اپنے سر ایک قیامت نہی لا رہے ہیں

لہ میر تقی میر سے دل دماغ اور جگر یہ سب اک بار
 کام آئے فراق میں اویار :
 کیوں نہ ہونے صنعت اعضا پر
 مر گئے اس قشون کے سردار

<p>دل کہاں وقت کہاں عمر کہاں یار کہاں بیکل ایسا ہی رہا شب تو یہ بیمار کہاں اب یہی جس بہت ہو یہ خریدار کہاں ایسا پہنچے ہی ہم پھر کوئی غم خوار کہاں جی میں کیا کیا ہو مرے پر لبِ انظار کہاں سجہ سجادہ کہاں جب نہ دستار کہاں زخم تیغ اُس کے اٹھا نیکا سزاوار کہاں بانع شاداب جہاں میں گل بے خار کہاں اب جو ڈھونڈو تو گریبان میں کی تار کہاں پاتھ اٹھاتا ہی جفا سے وہ شہکار کہاں</p>	<p>بانع کو سبز ہوا اب سر گلزار کہاں تم تو لبِ آنے کو پھر کہہ چکے ہو کل لیکن دل کی خواہش ہو کسو کو تو کمی دلی نہیں خاک بھیاں چھانتے ہی کیوں نہ پھر دل کیلئے دم زدن مصلحت وقت نہیں ای ہدم شیخ کے آنے ہی کی دیر ہی بیخانہ میں پھر ہم سے ناکس تو بہت پھرتے ہیں جی دتو دل تو نے بھی گردِ رخِ سرخ نکالا خطِ سبز خبط نے عقل کے سرمستے کے گم سارے گو کہ گردن تئیں بھیاں کوئی لہو میں بیٹھے</p>
<p>یہ نہ جانا کہ لگی نظم کی تلوار کہاں</p>	<p>ڈوبا لوہو میں پڑا تھا ہلکی پیکر میر</p>
<p>اس تو سنو کہیں تو نے مجھے منہ پر نہ لایا ایک میں سب سے رہا محظوظ تو تجھ کو نہ بھایا ایک میں چشم جہاں شوب سے دریا بھایا ایک میں دانستہ اپنی جان سے دل کو اٹھایا ایک میں کیا مجرم عشق بتاں بھیاں ہوں خدا یا ایک میں جوں ابر ساری خلق پر ہوں تو چھایا ایک میں دل کو جو میرے چوٹ تھی طاقت نہ لایا ایک میں دیکھا نہ سرو گل کا بھیاں ٹمک نہ پایا ایک میں میں کشتی ٹھہرا جو ہوں کیا دل لگایا ایک میں</p>	<p>اے مجھ سے تجھ کو سونے تجھ سانہ پایا ایک میں عالم کی میں نے سیر کی مجھ کو جو خوش آیا سو تو یہ جوش غم ہوتے بھی ہیں یوں ابر تر توتے بھی ہیں تھا سب کو دعویٰ عشق کا لیکن ٹھہرا کوئی بھی ہیں طالبِ صورت بھی مجھ پر ستم کیوں اس قدر بھلی سی یوں چکے بہت پر بات کہتے ہو چکے سورنگ نہ ظاہر ہوا کوئی نہ جاگہ سے گیا اس گلستاں سے منفعت یوں نہراؤں کو ہوئی رسم کہن ہے دوستی ہوتی بھی ہو الفت ہم</p>
<p>جن جن نے دیکھا تھا اسے بخود ہوا چیتا بھی پھر پر میرے جیتے جی بخود ہرگز نہ آیا ایک میں</p>	<p>اگرچہ اب کی اہم ای ابر خشک ہر گاہ ہیں صنم پرستی میں ای راہیاں نہ کی نقصیر</p>
<p>یہ جوش دل میں کہہو آگیا تو طوفاں ہیں تم اہل صومعہ سے پوچھو دے مسلمان ہیں</p>	<p>اگرچہ اب کی اہم ای ابر خشک ہر گاہ ہیں صنم پرستی میں ای راہیاں نہ کی نقصیر</p>

بتان شہر ہاے تو دین دایاں ہیں
ہم اپنے دل ہی کے ٹکڑوں کی بدایاں ہیں
ہماری آنکھ سے ظاہر ہو یہ کہ حیراں ہیں
کہ زخم سینہ ہاے سبھی نمایاں ہیں
کہ رنگ روپ سب کچھ ولیک بیجاں ہیں
کہ ایسے لوگ پیارے عسزیز ہماں ہیں

کریں انھوں پہ بھلا کس طرح نظر گستاخ
چمن میں جا کے بھر دو تم گلوں سے جیہ کنار
رہیں ہیں دیکھ جو تصویر سے ترے منہ کو
رہا ہی کون سا پردہ ترے ستم کا شوخ
شبیبہ شکل سے ہی حال ضبط عشق کے بیچ
بنے تو عزت عشاق میں نہ کر تقصیر

جو ابر و رشت میں برے تو ہم آزادیں خاک

وہ پیر آب ہو ہم بھیاں کے میر سا ماں ہیں

عاشقی میں بلائیں کیا کیا ہیں
حن کیا کیا ادا میں کیا کیا ہیں
ایسی ویسی پنائیں کیا کیا ہیں
اس چمن میں ہوا میں کیا کیا ہیں
چپکے چپکے دعا میں کیا کیا ہیں

ہو کیا کیا جفائیں کیا کیا ہیں
خو برد ہی فقط نہیں وہ شوخ
فکر تعمیر دل کسو کو نہیں
کہ نسیم صبا ہو گاہ سوم
شور ہو ترک شیش کا لیکن

منظر دیدہ قصہ دل اور پیر
شہر تن میں بھی جائیں کیا کیا ہیں

پلاکے پلاکے آشنا ہی نہیں
غم دل کو کچھ انتہا ہی نہیں
کچھ اس روگ کی بھادوا ہی نہیں
کہیں آرسی کو حیا ہی نہیں
نہیں ہی تو رسم وفا ہی نہیں
گل ترکی آب و ہوا ہی نہیں

فراق آنکھ لگنے کی جا ہی نہیں
گلہ عشق کا بد و خلقت سے ہو
محبت جہاں کی تھاں ہو چکی
دکھایا کئے یار اس رخ کا سطح
وہ کیا کچھ نہیں حن کے شہر میں
چمن محو اس سے خوش کا ہو سب

نہیں دیر اگر پیر کہہ تو ہے
ہم اے کوئی کیا خدا ہی نہیں

بد وضع بھیاں کے لڑکے کیا خوش معاملے ہیں
کرتے ہیں جو وفا میں ان ہی کے حوصلے ہیں

دل لیکے کیسے کیسے جھگڑے مجاہدے ہیں
گھبرائے لگنتیاں ہیں رک رک کرتے تن میں طائیں

<p>ہر بات جائزہ ہو ہر بیت پر صلے ہیں اطراف کے یہ بے تہ اب تم سے آئے ہیں اس گشتہ مستم کو تم سے بہت گلے ہیں جو شیشہِ حبابی سب دل پر کبے ہیں یہاں مشکلیں ہیں ایسی جہاں یہ مسالے ہیں چلنے کو یہاں سے اکثر تیار قافلے ہیں</p>	<p>کیا قدر تھی سخن کی جب یہاں بھی صحبتیں تھیں جب کچھ تھی جنت مجھ سے تب کس سے ملے تھے تم تھا واجبِ الترحم مظلومِ عشق تھا میں سوزِ دروں سے کیونکر میں آگ میں نہ لوٹوں میں جی سنبھالتا ہوں وہ ہنس کے مالتا ہو اندیشہ زادہ کا رکھے تو ہو مناسب</p>
<p>پانچوں حواس گم ہیں ہر اک کے اس میں کیا میسر جی ہی تنہا ان روزوں میں</p>	
<p>بہت اُس نے ڈھونڈا نہ پایا ہمیں ہوا ہو کے تو کہ سایا ہمیں ان آنکھوں نے کیا کیا دکھایا ہمیں نہیں تو اٹھالے خدایا ہمیں یہ کیا روگ یا رب لگایا ہمیں وئے خواریوں سے اٹھایا ہمیں حسینوں کا ملنا ہے بھایا ہمیں بہت دوستوں نے جتایا ہمیں</p>	<p>محبت نے کھویا کھپایا ہمیں پھر کرتے ہیں دھوپ میں جلتے ہم گئے تر ہیں گاہِ خوں بستہ تھیں بٹھا اُس کی خاطر میں نقشِ وفا ملے ڈالے ہو دل کوئی عشق میں ہوئی اُس گلی میں تو سٹی عزیز جوانی دوانی سنا کیا نہیں نہ سمجھی گئی دشمنی عشق کی</p>
<p>کوئی دم کل آئے تھے مجلس میں میسر بہت اس غل پر رُلا یا ہمیں</p>	
<p>رہا دیکھ اپنا پرایا ہمیں کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں نہ اس بن تنک صبر آیا ہمیں انہیں نے کنائے لگایا ہمیں یہ کیا تم نے سمجھا ہو آیا ہمیں سب اس دلغے نے آکھایا ہمیں جلا وہ بھی جن نے جلایا ہمیں</p>	<p>جنوں نے تماشا بنایا ہمیں سدا ہم تو کھوئے گئے سے ہے یہی تادمِ مرگ بیتاب تھے شب آنکھوں سے دریا سا بہتا رہا ہمارا نہیں تم کو کچھ پاس رنج لگی سے جوں شمعِ پاتک گئی جلیں پیش و پس جیسے شمع و تپک</p>

ازل میں طاکیانہ عالم کے تئیں قضا نے یہی دل دلایا ہمیں

رہا تو اکثر الم ناک میر
ترا طور کچھ خوش نہ آیا ہمیں

کیا عبت مجنوں پہ چل ہو میاں
قند کا کون اس قدر مائل ہو میاں
ہم نے یہ مانا کہ واعظ ہو ملک
چشم تر کی خیر جاری ہو سدا
مرے کے پیچھے تو راحت سچ ہو لیک
دل کی پامالی ستم ہو ہم سے
آج کیا فردائے محشر کا ہر اس
دل تڑپتا ہی نہیں کیا جانے
چاہئے پیش از نماز آنکھیں بھلیں
رنگ بے رنگی جدا تو ہے دے
سامنے سے ٹک ٹلے تو دق نہ ہو
دل لگے امنے جہاں میں کس لئے
بے تھی دریائے ہستی کی نہ پوچھ
چشم حق میں سے کرد ملک تم نظر
درومندی ہی تو ہو جو کچھ کہ ہے
برسوں ہم روتے پھرے ہیں برسے
کہنہ سالی میں ہو جیسے خرد سال
کیا دل مجروح و محزون کا گلہ
دیکھ کر مہزہ ہی خرم دل کو رکھ
ستعدوں پر سخن ہو آج کل

یہ دوانا باد لاسا قتل ہو میاں
جو ہواں ہونٹوں ہی کا قاتل ہو میاں
آدمی ہونا بہت مشکل ہو میاں
سیل اس روانے کا پائل ہو میاں
بیچ میں یہ واقعہ حاصل ہو میاں
کوئی یوں ڈلتا ہو آخر دل ہو میاں
صبح دیکھیں کیا ہوش حاصل ہو میاں
کس شکار انداز کا بسل ہو میاں
حیف اس کا وقت جو غافل ہو میاں
آب سا ہر رنگ میں شامل ہو میاں
آساں چھائی پر اپنے سل ہو میاں
رہ گزر ہو یہ تو کیا منزل ہو میاں
یہاں تک جگہ سا مل ہو میاں
دیکھتے جو کچھ ہو سب باطل ہو میاں
حق میں عاشق کے دوا قاتل ہو میاں
زالو نذا اس گلی میں گل ہو میاں
کیا فلک پیری میں بھی جا مل ہو میاں
ایک غمگین دوسرے گمناں ہو میاں
مزرع دنیا کا یہ حاصل ہو میاں
شعر اپنانے ہو کس قابل ہو میاں

کی زیارت میر کی ہم نے بھی کل
لا ابلالی سا ہو پر کامل ہو میاں

لے اہی بیان سل ہو ہر رنگ ملا یک ہونا ہو آدمی بننا ہو اسان بڑی مشکل سے (بیان ویرانی میر غی)
لے غنیمت جان فرصت آج کے دن پڑھی کیا جائے کیا ہوشی ہو حال اہمیر بے گل کا لہر

لذت سے درد کی جو کوئی آشنا نہیں
ہر آن کیا عوض ہو دُعا کا بدی دے
روئے سخن جو ہو تو مرا چشم دل کی اور
تلوار ہی کھنچا کی ترے ہوتے بزم میں
مل دیکھے ایسے دلبر ہر جائی سے کوئی
ہو تم جو میرے حیرتی خُط شوق وصل
آئینے پر سے ٹپک نہیں اُٹھتی تری نظر
رنگ اور بو تو دلکش و دل چسپ ہیں کمال
نیرِ ستم کا تیری بدن کب تلک رہوں
ان نے تو آنکھیں موند لیاں ہیں دھڑک رہاں

اُٹھتے ہو میر دیر سے تو کعبہ چل رہو
مغموم کا ہے کوہِ ہوا، تمھارے خدا نہیں؟

کیا کہیں آتش ہجر اں سے گلے جاتے ہیں
گوہر گوش کسو کا نہیں جی سے جاتا
سہی مسدود ہو کچھ راہ و فنا در نہ ہم
بار حرام و گل داغ نہیں اپنے ساتھ
حیرت عشق میں تصویر سے رفتہ ہی رہے
ہجر کی گوشت جو کھینچے ہیں انھیں سے پوچھو
یاد قد میں ترے آنکھوں سے ہیں جو نہیں
دیکھیں پیش آئے ہو کیا عشق میں اترو جوں سل

پر غباری جہاں سے نہیں سدھ میر ہیں
گرد آتی ہو کہ مٹی میں رلے جاتے ہیں

کیا کہیں پایا نہیں جانا ہو کچھ تم کیا ہو میاں
تم کھو گئے دنیا سے تم ہو اور اب دنیا ہو میاں

ہے نہیں دیر اگر میر کعبہ تو ہو
ہمارے کوئی کیا خدا ہی نہیں؟ (میر)

دلی ہو آخر نہ ہنگامہ کہیں برپا ہو میاں
کون مڑا ہو جسے ہو کون، ناپیدا ہو میاں
تب تلک ہی لطف ہو جب تک کچھ پردا ہو میاں
درمیاں آئے اگر تلوار تو پرچا ہو میاں
پاٹ دامن کا پخڑوں کوئی تو دریا ہو میاں
یا گریباں کوہ کلا یا دامن صحرا ہو میاں
جب گلی کوچوں میں ملی اس طرح رسوا ہو میاں

مست خانی پائوں سے چل کر کہیں جبا کرو
دل جہاں کھویا گیا کھویا گیا، پھر دیکھے
دل کو لے کر صاف یوں آنکھیں ملاتا ہو کوئی
ایک جنبش میں ترے ابرو کی ٹل جاتی ہو بھیڑ
برسوں تک چھایا رہا ہو چٹم تر پر ابرسا
شہر میں تو موسم گل میں نہیں لگتا ہو جی
مدعی عشق تو ہیں غسز لیتی شہر لیک

گفتگو اتنی پریشاں حال کی یہ درہمی
میتیر کچھ دل تنگ ہو ایسا نہ ہو سودا ہو میاں

اس آتش خاموش کا ہو شور جہاں میں
یہ جنس نکلتی نہیں ہر اک کی دکاں میں
جادو تھا مرے خائے کی گویا کہ زباں میں
ٹھہر دو کوئی دم آن کے اس ٹٹے مکاں میں
ملتی تھی طرح اس کی بہت مڑ رواں میں
چرچا ہو یہی شہر کے اب پیرو جواں میں

معلوم نہیں کیا ہو لب سیرخ بتاں میں
یوسف کے تئیں دیکھ نہ کیوں بند ہوں بازار
ایک پرچہ اشعار سے منہ باندھے بھوں کے
یہ دل جو شکستہ ہو سوبے لطف نہیں ہو
میں لگے کے گلے خوب ہی رویا لب جو پر
کیا قہر ہوا دل جو دیا لڑکوں کو میں نے

وے یاسمن تازہ شگفتہ میں کہاں میتیر
پائے گئے لطف اس کے جواؤں کے نشان میں

رولیت واو

کاہیکو یوں کھڑے ہو وحشی سے بیٹھ جاؤ
ہر چند اپنے منہ کو برقع میں تم چھپاؤ
تم گھنچ گھنچ مجھ کو اس سہلے پر نہ لاؤ
مست کر کے شوخ چشمی آشوب سا اٹھاؤ
پھر لطف کیا جو اگر آدھا بھی تم نہ پاؤ
اس جادوگر کو یارو پھر بھی تنگ دکھاؤ

اتنا کہا نہ ہم سے تم نے کبھو کہ آؤ
یہ چاند کے سے ٹکڑے چھپتے نہیں چھپائے
دو چار تیر یارو اس سے بھلی ہو دوری
ہو شرم آنکھ میں تو بھاری جہاز سے ہو
اب آتے ہو تو آؤ ہر لحظہ جی گٹھے ہو
تھی سحر یا لنگہ تھی ہم آپ کو تھے بھولے

<p>ماے گئے سو گئے جی پھر پھر آتے ہیں کیا آئندہ میر صاحب دل مت کہیں لگاؤ</p>	
<p>نہ نائل آرسی کارہ سرا پا درو ہوگا تو یہ پیشہ عشق کا ہے خاک چھنوائیگا صحرا کی غبار اٹھنے لگے گا تیری اس نازل طبیعت علاقہ دل کا لکھوائے گا دفتر ہاتھ سے تیرے</p>	<p>نہو گچین باغ حسن ظالم زرد ہوگا تو ہزار ای بے وفا جو گل چن پر درد ہوگا تو لسان گرد باد آخر بیا باں گرد ہوگا تو بزد کے جریووں میں قلم سا فرد ہوگا تو</p>
<p>نہ اک دم صبح تک بھی آنکھ لگنے دیگا دل جلنا یہی پھر میر صاحب سر گرم آہ سرد ہوگا تو</p>	
<p>سب حال سے بے خبر ہیں یہاں تو اس تن پہ نثار کرتے لیکن بر باد نہ دے کہیں سر اسر کیا اُس کے گئے ہی ذکر دل کا کیا کیا نہ عسزیز خوار ہونگے غنی لگے منہ تھکے لیکن کیا اس سے رکھیں اُمید بہبود یہ طالع نارسا بھی جاگیں</p>	<p>برہم زدہ شہر ہی جہاں تو اپنی بھی نظر میں ٹھہرے جہاں تو رہتی نہیں شمع ساں زباں تو دیران پڑا ہی یہ مکاں تو ہونے دوائے ابھی جواں تو صحبت کا لے بھی ہو دہاں تو پھرتا ہی خراب آسماں تو سو جائے ٹکاس کا پاساں تو</p>
<p>مت تربت میر صاحب کو مٹاؤ رہنے دو غریب کا نشاں تو</p>	
<p>لمفت ہوتا نہیں ہو گاہ تو مجھ سے کتنے جان سے جاتے رہے بخودی رہتی ہو اب اکثر مجھے اُس کے دل میں کام کرنا کام ہو فرش ہیں آنکھیں ہی تیری راہ میں جی تلک تو منہ نہ موڑیں تجھ سے ہم کا ہیش دل بھی دو چنداں کیوں ہو</p>	<p>کس قدر معذور ہو اللہ تو کس کی میت کے گیا ہمراہ تو حال سے میرے نہیں آگاہ تو یوں فلک پر کیوں نہ جا آہ تو آہ ٹک تو دیکھ کر چل راہ تو کر جہنا و جور خاطر خواہ تو آنکھ میں آئے نہ دو دو ماہ تو</p>

دل دہی کیا کی ہو یوں ہی چلے
اے نہ سے تو آفریں تو واہ تو

میر تو تو عاشقی میں کھپ گیا
ست کسی کو چند روز اب چاہ تو

اب میری سے بچیں تو دیکھیں گے گلشن کبھو
ہم بھی ایک امید پر اس امید گہ میں ہیں پڑے
پند پایا جیب میں یا سکر مارا تنگ ہو
یار کی برگشتہ شرگاں سے نہ دل کو جمع رکھ
جان کوئی کیوں نہ دو اُس ہمدرد کے لئے
ہوں تو نالائک زبرد یوار چین پر ضعیف سے

دل مکران جامہ زیبوں کو دیا ہر میر نے
اس طرح پھرتے نہ تھے دے چاک پیرا ہن کبھو

گل برگ سے جو نازک غولی پا تو دیکھو
ہر بات پر خشونت طس زجفا تو دیکھو
سایہ میں ہر پلک کے خوابیدہ ہو قیامت
بلبل بھی گل گئے پر مر کر چین سے نکلی
طنزیں عبث کرد ہو غمش رہنے پر ہمارے
ہونا پڑے ہو دشمن ہر گام اپنی جاں کا
پیری میں مول لیں ہیں منعم حویلیوں کو
دوبے ہو کشتی میری سحر عیق غم میں
کے جو ہم تو اُن نے آنکھوں میں ہم کو رکھا
ہو اس چین میں وہ گل صد رنگ محو جلوہ

اشعار میر پر اب ہائے دئے رہو
کچھ سحر تو نہیں ہو لیکن ہوا تو دیکھو

ہد زباں ہو جیسے خوش اسلوب ہو
بے نقابی اُس کی ہو ہم پر ستم
کیا کہیں جو کچھ کہ ہو تم خوب ہو
لائیے سُنہ پر تو وہ محبوب ہو

<p>دوستی با ہم جہاں معیوب ہو گاہ باشد تم کو بھی مطلوب ہو جان کا خواہاں اگر محبوب ہو کیا مزاج عشق میں مرغوب ہو</p>	<p>ایسا شہسہ حسن ہی ہے تازہ رسم مطلب عمدہ ہی دل لے تو رکھو چاہئے ہی اور کچھ عاشق کو کیا لو ہو پینا جہاں کھانا دیکھئے</p>
<p>جو کو ہو سو محاسن عقل کے میتیر صاحب تم مگر مجذب ہو</p>	
<p>درمیاں تو ہو سامنے گل ہو لئے تساہل ہوئے تغافل ہو جیسے پر پیچ کوئی کاکل ہو کس بھروسے پہ ٹک سچل ہو رگیا ہوں چراغ سا گل ہو داغ بھی ہو تو کوئی بالکل ہو لکھنے بیٹھوں تو خط ترسل ہو جبکہ قفل سے شیشہ کی قل ہو بوئے گل ہو صغیر بلبل ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر گل ہو</p>	<p>منعقد کاش مجلس گل ہو گرمیاں متصل رہیں با ہم اب دھواں یوں جگر سے اٹھتا ہو نہ تو طالع نہ جذب پھر دل کو لگتے چل اے نسیم باغ کہ میں ادھ جلا لالہ ساں رہا تو کیا طول رکھتا ہی درد دل میرا ہو جو مجھ بادہ کش کے عرس میں تو دیر رہنے کی جا نہیں یہ چرن مجھ دوائے کی مستدلا زنجیر</p>
<p>مناشف ہو رہا ہے حال میتیر کاش ٹک یار کو تامل ہو</p>	
<p>ابھی کیا جانیے یہاں کیا سماں ہو خدا جانے ملاپاس سے کہاں ہو وہیں شاید کہ اُس کا آستان ہو اگر ہر مومرے تن پر زباں ہو تھاری کس طرح خاطر نشان ہو خدائی میں اگر ایسا مکان ہو تمنائے دل و آرام جاں ہو</p>	<p>نہ میسر باعث شور و فغاں ہو یہی مشہور عالم ہیں دو عالم جہاں سجدے میں ہم نے غش کیا تھا نہ ہوئے وصف اُن بانوں کا جھ سے جگر تو چھن گیا تیروں کے مارے نہ دل سے جا خدا کی تجھ کو سو گند تم اے نازک ناں ہو وہ کہ سب کے</p>

لے غالب ہوئی ہے جلتا ہوئی کہ یوں نہ ہم کہاں چل گئے : اے ناتواں نفس شعلہ بار حیف

ہلے ٹک لب کہ اُس نے مار ڈالا
سنا ہی چاہ کا دعویٰ تمہارا
کنارہ یوں کیا جاتا نہیں پھر
کے کچھ کوئی گرجی کی اماں ہو
کہو جو کچھ کہ چاہا ہو مہرباں ہو
اگر پاسے محبت درمیاں ہو

ہوئے اہم پیر سو ساکت ہیں اب میر
تمہاری بات کیا ہو تم جواں ہو

برسوں میں کبھو ایدھر تم ناز سے آتے ہو
آتے ہو کبھو یہاں تو اہم لطف نہیں پاتے
رہتے ہو تم آنکھوں میں پھرتے ہو تمہیں دل میں
ایسی ہی زباں ہو تو کیا عمدہ برا ہوں گے
خوش کرنے سے ٹکسا یہ ناخوش ہی کھا کر یے
اک خلق تلاشی ہو تم ہاتھ نہیں لگتے
مدت سے تمہارا کب ایدھر کو تہ دل سے
کچھ عزت کفر آخر ای دیر کے باشندو
آوارہ اُسے پھرتے پھر برسوں گزرتے ہیں

دل کھول کے مل چلے جو میر سے ملتا ہو
آنکھیں بھی دکھاتے ہو پھر منہ بھی چھپاتے ہو

ہر صبح شام تو پئے ایذائے میر ہو
ہو کوئی بادشاہ کوئی یہاں وزیر ہو
جنت کی منت ان کے دماغوں سے کباٹھے
کیا یوں ہی آبتاب ہے ہو بیٹھیں کا عشق بیٹھے
چھاتی قفس میں داغ سے ہو کیوں رشک باغ
یہاں برگ گل اڑاتے ہیں پر کالہ جگر
اُس کے خیال خط میں سے یہاں داغ حزن
زہنار اپنی آنکھ میں آتا نہیں وہ صید
ہوتے ہیں میکہ کے جواں شیخ جی بُرے

ایسا نہ ہو کہ کام ہی اس کا اخیر ہو
اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو
خاکِ اس کی جن کے کفن کا عبیر ہو
سو کھے جگر کا خون تو رواں جوئے شیر ہو
جوش بہار تھا کہ اہم آئے اسیر ہو
جا عند لب تو نہ مری اہم صفیر ہو
کرتی ہو بے مزہ جو قلم کی صریر ہو
پھوٹا دوسرا جس کے جگر میں نہ تیر ہو
پھر در گزریہ کرتے نہیں گو کہ پیر ہو

کس طرح آہ خاکِ نلت سے میں اٹھوں
حد سے زیادہ جُور و ستم خوشنما نہیں
دم بھر نہ ٹھہرتے دل میں نہ آنکھوں میں لپ لپ
ایسا ہی اس کے گھر کو بھی آباد دیکھو
تسکین دل کے واسطے ہر کم بغل کے پاس

یک وقت خاص حق میں مرے کچھ دعا کرد
تم بھی تو میرے صاحبِ قبلہ فقیر ہو

سو تب تلک کہ مجھ کو ہجرال سے تیرے خو ہو
اے عشق بے محابا دنیا ہو اور تو ہو
ہر بات پر کہاں تک آپس میں گفتگو ہو
جور و سیاہ یہ بھی نہاں آگے روبرو ہو
نشاہد کلی تجھے بھی اُس گل کی آرزو ہو
کہو اگر تفادات اس میں بقدر مو ہو
آئی ہو اے صبا تو ایسی جو مشکبو ہو
نقشِ حصیر تن پر ایسے ہیں جوں اتو ہو
ممکن نہیں کہ شیشہ ٹوٹا ہوا رفو ہو

ہلک لطف سے ملا کر گو بھر کبھو کبھو ہو
کیا کیا جوان ہم نے دنیا سے جاتے دیکھے
اپنے کو گے کچھ تو اہم چپکے ہو رہیں گے
کیا ہو جوابِ ظالم پرستش کے روز کہو
یہ زخموں ہمارے دل سے کتنی ہی تو مشابہ
خط اُس کے پشت لب کا ساکت کر گیا مجھ کو
کھولے تھے بال کن نے ہنگام صبح اپنے
درویشی سے بھی اپنی نکلے ہو سیر زانی
مت الیام چاہے پھر دل شکستگان سے

کتنے ہو کا پتا ہوں جوں بید عاشقی سے
تم بھی تو میرے صاحبِ کتنے خلات گو ہو

جی میں ہم نے یہ کیا ہو اب مقرر ہو سو ہو
ایک دن تو لوٹ پڑ اے دیدہ تر ہو سو ہو
یہ فضولی ہو فقیر ہی میں میر ہو سو ہو
تیر باراں ہو کہ برسے تیغ یکسر ہو سو ہو
پھر تو خواری بیوتاری بندہ پرودہ ہو سو ہو
داد لیجے اپنی اس ظالم سے اڑ کر ہو سو ہو
سر منڈا کر اہم بھی ہو تے ہیں قلندر ہو سو ہو

رکھے گردن کو تری تیغِ رستم پر ہو سو ہو
قطرہ قطرہ اشکباری بنا کجا پیشِ سحاب
بند میں ناز و نعم ہی کے رہے کیونکر فقیر
آگے کو پچے سے ترے جاتا ہوں کب جو لبِ شرب
صاحبی کیسی جو تم کو بھی کوئی تم سا ملا
کب تلک فریاد کرتے یوں پھر اب قصدِ آ
بال تیرے سر کے آگے تو جیوں کے ہیں بال

لے کاش اُس کے روبرو نہ کریں مجھ کو حشر میں ؛ کتنے سرے سوال میں جنکا نہیں جواب (میر تقی میر)

سختیاں دیکھیں تو ہم سے چند کچھ انا ہو عشق
دل کو ہم نے بھی کیا ہو اب تو پتھر ہو سو ہو

کہتے ہیں ٹھہرا ہو تیرا اور غیروں کا بگاڑ

ہیں شریک ای میر ہم بھی تیرے ہنر ہو سو ہو

بے رحمی اتنی عیب نہیں بے دانا نہ ہو
کیا کھیلے وہ جو جسے کچھ آسرا نہ ہو
کافر بھی اپنے یار سے یار ب جدا نہ ہو
کیا جائے وہ کہ جس کا کہیں دل لگانہ ہو
اس پرے میں خیال تو کر ملک خدا نہ ہو
اس تنگنائے میں کریں کیا جو ہوا نہ ہو
دل داغ کس طرح سے ہمارا بھلا نہ ہو
سسر نہیں لگانے کا میں تم خفا نہ ہو

ظالم ہو میری جان پہ نا آشنا نہ ہو
کرتی ہو عشق بازی کو بے مایگی و بال
ہجر بتاں میں طبع پر گندہ ہی رہی
آزار کھینچنے کے مزے عاشقوں سے پوچھ
کھینچا ہو آدمی نے بہت دور آپ کو
رک جائے دم گر آہ نہ کر لے جہاں کے بچ
طرز سخن تو دیکھ ٹک اُس بد معاش کی
شکوہ سیاہ چشمی کا سن ہم سے یہ کہا

جی میں تو ہو کہ دیکھئے ادارہ میر کو

لیکن خدا ہی جاتے وہ گھر میں ہو یا نہ ہو

کہ پھر موتے ہی بنے ہو اگر جدائی ہو
نظر جسے ہو اُسے خاک خود نمائی ہو
کہ نامہ پہنچے تو پھر کاغذ ہوائی ہو
نصیب بس کو ترے در کی جہہ مائی ہو
نہیں ہو وہ تو کوئی اور اُس کا بھائی ہو
وہی تو جائے ہو وہاں جس کو کوئی آئی ہو
ہزار مہر و محبت میں بے نوائی ہو
کہ مدعی سے اُسے ایک دن لڑائی ہو
جو اپنے حوصلہ میں کچھ بھی ابد سمائی ہو
دکھائی دے ہو موتے ہی پر اب رہائی ہو

خدا کرے کہ بتوں سے نہ آشنائی ہو
بدن نا ہو ہر آئینہ لوح تربت کا
بدی نوشتے کی تحریر کیا کروں اپنے
فرد نہ آئے سر اُس کا طوائف کعبہ سے
ہماری چاہ نہ یوسف ہی پر ہو کچھ پوچھنا
گلی میں اُس کی رہا چلے جو کوئی سو رہا
لسب سوال نہ اک بوسے کیلئے کھولوں
زمانہ یار نہیں اپنی بخت سے اتنا
جفا و جور و ستم اُس کے آپ ہی سے
ہزار موسم گل تو گئے اسیری میں

چمکتے دانتوں سے اُس کے ہوں ہو رکش میر

عجب نہیں ہو کہ بجلی کی جگ ہنسائی ہو

سنا چند انتظار قیامت شتاب ہو
 احوال کی خرابی مری پہنچی اس سے
 یہاں آنکھیں مند تے دیر نہیں لگتی یہاں
 پھولوں کے عکس سے نہیں جپے چین میں رنگ
 یہاں جرم گنتے انگلیوں کے خط بھی شکستے
 غفلت ہو اپنی عمر سے تم کو ہزار حیف
 شان تغافل اُس کی لکھی اہم سے کب گئی
 لطف شراب ابر سے ہی سونگھیں کو
 ہستی پر ایک دم کی تھیں جوش اس قدر
 جی چاہتا ہے عیش کرس ایک رات ہم
 پر بچ و تاب دو دہل اپنا ہی جیسے زلف

وہ چاند سا چونکے تو رفع حجاب ہو
 اس پر بھی وہ کہے ہوا بھی ملک خراب ہو
 میں کان کھولے رکھتا ہوں تیرے شتاب ہو
 گل بہ چلے ہیں شرم سے اُس مہ کی آب ہو
 وہاں کس طرح سے دیکھیں ہمارا حساب ہو
 یہ کاروان جاتے ہیں تم سست خواب ہو
 جب نامہ بر ہلاک ہو تب کچھ جواب ہو
 جب لیوین جام ہاتھ میں آفتاب ہو
 اس بکرموج خیز میں تم تو حجاب ہو
 تو ہو فے چاندنی ہو گلانی شراب ہو
 جب اس طرح سے جل کے درون کیا ہو

اگے وہ بان یار کے خط پہنچے سب تہیر
 پہلی جوابات اس کی کہیں تو کتاب ہو

سب سرگرمشت سن چکے اب چپکے ہو رہو
 جوش محیط عشق میں کیا جی سے گفتگو
 فندق تو ہو یہ بھی تماشے کارنگ ہو
 اتنا سیاہ خانہ عاشق سے تنگ کیا
 ٹھہراؤ تم کو شوخی سے جوں بزن ملک نہیں
 آنکھوں سے ہو کے رہا جاوے کس طرح

آخر ہوئی کہانی مری تم بھی سو رہو
 اس گوہر گرامی سے اب ہاتھ دھو رہو
 ہلک انگلیوں کو خون میں میرے ڈلو رہو
 کتنے دنوں میں آئے ہو ہاں ات تو رہو
 ٹھہرے تو ٹھہرے دل بھی مرا سکے جو رہو
 ملتے ہوئے سمجھ کے کہا کر رہو رہو

خطہ بہت ہو تہیر رو صعب عشق میں
 ایسا نہ ہو کہیں کہ دل دویں کو کھو رہو

لاہق نہیں تمہیں کہ میں نا سزا کو
 چپکے رہے بھی چین نہیں تب کہے دیوں
 پیغام بر تو یار دہمیں میں کروں ملے
 اب نیکے بد پر عشق میں مجھ کو نظر نہیں

پر ہو ہی ہمارے کئے کی سزا کو
 لب بستہ بیٹھے رہتے جو ہو مدعا کو
 کیا جانوں جا کے حق میں مرا سے کیا کو
 اس میں مجھے بُرا کہو کوئی بھلا کو

سرخاک آستان پہ تمھارے رہا دام
برسوں تلک تو گھر میں بلا گالیاں دیاں
صحبت ہماری اس کی جو کوئی کرتی نہیں
یار و خصوصیت تو ہے اپنی اس کے ساتھ
آشفۃ موحواس پریشاں خراب حال
اس پر بھی یا نصیب جو تم بے وفا کو
اب یہ سن کے کہنے لگے ہیں دعا کو
کیا کہنے گر کے کوئی یہ ماجر کو
میر اکبر جو حال تو اس سے جدا کو
دیکھو مجھے تو خطبلی دوانہ سزا کو

کب شرح شوق ہو سکے بر تو بھی میسر جی
خط تم نے جو لکھا ہے کیا کیا لکھا کو

مت سگ یار سے دعوے سادات کرد
صحبت آخر ہو ہماری نہ کرو پھر افسوس
دیدنی ہو یہ ہوا شیخ جی سے کوئی کے
تم تو تصویر ہوئے دیکھ کے کچھ آئینہ
اُس کے بیٹھے پاؤ تو سہا بات کرد
متصل ہو سکے تو ہم سے ملاقات کرد
کہ چلو میکہ نے تک تم کو کرامات کرد
اتنی چپ بھی نہیں ہو غیب کی بات کرد

بس بہت وقت کیا شعر کے فن میں علاج
میر اب پیر ہوئے ترک خیالات کرد

جوں غنچہ میر اتنے نہ بیٹھے رہا کرد
جوں نے نہ زار و نالہ سے ہم ایک دم رہیں
سوتے کے سوتے یوں ہی نہ رہ جائیں ہم کھبو
سوئے میں اُس کے بک گئے ایسے کئی ہزار
ہوتے ہو بیدار تو دیکھو ہوناک ادھر
یہ اضطراب دیکھ کہ اب دشمنوں سے بھی
دم رکتے ہیں سیاہی مڑگاں ہی دیکھ کر
پورا کریں ہیں وعدہ کو اپنے ہم آجکل
دشمن ہیں اپنے جی کے تمھارے لئے ہوئے
اپنا چلے تو آسچی ستم سب اٹھائے
محل پھول دیکھنے کو بھی تک اٹھ چلا کرد
تم بند بند کیوں نہ ہمارا جدا کرد
آنکھیں ادھر سے موند نہ اپنی لیا کرد
یوسف کا شور دور ہی سے تم سنا کرد
غصہ ہی ہم پہ کا شکے اکشر رہا کرد
کتا ہوں اس کے لئے کی کچھ تم دعا کرد
سر نہ لگا کے اور ہیں مت خفا کرد
وعدہ کے تئیں وصال کے تم بھی وفا کرد
تم بھی حقوق دوستی کے کچھ ادا کرد
تم کون چاہتا ہو کسو پر جفا کرد

ہر چند ساتھ جان کے ہو عشق میر لیک
اس دردِ لاعلاج کی کچھ تو دوا کرد

لا میری اور یارب آج ایک خوش کمر کو
بے طاقتی میں شب کی پوچھو نہ ضبط میرا
پھولا پھلانا اب تک ہرگز درختِ خواہش
ہر روز گار میرا ایسا سیہ کہ یارو
ہر چند ہر سخن کو تشبیہ دے لیکن
نزدیک ہو کہ جاویں ہم آپسے اب آؤ

کب میسر ابر ولیا بر سائے کر اندھیری
جیسا کہ روستے ہم نے دیکھا ہر چشم ترکو

مجلس میں بہت دھدکی حالت رہی سب کو
درویشوں کے پیرا ہن صد چاک قصب کو
دیکھو تو ہو آئینہ میں تم جنبش لب کو
پہنچا یا ہے آدم تئیں واعظ کے نسب کو
جاگہ نہیں بھان در نہ لہیاں کے غضب کو
کچھ لوچھو نہ اُس شوخ کی رنجش کے سبب کو
یوں تھینچے کوئی کب تیرا سبج و لقب کو
کچھ ہم نے تو یا یا نہیں اب تک تھے ڈھب کو

مسطربے پڑھی تھی غزل اک میسر کی شب کو
پھرتے ہیں چنانچہ لئے خدام سکتاے
کیا وجہ کہیں خوں شدن دل کی پیایے
برہمنوں تئیں جب ہم نے تردد کے ہیں تب
ہر دم کو بھی راہ دل یار میں بارے
کیا ہم سے گنہگار ہیں یہ سب جو موئے ہیں
دل دینے سے اس طرح کے جی کا شکے دیتے
حیرت ہو کہ ہر مدعی معرفت اک خلق

ہو گا کسو دیوار کے سایہ میں پڑا میسر
کیا ربط محبت سے اُس آرام طلب کو

کہ افشاں کیجے خون اپنے سے اُس کے دامن میں کو
کبھو در تک آباے ہمارے دل کی تسکین کو
بہت پی پی گیا دُشے ترے میں اشکِ خونیں کو
دکھا دیوں گے ہم محشر میں اسکے دستِ رنجیں کو
دکھایا ہم نے گر حیرہ ترا صورت گر چیں کو
محبت ہو گئی تھی کوہن سے نقشِ شیریں کو
سراپا کباب ہی مارا کرے اس خشتِ سیمیں کو

ملا یارب کہیں اس صیدا لکن ہر بسر گیں کو
گئے دے سابلے سارے خصوصیت رہی پیایے
بے جالتے نہیں لہا لبہ کے گھونٹ یہ مجھ سے
نہ نکھیں یار کو محض ہمارے خونِ ناحق کا
بخیر حیرت نہ بن آئے گی کوئی شکل پھر اس سے
ابھر کر سنگ کے تختے سے پھر دیکھا کیا آؤ دھر
ہم اُس کے چاند سے منہ کے ہیں عاشق مئے کیا ہم کو

ہوئے کیا کیا مقدس لوگ آوارہ ترے نظم میں
بہت مدت ہوئی صحرا سے جنوں کی خبر آئے
لے تبسیج ہاتھوں میں جو تو باتیں بناتا ہے
سبک پا کر دکھا پٹو بخ تو نے اہل تمکس کو
نہیں معلوم پیش آیا ہے کیا اس پیریں کو
نہیں دیکھا ہے واعظ تو نے اس غارتگر دیں کو

کیا کوچے سے تیرے اٹھ کے میسر آشفہ سر شاید
پڑا دیکھا تھا میں نے رہ میں اس گنگن بالیں کو

کیا چہرے خدا نے دیے ان خوش پسروں کو
آنکھوں سے ہوئی خانہ خرابی دل ای کاش
پروان گلستاں کے تو شاکستہ نہ بکے
سب طرقتی ہیں یہ جو زیر فلک ہیں
زہر ترے دل کی توجہ نہ ہو ایدھر
پیرا ہن صد چاک سلاتے ہیں مرا لوگ
جوں اشک جہاں جاتے رہیں گے تو گئے
اس بانع کے ہر گل سے چمک جاتی ہیں انھیں
آداب جنوں چاہے ہم سے کوئی سیکھے

دینا تھا تنک رحم بھی بیدا گروں کو
کر لیتے تھی بند ہم ان دونوں دروں کو
پروانہ منظر آگ ہم اب بے گے پروں کو
موندتا ہے کہاں عشق نے ان جانوروں کو
آگے ترے ہم کا رُہ رکھیں گو جگروں کو
تہ سے نہیں مطلق خبر ان بے خبروں کو
دیکھا کرو تنک آن کے ہم میدہ تروں کو
مشکل بنی ہے آن کے صاحب نظروں کو
دیکھا ہے بہت یاروں نے آشفہ سروں کو

اندیشہ کی جاگہ ہے بہت میسر جی مرنا
در پیش عجب راہ ہے ہم تو سفروں کو

عنایت ازلی سے جو دل ملا مجھ کو
تنک شراب ضعیف الدماغ ہوں ساقی
پڑا ہے کوئی مردہ سا کتب تک خاموش
جنوں میں سخت ہے اس لفت علاؤ دل
فلک کی چرخ زنی برسوں ہو تو مجھ سا ہو
رہا تھا خون تیں ہمرہ سو ابھی خون جھیف
درستی جیب کی اتنی نہیں ہے ای ناصح
ہوا ہوں خاک پد دل کی دہی ہو ناصانی

محل شکر ہے آتا نہیں گلا مجھ کو
دم سحر ہے پر زور مست پلا مجھ کو
ہلا کہیں لب جاں بخش کو جلا مجھ کو
خوش آگیا ہے نہایت یہ سلسلا مجھ کو
سمجھ سمجھ کے تنک خاک میں ملا مجھ کو
رفیق تجھ سا ملے گا کہاں دلا مجھ کو
بنے تو سینہ صد چاک دے سلا مجھ کو
ابھی اس آئینہ کی کرنی ہے جلا مجھ کو

مگر کہ مردن دشوار میسر سهل ہے۔ شوخ !
 ہلاک کرتا جو تیسرا مسالہ اچھے کو
 ہوتی کچھ عشق کی غیت بھی اگر بلبل کو لہٹ
 میں سے سراپا دھنا تھا تبھی اس شوخ نے جب
 پگڑی کے پیچ سے باندھا تھا اٹھا کامل کو
 مستی اُن آنکھوں سے نکلے ہو اگر دیکھو خوب
 جیسے ہوتی ہو کتاب ایک رقی بن ناقص
 نسبت نام اسی طور ہو جسے کامل کو
 ایک محظہ ہی میں بل سارے نکل جاتے میسر
 پیچ اُس زلف کے دینے تھے دکھا سنبل کو

یوں کب ہوا ہو پیارے پاس اپنے تم بلا لو
 اب جو نصیب میں ہے سو دیکھ لوں گا میں کبھی
 جنبش بھی اُس کے آگے ہو ٹھوں کو ہو تو کہو
 دو نعروں ہی میں شربے ہو گا مکان ہو کا
 نام خدا ستم میں تم نامور تو ہو ہی
 زلف اور خال و خط کا سودا نہیں ہے اچھا
 یاران رفتہ ایسے کیا دور تر گئے ہیں
 بازاری سارے ہی کہتے ہیں راز بیٹھے
 یوں رفتہ اور ہیخود کب تک رہا کر فگے
 تم اب بھی میسر صاحب اپنے تئیں سنہالو

رولف ہائے ہند

یاد جب آتی ہے وہ زلف سیاہ
 گھل گیا منہ اب تو اس محبوب کا
 شرم کرنی تھی مرا سر کاٹ کر
 یار کا وہ ناز اپنا یہ نسیاز
 سانپ سا چھاتی پہ پھر جاتا ہو آہ
 کچھ سخن کی بھی نکل آوے گی راہ
 سو تو اُن نے اور ٹیڑھی کی کلاہ
 دیکھے ہوتا ہے کیونکر یوں نباہ
 اجراک رکھتا ہے خون بے گناہ
 دین میں اس کا منہ بے رحم کے

پتھر دل سے سینہ کو بی میں نے کی
مولے چک مجھ کو آنکھیں موند کر
لذت دنیا سے کیا بسرہ ہمیں
روٹھ کر کیا آپ ملنے میں لطف
ضبط بہتیرا ہی کرتے ہیں ولے
اُس کے روکے رفتہ ہی آئے ہیں یہاں
دیکھ رہتے دھوتے اُس بختار کے

دل کے ماتم میں مری چھاتی سراہ
دیکھ تو قیمت ہو میری اک نگاہ
پاس ہو زندگی ولے ہو ضعف باہ
ہوئے وہ بھی تو کبھو ٹک عذر خواہ
آہ اک سنہ سے نکل جاتی ہو گاہ
آج سے تو کچھ نہیں یہ جی کی چاہ
دایہ منہ دھوتے جو کہتی ماہ ماہ

شیخ تو نے خوب سمجھا میرے کو
واہ وا ای بے حقیقت واہ واہ

ظالم یہ کیا نکالی رفتار رفتہ رفتہ
ہر آن ہم کو تجھ بن ایک برس ہوئی ہو
کیا گئے کیونکہ جانیں بے پڑا جاتیاں ہیں
یہ ہی سلوک اُس کے اکثر چلے گئے تو
پامال ہوں کہ اس میں ہوں خاک سے برابر
چاہت میں دخل مت دے زہنا رازد کو
خاطر نہ جمع رکھو ان پلکوں کی خلش سے
تھے ایک ہم دہنوں سوا اتحاد کیسا

اس چال پر چلے گی تلوار رفتہ رفتہ
کیا آگیا زمانہ اسے یار رفتہ رفتہ
اس معنی کا بھی ہوگا انظار رفتہ رفتہ
بیٹھیں گے اپنے گھر ہم ناچار رفتہ رفتہ
اب ہو گیا ہے سب کچھ ہموار رفتہ رفتہ
کرنے ہو دل کی خواہش بیمار رفتہ رفتہ
سردل سے کاڑھتے ہیں خار رفتہ رفتہ
ہر بات پر اب آئی تکرار رفتہ رفتہ

گر بتکدے میں جانا ایسا ہے میرے جی کا
تو تار سمجھ ہوگا زنار رفتہ رفتہ

پیدا نہیں جہاں میں قید جہاں سے رستہ
ظالم بھلی نہیں ہے برہم زنی مڑگاں
پائے خنای اُس کے ہاتھوں ہی پرکھے ہیں
شہر چین سے کچھ کم دشت جنوں نہیں ہو

مانند برق ہیں یہاں دے لوگ بستہ بستہ
مر جائے گا کسودن یوں کوئی سینہ خستہ
پر اُس کو خوش نہ آیا یہ کار دست بستہ
یہاں گل ہیں ستہ رستہ دھان مرغ دستہ دستہ

معمار کا وہ لڑکا پتھر ہے اس کی خاطر
کیوں خاک میں ملا تو ای میرے دل شکستہ

ہمک پاس آ کے کیسے صرفے سے ہیں کشیدہ
اب خاک تو ہماری سبب ہو چلی ہے
یوسف سے کوئی کیونکر اس ماہ کو ملائے
بندے کے درو دل کو کوئی نہیں پہنچتا
کیا دوسو سوہ ہے مجھ کو عزت جینے کا یہاں
ہم کاڑھ کر جگر بھی آگے تمھارے رکھا
سایہ سے اپنے وحشت ہم کو رہی ہمیشہ
منصور کی نظر تھی جو دار کی طرف سو

گویا کہ ہیں یہ لڑکے سپر زمانہ دیدہ
کب منہ ادھر کرے گا وہ آہو رسیدہ
ہر فرق رات دن کا از دیدہ تاشنیدہ
ہر ایک بے حقیقت یہاں ہے خدا رسیدہ
نکلانہ میرے دل سے یہ خار ناخلیدہ
پھر یا انیسب اس پر تم جو ہوئے کبیدہ
جوں آفتاب ہم بھی کیسے ہے جریدہ
پھل وہ درخت لایا آخر سر رسیدہ

ذوق سخن ہوا ہے اب تو بہت نہیں بھی
لکھ لیں گے میسر جی کے کچھ شعر جدید

پھرتی ہیں اُس کی آنکھیں آنکھوں سے ہمیشہ
تسلیع ایک دن ہوئے تو کوئی کھینچے
اک اُس مغل بچے کو وعدہ وفا نہ کرنا
کب تک وفا کرے گا یہ حوصلہ ہمارا
اس جسم خاکی سے ہم مٹی میں اٹا ہے ہیں
آئندہ دروندہ باوجود سر کیو تر

رہتا ہے اب دیدہ یہاں تاگلے ہمیشہ
ترپے جگر ہمیشہ چھپاتی جلے ہمیشہ
کچھ جا کہیں تو کرتا آئے بے ہمیشہ
دل نیسے درد اکثر غم جی ملے ہمیشہ
یوں خاک میں کہاں تک کوئی ہے ہمیشہ
قاصد نیا ادھر کو کب تک چلے ہمیشہ

مسجد میں چل کے ملے جمعہ کے دن بنے تو
ہوئے ہیں میسر صاحب حیا دن چلے ہمیشہ

لطف کیا ہر کسو کی چاہ کے ساتھ
وقت کڑھنے کے ہاتھ دل پر رکھ
عشق میں ترک سر کے ہی بنے
ہو اگر چند آسمان پہ و سنے
سفری وہ جو مہ ہوا تا دیر
جاذبہ توان آنکھوں کا دیکھ
میسر سے تم برس ہی رہتے ہو

چاہ وہ ہے جو ہو نباہ کے ساتھ
جان جاتی ہے نہ آہ کے ساتھ
مشورت تو بھی کر کلاہ کے ساتھ
نسبت اُس مہ کو کیا ہر ماہ کے ساتھ
چشم اپنی تھی گرد راہ کے ساتھ
جی چھپے جاتے ہیں نگاہ کے ساتھ
کیا شراستہ از خیر خواہ کے ساتھ

ہم سے کیوں الجھا کر ہے آسمان سمجھ ہی نہ سمجھ
یار کی ان بھولی باتوں پر نہ جا ای ہمنشین
خوبرو عشاق سے بد پیش آتے ہیں کبھی
یا غباں بے رحم، گل بے دید، موسم بی وفا
میں جو نرمی کی تو دونا سر چڑھا وہ بد معاش
دور سے دیکھی جو بد حالی وہیں سے مل گیا

میتیر کی عتیا ریاں معلوم لڑکوں کو نہیں
کرتے ہیں کیا کیا ادائیں اس کو ساداسا سمجھ

کھینچتا ہے دلوں کو صحرانچہ
دل نہیں جمع چشم تر سے اب
شہر میں حشر کیوں نہ برپا ہو
دیسے ظاہر کا لطف ہے چھپنا
خلق کی کیا سمجھ میں وہ آیا
یاس سے مجھ کو بھی ہو استغنا
مجھ نہ دیکھا تھا ہم سے پر تو بھی
اب تو بگڑے ہی جاتے مرغِ باں
کچھ کہو دور ہی بہت وہ فتوح

ہر مزا جوں میں اپنے سودا کچھ
پھیلتا سا چپلا یہ دریا کچھ
شور ہے میرے سر میں کیا کچھ
کم تھا شیا نہیں یہ پردا کچھ
آپے تو گیا نہ سمجھا کچھ
گو نہ ہو اُس کو میری پردا کچھ
آنکھ میں آئی یہ نہ دنیا کچھ
زنگ صحبت نہیں ہے اچھا کچھ
اپنے نزدیک تو نہ ٹھہرا کچھ

وصل اُس کا خدا نصیب کرے
میتیر دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ

بود نقش و نگار سا ہے کچھ
یہ جو ہلت جسے کہیں ہیں عمر
منہ نہ ہم جبروں کا کھلواؤ
منتظر اُس کی گردِ راہ کے تھے
ضعف پیری میں زندگانی بھی
کیا ہے دیکھو ہو جو ادھر ہر دم

صورت اک اعتبار سا ہے کچھ
دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ
کنے کو اختیار سا ہے کچھ
آنکھوں میں سو غبار سا ہے کچھ
دوش پر اپنے بار سا ہے کچھ
اور حقون میں پیار سا ہے کچھ

اُس کی برہم زنی مڑگاں سے
دل میں اب خار خار سا ہو کچھ

جیسے عنقا کہاں ہیں ہم اے میر
شہروں میں اشتہار سا ہو کچھ

آجے کہنے میں رہا ہو غم سے گرا حوال کچھ
بے زری سے داغ ہیں لیکن لبوں پر ہر ہو
کام کو مشکل دل پُر آرزو نے کر دیا
دل ترا آیا کسو کے پیچ میں جو سدھ گئی
ماہ سے ماہی تلک اس داغ میں ہیں مبتلا
ایک ن کج نفس میں ہم کہیں رہ جائیں گے

کیا اُس آتش باز کے نوٹے کا اتنا شوق میر

یہ چلی ہو دیکھ کر اُس کو تمہاری رال کچھ

اب تو صبا چمن سے آتی نہیں ادھر کچھ
ذوقِ خبر میں ہم تو بیہوش ہو گئے تھے
یہ طشتِ دنیج ہو اب یہ میں ہوں اور یہ تو
وے دن گئے کہ بے غم کوئی گٹھری کئے تھی
ان اُجڑی بستیوں میں دیوار و درہیں کیا کیا
واعظ نہ ہو معارضِ نیک بد جہاں میں
آنکھوں میں سیری عالم سارا سیاہ ہو اب
ہم نے تو ناخنوں سے منہ سارا نوح ڈالا
تلوار کے تلے ہی کاٹی ہو عمر ساری

کہ شیفۃ ہیں مو کے گہ بادے ہیں رو کے

احوالِ میر جی کا ہو شام کچھ سحر کچھ

روایتِ الیاء

ہم سے دیکھا کہ محبت نے ادا کیا کیا کی
ایک دل قطرہ خوں تس پہ جفا کیا کیا کی

کس کو لاگی کہ نہ لو ہو میں ڈبایا اس کو
جان کے ساتھ ہی آخر مرضِ عشق گس
اُس نے چھوڑی نہ طرفِ جور و جفا کی ہرگز
سجدہ اک صبح ترے در کا کروں اس خاطر
اگ سی چھکتی ہی دنِ اُت رہا کی تن میں

میر نے ہونٹھوں سے اُس کے نہ اٹھایا جی کو
خلق اُس کے تئیں یہ سن کے کہا کیا کیا کی

کچھ کروں کچھ مجھ دوانے کی
دل کا اُس کچ لپٹے دے ہیں نشان
وہ جو پھرتا ہو مجھ سے دور ہی دور
تیز یوں ہی نہ تھی شبِ آتشِ شوق
خضر اُس خطِ مہر پر تو مٹوا
دل صد چاک بابِ زلف ہو لیک
کسو کم ظرف نے لگائی آہ
ورنہ اسی شیخِ شہرِ واجب تھی

دھوم ہو پھر بہار آنے کی
بات لگتی تو ہر ٹھکانے کی
ہو یہ تقریب جی گے جانے کی
تھی جگر گرم اُس کے آنے کی
دھن ہو اب اپنے زہر کھانے کی
باد سی بندہ رہی ہو شانے کی
تجھ سے میخانے کے جلالے کی
جام داری شراب خانے کی

جو ہو سو پائمال غم ہو میر
چال بے ڈول ہو زمانے کی

میر دریا ہو سنے شعرِ زبانی اُس کی
خاطرِ باد یہ سے دیر میں جاوے گی کہیں
ایک ہے عہد میں اپنے وہ پراگندہ منزل
منہ تو بوجھار کا دیکھا ہی برستے تم نے
بات کی طرز کو دیکھو تو کوئی جباو تھا
کر کے تعویذ رکھیں اُسکو بہت بھاتی ہو
اُس کا وہ عجزِ تمہارا یہ غسرِ درِ خوبی
بچھ لکھا ہو تجھے ہر برگ پہ اے رشکِ بہار

اللہ اللہ بے طبیعت کی روانی اُس کی
خاک مانند بگولے کے اُڑانی اُس کی
اپنی آنکھوں میں نہ آیا کوئی ثانی اُس کی
اسی انداز سے تھی اشکِ فشانِ اُس کی
پر ملی خاک میں کیا سحرِ بیانی اُس کی
وہ نظرِ پائوں پہ وہ باتِ جوانی اُس کی
منتیں اُس نے بہت کیں پہ نہ مانی اُس کی
رقعہ داریں ہیں یہ اوراقِ خزانِ اُس کی

سو گئے تم نہ سنی آہ کہانی اُس کی
شہر دلی میں ہو سب پاس نشانی اُس کی
کیا عوض چاہ کا تھا خصوصی جانی اُس کی
درد مندی میں گئی ساری جوانی اُس کی

سرگزشت اپنی کس اندوہ سے شب بکھتا تھا
مرثیے دل کے کئی کہہ کے دئے لوگوں کو
میان سے نکلی ہی پڑتی تھی تمھاری تلوار
آبلے کی سی طرح ٹپس لگی پھوٹ بھی

اب گئے اُس کے جزا فوس نہیں کچھ حال
حیف مدحیف کہ کچھ قدر نہ جانی اس کی

اس تختے لے ہو اب کی قیامت بہار کی
خواہش ہو اپنے جی میں بھی بوس و کنار کی
دل میں چھپا کی رات کو جوں نوک خار کی
دیکھوں تو گرد کب اٹھے اُس رہ گزار کی
منہ سے نکل ہی جاتی ہو اک بات پیار کی
رکھتا تھا ایک جان سو تجھ پر نثار کی
نازک بہت ہو طبع مرے دل شکار کی
ہم کچھ نہ سمجھے راہ و روش اپنے یار کی

کی سیر ہم نے سینہ یکسر فگار کی
دریائے حسن یار تلاطم کرے کہیں
اپنا بھی جی اسیر تھا آواز عندلیب
آنکھیں غبار لائیں مری انتظار میں
مقدور تک تو ضبط کروں پہ کیا کروں
اب گرد سر پھروں ترے ہوں میں فقیر محض
کیا صید کی تڑپ کو اٹھائے دماغ یار
رکھتا نہیں طریق وفا میں کبھو قدم

کیا جانوں چشم ترے آدھ دل پہ کیا ہوا
کس کو خبر جو میرے سندر کے پار کی

سر ہمارے ہیں گوے میداں کی
تھی تو اضع ضرور مہاں کی
ترجہی پلکیں تری بھویں بالی
منت اٹھتی نہیں ہو درباں کی
بات بگڑی لب گریباں کی
دشمنی میرے دین و ایماں کی

پٹہ بازی سے چرخ گرداں کی
جی کیا اُس کے تیسرے ہمراہ
ہیں لئے آبروے خنجر و تیغ
پھوڑ ڈالیں گے سر ہی اُس درپر
سردامن سے گفتگو کرے
اُس بت شوخ کی ہو طینت میں

آدمی سے ملک کو کیا نسبت
شان ارفع ہو میرے انساں کی

لہ پٹہ بازی چرخ ۔ پٹہ بازی فن معروف کا نام ہو۔

مارا خراب کر کر تعذیر کیا نکالی
صفے پدل کے میں نے تصویر کیا نکالی
بات اور بھی بنائی تقریر کیا نکالی
نہوں نیزی کو ہماری شمشیر کیا نکالی
آزار کے مناسب تدبیر کیا نکالی
اب کی جنوں میں ہم نے زنجیر کیا نکالی

رکھا گندہ دھن کا تعصیر کیا نکالی
رہتی ہو چیت چڑھی ہی نہ ات تیری ہوتا
چپ بھی مری جتنائی اس سے مخالفوں نے
پس تھی ہیں تو تیری ابرو کی ایک جنبش
کی اس طلیب جاں نے تجوین مرگ عاشق
دل بند ہو ہمارا مویج ہولے گل سے

نامہ پہ لوہو رو رو خطا کھینچ ڈالے سارے
یہ میسر بیٹے بیٹے تحریر کیا نکالی

کیا کہنے آج صبح عجب کچھ ہوا چلی
کیا ہو جو اس چین میں ایسی چلا چلی
ہندی لکھ کی آگ دلوں میں لگا چلی
تلوار اس کی چال پہ کیا ایک جا چلی

جی رشک سے گئے جو ادھر کو صبا چلی
کیا رنگ بو و بادِ سحر سب میں گرم راہ
تو دو قدم جو راہ چلا گرم اے نگار
فتنہ ہو اس سے شہر میں برپا ہزار جا

یہ جو رو جو رکش تھے کہاں لگے عشق میں
تجھ سے جفا و مینہ سے رسم و نفا چلی

کیا ہی مست شراب ہو وہ بھی
دور مجھ سے کباب ہو وہ بھی
ایک حاضر جواب ہو وہ بھی
دیکھئے تو سراب ہو وہ بھی
قاصد پر شتاب ہو وہ بھی
زلف پر پیچ و تاب ہو وہ بھی

آج کچھ بے حجاب ہو وہ بھی
میں بھی جلتا نہیں جدا دل سے
سائل بوسہ سب گئے محروم
وہم جس کو محیط سمجھا ہو
کم نہیں کچھ صبا سے اشک گرم
حسن سے دو دل نہیں خالی

خانہ آباد کہے میں تھا میرے
کیا خدائی خراب ہو وہ بھی

اس لوٹے دامن کو پاس آکے اٹھانا بھی
پھر چال کدھب چلنا کھو کر نہ لگانا بھی
کیا منہ کو چھپانا بھی کچھ جھکی دکھانا بھی

دزدیدہ ننگہ کرنا پھر آنکھ ملانا بھی
پامالی عاشق کو منظور رکھے جانا بھی
برقع کو اٹھا دینا پر آدھے ہی پھر سے

دیکھ آنکھیں مری بچی اک مارنا پتھر بھی	ظاہر میں ستانا بھی پرے میں جتنا بھی
مہجرت ہو یہ ویسی ہی اور جان کی آسائش	ہاتھ آن کے سونا بھی پھر منہ کو چھپانا بھی
<p>یار بن تلخ زندگانی تھی سر سے اُس کے ہوا گئی کبھو ملطف پر اُس کے ہنشین مت جا ہاتھ آتا جو تو کسب ہوتا شعب میں فائدہ تامل کا میر قصے سے سب کی نہیں نندیں عاشقی جی ہی لے گئی آخر اُس رخ آتشیں کی شرم سے را پھر سخن نشنوی ہو ویسی ہی کوئے قاتل سے بچ کے نکلا خضر</p>	<p>دوستی مدعی جانی تھی عمر بربادیوں ہی جانی تھی کبھو ہم پر بھی مہربانی تھی بیرون ملک ہم نے خاک چھانی تھی سوچنا تب تھا جب جوانی تھی کچھ عجب طور کی کہانی تھی یہ بلا کوئی ناگہانی تھی شعب مجلس میں پانی پانی تھی رات ایک دھبات مانی تھی اسی میں اُس کی زندگانی تھی</p>
نظر پر بھی تھا میر کے اک رنگ	کفنی پہنی سو زعفرانی تھی
<p>وہ رابطہ نہیں وہ محبت نہیں رہی دیکھا تو مثل اشک نظر سے گرا دیا زندہ صے سے جی کے کس کو رہا ہو دماغ حریف تھی تاب جی میں جب تین رنج و لقب کھینچے منعم اہل کا طول یہ کس جینے کے لئے دیوانگی سے اپنی ہو اب ساری بات خبیط</p>	<p>اس بے وفا کو ہم سے کچھ الفت نہیں رہی اب میری اُس کی آنکھ میں عزت نہیں رہی دم لینے کی بھی ہم کو تو فرصت نہیں رہی وہ جسم اب نہیں ہو وہ قدرت نہیں رہی جتنی گئی اب اتنی تو مدت نہیں رہی افسار اشتیاق سے وہ مت نہیں رہی</p>
پیدا کہاں ہیں ایسے پرگندہ طبع لوگ	انسون تم کو میر سے صحبت نہیں رہی
<p>عشق میں فلت ہوئی خفت ہوئی تمہت ہوئی زلفت کس اس بے دید کا تو متصل پڑتا تھا صبح</p>	<p>آخر آخر جان دی یاروں نے یہ صحبت ہوئی دن چڑھے کہا جاؤں آئینے کی کیا صورت ہوئی</p>

غسٹگی اس دل شکستہ کی اسی بابت ہوئی
دید کیا کوئی کرے وہ کس قدر صلت ہوئی
رفتہ رفتہ اس طرف جانے کی مجھ کو لت ہوئی
پر جسے یہ واقعہ پہنچا اُسے وحشت ہوئی
میں تو کلفت میں رہا جب مجھے اُلفت ہوئی
گڑے اس بھی سانچے کو ہمیشہ مدت ہوئی
اُس تلک آہی پہنچنے کی اگر طاقت ہوئی
جان سے جب اس میں گڑے تھے بہت راحت ہوئی
دیکھو قدرت خدا کی گر ہمیں قدرت ہوئی
کس کو اس بیماری جا بجاہ سے فرصت ہوئی
معرکہ میں حشر کے گربات کی رخصت ہوئی
چاند سار الگ گیا تب نیم رخ صورت ہوئی
پھر نہیں معلوم کچھ مجلس کی کیا حالت ہوئی

روح سینہ پر مرے سونیزہ خطی لگے
کھولتے ہی آنکھیں پھر بھیاں ہونڈنی ہکو پڑیں
پاؤں میرا کلہہ احزاں میں اب رہتا نہیں
مر گیا آوارہ ہو کر میں تو خیسے گرد باد
شاد و خوش طالع کوئی ہو گا کسو کو چاہ کر
دل کا جانا آجکل تازہ ہوا ہو تو کساں
شوقِ دل ہم ناتوانوں کا لکھا جاتا ہو کب
کیا کف دست ایک میداں تھا بیا باں عشق کا
یوں تو ہم عاجز ترین خلقِ عالم ہیں ولے
گوشِ زوچٹ پٹ ہی مرنا عشق میں اپنا ہوا
بے زباں جو کہتے ہیں مجھ کو سوچ رہے جانیں گے
ہم نہ کہتے تھے کہ نقش اس کا نہیں نقاشِ سہل
اس غزل پر شام سے تو صوفیوں کو وجد تھا

کم کسو کو میسر کی میت کی ہاتھ آئی نماز
نقش پر اُس بے سرو پا کی بلا کثرت ہوئی

بچی جو آئے سفر سے خوب مہمانی ہوئی
عقل کی باتیں کیاں کیا ہم نادانی ہوئی
یعنی دل لو ہو ہوا سب سب پانی ہوئی
رقعہ دار اب اشکِ غنیمت سے توافشانی ہوئی
اک نگہ میں سیکڑوں کی خانہ ویرانی ہوئی
فہم سودائی ہوا بچیاں عقل دیوانی ہوئی
دوستی اُس کی ہماری دشمن جانی ہوئی
تو بحث اور بے حقیقت غنچہ پیشانی ہوئی
یہ صنم گوئی ہماری کیا خدا خوانی ہوئی
توڑنے تو توڑی توبہ اب پشیمانی ہوئی

قوت کو پیرانہ سردلی میں پیرانی ہوئی
باو لے سے جب تلک بکتے تھے سب کہتے تھے پیار
لو ہو پانی ایک دونوں نے کیا میرا ندان
کیا چھپا کچھ رہ گیا ہو مدعائے خطِ شوق
آکھ اٹھا کر ٹاک جو دیکھا گھر کے گھر بھلا دے
مترہ واجب کا سمجھے آدمی ممکن نہیں
چاہ کر اس بے وفا کو آخراپنی جان دی
بنبل اس غیبی سے گل ہو سیمائی یار
ضیغِ منت یاد بہتاں کو رات کا سا ذکر جان
غنچہ گل ہو گلابی پھول ہو جامِ شرب

اچٹم ہوتے ہوئے ترکچہ سب بھری نہنے لگی
دل تڑپتا تھا نہایت جان نے تشکیں کی
اب ہوئی خطرے کی جاگہ کشتی طوفانی ہوئی
بارے اپنی ایسی مشکل کی بھی آسانی ہوئی

جب سے دیکھا اس کو ہم نے جی ڈبا جاتا ہو میر
اس خرابی کی یہ چٹم روسیہ بانی ہوئی

ہتوں سے آنکھ کیوں میں نے لڑائی
نرا دھوکا ہی ہو دریا سے ہستی
بگڑتی ہی گئی صورت ہماری
نہ نکلا ایک شب اس راہ وہ ماہ
کہا تھا میں نہ دیکھوں غیب کی اور
نہ ملے خاک میں کہ کیونکہ پیارے
جفا اُس کی نہ پہنچی انتہا کو
گلے اُس مہ نے لگ کر ایک درات
نہ تھا جب درمیاں آئینہ تب تک
نظر اُس کی پڑی پھرہ پر اپنے

طرت ہو مجھ سے اب ساری خدائی
نہیں کچھ تہ سے بچھ کو آشنائی
گئے پر دل کے پھر کچھ بن نہ آئی
بہت کی ہم نے طالع آزمائی
سو تم نے آنکھ مجھ سے ہو چھپائی
گزرتی ہو کڑی تیسری جدائی
درعینا عمر نے کی بے وفائی
مہینوں تک مری چھاتی جلائی
تھی اک صورت کہ ہو جائے صفائی
تند پوشوں سے آنکھ اب کب ملانی

بڑھائی کس قدر بات اُس کے قد کی
قیامت میر صاحب ہیں جو الی

مطر سے غول میر کی کل میں نے پڑھائی
اس مطلع جاں سوز نے آ اُس کے لبوں پر
خاطر کے علاقہ کے سبب جان کھیائی
گو اُس رُخ ہمتابی سے وہاں چاندنی چھٹکی
ہر بحر میں اشعار کے عسمر کو کھویا
بھیڑیں ٹلین اس ابروئے خمدار کے ملتے
دل اور جگر جل کے مرے دونوں ہوئے خاک

الندرسے اثر سب کے تئیں رفتگی آئی
کیا کہنے کہ کیا صوفیوں کی چھاتی جلائی
اس دل کے دھڑکنے سے عجب کوفت اٹھائی
یہاں رنگ شکستہ سے بھی چھپتی ہو ہوائی
اس گوہر نایاب کی کچھ بات نہ پائی
لاکھوں میں اُس اوباش نے تلوار جلائی
کیا پوچھتے ہو عشق نے کیا آگ لگائی

لہ جوانی باہمت - دلیر جیالائے تیغی تیر دہریہ - مطربے طبعی غزل کی میر کی شب کو مجلس میں بہت وجد کا عالم رہا سب کو

بیتاب مجھے دیکھ کے کچھ بات بنائی
اس بات کے تئیں جانتی ہر ساری خدائی
اپنی سی جس نے کی بہت ہرزہ درائی
بلبل سے مری طرز سخن صاف اڑائی
یہ بات مری ضد سے تمہیں کن نے بتائی

قاصد کے تصنع نے کیا دل کے تئیں داغ
چھکی ہو مری آنکھ لب لعل بتاں سے
میں دیر پہنچ کے نہ کیا قصد جسم پھر
فریاد انھیں رنگوں ہو گلزار میں ہر صبح
مجلس میں مرے ہوتے رہا کرتے ہو چپکے

گردش میں جو ہیں میر منہ دہر ستارے
دن رات ہیں رہتی ہو یہ پیشم نائی

کلاہشیں کیا کیا اٹھا جاتا ہو جی
پر وہ آتا ہو تو آ جاتا ہو جی
کچھ بتا سا سا گھلا جاتا ہو جی
یاد بھی لگتا ہو یا جاتا ہو جی
جی ہمارا پھر چلا جاتا ہو جی
ہولے ہولے کوئی کھا جاتا ہو جی
یعنی ساتھ اُس کے چلا جاتا ہو جی
حیث ہو اس میں رہا جاتا ہو جی
سو تو اب آپھی ڈھا جاتا ہو جی
رات سے کیا کیا رکھا جاتا ہو جی

تجھ کے بیٹھے گھٹا جاتا ہو جی
یوں تو مردے سے پڑے ہتے ہیں ہم
ہائے اُس کے شربت لب سے جدا
اب کی اُس کی راہ میں جو ہو سو ہو
کیا کہیں تم سے کہ اُس شعلہ بغیر
عشق آدم میں نہیں کچھ چھوڑتا
اٹھ چلے پر اُس کے عشق کرتے ہیں ہم
انہیں پھر تا وہ مرتے وقت بھی
رکتے تھے کیا کیا بنائیں پیشتر
آساں شاید وے کچھ آگیا

کلاشکے برق رہے اس منہ پر میر
منہ کھلے اُس کے چھپا جاتا ہو جی

کوئی دن ہی میں خاک سی سب اڑادی
نہ خضر و بلد بجاں نہ رہب نہ ہادی
نہ مرنے کا نعم ہو نہ جینے کی شادی
عجب آگ دل میں جگر میں لگا دی
یہ رسم کن آہ تم نے اٹھا دی
پھرے ہم بگولے سے دادی بہ دادی

متاع دل اس عشق نے سب جلا دی
دلیل اس بیاباں میں دل ہی ہو اپنا
مزا جوں میں یاس آگئی ہو ہمارے
نہ پوچھو کہ چھاتی کے جلنے نے آخر
دفا لوگ آپس میں کرتے تھے آگے
جدا ان غزالان شہری سے ہو کر

لہ زندہ نے جی کے خاکسین بکھلا دیا ہم گویا کہ آسمان بہت آگیا درے۔ (میر)

<p>ہوا یہ سبب اپنے مرنے کا بادی طیب محبت نے کیسی دوا دی ہیں زیر دیوار سے خانہ جادی</p>	<p>صبا اس طرف کو چلی جل گئے ہم وہ نسخہ جو دیکھا بڑھا روگ دل کا لے قصر جنت میں پیرمغاں کو</p>
<p>نہ ہو عشق کا شور تا میرے ہرگز چلے بس تو شہروں میں کرے منادی</p>	<p>صبح ہو کوئی آہ کر لیجے چشم گل بانع میں مندی جاوے</p>
<p>آسماں کو سیاہ کر لیجے جو بنے اک نگاہ کر لیجے</p>	<p>ابر رحمت ہو جوش میں جو ہے یعنی ساقی گناہ کر لیجے</p>
<p>چشم بیمار کے دیکھ آنے کی رخصت دیجے موسم محل ہے جب تک مجھے ہمت دیجے کس کو لے مرے میاں اور کسے تہمت دیجے اتنی ہی ضعف محبت ہیں طاقت دیجے</p>	<p>یک نثرہ ای دم آخر مجھے فرصت دیجے نو گرفتار ہوں اس بانع کا رحم ای بنیاد اپنے ہی دل کا گنہ ہو جو جلاتا ہو تجھے چھوٹے ہیں قید قفس سے تو چمن تک پہنچے</p>
<p>مر گیا میرے نہ آیا ترے جی میں ای شوق اپنے محنت زدہ کو بھی کبھی راحت دیجے</p>	<p>گرناز سے وہ سر پر لے تیغ آنے پہنچے بیعت رہیں گے کیونکر ہم ای طبیب ناداں لائق ترے نہیں ہو فصلی غیب لیکن ہر چند بہر خواباں ہر مسجدوں میں مانے</p>
<p>منزل کو عاشق اپنے مقصد کی جان پہنچے بیمار ایسے تش پر مطلق دوا نہ پہنچے وہ باز کیونکر آوے جب تک سزا نہ پہنچے پر ان کے دامنوں تک ست دُعا نہ پہنچے کیا حال ہوئے اُس کا جس کو ہوا نہ پہنچے خط اس طرف نہ جائے قاصد کو کیا نہ پہنچے</p>	<p>بن آہ دل کا رگنا بیجا نہیں ہمارا اپنے سخن کی اُس سے کس طور راہ نکالے</p>
<p>وہ میر شاہ خوبی پھر قدر دور اس کی درویش بے نوا کی اُس تک صدانہ پہنچے</p>	<p>اک شور ہو رہا ہے خونریزی میں ہمارے رخم اُس کے ہاتھ کے جو سینہ پہ ہیں نمایاں</p>
<p>حیرت سے ہم تو چپ ہیں کچھ تم بھی بولو پیارے چھائی لگے رہیں گے زیر زمیں بھی سارے</p>	<p></p>

<p>ہیں بد مزاج خواباں پر کس قدر ہیں دلکش بیٹھیں ہیں رونے کو تو دریا ہی روا نہیں ہیں لاتے نہیں ہو مطلق سرمہ و خدا سے کوئی تو ماہ پارہ اس بھی رواق میں ہو لگ کر گلے نہ سوئے اس منہ پہ منہ نہ رکھا بیتابی ہو دلوں کو بیخوابی ہو شبوں کو آفاق میں جو ہوتے اہل کرم تو سکتے جل بچھے اب تو بہتر مانند برقِ خاطر</p>	<p>پائے کہاں گلوں نے یہ مکھڑے پیارے پیارے جوش و خروش یہ تھے تب ہم لگے کنا سے یہ ناز و خرویاں بندے ہیں ہم تھا سے چٹکائی میں شب کو یوں ہی نہیں ہیں تارے جی سے گئے ہم آخر ان حسرتوں کے مارے آرام و صبر دونوں مدت ہوئی سدا سے ہم برسوں رعد آسا بیتاب ہو چکے جوں ابر کس کے آگے دامن کوئی پسارے</p>
<p>ہم نے تو عاشقی میں کھویا ہے جان کو بھی صدقے ہیں میرے جگے دے دھونڈتے ہیں وارے</p>	<p>کیا کہہ کے تجھ کو روویں یہ کیا کیا پیارے تو نے تو عاشقوں کا لوہو پیا پیارے گو چاک سینہ تو نے میسر کیا پیارے ترپے بہت پہ تو نے کب ل لیا پیارے</p>
<p>میر ایک م نہ اُس بن تو تو جیا پیارے زنجینِ ہم تو تجھ کو ایسا نہ جانتے تھے دل کے تو زخم کا کچھ ہوتا نہیں تدارک اس دام گاہ میں ہم جوں صید نیم بسمل</p>	<p>کیا کہہ کے تجھ کو روویں یہ کیا کیا پیارے تو نے تو عاشقوں کا لوہو پیا پیارے گو چاک سینہ تو نے میسر کیا پیارے ترپے بہت پہ تو نے کب ل لیا پیارے</p>
<p>ہو داغ میرے تجھ بن مر بھی گیا ولے تو آیا نہ گور پر نک لے کر دیا پیارے</p>	<p>کیا کہہ کے تجھ کو روویں یہ کیا کیا پیارے تو نے تو عاشقوں کا لوہو پیا پیارے گو چاک سینہ تو نے میسر کیا پیارے ترپے بہت پہ تو نے کب ل لیا پیارے</p>
<p>سیر کی ہم نے ہر کسیں پیارے خشاک سال و فاقہ میں اک مدت یک نظر دیکھنے کی حسرت میں پہنچی ہے ضعف سے یہ اب حالت</p>	<p>پھر جو دیکھا تو کچھ نہیں پیارے پلکیں تو ہو میں تر رہیں پیارے آنکھیں تو پانی ہو بہیں پیارے جہاں پہنچا رہا وہیں پیارے</p>
<p>تجھ گلی میں رہے ہی میرے مگر دیکھیں ہیں جب نہ تب نہیں پیارے</p>	<p>پسند اُس کی ہو وہ جس طرح پسند کرے خدا کو نہ ہم سا بھی درو مند کرے پکڑ کے تیغ وہ اپنی اگر بلند کرے</p>
<p>اسیر زلف کرے قیدی کند کرے ہمیشہ چشم ہو نہناک ہاتھ دل پر ہو بڑوں بڑوں کو جھکاتے ہی سر نے اُس دم</p>	<p>پسند اُس کی ہو وہ جس طرح پسند کرے خدا کو نہ ہم سا بھی درو مند کرے پکڑ کے تیغ وہ اپنی اگر بلند کرے</p>

اچھلنے کو دے کو ترک اگر پسند کرے
ہزار رنگ یہ فروت گو چھند کرے
کہ جو کوئی تجھے دیکھے سوریش خند کرے
کبھو خرام سے رستے کے رستے بند کرے
ہزار بیج کرے لاکھ لاکھ فند کرے

سخن یہی ہو جو کہتے ہیں شعر میسر ہو
ربان خلق کو کس طور کوئی بند کرے

گاڑ دیوں کاش مجھ کو بیچ میں دے کرے
دیکھنے والے ہیں ہم تو رنگ احمر کے ترے
یاد ہیں سب کے تئیں وہ چھپے پردے کے ترے
دھونڈے والے جو ہیں ای شوخ اکثر کے ترے
ولے تو گر ہیں یہی اطوار دلبر کے ترے
صبح اٹھتے ہیں بچے جو پھول بستر کے ترے
ہم دماغ آشفہ ہیں زلف معبر کے ترے
اب ٹھہرتے ہی نہیں ہیں پاؤں سر کے ترے
یوں تو اگر گل ہیں ہزاروں شاد در کے ترے
خضر کو سننے ہیں سب مجسروح غنجر کے ترے

نوح کا طوفان ہماری کب نظر چڑھتا ہو
بوش ہم دیکھے ہیں کیا کیا دیدہ تر کے ترے

نظارہ تو پاس بیٹھے ہیں پر ہیں بہت پرے
پتھر کے دل جگر ہوں تو کوئی وفا کرے
انصاف کر کہ یوں کوئی دن کب تلک بھرے
گویا کہ آسمان بہت اگیا ورے
اس ریشخند کو بھی سمجھ ٹک تو مسخرے
جنگل پرے تھے سوکھے سودہ بھی ہئے ہرے

ایمان دل کے بھی جانے کو کرے مجلس میں
نہ مجھ کو راہ سے لے جائے مکر دنیا کا
سولے اس کے بڑی اڑھی میں ہو کیا ریشخ
دکھائے آنکھ کبھو زلف کھولے منہ پہ کبھو
اگرچہ سادہ ہو لیکن ربودن دل کو

انے والے کس طرح گھر کے ترے
سکے اپنی آنکھوں میں لگیں
ہو کہ بلبل تو ہو چپ
ہم حیران ہیں
کھانکر سب بچے کنے لگے
ہیں تو گل سے بھی ای نازک نہال
ستے یہ تہیر طبلہ کیوں نہ ہو کیا کام ہو
جی میں وہ طاقت کہاں جو ہجر میں سنبھلے رہیں
دماغ پیسے سے جو ہیں بلبل کے دل پر کس کے ہیں
کوئی آب زندگی پیتا ہو یہ زہر اب چھوڑ

ست سہل سمجھو ایسے ہیں ہم کیا ولے دھرے
سختی بہت ہو پاس و مراعات عشق میں
خالی کروں ہوں رو روئے راتوں کو دل کے تئیں
زندہ منے نے جی کے خاک میں ہم کو ملا دیا
داڑھی کو تیری دیکھ کے سننے میں لڑکے شیخ
جل تھل فقط نہیں مرے رونے سے بھر گئے

جی کو بچا رکھیں گے تو جاہیں گے عشق میں
ہر چند میر صاحب قبلہ ہیں منکرے

بوکے کھلائے جاتے ہو نزاکت ہے سے
یار بے پروا و سفتراور میں سبے اختیار
سختی کھینچی کو کہن نے قیس نے رنج و تعب
شور اٹھتا ہے جو ہوتے جلوہ گر ہونا ز سے
خالقہ والے ہی کچھ تنہا نہیں الفت میں خوار
عشق میں افسوس سا افسوس اپنا کر چلے

ریچھنے ہی کے ہو قابل یار کی ترکیب میر
واہ داری چشم و ابرو قد و قامت ہے سے

دہی شورش ہوے پر بھی ہو ایک سا بھیاں میر
عزیزانِ قلم میں اپنے پوسفت گم گشتہ کے ہرم
تمھاری دشمنی ہم دوستوں سے لانا بیت ہو
لب و لہجہ غزل خوانی کا کس کو آج کل ایسا
نظر مست ہے پوری پر کر کہ آستونے جہاں پھر ہوں
کہان تک ہو کو دیواروں سے یوں مارا کرے کوئی
مجھے پامال کر گیاں کیا ہو خاک سے تو بھی
خزاں کی باؤ سے حضرت میں گلشن کے لطاؤل قفا
کہا میں شوق میں طفلان نہ بازار کے کیسا کیا
زمین سر پہ اٹھالی کہ کس نے رفتار رنگیں سے

سخن کیا میر کرے حسرت و اندوہ حراں سے
بیاں حاجت نہیں حالات ہیں سارے عیاں میر

بہار آئی ہو غنچے گل کے نیکلے ہیں گلابی سے
گردن ہوں ہر قدم پرین ڈھا جاتا ہو جی ہرم
نہ ٹھہری ایک بھی چشمک لبسان برق آنکھوں میں
نہال بہنر جھوٹے ہیں گلستاں میں شرابی سے
پہنچتا ہوں کعبہ پرشے مو اس خرابی سے
کلیجہ جل گیا اے عمر میری تو شتابی سے

قیامت ہو رہے گی ایک دن اس بے حجابی سے
کروں کیا تم تو لڑنے لگتے ہو حرفِ شتابی سے
کہ سر ڈالے غریب آتا تھا نط کی بے جوابی سے

بھل آتے ہو گھر سے چاند سے یہ کیا طرح پڑی
یہ جھگڑا تنگ کر میں رکھا روزِ شکاری پر
بہت رویا نوشتے پر میں اپنے دیکھ قاصد کو

مبادا کارواں جاتا ہے تو صبح سوتا ہے
بہت ڈرتا ہوں میں ایسی تیرے دیر غولی سے

آئے ہیں پھر کے یارو اب کی خدا کے ہاں سے
جی کچھ اچٹ گیا ہو اب نالہ و فغاں سے
رکھتی ہو چھڑ میری خاشاکِ آشیاں سے
تو تو نہ بول ظالم بول آتی ہو وہاں سے
حیران ہوں یہ شوخی آئی تھیں کہاں سے
دلچسپ کا ہیکو ہیں اس بیوفا جواں سے
دھوئے تھے ہاتھ میں نے اس دن ہی بجاں سے
ہر اک سے حال دل کا مدت کہا زبان سے

کبے میں جاں بلب تھے ہم دوریِ بیاں سے
تصویر کے سے طائر خاموش رہتے ہیں ہم
جب کووندی ہو بجلی تب جانبِ گلستاں
کیا خوبی اُس کے منہ کی اور غنچہ نقل کرے
آنکھوں ہی میں ہے ہو دل سے نہیں گئے ہو
سبز ان باغِ سائے دیکھے ہوئے ہیں اپنے
کی شست و شو بدن کی جس دن بہت سی آنے
خاموشی ہی میں ہم نے دیکھی ہو مصلحت اب

اتنی بھی بد مزاجی ہر لحظہ میں
الچھاؤ ہو زمین سے جھگڑا ہو آسمان سے

گفتار اُس کی کب سے رقرار ناز سے
دیکھ کبھو ادھر قرۃِ نیم باز سے
سرخ کاکٹے ہو زبانِ دراز سے
اس طور پھر لے کب تیں بے پروا ساز سے
کرتے کسو کو دج بھی تو امتیاز سے
کچھ جلتے جلتے ہو گئے ہیں ہم گداز سے

کرتا ہو کب سلوک وہ اہل نیاز سے
یوں کب ہائے آنسو پھیں ہیں کہ تو نے شوق
خاموش رہ سکے نہ تو بڑھ کر بھی کچھ نہ کہہ
اب جا کسو درخت کے سیلے میں بیٹھیے
یہ کیا کہ دشمنوں میں مجھے ساننے لگے
مانند شمع ٹپکے ہی پڑتے ہیں اب توا شک

شاید کہ آج رات کو تھے میکدہ میں تیر
کھیلے تھا ایک منہجہ ہر ناز سے

اثبات ہوا جرمِ محبت کا اسی سے
پر چھ پہ جو ہو جائے ہو چھوڑے جی سے

مابلوت مرادیر اٹھا اس کی گلی سے
تم چھڑتے ہو بزم میں تجھ کو تنہا سنی سے

دریا بھی نظر آئے اسی خشک لبی سے
پھرتے ہیں پڑے دلی کے کوند جو پری سے
اس کو چھوئے جاتے ہوئے دیکھا کے جی سے
سوئے نہیں بیجاے مری نالہ کشی سے
اب ہم بھی لڑا بیٹھتے ہیں آنکھ کسی سے
اب دم تو لگے رکنے ہماری خفگی سے
اگتائے لگے ہمنفساں تم تو ابھی سے
فریاد ہو اس قوم کی فریاد رسی سے
عالم ہو سیہ خانہ مری نوحہ گری سے

آتش بجکر اُس دُرِ نایاب سے سب ہیں
گر ٹھہرے ملک آگے انھوں کے تعجب ہو
نکلا جو کوئی دھاس سے تو پھر مری کے نکلا
ہمسایے مجھے رات کو ردیا ہی کرے ہیں
تم نے تو ادھر دیکھنے کی کھائی ہو سو گند
چھاتی کہیں پھٹ جائے کہ ملک بھی ہو اکھا
اس شوخ کا تمکین سے آتا ہو قیامت
مالاں مجھے دیکھے ہیں بتاں تپہ ہیں خاموش
مالو سے زبان رات کو مطلق نہیں لگتی

بے رحم وہ تجھ پاس لگا بیٹھنے جب دیر
ہم میرے دل اپنے اٹھائے تھے بھی سے

مانا ہو حضور اس کے چراغ سحری سے
لگتا ہو ترے سایہ کو بھی تنگ پری سے
ماتے گئے ہیں لوگ بہت بے خبری سے
کب عہدہ برآئی ہوئی اس عشوہ گری سے
کیا اور ہو رسوا کوئی آشفٹہ مری سے
تب ٹکڑے نکلتے ہیں عقیق جگری سے

کیا خور ہو طرف یار کے روشن گری سے
میزان چین ہو دیں برابر ترے کیونکر
ہشیار کہ ہو راہ محبت کی خطرناک
ایک آن میں رعنائیاں تیری تو ہیں سو سو
زنجیر تو پاؤں میں لگی رہنے ہمارے
جب لب ترے یاد آتے ہیں آنکھوں سے ہماری

عشق آنکھوں کے نیچے کے کیا میر چھپے ہو
پیدا ہو محبت تری شرکاء کی تری سے

کاہش مجھے جو ہو وہی ہوتی ہو شام سے
سو جھانہ ہم کو دیر تلک چشم دام سے
برسے ہو چشم ابر بڑی دھوم دھام سے
رہتا ہو ہم کو عشق میں کام اپنے کام سے

برسوں ہوئے گئے ہوئے اس مہ کو بام سے
ترپے اسیر ہوتے جو ہم اک اٹھا غبار
دنبال ہر نگاہ ہو صد کاروان اشک
محو اُس دہان تنگ کے ہیں کوئی کچھ کہو

لے میر تقی میر دہلوی سے کار دل اس مہ تمام سے ہو کماہش اک روز مجھ کو شام سے ہو

یوسف کے پیچھے خوار زلیخا عہٹ ہوئی
لڑکے ہزار جھولی میں پھرتے ہیں ساتھ
وہ ناز سے چلا کہیں تو شہر ہو چسکی
جھک جھک سلام کرنے سے کسش ہوا وہ اور
وہ دن گئے کہ رات کو یک جا معاش تھی
سرگرم جلوہ بدر ہو ہر چند شب کو لیک

کب صاحبی ہے ہر مل ایسے غلام سے
مجنوں پھرا ہو کا ہی کو اس ازدحام سے
پھر بحث آپڑے گی اسی کے خرام سے
ہو بیٹھے نا اُمید جواب سلام سے
آتا ہو اب تو تنگ اس میرے نام سے
کب جی لگیں ہیں اپنے کسو نام تمام سے

دل اور عرش دونوں پہ گویا ہو اُن کی سیر
کرتے ہیں باتیں میر جی کس کس مقام سے

وہ کہاں دھوم جو دیکھی گئی چشم تر سے
ہو برا فروختہ وہ بت جو حر احمر سے
وہ ب کچھ اچھا نہیں برہم زدنِ ترگاں کا
تھا نوشتے میں کہ یوں سوکھ گئے مرے اُس بن
یوں تو دس گز کی زباں ہم بھی بتا رہے ہیں
سیر کرنے جو چلے ہو کبھو وہ فتنہ خرام
عشق کے کوچہ میں پھر پاؤں نہیں کھنے کے ہم
مہر کی اُس سے توقع غلطی اپنی تھی
کوچہ یار ہو کیا طفسر بلا خیز معتام

اُپر کیا کیا اُٹھے ہنگامے سے کیا کیا پر سے
اُگ نکلے ہو تماشہ کے تئیں پتھر سے
کاٹ ڈالے گا گلا اپنا کوئی خنجر سے
استخاں تن پہ نمودار ہیں سب مسطر سے
بات کو طول نہیں دیتے خدا کے ڈر سے
شہر میں شور قیامت اُٹھے ہو ہر گھر سے
ابکی ٹل جاتی ہو کل مل یہ اگر سر پر سے
کہیں دل داری ہوئی بھی ہو کسو دلبر سے
آتے ہیں فتنہ و آشوب چلے اودھر سے

ساتھ سونا جو گیا اُس کا بہت دل تڑپا
برسوں پھر میر یہ پہلو نہ لگے بستر سے

مراد دل پیر مرشد ہو مجھے ہو اعتقاد اس سے
بلا انداز ہو اُس کا قیامت ناز ہو اُس کا
نزاکت جیسی ہو دلیا ہی دل بھی سخت ہو اُس کا
کے ہیں بند اُن نے کیسے کس درویش سے ملے
بھلا یوں گھٹ کے مرے کپ تلک دل خوں ہوا سارا
لگے ہی ایک دیتے ہیں ہملت بات کی کیسی

فراموش آپ کو کرنا محبت میں ہو یاد اس سے
اُٹھے فتنے ہزار اس سے ہو لاکھوں فساد اس سے
اگر یہ شیشہ جاں ہو بہتر ہو جماد اس سے
جو ایسے سخت عقدوں کی طلب کرے تو شاد اس سے
جو کوئی داد گر ہوئے تو کر لے جا کے داد اس سے
ہوا ہو دشمنوں کو کچھ قیامت اتحاد اس سے

پہنچ کر تہ کو ہم تو محض محرومی ہی پاتے ہیں
لے ہی میان سے رہتا ہو کوئی یہ نہیں کہتا
مرا و دل کو پہنچا ہو گا کوئی نامراد اس سے
نکالا ہو کہاں کا تو نے اے ظالم عناد اس سے
ادھر توجہ کرے ہو میرے اُدھر لگتا ہو جو پینے
کہاں تلک بتو اپنا اٹھ گیا ہو اعتماد اس سے

بُرا کیا مانے اب چھٹے یا اُس کی گالی سے
کلی بی رنگ مر جھاتی نظر آتی ہو ظاہر ہو
بھری آنکھیں کسو کی پونچھتے جو آستیں کھتے
جو مر رہے بھی تنگ آکر تو پروا کچھ نہ ہو اس کو
جہاں رونے لگے ٹکے بے دماغی وہ لگا کر نے
دماغ حرف لعل نابے برگ گل سے ہو تم کو
ریاضاتِ محبت نے رکھا ہو ہم میں کیا باقی
ہم اس راہِ حوادث میں لبانِ سبزہ واقع ہیں
سرخانے رکھ کے پتھر خاک پر ہم بے لواز سونے
کبھو میں عینِ دُشے میں جگر سے آہ کرتا ہوں

گئے غم اس دہن کا ہو گئے فکر اس کمر کی ہو
کے سو گیا کوئی ہیں میرے صاحب کچھ خیالی سے

کھینچنے جہاں تو تیغِ جلادت کے واسطے
سجدہ کوئی کرے تو دریا پر کرے
آئے نہ تم تو در پس دیوارِ مجھ تلک
خوش طالعی صبح تو اُس منہ پہ ہو سفید
وصاں میں بھی ہوں مدام شہادت کے واسطے
ہو جائے پاک شرطِ عبادت کے واسطے
کھینچنے ہیں لوگ رنجِ عیادت کے واسطے
پھرتا ہو مس بھی اس ہی سعادت کے واسطے

ہو میرے پیر لیک سے مہکدہ مدام
جاتا ہو بچوں کی ارادت کے واسطے

دیوانگی میں گاہ ہنسنے گاہ روچنے
افراطِ اشتیاق میں کھنے نہ اپنا حال
کہتا ہو میرے سانجھ ہی سے آج دردِ دل
وحشتِ بہت تھی طاقتِ دل ہاے کھو چکے
دیکھے ہیں سوچ کر کے تو اب ہم کبھی ہو چکے
ایسی کہانی گرچہ نندھی ہو تو سوچے

بہو دی جو یہ ہو تو ہم آپ میں اب آچکے
تم ہی کہتے رہتے یہ اور محل تازہ کھلا
ایک بوسہ دے نہ منہ برسوں لگایا داہ وا
یہاں تلک آئے ہیں جتنا مکث کرتے ہو کرو

کیا تمہیں یہاں سے چلے جاتے ہو تم بھی جا چکے
زخم بھی ہم نے اٹھائے دل بھی ہم کھا چکے
اب تو تلک بولو جزا ہم اس عمل کی پا چکے
اب تو جانا جان سے ناچار ہم ٹھہرا چکے

اب چمن میں جا سکتے ہیں تو جی لگتا نہیں

پھول گل سے میسر اُس بن دل بہت بہلا چکے

خوبی کی اپنی جنت کیسی ہی ڈینگیں ہانگے
یک ایک بات اوپر ہیں پیچ و تاب سو سو
سر کو اُس آستان پر رکھتے رہیں تو بہتر
گردش سے روسیہ کی کیا کیا بلائیں آئیں
مشتاق ہم جو ایسے سو ہم ہی سے ہو پردا
ہو پر غبارِ عالم جانا ہی یہاں سے اچھا
کل باغ میں گئے بستے روئے چمن چمن ہم
جاناں کی رو سے آنکھیں جس تس کی لگے ہی ہیں

اُس کی گلی کا ساکن ہرگز ادھر نہ بھانکے
رہتے نہیں ہیں سیدھے یوں ڈٹے ٹیڑھے بانکے
اُٹھے جو اُس کے در سے تو ہو جئے کہاں کے
جائے ہی کے ہیں چمن سارے اس آسمان کے
جب اس طرف سے نکلے تب منہ کو اپنے ڈھانکے
اس خاک اُن میں دگر کیا کوئی خاک پھانکے
کچھ سرو میں جو پائے انداز اس جواں کے
رفتہ ہیں لوگ سارے ان پاؤں کے نشاں کے

نمیادہ کش رہے ہو او میسر شوق سے تو

سیسے کے زخم کے کہہ کیونکر رہیں گے ٹانگے

دل خوں ہوا ہمارا ٹکڑے ہوئے جگر کے
چشمے کہیں ہیں جوشاں جوئیں کہیں ہیں جاری
رہنے کی اپنا جا تو لئے دیر ہو نہ لعب
اس شعر و شاعری پر اپنی بندھی نہ ہم سے
دُنیا میں ہو بسیرا یا دوسراے کا سا
وے یہ ہی چھائیاں ہیں زخموں سے بھری ہیں
تہ بہ خودی کی اپنی کیا کچھ دے دھری ہو
اُس آستان کی دوری اس دل کی ناصبوری
خاک ایسی عاشقی میں ٹھکرائے بھی گئے کل

دیکھا نہ تم نے ایدھر صرفہ سے اک نظر کے
انار اب تلک میں یاروں کی چشم تر کے
اُٹھے جو اُس کے در سے تو ہو جئے کہہ کر کے
محو خیال شاعریوں ہی ہیں اُس کمر کے
یہ رہروان ہستی عازم ہیں سب سفر کے
کیا ہو جو بلہوس نے دوچار کھائے چر کے
ہم بے خبر ہوئے ہیں پہنچے کسو خبر کے
کیا کہیے آہ غم سے گھر کے ہوئے نہ در کے
پاؤں کئے سے اُس کے پر میسر جی نہ سر کے

کتنے روزوں سے نہ ہونے کے ہیں نے کھلنے کے
ہائے کس خوبی سے آوارہ رہا ہو مجنوں
عزم ہو جزم کہ اب کی حرکت شہر سے کر
آہ کیا سہل گزر جاتے ہیں جی سے عاشق
جمع کرتے ہو جو کیسوئے پریشاں کو مگر
کا ہے کو آنکھ چھپاتے ہو یہی ہو گر چال
ہاتھ چڑھ جائیو ایٹھ کسو کے نہ کہنہو
خاک سے چرخ تلک اب تو رکا جاتا ہے
لے بھی ای غیرت خورشید کہیں منہ پہ نقاب

لالہ و گل ہی کے مصروف رہو تم شب روز
سید ہو تم مگر میر جی سید ہو گلستانے کے

اس بارغ بے ثبات میں کیا دل صبا کے
حرص و ہوس سے باز ہے دل تو خوب ہو
تلخ اب تو اپنے جی کو بھی لگتی ہو باتوں
کس کو خبر ہو کشتی تباہوں کے حال کی
ایسے لگے پھرے ہیں بہت سایہ کی روش
وہ بھی جن فروز تو بلبل ہو سامنے
پس جائیں یار آنکھ تری سرمہ پر پڑے
بن ہڈیوں ہماری ہما کچھ نہ کھائے گا
خط مت رکھو کہ اس میں بہت ہیں قباحتیں
مقصود کے خیال میں بہتوں نے چھانی خاک

سب چاہتے ہیں دیر رہے میر دل زندہ
یار ب کسو تو دوست کی اس کو دعا لگے

لہ لالہ غن ہو دل اور خاکو بھاگ لگے پڑا تری منصفی کو آگ لگے

غیر کو دیکھے ہو گرنی سے نہ کچھ لاگ لگے
آنکھ ہر ایک کی دوڑے ہو کفک پر تیرے
ہو نہ دیوانہ جو اُس گوہر خوش آب کا تو
اب تو اُن گیسوؤں کی یاد میں میں محو ہوا

اس لئے دیکھ رہے ہو کہ مجھے آگ لگے
پاؤں سے لگے تے ہندی کو کچھ بھاگ لگے
لب دریا کے تئیں کیوں ہیں یوں بھاگ لگے
گو قیامت کو مرے منہ سے ہوں ٹوناگ لگے

لڑکے دلی کے ترے ہاتھ میں کب آئے تیرے
پچھے ایک ایک کے سو سو پھریں ہیں آگ لگے

کب تلک احوال یہ جب کوئی تیرا نام لے
نا تو انی سے اگر مجھ میں نہیں ہو جی تو کیا
پہلوئے عاشق نہ بستر سے لگے تو ہو بجا
اب دل نالاں پھر اُس زلف سیہ میں جا چکا
شلخ گل تیری طرف جھکتی ہو ہو اسیست ناز
دل کی آسائش نہیں امکان زلف یار میں
عزت اسی پر مغال کچھ حاجیوں کی ہو ضرور
کیا بلا مفتی کا لونڈا سر چڑھا ہو ان دنوں

عاشق بے حال دونوں ہاتھ سے دل تھام لے
عشق جو چاہے تو مرے سے بھی اپنا کام لے
دل سی آفت ہو بغل میں جس کے کیا آرام لے
آج یہ بیمار دیکھیں کس طرح سے شام لے
چاہتی ہو تو بھی میرے ہاتھ سے اک جام لے
یہ شکار مرض طرب ہو دم نہ زیر دام لے
آئے ہیں تیرے کئے ہم جامہ احرام لے
آئے ہو گویا کہ مجھ پر قاضی کا اعلام لے

ہمنشیں کہہ مت نبوں کی تیر کو تسبیح ہو
کام کیا اس ذکر سے اُن کو خدا کا نام لے

سختیاں کھینچیں سو کھینچیں پھر بھی جو اٹھ کر چلے
مارگیری سے زمانے کی نہ دل کو جمع رکھ
کیونکہ اُن کا کوئی وارفتہ بھلا ٹھہرا ہے
اب جو وہ سرمایہ جاں بیاں تلک آیا تو کیا
میں نہ کہتا تھا دم بسمل مرے مت آئیو
چھوڑ جانا جاں بلب ہم کو کہاں کا ہو سلوک
صاف سارا شہر اُس انیوہ خط میں لٹ گیا

چلتے اُس کو چے سے ہم پر سیکڑوں پتھر چلے
چال دھیمی اُس کی ایسی ہو کہ جوں اجر چلے
جنش اُن پلکوں کو ہوتی ہو کہ جوں خنجر چلے
راہ تکتے تکتے اُس کی ہم تو آخر مر چلے
لوٹتے دامن کی اپنی زہ لہو میں بھر چلے
گھر کے گھر بھیاں بیٹھے جاتے ہیں تم اٹھ کر گھر چلے
کچھ نہیں رہتا ہو وہاں جس راہ ہو لشکر چلے

اس میر تقی میر دہلوی سے ہائے آگے ترا جب کسی نے نام لیا تو دل تڑپا کہ ہم نے تھام تھام لیا

یاؤں میں مارا ہر تیشہ میں نے راہِ عشق میں
لائے تھے جا کر ابھی تو اس گلی میں سے پکار
چکے چکے مہر جی تم اٹھ کے پھر کیدھر چلے

یا پہلے وہ نگاہیں جن سے کہ چاہ نکلے
کیونکر نہ چکے چکے یوں جان سے گزریے
زردی رنگ و رونا دونوں دلیلِ کشتن
اگر کام جاں ہو تو بھی کیا ریچھ کا بچساؤ
خوبی و دل کشی میں صد چند ہو تو اس سے
بھلا مہر تھی وفا تھی دھماں جو تھے ستم تھے
غیروں سے تو کے ہر اچھی بُری سب اپنی
رکتے تو ہو مگر پر اس گھڑی سے ڈر لو

اک خلقِ مہر کے اب ہوتی ہو آستان پر
درِ دیش نکلے ہو کیوں جو بادشاہ نکلے

جیسے اندوہ محرمِ عشق کب تک دل سے
دین و مذہب عاشقوں کا قابلِ پرسش نہیں
یہ نہیں میں جانتا نسبت ہو کیا آپس میں لیک
ہائے کس حسرت سے شبنم نے سحر رو کر کہا
مردمانِ شہرِ خوبی پر کریں کیا دل کو عرض
کل جو ہم کو یاد آیا باغ میں مستِ دیار کا
جمع کر خاطر مری جینے سے مجھ کو خوب ہے
گرچہ سب ہیں گے تہیائے طریقِ نیستی
ہر قدم پر جی سے جانا ہر دم او پر ہے دی

عید سی ہو جائے اپنے ہاں لگے جو تو گلے
یہ ادھر سجدہ کریں ابرو جدھر اُس کے ہلے
آنکھیں ہو جاتی ہیں تھنڈی اُس کے تلووں سے
خوش رہو اے ساکنانِ باغِ اب تو ہم چلے
ایسی جنسِ ناروا کو مفت کوئی ٹھانے
خوب روئے ہر نہالِ سبز کے سائیکے تلے
جی بچا تب جانے جب سے یہ کھول ملے
طی بہت دشوار کی یہ رہزیم لے و لے
لمحہ لمحہ آگے تھے کیا کیا قیامت مر چلے

لے میر تقی میر دہلوی سے چلا نہ اٹھ کے دہریں پھر تو چکے چکے تہیر پڑا ابھی تو اُس کی گلی سے پکار لایا ہوں
سے ام خواجہ میر درد سے ام جانتے نہیں ہیں اور درد کیا ہو کہید پڑا جدھر پڑا وہ ابرو و دھڑکنا کرنا

جلنے کو ملے ہیں سب کے اندرونے لیک میر
جب کسو کی اس وتیرہ سے کہیں چھاتی جلے

الفت سے محبت سے مل بیٹھنا کیا جانے
اس راہ میں پیش آئے کیا ہم کو خدا جانے
صورت ہے جو کچھ دل کی سوتیری بلا جانے
جو زخم جگر اپنے جوں غنچہ چھپا جانے
جب آگ کوئی گھر کو اس طور لگا جانے
اس دردِ محبت کی جو کوئی دوا جانے
کیا جانے ہوس پیشہ چکے تو مزا جانے
تب جانے جب کوئی اس صفت ستا جانے
کردار وہی اچھا تو جس کو بھلا جانے

بے ہرود و ناہی وہ کیا رسم دفا جانے
دل دھڑکے ہو جاتے کچھ بتھانے سے کتبہ کو
ہر محور رخ اپنا تو آئینہ میں ہر ساعت
کچھ اُس کی بندھی مٹھی اس باغ میں گزے ہو
کیا سینے کے جلنے کو ہنس ہنس کر اڑاتا ہو
میں مٹی بھی لیجاؤں دروازہ کی اُس کے تو
اپنے تئیں بھی کھانا خالی نہیں لذت سے
یوں شہر میں بتیرے آزار دہندے ہیں
کیا جانو رکھو روزے یا دارو پیو شب کو

آگاہ نہیں انساں اچھے فوٹے سے
کیا چاہئے ہو پسر جو طالع کا لکھا جانے

ہیں کھو دیا ہے تری جستجوتے
ہیں جی سے مارا تری رزوتے
رکھی دہوم شہر میں اس گفتاوتے
ہیں تو نہیں دیتے لکپاؤں چھوتے
دوانہ کیا تھا مجھے تیری بوتے
جراحت جگر کے لگے دکھنے دوتے
برائی ہی کی سست اُس خوبوتے
پڑے ہینگے اُس کے محل آج موتے

اُسی کہاں منہ چھپایا ہو تولے
جو غواہش نہ ہوتی تو کاہش نہ ہوتی
نہ بھائیں تجھے میری باتیں و گزے
رقیبوں سے سر جوڑ بیٹھو ہو کیونکر
پھر اس سال سے پھول نہ کھائیں
مداد نہ کرنا تھا مشفق ہمارا
کڑھایا کسو کو کھپایا کسو کو
وہ کہتے تھے کہ آتشور جس کا جہاں ہیں

تری چال طیر سی تری بات رو سی
تجھے میر سمجھا ہے پیاں مکھ سونے

جیسے چراغ کوئی کتاب میں جلاوے
کھویا گیا نہیں میں ایسا جو کوئی پاوے

ویسا ہے یہ جو یوسف شب تیری ہوئے آئے
کیا رفتگی سے میری تم گفتگو کرو ہو

دیکھیں ابھی محبت کیا کیا ہیں دکھاوے
عاشق جو رہ گزریں آنکھوں کے تئیں بچھاوے
یارِ بزمِ پختے تو یہ روسیہ سماوے
تا دل کسو سے اپنا کوئی نہ یہاں لگاوے
کیا ان سے ہاتھ اٹھاؤں گو اس میں جانِ جاوے
کیا جان جس کی خاطر شہرِ بندگی اٹھاوے

چھاتی کے دانے یکسر آنکھوں سے کھل رہے ہیں
میں پاؤں اس کے نازک گل برگ سے بجا ہوں
یوں نہاک منہ پہل کر کبتک بھرا کروں میں
اگر کاش قفص میرا ہر بندہ کو سنا دیں
ترک بتاں کا چھوٹے لیتے ہیں قول یوں ہی
عاشق کو مر گئے ہی بنتی ہو عاشقی میں

جی میں بگڑ رہا ہوں میرے چپ ہو بیٹھا
چھپڑا ابھی تو کیا کیا باتیں بنا کے لائے

یا ابر کوئی آوے اور آکے برس جاوے
دل کیا کرے جو ایسے نگاہیں بھنس جاوے
ممکن نہیں اب ان تک آوازِ جرس جاوے
یہ ماریسیہ یارِ وناگاہ نہ ڈس جاوے
یوں آگے ہو مسجد کے ہر رخس جاوے
جب پیر ہر نگاہ بھی اس غلی سے چس جاوے

یا بادۂ گلگوں کی خاطر سے ہوس جاوے
شورشِ کدۂ عالم کہنے ہی کی جساگہ تھی
دل تو ہر عفتِ نالوں یارانِ گزشتہ بن
اُس زلف سے لگ چلنا اک سانپ کھلانا ہو
میخانے میں آوے تو معلوم ہو کیفیت
چولی جہاں سے سسکی بھر آنکھیں وہیں چپکیں

ہر میرے عجب کوئی درویش برشتہ دل
بات اُس کی سنو تم تو چھاتی بھی بھنس جاوے

مبادا عشق کی گرمی جگر میرا جلا دیوے
کوئی کاش اس گلی میں ہم کو اکٹھے بنا دیوے
کوئی اس تیغِ برکت کو گلے میرے ملا دیوے
کسو سے دل لگے اس کا تو وہ اس کی خزا دیوے
بدی کو بھی نہایت ہو تمہیں نیکی خدا دلاوے
کہاں سے کوئی تازہ دل اسے ہر روز لا کر حلے
کوئی کیا راہ کی بات اس جفا کو بتا دے
مبادا اس آتشیں غم کو مخالف کچھ لگا دیں
ہمسایہ اس رخسوں سے مل چل کہ کچھ کو کچھ دے کرنا

دروے کو کوئی آہوں سے یوں کب تک ہوا دیوے
کہاں تک یوں پڑے بستر پہ رہے دورِ جانا سے
ہوئے برسوں کہ وہ ظالم ہے جو مجھ پہ کچھ پڑھا
وفا کی مزد میں اہم پر جفا و جور کیا کہنے
کہیں کچھ تو بُرا مانو بھلا انصاف تو کریے
صنوبر آدمی ہو تو سراپا بارِ دل لاوے
بہت گمراہ ہو وہ شوق لگتا ہے کہ کس کے
جگر سب جل گیا لیکن زباں الہی نہیں اپنی
کوئی بھی میرے دل ریش سے یوں دور پھرتا ہو

اُس شوخ شکر کو کیا کوئی بھلا چاہے
 کبے گئے کیا کوئی مقصد کو پہنچتا ہو
 سورنگ کی جب غوی پاتے ہو اسی گل میں
 ہم عجز سے پہنچے ہیں مقصد کی منزل کو
 ہو سکتی ہیں بندرہ پلکیں کہیں رونے کی
 جب تے زبان چھوڑی تیرا ہیکا صرفہ ہو
 دل جائے اوجوں کے شبنم نے کہا گل سے
 خطر رسم زمانہ تھی ہم نے بھی لکھا اس کو
 رنگ گل دبوٹے گل ہوتے ہیں ہوا دونوں

جو چاہنے والے کا ہر طور بُرا چاہے
 کیا سعی سے ہوتا ہو جب تک خدا چاہے
 پھر اُس سے کوئی اُس بن کچھ چاہے تو کیا چاہے
 کہ خاک میں لجاوے جو اُس سے ملا چاہے
 تنکوں سے کئے ہو کب دیا جو بہا چاہے
 بے صرفہ کے کیوں نہ جو کچھ کہہا چاہے
 اب ہم تو چلے یہاں سرہ تو جو رہا چاہے
 تہ دل کی لکھے کیونکر عاشق جو لکھا چاہے
 کیا قافلہ جاتا ہو جو تو بھی چلا چاہے

ہم پیس ترا مرنا کیا چاہتے تھے لیکن
 رہتا ہوئے بن کب جو کچھ کہہا چاہے

دوری میں اُس کی گور کنارے ہم آ رہے
 اُس آفتابِ حسن کے ہم داغِ شہم ہیں
 اب جس کے حسنِ خلق پہ بھولے پھر ہیں لوگ
 مجردِ اہم ہوئے تو تک پاشیاں رہیں
 مرغانِ باغ سے نہ ہوئی میری دم کشی
 چھاتی رُکی رہے ہو جو کرتے نہیں ہیں آہ
 کشتے ہیں ہم تو ذوقِ شہیدانِ عشق کے
 گاہے کراہتا ہو گئے چپ ہو، گاہے مست

جی رات دن جنھوں کے کھپیں ان میں کیا ہے
 ایسے نکلور پر بھی وہ مُسنہ کو چھپا ہے
 اس بے وفا سے ہم بھی بہت آشنا ہے
 ایسی معاش ہوئے جہاں کیا مزہ ہے
 نالہ کو سُن کے دقتِ سحر دم ہی کھا ہے
 یہاں لطف تب تلک ہی ہو جتنا کہ ہوا ہے
 تیغِ ستم کو دیر گلے سے لگا ہے
 ممکن نہیں مرلیضِ محبت بھلا ہے

آئے کبھو جو وہاں سے تو یہاں رہتے تھے لو اس
 آخر کو میرا اُس کی گلی ہی میں جا رہے

بے عمر دیدہ ہاے ستم دیدہ تر رہے
 مہ نے بھی نذر کی ہو پھریں گے چمن کے گرد
 ویسا ہی یہ کہتے تیرے واسطے اوی مایہ حیات
 کیا رفتگی ستے بھی اپنے ہائے وہ حافر نہ ہو سکا

آخر کو پھوٹ پھوٹ پہ تھر تھر رہے
 آنے تئیں بہار کے گریباں دیر رہے
 کیا کیا عزیز اپنے تئیں مار مر رہے
 ہم اشتیاقِ کش تو بہت محتضر رہے

ما تم زدوں کے حلقے میں جوں نوحہ گر ہے
جیب و کنار گریہِ غنیمت سے بھر ہے
غالب ہی یہ کہ دیر ہمارا اثر ہے
جوں قافلہ لٹا کہیں آکر اتر ہے
کس خانماں خراب کے دے جا کے گھر ہے
دروازے ہی کی اور کہاں تک نظر ہے
یہ چال ہو تو اپنی کسے پھر خبر ہے

مرغانِ باغ رہتے ہیں اب گھیر یوں مجھے
آغوشِ اُس سے خالی رہی شربِ قوتِ ساحر
نقشِ قدم کے طور ترے ہم ہیں پا کمال
اب صبر و ہوشِ عقل کی میرے یہ معاش
لاکھوں ہمارے دیکھتے گھر بار سے گئے
آتا کچھ تو ناز سے دکھلائی دے بھی جا
رکھنا تھا پادوں کا کھوتا ہر سر ہوش

کیا بد بلا ہو لاگ بھی دل کی کہ میسر جی
دامنِ سوار لڑکوں کے ہو کر نقر ہے

سو یوں رہے کہ جیسے کوئی میہاں رہے
تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشان رہے
کیا کیجے اب کہ رازِ محبت نہاں رہے
تیغِ اپنے اُس کے کبتیں کویں درمیاں رہے
جوں شمع کیا کروں جو نہ میری زباں رہے
سیلابِ میری آنکھوں کے تیک رواں رہے
اب تک تو ہم غریز رہے ہیں جہاں رہے
چکر میں درنہ کا ہیکو یوں آسمان رہے
کس بد توں رکھا جو تنک مہرباں رہے
تم چاہو ہو کہ ایک سا ہی میاں سماں رہے
اس معرکہ میں کھیت بہت خستہ جاں رہے
جوں صبح ایک دم ہی ہے ہم جو میاں رہے

یہاں ہم برائے بیتِ جو بے خانماں ہے
تھا ملک جن کے زیرِ نیکی صاف مٹ گئے
آنسو چلے ہی آئے لگے منہ متصل
ہم جب نظر پڑیں تو وہ ابرو کو خم کرے
کوئی بھی اپنے سر کو کٹاتا ہی یوں دے
یہ دونوں چٹے خون سے بھر دوں تو خوب ہے
دیکھیں تو مصر حسن میں کیا خواریاں پھینچیں
مقصود گم کیا ہو تب ایسا ہی اضطراب
کیا اپنی اُن کی تم سے بیاں کیجے معاش
کہ شام اُس کے موتے ہو کہ روتے اُس کے صبح
کیا نذر تیغِ عشق کو سرِ سبز میں کیسا
اس تنگنائے دہر میں تنگیِ نفس نے کی

اک قافلے سے گرد ہماری نہ ٹنک اٹھی
حیرت ہو میسر اپنے تئیں ہم کہاں ہے

ایک سے تم ہم نقر سے اکثر صحبت رکھتے تھے
اور نہ تھی تو فنی تمہیں تو بوسے کی ہمت رکھتے تھے

آگے خط سے دماغ تمھارا عرش پہ تھا سوئے ہی تم
 پاؤں زمیں پر رکھتے تھے تو خدا پہ منت رکھتے تھے
 اب تو ہم ہو چکے ہیں ٹمک تیرے ابرو خم ہوئے
 کیا کیا رنج اٹھاتے تھے جب جی میں طاقت رکھتے تھے
 چاہ کے سائے دیوانے پر آپ کے اکثر بیگانے
 عاشق اس کے سیر کے ہم سب جدی مت رکھتے تھے
 ہم تو سزائے تیغ ہی تھے پر ظلم بے حد کیا معنی
 اور بھی تجھ سے آگے ظالم اچھی صورت رکھتے تھے
 آج غزال اک رہبر ہو کر لایا تربت محسنوں پر
 قصد زیارت رکھتے تھے ہم جب وحشت رکھتے تھے
 کس دن ہم نے سر نہ چڑھا کر ساغرِ محو کو نوش کیا
 دور میں اپنے دخترِ رز کی ہم اک حرمت رکھتے تھے
 کو کہن و مجنون و دامن کس کس کے لیں نام غرض
 جی ہی سے جاتے آگے منے دے لوگ اُلفت رکھتے تھے
 چشم جہاں تک جاتی تھی گل دیکھتے تھے ہم سرخ و زرد
 پھول چین کے کسی کے ہنر سے ایسی نخلت رکھتے تھے
 کام کرے کیا سعی و کوشش مطلب بھیاں نے پیدا ہوتا
 دست و پا بہ تیرے ماے جب تک قدرت رکھتے تھے
 چتون کے کبڑھب تھے ایسے، چٹمک کے تھے کب یہ ڈول
 ہائے وے دن جن دوزوں تم کچھ بھی مروت رکھتے تھے
 لعل سے جب دل تھے یہ ہمارے مر جاں سے تھے اشکِ چشم
 کیا کیا کچھ پاس اپنے ہم بھی عشق کی دولت رکھتے تھے
 کل کہتے ہیں اس بستی میں میر جی مشتاقانہ موئے
 تجھ سے کیا ہی جان کے دشمن دے بھی محبت رکھتے تھے
 مجنوں و کوہن کو آزار ایسے ہی تھے یہ جان سے گئے سب بیمار ایسے ہی تھے

۱۲ اسے عاشق اس کے سیر کے۔ یعنی اس کے عاشقوں کو دیکھا

اس دلفروز کے بھی رخسار ایسے ہی تھے
بس ایسے شکرے میں درکار ایسے ہی تھے
یہ دل جگر ہمارے غمخوار ایسے ہی تھے
یہ دیدہ نہیں کیا خونبار ایسے ہی تھے
اگلے زمانہ میں بھی کیا یار ایسے ہی تھے
ہم بے حقیقتوں کے کردار ایسے ہی تھے
کچھ اس ستم زدہ کے آثار ایسے ہی تھے

سمس و قمر کے دیکھ جی اس میں جا رہے ہو
دامن کے پاٹ سارے تھے ہوئے چمن کے
لوہو نہ کیوں رلائے اُن کا گداز ہونا
ہر دم جراحت آسا کب ہتے تھے ٹپکتے
آزار دہ دلوں کا جیسا کہ تو ہو ظالم
ہو جائے کیوں نہ دوزخ باغِ زمانہ ہم پر
دیوار سے پٹک سر میں جو مو تو بولا

اک حرف کا بھی اُن کو دفتر ہو کر دکھانا
کیا کئے مہیر جی کے بستر ایسے ہی تھے

اس خصم جاں کے در پر تکیہ بنا کے بیٹھے
وقت اخیر اچھا منہ کو چھپا کے بیٹھے
یعنی کہ عاشقی میں ہم گھر جلا کے بیٹھے
مسجد کے آگے آخر قشقہ لگا کے بیٹھے
بازاری سب کانیں اپنی بڑھا کے بیٹھے
مجلس سے اٹھ گیا وہ ٹک ہم جو آ کے بیٹھے
یوں چاہئے کہ سر کو ہر دم جھکا کے بیٹھے
مسند پر ناز کی جو تیوری چڑھا کے بیٹھے
خار و خشک ہی کیوں برسوں بچھا کے بیٹھے

اب ہم فقیر جی سے دل کو اٹھا کے بیٹھے
مرے ہوئے بھی ہم کو صورت نہ آ دکھائی
عزت نشیں ہوئے جب دل دماغ ہو گیا تب
جو کفر جانتے تھے عشقِ بتاں کو وہ ہی
شورِ مباحِ خوبی اس شوخ کا بلا تھا
کیا اپنی ادر اس کی اب نقل کرے صحبت
کیا جانے تیغ اُس کی کب ہو بلند عاشق
پھولوں کی سیج پر سے جوئے دماغ اٹھے
کیا غم اُسے زیں پر بے برگ ساز کوئی

وادیِ قیس سے پھر آئے نہ مہیر صاحب
مرشد کے ڈھیر پر وہ شاید کہ جا کے بیٹھے

جو چاہیں سولیوں کہیں لوگ اپنی جگہ بیٹھے
وے جوش کہاں اب ہم مدت ہوئی دہ بیٹھے
پیرا ہن اگر پہننے تو اُس پہ بھی تہ بیٹھے
کیا ناز سے یہاں کوئی کج کر کے کلمہ بیٹھے
بیحوصلہ تھے ہم جو اس راز کو کہ بیٹھے

ہر جنبش لب مشکل جب اُن کے وہ بیٹھے
جی ڈوب گئے اپنے اندوہ کے دریا میں
کیا رنگ میں شوخی ہو اُس کے تن نازک کی
سر گل نے اٹھایا تھا اس باغ میں سودیکھا
مرے موئے پر چاہتِ ظاہر نہ کی اگلوں نے

سے میر تقی میر دہوی سے کیا تن نازک ہو جاں کو بھی حسد جس تن پہاڑی کیا بدن کا رنگ ہو نہ جسکی پیرا ہن پہاڑی

کیا جانے کہ ایدھر کا کب قصد کرے گا وہ
پامال ہوئے ہم تو اس سے سر رہ بیٹھے

جو ہاتھ چڑھا اُس کے دل خوں ہی کیا اس کا
اُس پہنچے زنجیں کی اسی میسر نہ کہہ بیٹھے

اب سمجھ آئی مرتباً سمجھے
اس قدر جی میں ہو دغا اُس کے
کچھ سمجھتے نہیں ہمارا حال
غلط اپنا کہ اُس جفا جو کو
نکتہ داں بھی خدائے تم کو کیا
لکھے دستِ کتابیں کیں تصنیف
مگر کیا خود کے تمہیں خدا سمجھے
کہ دغا کرے تو دغا سمجھے
تم سے بھی ایسا خدا سمجھے
سادگی سے ہم آشنا سمجھے
پر ہمارا نہ مدعا سمجھے
پر نہ طالع کا ہم لکھا سمجھے

میسر صاحب کا ہر سخن ہو رمز
بے حقیقت ہو شیخ کیا سمجھے

اب اپنے قدر امت کو خم دیکھتے ہیں ہائے
سنے سنے کہ جاتی ہو ترے دیکھنے سے جاں
کیا روتے ہیں یارانِ گزشتہ کے لئے ہم
کچھ عشق کی آتش کی لپٹ پہنچی ہمیں زور
دل چاک ہو جاں مانج جگر خوں ہو ہمارا
ہستی کے تئیں ہوتے عدم دیکھتے ہیں ہائے
اب جان چلی جاتی ہو ہم دیکھتے ہیں ہائے
جب راہ میں کچھ نقش قدم دیکھتے ہیں ہائے
سب تن بدن اپنے کو بھسم دیکھتے ہیں ہائے
ان آنکھوں سے انوارِ ستم دیکھتے ہیں ہائے

یالوس نہ کس طور جہاں سے رہیں ہم میسر
اب تاب بہت جان میں کم دیکھتے ہیں ہائے

جاگنا تھا ہم کو سو بیدار ہوتے رہ گئے
بوئے گل پیش از سر گلزار سے خصلت ہوئی
کارواں جاتا رہا ہم ہائے سوتے رہ گئے
ہم ستم کش رو برو اس کے ہوتے رہ گئے

جی دئے بن وہ دُرِ مقصود کب پایا گیا
بے جگر تھے میسر صاحب جان کھوتے رہ گئے

اگل گئے بوئے گئے گلشن ہوئے بہم گئے
انستے رہتے تھے جو اس گلزار میں شام و سحر
کیسے کیسے ہائے اپنے دیکھتے موسم گئے
دیدہ ترسا تھے لے لے لوگ جوں شبنم گئے
کوئی دن میں دیکھو وہاں گئے کیا ہم گئے
اگر ہوا اس بانگ کی ہو یہ تو اری بلبل نہ بھول گئے

لو ہو روتے جوں شفق پورب گئے پیچھے گئے
 نے جس سے چس گئی نے ابروؤں سے خم گئے
 کچھ سبب تو ہو جو آنسو آتے آتے ختم گئے
 پر اٹھے جو ہم یہاں سے وہاں تک یکدم گئے
 اٹھ کے جس کے ہاں گئے دل کائے ماتم گئے
 سو بھی تو دیکھا گریباں چاکِ ثرگاں خم گئے
 آن بیٹھے ناؤں کو تو یہاں نکلیں سے جم گئے

کیا کم اُس خورشید رو کی جستجو یاروں نے کی
 جی گیا یہاں بے مانگی سے انھوں کی دُرُھا
 شاید اب ٹکڑوں نے دل کے قصہ انکھوں کا کیا
 گر چہ ہستی سے عدم تک اک مسافت تھی بعید
 کیا معاش اس غم کہہ میں ہم نے دس دن کی ہم
 سبزہ و گل خوش نشینی اس چمن کی جن کو تھی
 مردم دنیا بھی ہوتے ہیں سمجھ کس مرتبہ

رابط صاحب خانہ سے مطلق بہم پہنچا نہ تیر
 مدتوں سے ہم حرم میں تھے یہ ناختم گئے

سو ہی بات آئی اٹھے اُس پس سے جاں سے گئے
 آپ میں آئے کجواب ہم تو ہماں سے گئے
 دیکھئے کیا گل کے گا اب گلستاں سے گئے
 کوہ بھی نالاں ہے جب ہم بیاباں سے گئے
 صوفیاں دیں گئے سب شیخ ایماں سے گئے
 اب قیامت ہو کہ سائے حرفِ تراں سے گئے

ہم نہ کہتے تھے رہے گا ہم میں کیا یہاں سے گئے
 کیا بخود رہنا ہمارا کچھ رکھے ہو اعتبار
 جب تلک ہنا بنا دل تنگ غنچے سے رہے
 کیا غزالوں ہی کو ہم بن وحشت بسیار ہو
 لائی آفت خانقاہ و مسجد اوپر وہ نگاہ
 دور کر خط کو کیا چہرہ کتابی ان نے صاف

جی تو اُس کی زلف میں دل کا کل پچاں میں تیر
 جا بھی نکلے اس کئے تو ہم پریشاں سے گئے

ایک دن نہ کر بساطِ ناز جایا چاہئے
 دلِ خس و خاشاک گلشن سے لگایا چاہئے
 اینٹ کی خاطر سے مسجد کو ڈھایا چاہئے
 سر پر اک دیوار ہی کا منسکی سایا چاہئے
 مستِ ناز ایدھر سے بیکار لایا چاہئے
 اپنے ہوتے ابھی موسمِ گل کا آیا چاہئے

دلِ کتاب اُس بزمِ عشرت سے اٹھایا چاہئے
 یہ قیامت اور جی پر کل گئی پائسیز میں
 خانہ ساز دیں جو ہو واعظِ سو یہ خانہ خراب
 کام کیا بالِ ہما سے چترشہ سے کیا غرض
 القاف پر خانقہ والے بہت مغرور ہیں
 کیا ریلوں ہی میں پڑے ہئے گا سایہ کی روش

لے مولانا جامی سے حدیث چتر مرصع بہرِ قافلہ گوے کہ سایہ دارِ غرباں ہیں مغیلاں است

جن سے بگڑا چاہئے اُن سے بنایا چاہئے
گرتے پڑتے ضعف میں بھی روز جایا چاہئے
تم کو ہم سے منہ بہر صورت چھپایا چاہئے

یہ ستم تازہ کہ اپنی ناکسی پر کر نظر
جی نہیں رہتا ہو ٹک چار ہم کو اس کی اور
گاہ برقع پوش ہو کہ سو پر اگندہ کرو

وہ بھی تو ٹک دست و تیغ اپنے کی جانے قدر
انہم سائے ایک دن اس کو دکھایا چاہئے

سوط جب دیکھ لیجے تب ٹک ایدھر دیکھے
منہ مرا دیکھو ہو کیا یہ کوفت جی پر دیکھے
اور دل اپنا بھی جلتا ہو بہت پر دیکھے
دیکھے ہم کو تو یوں بیسار مضطرب دیکھے
رنگ لاف کیسے کیسے دیدہ تردیکھے
شوق کے افراط سے تاجسند گھر گھر دیکھے
عشق جب ہو تب گلے کو زیرِ غجر دیکھے
کیا غضب ہو آنکھ اٹھا کر ٹک تو ایدھر دیکھے

انکھریوں کو اس کی خاطر خواہ کیونکر دیکھے
گرچہ زردی رنگ کی بھی بھر ہی سے ہو دے
اب کی گل ہم بے پروں کے اور چٹک ن ہو زور
آتے ہو جب جان بھال آنکھوں میں آتی ہو آہ
اشک پر سرخی ابھی سے ہو تو آگے ہنشیں
دیرو کعبہ سے بھی ٹک جھپکی نہ چشمِ شوخ یار
مرے یوں صید گہ کی کج میں تو احسن کیا
برسوں گزے خاک ملتے منہ پر آئینہ کے طور

دیدنی ہو وجد کرنا میر کا بازار میں
یہاں تماشا بھی کسودن تو مقدر دیکھے

دریا کا پھیر پائے تیرا نہ پائے
ٹک اٹھ کے اب نصیب کو بھی آزمائے
طنز اگمانہ تو نے کھولیوں کہ آئے
اس بند سے ہاتے تیرا ب چھڑا آئے
دو چار سیدھی سیدھی تھیں بھی سنائے
کیا اس جہانِ سفلی سے دل کو لگائے

گرداب وار یار ترے صدقہ جائے
سرمار مار بیٹھے تلف جی ہو کب تک
سوشل سے ہم آئے گئے تیری بزم میں
آئے ہیں تنگ جان سے قیدِ حیات میں
کنے لگا کہ طیارے بہت ہوئے ہو تم
ہو غمِ بزم ترکِ تجر کا گر بنے

تا شیر ہو دعا کو فقیروں کی میر جی
ٹک آپ بھی ہائے لئے ہاتھ اٹھائے

پیکرِ نازک کو تیرے کیونکہ بر میں لائے
تو خدا جانے کہاں ہو کیونکہ تجھ کو پائے

ٹک ٹھہرنے دے تجھے شوخی تو کچھ ٹھہرائے
ساکنِ دیرو حرم دونوں تلاشی ہیں ترے

دور ہی سے ہوش کھودیتی ہو اُس کی بوجے خوش
ان دنوں رنگ در کچھ ہو اس دل پر خون کا
جی ہی کھپ جاتا ہو طنز آمیز ایسے لطف سے
دل کے ویراں کرنے میں بیدا کی ہو تو نے ہائے
آپ میں ہے تو اُس کے پاس بھی ٹک جائے
حق میں میرے آپ ہی کچھ سوچ کر فرمائے
ہنس کے جب گستاہی سب میں آئیے جی آئیے
خوش عمارت ایسے گھر کو اس طرح سے ڈھائیے

رات دن رخصت اُس کے چہرے پر ہے میر
آفتاب ماہ سے دل کب تلک بہلائیے

پر نہیں جو اُس کے اُس در جائے
کچھ نہیں تو شعر ہی کی سن کر
قصہ ہو کعبہ کا لیکن سوچ ہو
خانماں آباد جو ہو سو خراب
زندگانی حیف ہو مر جائے
لے ہیں جو بھیاں تو کچھ کر جائے
کیا ہو سنہ جو اُس کے دیر جائے
کس کے اٹھ کر شہر میں گھر جائے

بیم مردن اس قدر یہ کیا ہو میر
عشق کر لے اور پھر ڈر جائے

ان دلبروں کو دیکھ لیا بے وفا ہیں لے
حالانکہ خصم جان ہیں پر دیکھے جو خوب
اب حوصلہ کرے ہو ہمارا بھی تنگ بھیاں
گل بھول اس چمن کے چلو صبح دیکھ لیں
کس دل میں خبر دیوں کی خالی نہیں جگہ
ہر چند ان سے برسوں چھپا ہم ملا کے
بے دید دے مروت و نسا آشنا ہیں لے
ہیں آرزو دلوں کی بھی یہ مدعا ہیں لے
جائے بھی دو تہوں کے نہیں کیا خدا ہیں لے
شبسم کے رنگ پھر کوئی دم میں ہوا ہیں لے
منور اپنی خوبی کے اوپر بجا ہیں لے
ظاہر ہے نہ ہم یہ ہوا یہ کہ کیا ہیں لے

کیا جالو میر صاحب قبلہ کے ڈھب کو تم
خوبی مسلم ان کی ولے بد بلا ہیں لے

۱۔ میر تقی میر کے زمانے میں (یہ) کی کتابت دلیا کے ساتھ ہوتی تھی (یہ) مگر اب رسم الخط بدل گئی اور (یہ) بہ یاد ہوا لکھتے ہیں۔ ہم نے قریب قریب بہت سی جگہ زمانہ حال کے رسم الخط کو ملحوظ رکھا ہے اور قدیم طرز کتابت کی تقلید نہیں کی مگر چونکہ یہ غزل ردیف یا ربین لائی گئی ہے اس لئے قدیم رسم الخط کو مجبوراً قائم رکھا گیا۔

شوق ہم کو کھپائے جاتا ہو
ہر کوئی اس مقام میں روز
کھل گئی بات تھی سوا ایک لک پر
یہاں پیتھن نکل گیا وہاں غیر
روئے کیا دل و جگر کے تئیں
کیا کیا ہو فلک کا میں کہ مجھے
تہ جنھیں کچھ ہو ان کے تئیں ہر گام
جائے غیرت ہو خاکدان جہاں
دیکھ سیلاب اس بیاباں کا

وہ تو بگڑے ہوئے ہیں ہر دم
اپنی سی یہ بنائے جاتا ہو

کبھو میسر اس طرف اگر جو چھاتی کوٹ جاتا ہو
خرابی دل کی کیا انبوه درد و غم سے پوچھو ہو
شکست اس رنگ آئی بخودی عشق میں دل پر
نہیوں ہوئے کہ اٹھ جاؤں کہ ہو افسوس کی جاگ

نہیں کچھ عقل میں آتا کہ دیوانہ سامیہ پیر
کبھو آتا جو ہو کیدھر کو مائے روٹ جاتا ہو

چمن کو یاد کر مرغِ قفس فریاد کرتا ہو
ہوا خانہ خراب نکھوں کا اشکوں سے توجہ جاتا ہو

ابھرا نقش شیریں بے ستوں اوپر تماشا کر
کہ کارستانیاں تیرے لئے فرما د کرتا ہو

جب نیم سحر ادھر جا ہو
کیا اس کمینہ رو سے کہنے ہائے
جب سے سمجھا کہ ہم چلا دیں
وہ کھلے بال سوئے ہو شاید

ایک ستا ہٹا گزر جا ہو
وہ زبان کر کے پھر کر جا ہو
حال پرسی ٹک آ کے کر جا ہو
رات کو جی مرا بھر جا ہو

دور اگر چہ گیا ہوں میں جی سے
کب وطن میرے یہ خبر جا ہو
وہ اگر چہ چڑھا رہا ایسا
آنکھل جی سے مہ اتر جا ہو

جی نہیں مٹیر میں بد بولو تندر
بات کہتے ابھی وہ مرجا ہو

کچھ بات ہو کہ گل ترے رنگیں دہاں سا ہو
یار نگ لالہ شوخ ترے رنگ پاں سا ہو
آیا ہو زیرِ زلف جو رخسار کا وہ سطح
یہاں سانچے کے تئیں بھی سحر کاسماں سا ہو
ہو جی کی لاگ اور کچھ ای فاختہ ولے
دیکھ نہ کوئی سروچمن اُس جواں سا ہو
کیا جانے کہ چھاتی جلتے ہو کہ دایع دل
ایک آگ سی لگی ہو کہیں کچھ دھواں سا ہو
اُس کی گلی کی اور تو تہم سے گئے
گو قامت خمیدہ ہمارا کہاں سا ہو
جو ہو سواپنے فکر خرو بار میں ہو بھیاں
سارا جہان راہ میں اک کارواں سا ہو
کھد کی یہ بزرگی شرف سب بجا ہو لیک
دلکش جو پوچھے تو کب اس آمتاں سا ہو
عاشق کی گور پر بھی کھو تو چلا کرو
کیا خاک دھاں رہا ہو ہی کچھ نشاں سا ہو

زورِ طبیعت اس کا مٹیں اشتیاق بھتا
آیا نظر جو مٹیر تو کچھ ناتواں سا ہو

طیش سے رات کی جوں توں کی جی سنبھالا ہو
نہیں ہو دل کوئی دشمن بغل میں پالا ہو
حنا سے یار کا پہنچ نہیں ہو گل کے رنگ
ہم اے اُن نے کلیجوں میں ہاتھ ڈالا ہو
گیا ہو پیش لے اعجازِ عشق سے فرما د
وگر نہ خص نے کہیں بھی پہاڑ ٹالا ہو
سنا ہو گریے خونیں پہ یہ نہیں دیکھ
لہو کا ہر گھڑی آنکھوں کے آگے نالا ہو
رہے خیال نہ کیوں ایسے ماہِ طلعت کا
اندھیرے گھر کا ہمارے وہی اُجالا ہو
دلوں کو کہتے ہیں ہوتی ہو راہِ آپس میں
طریقِ عشق بھی عالم سے کچھ نالا ہو

ہزار بار گھڑی بھر میں مٹیر مرتے ہیں
آنکھوں نے زندگی کا دھب نیا نکالا ہو

چھاتی جلا کرے ہو سوزِ دروں بلا ہو
پیشہ ترا جفا ہے شیوہ مرا وفا ہو
میں اور تو ہیں دونوں مجبور طور اپنے
سب متفق ہیں اس پر ہر ایک کا خدا ہو
روئے سخن ہو کید صراہل جہاں کا یارب

کچھ بے سبب نہیں ہو خاطر مری پریشان
حسن اُن بھی معنیوں کا تھا آپچی صورتوں میں
شادی سے غم جہاں میں وہ چند ہم نے پایا
ہو خصم جان عاشق وہ مجھ ناز لیکن
ہو جائے یاس جس میں سو عاشقی ہو درد
نایاب اس گھر کی کیا ہو تلاش آساں
مشفق ملاذ و قبلہ کعبہ خدا پیہر
ہو گرچہ طفل مکتبہ شوخ ابھی تو لیکن
ماثر عشق دیکھو وہ نامہ دعاں پہنچ کر

دل کا الم جدا ہو غم جان کا جدا ہو
اس مرتبے سے آگے کوئی چلے تو کیا ہو
ہو عید ایک دن تو دس روز بھیاں دہا ہو
ہر لمحہ بے ادائی یہ بھی تو اک ادا ہو
ہر رنج کو شفا ہو ہر درد کو دوا ہو
جی ڈوبتا ہو اُس کا جو تہ سے آشنا ہو
جس خط میں شوق سے میں کیا کیا لکھا ہو
جس سے ملا ہو اُس کا استاد ہو ملا ہو
جوں کاغذ ہوائی ہر سو اڑا پھرا ہو

پھرتے ہو تیر صاحب رب جئے جئے تم
شاید کہیں تمہارا دل ان دنوں لگا ہو

دل بیتاب آفت ہو بلا ہو
ہمارا تو ہو اصل مدعا تو
محبت کشتہ ہیں ہم بھیاں سو پاس
حرم سے دیر آٹھ جانا نہیں عیب
نہیں ملتا سخن اپنا کسو سے
کوئی ہو دل کھینچے جاتے ہیں اودھر
مروں میں اُس میں یارہ جاؤں جیتا
صبا اودھر گل اودھر سرو اودھر
تماشا کردنی ہو دارغ سینہ
نہاروں اُن نے ایسی کی ادائیں
جلکہ افسوس کی ہو بعد چندے
جو چپکے ہوں کے چپکے ہو کیوں تم
سخن گریے تو ہوئے حرف نہ لیں
کب اُس بیگانہ کو سمجھے عالم

جلکہ سب کھا گیا اب کیا رہا ہو
خدا جانے ترا کیا مدعا ہو
ہمارے درد کی بھی کچھ دوا ہو
اگر بھیاں ہو خدا وہاں بھی خدا ہو
ہماری گفتگو کا ڈھب جدا ہو
فضولی ہو تجسس یہ کہ کیا ہو
یہی شیوہ مرا مہر وفا ہو
اسی کی بارغ میں اب تو ہوا ہو
یہ پھول اس تختہ میں تازہ کھلا ہو
قیامت جیسے اک اس کی ادا ہو
ابھی تو دل ہمارا بھی بجا ہو
کہو جو کچھ تمہارا مدعا ہو
بس اب منہ موندے میں نے سنا ہو
اگرچہ یار عالم آشنا ہو

نہ عالم میں ہونے عالم سے باہر | یہ سب عالم سے عالم ہی جدا ہے

لگائیں گرد سر پھرتے تو بولا

تمھارا مہتیر صاحب سر پھرا ہے

دخول عقل اس مقام میں کیا ہے

مجھ کو یک سر نہر اسودا ہے

وہ بھی آنکھ تو تماشہ ہے

دل صفوف قرہ میں تنہا ہے

آج ہفتہ تنہ ایک برپا ہے

سارے عالم کی وہ تمنا ہے

پاٹ دامن اکا اپنے دریا ہے

دل بھی دامن وسیع صحرا ہے

سرد بھی یوں جوان رعنا ہے

شور میسر جنوں کا جس جا ہے

دل میں پھرتے ہیں خال و خط و زلف

شور بازار میں ہے یوسف کا

بر چھیوں میں کہیں نہ بٹ جائے

نظر کئے تھے دے جنائی پا

دل کھینچے جاتے ہیں اسی کی اور

برسوں رکھا ہے دیدہ تریر

ٹلک گریباں میں سر کو ڈال کے دیکھ

دل کشی اس کے قد کی سی معلوم

دست و پا گم کئے ہیں تو نے مہتیر

تیری بے طاقتی سے پیدا ہے

تب دل کے تئیں غور اندوہ کیا ہے

سیلاب نے اس کوچے میں گھول لیا ہے

اس راہ میں سریاروں کے گام دیا ہے

بیمار بھلا ایسا کوئی آگے گیا ہے

کئی برسوں جگر کا ہی لہو اپنا پیا ہے

ڈر کیوں نہ محلے میں ہے رونے سے سیر

افسوس ہے نشمرہ قدم جو رکھو بھیاں

کاہش ہے عبت تم کو مرے جینے کی خاطر

پلکوں سے رفو آن لے کیا چاکل مہتیر

کس زخم کو کس ناز کی کے ساتھ سیا ہے

دل ساری رات جیسے کوئی ملا کیا ہے

پھوڑا دل بغل میں برسوں جلا کیا ہے

جب آشنا لبوں سے صل ملا کیا ہے

کیا کیا نہال خواہش پھولا پھلا کیا ہے

دل اک بغل میں ہی کا دشمن پلا کیا ہے

کس غم میں مجھ کو یارب یہ مبتلا کیا ہے

ان چار دن سے ہوں میں افسردہ کچھ وگرنہ

اس گل کی اور اپنا تب نہ کیا ہے میں نے

دل داغ کب نہ دیکھا جی بار کب نہ پایا

مڑپا ہے ایسا ایسا جو غش رہا ہے مجھ کو

کیا خاک میں ہیں کو ان سے نیا ملایا
چلتا نہیں ہے دل پر کچھ اس کے بس لگنے
ہم گو نہ ہوں جہاں میں آخر جہاں تو ہوگا
ٹیسرے ہی چال گردوں اکثر چلا کیا ہے
عرش آہ عاجزاں سے اکثر ملا کیا ہے
تو نے بدی تو کی ہے ظالم بھلا کیا ہے

ہو منہ پہ میسر کے کیا گردِ ملال تازہ
یہ خاک میں ہمیشہ یوں ہی رلا کیا ہے

باریک وہ کر ہے ایسی کہ بال کیا ہے
جو بیکلی ہو ایسی چاہت گلوں کی اتنی
پہنچا ہم علاقہ ای غزلت کی کسو سے
آغاز تو یہ ہے کچھ روتے ہیں خون ہرم
پامال راہ اس کے کیا کیا عزیز دیکھے
وہ سیم تن ہونگا تو لطف تن پر اس کے
سر گرم جلوہ اس کو دیکھے کوئی سو جانے
میں بے نوا اڑا تھا بوسے کو ان لبوں کے
پر چپ ہی لگ گئی جب ان نے کہا کہ کوئی

دل ہاتھ جو نہ آدے اس کا خیال کیا ہے
کیا جانے ہر صغیر و لو اب کی سال کیا ہے
کرنا معاش اکیلے اتنا کمال کیا ہے
کیا جانے عشاقی کا یار و مال کیا ہے
آئی نہ جب جمعہ میں گردوں کی چال کیا ہے
تنو جی کئے تھے صد اک بان مال کیا ہے
طرز خرام کیا ہے حسن و جمال کیا ہے
ہر دم صدا ہی تھی فے گذر و مال کیا ہے
پوچھو تو شاہ جی سے ان کا سوال کیا ہے

کہ آپ میں نہیں ہو کہ منتظر کہیں ہو
کچھ میسر جی تمہارا ان روزوں حال کیا ہے

دل مرا مضطرب نہایت ہے
منہ ادھر کر کھو نہ وہ سویا
اب وہ مہ اور ایک مہ سے ملا
ہر طرف بحث تجھ سے ہے ای عشق
ایسے رنج و غنا میں ادھر سے
دھر کا ہو گلہ کہ شکوہ چرخ
مت مراعاتِ غیر رکھ منظور
عاشق اب بڑھ گئے ہمیں چھاٹو
کب نے میسر ملک داروں سے

رنج و حرم کی یہ بدایت ہے
کیا دُعا شب کی بے سرایت ہے
چند در چند یہ حکایت ہے
شکر تیرا تری شکایت ہے
پریش حال بھی عنایت ہے
اُس ستم گم ہی سے کنایت ہے
میرے حق میں یہی رعایت ہے
اس میں سرکار کی کفایت ہے
وہ گدائے شہر ولایت ہے

گرمی سے ابر کا اگر ہنگامہ سرد ہو
مجنوں کو مجھ سے کیا ہو جنوں میں مناسبت
کیا جانے کہ عشق میں غول ہو گیا کہ دانغ
واصل بحق ہوئے نہ جو ہم جانے مر گئے
ملکن نہیں کہ وصف علی کوئی کر سکے
ٹھہرے نہ چرخ نیلی پہ انجم کی چشم شوخ

کس سے جدا ہوئے ہیں کہ ایسے ہیں درموند
منہ میسر جی کا آج نہایت ہی زرد ہو

جانے میں قتل گہ سے ترا اختیار ہو
ہم آپس گئے سو آہی کہاں گئے
بس وعدہ وصال سے کم ہے مجھے فریب
سرتابی اس سے طائر قدسی نہ کر سکے
ماکل نہیں ہو سرو ہی تنہا تری طرف
پیوند میں زمیں کا ہوا اس گلی میں لپک
کل سرو ناز باغ میں آیا لفظ مجھے
اب دیکھ کر مسترار کیا گر وصال کا
سب فکر خانہ سازی میں منعم ملاک ہیں

پر جائیں جو گئی ہیں سورہ پیر غبار ہو
مدت ہوئی کہ اپنا ہمیں انتظار ہو
آگے ہی مجھ کو تیسرا بہت اعتبار ہو
اس ترک صید بد کا وہ تو شکار ہو
محل کو بھی تیرے دیکھنے کا خار ہو
یوں بھی کہا نہ ان نے یہ کس کا مزار ہو
میں نے فریب شوق سے جانا کہ یار ہو
دل کو بغیر تیرے تنک بھی قرار ہو
بنیاد زندگانی کی ناپائدار ہو

کب تک ستم کہو تو دلاسا بھی دیجئے
بالفرض میسر الیا ہی تقصیر وار ہو

جنوں کا عجب میرے مذکور ہو
کو چشم خونبار کو چشم تم
فلک پر جو مہ ہو تو روشن ہو یہ
گدا شاہ دونوں ہیں دل باختہ

۱۷ مطابق اصل

۱۸ بخودی لگئی کہاں ہم کو ۱۹ ویر سے انتظار ہو اپنا (تیرا)
۲۰ پیری میں مول ہیں منعم ولیوں کو ۲۱ ٹھہرتا پھر ہے ابھی اس پر بنا تو دیکھو

نہ بے مصلحت یا مستور ہو
نہیں وہ کہ جینا بھی منظور ہو
کرو صفت جتنا کہ مقدور ہو
اُسی مرتبے میں وہ مغرور ہو
خدائی ابھی اُس کی معذور ہو

قیامت ہو ہوگا جو رفع حجاب
ہم اب ناواؤں کو زنا ہو من
ستم میں ہمارے ستم کی تھیں
نیاز اپنا جس تہ میں ہو چال
ہوا حال بندہ کا گو کچھ خراب

گیا شاید اُس شمع رو کا خیال
کہ اب مہیتر کے منہ پہ کچھ نور ہو

یہاں تلف ہوتا ہو عالم وہاں سو عالم اور ہو
سینہ کو بی متصل ہو اب یہ ماتم اور ہو
ابر سہمی دوں اور کچھ ہو دیدہ غم اور ہو
دم غنیمت جان اب مہلت کوئی دم اور ہو

زلف ہی درہم نہیں ابرو بھی پر خم اور ہو
پیٹ لینا سر لائے دل کے شروع عشق تھا
جوں کھن دریا کو دریا سے ہو نسبت دور کی
رہتے رہتے منتظر آنکھوں میں جی آیا ندان

جی تو جانے کا ہیں اندوہ ہی ہو ایک مہیتر
حشر کو اٹھنا پڑے گا پھر یہ اک غم اور ہو

چاک دل پلکوں سے مت ہی کہ رونازک ہو
لاک والا کوئی دیکھے بچھے ، تونازک ہو
گل کے منہ سے تو کئی پردہ وہ رونازک ہو
بوریا پوشوں سے پوچھو یہ اُتونازک ہو
کس قدر رہاے رہے وہ جلد گونازک ہو
بلبل اُس لالہ خوش رنگ کی خونازک ہو

رشتہ کیا ٹھہرے گا یہ جیسے کہ مونا زک ہو
شاخ نکل کا ہے کو اس لطف سے لپکے ہو کہیں
چشم انصاف سے برقع کو اٹھا دیکھو لے
لطف کیا دیوے تھیں نقش حصیر درویش
بیڑے کھاتا ہو تو آتا ہو نظر پان کا رنگ
گل سمجھ کر نہ کہیں بیکلی کرنے لگیو

رکھے تا چند خیال اس سر پر شور کا مہیتر
دل تو کا نپا ہی کرے ہو کہ سبونا زک ہو

بے خود ہیں اُس کی آنکھیں اس کو خبر کہاں ہو
کچھ سوچ کر منجسم باسے قمر کہاں ہو
شاہد پرستیوں کو ہم پاس زر کہاں ہو
دل کی توجہ اُس کی مہم اصر کہاں ہو

مستی میں جاو بیجا مد نظر کہاں ہو
شب چند روز سے میں دیکھا نہیں وہ چہرہ
سیس تنوں کا ملنا چاہے ہو کچھ تمول
جوں آرسی کرے ہو منہ دیکھنے کی باتیں

یوں بھی کہا نہ اُن نے وہ چٹم تر کہاں ہو
اور اس مرض کا کوئی اب چارہ گر کہاں ہو
اقلیم عاشقی میں آباد گھر کہاں ہو
سنا لیستہ پریدن بازو میں پر کہاں ہو
کیا پیش آئے دیکھیں قوتِ سفر کہاں ہو

پانی ہو بہ گئے سب اجزا بدن کے لیکن
نفسِ وسیع سب کو جیتے ہی موت آئی
لے اس سر سے یارو اُڑی ہو اس سر تک
اٹھنے کی اک ہوس ہو ہم کو نفس سے ورنہ
پیرانہ سر چلے ہیں اٹھ کر اگلی سے اُس کے

جانا نہیں اگر وہ مسجد سے میکلے کو
پھر مہر جمعہ کی شب دو دو پہر کہاں ہو

اس میں بھی جو سوچئے سخن ہو
یہ شاخِ ہندی چمن ہو
اس سنگ سے ہو کہ دل شکن ہو
تحفہ ہم لوگوں کا چلن ہو
کیا جانے جان ہو کہ تن ہو
صد چاک گلوں کا پیرن ہو
اپنا تو یہی دوانہ پن ہو
میدان کی خاک ہی کفن ہو

کیا کہنے کلی سا وہ دہن ہو
اُس گل کو لگے ہو شاخِ گل کب
وابستگی مجھ سے شیشہ جاں کی
کیا سہل گزرتی ہو جنوں سے
لطف اُس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو
وے بندِ قبا کھلے تھے شاید
گہ دیر میں ہیں گئے حرم میں
ہم کشتہ عشق ہیں ہمارا

اگر مہر کے حال پر تر حرم
وہ شہرِ غریب و بے وطن ہو

ہشیاری کے برابر کوئی نشا نہیں ہو
یا آنکہ ایک دم وہ ہم سے جدا نہیں ہو
تیرے سواے میرا کچھ مدعا نہیں ہو
اس بے فضا نفس میں مطلق ہوا نہیں ہو
اب چاہ کا کسو کے پردا رہا نہیں ہو
اس درو عاشقی کی آیا دوا نہیں ہو

ہم مست بھی ہو دیکھا آخر نما نہیں ہو
شوقِ وصال ہی میں جی کھپ گیا ہمارا
ہر صبح اٹھ کے تجھ سے مانگوں ہوں میں بھی کو
زیرِ فلک رکا ہو اب جی بہت ہمارا
آنکھیں ہماری دیکھیں لوگوں نے اشکِ افشاں
منہ جن نے میرا دیکھا ایک آہ دل سے کھینچی

۱۔ جا کر شہرِ خانے میں رہتا نہیں تو پھر یہ کیا کہ میر جمعی کی رات گھر نہیں (حیر)

تھیں پیش از آشنائی کیا آشنا لگا ہیں
 کر لے جو ابتدا تو تا حشر حال کئے
 اب آشنا ہوئے پر آنکھ آشنا نہیں ہو
 عاشق کی گفتگو کو کچھ انتہا نہیں ہو
 اتنا بھی سُننے چھپانا کچھ خوشنما نہیں ہو
 میں روؤں تم ہنسو ہو کیا جانو میرے صاحب
 دل آپ کا کسوتے شاید لگا نہیں ہو

کیا تن نازک ہو جاں کو بھی حسد جس تن پہ ہو
 گرد جب اٹھتی ہو اک حسرت سے رجائے میں کچھ
 کثرت پیکاں سے تیرے ہو گئی ہیبت ہی اور
 کون یوں اس ترک رعنا زینت فتراک تھا
 سر اٹھانے کی نہیں ہو ہم کو فرصت عشق میں
 نوحہ کر گرجو کہ دکھلایا غم دل نے ندان
 ہو چکا رہنا مریستی میں آخر کب تلک
 خرمین گل سے لگیں ہیں دور سے کوڑوں کے ڈھیر
 وے پھری پلکیں الٹ دیتی ہیں صف اک آن میں

تو تو کہتا ہو کہ میں نے اس طعن دیکھا نہیں
 خون نافع میرے کایہ کس کی پھر چٹون پہ ہو
 یہ رات اجبر کی یہاں تک تو دکھ دکھاتی ہو
 تپش کے دم ہی تئیں بچھ سے ہو خین گرمی
 ہنسے ہو چاک قفس کھللا کے مجھ اوپر
 ہوا ہو میرے سر روشن کہ کبھی ہو شمع
 زبان ہلانے میں پروانہ کو حبلاتی ہو

بگلشن میں چین پر اُن نے بلبیل بچھ کو جادی ہو
 نہیں ٹانگ بیٹھنے دیتے تم اپنی بزم میں ہم کو
 رہائی چنگل باز فلک سے مجھ کو مشکل تھی
 گلی میں اپنی قدغن کر رکھو آئے نہ پاؤں میں
 سپاس ایزد کے کر جن نے کہ یہ ڈالی نوادی ہو
 مروت رسم تھی مدت کی موت تم نے اٹھا دی ہو
 مری یہ بند چڑیا کی سی مولے نے چھڑا دی ہو
 کہیں کیا اور بھی دل کے لگانے کی منادی ہو

پیش سے رنگ اڑا جائے قلق سے جان گھرائے
درگزر پیش از صبح وادی باغبان مست کر
کوئی صورت نہیں اس گھر سے اب تیرے نکلنے کی
مجھے منظور کیا ہو زلف و خال و خط و خیال سے
بچی ذہن اس ادوی میں گمراہی کی ہو باعث
لگا رہتا ہو سینے ہی سے بیٹھا ہوں کہ سوتا ہوں
نہ چھوٹا دل میں کچھ اس کے گرد غارتِ غم سے
نہ کشتی ٹکٹ ہوئی گرفتیری ساتھ الفت کے

دیا ہو دل الٹی ہم کو یا کوئی بلا دی ہو
اڑا لیتی ہو مٹی بھی صبا اک پر باد دی ہو
قیامت کی ہو جن نے آری بکود کھا دی ہو
خدا نے دیکھنے کی لت سی آنکھوں کو لگا دی ہو
سلیم الطبع کو تو پاؤں کا ہر نقش ہا دی ہو
غرض چھاتی مری داغ جدائی نے جلا دی ہو
ہزار افسوس کیا بستی مجھ سے لٹا دی ہو
ہیں جہاں نے گالی دی تھی ہم کو عادی ہو

ہوئی ہو دل کی محویت سے یکساں بھیاں غم و فخر
نہ ماتم مرنے کا ہو میرے جینے کی شادی ہو

کیا حال بیان کر لے عجب سرج پڑی ہو
کیا فکر کروں میں کہ ٹلے آگے سے گردوں
ہو چشمکِ نجمِ طوفان اس مہ کے اشارہ
کیا اپنی شرر ریزی کہیں پلوں کی صف کی
وے دن گئے جو پروں لگی رہتی تھیں انھیں
ایسا نہ ہوا ہو گا کوئی واقعہ آگے
کیا نقش میں مجھوں ہی کے تھی رفتگی عشق
جاتے ہیں چلے متصل آنسو جو ہمارے
کھینچتا ہی نہیں ہم سے قدم خم شدہ ہرگز
گل کھائے ہیں افراط سے عشق میں اس کے

وہ طبع تو نازک ہو کہانی یہ بڑی ہو
یہ گاڑی مری راہ میں بے ڈول اڑی ہو
دیکھو تو مری آنکھ کہاں جا کے لڑی ہو
ہم جانتے ہیں ہم پہ جو یہ بار بھڑ پڑی ہو
اب بھیاں ہیں مہلت کوئی بل کوئی گھڑی ہو
اک خواہش دل ساتھ مرے جنتی گڑی ہو
لیلیٰ کی بھی تصویر تو حیران گھڑی ہو
ہر تار نگہ آنکھوں میں موتی کی لڑی ہو
پست کہاں ہاتھ پر اب کتنی گڑی ہو
اب ہاتھ مراد دیکھو تو پھولوں کی چھڑی ہو

وہ زلف نہیں منکس ویدہ تر میر
اس بحر میں اشعار سے زنجیر پڑی ہو

کس فتنہ قد کی ایسی دھوم آنے کی پڑی ہو
واشد ہوئی نہ بلبل اپنی ہمار میں بھی
نادیدنی دکھائے کیونکر نہ عشق ہم کو

ہر شاخِ گل چمن میں بھیجک ہوئی گھڑی ہو
کیا جانے کہ جی میں یہ کیسی گل چھڑی ہو
کس فتنہ زبانی سے آنکھ اپنی جا لڑی ہو

وے دن گئے کہ پہروں کرتے نہ ذکر اُس کا
آتش سی پھاک رہی جو سائے بدن میں میرے
کیا کچھ ہمیں کو اُس کی تنوار کھا گئی ہے
اب نام یار اپنے لب پر گھڑی گھڑی ہو
دل میں عجب طرح کی چنگاری آپڑی ہو
ایسی ہی اک جڑی ہو اُس نے جہاں جڑی ہو
کیا میسر سر جھکاویں ہر کم بغل کے آگے

نام خدا انھوں کی عزت بہت بڑی ہو
آنکھیں نہیں میاں کھلتیں ایدھر کو نظر بھی ہو
گو شکل ہوائی کی سرخچہ تیں کھینچا
اس منزل دلکش کو منزل نہ سمجھئے شکا
مجھ حال شکستہ کی تا چند یہ بے وقری
یہ کیا ہو کہ منہ لوچے نے چاک کرے سینہ

کے عرض جو کچھ تجھ میں اے میسر سہر بھی اے

کوفت سے جان لب پہ آئی ہو
لکھتے رقعہ لکھتے گئے دفتر
آرزو اُس بلند و بالا کی
دیدنی ہو شکستگی دل کی
ہو نقص کہ لعل ہیں وے لب
دل سے نزدیک اور اتنا دور
بیسٹوں کیا ہو کوہ کن کیسا
جس مرض میں کہ جان جاتی ہو
یہاں ہوئے خاک کے برابر ہم
ایسا مولیٰ ہو زندہ جسا وید

ہم نے کیا چوٹ دل پہ کھائی ہو
شوق نے بات کیسا بڑھائی ہو
کیا بلا میرے سر پہ لائی ہو
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہو
یعنی اک بات سی بنائی ہو
کس سے اُس کو کچھ آشنائی ہو
عشق کی زور آزمائی ہو
دلبروں ہی کی وہ جدائی ہو
وہاں وہی نازِ خودنائی ہو
رستہ یار تھا جب آئی ہو

مرگ مجنوں سے عقل گم ہو میسر
کیا دوائے موت پائی ہو

اس شوخ سے ہمیں بھی اب یاری ہو گئی ہو
شرم آنکھڑیوں میں جس کی عیاری ہو گئی ہو

روتا پھرا ہوں برسوں لو ہو چمن چمن میں
 کوچے میں اُس کے یکسر گلکاری ہو گئی ہو
 ایک جا انگ کے رہنا ہو نا تما می ورنہ
 سب میں وہی حقیقت یہاں ساری ہو گئی ہو
 جب خاک کے برابر ہم کو کیا فلک نے
 طبع خشن میں تب کچھ ہمواری ہو گئی ہو
 مطلق اثر نہ دیکھا مدت کی آہ وزاری
 اب نالہ و فغاں سے ہزاری ہو گئی ہو
 اُس سے دوچار ہونا آتا نہیں میسر
 مرنے میں اس سے ہم کو ناچاری ہو گئی ہو
 سر بار ذکر محشر کیا یار کے در اوپر
 ایسی تو یہاں قیامت سو باری ہو گئی ہو
 اندازِ شوخی اُس کے آتے نہیں سمجھ میں
 کچھ اپنی بھی طبیعت یہاں عاری ہو گئی ہو
 شاہی سے کم نہیں ہو درویشی اپنے ہاں تو
 اب عیب کچھ جہاں میں ناداری ہو گئی ہو

ہم کو تو دردِ دل ہے، نیم زرد کیوں ہو ایسے؟
 کیا امیر سرجی تھیں کچھ بیماری ہو گئی ہو
 کہاں یارِ قیس اب جو دنیا کرے ہو
 یہ طفلانِ بازار جی کے ہیں گاہک
 کبھو قدر داغِ عشق پیدا کرے ہو
 وہی جانتا ہو جو سودا کرے ہو
 وہ ہر بات کا ہم سے پردا کرے ہو
 چھپائیں ہوں آنکھیں ہی ان نے تو کئے
 کنارہ کوئی دن میں دریا کرے ہو
 جو رونا ہو راتوں کو اپنا ہی تو
 قیامت ہی ہر گام برپا کرے ہو
 ٹھسک لے اُس کے چلنے کی دیکھو تو جانو

لے فتنہ در سر بنانِ خشر خرام پڑا ہے کس ٹھک سے چلنے میں تیر

میں شوق پر دازِ گلشن میں کیوں نا
بنی صورتیں کیسی کیسی بگاڑیں
خط افشاں کیا خونِ دل سے تو بولا

ہلاک آپ کو میری مت کر دوائے
کوئی ذی شعور آہ ایسا کرے ہو

کیا پوچھتے ہو عاشقِ راتوں کو کیا کرے ہو
دانستہ اپنے جی پر کیوں تو جفا کرے ہو
فتنہ سپہر کیا کیا برپا کیا کرے ہو
کس لیے سادہ رو کا حیرانِ حسن ہو یہ
ہم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
کیا کتنے داغِ دل بے ٹکڑے جگر ہو سارا
اُس بُت کی کیا شکایت آہِ دُش کی کر لیے
گرم اگر ایک دن وہ سینے سے لگ گیا تھا
کیا چال یہ نکالی ہو کر جو ان تم نے
دشمن ہو یا ر جیسا درپے ہو خوں کے میرے
سمجھا ہو یہ کہ مجھ کو خواہش ہو زندگی کی
حالت میں غش کے کس کو خط لکھنے کی ہر فرصت
سُر کا ہو جب ہر برقعِ تب آپ سے گئے ہیں
بیٹھے ہو یا ر اگر جس جا پہ ایک سباعت
سورخ سینہ میرے رکھ ہاتھ بند مت کر
کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یا ر سے ہم
گل ہی کی اور ہم بھی آنکھیں لگا رکھیں گے
کہ سرگزشت اُن نے سرباد کی نکالی

گاہے بگا کرے ہو گاہے دُعا کرے ہو
اتنا بھی میرے پیارے کوئی کڑھا کرے ہو
سو خواب میں کبھو تو مجھ سے ملا کرے ہو
مرآتِ گاہ و بیکہ بھیچک رہا کرے ہو
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہو
جانے وہی جو کوئی ظالم و فاجر کرے ہو
پرفے میں بد سلوکی ہم سے خدا کرے ہو
تب سے ہماری بھاتی ہر شب جلا کرے ہو
اب جب چلو ہو دل کو ٹھوکر لگا کرے ہو
ہو دوستی جہاں جہاں ہیں ہی ہوا کرے ہو
کس ناز سے معلق میری دوا کرے ہو
اب جب تب ادھر کو جی ہی چلا کرے ہو
منہ کھولنے سے اس کے اب جی چمپا کرے ہو
ہنگامہ قیامت جہاں سے اٹھا کرے ہو
ان روزوں سے دل تک کب ہوا کرے ہو
اندوہ ایک جی کو اکشر رہا کرے ہو
ایک آدھ دن جو موسمِ انجی وفا کرے ہو
مجنوں کا گاہے قصہ بیٹھا کہا کرے ہو

ایک آفتِ زماں ہو یہ میری عشقِ پیشہ
پرفے میں سائے مطلب اپنے ادا کرے ہو

ربطِ دل کو اُس بتِ بے مہر کینہ دے ہو
 کیا کہوں میں آہ مجھ کو کام کس پتھر سے ہو
 کس کو کہتے ہیں نہیں میں جانتا اسلام و کفر
 دیر ہو یا کعبہ مطلب مجھ کو تیرے در سے ہو
 کیوں نہ اے سیدِ لہر دل کھینچے یہ موتے دراز
 اصل زلفوں کی تیرے گیسوتے پیغمبر سے ہو
 کاغذِ ابری پہ درِ دل اُسے لکھ بیجئے
 وہ بھی تو جانے کہ یہاں آشوبِ چشم تر سے ہو
 کیا کہیں دل کچھ کھینچے جاتے ہیں اُدھر ہر گڑھی
 کام ہم بے طاقتوں کو عشقِ زور آور سے ہو
 رحم بھی دینا تھا تھوڑا ہائے اس خوبی کے ساتھ
 تجھ سے کیا کل گفتگو یہ داور محشر سے ہو
 کیا کروں گا ابھی میں بے پر ہوس گلزار کی
 لطفِ گلگشت اے نسیم صبحِ بال و پر سے ہو
 مرنے کے اسباب پڑتے ہیں بہت عالم میں لیک
 رشک اُس پر ہو کہ جس کی موت اس خیر سے ہو
 ناز و خشم و بے دماغی اس طرف سب ہیں ولے
 کچھ کسو بھی طور کی رنجش بھلا ایدھر سے ہو
 دیکھ گل کو ٹھک کہ ہر یک سر چڑھا لیتا ہو یہاں
 اس سے پیدا ہو کہ عزت اس چین میں نہ سے ہو
 کانپتا ہوں میں تو تیرے ابروؤں کے خم ہوئے
 قشعر یہ کیا مجھے تلوار کے کچھ ڈر سے ہو

۱۔ عاشقِ ہم از اسلام خرابات ہم از کفر پیرانہ چلابِ حرم و دیر نہ داند۔ غنی

۲۔ قشعر یہ۔ جھرجھری۔ پھر ہری۔

شکے در پے چلے آتے تھے چشم زار سے
 ہر نگہ کا ستار مانا رشتہ گوہر سے
 بادِیے ہی میں پڑا پاتے ہیں جب تب تجھ کو میر
 کیا خفا ای خانماں برباد کچھ تو گھر سے
 کار دل اس سے تمام سے
 تم نہیں فتنہ ساز سے صاحب
 بوسہ لے کر سرک گیا کل میں
 کوئی تجھ سا بھی کاش تجھ کو لے
 کب وہ معسر و رہم سے مل بیٹھا
 خوش سر انجام دے ہی میں جن کو
 شہر میرے ہیں سب خواہاں پسند
 شیطنات سے نہیں ہو خالی شیخ
 سر جھکاؤں تو اور ٹیڑھے ہو

سہل ہو میر کا سمجھنا کیا
 ہر سخن اس کا اک مقام سے
 جل گیا دل مگر ایسی جو بلا نکلے
 لخت دل قطرہ خوں ٹکڑے جگر ہو کر
 میں جو ہر سولگوں ہوں دیکھنے ہو کے مضطر
 بار سائی دھری رہ جائے گی مسجد میں شیخ
 گو کہ پردا کرے جوں ماہ شب ابروہ شوخ
 بھیڑ میں تلجانی میں آگے سے اس بڑکے بے
 بنتی ہو سامنے اس کے کے سجده ہی
 بد کہیں نالہ کشاں ہم ہیں کہ ہم سے ہر روز

۱۔ حدیث مطلب مدعاے زیری است ۲۔ کہ اہل بزم عوام اندو گشتگو علی است (فیضی)
 ۳۔ بھیڑ میں اس بڑے خدار کے ہوتے ۴۔ لاکھوں میں اس ادبش نے تلوار چلائی (تیرتی)

دے ہو جو سر کوئی کچھ بھیاں سے بھی پانکے ہو
ناز کرتی ہوئی اس راہ صبا نکلے ہو
منہ سے ہر ایک کے سو بار دُعا نکلے ہو
داع جو نکلے ہو چھاتی سے لگانکے ہو
دل کی بیماری کی گس پاس دوانکے ہو
اور گفتار سے کچھ پس پار جدا نکلے ہو

اجسے خالی نہیں عشق میں مارے جانا
لگ چلے ہو مگر اس کیسے عنبر کو سے
کیا ہو اقبال کہ اس دشمن جاں کے آتے
سوز سینے کا بھی دل چپ بلا ہو اپنا
سارے دیکھے ہوئے ہیں دلی کے عطار طویب
کیا فریبندہ ہو رفتار ہو کینہ کی جدا

ویسا بیجا نہیں دل میر کا جو رہ نہ سکے
چلتا پھرتا کبھو اُس پاس بھی جاتے ہو

پرے میں جسم ڈھک کر دیوار و در بنے ہو
ہوتے ہیں ملتفت تو پھر خاک زربے ہو
ہر زخم سینہ اُس دم یک چشم تر بنے ہو
چہرہ ہی دھاں انھوں کا دودو پہر بنے ہو
پانی گزرتا ہو فے تو پھر گر بنے ہو
زاہد انھوں کا جا کر آدم سے خرب بنے ہو
عالم میں کام کس کا بے درد سر بنے ہو
صحبت ہماری اُس کی ٹک بھی اگر بنے ہو
بنتی ہو جس کسو کی پاک طور پہ بنے ہو
تب کوئی ہمسا صاحب صاحب نظر بنے ہو

عبر سے دیکھ جس جا بھیاں کوئی گھر بنے ہو
ہیں دل گداز جن کے کچھ چیز مال ہے ہیں
شب جوش غم سے جس دم لگتا ہو دل تڑپنے
بھیاں ہر گھڑی ہماری صورت بگڑتی ہو
ٹک رک کے صاف طینت نکلتے ہو اور کچھ ہو
ہو شعبہ کے فن میں کیا دست میکشوں کا
نیکے ہو صبح بھی بھیاں صندل ملے جبین کو
سائے دکھوں کی ای دل ہو جائے گی تلافی
ہر اک سے ڈھب جدا ہو سائے زمانہ کا بھی
برسوں لگی رہی ہیں جب ہر دمہ کی آنکھیں

یاران ویر و کعبہ دونوں بلا رہے ہیں
اب دیکھیں میر اپنا جانا کدھر بنے ہو

تمام شد دیوان دوم میر تقی میر

دیوانِ سوم

میر تقی میر دہلوی

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا میں سرے دل کی خرابی ہوئی اے عشق درین ضبط تھا جب تیں جاہت نہ ہوئی تھی ظاہر انتہا شوق کی دل کے جوہاں سے یو بھی	خاک ناجیز تھا میں سو مجھے انسان کیا تو نے کس خاندان مطبوع کو دیران کیا اشک نے بہ کے مرے چہرے پہ طوفان کیا اک کھنڈ خاک کی ان نے پریشان کیا
--	--

مجھ کو شاعر نہ کہو میرے صاحب میں نے
در دہم کہنے کیے جمع تو دیوان کیا

دین و دل کے غم کو آسان نہ تو ایں لے گیا خاکِ نوح میں لوٹ کر رہا نے ہی اطفہج سرگزشت عشق کی تہ کو نہ پہونچایاں کوئی عرصہ دشت قیامت باغ ہو جایگا سب ذکر دل جانے کا وہ پرکینہ سن کہنے لگا یک جہاں مہر و وفا کی جنس بھی میرے کہنے	یا محبت کہہ کے یہ بارگراں میں لے گیا جان کو کیا جو سلامت نیمجاں میں لے گیا گرچہ پیش دوستاں یہ داستاں میں لے گیا اس طرح سے جو یہ خیمہ خفتاں میں لے گیا یہ سناتے ہو کہے کیا مہراں میں لے گیا لیکن اسکو پھیری لایا جاں میں لے گیا
---	---

لرختہ کا ہے کو تھا اس رتبہ اعلیٰ میں میر
جو زمین نکلی اُسے تا آسمان میں لے گیا

میرا ہی منقلبہ عمل تھا دل ٹوٹ گیا تو خون نہ نکلا تھیں سب کی نظر میں اسکی بھو دیں	مجنوں کے دماغ میں خلل تھا شیشہ یہ بہت ہی کم ثقل تھا افسوس یہ شخص نہ تبدیل تھا
--	---

کیا قدر ہے ریختے کی گویں | اس فن میں نظیری کا بدل تھا

تھا نزع میں دست میسر دل پر
شاید غم کا یہی محل تھا

کرنا جنوں جہان میں بے نام و تنگ آیا
شب شمع کو بھی چکی مجلس میں لگ گئی تھی
فتنے فساد اٹھینکے گھر گھر میں خون ہو گئے
ہر سر نہیں ہے شایاں شور قلندری کا
چسپاں ہے اس بدن سے پیرا ہنجریری
باتیں ہماری ساری بے ڈھنگیاں ہیں وری
اک جج رکوں کا بھی لے لے کے تنگ آیا
سرگرم شوق مردن جس دم تنگ آیا
مگر شہر میں خبر یاں وہ خانہ جنگ آیا
گوئیخ شہر باندہ تھے زنجیر و رنگ آیا
اتنی بھی تنگ پوشی جی اب تو تنگ آیا
بوڑھے ہوئے یہ کھو اب تک نہ ڈھنگ آیا

بشرے کی اپنے روتق لے میسر عاتشی ہے
جب دل توخوں کیا تو حیرے یہ رنگ آیا

دل اگر کتا ہوں تو کتا ہے وہ یہ دل ہے کیا
جاننا باطل کسو کو یہ قصور نہم ہے
یاں کوئی دناات وقفہ کر کے قصد لگے کا کر
تنگ ہے ہوں سکے سو ہم تنگ ہے ہل یک ہے
وہ حقیقت ایک ہی ساری نہیں ہر سب میں تو
چوٹ میرے دل میں ایسی ہو کہ ہوں میں دم بخود
کتے ہیں ظاہر ہو ایک ہی لیلیٰ نہت اقلیم میں
ہم تو سو سو بار مروتے ہیں ایک ایک آن میں
شاخ پر گل یا نہال و دھڑکے جلتے ہیں سب

ایسے ناداں دلربا کے لئے کا حاصل ہے کیا
حق اگر تجھے تو سب کچھ حق ہی باطل ہے کیا
کارواں لگا ہوا جہان رفتنی منزل ہے کیا
ویدہ حیراں ہمارا ویدہ بھل ہے کیا
آب ساہر رنگ میں یہ اور کچھ شامل ہے کیا
وہ کشندہ یونہی کہتا ہے کہ تو گھائل ہے کیا
اس عبارت کا نہیں معلوم کچھ محل ہے کیا
مشق میں اس کے گزرا جان سے شکل ہے کیا
قامت و لکش کا اسکے سرو ہی مائل ہے کیا

مرثیہ میرے بھی دل کا رقت آدر ہے بلا
مختتم شمر میر میں کیا جالوں و رقت ہے کیا

ان دہروں سے رابطہ کرنا ہے کام کیا
کرک سلام پوچھنا صاحب کا نام کیا

۱۔ مختتم کا شاعر ایران کا ایک مشہور مرثیہ گو تھا جس کا ہفت بند نہایت مقبول و مشہور ہو۔ دہریہ جیری
میں اقبال کیا۔ ملاحظہ ہو ایران کا ایک مشہور مرثیہ گو تھا۔ جس کے مرثیہ چھپ چکے ہیں ۱۲

حسن و جمال و سیاہی اس کا خرم کیا
عاشق کو لبر و دق سے سلام و پیام کیا
کیا جانیں سجدہ کہتے ہیں کس کے سلام کیا
دچسپ اس مقام میں حرف و کلام کیا
مرآت و ماہ و گل کا ہے اس جا مقام کیا
پر منہ کھلے یہ اسکے سے ماہ تمام کیا
کیا جانوں میں ہے ہر اب صبح و شام کیا

حیرت ہے کھولیں چشم تماشا کہاں کہاں
لگی اک نگاہ گرم جہاں اُن سے مل گئے
شکر خدا کہ سر نہ فر دلائے ہم کہیں
اس گنج لب پہ چپکے ہوئے منہ کو کھینچے ہم
جس جائے اُسکے چہرے سے کرتے ہیں گفتگو
کتا ہے کون بدر میں نقصان کچھ رہا
یہ جانوں ہوں دل کو ہر اس دُور سے لاگ

تہیج تک تو میر نے رکھا کمال لکھے
وقت نماز اب بھی ہونے تھے امام کیا

دور ہی دور پھرے پاس ہمارا نہ کیا
ایک چشم بھی نہ کی ایک اشارہ نہ کیا
منہ سننے کے تئیں ہم نے گوارا نہ کیا
چند سے پھر ہی سے سر اور بھی مارا نہ کیا
بہووس کی سی طرح ہم نے کنارا نہ کیا
ہم تو کچھ دوتی میں واسے کا سارا نہ کیا

چال یہ کیا تھی کہ ایدھر کو گزرا نہ کیا
میں کو منظور نہ تھی ہم سے محبت کرنی
بعد دشنام تھی بوسے کی توقع بھی ولے
مر کے بے حوصلہ لوگوں میں کہا یا فرباد
جی رہے دوستے دریا سے غم عشق میں لیک
نہم جاں صدے کی اُس پر تریاں دیکھا نہ سود

لے گیا مٹی بھی دروازے کی آنکھ میں میر
پراٹھانے مرے درد کا چارا نہ کیا

یالو ہوا اشک غلی سے منہ پر بہائے گا
اکاوش کرے گی ٹٹک بھی تو نبھلا جائے گا
بس بس کہیں ہوں بھی صاحبِ عشق آئے گا
پھر بھی ملا تو خوب سا اُن کو رجھائے گا
بیتاب دل بہت ہے یہ کیا تاب لائے گا
علوم جی کی چال سے ہوتا ہے جانے گا
بازی نہیں یہ سانپ جو کوئی کھلائے گا
کچھ دست اگر بیبے سرو ساں بھی پائے گا

وہ دل نہیں رہا ہے تب جو اٹھائے گا
اب یہ نظر پڑے ہے کہ برگشتہ وہ مرہ
کھینچا جو میں وہ ساعدہ ہیں تو کہہ اٹھا
راجھے تو اُس کے طور پہ مجلس میں بیٹھ کے
جلوسے سے اُسکے جل کے ہو خاک سنگ و شست
سہم رہ چکے جو ایسے ہی غم میں کھپائے
مڑ کر لگی ہے پاؤں میں زلف اُسکی بیدار
اُڑتی رہے گی خاک جنوں کرتی تیرے ثبوت

در پہ ہے اب وہ سادہ تر اول پرست
دیکھیں تو میر کے تئیں کوئی بچا بچکا

وہ جو گلشن میں جلوہ ناک ہوا
اُس کے دامن تلک نہ ہو بچا ہاتھ
میں قدر تھا خبیث شینہ شہر
ڈریے اُس رشک غور کی گر کی

میر ملک ان ہو گیا تھا بہت

سو طلب ہی میں پھر ملاک ہوا

کیا روئے ہمیں کو یوں اُن کر کے مارا
تربت کا میری لوحہ آئینے سے کسے ہے
بیگانہ جان اُن نے کیا چوٹ رات کو کی
پہلے گلے لگایا پھر دست جور اٹھایا
اُس شست عہد نے کیا کی تھی قسم بھی سے
حاضر براق ہونا کا ہے کو چاہئے تھا

کہنے لگا کہ شب کو میر سے تئیں تشا تھا

مستانہ میر کو میں کیا جان کر کے مارا

گیا حسن خوبان بد راہ کا
پشیمان ہوا دوستی کر کے میں
جگر کی سپر پھوٹ جانے لگی
سیری کا دیتا ہے مزدہ مجھے
رہوں جا کے محضرت بار میں
کس ہو دم قتل کچھ تو کہتے
عدم کو نہیں بل کے جاتے ہر لوگ
نظر خواب میں اس کے نہہ پڑی
گو نہیں اگر آنکھ تیری ہو میر

ہمیشہ رہے نام اللہ کا
بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا
لا توڑ ہے ناک آہ کا
راز مزہ گاہ و بیگاہ کا
یہی قصد ہے بندہ درگاہ کا
جواب اسکو کیا میر سے خوشگاہ کا
غم اس راہ میں کیا ہے ہر راہ کا
بہت خوب ہے دیکھنا ماہ کا
شاہد اس کی نظر گاہ کا

<p>کوئی دل کا بخار نکلے گا ہو کے آخر شکار نکلے گا دل کا تب کچھ غبار نکلے گا کسکے سینے کے پار نکلے گا گھر سے کب اپنے یار نکلے گا ایک سیل ہمار نکلے گا</p>	<p>چشم سے غول ہزار نکلے گا اُس کی محبت سے روح الیں آنندھیوں سے سیاہ ہوگا چرخ ہوئے رتھ لاک تیر مژگاں کی ناز غور شید کب تلک بھینچیں خون ہی آئے گا تو آنکھوں سے</p>
<p>عزالت میر عشق میں کب تک ہو کے بے اختیار نکلے گا</p>	
<p>کیا ذکر یاں مسیح علیہ السلام کا کیا دیجیے جواب اجل کے پیام کا ممنون میں نہیں ہوں جواب سلام کا تو یوں ہی نام لے ہے کسونا تمام کا بجنا غنا نہیں ہے کبھی یاں مقام کا جینی کہ تھا مقام یہ خستہ کلام کا جلوہ ہی کچھ جدا ہے مرے صبح و شام کا جز عاشقی گنتا نہیں ہے غلام کا</p>	<p>اعجاز منہ تک ہے ترے لب کے کام کا رقمہ ہیں جو آدے ہے سوتیر میں بندھا کچھ سدھ نہ بھالتے ہی رکھی اُن نے پگڑی پھر شہد دیکھو بدر کا کہ تری زدکشی کرے نوبت ہی اپنی جب سے ہی کوچ کا ہوشور کنج لب اسکا دیکھ کے خاموش رہ گئے میں رو دو مو کے محو کو کیا روزگار سے صاحب ہوا رڈ الو مجھے تم و گر نہ کچھ</p>
<p>کب اقتدا ہو مجھ سے کس کی سوائے میر بندہ ہوں دل سے میں اسی سید امام کا</p>	
<p>مجھ پہ تو دا ہوا ہے طوفاں کا پنی زنجیر ہو گریباں کا ڈکریاں کیا ہو لعل مرجاں کا غم ہی رہتا ہے دین وایاں کا کچھ ٹھکانا نہیں دل و جاں کا دق کیا ہے دل سسلاں کا لے لے تاکم میں اُسکے منہ دھاکا</p>	<p>ہوں نشان کیوں نہ تیر خواں کا تھ زنجیر ہو جنوں میں رہا چپکے دیکھو جھکتے دے لب شرج ایک رہن ہے اُسکی کافر زلف عمر آداری میں سب گزری کافر شال ہے خال و خط و زلف مر گیا میر نالہ کش بیسکس</p>

<p>آیا کھویاں دن کو بھی یوں تو غضب آیا کیا گریہ سرشار مجھے بے سبب آیا ہمکو کبھی ملنے کا تو اس کے نہ دھب آیا کچھ دیکھتے تھے اس کو مجھے ایسا ادب آیا یہ باتیں ہیں ایدھر کو مزاج اس کا کب آیا کس روز نگاہ اس کا مرے تا بلب آیا کیا فائدہ یاں چل کر اگر یا راب آیا وہ یاں سے گیا اٹھ کے مجھے موش جب آیا</p>	<p>جس خشم سے وہ شونخ چلا آج شب آیا اُس نرگس مستانہ کو کراؤ کرطھوں ہوں راہ اس سے ہوئی خلق کو گس طوڑ سے بار آیا کیا پوچھتے ہو دُوب کے سخن ہنہ سے نہ نکلا کہتے تو میں میلانِ طبیعت ہے اسے بھی خوں ہوتی رہی دل ہی میں آرزو کی میری جی آنکھوں میں آیا ہے جگر ٹھنڈی میرے آتے ہوئے اُسکے تو ہوئی بخود ہی طاری</p>
<p>جاتا تھا چلا راہ عجب چال سے کل میرے دیکھا اُسے جس شخص نے اُسکو عجب آیا</p>	<p>کیا کام کیا ہم نے دل یوں نہ لگنا تھا تھا جسم کا ترکِ اولی ایام میں پیری کے ہر آن بھی سرگوشی یا بات نہیں نکلتی یا مالی عزیزوں کی رکھنی تھی نظریں ٹپک اک مچو تماشا ہیں اک گرم ہیں قصہ کے کیونکر لگی سے اُسکی میں اٹھ کے چلا جاتا جو تیر چلا اُس کا سو میری طرف آیا جب تو نے نظر پھیری تب جان لی اُسکی کب اور غزل کہتا میں اس زین میں لیکن</p>
<p>اس جان کی جو تھوں کو اس وقت نہ جانا تھا جاتا تھا چلا ہر دم جسامہ بھی پُرانا تھا اوقات ہے اک یہ بھی اک وہ بھی زانا تھا اتنا بھی تھیں اگر یاں سر نہ اٹھانا تھا یاں گنج جو کچھ دیکھا سو کل وہ فنا تھا یاں خاک میں ملنا تھا لوہوں میں تنہا تھا اس عشق کے میدان میں میں ہی تو شنا تھا مرنا ترے عاشق کا مرنا کہ بہنا تھا پردے میں مجھے اپنا احوال سُنانا تھا</p>	<p>کہتا تھا کسو سے کچھ تکتا تھا کسو کا مُنہ کل میرے کھڑا تھا یاں سج ہے کہ دوانا تھا</p>
<p>ہلک رنجہ قدم کر کر مجھ تک اُسے آنا تھا مُنہ یا رگو ہر صورت عاشق سے چھپانا تھا لے صیدِ غم تجھ کو اک زخم تو کھانا تھا اس چہرے کو لے خالق ایسا نہ بنانا تھا</p>	<p>سہل ایسا نہ تھا آخر جی سے مرا جانا تھا کیا سوئی پریشانی کیا پردے میں نہانی لاوت سے نہ تھا خالی جانا تیرے اُس کے کیا صورتیں بگڑی ہیں شاقول کی ہر انیس</p>

برسوں میں گردوں نے جب خاک گچھا نا تھا
کچھ ٹھوکر بھی تھی اسکی کچھ اس کا ٹھکانا تھا
خوابیدہ مرے غوں کو ظالم نہ جگانا تھا
جلوہ اسے یاں اپنا صدر رنگ دکھانا تھا

مت سہل ہیں سمجھو ہونچے تھے بہم تب ہم
کیا ظلم کیا بجا مارا جیون سے اُن نے
اے شور قیامت اب وعدہ سے قیامت ہی
ہو باغ و بہار آیا نخل پھول کہیں پایا

کہتے نہ تھے ہم وہاں سے پھر آچکے جیتے تم
میسر اس گلی میں تم کو زہر نہ رہ جانا تھا

جد برسوں پہنچے سورہ یوسف کو دم کیا
جانے کا دل کے پہنچے بہت غم الم کیا
وہ رابطہ در رابطہ جو بہت پہنچے کم کیا
مانند خامہ گو کہ مرا سہر تسلیم کیا
سب تن بدنی اس رنگ نے اپنا ہم کیا
اُن نے جو بید مانی سے ہر کوئی غم کیا

تو اُس بہشتی رو سے یہ مخلص بہم کیا
چہرے کو نورچ نورچ لیا پھانی کوٹلی
مربوط اور لوگوں سے شاید کہ وی ہوئے
کیا کیا سخن زباں پر مے آئے ہوئے قتل
کی تہتے تب دروئے کی سوزش غایت
یاں اپنے جسم زار پہ تلوار سی لگی

اس زندگی سے مائے ہی جانا بھلا تھا میرا
رحم اُن نے میرے حق میں کیا کیا تم کیا

وہ دل کہ جس پہ اپنا بھروسہ تھا خوں ہوا
آتے ہی اُس کے رفتن صبر و سکون ہوا
اک گرد باد وشت مرا رہنم ہوا
بے اختیار روئے کا میرے شکوں ہوا

ایک جگہ کی فصل میں ہم کو جنوں ہوا
تھہرا گیا ہو ملک بھی تو تھے بیاں دوں
تھا شوق طوفان تربت مجنوں مجھے بہت
سیلاب آگے آیا جلا جاتے دشت میں

جان اُس کی تیغ تیز سے رکھ کر دروغ میرا
صید حرم ندان شکا زربوں ہوا

ایک رت جی تھا بدن میں سو بھی گھبرانے لگا
خون کرنے کا خیال اب کچھ اُسے آنے لگا
ہو کوئی کوئی ان ہونٹھوں پہ مرجانے لگا
یوں تو واضح نے کہا تھا دل نہ دیوانے لگا
یہ تو المبتہ کہ سن کر لعن رم کھانے لگا

رات سے آنسو مری آنکھوں میں پھر کٹے لگا
وہ راکہین سے نکل کر تیغ چمکانے لگا
عول جان بخش اُسکے بھے پرشیدہ جوں آب حیات
حیف میں اُسکے سخن پر پلٹ رکھا گوش کو
چس دم کے معتقد تم ہو گے شیخ شہر کے

حرم لہنا اُس محل نازک طبیعت سے نہ ہو
عاشقوں کی پائمالی میں اسے اصرار ہے
چشمک اس مہ کی سی دلکش دیدیں کی نہیں
چاندنی میں رات بیٹھا تھا سو مرجھانے لگا
یعنی وہ محشر حرام اب یا نوںں پھیلانے لگا
گوستارہ صبح کا بھی نہ نکھ جھپکانے لگا

کیونکر اس آئینہ رو سے میرے لیے بچاؤ
وہ تو اپنے عکس سے بھی دیکھو سرمانے لگا

ضبط کرنے کرتے اب جوں کو میں نے وا کیا
آئینہ پڑتی تھی تھا اے منہ پر جب تک چین تھا
گور سی اُسکو جھنکا فی عشق جسکے ہاں گیا
دیکھ خبطی مجھ کو رستے بند ہو جاتے ہیں اب
سو بھی رستا ہوں یہ کہتا ہائے دل نے کیا کیا
کیا کیا تھے کہ مجھ بیتاب سے پردا کیا
اس طبیب بدشگون نے کسکے تئیں اچھا کیا
عشق نے کیا کو چہ و بازار میں رسوا کیا

لوگ دل دیتے سنے تھے میرے گزرا ہے ہی
لیک اپنے طور پر ان نے بھی اک سودا لیا

سینہ کو بی ہے پیش سے غم ہوا
آہ نکھیں دوڑیں خلق جاودہ گری
کیا لکھوں رو یا جو لکھتے جو قلم
ہم جو اُس بن غوار ہیں حد سے زیاد
آگیا یوں ہی خراں وہ تو پھر
درہمی سے برہمی سے دیکھو
دل کے جانے کا بُرا ماتم ہوا
اُٹھ گیا پردہ کہاں اودھم ہوا
سب مرے نامے کا کاغذ ختم ہوا
یاریاں تک آن کر کیا کم ہوا
حشر کا ہنگامہ ہی برہم ہوا
دونوں عالم کا عجب عالم ہوا

جسم خاکی کا جہاں پردہ اٹھا
ہم ہوئے وہ میر وہ سب ہم ہوا

ہجر کی ایک آن میں دل کا ٹھکانا ہو گیا
داں فعل ہی تھے کرتے گئے شام و سحر
شعب میں بھی ہے لباس جسم کا ظاہر و باطن
کہنے تو کہہ بیٹھے مہ ہتر سے روئے پارس
صد سخن آئے تھے لب تک کہنے پاؤ ایک
رہنے کے قابل تو ہرگز تھی نہ یہ حیرت سرے
ہر زمان ملتے تھے باہم سوزنا مانا ہو گیا
یاں ترے شتاق کا مزنا بہا نہ ہو گیا
پر اسے اب جھوڑیے جامہ پُرانا ہو گیا
شہر میں پھر ہم کو مشکل منہ دکھانا ہو گیا
ناگہاں اُس کی گلی سے اپنا جانا ہو گیا
اتفاقاً اس طرف اپنا بھی آنا ہو گیا

	سیکڑوں انسوں دنوں کو پڑھتے تھے سیر بھی میر بٹھنا راتوں کو باہم اب فسانا ہو گیا	
رات کا بھی کیا ہی سمجھ آیا تھا پر جاتا رہا مصلحت ہی ہو گئی تھی وہ جو شرماتا رہا میں اسی مصرت کو ساری عمر ڈولاتا رہا میں تو اس غمکش کو بیکل ہی سدا پاتا رہا میں تو جیسے شمع اپنے ہی تئیں کھاتا رہا آنکھ بھیری جس گھڑی بھر کا ہے کاناتا رہا شیخ میں کچھ ہوش تھا بیخانے سے جاتا رہا راہ چلتے تو جبرس ہر گام چلاتا رہا		دو خط میں اُس کے جی پھر آ کے گھبراتا رہا کیا قیامت تھی بے پردہ ہو کے کیا جانیے قد موزوں یا کہ خاطر سے جاتا ہی نہیں کل مکمل بیاباں سے آجکل کی سچ نہیں لگ کھاجاتی ہے خشک تر جو اسکے منہ پر ہے میری تیری چاہ منہ دیکھے کی ہے جوں آری سوکے ہم غشب کی بے شعوری سے سیر لگ ہی اس کا رواں کے حرف نشوونما
	سیر دیوانہ ہے اچھا بات سمجھے کیا مری یوں تو مجھ سے جب ملا میں سکو سمجھاتا رہا	
بیل نے بھی نہ طور گلوں کا بیاں کیا تلوار کے تلے بھی مرا امتحاں کیا اس سوئے میں صبح میں نقصان جاں کیا صورت نکالی خوب دے بدزباں کیا میں نے کسو کا کیا کیا اپنا زباں کیا آجاتے ہیں بغل میں اشارہ جہاں کیا		میں گلستاں میں آ کے عبث آشیاں کیا پھر اُسکے ابرو ایں کا خم دبا بھر دی دو کس کو دوس دینی جانی تھی دوستی گالی ہے حرف یا قسم نے قضا کی بائے اس جنس خوش کے پیچھے کھیا میں جواں کیا لڑکے جہاں بھاد کے یک شہر کرتے ناز
	میں منتظر جواب کا نامے کے مر گیا ناچار میر جان کو او دھرواں کیا	
کبھو مزاج میں اسکے ہمیں نصرف تھا چھپا نا چہرے کا عشاق سے تکلف تھا ہمارے قتل میں اسکو عبث تو قف تھا ہزاروں عہد کے پروہی تخلف تھا		دنا تھی مہر تھی اخلاص تھا تلطف تھا جو خوب دیکھو تو ساری وہی حقیقت ہے اسیر عشق نہیں باز خواہ خوں رکھتے نہ پوچھو خوب ہے بد عہد یوں کی مشق اسکو
سنا یہ واقعہ جن نے اسے تاشف تھا		جہاں میں میر سے کاہیکو تھے ہیں سیر

جنوں میں ساتھ تھا کل لڑکوں کا لشکر جہاں میں تھا
تجلی جلوہ اس رشک قمر کا قرب تھا منجھو
گل میں اُسکے میری رات کیا آرام سے گزری
غضب کچھ شور تھا سر میں بلا بے طاقتی جی میں
چبھیں تھیں جی میں نے پلکیں لگائیں لکڑی بھڑکی
خیال چشم دروئے یار کا بھی طرفہ عالم ہے

چلے آتے تھے چاروں اور سے پھر جہاں میں تھا
جلے جاتے تھے داں بجائے ملک کے پھر جہاں میں تھا
یہی تھا سنگ بالیں خاک تھی بستر جہاں میں تھا
قیامت لحظہ لحظہ فتنی مرے دل پر جہاں میں تھا
یہی شمشیر چلتی تھی یہی خنجر جہاں میں تھا
نظر آیا ہے واں اک عالم دیگر جہاں میں تھا

جب دن میر تھے دیوانگی میں دشت گردی سے
میر اور سایہ شکر ہوتے تھے کیکر جہاں میں تھا

گل بھی ہے معشوق لیکن کب ہی اُس محبوبا
اُسکے وعدے کی وفاتک وہ کوئی ہو چکا ہو
عشق سے کن نے مرے آگے کیا اُس شوق کو
بعد مردن یہ غزل مطربے جتنے گوش کی

اُسکے اُس قد کے ہوسر دباغ بے اسلوبا
ہو مگر فوج سا صابر ہو پھر ایوب سا
بمرے آنے سے ہو جاتا ہے وہ محبوب سا
گور کے میری گلے جا لگ کے رویا خوب سا

عاقلاً نہ حرف زن ہو میر تو کر لے بیاں
زیر لب کیا جانیے کہتا ہے کیا مجذوب سا

کبھو وہ تو جہادھر کر رہے گا
ہمارا ہے احوال حیرت کی جہاں کہ

ہمیں عشق ہے تو اثر کر رہے گا
جو دیکھے گا وہ بھی نظر کر رہے گا

نہیں اس طرف میر جانے سے ہوتا
رہے گا تو او دھری مر کر رہے گا

میر کا صحبت میں اُسکے حرف سر کر رہ گیا
خوبی اپنے طالع بد کی کہ شبہ رشک ماہ
طنز و تفریق بتان بیوفا کے در جواب
سرگزشت اپنی سبب ہے حیرت اجاب کی

پیش جانے کچھ نہ دیکھی چشم تر کر رہ گیا
نظر مرے آنے کو تھا سو منہ ادھر کر رہ گیا
میں بھی کچھ کہتا تھا اسے اپنے ڈر کر رہ گیا
جس سے دل خالی کیا وہ آہ بھر کر رہ گیا

میر کو کتنے دنوں سے رہتی تھی بے طاقتی
رات دل تڑپا بہت شاید کہ مر کر رہ گیا

لے گوش کردن تعاری کا تدارہ ہے۔ اسی کا یہ ترجمہ ہے۔ دوزخ گوش کرنا اردو میں نہیں ہوتے۔

۲۱۰

کبریت نما جن نے لیا عجب کوجھلایا
جب تک نہ گئی جان مجھے صبر نہ آیا
گر خاک سے بڑھ کوئی بڑ مردہ اگایا
اس قد نے قیامت کا سا ہنگامہ اٹھایا
کیوں میں محبت کی عبت کھنکھلایا
پر گالیاں دیں اتنی انھوں سے کہ بھجایا
آنکھوں نے تری خوب سماں ہکود کھلایا
کب شب لب و یارب بھی مری نہیں خدایا
رات اس کے خیالات سے رستے ہیں تضایا

بھزار نے کیا گرمی بازار سے پایا
بتیاب تہ تیغ ستم دیر رہا میں
جانا فلک دوں نے کہ سر سبز سوا میں
اس رخ نے بہت صورتیں گو گوئی بجا میں
مبت راہ سخن دے کہ پھر آپ ہی تو کہے گا
ہر چند کہ تھی تر بھنے کی جائے ترے لب
گردش میں رہا کرتے ہیں ہم دید میں آن کے
کس روز یہ اندوہ جگر سوز تھا آگے
دن جی کے اچھنے کی ہی بھگڑے میں کٹے ہی

کیا کیے دماغ اس کا کہ گلگشت میں کل میر
گل شاخوں سے جھک آئے تھے ہر منہ نہ لگایا

تب آنکھوں تلے میری اُترتا ہے ہوسا
خضر آب اسے کہتا ہے آتش کے موسا
ٹک جن نے ترے شربت بی ان ہونٹوں کو چوسا
ہونا مگر آسان ہے اسکے سگ کو سا
وہ یار کے کوسے کا ہے کچھ شور غلوسا
ہے بورے کا نقش مرے تن پہ آتوسا

جب گل کے ہے اپنے تئیں یار کے روسا
تحقیق کروں کس سے حقیقت کے نئے کوسا
کیا دور ہے شربت پہ اگر قند کے تھوکے
دم لاہ کریں شیخ رکھیں شیلے تو کیا ہے
تعبیر جسے کرتے ہیں ہنگامہ محشر
آرائش درویشی بھی اپنی نہیں بے لطف

اب کی ہے حدیث اس سے سخن کرنے کی میں نے
کیا میرے بوسے کوئی ہے بے بندہ گوسا

توڑک کے منہ تئیں کاہیکو شب جگراتا
جو حق شناس کوئی اور بھی نظر آتا
زمانہ غم کامرے کس طسرح بسر آتا
ہمیں بھی کاشکے ایسا کوئی ہر آتا

اگر وہ ماہ کل گھر سے ٹک ادھر آتا
مرید پیر مغاں صدق سے نہ ہم ہوتے
نہ پتھروں سے جو سر کو دوبارہ میں کرتا
کسو ہنر سے تو ملتے تھے باہم اگلے لوگ

شراب خانے میں شب مست ہو رہا شاید
جو میر ہوش میں ہوتا تو اپنے گھر آتا

وہ کم نسا دل ہے شائق کمال اُسکا
ہم کیا کریں علاقہ جس کو بہت ہو اس سے
بس ہو تو دام کر بھی اُس پر تیار کر دیے
یہ جانتا تو اس سے سمجھ اب میں نہ ہوتا
اُن زلفوں سے نہ لگ کر چلے نیم ظالم
جس داغ سے کہ عالم ہے مبتلا میں
مستانہ ساتھ میرے روئی پھر ہے ہر بلبل
میری طرح جھکے ہیں بخود ہو سر و گل بھی

جو کوئی اُس کو چاہے ظاہر ہے حال اُسکا
رکھ دیتے ہیں غلے پر خنجر نکال اُسکا
یک نقد دل رکھتے ہیں سو تو ہے مال اُسکا
پکا خیال جی کا ایسا خیال اُسکا
تار یک ہے جہاں پھر بیکو بال اُسکا
سودا ش جان عاشق منہ پر ہے خال اُسکا
گل سے جو دل لگا ہے اتر ہے حال اُسکا
دیکھا کہیں حین میں شاید جمال اُسکا

کیا تم کو پیار سے وہ اے میرے منہ لگا ہے
پہلے ہی جو ہے تم تو کاٹھ ہو گال اُس کا

حال رکھا تھا کچھ بھی ہم میں عشق تے آخر مار رکھا
اپنی طرف سے ہم نے اب تک اس ظالم سے پیار رکھا
دل کو چاک چکر کو زخمی آنکھوں کو خونبار رکھا
عزت والے کیا لوگوں کو گلیوں میں اُن سے خوار رکھا

زار رکھا بیجاں رکھا بیتاب رکھا بیمار رکھا
سیلان اُس کا تھا کاہیکو جانب اُلفت کیشوں کے
عشق بھی ہم میں ہائے تصرف کیسے کیسے کرتا ہے
کیا پوچھو ہو دیں کے اکابر فاضل کامل صابر رخ

کام اس سے اک طور پر لیتے بیٹور اسکو ہونے دیتے
حیف ہے میرے سپردوں نے ہم سے نہ اسکو بیا رکھا

ہر چند چاہتا ہوں پر جی نہیں سمجھتا
وہ مہر گلے سے لگتا تو یوں جگر نہ جلتا
ہوتا بڑا تماشا جو یار بھی نکلتا
مہتاب میں تھمی کو دیکھا ہے یوں پگھلتا
گل پھول سے کوئی دم اپنا ہو دل پہلتا
جیسے ہو رو کوئی برسات میں اُبلتا

دل رات دن رہے ہے سینے میں عشق ملتا
اب تو بدن میں سارے اک پھنک ہی آتش
شب ماہ چار وہ تھا کس حسن سے نمایاں
اے رشک شمع گویا تو موم کا بنا ہے
تکلیف باغ نکھو یاروں نے کی وگرنہ
رونے کا جوش ویسا آنکھوں کو ہے بچینہ

کرتا ہے دے سلوک اب جس سے کہ جان جلتا
ہم میریوں نہ مرتے اس پر جو دل نہ جلتا

بھاری پھر تھا چم کر چھوڑا

بوسہ اُس بت کالے کے منہ ڈرا

<p>دیکھ کر اُس کے پانوں کا توڑا جیسے پکتا رہے کوئی پھوڑا نہ لگے جس کو باد کا گھوڑا کو کہن نے تو سر بہت پھوڑا پھول گلچیں نے ہائے کیوں توڑا</p>	<p>ہو کے دیوانے ہم ہوئے زنجیر دل نے کیا کیا نہ رات در دویے گرم رفتن ہے کیا سمتِ عمر کیا کرے بخت مدعی تھے بلند دل ہی مرغِ چین کا لوٹ گیا</p>	
	<p>ہے لبِ بامِ آفتابِ عمر اگر لے سو کیا ہے میرِ دن تھوڑا</p>	
<p>پھر صبر بن اور کیا ہے چارا عنبر تو عسرقِ عرق ہے سارا گو یا نہیں اُن نے مج کو مارا کچھ پاس نہیں تھیں ہمارا بلبل نے بہت مجھے پکارا ہے پہلوئے ماہ میں ستارا آہوئے محرم ہیں یاں پکارا بلبل کا ہے باغ میں اجارا</p>	<p>ہے عشق میں صبرِ ناگوارا ان بالوں سے مشکِ مت جَل ہو یوں بات کرے ہے میرے خوش سے دیکھو ہو تو دور بھاگتے ہو تھا کس کو دماغِ باغ اس بن رخسار کے پاس وہ دُر گوشت ہوتے ہیں فرشتے صید آکر پھولے مجھے دیکھ کر گلوں میں</p>	
	<p>جب جی سے گزر گئے ہم لے میر اُس کو چے میں تب ہوا گزارا</p>	
<p>جوشِ غم سے جی جو بولا سو یہ دیوانہ ہوا آج یاں دیکھا گیا جو کچھ کل افسانہ ہوا شاہ جی کہے کہ صرشتے آپ کا آنا ہوا بار کے گزچے سے اپنا اس طرح جانا ہوا</p>	<p>دلِ عجب چرچے کی جاگہ فقی سودیرانہ ہوا بزمِ عشرت پر جہاں کے گوشِ اکِ جائے خیم دیریں جو میں گدا یا نہ گیا او دھر کہا کیا کہیں حسرت لیے جیسے جہاں کوئی جائے</p>	
	<p>میر تیراں جو رکیشوں کے جو کھائے بشار پھاتی آبِ چھلنی ہے میری ہے جگر بھانا ہوا</p>	
<p>دل نہ اپنا ہے محبت میں نہ دلبر اپنا ہم کو سو کو س سے آتا ہے نظر گھر اپنا</p>	<p>کیا کے حال کہیں دل زدہ جا کر اپنا دور تھی یار میں ہے حالِ دل ابر اپنا</p>	

<p>دل بھی جوں شیشہ سُرعت ہے کدرا اپنا شوق سے دیکھیے منہ ہووے ہے کیدھر اپنا یہ بساط خشک و خار ہے بستر اپنا سختیاں کھینچے ہی دل ہو اتھر اپنا شہر و قصبات میں مذکور ہے گھر گھر اپنا زنگوں گلابی کے ناخن ہے معطر اپنا زور چلتا کچھ اگر چاہ میں دل پر اپنا مثل آئینہ نہیں چھوڑتے ہم گھر اپنا لوہو اس خاک پر گرنا ہے مقرر اپنا</p>	<p>یک گھڑی صاف نہیں سمجھے ہو یا رکھی ہر طرف آئینہ داری میں ہے اسکے روکے لب لبک کھ کے نہ اُس گل کے کچھ ہم سولے کس طرح حرف ہو ناصح کا موثر ہم میں کیسی رسوائی ہوئی عشق میں کیا نقل کرنا اُس گل ترک کی تباہی کہیں کھولے تھے بندہ تجھے ہمیر کے لگ لگنے نہ دیتے ہرگز پیش کچھ آؤ ہمیں ہم تو ہیں ہر صورت سے دل بہت کھینچتی ہے یار کے کچھ کی تیر</p>
<p>میر خط بھیجے برابر رنگ اڑا جاتا ہے کہ کہاں بیٹھے تھکے ہر جاوے کہو تیر اپنا</p>	
<p>دنبالہ گرد چشم سیاہ غزال تھا جی دیتے تھک بھی سر میں اُسی کا خیال تھا بولاکہ ذوق اپنا ہمارا ہی مال تھا او دھر جو آب جو کے وہ نازک مال تھا ہر ناقص اپنے زعم میں ملے کمال تھا جب رونے بیٹھ جاتے تھے تب کمال تھا</p>	<p>کیا میر دل شکستہ بھی وحشی مثال تھا آہر کو خواب مرگ ہیں جاسے لے گئی میں جو کہا کہ دل کو تو تم نے سیرا دیا سرو اس طرف کو جیسے گتہ گار تھا کھڑا کیا میرے روزگار کے اہل سخن کی بات کیا تیرا ہوا میں دیدہ تر سے نظر پڑیں</p>
<p>کہتے تھے ہم تباہ ہے اب حال میر کا دیکھا نہ تم نے اُس میں بھلا کچھ بھی حال تھا</p>	
<p>کیا کروں گر نہ کروں چاک گریباں اپنا وہمن جانی ہو اب وہی جاناں اپنا مجھ کو پہناتے تھے رعنائی کا سا باں اپنا اب یہ طرفہ ہو کہ کٹھ کرتے ہیں پنہاں اپنا تھا جنوں میں کبھی سروسے پریشاں اپنا کام ہو دیکھیے کس طور سے آسائیں اپنا خوش ہو اکتا ہو یہ حسد ویراں اپنا</p>	<p>اُن نے کھینچا ہے مرے ہاتھ سے دام اپنا بارہاں لب جان بخش سے دی جن نے ہمیں خلطے یاد آتے ہیں اُسے جبکہ بدلتے کپڑے کیا ہوئی ایک جہتی وہ کہ طرف تھے میرے جس طرح شاخ پر گندہ نظر آتے ہیں بید مشکلیں سیکڑوں چاہتیں ہیں اُن میں پیش دل فقیری سے نہیں میر کسوا کا ساز</p>

<p>لوٹا مارا ہے حسن والوں کا یار کے حلقہ حلقہ بالوں کا حال خوش اس کے خستہ حالوں کا کیا جواب ان مرے سوالوں کا</p>	<p>دل عجب شہر تھا خیالوں کا جی کو جنجال دل کو ہے الجھاؤ موسے دہرے مشکبوسے نسیم نہ کہا کچھ نہ آپھیرا نہ ملا</p>
<p>دم نہ لے اس کی زلفوں کا مارا میسر کا ٹاپے نہ کالوں کا</p>	
<p>کیا حال محبت کے آزار کشیدوں کا صد پارہ جگر بھی پریم جامہ دریدوں کا جدول کے کنارے کی نوبادہ دمیدوں کا پایا نہ گیا چارہ کچھ اس کے شہیدوں کا کیا طور پریم اپنے سایہ سے رمیدوں کا رونی گئی بشریے پھر نور بھی دیدوں کا</p>	<p>احوال نہ پوچھو کچھ ہم ظلم رسیدوں کا دیوانگی عاشق نمی سمجھ نہ لباسی ہے عاشق ہے دل اپنا تو گلگشت گلستاں میں ناچار گئے مارے نمیدان محبت میں بیتے کے کھرکنے سے ہوتی ہو نہیں وحشت کیا کیا نہ گیا اس بن صبر اور دماغ و دل</p>
<p>کرتے ہیں پس از سالے دل شاد گلے لگ کر سو میر وہ ملنا بھی اب ترک ہو عیدوں کا</p>	
<p>ہاتھ ملنا کام ہے اب عاشق بدنام کا سیر کے قابل ہے ہونا پہن میرے نام کا اس میں کچھ نقصان ہوتا تھا مگر ایام کا صبح تک جاتا نہیں ہو بیٹھ آیا شام کا</p>	<p>سطح جو ہاتھ نہیں تھا اس کے رخ گلغام کا کچھ نہیں عنقا صفت بشرہ آفاق ہوں ہجر کی رایتیں بڑی چھوٹی جو تک ہوتیں کہیں روؤں یا درخت میں اسکے تو پھر روتا ہوں</p>
<p>ہاں بگیسو اپنا کچا سوت کچھ الجھا ہے میر گم ہے سر زشتہ ہمارے خواب اور آرام کا</p>	
<p>خونبار میری آنکھوں سے کیا جانوں کیا گرا ناگاہ آ کے عشق نے مارا جلا گرا مشکل گزر طریق سے یاں رہ گر اگر بیمار عشق رہتا ہے اکثر بڑا گرا ٹھوکر کہیں لگی کہ رہا سر پھر اگر</p>	<p>کل رات رو کے صبح تلک میں رہا گرا اب شہر خوش عمارت دل کا ہو کیا خیال کیا طے ہو راہ عشق کی عاشق غریب ہے لازم پڑی ہے کسل دلی کو فدا وگی ٹھہرے نہ اسکی عشق کا سرشتہ و ضعیف</p>

دے مارنے کو تکیہ سے سر تک اٹھا تو کیا	بستر سے کب اٹھ ہے غم عشق کا گرا
پھرتا تھا میر عمر وہ یک عمر سے خراب	اب شکریہ ہے کہ بارے کسی در پہ جا گرا
چاہت کی طرح کش ہو کچھ بھی اثر نہ دیکھا خالی بدن جیون سے یاں ہو گئے و لیکن کس دن سر تک غونی منہ پر نہ یہ کر آئے یاں شہر شہر بستی اور جڑ ہی ہوتے پائے اب کیا کریں کہ آیا آنکھوں میں جی ہمارا لاتے نہیں فردوس سرگز بتاں خدا سے	طرحیں بدل نکلیں پر آن نے ادھر نہ دیکھا اس شورش نے ادھر کو بھر کر نظر نہ دیکھا کس شب پلک کے اوپر نحت جگہ نہ دیکھا اقسیم عاشقی میں بستا جگر نہ دیکھا افسوس پہلے بنے ملک سوچ کر نہ دیکھا آنکھوں سے اپنے تم نے ان کا گھر نہ دیکھا
سوچا نہ چاہ میں کچھ بر باد کر چکے دل	میر اندھے ہو رہے تھے اپنا بھی گھر نہ دیکھا
کیا ہے عشق جب سے میں نے اس ترک سپاہی کا اگر تم قطعہ شب سا لیے چہرہ چلے آئے ہو اسے عارفان شہر کو عرفان بھی اوندھا ہمیشہ التفات اسکی کسو کے نحت سے ہوگی برنگ کمر بائی شمع اس کا رنگ چھکے ہے بڑھینگے عہد کے درویش اس سے اور کیا یارو	پھروں ہوں چور زخمی اسکے تیغ کم نگاہی کا قیامت شور ہو گا حشر کے دن رسیا ہی کا کہ ہر درویش ہے مارا ہو اشوق الہی کا نہیں شرمندہ میں تو اسکی لطف گاہ نگاہی کا دماغ میر اسکو کب ہے میرے رنگ کا ہی کا کیا ہے لڑکوں نے دینا اٹھو کو تاج شاہی کا
خواب احوال کچھ بکنا پھر ہے دیرو مجھے میں	سخن کیا معتبر ہے میر سے واپسی تباہی کا
دیکھوں میں اپنی رات کو خوں ناب تھا سو تھا آکر کھڑا ہوا تھا بعد حسن جلوہ ناک سادن ہرے نہ بھا دو نہیں ہم سوکھے اہل درد درویش کچھ گھٹا نہ بڑھا ملک شاہ سے کیا بھاری بھاری قافلے یاں سے چلے گئے یہوں سے ہے تلاوت و سجادہ و نماز	جی دل کے اضطراب سے بیتاب تھا سو تھا اپنی نظر میں وہ در نایاب تھا سو تھا سبزہ ہماری پلکوں کا سیراب تھا سو تھا خرقہ کلاہ پاس جو اسباب تھا سو تھا تجکو وہی خیال گراں خواب تھا سو تھا پر پیل دل جو نمونے سے ناب تھا سو تھا

ہم خشک لب جو رتے رہے جوئیں بہ چلیں
پر میر دشت عشق کا بے آب تھا سو تھا

ردیف با سے موعده

جا بیٹھیں میکہ میں مسجد سے اٹھکے صاف اب
یہ بیچ سے اٹھے گا کس طور اختلاف اب
اُسکے مزاج میں ہو کچھ ہم سے انحراف اب
بہتر ہے جو رکھتے تو اس سے ہیں مضاف اب
اپنے گنہ گامیں تو کرتا ہوں اعتراف اب
سدا ہو گو رہنوں تو کیجیے طواف اب

ماہِ صیام آیا ہے قصد اعتکاف اب
مسلم ہیں رفتہ رو کے کافر میں خستہ مو کے
جو حرفت ہیں سو طیرھے خط میں لکھے ہیں شاید
بجرم اٹھ کر گئے ہم پھرنے سے ساتھ تیرے
گو لگ گیا گلے میں مت کھینچ تیغ مجھ پر
کیا خاک میں ملا کر اپنے تئیں مواب ہے

کھینچتے ہیں جانے نہیں کن کن کے میر دیکھیں
لگتی ہے سرخ اُسکے دامن سے تئیں سجاؤں اب

گو یا کہ جان جسم میں سارے نہیں ہے اب
وہ بیکلی تو جان کو بارے نہیں ہے اب
کچھ موش ہم کو چھڑیوں کے مارے نہیں ہے اب
وہ رنگ گئے کا سا پیارے نہیں ہے اب

طاقتِ تعب کی غم میں تمھارے نہیں ہے اب
کل کچھ صبا ہوئی تھی گل افشانِ نفس میں بھی
چیتے تو لاگ پلوں کی اس کے کہیں گے ہم
زر دی چسپاں اب تو سفیدی کو کھینچ گئی

مسکن جہاں تھا دل زدہ مسکن کا ہم تو وہاں
کل دیر میر میر بکارے نہیں ہے اب

اہا ہو اکھاں سے کیئے فقیر صاحب
اس عمر میں قیامت تم ہو شریر صاحب
کیا لطف ہے جو آئے وقتِ اخیر صاحب
ہیں دام زلف میں ہم اسکے اصر صاحب

بولا جو پریشاں آنکھلے میر صاحب
ہر لحظہ اک شرارت ہر دم ہو یک اشارت
بند ہے یہ اب نوازش کیجئے تو تھے ورنہ
دل کا اُلجھنا اپنے ایسا نہیں کہ سبھے

فکرِ حشر رہے ہے اس دم غلام کو بھی
جندم لگو ہو کرنے تم مشق تیر صاحب

ہر دم بھری رہے ہے لہو سے شہنشاہ
نالوں سے شب کے میرے دھتے تو ہیں خبر سب

دل پر تو چوٹ تھی ہی زخمی ہوا جگر سب
حیث اُس سے حال میر اکتا نہیں ہو کوئی

<p>آنکھیں لگا رہے ہیں ہل نظر اُدھر سب کل رات آگیا تودہ دکھ گیا بس سب</p>	<p>بجلی سی اک تجلی آئی تھی آسماں سے اس ماہ بن تو اپنی دکھ میں بسیر ہوئی تھی</p>
<p>تاب و توان و طاقت یہ کر گئے سفر سب بھج جائے میں نے اپنا اسبابِ پیشہ سب</p>	<p>کیا نعم کیا فراست ذوق و بصیر سماعت منزل کو مرگ کی تھا آخر مجھے پہرِ بخینا</p>
<p>دنیا میں حسن و خوبی میر ایک عجیب شے ہے زندان و پارسایاں جس پر یہ کھیں نظر سب</p>	<p>شیون میں شب کے ٹوٹی زنجیر میر صاحب سہم سہ نہ کھینچے تو وہ تنیج کھینچ نہ سکتی</p>
<p>اب کیا مرے جنوں کی تدبیر میر صاحب اپنا گناہ اپنی تقصیر میر صاحب بادِ نسیم لگے ہے جوں تیر میر صاحب شاید کہ کچھ ہوئے ہیں اب میر صاحب</p>	<p>کھینچتی نہیں کہاں اب ہم سے ہو اگل کی کب ہیں جوانی کے سے اشارِ شور آور</p>
<p>تم کس خیال میں ہو تصویر سے جو چپ ہو کر تے ہیں لوگ کیا تقریر میر صاحب</p>	<p>سب آتش سوزندہ دل سے ہے جگر آب پھرتی ہے اڑی خاک بھی شتاق کسو کی</p>
<p>بے صرفہ کرے صرف نہ کیوں ویدہ تر آب سرمہ کے کرتا ہے پہاڑوں میں بس تر آب نزدیک تر آب اسکو کرے غرق مگر آب کیا اپنے تئیں روؤں ادھر آگ ادھر آب اس تیش رخسار سے ہوتی ہے نظر آب خجالت سے تری ہونٹھوں کی ہیں ہنڈ تر آب رہتی ہیں کوئی صورتیں یہ نقش ہیں بر آب برسوں تئیں چھڑکا کر و تم ان پر اگر آب آپنے کھلے بالوں سے زنجیر تر آب جاتا ہوں گلے چھاتی تک اودھ کو تر آب</p>	<p>کیا کرے اسے آگ سا بھڑکا یا ہی جن نے دل میں تو لگی دوں سی بھریں چشمے سی کھیں کس طور سے بھر آنکھ کوئی یار کو دیکھے ہم ڈرتے شکرِ بخنی سے کہتے نہیں یہ بھی کس شکل سے اک رنگ پر رہنا ہو جہاں کا شعلے جو مرے دل سے اٹھیں ہیں سونہ بھیں استادہ ہو دور یا تو خطر ناکی بہت ہے شب روؤں ہوں ایسا کہ جدھر یار کا گھر تھا</p>
<p>اس دشت سے ہو میر تر اکیونکہ گزرا تا زانو ترے گل ہے تری تابہ مگر آب</p>	<p>اس دشت سے ہو میر تر اکیونکہ گزرا تا زانو ترے گل ہے تری تابہ مگر آب</p>

پڑا ہے فسق خور و خواب میں اب
جنوں میں اب کی نے دہن ہونے جب
ہو اسے خواب ملنا اُس نے شب کا
گدا کی لی ہے میں نے اُس کے در کی
گلے گلے بن اُس کے اتنا روئے
کہاں بل کھائے بال اُس کے کہاں یہ

رہا ہے کیا دل بیتاب میں اب
کئی آنی بہت اسباب میں اب
کبھو آتا ہے وہ خواب میں اب
کے کیا بچھوں میرے باب میں اب
کہ ہم پہلے گلے گلے تھا اب میں اب
عبث سنبھل ہر بیچ داب میں اب

بلا جبر چاہے میرے عشق کا میر
یہی ہو ذکر شیخ و شاہ میں اب

رویت تارے فوقانی

شعر کے پردے میں میں نے غم ستایا ہے بہت
بے سبب آتا نہیں اب دبیم عاشق کو خوش
وادی و کسار میں رہتا ہوں ڈال دھیں مار مار
وانہیں ہوتا کسو سے دل گرفتہ عشق کا

مرنے سے دل کے میرے بھی ڈر لایا ہے بہت
درد کھینچا ہے نہایت زنج آٹھایا ہے بہت
دلبران شہر نے مجھ کو ستایا ہے بہت
ظاہر اعلیں اسے رہنا خوش آیا ہے بہت

میر گشتہ کل ملنا اتفاقی امر ہے
جب کبھو پایا ہے خواہشمند پایا ہے بہت

عجب نہیں ہے بجا بنے جو میر چاہ کی ریت
مت ان نمازیوں کو خانہ ساز دیں جانو
غم زمانہ سے فارغ ہیں مایہ با تھکناں
بزار شانہ و مسواک و غسل شیخ کرے
کسو کے بستر و سجاوہ و قصر سے کیا کام
ہوئے ہیں سوکھ کے عاشق طنبور کے سے تار
شوق سے ہیں درو دیوار زر و شام و سحر
کہا تھا پہنے بہت بولنا نہیں ہے خوب

سنا نہیں ہے مگر یہ کہ جوگی کس کے میت
کہ ایک اینٹ کی خاطر یہ ڈھکا پیٹے میت
قمار خانہ آفاق میں ہے ہار سی جیت
ہمارے عندیے میں تو ہے وہ غیثِ پلیمت
ہماری گور کی بھی ڈھیر میں کھاں سے میت
وقیف کبھو تو کھاتے ہیں میٹھے لوری گیت
ہو اسے کھنڈ اس رنگہز میں پیل بھیت
ہمارے یار کو سوا ب ہیں سے بات نہ چیت

لے تھے میر سے ہم کل کنار دریا پر
فتیلہ مودہ جگر سوختہ ہے جیسے آیت

گستاخ نہیں ہے کوئی گلی کے دہاں کی بات
کیا جانے کہ مہر و وفا ہے کہاں کی بات
پوچھو اگر زریں سے کہیں آسماں کی بات
دل بولنے کی جا نہیں کیا اس مکاں کی بات
یوں چاہئے کہ بھول دیں ہو جہاں کی بات
اپنی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتی یاں کی بات
سیدھی کبھی سنی نہیں اس بدزبان کی بات
پتہاں رہے ہر کب کس کوئی ٹھہری بانکی بات

جب سے چلی جن میں ترے رنگ بانکی بات
یاں شہر حسن میں تو کہیں ذکر بھی نہیں
آخر شناس کو بھی خلل ہے دماغ کا
ایسا خدا ہی جانتے کہ ہو عرش یا نہ ہو
کیا لطف جو سناؤ اسے کہتے پھر اکرو
لے شام سے جا نہیں ہے تا صبح ایک شور
اور باش کس کو پوچھتے ہیں التفات سے
ہر حرف میں ہے ایک گنجی ہر سخن میں تیج

کہنے سے کچھ کہا ہی کیا زیر لب مجھے
کیا پوچھنے ہو میرے مہرباں کی بات

ٹمک سوچ ہی ہزار میں دشمن ہزار دوست
رم خوردہ وہ غزال بہت ہی شکار دوست
دشمن ہو گئے ہیں دوستی سے تیری یار دوست
مت جان سادگی سے کہ ہے روزگار دوست
میں جانتا تھا ہو گا دل بے قرار دوست
سو دشمنوں میں کیا ہی ہو سکے بھی چار دوست

مانند مرغ دوست نگہ بار بار دوست
کھڑکے ہے بات بھی تو لگا بیٹھا ہی چوٹ
سیکو ہے رنگ مجھ میں جو تجھ میں ہی اختلاط
بچھے ہزار کن نے بت کر دیے بھگاڑ
یہ تو کچھ آگے دشمن جانی سے ہے چلا
بیگانی خلتی جہاں جاے خوف ہے

مجھ بیٹو کی یاد رہے میری صدا
اس میکدے میں رہئے بہت ہو سیار دوست

وہی دیکھی نہ ایک جا صورت
نہ کہا ہے یہ آشنا صورت
تو بھی اپنی تو تک دکھا صورت
آگے اس کے ہے کیا بلا صورت

سیر کی ہم نے اٹھ کے تا صورت
منہ لگانا تو درکنار اُن نے
منہ دکھاتی ہے آرسی ہر صبح
خوب ہے چہرہ پری لیکن

قطعہ

آوے پیاری بنا بنا صورت
تو بھی ٹھہر کے لا کوئی صورت پٹ چٹ +

کب تک کوئی جیسے صورت ناز
ایک دن تو یہ کہہ کہ ملنے کی

حلقے آنکھوں میں پڑ گئے منہ زرد
ہو گئی میری تیری کیا صورت

وصل دہر نہ ٹک ہوا قسمت
ایک بوسے پہ بھی نہ صلح ہوئی
شیخ جنت مجھے مجھے دیدار
پھول چن ہاتھوں سے ہونکو دے

کیا ازل میں لانا لوگوں کو
تھی ہماری بھی میری کیا قسمت

زخم جھیلے داغ بھی کھائے بہت
جب نہ تب جاگے تم جایا کئے
دیر سے ہوئے حرم آیا نہ ٹک
پھول گل شمس و قمر سارے ہی تھے
اگر بکا اس شور سے شب کو ہے تو
دہ جو نکلا صبح جیسے آفتاب

میر سے بوجھا جو میں عاشق ہو تم
ہو سکے کچھ چپکے سے شرمائے بہت

کوشش اپنی تھی عبث پر کی بہت
کعبہ مقصود کو پہنچے نہ اسے
سب ترے خود عائے جان ہیں
حرک رہا ہے دیر سے تڑپا نہیں
کیوں نہیں دور ہیں ہم نزدیک مرگ
وہ بجا ہے جب تپتے ہوتا ہے کیا
کب مٹا حزن شگون وصل یار
تھا قوی آخر لے ہم خاک میں
آج درہم کرتے تھے کچھ گفتگو

کیا کریں ہم چاہتا تھا جی بہت
سہی کی اسے شیخ مجھے بھی بہت
آرزو اپنی جی ہے تو جی بہت
عشق نے کیوں لگو ہلتی بہت
دلکوار کے ساتھ الفت تھی بہت
جہد کی لئے کی اپنی سی بہت
یوں تو فال گوش مجھے لی بہت
آسمان سے یوں رہی گفتی بہت
میر نے شاید کہ داد لی بہت

روایت تائے ہندی

کیا لڑکے دلی کے ہیں عیار اور نٹ کھٹ
ہم عاشقوں کو مرتے کیا دیر کچھ لگے ہے
دل ہے جدھر کو اور دھر کچھ آگ سی لگی تھی
کلیوں کو تو نے چٹ چٹ اسے باغباں جو توڑا
جی ہی ہٹے نہ میر تو اس کو کیا کروں میں
دیتی ہے طول بلبل کیا نالہ و فغاں کو
مروے نہ تھے ہم ایسے دریا پہ جب تھا تکیہ
رک رک کے دل ہمارا بیتاب کیوں نہ ہووے

دل لیں ہیں یوں کہ ہرگز ہوتی نہیں ہے آہٹ
چٹ جن نے دل پہ کھائی وہ ہو گیا ہر چٹ پٹ
اُس پہلو ہم جو لیٹے جل جل گئی ہے کروٹ
بلبل کے دل جگر کو ظالم لگی ہے کیا چٹ
ہر حید بٹھتا ہوں مجلس میں اس سے ہٹ ہٹ
دل کے آنجنے سے ہے یہ عاشق کی پھٹ پٹ
اس گھاٹ گاہہ دہیکہ رہنے لگا ہے جھگھٹ
کثرت سے دروغ کی رہتا ہے اس پہ بھر پٹ

شب میر سے لے ہم ایک و ہم رہ گیا ہے
اس کے خیال میں اب تو گیا بہت لٹ

خدا جانے ہو و بگی کیا نہایت
سخن غم سے آغوشہ خوں ہو و لیکن
نہیں یہ کنہگار ملنے کے قابل
گیا آسماں پر جو نالہ تو کیا ہے

اجل تو ہو دل کے مرض کی برایت
نہیں لب مرے آشنائے شکایت
کرم کرے تو مہر بانی عنایت
نہیں یار کے دل میں کڑا سرت

ہیں عشق میں میر چپ لگ گئی ہو
نہ شکر و شکایت نہ حرف و حکایت

روایت تائے مثلثہ

تری جستجو یار کی ہے عبث
تو پیدا ہے لیکن ہوید انہیں

یہ کوشش گنہگار کی ہے عبث
یہ قصد تلح ہموار کی ہے عبث

نہ ہاتھ آئی اسے میر کچھ وجہ ہے
گر دینے دستار کی ہے عبث

روایت جیم فارسی

حال کہنے کی کستے تاب اس زار کے بیچ
حال رہتا ہی نہیں عشق کے آزار کے بیچ

لے میر تھی سہ چٹیں گئی ہیں دل پر بلبلوں کے باغباں تو جو : عین میں توڑا ہے ہر سحر کلیوں کے تیں چٹ چٹ +

<p>کہ تنک ٹھہرے ترے سائے دیوار کے بیچ دانے سجے کے پرورشتہ زنا کے بیچ یہ جو اک خال پڑا ہے ترے رخسار کے بیچ کہ تامل کیے پایا اُسے گلزار کے بیچ جنس لگ جاو گی یہ بھی کوسر کار کے بیچ</p>	<p>آرزو مند ہے خورشید میرے کہاں کیا کہیں ہم کہ گلے ڈالے پھرینستی میں رشک خوبی کا اسی کے جگر میں سوداغ مل گیا پھولوں میں اس رنگ کرتے ہوئے سیر قدر تم کو نہ کرو میرے متاع دل کی</p>
<p>گر دسرفتہ ہیں اسے میر ہم اس کشتے کے رہ گیا یار کے جو ایک ہی تلوار کے بیچ</p>	
<p>اُسکی سی بونہ آئی گل ویا سمن کے بیچ اے کاش وہ زبان ہو میرے دہن کے بیچ سرنگی میں عمر گئی سب وطن کے بیچ تو آگ لگ اٹھے گی ہائے کفن کے بیچ پاتے ہیں لطف جان کا ہم تیرے تن کے بیچ چسپانی لباس سے پیارے بدن کے بیچ</p>	<p>کل لے گئے تھے یار ہیں بھی چمن کے بیچ کشتہ ہوں میں تو شیریں زبانی یار کا اس بھر میں رہا مجھے چکر بھنور کے طور گر دل جلا بھنا یہی ہم ساتھ لے گئے تنگی جانہ ظلم سے اے باعث حیات نازک بہت ہیں تو کہیں افسردگی نہ آئے</p>
<p>ہے قہر وہ جو دیکھے نظر بھر کے جن نے میر برہم کیا جہاں مرہ برہم زردن کے بیچ</p>	
<p>دانشہ جا پڑے ہے کوئی بھی بلا کے بیچ مشہور ہے فقیر بھی اہل وفا کے بیچ کوتاہی تم بھی ست کرو جو رجھا کے بیچ بیٹھا گیا نہ مجھ سے تو ایسی ہوا کے بیچ دیکھوں ہوں جسکو وہ اسی کی نما کے بیچ بوئے وفانہ پائی کسو آشنا کے بیچ</p>	<p>جانانہ دل کو تھا ترے زلف رسا کے بیچ فریاد و قس جس سے مجھ جا ہو پوچھ تو آخر تو میں نے طول ویا بحث عشق کو آئی جو لب پہ آہ تو میں اٹھ کھڑا ہوا اقبال دیکھ اُس ستم و ظلم و جور کا دل اس چمن میں بہتوں سے میر لگا و لے</p>
<p>جوش و خروش میر کے جانے رہے نہ سب ہوتا ہے شور چاہنے کی ابتداء کے بیچ</p>	
<p>روایت حائے حطی</p>	
<p>کچھ آگئی تھی سر و چین میں کسو کی طرح</p>	<p>یاد آ گیا تو بننے لگیں آنکھیں جو کی طرح</p>

چین جبین سے اسکی اٹھائی تو کی طرح
اب یہ نکالی تمنے نئی گفت گو کی طرح
یہ منزل خراب ہوئی ہے کبھو کی طرح
اس کشت میں ٹپری یہ ہماری نو کی طرح
سرا بتو جھجھرا ہے شکستہ سب کی طرح
گو پھول دل میں آگے کچھ اسکے رو کی طرح
مدت میں پائی یار کی یہ جستجو کی طرح
کچھ ہوگی جلتی آگ میں اس تند خو کی طرح
نازک نظر ٹپری بہت اس نو کی طرح

چسپاں قباوہ شوخ سدا غصے ہی رہا
گالی لڑائی آگے تو تم جانتے نہ تھے
ہم جانتے تھے تازہ بنائے جہانکو لیک
سر سبز ہم ہوئے نہ تھے جو زرد ہو چلے
وے دن کہاں کہ سبت سر انداز ہم میں تھے
تسکین دل کی کب ہوئی میر حین کیے
آخر کو اس کی راہ میں ہم آب گم ہوئے
کیا لوگ یوں ہی آتش سوز میں جا پڑے
ڈرتا ہوں چاک دلوں سے پلکوں سے

دھوئے ہیں اشک غولی سے بہت دین کو میر
طور نماز کیا ہے جو یہ ہے وضو کی طرح

اردیف دال مہملہ

بہت تر پاپا کیا جوں مرغ پر بند
راہوں بیٹھ میں بھی کر کے گھر بند
پڑا ہے ناگم آ کر بند بر بند
گھر کی ان نے عالم کی نظر بند
بلند از بسکہ ہے دیوار و در بند
تمام آہن ہے میرا اب جگر بند
بندھا خاشاک سے سیلاب پر بند
ہماری لب گزری ہے یہ شکر بند
پھر اموںڈھے یہ ڈالے بیشتر بند
تکھ اپنی چشم کو شام و سحر بند
گریباں میں ہے وہ دست نذر بند

زمین پر میں جو پھینکا خط کو کر بند
گرفت دل سے ناچاری ہو یعنی
پھنسا دل زلف کا کل میں نہ پوچھو
سب اسکی چشم پر نیزنگ کے مو
چمن میں کیونکہ ہم پہ بستہ جاویں
بہت پیکان تیر یا رٹو لے
ہوئیں رونے کی بانج میری پلکیں
کہا کیا جائے ان ہونٹھوں کے آگے
کھلے بندوں نہ آیاں وہ اوباش
یہی اوقات ہینگے وید کے میاں
چار ہتا تھا چہرہ جس سے سواب

فن اشعار میں ہوں پہلو اں میر
مجھے ہے یاد اس کشتی کا ہر بند

ہماری بات کو اسے شمع نرم کر دیا
ہمیں اسیر تو ہونا ہے اپنا اچھا یاد
نہ درو مندی سے یہ راہ تم چلے در نہ
ہزار فاختہ گردن میں حقوق پہنچے پھرے
جہاں میں اتنے ہی شوب کیا سہیلے بس
چمن میں اٹھتے ہیں بنا ہٹے سے ایو بلبل
ثبات قصور و بام و خشت و گل کتنا
چمن میں یار ہمیں لے گئے تھے دانہ تو
ہمیں تو مرنے کا طور اس کے خوش بہت آیا
نظر نہ کرتے طرف صید کے دم بسمل
چلے نہ تیغ اگر ہم نگاہ غنبد کر س
کب ان نے دل میں کر تھا ہم پہ طعنا
تمام رکھ بچاؤ میں اب تو پھر بس مرگ

زبان سُرخ سر سبز دیتی ہے برباد
کشش نہ دیا م کی کچھنی پوشش صیاد
قدم قدم پہ بھی یاں جائے الہ و فریاد
اسے خیال نہیں کچھ وہ سرو ہے آزاد
ابھی پڑ گیا مرے خون بگینہ سے زیاد
جگر خراش یہ نائے ہی میرے نہ سے زیاد
عمارت دل و رویش کی رکھو بنیاد
ہمارے ساتھ یہی غم ہی نالاشاد
طواف کرے جو میں غل ماتم فر باد
یہ ظلم تازہ ہوا اس کشدے سے ایجاد
ہماری اور نہ دیکھے خدا کرے جلا و
دسی نہ چشم دہی یاں سے جا دی بیداد
کہا کھولنے تو کیا عز اسمہ آسا و

اگرچہ تیغ بھی ہے پر خیرے یاں بد بہت
نہ پھر خیرے میں لے میرے خانماں برباد

عشق کو مہوئی گیا سب تن میں جو سودر و درد
کب مہی شب کو سحر ہے ایک مدھالی کے بیج
کاروان و کارواں یاں سے چلے جاتے ہیں لوگ
مرد و زن سب ہیں نہ پر درد و رخت تاک سے

بھول میری خاک سے نکلیں گے بھی سودر و درد
جاتا ہوں صبح ہو تو ہا ہوں میں جب سر و سرود
ہر طرف اس خاکدان میں دیکھتے ہیں گرد گرد
یہ غلط فہمی ہے ہر زن زن کو یا ہر مرد و مرد

دفتر اعمال میرا بھول جاویں میرے کاشش
ہے قیامت اس جرمیکو جو رکھیں فر و فرد

بہت ہے تن درد پر درد و درد
دہ بیمار گو تو نہ جانے مجھے

اُٹھ گئی مری خاک سے زرد گرد
مرا نامہ لکھنے کو ہو سر و زرد

گزر رہی ہے کیا میر دل پر ترے
تو ہوتا ہے ہر لحظہ کچھ زرد و زرد

ارویف رائے مہملہ

گرمی سے گفتگو کی کر لے قیاس جاں پر
دیکھ اس کے خط کی خوبی لگ جاتی ہو چپ ایسی
ہوں خاک جھکو آئسے نسبت حساب کیا ہو
گھر بارش میں بنایا پر ہم نے یہ نہ جانا
روتے ہیں دوست اکثر سن سگرزشت عاشق
کیا بات میں تب اسکی جاوے کو سے بولا
ترپے ہے دل ٹھہری بھرتو بہر و غش ہے

شعلہ ہو شمع ساں یاں ہر یک سخن زباں پر
گو یا کہ مہر کی ہے اُن نے مرے وہاں پر
میں گنتی میں نہیں ہوں وہم آسمان پر
بجلی سے بھی پڑے گا پھول کے آشاں پر
تو بھی تو گوشہ و اگر ملک میری داستاں پر
ہونے لگے ہوں خوں جب تھو کے گناں پر
کیا جانوں آفت آئی کیا طاقت نتواں پر

سودا بنے جو اس سے تو میر منفعت ہے

اپنی نظر نہیں ہے پھر جان کی زیاں پر

کیا اُجاڑا اس نگر کو لوٹ کر
خوب روئے دیدہ تر بھوٹ کر

میں مارا دل غموں نے کوٹ کر
ابر سے آشوب ایسا کب اُٹھا

کیوں گریباں کو پھروں پھا کر نہ میر
دامن اُس کا تو گیا ہے چھوٹ کر

دم پھینچ تہ دل سے کوئی بکڑے جگر کر
ہم رہ گئے حیران اسی منہ لفظ کر
ہر خط مری جان تجھے میری خبر کر
آتا ہے مرے جی میں ہیں عمر بسر کر
دل جاکے جگر کا دی میں کچھ تو بھی ہنر کر
رہ جاوے ہے جیسے کہ کوئی بجلی سے ڈر کر
ناشعہ تینکا بھی جو پہونچے ہے تو مر کر
پھر چاند نظر ہی نہ چڑھاجی سے اتر کر

اے مرغ چمن صبح ہوئی زمر میر کر
وہ آئینہ رو بارغ کی پھولوں میں جو دیکھا
ہے بختی جھکو ترے دیکھے سے ساتی
جسٹلے جائے سراپا میں نظر جاتی ہے اسے
فر باد سے پھر یہ ہوئی صنعتیں کیا کیا
پڑنے لگے اُس شوخ کی ہوتا ہو وہ احوال
معتشوق کا کیا وصل درے ایسا دھرا ہے
کیا شب طرف اس جہرہ تاباں سے ہوا تھا

کسب اور کیا ہوتا غرض ریختے کے کاش

پچھتاے بہت میر ہم اس کام کو کر کر

۱۵ لہ زرق تباہ قدم ہر جاکر می نگریم : کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست ۱۱ شعر مشہور

کس رنگ سے کرے ہے باتیں چاہیا کر
مٹی میں اٹ گئے ہیں اس خاکداں میں اگر
ناچار اب جہاں سے بیٹھے ہیں ہاتھ اٹھا کر
مرنے مواپہ ہرگز اودھ پھر نہ جا کر
بیٹھو جو مجھ سکنے تو پردے میں ہنہ چھپا کر
ہم تو ہوئے پشیمان دل کے تئیں لگا کر

جب تکلام ہے ہوتا ہے پان کھا کر
تھی جملہ تن لطافت عالم میں جاں کے ہم تو
سعی و طلب بہت کی مطلب کے تئیں پہونچے
غیرت یہ تھی کہ آیا اُس سے جو میں تھا ہو
قدرت خدا کی سب میں خلع العذار کو
ارمان ہے جنھوں کو دے اب کمر محبت

میں میر ترک لیکر دنیا سے ہاتھ اٹھایا
درویش تو بھی تو ہے حق میں مرے دعا کر

سو جی گئے تھے صدقے اس شوخ کے بدن پر
تواریں چلتیاں ہیں اُسکے تو اب چلن پر
کرتی ہے کیا تختہ لبس گل چمن پر
تم جانیو نہ ہرگز میر سے دوانے بن پر
یک نام یار بس ہے لکھنا مرے کفن پر
لینے لگے لڑائی اب تو سخن سخن پر
گر داک تنگ سی بیٹھے جس رنگ یاسن پر

پڑتی ہے آنکھ ہر دم جا کر صفائے تن پر
نام خدا کالے کیا پائوں رفتہ رفتہ
تو بھی تو ایک دن چل گلشن میں ساتھ میرے
دل جو بجا نہیں ہو وحشی سائیں پھروں ہو
درکار عاشقوں کو کیا ہے جواب نامہ
تب ہی بھلے تھے جب تک حرف شناس نہ تھے ہم
گر درخ اُسکے پیدا خط کا غبار یوں ہو

کس طرح میر جی کا ہم تو بکرنا مائیں
کل تک تھے داغے کے سب بکے پیر بن پر

کھلے بند مرخ چمن سے ملا کر
سودہ بھی گریباں میں منہ کو چھپا کر
بکاڑا تجھے خوب صورت بنا کر
جگر پھر گیا رات ہونٹھوں پیا کر
نہ پوچھا کبھو لطف سے ملک بلا کر
خجالت سے ہم رہ گئے سر جھکا کر
بہت ہم تو بھجائے دل کو لگا کر

سحر گوش گل میں کہا میں نے جا کر
لگا کہنے فرصت ہے یاں یکنہم
نسب یہ اعصا کے اتنا بخت
قیامت رہا اضطراب سکے غم میں
اسی آرزو میں گئے ہم جہاں سے
کھنچی تیغ اُسکی تو یاں نیم جاں تھے
مبارک تمھیں میر ہو عشق کرنا

لے مومن یہ ایک ہم ہیں جو ہوئے ایسے پشیمان کہ بس + ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ سکے اراں ہونگے

<p>صاف غلطاں غول میں ہے پتھر یار کو تھی کی میرے طول عمر نے اک گرد کی بانوں میں پٹری ہوئی ہے کشیدہ جیسے تیغ آفتاب</p>	<p>لے گیا رنگ اُس کے دل سے تیر یار جو میں تو کچھ نہ تھی تقصیر یار ہاتھ میں سونے کی وہ زنجیر یار میان میں رہتی نہیں شمشیر یار</p>
<p>میر تم تو ناز ہی بھینچا کیے کیونکہ کوئی کھینچے ہے تصویر یار</p>	
<p>نذیب سے میرے کیا تجھے تیرا دیار اور چلتا ہے کام مرگ کا خوب سنے دور میں بندے کو ان فقیروں میں گینے ز شہر کے دل کو تو لاگ ہی ہے تگوں راہ کب تلک بسل بسند کر کے تھو پسانہ دیکھنا میں اُس کے گرد رہ کار ہا منتظر بہت دور دسرا عجب شوق کا ہے گورتک ہے ساتھ کا ہیکو اس قرار سے تھا اضطراب خلق</p>	<p>میں اور یار اور مرا کا روبر اور ہوتی ہے گرد شہر کے روزاک مزار اور صاحب کے میرے جگو دیا اعتبار اور اس پر ہے یک عذاب شدید انتظار اور ہے میرے صیدیشہ کا طور شکار اور سکونکھیں دنوں لائیں مری اک غبار اور کچھ یہ نشہ ہی اور ہے اس کا خار اور ہوتا ہے ہاتھ رکھنے سے دل بقرار اور</p>
<p>کسکو فقیری میں سر و دل حرف کا ہے میر کرتے ہیں اس دماغ پہ ہم انکسار اور</p>	
<p>دعوے ہے یونہی اسکا ترے حسن گوش پر شاید کسو میں اس میں بہت ہو گیا ہے بعد جیب و کنار سے تو بڑھاپانی دیکھئے اک شور ہے جو عالم کون و فساد میں ہے بار دوش جھکے لیے زندگی سو وہ جو ہے سو مست بادہ دہم و خیال ہے مرغ چین نے کیا حق صحبت ادا کیا</p>	<p>یاں کون تھو کے ہے عقد ہرزہ گوش پر تم بھی تو گوش رکھو جس کے خروش پر چشمہ ہماری چشم کا رہتا ہے جوش پر ہنگامہ ہے اُسی کے یہ نعل خموش پر رکھ ہاتھ راہ ملک نہ چلا میرے دوش پر کسکو ہے یاں نگاہ کسو تو دوش پر لالا کے گل بچھیرے مرے قبر پوش پر</p>
<p>جب تک بہار رہتی ہے رہتا ہوسست تو عاشق ہیں میر ہم تو ترے عقل و ہوش پر</p>	

<p>غصے سے تیغ اکشر اپنے رہی گلو پر ہونے لگے ہیں اب تو خون اسکی خاک کو پر دیتی ہے جان بلبل پھولوں کے رنگ بو پر شایستہ بھی ہمارے ایسے ہی تھے کبھو پر سلک گھر بھی صدتے کئے اسکی گفتگو پر میں رو کبھو نہ رکھا گسٹخ اسکے رو پر</p>	<p>کیا جانیں گے کہ ہم بھی عاشق ہوئے کسو پر ہر کوئی چاہتا ہے سر نہ کرے نظر کا کر باغیاں جیالنگ گل کو نہ ہاتھ میں مل حسرت سے دیکھتے ہیں پرواز مہصفراں حرف دشمن کرے ہے کس لطف سے برابر گو شوق سے ہو دل خوں مجک و ادب ہی تہ</p>
---	---

نہ راکھ سے ماسب آنکھیں پی سی جلتی
ٹھہری نظر نہ جو کی میسر اس فقیہ مو پر

روایف زائے مجھ

<p>مارا ہے بیگناہ و گناہ اس طرف ہنوز طیڑھی ہو اسکی طرن کلاہ اس طرف ہنوز آتا نہیں وہ غیرت ماہ اس طرف ہنوز پڑتی نہیں ہر یار کی راہ اس طرف ہنوز پھرتا نہیں وہ آنکے واہ اس طرف ہنوز وہ دیکھتا بھی کتنیں آہ اس طرف ہنوز</p>	<p>ہے تند و تیز اسکی نگاہ اس طرف ہنوز سرکٹ کر ہم اسکے قدم کے تلے رکھا مدت سے مثل شب ہے مرا تیرہ روز نگار پتھر اگئیں ہیں آنکھیں مری نقش پاکے طور جسکی جہت سے مرنے کے نزدیک ہو پیغم آنکھیں ہماری منہ جلیں ہیں جس بغیر یاں</p>
--	---

برسوں سے میسر ماتم مجنوں ہے دشت میں
روتا ہے آکے ابر سیاہ اس طرف ہنوز

روایف سین مہملہ

<p>میں اس راہ میں فریادیں بس جہاں بولے لگا کہنے کہ بس بس ہمیں داغ دل و کینچ نفس بس کر دے کب تلک ہم پیر بس رہے ہم ہی تو روئے اس بس بس ہمارے خاک کو ہے خار خوش بس بہت نکلی ہماری بھی ہوں بس</p>	<p>گلامت توڑ اپنا اسے جرس بس کبھو دل کی نہ نہنے پائے اس سے گل دگلزار سے کیا قیدیوں کو نہ ترساؤ یکا یک مار ڈالو بہت کم دیتے تھے بادل دکھائی کسو محبوب کے ہو گو رہ پر گل چمن کے غم میں سینہ داغ ہو میسر</p>
---	---

<p>باجا</p>	<p>نہ سبے خوں دل و جگر ہے بس گر ہوس ہو اسی قدر ہے بس بس ہمیں تو یہی سفر ہے بس کبھو پوچھو جو تم خبر ہے بس</p>	<p>عشق میں غم نہ چٹم تر ہے بس رہ گئے تمہے نہوں سے نوح کے ہم اب سے جا کر کے پھر نہ آئے ہم چاہ میں ہم نہیں زیادہ طلب</p>
<p>چٹم پوشی نہ کر فقیر ہے میر مہر کی تم سکو اک نظر ہے بس</p>		
	<p>مری بخت آزمائی ہو چکی بس تو پھر اپنی رہائی ہو چکی بس بہت باہم لڑائی ہو چکی بس یہیں تک آشنائی ہو چکی بس غموں کی اب سمائی ہو چکی بس فلک بس بے ادائی ہو چکی بس ہمارے ہاتھ آئی ہو چکی بس تری قدرت نمای ہو چکی بس جہاں دے ٹک دکھائی ہو چکی بس</p>	<p>امیروں تک رسائی ہو چکی بس ہمارا اب کی بھی جو گزری نفس میں کہا تک اس سے قصہ قضیہ شرب نہ آیا وہ مرے جاتے جہاں سے لگا ہے حوصلہ بھی کرنے تنگی برابر خاک کے تو کر دکھایا دنی کے پاس کچھ رہتی ہے دولت دکھا اُس بت کو پھر بھی یا خدا یا شر کی سنی ہے چشم فرصت عمر</p>
<p>گلے میں گیر دی کفنی ہے اب میر تمھاری میر زائی ہو چکی بس</p>		
<p>رولیف شین مجھ</p>		
	<p>کھتے ہیں دیوار بھی رکھے ہے گوش اُس کی مستی دیکھ کر جاتا ہے ہوش قد و خد و گیسو و عمل خموش چاندنی سے ہو جو میرا قبر پوش اور کیا کرتے ہیں مفلس درد نوش گر نصیب دشمنان ہے درد گوش</p>	<p>اُس کے در پر شب نہ کرے دل نروش پانوں پڑتا ہے کہیں آنکھیں کہیں کتنے یہ فتنے ہیں موجب شور کے مر گیا اس ماہ بن میں کیا عجب صافی سے چادر اپنی میں نے کی دوستوں کا درد دل ٹک گوش کر</p>
	<p>ایک لوطی ہو وہ ظالم سرفروش</p>	<p>جب تب لٹا ہے بازار وین میر</p>

طرح خوش باز خوش اس کی ادائوش ہمیں ناساز قبر اپنا کسو کا ہوں کے غم میں نالاں جب نہ تب ہوں کلی رکتی ہے گل ہے دل پریشاں ہمان تنگ کڑھنے ہی کی جبا تھی راہ پھولوں میں کرتا زمرہ میں	خوشا ہم جو نہ رکھے ہم کو تا خوش خرابی کی ہماری ہے ہوا خوش نہ راضی خلق مجھ سے نے خدا خوش کسو کی اس چمن میں گزرے کیا خوش کوئی دن میں تکلف سے رہا خوش مری اس باغ میں گزری سدا خوش
---	---

گیا اس شہر ہی سے میرا آخر
تھاری طرز بد سے کچھ نہ تھا خوش

فکر میں مرگ کے ہوں سر در پیش کسکی تم نکھیں پھر میں ہی نکھیں ستی بھی اہل ہوش کی ہے جنھیں کیا کردن نفل راہ ہستی میں	ہے عجب طور کا سفر در پیش وہ دم ہے مری نظر در پیش اوسے ہے عالم دگر در پیش مرحطے آئے کس قدر در پیش
--	---

کیا پتنگے کو شمع روئے میر
اس کی شب کو بھی ہو سحر در پیش

ہوں تو دریا پر کیا ترک خروش مست رستے ہیں ہم اپنے حال میں عاقبت تجھ کو لباس راہ راہ ہو نہ آگے میرے جوں سون زباں	دل کی دل ہی میں کھپائے اپنے جوش عرض کرے حال پہنے کسے گوش لے گیا ہے راہ سے لے تنگ پوش ہو سکے تو گل کے رنگوں رہے گوش
---	---

میر تو طفلان تہ بازار میں
دیکھو شاید ہو وہ دلفردش

رویت صاوملہ

ہے دل بتیا بکا بھی ویسا قص	قص سہل تم سنو ہو جیسا قص
----------------------------	--------------------------

رویت صاوملہ

آج رکھ آیا کر میں پیش قبض	سو ہی تھیں ہی مجھ پہ گھر میں پیش قبض
---------------------------	--------------------------------------

<p>ردیف طائے مہملہ</p>	
<p>شاید اس سادہ نے رکھا ہے خط شوق سے بات بڑھ گئی تھی بہت نامہ کب یار نے پڑھنا سارا ساتھ ہم بھی گئے ہیں دور ملک</p>	<p>کہ ہیں متصل لکھا ہے خط دفتر آسکو لکھیں ہیں کیا ہے خط نہ کہا یہ بھی آشنا ہے خط جب ادھر سے تیں چلا ہے خط</p>
<p>کچھ خلل راہ میں ہوا سے میر نامہ برکب سے لے گیا ہے خط</p>	
<p>اہم نہ سمجھے رابطہ ان نوخطوں تھا غلط</p>	<p>ہوتے ہیں بر خود غلط یہ ہو گیا یہ کیا غلط</p>
<p>کہتے ہو کیا کیا لکھا ہے خط میں مجھ کو میر نے کب کہا کن نے یہ سب جھوٹہ اقرار کیا غلط</p>	
<p>ردیف طائے مجھے</p>	
<p>جو وہ ہے تو ہے زندگانی سے خط نہیں وہ تو سب کچھ بے لطف ہے</p>	<p>مزا عمر کا ہے جوانی سے خط نہ کھانے میں لذت نہ پانی سے خط</p>
<p>کہا درود دل رات کیا میر نے اٹھایا بہت اس کہانی سے خط</p>	
<p>ردیف عین مہملہ</p>	
<p>آگے جب اس آتشیں رخسار کے آتی شمع ہے مری ہر اک غزل پر اجتماع وجد میں رکھتا ہے اہل فہم کو نیم بسمل چھوڑ دینا جسم کر کچھ ضرر عاید ہو میر سے ہی اور یار دشمن ہو گیا اس کے سبب دل جگر خوں ہو کے زحمت ہو گئے</p>	<p>یانی پانی شرم مفرط سے ہوئی جاتی شمع خافقہ میں کرتے ہیں صوفی سماع میرے شعر و شاعری کا استماع اس شکار افکن کا ہے گا انصرع ورنہ اس سے سب کو پہنچا اتھاع ہے متاع دوستی بھی کیا متاع حسرت آلودہ ہو گیا اشک و دواع</p>
<p>میر و رول نہ کہہ ظالم بس اب ہو گیا ہے سامعوں کو تو صدراع</p>	

رویف غین مجہ

اب نہیں سینے میں میرے جاے داغ دل جلا آنکھیں جلیں جی جل گیا دل جگر جگر ہوئے ہیں دونوں ایک منفعل ہیں لالہ و شمع و حسد داغ	سوز و دل سے داغ ہے بالائے داغ عشق نے کیا کیا ہمیں دکھلائے داغ درمیان آیا ہے جب سے پائے داغ سمنے بھی کیا عاشقی میں کھائے داغ
--	--

وہ نہیں اب میر جو بھاتی جلیے
کھا گیا سارے جگر کو پائے داغ

صحبت کسو سے رکھنے کا اسکو نہ تھا داغ باتیں کرے برشتگی دل کی یہ کہیاں دو حرف زیر لب کہے پھر ہو گیا خموش کر فکر اپنی طاقت فکری جو مضمینیت	تھا میر بے داغ کو بھی کیا بلا داغ کرتا ہے اس داغ جلیے کا دفا داغ یعنی کہ بات کرنے کا کس کو رہا داغ اب شعر شاعری کی طرف کب لگا داغ
--	--

آتش زبانی شمع نہط میر کی بہت
اب چاہیے موان ہیں جل گیا داغ

رویف فائے

کیا پیام و سلام ہے موقوف حیرت حسن یار سے چپ ہیں روز و وعدہ ہے ملنے کا لیکن وہ نہیں ہے کہ واو لے چھوڑیں بیش مرگاں دھڑے رہے خجھر کہتے صاحب کچھ بولا تے تھے	رسم ظاہر تمام ہے موقوف سب سے حرف کلام ہے موقوف صبح موقوف شام ہے موقوف اب ترجمہ یہ کام ہے موقوف آگے زلفوں کے دام ہے موقوف سودقا و سلام ہے موقوف
---	---

اقتدا میر ہم سے کس کی ہوئی
اپنے اب ہاں امام ہے موقوف

رویف قاف

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق دل لگا ہو تو جی جہاں سے اٹھا	حق شناسوں کا ہاں خدا ہے عشق موت کا نام پیار کا ہے عشق
--	--

<p>اور تدریس کو نہیں کچھ دخل کیا دیا محیط میں غم کے عشق سے جانیں کوئی خالی کو کہن کیا پہاڑ کاٹے گا عشق ہے عشق کرنے والوں کو کون مقصد کو عشق بن پہونچا</p>	<p>عشق کے درد کی دوا ہے عشق سننے جانا تھا آشنا ہے عشق دل سے لے عرش تک بھرا ہے عشق پر دے میں زور آزا ہے عشق کیسا کیسا بہم کیا ہے عشق آرزو عشق مدعا ہے عشق</p>
<p>میرزا پیرے ہے خواہاں پر عشق مت کر کہ بد بلا ہے عشق</p>	
<p>گر بادے میں جکڑے صبا کے جائے شوق وصل وجدائی سے ہے بڑا وہ کام جاں ہر چار اور اڑتی پھرے ہے ہماری خاک دیر و حرم میں ہکو پھرتا ہے دیر تک افسوس ایسے کوچے سے تم آشنا نہیں درو اور آہ و نالہ کرے ہے دم حسرت</p>	<p>مجنوں کو میری اور سے کیوں عاے شوق معلوم کچھ ہوا نہ ہمیں یاں سوائے شوق سر سے گئی نہ جی بھی گئے پیرہائے شوق پھر بھی ہمارے ساتھ دسی ہوا لے شوق کیا درد ناک لمحہ بھی کوئی ہے نوائے شوق یہشت پر ہے مرغ گلستاں پہ لے شوق</p>
<p>کیا پوچھتے ہو شوق کہا تک ہو ہکو میر میرزا ہی اہل درد کا ہے انتہائے شوق</p>	
<p>ردیف کاف تازی</p>	
<p>ہر حید صرف غم ہیں لے دل جگر سے جاں تک کیا کوئی اُس کے رنگوں گل باغ میں کھلا ہو دو چار دن جو ہوں توڑک رک کے کوئی کاٹے ان جلتی ہڈیوں کو شاید تمہا نہ کھاوے</p>	<p>لیکن کبھی شکایت آئی نہیں زباں تک شور آج بلیوں کا جاتا ہے آسمان تک ناچار صبر کرتا عاشق سے ہو کہاں تک تب عشق کی ہماری پہونچی ہے استخوان تک</p>
<p>روئے جہاں جہاں ہم جوں ابر میرا س بن اب آب ہے ہر اسر جاوے نظر جہاں تک</p>	
<p>ردیف کاف فارسی</p>	
<p>قل گہ میں دست بوس اسکا کر میں فی الفور لوگ</p>	<p>ہم کھڑے تلوار کھاویں نقش ماریں اور لوگ</p>

<p>کج روی ہم عاشقوں سے اسکی بس اب جاچکی نہم تیغ یار غایر ہو کے پہونچا دل تلک جا کے دنیا سے تجھے یاد آؤں گا میں بھی بہت</p>	<p>ایک تو ناساز پھر اس سے ملے بیطور لوگ حیف میرے حال پر کرتے نہیں غور لوگ بعد میرے کب اٹھا وینگے ترے یہ جو لوگ</p>
<p>رسم و عادت ہے کہ ہر ایک وقت کا ہوتا ہے رنگ میر بارے یاد کر رو دینگے کیا یہ دور لوگ</p>	
<p>چاک دل ہے انار کے سے رنگ کام میں ہے ہوائے گل کی موج تاب ہی میں رہے ہے اسکی زلف کیا جو افسردگی کے ساتھ کھلا برق ابر بہار نے بھی سیلے کنج پختہ گہ میں ہیں مامون عمر کا بھی ٹس رنگ جاتا ہے برگ گل میں نہ دل کشی ہوگی</p>	<p>چشم پر خوں نگار کے سے رنگ تیغ خونریز یا رکے سے رنگ انہی سچیدار کے سے رنگ دل گل بے بہار کے سے رنگ اب دل بیتار کے سے رنگ ہم بھی لاغر نسکا رکے سے رنگ اہلن روزگار کے سے رنگ کف پائے نگار کے سے رنگ</p>
<p>اس بیا باں میں میر محو ہوئے ناتواں اک غبار کے سے رنگ</p>	
<p>روایت لام</p>	
<p>اب کی ہزار رنگ گلستاں میں لے گل بلبل کو ناز کیوں نہ خیابان گل پہ ہو کب تک خالی پانوں بن اسے یہ بیکلی ناچار ہو چمن میں ترہیے کہوں ہو را جب چلیے نعل میں لے کے گلانی کسو طرقت بگڑی میں پھول رکھتے ہیں غما جان سہر بلبل کو کیا ستے کوئی اڑ جاتے ہیں جو اس سو یا نہ ہو بدن کی نزاکت سے ساری رات مصروف یار چاہیے مرغ چمن سا ہو</p>	<p>پیر اس بغیر اپنے تو جی کو نہ بھائے گل کیا جانے جی نے چھاتی پہ بھر کر نہ کھائے گل لگائے ٹلک چمن میں ہیں آنکھ پائے گل بلبل کسے ہے اور کوئی دن برائے گل داناں دلو کھینچے ہے ساتی ہوئے گل وارغ جنوں ہی سر پہ رہا یاں بجائے گل جب دروند نہ تھی ہو دم بھگے ہائے گل بستر پہ اسکے خواب کی کن بجھائے گل دل نہ رد دیدہ پیشش جان ندائے گل</p>

<p>معلوم ہوتی آگے جو ہم کو دفائے گل ہے چاک شک جامہ سے اسکے قبائے گل بلبل نے اور کچھ نہیں دیکھا سوائے گل</p>	<p>ہم طرح آشیاں کی نہ گلشن میں ڈالتے چسپاں لباس ہوتے ہیں لیکن نہ استقدر کیا سمجھے لطف پھروں کے رنگ بہار کا</p>
<p>تھا وصف آن لیون کا زبان قلم پہ میسر یامتنہ میں عندلیب کے تھے برگہائے گل</p>	
<p>الہی غنچہ ہے پرمروہ یاد دل رہے ہم جب تلک آئیں رہا دل کروں کیا دیکھتے ہی جہل گیا دل علم اپنا یہ دنیا سے اٹھا دل پسیر دل ہے قبلہ دل خدا دل کیا ہے اس بھی نظر کے نے بڑا دل</p>	<p>نہ تلک واشد ہوئی جبے لگا دل نہ اس سے یا نہیں آ گیا حیف اٹھا یاد داغ لالہ نے چمن سے نہیں کم راست اقبال شہ سے ہمارا خاص مشرب عشق اس میں ہمارے مٹھ یہ طفل اشک دوڑا</p>
<p>بھوں سے مہر بیگانے سے رہتے جو ہوتا اس سے کچھ بھی آشنا دل</p>	
<p>تر ہے برق خاطف اس طرف گزرا ہی لا حاصل گیا دست تھی بے یاں سے یہ کچھ کر گیا حاصل آئیں سے چاروانے لادیوں جا بجا حاصل خودی سے کوئی نکلے تو اسے ہو دے خدا حاصل وہی مطلب ہو کم دیکھیں کب ہو مدعا حاصل اٹھا حسرت سے ماتہ آخر ہیں یہ کچھ مدعا حاصل</p>	<p>نہ خوشہ یاں نہ دانیاں جلا نا لگا س کیا حاصل سکندر رو کے مالک سات تعلیموں کا آخر کو بلا قحط مردوت ہے کہ ہے محصول غلے پر نہ بھینچیں کیونکہ نقصاں ہم توقیدی ہیں نہیں کے عبارت خوب لکھی شاعری انشا طرازی کی بہت مصروف کشت و کار تھے فزع میں دنیا کے</p>
<p>پھر امت میسر سر اپنا گراں گوشوں کی مجلس میں مٹے کوئی تو کچھ کہئے بھی اس کہنے کا کیا حاصل</p>	
<p>روایتِ میم</p>	
<p>بزرگ آگے ہیں تھارے ستم سے ہم پر کچھ نہ پوچھو سمجھے نہیں جاتے ہم سے ہم پسیری میں اپنی آن لگے ہیں قدم سے ہم</p>	<p>جی کے تئیں چھپاتے نہیں یونہی غم سے ہم اپنے خیال ہی میں گزرتی ہے انہی عمر زرا نہ یہ سر ہے قامت خم گشت کے سبب</p>

<p>بتخانے میں جو آئے ہیں جل کر حرم سے ہم اک چشمداشت رکھتے تھے ترکانِ ہم سے ہم اب کب تسلی ہوتے ہیں قول و قسم سے ہم بدنام ہیں جہان میں عشقِ صنم سے ہم جوں شیشہ پھیل پھوٹ پڑے آنکھ سے ہم</p>	<p>جوں چمک میر حاج کا ہے خوارِ جان ساز روتے بھی ان نے دیکھ کے سکو کیا نہ رحم بد عہدیاں ہی کرتے تھے اُسکو سالِ ماہ زنا ساز بندھا ہے گلے اپنے اب تو کفر لوگوں کو وصف کر نیسے بالیدگی ہوئی</p>
<p>ظہر میں رکھے ہے ایک سخن چار چار میر کیا کیا کہا کریں ہیں زبانِ قلم سے ہم</p>	
<p>واقف نہیں ہواے جن سے اسیر ہم دلتنگی سے نکل گئے ہو کر فقیر ہم</p>	<p>سر زیرِ پر ہیں دیر سے اے ہم صغیر ہم کیا ظلم تھے لباس میں اس تنگ پوش کے</p>
<p>دیکھ اُس کو راہ جاتے تو بجال ہو گئے اب دیکھیے بجال کب آتے ہیں میر ہم</p>	
<p>تو یہی آج کل سدھارے ہم جاگے گور کے کتارے ہم شب کو رہتے ہیں گفنے تارے ہم انس رکھتے ہیں تم سے پیارے ہم دیکھیں گے کل جو ہونگے ہمارے ہم جیتے تم یہ قمار ہمارے ہم</p>	<p>جو رہے یوں ہیں غم کے مارے ہم مرتے رہتے تھے اسپریوں پر اب دن گزرتا ہے دم شمار میں ہے مروت سے اپنی وحشت دور زندگی بار دوش آج ہے یاں جاچکی بازی یعنی مرتے ہیں</p>
<p>میر آؤ گے آپ میں بھی کبھو سخت شقاق ہیں تمہارے ہم</p>	
<p>بلا پر چلے آئے ہر ہر قدم اٹھایا گیا ہم سے مر مر قدم خدا جانے پڑتا تھا کیدھر قدم چلے ہوں گے یہ راہ جو بھر قدم کہ ہر گز نہ اُسکا ہوا تر قدم گئے ہو ہمارے قدم پر قدم</p>	<p>گئے عشق کی راہ سر کر قدم عجب راہ پر خوف و شکر گزر بہت مستی عشق پاغند تھی ہوا ہوگا خالی بدن جاں جب وہ عیار یوں چشم تر سے گیا جا کر کہ ہے ان سر سے گزروں عشق</p>

جو کچھ آوے سالک کے آگے ہے خیر ہیں سرکشی سریت دی سے کیا	رکھا ہم نے اب گھر سے باہر قدم رہے ضعف میں ہم تو سرور قدم
کہیں کیا گفت یا میں میرا بے چلیں ہم سروں پر گھر دھڑ قدم	
میرا آج وہ بدست ہے ہشیار رہو تم جی جاے کسی کا کہ رہے نکو قسم ہے وہ مجھ حال اپنے ہے پروا نہیں اسکو اس معنی کے اور اک سے حیرت ہی چھل یکبار ہوا دل کی تسلی کا وہ باعث ہو لطف اسی کا تو کوئی کام کو پہونچے	ہے بخبری اُس کو خبردار رہو تم مقدور ملک درپے آزار رہو تم خواہاں رہو تم اب کہ طلبکار رہو تم آئینہ نمط صورت دیوار رہو تم یہ کیا کہ اسی طور پر ہر بار رہو تم تسبیح گلے ڈال کے زنا رہو تم
کیا میرا برے چال سے جینے کے چلے ہے بہتر ہے کہ اپنے تئیں اب مار رہو تم	
اک لک شتاب جاتے ہیں ورنہ جہاں سے ہم ہر بات کے جواب میں گالی کہاں ملک وعدہ کرو تو سوچ لو مدت کو دل میں بھی اُلجھاؤ دل کا جس سے ہے جھنجھلا کے انخیر لاویں ہماری خاک پر اس کینہ در کو بھی دربان سنگدل نے خبرواں ملک نہ کی	کچھ ہو رہے ہیں غم میں ترسے نیم جاں سے ہم اب جاں بلب ہوئے ہیں تھاری زبان سے ہم یہ حال ہے تو دیر رہیں گے کہاں سے ہم جھگڑا کیا کریں ہیں زمین آسماں سے ہم یہ کہ مومن گئے اپنے ہر اک مہرباں سے ہم سر مار مار صبح کی اس آستان سے ہم
جب اُس کی تیغ رکھنے لگا اپنے پاس میر اُمید قطع کی تھی تبھی اس جواں سے ہم	
بیماری دلی سے زار و تزار ہیں ہم مارا تر پتے چھوڑا خنجر اک سے نہ باندھا ہر دم حبیب خراشی ہر آن سینہ کاوی حور و قصور و غلمان ہمہ وقیم جنت بیحد و حصر گر دشمن اپنی ہے عاشقی میں	اک مشت استخوان ہیں پر اپنے بار میں ہم بے چشم و رو کو سو کے شاید شکار ہیں ہم حیران عشق تو ہیں پر گرم کار میں ہم یہ کلمہ جہنم مشتاق یا رہیں ہم سوائے شہر و دیہ و دشت و دیار ہیں ہم

<p>دیوار دور سے کندہ بے اختیار میں ہم کیا جانے کہ کیسے دل کے بجا میں ہم عشق و جنوں کے اپنے ناموں میں ہم</p>	<p>اب سیل سیل آنسو آتے ہیں چشم تر سے روتے ہیں یوں کہ جیسے شربتِ ابر سے اب تو گلے بندھا ہے زنجیر و طوق ہونا</p>
<p>لیتا ہے میرِ عبرت کوئی جو دیکھتا ہو کیا یار کی نگلی میں بے اعتبار میں ہم</p>	
<p>ان بد مزاجیوں کو پھوڑ دے بھی کبھی تم پیدا نہیں کہ کس کی کرتے ہو جستجو تم خدا ہنس دلوں کی تم ہوا نکھو کی آرزو تم مت بیٹھو آرسی کے ہر لحظہ رو برو تم سوزندہ آگ کی کیا سکھے ہو ساری جو تم ہم ہیں نواسے بلبل ہو گل کی رنگ بو تم</p>	<p>ہر سر سخن یہ اب تو کرتے ہو گفتگو تم یاں آپ ہی آپ کر گم آپ میں ہوئے ہو چاہیں تو تم کو چاہیں دیکھیں تم کو کبھی حیرت زدہ کسوی یہ آنکھ سی لگے ہے تھے تم بھبھو کے سے تو پر اب جلا سی رو نسبت تو ہمد گر ہے گو دور کی ہو نسبت</p>
<p>دیکھ اشکِ سُرخ بولایہ رنگِ در لائے اب میرِ منہ پہ آنسو یا روتے ہو ہو تم</p>	
<p>ردیف نون</p>	
<p>دل کے پہلو سے ہم آتش میں ہیں و آد اب میں ہیں ہم بھی کہنے کے میں عالمِ اسباب میں ہیں قافلے چلتے کوتیار ہیں ہم خواہ اب میں ہیں کشتیاں نکلیں سو کیا آن کے گرد اب میں ہیں پاس اس طور کے بھی عشق کے آد اب میں ہیں دل چلے یہ تو رخ سے ترے تہاب میں ہیں</p>	<p>ٹھنڈی سائیں بھریں ہیں جتنے ہیں کیا اب میں ہیں ساتھ اپنے میں اسبابِ مساعد مطلق غفلتِ دل سے ستم گزریں ہیں سو مت بوجھو عشق کے ہیں گے جو سرگشتہ طرے ہیں ڈوبے دور کیا اس سے جو بیٹھے ہے غبارِ اپنا دور سے فروغِ مہتاباں سے فسراغِ کلی</p>
<p>ہم بھی اس شہر میں ان لوگوں سے ہیں خانہ خراب میر گھر بار جنھوں کے رہ سیلاب میں ہیں</p>	
<p>الگ بیٹھا خانا بندوں کو آنکھوں میں جاؤں میں جگر ہو کمرے کمرے گر چن کی اور جاؤں میں</p>	<p>کہے تو ہنیشِ رنگِ تصرف کچھ دکھاؤں میں نہیں ہوں بے ادب اتنا کہ کل سے منہ لگاؤں میں</p>
<p>لے میر تقی میر سے دور بیٹھا عبا ر تیر اس سے : عشق بن یہ ادب نہیں آتا ۱۲</p>	

کہاں تک یار کے کوچے سے جا کر پھڑکوں میں
خردیاری نہیں مطلق کہاں جا کر بکاؤں میں
کسو پتھر سے ٹیلوں ہوں ابھی جو سر اٹھاؤں میں
گھر لہائے شیریں پر کسو کے نہ ہر کھاؤں میں
کہیں آنکھ اُسکو ملتی ہے جو آنکھیں تک ملاؤں میں
تھیلی پر گر سرسوں ترے آگے جماؤں میں
جو تک راہ سخن نکلے تو سو باتیں بناؤں میں
مزاج ایسا بہت چاہا کہ سوئے کعبہ لاؤں میں
تمنا ہے گلزارِ راز سے اپنا بندھاؤں میں

کیا ہے اضطراب دل نے کیا جھکوبک آخر
وفا کا رواں رکھتا ہوں لیکن شہرِ خوبی میں
مجھے سرورِ گریباں رہنے دو میں بے توقع ہوں
بلا حسرت ہر یار بکام دل کیونکر کروں حاصل
نہ روؤں حال پر کیونکر بلانا آشنا ہے وہ
نہ اسے رشک بہار آنکھیں اٹھاؤ پست پاستے تو
کہوں کیا صحبت اس سے ہر گھڑی بگڑتی ہی جاتی ہے
نگاہ حسرت بتِ میر سے جانے کی مانع ہے
اسیرِ زلفت کو اس بت کے کیا قیدِ مسلمانی

کہوں ہوں میر سے دل وے کہیں ناجی لگے تیرا
جو ہو نقصان جان اُسکا تو کیونکر پھر مٹاؤں میں

غم سے پانی ہو گئے کب کا بہ گیا میں ہوں کہاں
پھول میں اس بلوغِ خوبی سے جو لوں تو لوں کہاں
جائے گریہ ہے جہاں لیے کہاں بھنوں کہاں
اُسکی چشم پر فسون کے سامنے افسوں کہاں
سرور کا مصرع کہاں وہ قامت موزوں کہاں
پر کہیں لگتا نہیں جی ہائے میں دل دوں کہاں
اب گئے پر اُس کے دیسی رونق ہاؤں کہاں
پر سمجھتا ہے سہارا یہ دل مخموروں کہاں
اب کہاں فریادِ شیریں خسرو گلگوں کہاں
وطنِ مہندھ تھا ہے جی بہت پر باغیں پاؤں کہاں

روحِ چکا خون جگر سب اب جگر میں خوں کہاں
دوست و دامنِ جیبِ نہ غوش اپنے اس لائق نہ تھے
عاشق و معشوق یاں آخر فسانے ہو گئے
آگ برسی تیرہ عالم ہو گیا جادو سے پر
سیر کی رنگیں بیاض باغ کی ہم نے بہت
کوچہ ہر یک جائے دلکش عالم خاکی میں ہے
ایک دم سے قیس کے جنگل بھارا رہتا تھا کیا
ناصح مشفق تو کہتا تھا کہ اس سے مت بچے
باد کے گھوڑے پہ تھے اس باغ کے ساکن سوار
کھا گیا اندوہ مجھ کو دوستانِ رفتہ کا

تھا وہ قتنہ ملنے کے گوں کب کسی درویش کے
کیا کہیں ہم میر صاحب سے ہوئے مقتول کہاں

سوز و دردِ داغِ عالم سب جی کو گھیرے پھرتے ہیں

عشق نے خوار و ذلیل کیا ہم سرور کو پھیرے پھرتے ہیں

اس سے مت بچے یعنی اس سے نہ مل اس طرح سے بولنا اب سرور کو نہ گزرا دلی دیشو میں اب بھی اسی طرح بولے ہیں اسی

<p>باس نہیں سبب بھی کیوں دن میرے پھرتے ہیں ہم درویش طلب میں سکے ڈیرے ڈیرے پھرتے ہیں ہم کہتے ہیں تسلی دل کو ساتھ سویرے پھرتے ہیں جیسے خیالی پاس لیے قصیر چترے پھرتے ہیں سید جانو لے اُدھر کے کس کے پھیرے پھرتے ہیں</p>	<p>ہر شب ہوں سرگشتہ و نالالاس بن کوچہ و بزم میں دل شکریں ایک سپاہی زادے نے سمیٹے چھین لیا بخود اسکی زلف درخ کے کا ہے کو آپ میں پھر آئے نقش کسوکا درون سینہ گرم طلب ہیں ایسے رنگ برے اگر شمشیر سروں پر تھکھ موڑیں زہار نہیں</p>
<p>جائے نگار اودہ کہیں ساتھ کو میرے دیکھے تھے خجنگ تک اب بھی آنکھوں میں اسکی یادیں تیرے پھرتے ہیں</p>	
<p>جائیں یاں سے جو ہم اداس کہیں اوسوں بھتی نہیں ہے پیاس کہیں کوئی چھپتی ہو گل کی باس کہیں تکڑے ہو کر گیا باس کہیں ہم جو ہوں اُسکے پاس کہیں نہ ملا حیف حق شناس کہیں اس سے کوئی نہیں نرس کہیں جان کا بھی نہیں ہر اس کہیں</p>	<p>صح ہوتے نہیں جو اس کہیں دلی دوا شکستہ نہ نکلی بھڑ اس یادو شیو بھی آئے ہے واں سے اس جنوں میں کہیں ہے سرخاک گردسریار کے پھر میں پھروں سب جگہ لوگ حق و ناحق پر ہر طرف ہیں امید دایار عشق کا خود دست شیریں ہوں</p>
<p>عرش تک تو حیاں پہونچے میرے وہم پھر ہے کہیں قیاس کہیں</p>	
<p>یار بن لگتا نہیں جی کا شے ہم مر رہیں کیا کریں باوین کہاں گھر میں رہیں باہر رہیں تنگ آئے ہیں بہت باپ ہی ہو کر رہیں کیا جیسے وہ جسکے جی کو روگ یہ اکثر رہیں متصل تڑپے ہے کب تک ہاتھ دِل پر رہیں</p>	<p>جائیں تو جائیں کہاں جو گھر رہیں کیا گھر رہیں دل جو اکتاتا ہے یارب رہ نہیں سکتے کہیں وہ نہیں جو تیغ سے اُس کے گلا کٹو ایسے بید ماغی بیقرار سی بے کسی بے طاقتی مضطرب ہو ایک دودم تو تدارک بھی ہو کچھ</p>
<p>زندگی دو بھر ہوئی ہے میرا آخر تاکجا دل جگر چلتے رہیں آنکھیں ہماری تر رہیں</p>	
<p>مریں بھی ہم تو نہ دیکھیں مروت انکو نہیں</p>	<p>کہاں کے لوگ ہیں خواہاں محبت انکو نہیں</p>

خواب و خواہ میں سلطان شکستہ حال امیر ہمارے دیدہ و دل سے ہی ہم کا یہ تہ تنگ پریمی و سرور و عوی ہے اس رخ و قد سے	کسو فقیر سے شاید کہ صحبت اٹکو نہیں کہ روئے کڑھنے سے یک لحظہ صحت اٹکو نہیں شکایت ایسی نہیں آویت اٹکو نہیں
چلا ہے تیغ بکف یار غیر کی جانب ہوئے ہیں میر تما شائی غیرت اٹکو نہیں	
ظلم و ستم کیا جو رو جفا کیا جو کچھ کہیے اٹھاتا ہوں حققت پھینچ کے جاتا ہوں رہتا نہیں دل پھرتا ہوں	
ہاے سبک ہوتا یہ میر افرط شوق سے مجلس میں وہ تو نہیں سنتا دل دے کر میں ہی باتیں بنتا ہوں	گھر سے اٹھ کر کونے میں بیٹھا بیت پڑھے دو باتیں کیں کس کس طور سے اپنے دل کو اُس بن میں بہلاتا ہوں
آئے کی میری فرصت کتنی دو دم دو پل ایک گھڑی رنجش کیوں کا ہے کو خشونت غصہ کیا میں جاتا ہوں	قتل میں میرے یہ صحبت ہے عم غصے سے محبت کے لو ہو اپنا پیتا ہوں تلواریں اُس کی کھاتا ہوں
پھاڑ کے خط کو گلے میں ڈالا شہر میں سب تشہیر کیا سامنے ہوں قاصد کے کیونکر اس سے میں شرتا ہوں	سر ماروں ہوں ایدھر او دھرد در تلک جاتا ہوں نکل پاس نہیں پاتا جو اُس کو کیا کیا میں گھبراہتا ہوں
مجرم اس خاطر ہوتا ہوں بعضے بعضے شوخی کر عذر گناہ میں جا کر اُس کے پانوں کو ہاتھ لگاتا ہوں	پہلے فریب لطف سے اُسکے کچھ نہ ہوا معلوم مجھے اب جو جاہ نے بدلیں طرحیں شرط تھا ہوں چھپتا ہوں
دیکھیے ان پلکوں کے اکثر میر ہوں بچو و تنگ آیا آپ کو پاتا ہوں تو چھری اُس وقت نہیں میں پاتا ہوں	

کبھوٹے ہے سودہ یوں کہ پھر ملانہ کریں
ہوئے یہ چاہ میں مشکل کہ جی گیا ہوتا
ہمارے حرف پر نیاں ہی لطف رکھتے ہیں
صفائے دل ہونے تک تو دیکھیں میں کیا کیا
وبال میں نہ گرفتار ہوں کہیں مہ و مہر
دل اب تو ہم سے ہے بد یا اگر سے جیتے

کرے ہے آپ ہی شکایت کہ ہم کلا نہ کریں
نہ رہتے جیتے اگر ہم مسا بلانہ کریں
جنوں ہے بحث جوشت میں عاقلانہ کریں
ہم ایسے آئینہ کو اپنے کیوں جلا نہ کریں
خدا کرے تیرے رخ سے مفا بلانہ کریں
کسو سے ہم بھی دلی پھر موا ملانہ کریں

سخن کے ملک کا میں مستقل میر ہوں میر
ہزار مدعی بھی مجھ کو وہ دلا نہ کریں

شعر میں نے کچھ کہے بالوں کے اسی یادیں
سُرخ آنکھیں چشم سے کیوں نہ مجھ پر صبح کو
یہ تصرف عشق کا ہے سب گزرتی نظر کیا
عشق کی دیوانگی لانی ہمیں جنگل کی اور
ویر گستا ہے تھکے تلوار پر وہ رکھ کے ہاتھ
یہ بیمار ہستی سی آتی ہے نظریاں کچھ مجھے

سو غزل پڑھتے پھرے ہیں لوگ فیض آبادیں
دیکھی یہ تاثیر شب کی خوشچکاں فریادیں
ایک عالم غم سایا خاطر ناشادیں
در نہ ہم پھرے گوسے سے نہ خاک بادیں
خوبیاں بھی تو بہت ہیں اس ستم ایجادیں
اچھی ہے تعمیر دل کی اس خراب آبادیں

میر ہم جہہ خراشوں سے کسو کا ذکر کیا
دس ہزار ہم میں ہیں جو تھے تیشہ فرادیں

درویشوں سے تو اُن نے ضدیں نکالیاں ہیں
جب سے سینہ تک ہیں کیا کیا خراش تاخن
جب لگ گئے جھکنے رخسار یار و دونوں
صبح چین کا جلوہ ہندی بتوں میں دیکھا
دروالم ہی میں سب جاتے ہیں روز و شبناں
خیروں نے رنجیت کو دوں رنجیت رہتا یا
اجماع بلہوس کو رکھ رکھ لیا ہے آگے
ان لکڑیوں کی قامت لیکے سے یوں ہوں
وہ دزد دل نہیں تیر کیوں دیکھتے ہی عجب کو

ایدھر سے ہیں دعائیں اودھر سے گالیاں ہیں
گو یا کہ ہم نے منہ پر تلوائیں کھالیاں ہیں
تب مہرومہ نے اپنی آنکھیں چھپالیاں ہیں
سندل بھری جبین ہے ہونٹھونکی لالیاں ہیں
دن اشک ریزیاں ہیں شب زار نالیاں ہیں
جوں ان دونوں میں باتے ٹکڑونکی بالیاں ہیں
مت جان ایسی بھٹیں جی دینے والیاں ہیں
جس رنگ سے چلتی پھریوں کی ڈالیاں ہیں
پلکیں جھکالیاں ہیں آنکھیں چرالیاں ہیں

اُس آفتاب بن یاں اندھیر ہو رہا ہے	دن بھی سیاہ اپنے جوں راتیں کالیاں ہیں
چلتے ہیں یہ تو ٹھوکر لگتی ہے میر دل کو	چالیں ہی دلبروں کی سب سے زلیاں ہیں
<p>زنگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں شع ہی سر نہ دیکھی برباد ہم کو مجنوں کے عشق میں مت دیکھ جس چمن زار کا ہے تو گل تر نہیں مجنوں سے دل قوی لیکن بوسہ مت دے کسو کے در پہ نسیم گو شب اس در سے در بہروں پھریں وجہ بیگانگی نہیں معلوم مرگے مرگے نہیں تو نہیں اپنا شیوہ نہیں کچی یوں تو</p>	<p>ساتھ اس کارواں کے ہم بھی ہیں کشتہ اپنی زباں کے ہم بھی ہیں ننگ اس خانداں کے ہم بھی ہیں بلبل اُس گلستاں کے ہم بھی ہیں یار اُس ناتواں کے ہم بھی ہیں خاک اس آستاں کے ہم بھی ہیں پاس تو پاساں کے ہم بھی ہیں تم جہاں کے ہو داں کے ہم بھی ہیں خاک سے منہ کوڑھانے ہم بھی ہیں یار جی ٹیڑھے بانے ہم بھی ہیں</p>
اس سرے کی ہے یارسانی میر	معتقد اس جواں کے ہم بھی ہیں
<p>نئی گردش ہو اُس کی ہر زماں میں ہو اتن ضعف سے ایسا کہے تو کہا میں درد دل یلا گ اگلی متاع حسن یوسف سی کہاں اب بلائے جاں ہے وہ بڑ کا پر نیراد بہت نا آشناھے لوگ یاں کے</p>	<p>خلل سا ہے دماغ آسماں میں کہ اب جی ہی نہیں س ناتواں میں پھپھوے پڑ گئے میری زباں میں تختس کرتے ہیں ہر کارداں میں اسی کا شور ہے پیرو جواں میں چلے ہم چار دن رہ کر جہاں میں</p>
ترمی شورش بھی بیکل ہو مگر میر	ملا دی پیس کر بجلی فغاں میں
<p>تغ کی نوبت کب پہونچے ہے اپنے جی کے غارتیں گزرے گرد میں ہو کر تو ایک نگاہ ضروری ہو</p>	<p>عاشق زار کو مار رکھے ہے ایک بارو کی اشارت میں کچھ کچھ تیرے غم نے لکھا ہو اگر داں کی عمارت میں</p>

سو کھ کے میں تو عشق کے غم میں کسی مثال حقیر ہوا
ایک بگولا ساتھ مجھے بھی تربت تیس پہ لے آیا
دل کو آگ اکدم میں دیدی اشک ہوئے چنگار سے
تین جو تھا دیدار بتاں کا منکر ایسا تھا مندر

خط و کتابت ایک طرف ہو ذکر کھ لکھ بھیجے میر
کہیے کچھ جو صریح قلم کی کوتاہی ہو سفارت میں

ترہی بلکیں چھتی نظریں بھی ہیں
رہے پھرے وریا میں گرداب سے
کہاں سے کہ جنوں بھی ہم سا ہی تھا
نہ بھو لوزن اکت لچک ہی نہیں
جھک سطح گرخ کی سی اسکی کہاں
دل و دلی دونوں اگر میں نہ رہا

یہ کانٹے ٹھٹھکتے جگر میں بھی ہیں
طن میں بھی ہیں ہم سفر میں بھی ہیں
غلط سے شائب نظر میں بھی ہیں
پتھری خنجر اسکی کمر میں بھی ہیں
صفاء وضیا تو کمر میں بھی ہیں
یہ کچھ لطف اسل جڑے گھر میں بھی ہیں

چلو میر کے تو تجس کے بعد
کہ دے وحشی تو اپنے گھر میں بھی ہیں

نہ کر شوق کشتوں سے جانے کی باتیں
سماجت جو کی بوس لب پر تو بولا
زبانیں بدلتی ہیں ہر آن خوباں
نظر جب کرو زیر لب کچھ کہے ہے
سہی جائے گالی اگر دوستی ہو
ہمیں دیر دیکھے سے کیا گفتگو ہے
بگڑ بھی چکے یار سے ہم تیارو
کیا سیر کل میں نے دیوان بھنول

نہیں آتیں کیا تجا آئے کی باتیں
نہیں خوب یہ مار کھانے کی باتیں
یہ سب کچھ میں بگڑے زمانے کی باتیں
کہو یا رستے آستانے کی باتیں
بڑی بھی بھلی ہیں لگانے کی باتیں
چلی جاتی ہیں یہ سینا نے کی باتیں
کرد کچھ اب اسے بنانے کی باتیں
خوش آمدن بہت دوانے کی باتیں

بہت ہرزہ گوئی کی یاں میر صاحب
کرد و ماں کے کچھ تھو دیکھانے کی باتیں

لے داغ سے لوگ کہتے ہیں بناد لی اُچڑ کر لکھنؤ + پر کہاں اسے داغ اس اُچڑے ہوئے گھر کا جواب

<p>خلل مدد و چین میں ہوں مگر زنجیر میں راہیں ہوتا ہر رنگ غنچہ قصور میں کس سے اپنے چپکے ہنسنے کی کروں تقریر میں عشق کی تو ہے جوانی ہو گئی گویا میر میں وہ شکر ہے مقرر اور بے تقصیر میں لکھی بس اس بے سرائت نالے کی تاثیر میں</p>	<p>کیا کروں سودا الی اسکی زلف کی تدبیر میں گل تو چھ حیران کی خاطر بہت کرنا ہے لیک رو بردا اسکے گئے خاموش ہو جاتا ہوں کچھ نہ بدن میں دل کی گرمی نے نکا کھی ہو گئی ہو اگر خونریز کا اپنے سبب تو کچھ کہو بیدار غمی شور شب سے یار کو دہنی ہوئی</p>
<p>کچھ نہیں پوچھا ہے مجھ سے جز حدیث رو یا ر کچھ بلبل کے نگاہوں باغ میں جب میر میں</p>	<p>کچھ نہیں پوچھا ہے مجھ سے جز حدیث رو یا ر کچھ بلبل کے نگاہوں باغ میں جب میر میں</p>
<p>ہم کچھ نفس میں ہیں دل سینوں میں جلتے ہیں کچھ دل بھی سنہلتے ہیں سرور میں سنہلتے ہیں اب دیدہ تر اکثر دریا سے اُبلتے ہیں افسوس ہاتھ کو اب بیاہی ملتے ہیں ہم اتش سحر نہیں پوچھتے ہیں تب کوئی نہیں سمجھے کیا نسل اُگلتے ہیں جی لوگوں کے بے جا ناں کس طور پہلتے ہیں بتھہر ہیں انھوں کے دل کا ہیکو پھلتے ہیں</p>	<p>لگتے ہیں بہار آئی گل پھول نکلتے ہیں اب ایک سی ہیو سی رہتی نہیں سے ہم کو وہ تو نہیں اک جھپٹا رونے کا ہوا گھٹے ان بانوں کو آنکھوں سے ہم ملتے رہے جیسا کیا کہیے کہ اعضا سب پانی ہوئے ہیں اپنے کرتے ہیں صفت جب ہم نعل لب جاناں کی گل پھول سے بھی اپنے دل تو نہیں لگتے ہاک ہیں نرم صنم کو نہ کہنے کے ترس میں درنہ</p>
<p>سے گرم سفر یا راں جو ہے سو سرورہ ہو چورہ سگورہ جاؤ اب میر بھی چلتے ہیں</p>	<p>سے گرم سفر یا راں جو ہے سو سرورہ ہو چورہ سگورہ جاؤ اب میر بھی چلتے ہیں</p>
<p>وے ہما سہل جو دیتے ہیں خریار نہیں دوستی رنگ میں عیب نہیں عار نہیں قدر کیا اپنی ہیں اس لیے تکرار نہیں کب گل ہیں ترے سب کچھ ہو پیار نہیں ہزار بانی تھے اس منہ پہ سزاوار نہیں تو کسی زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں کیا ہر زنجیر نہیں دام نہیں مار نہیں</p>	<p>دل عجب جس گراں قدر ہے بازار نہیں کچھ تمھیں ملنے سے بیزار ہو میرے درنہ ایک دو بات کبھو ہم سے کہو یا نہ کہو مازدا نداز دادا عشو کا و انماض و حیا صورت آئینہ میں ٹک کچھ تو کیا صورت ہے دل کے اُچھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں از صبح اُسکے کاسل کی پہلی کہو تم بوجھے میر</p>

چمکنا برق کا کرتا ہے کار تیغ ہجر اں میں
بھرے رہتے ہیں سارے بھول ہی جکے گریاں
کہیں شام و سحر رویا تھا مجھوں عشق لیکے میں
خیال یار میں آگے ہے یک مہ یارہ یاں ہر دم
رکھا عرصہ جنوں پر تنگشتا قوں کی دوری سے
جہاں سے دیکھیے اک شعر شور انگیز نکلتے ہے
جو دیکھو تو نہیں یہ حال اپنا حصن سے خالی
خرابی آگئی دیں میں گئی ملت اُسے دیکھے
نکل آتا ہے گھر سے ہر گھڑی تنگے بدن باہر
ستم کے تیرا کے میرے سینے میں بہت ٹوٹے

لو اے ابر میں کیا میرا منسا باغ میں وہ تھا
گرمی پڑتی ہے بجلی آج کچھ صحن گلستاں میں

سو آئینہ سا صورت دیا رہوا میں
کیا پوچھتے ہو دیر خبر دار ہوا میں
یا مال ہوا خوب تو ہموار ہوا میں
کب ذوق سے مرنے کو نہ تیار ہوا میں
پر زنج کے جی ایک خرمیدار ہوا میں
تھی رفتگی سی مجھ کو گر فہار ہوا میں
سونے کا سماں آیا تو بیدار ہوا میں
غفلت گئی رسوائی ہوئی خوار ہوا میں
افراط سے اندوہ کی بیسار ہوا میں

تھا شوق مجھے طالب دیدار ہوا میں
جب دور گیا قافلہ تب چشم ہوئی باز
اب پست و بلند ایک ہی جوں نقش قدم یاں
کب ناز سے شمشیر ستم آنے نہ ٹھہرنی
باز ارفا میں سرسودا تھا بھوں کو
ہشیار تھے سب میں آئے نہ ہم آواز
کیا چیتنے کا فائدہ جو شب میں چیتا
تم اپنی کہو عشق میں کیا پوچھو میری
اُس تر گس مستانہ کو دیکھیے ہوئے برسوں

دہتا ہوں سد امرے کے نزدیک ہی اب میر
اس جان کے دشمن سے بھلا یار ہوا میں

بھروسہ کیا ہے میرا میں چراغ زیر داں ہوں
سنگ میں جو بکھر جاتا ہوں میں خاطر پریشان ہوں

جلا از بس تمھارے طور سے اے جانہ زیبا ہوں
سر حرف سخن کس کو خیال زلف میں اُس کے

<p>و یا ترکوں کو دل میں نے قیامت میں بھی دانا مرے انداز سے ظاہر ہے میں اس رو کا حیران ہرنگ ابر قبلہ آج میں شدت سے گریبان ہا ہوں فتنہ ہوں شوب ہوں فتنہ طوفان</p>	<p>کمن سالی میں شاید بازیاں کا سیکو زیبا کچھ خوشید و نہ کو دیکھ رہا ہوں کھجول کو کسو کی یاد رو میں اشک آنکھوں سے نہیں بک جتنک نہیں کرتا ہوں تب تک خیر ہے ورنہ</p>
<p>بحال سنگ پھر کب تک کروں یوں کے کوچ میں نجات کھینچتا ہوں میرا آخر میں بھی انساں ہوں</p>	
<p>جس سے دل گچھم آب ہو میاں ہم میں اُس میں ابھی حجاب ہو میاں عاقبت ایک دن حساب ہو میاں یاں عجب ایک انقلاب ہو میاں دل کو اپنے تو پیچ و تاب ہو میاں مازہ چشم ہے عتاب ہو میاں کس کو اس بن سرشار ہو میاں جاگنا یہ نہیں ہے خواب ہو میاں شاید او صر سے اب جواب ہو میاں جی کو بھی روز اضطراب ہو میاں</p>	<p>عشق وہ خان و ماں تھرا ہو میاں تن میں جب تک ہو جاں تکلف ہے گو نہیں میں کسو شمار میں یاں گو دماغ و جگر کہاں وہ قلب زلف بل بکھار ہی ہو گو اُس کی لطف و مہر و فادہ کیا جانے لو ہو اپنا پیوں ہوں چپکا ہوں چشم وایاں کہ چشم سہل ہے نکھ سے کچھ بولتا نہیں قاصد دل ہی اپنا نہیں فقط بے چین</p>
<p>چاہیے وہ کے سو لکھ رکھیں ہر سخن میں کاتاب ہو میاں</p>	
<p>کسو سے شہر میں کچھ اختلاط مجکو نہیں اب اپنی جان کا کچھ احتیاط مجکو نہیں دل و دماغ گنہ از صراط مجکو نہیں س اپنے جینے سے کچھ انبساط مجکو نہیں</p>	<p>گرفتہ دل ہوں سرارتباط مجکو نہیں جہاں ہر تیغ بکفت کوئی سادہ جا لکنا کرے گا کون قیامت کو رسیاں بازی جسے ہو مرگ سا پیش استحا کہ پوتہ کرھے</p>
<p>ہوا ہوں فطرت سے میں تو سن او میر تیر رخ و خیال نشاط مجکو نہیں</p>	
<p>لٹاک سی ٹھہر پرے اسوقت اڑ جاتی ہو میاں</p>	<p>بوش غم اٹھنے سے اک نہ بھی چلی آتی ہو میاں</p>

<p>سل تو پتھر کی نہیں خرمی چھاتی ہے میاں اہکھ میری اس سبکیں سے شرماتی ہے میاں شمع مجلس میں کھڑی اپنے تئیں دکھاتی ہے میاں ایک دو گلبرگ جب بادِ سحر لاتی ہے میاں خوش نوا مرغ گلستاں رند باغاتی ہے میاں جان میری تن میں کسی کسی گھبراتی ہے میاں یہ سچی اس تیغ کی تو جو ہر ذاتی ہے میاں</p>	<p>پڑ گئے سورخ دل کے غم میں سینے کو طے میں حیا والا ہوا رسوائے عالم عشق میں رشک اُسکے چہرہ پر نور کا ہے جاں گداز آگ غیرت سے نفس کو دوں ہوں چاروں ورے ہے حزمین لایرین اس کا نغمہ طغیور سا کیا کہوں منہ تک جگر آتا ہو جب رکتا ہوں اسکی ابرو ہے کشیدہ خم ہی رہتی ہیں سدا</p>
<p>حکات اس اوباش کی ہیں کیونکہ بریں میر ہم ایک جھڑٹ شال کا اک شال کی گاتی ہے میاں</p>	<p>چنگاریاں گرے ہیں جب پلکیں ملتیاں ہیں آہ نکھیں ملا کے اُس سے ٹک ویکھو حال ل کا ہم تو بھی فصل گل میں چل ٹک تو یاں پھیں ناز کی روخت رز کا کیا شیخ رہ گزریں</p>
<p>روئے سے تب تو میرے پتھر نکھیں چلتیاں ہیں دے انکھریاں جیوں کو اپنی تو ملتیاں ہیں سر جوڑ جوڑ کیسے کلیاں نکلتیاں ہیں اس سے ابھی ہماری باتیں ہی چلتیاں ہیں</p>	<p>دیکھیں تو میر کیا ہو بیٹاقتی سے حالت اب تو بدیر جانیں اپنی سنبھلتیاں ہیں</p>
<p>جھلک سی مارتی ہے کچھ سیاہی داغ چھریاں کہوں کیا اتفاق ایسا بھی ہو جاتا ہے دنیا میں ٹھہرنا برق سا اپنا ہے ہو چکنا ہی اس جا میں تفاوت ہے مرے مجموعہ و عقیدہ شریا میں بعینہ راہ اندھا سا چلا اس کی تنہا میں لکھی تصویر تو زنجیر پہلے کھینچ لی پائیں</p>	<p>بھار آئی کھلے گل پھول شاید باغ صحرا میں نفاق مرداں عاجز سے ہے زعم تکبر پر نموداری ہماری بے کلی سے ایک چشمک ہی سخن دس پانچ یاں ہیں حج کس حسن لطافت سے کنواں دیکھنا نہ کوئی غار میں شوق کے مارے بہت تھا شور و خشت سر میں میرے توج نے میرے</p>
<p>جدائی کے تعب کھینچتے نہیں ہیں میر اضی ہوں جلاویں آگ میں یا منجھو پھینکیں تھر دریا میں</p>	<p>شہروں ملکوں میں جو یہ میر کہا ہے میاں عالم آئینہ ہے جس کا وہ مصور بے مثل</p>
<p>دیدنی ہے یہ بہت کم نظر آتا ہے میاں ہائے کیا صورتیں پردے میں بناتا ہے میاں</p>	<p></p>

قسمت اس نرم میں لائی کہ جہاں کا ساقی ہو کے عاشق ترے جان و دل دوں کھو نیٹھے حسن اک چیز ہے ہو دین کہ تو ہو ناصح بھگڑ اس حادثے کا کوہ گراں سنگ کو بھی	دے ہے مے سب کو نہیں زہر ہلاتا ہے میاں جیسا کرتا ہے کوئی ویسا ہی پاتا ہے میاں ایسی شے سے کوئی بھی ہاتھ اٹھاتا ہے میاں چوں پرکاش اڑائے لیے جاتا ہے میاں
---	--

لیا پر ہی خواں ہے جو راقوں کو جگا دے ہر مسر شام سے دل جگر و حبان جلاتا ہے میاں

جائے ہے جی نجات کے غم میں نزع میں میری ایک دم ٹھہرو معل ہم چھاتیوں یہ جڑ کے پھرے ہے بہت حبیب چاکنی ہی جوں صبح پر کے تھی بیکی تقس میں بہت آپ میں ہم نہیں تو کیا ہر عجب	ایسی جنت گئی جنم میں دم ابھی ہیں یہ زراک دم میں لینے خوں گشتہ دل کے نام میں کیا کیا جائے فرصت کم میں دیکھیے اب کے گل کے موسم میں دور اس سے رہا ہو کیا ہم میں
--	---

بیخودی پر نہ میر کی جاؤ تم نے دیکھا ہے اور عالم میں
--

✓ جس کا خواباں خیال لیتے ہیں کیا نظر گاہ ہے کہ شرم سے گل دیکھ اسے ہو ملک سے بھی غرض کھول کر بال سادہ رو لڑ کے تین تھینے ہیں جب یہ خوش ظاہر دلبران نقد دل کو عاشق کے	دل کلیجہ نکال لیتے ہیں سرگرمیاں میں ال لیتے ہیں ہم تو دل کو سنبھال لیتے ہیں خلق کا کیوں وبال لیتے ہیں ماہ و خور منہ پڑھال لیتے ہیں جان کر اپنا مال لیتے ہیں
--	--

ہیں گدا میر بھی دے دو جہاں کر کے ایک ہی سوال لیتے ہیں
--

دور اس سے جی چکے ہیں ہم اس روز گاریں واغوں سے بھر گیا ہے مرا سینہ نگار کیا اعتبار طائر دل کی ترپ کا اب	ن آج کا بھی سا بچہ ہوا انتظار میں گل پھول زور زور کھلے اس بہار میں بلوچی سے ہے کچھ حرکت اس شکار میں
--	---

بوسہ لبوں کا مانگتے ہی تم بگڑ گئے دل پھیرے ہم سے خانہ مخبر کے قریب اس بکھر حسن پاس نہ خنجر تھا کل نہ تیغ چلتا ہے ٹھک تو دیکھ کے چل پاؤں سے نفس کس کس ادا سے ریتختے میں نے کئے ولیک	ہنٹیری باتیں ہوتی ہیں اتھلاں پیار میں ٹھک پہونچنا ہی ہے شکنج لطف یار میں میں جان دی ہے حسرت بوس کنار میں آنکھیں ہی کچھ گئی ہیں تری رگزار میں سمجھانہ کوئی میری زبان اس دیار میں
--	---

ترطی ہے متصل وہ کہاں ایسے روز و شب
ہے فرق میسر برق و دل بقیار میں

کیسی وفا و الفت کھاتے عیث ہو تمہیں سادن تو ابکی ایسا برسا نہیں جو کہئے گھبر کے یوں لگے ہر سینے میں دل ترپنے جا نکاہ ایسے نالے لوہے سے تو نہ ہوویں اب غری سے دیں ہیں ساری گدش کھائی اے ابرہم بھی برسوں روتے پھرتے ہیں	مدت ہوئی اٹھادیں تھے یہ ساری رسمیں روتا رہا ہوں میں ہی دیر تا اس برس میں جیسے استرازاہ بیتاب ہو نفس میں بیتاب لکسو کار کھا ہے کیا برس میں پر عشق بھر رہا ہے ایک ایک میری س میں دریا بندھے پڑے ہیں آدی کے خاروں میں
---	---

کیا میسر بس کرے ہے اب راری آہ شب کی
دل آگیا ہے اس کا ظالم سو کے بس میں

روتے ہیں نالہ کش ہیں یارات دن جلے ہیں جوں دو دھرم گزری سب تیغ و تاب ہی میں مرا ہے خاک ہونا ہو خاک اڑتے پھرنا کس دن چین میں یارب ہوگی صبا گل افشاں جب یاد آگئے ہیں پائے حنائی اُس کے تھا جو مزاج اپنا سو تو کہاں رہا ہے کچھ وہ جو کچھ رہا ہے ہم کانپتے ہیں ڈر سے اک شور ہی رہا ہے دیوانے پن میں اپنے پست و بلند دیکھیں کیا میر پیش آئے	ہجران میں اس کی ہم کو بہتیرے مشغلے ہیں اتنا ستانہ ظالم ہم بھی جلے بلے ہیں اس راہ میں ابھی تو درپیش مرحلے ہیں کتنے شکستہ پر ہم دیوار کے تلے ہیں افسوس سے تب اپنے ہم ہاتھ ہی ملے ہیں پر نسبت اگلی تو بھی ہم ان دنوں نھلے ہیں یاں جوں کمان گھر میں ہر وقت زلزلے ہیں زنجیر سے ملے ہیں گر کچھ بھی ہم ملے ہیں اس پشت میں ہم اب تو سیلاب کچھ ملے ہیں
---	---

لے لا اعلیٰ سے آہستہ خرام بلکہ خرام : زیر قدمت ہزار جان ست

	<p>لگی ہے آگ اک میرے جگر میں جدا رہتے ہیں ہم سے ایک گھر میں قیامت کلم ہوئی اس شور و شر میں رہے بر حیدہ واسن اس سفر میں اثر ہوتا اثر آہ سحر میں کٹاری تو نہ تھی اُس کی کمر میں</p>	<p>شیر سے اشک ہل جھٹم تیر میں تکین عاشق و معشوق کے رنگ بلا نہنگا نہ تھا کل اُسکے در پر بگولے کی روش و حشر زدہ ہم سہاں یاں سانچہ کا سا ہونہ جباتا لچکنے ہی نے ہم کو مار رکھا</p>
	<p>رہا تھا دیکھ او دھیر چلتے عجب اک نا اُسیدی تھی نظریں</p>	
	<p>لگ اٹھتی آگ سب ارض و سما میں وگر نہ مصر سب ملتا بہا میں نہ کی تقصیر اُن نے تو جفا میں سر و دل کس کو ہے عشق خدا میں کھینچے لوہوں بہتیر کے جا میں سبک پائی نہ ہوتی گر صبا میں ہم اپنے محو ہیں ذوق فنا میں تم آ کر پوچھ لو شہر و دفا میں قیامت آتی ہے اُسکی اداس میں وطن دل میں کیا ہو کس بلا میں</p>	<p>اثر ہوتا ہمارے گرد و عبا میں نہ اٹکا ہائے تکس یوسف کا مالک تصور اپنی ہی طول عمر کا تھا سخن مشتاق ہیں بند کپے سب لوگ کفن کیا عشق میں نے ہی چہا پیام اُس گل کو اُسکے ہاتھ دیتے جیو خوش یا کوئی نا خوش ہم کیا ہمیں فریاد و مجنوں جس سے چاہو سر پا ہی اداؤ ناز ہے یار بلا زلف سیاہ اُسکی ہے بزیج</p>
	<p>ضعیف ذرا رنگی سے ہیں ہر چند لیکن میر اڑتے ہیں ہوا میں</p>	
	<p>خدا نہ ندے اُنکو جو سر کھجائیں ابھی دیکھیں اُنکھیں بہیں دکھائیں</p>	<p>بچیں جہنم عاشق اگر دست پائیں چھکنے لگا غوں تو جائے شربک</p>
<p>۱۵ یہ شعر اسی بحر اور اسی ردیف و قافیہ کی غزل میں دیواں دم میں اس طرح دیکھا گیا ہے ۱۵ کفن میں ہی نہ پہنا دہ بدن دیکھ ۱۵ کھینچے لوہوں بہتیر دل کے جا میں ۱۵ اسی طرح مطلع کا پہلا مصرع اُس غزل میں دوسرا مصرع ہے اور شعر اس طرح ہے ۱۵ اٹھاتے ہاتھ کیوں نو مید ہو کر ۱۵ اگر پاتے اثر کچھ ہم دعا میں ۱۶</p>		

<p>مرا جی ہی کرنے لگا سائیں سائیں ہم اپنے تئیں آدمی تو بنائیں جو ہو اختیار سی تو او دھرنہ جائیں طلب کرے بوسہ تو باتیں بنائیں کہاں اتنی طاقت کہ منت اٹھائیں فراموش کار اپنے کو تا دکھائیں</p>	<p>رہیں کس کو سانس ہی کہ اب ضعف سے خدا ساز تھا آذر بیت تراش چلایا رکی اور جاتا ہے جی جگر سوز ہیں اس کے لعل خموش ہیں بے نیازی نے بٹھلا دیا کہیں دیکھے وہ بید مجنوں کہ ہم</p>
<p>کہیں مہر عشق مجازی ہے بد حقیقت ہو معلوم گر دل لگائیں</p>	
<p>بارے سب راز سے تو گزرتے مجھے پہلے نہیں بخودی آئی اچانک ترے آجائے میں سدھ بھی کچھ نہ کہو نہ تھی جانے کے گھبرائے میں یہ کچھ اتنی قیامت کے نہیں آئے میں</p>	<p>ابھی ماہ رمضان دیکھا تھا پیالے میں جیسے بجلی کے چمکنے سے سو کی سدھ چلے وہ تو بالیں تئیں آیا تھا ہمارے لیکن آج سنتے ہیں کہ فردا وہ قد آرا ہو گا</p>
<p>حق جو چاہے تو بندھی بھی چلا جاؤں گا صلحت دیکھی نہ میں ہاتھ کے پھیلانے میں</p>	
<p>سوراج پڑ گئے جگر عندلیب میں دیکھتے تھے ہم بھی کیا ہے ہمارے نصیب میں ڈر رہے قدم ہے عشق کی راہ غریب میں اکثر جنھوں کا ہاتھ ہو دست طبیب میں</p>	<p>میں ناکش تھا صبح کو یاد حبیب میں سرمارتے ہیں سنگ سے فرما دے سے رنگ جانے کو سوئے دوست سا فر ہوئے ہم کیا رقت کاں کے ہاتھ سے ہو گئے آنکے پاؤں</p>
<p>دل خستہ چٹم بستہ و روز و شب گرد حیرت ہو ہم کو میر کے حال عجیب میں</p>	
<p>ہو تخت کچھ دماغ تو پھر بادشاہ ہیں ہم دل کباب پردے میں سرگرم راہ ہیں ہم کشتنی ہیں واقعی گرے کناہ ہیں مشوق آفتاب ہیں عشاق ماہ ہیں</p>	<p>ایوں ہی کے تو دل شدہ ہم رو سیاہ ہیں یاں جیسے شمع بزم اقامت نہ کمر خیال کہنا نہ کچھ سمجھو کھڑے حسرت سے دیکھنا کہ مہرباں ہو دور سے کہ آنکھیں پھیر لیں</p>
<p>ہم بھی تو میر کشتہ نظر زنگاہ ہیں</p>	<p>آنکھیں ہمارے پاؤں تلے کیوں وہ ملیں</p>

<p>میں جو نسیم باد فروش چین نہیں اس رنگ و صنگ سے تو ہمارا سخن نہیں خاک رہ اسکا جس کا غیر کفن نہیں دل سے ہے جنگو راہ یہ انکا چلن نہیں صحبت رکھے جو تجھ سے یہ سکا دہن نہیں</p>	<p>محب کو دماغ و صفت گل یا سمن نہیں کہنے لگا کہ لب سے ترے لعل خوب ہے یہو بچا نہ ہو گا منزل مقصود کے نہیں ہم کو خرام ناز سے مت خاک میں ملا گل کام آدے ہے ترے منہ کے تار کے</p>
<p>کل جا کے تھے میر کے ہاں یہ مناجواب مدت ہوئی کہ یاں تو وہ غربت وطن نہیں</p>	
<p>لگ گیا ڈھب تو اسی شوخ سے ڈھب کرتے ہیں روز کہتے ہیں شتم ترک ہم اب کرتے ہیں اور سب یاروں کا ہم لوگ تو سب کرتے ہیں اور ہم لوگ تو سب اہن کا ادب کرتے ہیں حالی سن سن کے مرا لوگ عجب کرتے ہیں</p>	<p>ہجرت تاجند ہم اب وصل طلب کرتے ہیں روز اک ظلم نیا کرتے ہیں یہ لبسہ اور لاگ ہے جی کے تئیں اپنے اسی یار سے ایک تم کبھو میر کو چاہو سو کہ چاہیں ہیں تمھیں ہوں جو بچال اس اعجوبہ عالم کے لیے</p>
<p>میر سے بحث یہ تھی کچھ جو نہ تھے حرف شناس اب سخن کرتے ہیں کوئی تو غضب کرتے ہیں</p>	
<p>جاتی رہے گی جان سی رہ گزرے یاں ہوتی نہیں نسلی دل اب خبر سے یاں سو تو نہیں ہو حرف شکایت ہنر سے یاں اب گ ہی نکلنے لگی ہی جگر سے یاں برسات کی ہوا ہے سدِ خیم تر سے یاں دیکھیں ہیں ہمے پھوٹے تپھر نظر سے یاں</p>	<p>مدت ہوئی کہ کوئی نہ آیا ادھر سے یاں وہ آپ چلے آئے تو شاید کہ جی رہے پوچھے کوئی تو سینہ خراشی دکھائیے آگے تو اشک پانی سے آجاتے تھے کبھو چپکا کر میں ہیں ہلکوں سے بیفاصلہ شرک اے بت گزرتے چشم میں مردم نہ ان سے مل</p>
<p>راہ روشن کا ہو دے ٹھکانا تو کچھ نہیں کیا جانے میر آگئے تھے کل کہ صبر سے یاں</p>	
<p>کس خوش سلیقگی سے جگر خوں کروں ہوں میں بیٹھا آغوش سامنے ہوں ہوں کروں ہوں میں کا ہیکو چشم جانب گروں کروں ہوں میں</p>	<p>مصرع کوئی کوئی کبھو موزوں کروں ہوں میں بات اپنے ڈھب کی کوئی کرے وہ تو کچھ کہوں اس بن نظر زین سے سی دی ہے تو سکے</p>

اٹھتا ہے بیدار ہی ہر چند رات کو | افسانہ کہتے سیکڑوں افسوں کروں میں

کب بیدار غمی شہر سے دیتی ہے اٹھنے میر
یوں تو خیال وادی محنوں کروں ہوں میں

ناچند وہ ستم کرے ہم درگزر کریں | اب جی میں ہے کہ شہر سے اسکے سفر کریں
بے رو سے ایسی بات کے کر نیک لطف کیا | دُمنہ کو پھر پھر لے ہم حرف سر کریں
کبتک ہم انتظار میں ہر لحظہ بقرار | ٹھہرے کل نکل کے گلی میں نظر کریں
فرہاد و قیس کو کہن و دشت گرد تھے | منہ نوچیں چھاتی کوٹیں ہی ہم ہر کریں
سختی مسلم اس سے جدا رہنے میں دے | سرشک سے نہ ماریں تو کیونکر بسر کریں
وہ تو نہیں کہ دکھیں اس آئینہ رد کو صبح | ہم کس امید پر شب غم کو سحر کریں

لا دیں کہاں سے خون دل اتنا کہ میر ہم
جس وقت بات کرنے لگیں حشمت تر کریں

تیکے میں اپنے دل کا ہم غم کیا کریں ہیں | درویش کہتے ماتم با ہم کیا کریں ہیں
جب نام دل کا کوئی لے بیٹھتا ہے ناگہ | منہ دیکھ ہر گرا ماتم کیا کریں ہیں
سستوں کی بات کیا ہے جو کوئی اسے جاوے | ہم گفتگو نشے میں در ہم کیا کریں ہیں
حکم فسانہ سازی پیدا کریں ہیں شب کو | افسوں ہم اسکے ادب جو دم کیا کریں ہیں

کچھ حال میر جی کے آتے نہیں سمجھ میں
ہم بھی سلوک اُن سے اب کم کیا کریں ہیں

روایت واو

قتل کیے پر غصہ کیا ہے لاش مری اٹھوائے دو | جان سلامت لیکر جاوے کعبہ میں تو سلام کریں
اسکی گلی کی خاک سبھوں کے دامن ل کو کھینچے ہے | اسکی گز جی لے بھی گیا تو آتے ہیں مرجانے دو
کرتے ہو تم بچی نظریں یہ بھی کوئی مروت ہے | برسوں پہرتے ہیں جدا ہم آنکھ سے آنکھ ملانے دو
کیا کیا اپنے نوہوئیں کے دم میں مرینے دم میں چلیں | دل جو غل میں رہ نہیں سکتا اسکو سوسے بکانے دو
ابھی بہت ہو سور بہاراں ہم کو مت زنجیر کرو | دل کی ہوس کچھ ہم بھی نکالیں صوم میں ہکو بجانے دو
عرصہ کتنا سارے جہاں ک وحشت پر جو آجاویں | پالوں تو ہم پھیلاویں گے پرفرصت ہکو پانے دو

<p>دل جو سمجھنا تھا سو سمجھا نا صح کو سمجھا لے دو صبر کر دیکھ اور بھی صاحب طاقت جی میں نے دو</p>	<p>کیا جاتا ہے اس میں ہمارا چیکے تم تو بیٹھے ہیں ضعف بہت ہو میرے تھیں کچھ اسکی گل میں مت جاؤ</p>
<p>بات بنا مشکل سا ہو شعر سمجھی یاں کہتے ہیں فکر بلند سے یاروں کو ایک ایسی غزل کہ لانے دو</p>	
<p>دانت سناہر جھکیں ہیں اسکے موتی کے سے دانے دو کب فسانہ پیر سے ہوئے یہ بازو کے پروانے دو کف عذرا کی شب آئی جو ان نے کیے نہ بہانے دو دل سے اور جگر سے اپنے ہمیں کھیں میں نشانے دو چار پہر جب منت کرے تب وہ باتیں مانے دو قسمت میں کیا خستہ دلوت کے یہی نکھے تھے کھانے دو ایک مدت میں ہم نے بارے چوڑے یہ پچاںے دو دیکھیں جہاں محراب میں ان نے طرح کیے پچاںے دو دیکھتے قباب اسکے ہوئے ہیں ابویہ دیراںے دو</p>	<p>گردش میں بے دست آنکھیں ہیں جیسے پھرے پچاںے دو خوب نہیں اسے شمع کی غیرت ساتھ میں بچاںے دو ایسے بہانہ طلب ہے ہم بھی روز گزاری کرتے ہیں تیر شتم آتش میں جاں کا تاو و کساں پر ہونہ ہمیں کس کو داغ رہا ہے یاں بصدیں سکی اٹھانے کا شم کھا دیں یا غصہ کھا دیں یوں وفات گزرتی ہو خال سیاہ عطر سیاہ ایمان و دل کے رہن سچے عشق کی صنعت مت پوچھو بچوں بچے بھوونے چشم تبا رونے سے تو پھوٹیں آنکھیں دل کو غموں نے خراب کیا</p>
<p>دشت دیکھو میں میر پھر دہم لیکن ایک ادب کے ساتھ کو کہن و مجنوں بھی تھے اس ناجائے میں دیوانے دو</p>	
<p>خوں کیا ہے مدتوں اس میں غم بسیار کو کیا غور میر زائی ہے ہمارے یار کو دیکھے ہے خورشید اسکے سایہ دیوار کو وجہ جام نے نہ پایا خرقہ دوستار کو سی لیا ہے تو کہنے میں نے لب اظهار کو کیا کروں آئینہ ساں میں حسرت دیدار کو</p>	<p>دوست رکھتا ہوں بہت اپنے دل تیار کو جز غم نیراز جاں نہیں یوسف کو لکھتا یہ کچھ جب کہ بواہد میر سے بچلے ہے تو اک حسرت کے ساتھ بو جھ تو اچھا تھا پر آخر گرو رکھتے ہوئے خونچکاں شکوے ہیں دل سے تارباں میری تصفیے سے دل میں میرے نہ نظر آتا ہو لیک</p>
<p>عاشقی وہ روگ ہے جس میں کہ ہو جاتی ہو یاں اچھے ہوتے کم سن ہو میر اس آزار کو</p>	
<p>یہ کیا روش ہے آؤ چلے ملک اور میر کچھ ہوتی ہے کوئی کوئی پلک اب تو تر کچھ</p>	<p>تم بن چین کے گل نہیں چڑھتے نظر کچھ دیراںی آنکھیں مٹی ہی رہتی تھیں سو کہاں</p>

<p>جی جاتے ہے جو اپنے پہ ہوتی ہے مار مار آنکھیں سفید ہو چلی ہیں راہ دیکھتے مذت ہوئی ہے نامہ کنوثر کو لے گئے ہم جستجو میں آنکھی کیے دست و پا بھی گم</p>	<p>جاتے ہیں اُس گلی میں کہاں ہم گم کبھو یارب انھوں کا ہو گا ادھر بھی گم کبھو آجاتی ہے کچھ اڑتی سی ہم تک خبر کبھو افسوس ہے کہ آئے نہ وہ راہ پر کبھو</p>
<p>اس قصے کو کر دے بھی تم مختصر کبھو</p>	<p>اس قصے کو کر دے بھی تم مختصر کبھو</p>
<p>یہ سراسر سونے کی جاگہ نہیں بیدار رہو آپ تو ایسے بنے اب کہ جلے جی سب کا لاگ اگر دل کو نہیں لطف نہیں جینے کا گر چہ وہ گوہر تر ہاتھ نہیں لگتا لیک</p>	<p>ہم نے کر دی ہے خبر تم کو خبردار رہو ہم کو کہتے ہیں کہ تم جی کے تئیں مار رہو اچھے سلجھے کسو کا کل کے گرفتار رہو دم میں دم جب تئیں ہے اسکے طلبگار رہو</p>
<p>سارے بازار جہاں کا ہو یہی مولے میر</p>	<p>جان کو بیچ کے بھی دل کے خریدار رہو</p>
<p>گر ناشعار خوب ہے عجز و نیاز کو ہجران کی سرگزشت مری گفتنی نہیں جوں شمع سرسٹ ہے بیاں حال کا کیے حیران ہو رہو گے جو ہم ہو چکے کبھی جاناکاہ و دلخروش ہیں سائے ترے سلوک صوفی کی پارسائی کی ہے خانقاہ میں دھوم</p>	<p>بے وقار جاتے ہیں دل بے گداز کو کیا کہیں تم سے قصہ دہر و دراز کو لا ناز باں پہ خوب نہیں دل کے راز کو دیکھا نہیں ہے مرتے کسو عشق باز کو دل ہمت و دیتے کاش کسی دلفراز کو لے چلیے گا کبھو ادھر اُس مست ناز کو</p>
<p>سے دور ادب سے تم ٹھڑے میں پاکشیدہوں</p>	<p>موت آئیو جنازے کی میرے نماز کو</p>
<p>سرو کاٹ کے ڈلوادیے انداز تو دیکھو کچھ سوچھ نہیں پڑتی تمھیں بے خبری سے اس بت سے نہیں جب تین صحبت تو نہیں شب آنکھ مری لگنے نہیں ریتی ہر ابل دل ایک ٹڑپنے میں پر سے عرش کے پایا</p>	<p>ایاں ہے سب خلق جہاں ناز تو دیکھو ہلک ہویش کی آنکھوں کو کرو باز تو دیکھو یہ ڈول جو ہوتا ہے خسہ ساز تو دیکھو اس مرض کی بیتابی آواز تو دیکھو اس طائر بے بال کی پرواز تو دیکھو</p>

تصویر سے چہرے یہ یہ پرواز تو دیکھو	کی زلف و خط و حال نے ایک اور قیامت
سب میر کو دیتے ہیں جگہ آنکھوں پہ لپٹی اس خاک رہ عشق کا اعزاز تو دیکھو	
کب ہے ویسی مواجہہ کر لو جی ہے مرنے کو تو چلو مر لو یہ وبال اپنے کوئی سریر لو عمر کے دن کسی طرح بھر لو	اُرسی اُس کے سامنے دھر لو اُس کی تیغ ستم بلبند ہوئی درپے غول ہیں میرے خورد و کلاں کچھ طرح ہو کہ یہ طرح ہو حال
کیا بلا خیز جا ہے کو حیر عشق تم بھی یاں میر مولیٰ کھڑو	
تب کسی نا آشناے مہر سے الفت کرو عذر چاہو دیر تک مدت تلک منت کرو نقش اسکا کھینچ رکھنے کی کوئی صورت کرو اپنی بر جھائیں سے بھی جوں خاتمہ و حشر کرو جوں ہی جانیٹھے لگا کئے انھیں حصت کرو گو کہن کے طور سے جی تو کر محنت کرو	کھینچنا رخ و قتب کا دوستاں عادت کرو روٹھ کر فنا نہیں شوخ یوں کیوں نہ کوئی کب تک لے صورت نگراں میراں پھولے بوئے یار اُٹس اگر ان نو خطاں شہر سے منظور ہے کچھ نہ پوچھو صحبت دیر و زہ کی کم فرصتی عشق میں کیا دخل ہے نازک راجی سے نہیں
پہلے دیوانے ہوئے پھر میر آخر ہو گئے بہم نہ کہتے تھے کہ صاحب عاشقی تم مت کرو	
وقف اولاد ہے وہ باغ تو غم کا ہے کو چلتے پھرتے رہتے تب تیں ہم کا ہے کو رحم موقوف کیا ہے تو ستم کا ہے کو اپنے نزدیک ہیں دے دست قلم کا ہے کو مرتے اس خواری سے تو صید حرم کا ہے کو کھاتے ہو ویرہ در آئی سے قسم کا ہے کو رکھتے ہو ایسی جگہ تم تو قدم کا ہے کو	بہر فردوس ہو آدم کو الم کا ہے کو کہتے ہیں آویگا اید صر وہ قیامت رقتا یہ بھی اک ڈھب ہے نہ اندازہ کسو کو رحمت نرگس اُن آنکھوں کو جو لکھ گئے نابینا تھے اُسکی تلیار سے گر جان کو رکھتے نہ عزیز چشم پوشی کا مری جان تھیں لپکا ہے میری آنکھوں پہ رکھو پانڈوں تو ادھیں
لے عالت سے ساتی بیار بارہ کہ از دودہ بجم بہ زراں پس رسد بہشت کی میراث آدم ست	

<p>دلو کہتے ہیں کہ اس گنجِ رواں کا گھر ہے</p>	<p>اس خرابے میں کرے ہے وہ کرم کا ہے کو</p>
<p>شور نے نام خدا ان کی بلا سرکھینچا</p>	<p>میر سہاے کوئی عالم میں علم کا ہے کو</p>
<p>غریب شہرِ خوباں ہوں مرا کچھ حال مت پوچھو دلِ صد پارہ کو پیوند کرتا ہوں جدائی میں جگر جل کے ہوا ہے کوئٹہ بیاب تو بھی ہوں تعجب ہے کہ دل اس گنجِ سرگشتہ میں رہتا ہے</p>	<p>ہو اچی زلف و کامل کے لیے جنجال مت پوچھو کرے ہے کہنہ نسخہ وصل جوں حاصل مت پوچھو طیش سے دل کی میرے سر پہ جھال مت پوچھو خرابے جس سے یہ باتیں مالِ مال مت پوچھو</p>
<p>لگا جی اسکی زلفوں سے بہت ہم میر بھتیجائے</p>	<p>ہو اسے مدعی ایک ایک اپنا بال مت پوچھو</p>
<p>بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو عشق پیچے کی طرح حسن گرفتاری ہے ہکودیا انگلی شہروں ہی میں خوش آتی ہے وہ گراں خواب جو ہے ناز کا اپنے سو ہے</p>	<p>ایسا کچھ کر کے جلویاں کہ بہت یاد رہو لطف کیا سرو کے مانند اگر آزار رہو دشت میں قیس رہو کہ وہ میں فساد رہو داد میدا درویش کو کہ فساد یاد رہو</p>
<p>میر مل کے بہت خوش ہوئے تھے پیارے</p>	<p>اس خرابے میں مری جان تم آباد رہو</p>
<p>زلفوں کو میں چھوا سو غصے ہوئے کھڑے ہو منہ پھیر پھیر لو ہر بات میں ادھر سے نرمی مخالوں سے سختی موافقوں سے لجاء و مغبجوں سے تو ڈاڑھی ہو تبرک</p>	<p>یہ بات ایسی کیا ہے جس پر الجھ پڑے ہو یاں کس ستم زدہ سے آزر دہ ہو لڑے ہو واں موم سے بنے ہو یاں لہے سے کڑے ہو ہر چند شیخ صاحب تم پڑھے یا بڑے ہو</p>
<p>ہوتے ہیں خاک رہ بھی لیکن نہ میر ایسے</p>	<p>رستے میں آدھے دھڑٹیک مٹی میں تم گرے ہو</p>
<p>زخموں پہ اپنے لون چھڑکتے رہا کرو کیا آنکھ بند کر کے مراقب ہوئے ہو تم موقوف ہرزہ گردی نہیں کچھ قلندری ہر چند اس متاع کی اب قدر کچھ نہیں</p>	<p>دل کو مزے سے بھی تو تنک آشاکر د جاتے ہیں کیسے کیسے سپیں چشم واکر د زنجیر سرائے کے زنجیر پاکر د پر جس کسی کے ساتھ رہو تم ذاکر د</p>

جہاں کاہ اس مرض کی نہ کوئی دوا کرد ملک ہر کو جہاں کو جہاں غصہ جہاں کرد	تدبیر کو مزاج محبت میں دخل کیا طفلی سے تم نے لطف و غضب مختلط کیا
<p>بھیجے ہو میرے ہونے کے در کعبہ پر فقیر اس رو سیہ کے باہیں بھی کچھ دعا کرد</p>	
جی اُجھٹا ہے بہت مت باں سلجھایا کرد چاندنی میں آفتابی کا گھر سنا کرد ایک دو ہم سوں کو بھی زہار بندھوایا کرد اس سہیں میں دیکھئے ہکو بہت آ یا کرد طوف کرنے بے ستوں کا بھی نہ بھیجا کرد اتنی ہٹ دھرمی بھی کیا انصاف فرمایا کرد	سر پہ عاشق کے نہ یہ رد زریہ لایا کرد تاب مہ کی تاب کب ہے ناز کی سے یار کو گرچہ شان کفر ارفع ہے دے لے لہاں شوق سے دیدار کے بھی آنکھوں میں کھینچ آیا جی کو کہن کی ہو قدم گاہ آخراے اہل وفاق فرق یار و غیر میں بھی اسے تباں کچھ چاہیے
<p>کب میسر نس کے منہ کا دیکھنا آتا ہے میر پھول شکر سے اپنے دل کو تم بھی بہلایا کرد</p>	
ایسا تو رو کہ رونے یہ تیرے ہنسی نہ ہو نکلا ہے اُسکو ڈھونڈھنے تو پہلے جان کھو ہے اب زندگی بھی تو لیجائے مردہ شو کچھ پوچھیے نہ قصہ ہمارا ہے گو گو ہم دین تمھیں دعا ہیں تم گالیاں تو دو وہ بولتا نہیں تو تم آپ ہی سے چھڑ لو چلنے کو قافلے ہیں یہاں تم رہے ہو سو دن رات آپ ہی جہنم میں ہو آسمان تو	کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو پایا گیا وہ گوہر نایاب سہل کب کام آسکے لبتے ہے تجھے بنت العنسی کیا سننے نہیں کہے جو نہ کیے تو دم گز کے مشر ہے بے داعی یہ مطلق نہ بولنا کرنا جگر ضرور ہے دل دادگاں کو بھی اسے غافلان دہریہ کچھ راہ کی ہے بات گردش میں جو کوئی ہو رکھے اس سے کیا آہ
<p>جب دیکھتے ہیں بانوں ہی دابو ہوا اسکے میر کیوں ہوتے ہو ذلیل تم اتنا تو مت دبو</p>	
کھلا نا کھیلنا مشکل بہت ہے ایسے کالوں کو	رگھومت سر چڑھائے دلیور کے گوندھے بالوں کو
<p>لے میہ تھی رہ میں میر ترک لے کر دنیا سے ہاتھ اٹھایا : درویش تو بھی تو ہے حق میں مرے دعا کر " " " " اک وقت خاص حق میں مرے کچھ دعا کرو : تم بھی تو میر صاحب و قبلہ فقیر ہو</p>	

اٹھی سبز رکھیں باغ خوبی کے نہالوں کو
 نہ ہم دو چار بیٹھے دل شکستے اپنے خالوں کو
 تبرک کرتے ہیں کانٹے مرے پالوں کے چھالوں کو
 نہیں فسوس نکھیں بے حقیقت پھول دالوں کو
 بہت آئینہ سے تو ربط ہو صاحب جمالوں کو
 تفکر اس گمراہ کھا گیا نازک خیالوں کو
 کبھو جنگل میں لے چلیے گمان شہری غزالوں کو

اڑا غم نے اسے سوکھے پتوں کی روش ہم کو
 جہاں کبھو کھاتے ہیں اسے عشق کے غم میں
 نہ چشم کم سے مجھ درویش کی آوارگی دیکھو
 کرے ہے جبہ بلب غش سوسائس جنس کی قیمت
 دل عاشق کو رو کیا جانوں خواب کیوں نہیں دیتے
 یہی کچھ دہم سے ہو سہل کب آئے قیاس نہیں
 نہ ایسی طرز دیدن ہو نہ ہر نوں کی یہ جیتوں ہے

کوئی بھی اس طرح سے اپنے جی پر کھیل جاتا ہو
 مگر باز کچھ سمجھے مگر عشق خور دسالوں کو

جیسے مصاحب برکی ہوتی ہے کوئی باؤ
 گریسری سرد آہوں کا واں ہو گیا جھاؤ
 خوں ہی ہوا کیے ہیں مے دل میں سائے چاؤ
 ابروؤں سے جا کے کوئی پانی پیو تو آؤ
 اس چشم بجز نعل کے کبھو دیکھیں ہیں چڑھاؤ
 ٹنک پیھو تو دکھا دیں تمہیں چھاتیوں کے گھاؤ
 ان نظروں سے بھی ہے بہت دور تک گھاؤ
 جب گئے ہیں ہم تو کہاں نے یاں سے جاؤ
 افسوں کیا ہے شانے نے جو اس سے بناؤ

رہتا ہے پیش دیدہ تر آہ کا بھاؤ
 بر سے گی برف عرصہ محشر میں دشت وشت
 حاصل کوئی اُمید ہوئی ہو تو میں کہوں
 آنکھوں کے آگے رونے سے میرے محیط ہو
 رہتی تھی اشک خوبی میں ڈوبی سب آستین
 اظہار درد اگرچہ بہت بے نمک ہے پر
 آعاشقوں کی آنکھوں میں ٹپک لے بدل قیب
 صحبت جو اس سے رہتی ہے کیا نقل کرے ہائے
 صد چاک اپنے دل سے تو بگڑا ہی کی وہ لہف

اس ہی زمیں میں میر غزل اور ایک لکھ
 گو خوش نہ آوے سامیوں کو بات کا بڑھاؤ

ہم سینہ خستہ لوگوں سے بس نکھٹ لگاؤ
 یل مارتے ہی پیش نظر لہفتی کا ڈباؤ
 انہی نہ پار ہوئی نظر عاشقوں کی ناؤ
 دل ہی کے اور پاتے ہیں سب لاہو کا بہاؤ
 کاغذ کو شکل مار سراسر ہے پیچ تاؤ

سب کھا گئی جگر تری پلوں کی کاؤ کاؤ
 آنکھوں کا جھڑ برسنے سے ہتھیار کم نہیں
 کشتی چشم ڈوبی سی ہے بحر اشک میں
 سینے کے اپنے زخم سے خاطر ہو جھج کیا
 بیتابی دل نئی خامہ نے سب لکھی

<p>تم کو ہمارے سر کی سوں تم ہاتھ مت اٹھاؤ دوتا وہی ہے جسکے تکیں کچھ بھی ہو دباؤ اک برگ گل نسیم ہماری طرف بھی لاؤ اسکی گلی کے خضر کو بھی راہ مت بتاؤ</p>	<p>ہر پہن جانیں جاتی ہیں پر تیغ جو ر سے سرتیجے ہو تو پاؤں ترا د میں ہم کبھی چاک نفس سے آنکھیں لگیں کب تلک میں غیرت کا عشق کی ہے طریقہ ہی کچھ جدا</p>
<p>طاہر ہے دیکھنے سے گنہ کیونکہ تیرے سب چھپتے ہیں میسر کوئی دلوں کے نہیں لگاؤ</p>	
<p>کہتے ہیں اپنی ٹوپی سے بھی مشورت کرو</p>	<p>اگر قصد ترک سر ہے کہو شرم مت کرو</p>
<p>اچھی ہے اُسکی تیغ تو باندھو گلے سے میسر مڑتا ہوں میں تو آگے مرے مت صفت کرو</p>	
<p>آنکھ کا لگانا نہ ہو تو اشک کیوں خوب تاب ہو اب جو رونے بیٹھ جاؤں جھیل یا تالاب ہو مازا مشکل ہمارا تم کو جوں سیما ہو ہو نہ صحرائے مری گنجائش اسباب ہو دل ہمارا خون ہو سب چشم کیسر آب ہو کشت زرد نا امیدان بھی تو ملک سیراب ہو</p>	<p>دل کے میں ہوں تو کاہے کو کوئی بیتاب ہو وہ نہیں پھیر کاؤ سا میں اشک ریزی سے کروں جلد تھینچے تیغ بیتابی کریں جو ہم تو پھیر شہر میں زیر درختاں کیا رہوں میں برگ بند بے تصرف عشق کے ہوتا ہے ایسا جاں کب لطف سے اسے ابر رحمت ایک دوبارن دھر</p>
<p>بخت خفتہ سودیں پر ملک چو نکتے سودیں کہ میسر ایک شب ہم دل زدوں سے وہ پری پنجاب ہو</p>	
<p>دل نہ ہے جو ہاتھ رکھے تو سباجات گت مت کریو جنگوز میں گاؤ گئے تو نشان تربت مت کریو ایک ہی وار میں ہو چکے گا دوسری تربت مت کریو زیر جہاں میں تم جو رہو تو کسو سے الفت مت کریو مانے نہ مانے وہ جانے پھر تم بھی منت مت کریو حکومت قسم ہر حرف دشمن کی مجھ سے مروت مت کریو</p>	<p>آج ہمارا جی بیکل ہو تم بھی غفلت مت کریو ڈھیری رہے اک خاک کی تو کیا ایسے خاک ابر کی ایسی جان کہاں جو ہم میں رنج نہ دنیا ہاتھوں کو ہم کو تو مار عشق نے آخر پر یہ وصیت یا رو ہے میری طرف کی یا رو اس سے بات کوئی کہتے ہو کہو کہیے سو کیا اب چپکے دیکھو گو میں اس میں مر جاؤں</p>
<p>ہوش نہیں آتا تو ہمیں ملک میسر آئے ہیں پیش کو جانے سے آگے ان کو ہمارے پیائے رخصت مت کریو سے نلہ پیار کے ساتھ</p>	

اردو لہجہ کے ہونے

میں کیا کہوں جگر میں ہو میرے کم ہے کچھ
پوشیدہ تو نہیں ہے کہ ہم نا تو اس نہیں
کیا اپنے دل و ہڈی سے نہیں ہی دم بخود
جب سے کھلی ہر گیس مست اس کی ظلم ہے

بلبل میں گل میں کیا خفگی آگئی ہے میر
آمد شد نسیم سے سرد و مہم ہے کچھ

کہتے تو ہیں کہ ہم کو اس کی طلب نہیں کچھ
اخلاص و ربط اس سے ہوتا تو شور اٹھاتے
یاں اعتبار کرے جو کچھ وہی ہے ظاہر
رکھ منہ کو گل کے منہ پر کیا غنچہ ہو کے سوئے
دل خوں نہ ہو دے کیونکر کسیر و رائے الفت
یہ حال بے سبب تو ہوتا نہیں ہے لیکن

گر عشق میرا سکا مارے کہیں نہ جاوے
جلدی مزاج میں ہے اس سے عجب نہیں کچھ

رستے سے چاک دل کے ہو آگاہ
رستی ہے خلق آہ شب سے تنگ
آنکھ اس منہ پہ کس طرح کھولوں
خط مراد کچھ دیکھ سکنے لگا
میں مسلمان اُن بتوں سے ہمیں
پلیں اس طرح روئے توئے گشت

میر کعبہ سے قصد دیر کیا
جاؤ پیارے بھلا خیر ہمراہ

اے دھواں اس کی مری جان کے ساتھ
بتابی دل فانی ہی گیا تیر اس کا
جان ہی جائے گی آخر کو اس ارمان کے ساتھ
سے گیا صاف مرے دل کو بھی پکان کے ساتھ

دین و دل ہی کے رہا میرے وہ کافر درپے بکھر پر نہر پہ برسے ہے برابر ہی ابر سطر زلف آئی ہو اس رو سے مخطط پہ نظر تیر اس کا جو گزر دل سے چلا جی بھی چلا میں تو لڑکا نہیں جو بالے بناؤ مجھ کو خون مسلم کو تو واجب یہ بتا جانے ہیں	خصوصی قاطبہ اس کو ہے مسلمان کے ساتھ پیش ہر اک سے کریم آتے ہیں احسان کے ساتھ یہ عبارت نئی لاحق ہوئی قرآن کے ساتھ رسم تعظیم سے ہو لیتے ہیں مہمان کے ساتھ یہ فریبنڈ لگی کر یے کسو نادان کے ساتھ ہو جے کافر کہ اماں یاں نہیں ایمان کے ساتھ
--	---

آدمیت سے نکھیں میرے ہو کیونکر بہرہ
تنے صحت نہیں رکھی کسو انسان کے ساتھ

جائے دے مت اس قدر اب لطف مخطو قال دیکھ کیا مرے طول پریشانی کی حیرت ہمنفس و این صحرائیں کیا وسعت ہے جو دل میں نہیں چشم و دل کا اس سے لگ جانا تو تھا جس طرح گرچہ اس مہر کی جدائی میں مجھے برسوں ہوئے کب نظر میری ٹپے گی اُسکے روئے خوب پر	حال کچھ بھی تجھ میں ہے اے میرا حال دیکھ آ نکھیں تو دی ہیں خدانے اُسکے لپٹے بال دیکھ موند کر نکھیں گریباں میں بھی ٹک سٹوال دیکھ جی بھی ان باتوں میں الجھا اور یہ جنجال دیکھ لیکن اسے اختر شناس ابکا ہے کیسا سال دیکھ ہنشیں ٹک تو بھی مصحف کھول کر تو فال دیکھ
--	---

ٹھوگر میں دل کو لگی ہیں جب چلے ہے راہ تو
یہ خرام ناز ہے ظالم تک اپنی چال دیکھ

آ نکھیں جو ہوں تو عین ہے مقصود ہر جگہ واقع ہوشان بندگی سے قید قبلہ کیا موتن پہ ہم نہ سوختہ جانوں کی ہے نمود ہیں دلی لکھنؤ کے خوش نام خوب لیک پھرتی ہے اپنے ساتھ لگی متصل قبا شہرہ رکھے ہے تیری خیریت جہاں شیخ	باز ذات ہے جہاں میں وہ موجود ہر جگہ سر ہر کہیں جھکا کہ ہے مسجود ہر جگہ ہے سوزش دروں سے بڑوں دود ہر جگہ راہ دفا د مہر ہے مسدود ہر جگہ آپ رواں سے ہم ہوئے نابود ہر جگہ مجلس ہو یا کہ دشت اچھل کود ہر جگہ
--	---

سودا سے عاشقی میں توجی کا زیان ہے
پھرتے ہیں میرے ڈھونڈتے ہی سود ہر جگہ

دسے دن اب سالتے ہیں جہیں پھرے یار کے ساتھ لطف سے حرف و سخن تھے نگہ پیار کے ساتھ
--

۱۰

رو بہ پس یار کے کوچہ سے جو خورشید گیا
دستے نرس کے رکھیں گور بہ سیری دہرات
واں کھنچی میان سے یاں سر کو بھکا یاں نے
عشق کے زار سے بولا نہ خشونت سے کرو
تہمت عشق سے آبادی بھی وادی ہے ہنس

اب خوشامد انھیں کی آٹھ پہر کرتے ہیں
گفتگو میر کو جن لوگوں سے تھی عار کے ساتھ

نہ باتیں کرو سرگرائی کے ساتھ
نہ آٹھ کرو دیر سے جا سکے
فرد و رد آتسو پیے کچھ ہوا
کے میں نے اشعار سرخس میں
شابی گئی اس روشن فصل گل
بکھیرے ہے جوں تخت دل آہ صبح

مری زلیست ہے ہر بانی کے ساتھ
یہ کم لطف ہے ناتوانی کے ساتھ
دوا جیسے پیتے ہیں بانی کے ساتھ
لیکن قیامت روانی کے ساتھ
کہ جوں رفتگی ہو جوانی کے ساتھ
ہو اکب ہے اس گل فشانی کے ساتھ

جلال جی بہت قصہ زمیں
بلا سوڑ تھا اس کہانی کے ساتھ

کلب تک رسنگے یارب ہر دم ہم آید
اس حور سے شبنم کا ملتا گیا سوچ ہوں
راز محبت اپنا رسوا نہ اس قدر ہو
جب کچھ لوگ رہا ہے در کھٹرف اسی کے

ضایع سے جیت اس جوں جس آب دیدہ
جانا نہیں کہ کچھ جوں گنگ خواب دیدہ
گر ہو نہ اشک افشاں خانہ خراب دیدہ
ہے جیسے کہیے ویسے دلت کا باب دیدہ

دوزخ میں میر ہوں میں یار بہشت رو بن
جاں سے ستم رسیدہ دل سے عذاب دیدہ

ادھر مت کر نگاہ تیز جا بیٹھ
اثر ہوتا تو کب کا ہو بھی چکتا
پھرے گا ہم سے کتبک دوزخ عالم
نہ کرو دیوار کا مجلس میں تکیہ

نہ تیر روئے ترکش یوں چلا بیٹھ
دعا سے صبح سے اب ہاتھ اٹھا بیٹھ
کبھو تو ٹکڑے سے اٹھ کر پاس آ بیٹھ
ہائے دُڈھے سے نوڑھا لگا بیٹھ

<p>انھیں دوسیدھی لکھی سنا بیٹھ بہت میں دیکھ کر آخر رہا بیٹھ</p>	<p>بہت پہرے میں ٹھہرے ٹھہرے دھن تلاش اپنی نہ کم تھی جو وہ ملتا</p>
<p>نخالف سے نہ مل بیٹھا کراتا کہیں لے میر صاحب کو جدا بیٹھ</p>	<p>کیا کریں بھی نظر کرنے سے غصہ کھائے وہ کس طرح تڑپے ہے کیا کیا جی کھٹا جاتا ہو ہائے</p>
<p>اور مجلس میں جو رہے دیکھ تو شرمائے وہ ساتھ اسکے دل لگا ہو جس کسوکا واسے وہ منتیں کرے تو یا تک ٹھہرے چلکر آئے وہ فخط ہو جائے سمجھے جو کچھ تو ہائے وہ بیخبرائے کاش بالیں بر مرے آجائے وہ لو ہوئی جاوے ہمارا ہم کو اب جو پاسے وہ</p>	<p>کیا سلوک اُس بیوہ کے نقل کرے ہنہنیں لطف سے بریزے اُس کام جاں سب بدن بخودی ہے جی چلا جاتا ہے ہوں صاحب فرار ہم نہیں ملتے وگرنہ یار سے تا قتل ساتھ</p>
<p>میر کو داشت نہیں ہے مقصد اُس کا اور ہے عشق سے لڑکوں کے دل کو کتلاک بھلائے وہ</p>	<p>میر کو داشت نہیں ہے مقصد اُس کا اور ہے عشق سے لڑکوں کے دل کو کتلاک بھلائے وہ</p>
<p>رویت یائے تھانی</p>	<p>رویت یائے تھانی</p>
<p>جنگل میں نکل آئے کچھ وال بھی نہ بنی میں نے تو اسی دل سے قصد بہت بائی عاشق کشی ہے جب سے ہو عشق کی سنوئی عالم کو تمام اس میں کس طرح ہے گنجائی مفلوک ہوئے اب ہم کر خرچ یہ بالائی وہ زلف بنی دیکھی سب بن گئے سودائی ہر لحظہ ہے خود رائی ہر اک ہے رعنائی جیتا نہ رہا اب تک مجنوں ہی کو موت آئی</p>	<p>تدبر غم دل کی بستی میں نہ ٹھہرائی خواہش ہو جسے دل کی دول در سے سرکھی بے پردہ نہ ہونا تھا اسرار محبت کو گھر دل کا بہت چھوٹا رہ جائے تعجب ہو گھر بار لٹا یا جب تب وہ سہی قید یا خوبی سے ندان اُس کی سب تیں یاں بکریں کیا عمدہ برائی ہو اُس گل کی دورگی سے عاشق کی جسے ہو دے کچھ قدر نہیں پیدا</p>
<p>آزار بہت کھینچے اب میر تو گل ہو کھینچی نہ گئی ہم سے ہر ایک کی مرزائی</p>	<p>آزار بہت کھینچے اب میر تو گل ہو کھینچی نہ گئی ہم سے ہر ایک کی مرزائی</p>
<p>آہ و فغاں کے طور سے میرے لوگ مجھے پہچان گئے خاک میں آ کر ساتھ ہی میرے سب میرے ارمان گئے</p>	<p>شور کیا جو اسکی گلی میں رات کو ہیں سب جان گئے عمد میں سکی یاری کے خوں دل میں سوئے کیا کیا چائے</p>

موت جو آئے سر پر انساں دست و پاگم کرتا ہے
ملت عمر دور روزہ کتنی کرے فتویٰ کا ہے پر
باتھ لگا وہ گوہر مقصد جیسا ہے معلوم نہیں
کہئے سلوک خوں کے کیا کیا پھیر تاج کی ہے نئی
دیکھتے ہی شمشیر بکھن کچھ آج اُسے اوسان گئے
آئے جو ہیں دنیا میں ہمتو جیسے کہیں مہمان گئے
محو طلب الٰہ طلب سب خاک بھی یاں کی چٹان گئے
بکھلے تھے اس سے سو دھان کے بھی انجان گئے

میر نظر کی دل کی طرف کی عرش کی جانب فکر بہت
بھی جو طلب مطلوب کی ہمو کیدھر کیدھر دھیان گئے

سوز و درد سے آگ لگی ہے سارے بدن میں تب سی ہے
طاقت دل کی تمام ہوئی ہے جس کی چال کٹھن سی ہے
سینے کے زخم نمایاں رہتے چاک کئے سو پردہ در
دست سے یہ رننے پڑے تھے چھاتی بھٹی میں اب سی ہے
پرسش حال سمجھو کرتے ہیں ناز و چشم اشارت سے
اُن کی عنایت حال پہ میرے کیا پوچھو ہو غضب سی ہے
گو دین میرے رکھ دیتا ہے پانوں حنائی دے بنے کو
یوں پا مال جو میں ہوتا ہوں مجھ کو بھی تو دب سی ہے
لطف کہاں وہ بات کیے پر پھول سے جھڑنے لگا دیں
سُرخ کلی بھی گل کی اگرچہ یار کے نعل لب سی ہے
خانہ خراب ہوں خواہش دل کا آہ نہایت اُس کو نہیں
جان لبوں پر آئی ہے پر تو بھی گرم طلب سی ہے
تم کہتے ہو بوسہ طلب تھے شاید شوخی کرتے ہوں
میر تو چپ تصویر سے تھے یہ بات اُنھوں سے عجب سی ہے

کیسے نخس دنوں میں یار میں نے اُس سے محبت کی
دھوم رہی ہے سر پر میرے سبج و غتاب و کلفت کی
میں تو سر و شاخ گل کی قطع ہی کا دیوانہ تھا
یار نے قد قامت دکھلا کر سر پر میرے قیامت کی
نست میں جو کچھ کہہ رہا ہوں دیتے ہیں وہی انساں کو

غم و غصہ ہی ہم کو ملا ہے خوبی اپنی قسمت کی
 خلوت یا رہے عالم عالم ایک نہیں ہے ہم کو بار
 در پر جا کر لکھتے ہیں خوب ہماری عزت کی
 اک گردن سے سو حق باندھے کیا کیا کرے ہوں جاوا
 مدت اس پر ایک نفس جوں صبح ہماری فرصت کی
 شیوہ اُس کا مہر و غضب ہے ناز و خشم و ستم وے سب
 کوئی نگاہ لطف اگر کی اُن نے ہم سے مروت کی
 بے پردائی درویشی کی تھوڑی تھوڑی تب آئی
 جبکہ فقیری کے اوپر میں خرچ بڑی سی دولت کی
 ناز و خشم کا رہے کیسا ہٹ کس اعلیٰ درجہ میں
 بات ہماری ایک نہ مانی برسوں ہم نے منت کی
 دھن پور بچھم سے لوگ آکر محب کو دیکھیں ہیں
 خیف کہ پروا تم کو نہیں ہے مطلق میری صحبت کی
 دوستی یار سی الفت با ہم عہد میں اس کے رسم نہیں
 یہ جانے ہیں مہر و وفا اک بات ہے گویا مدت کی

اب حسرت آنکھوں میں اُس کی نو میدانہ پھرتا تھا
 میر نے شاید خواہش دل کی آج کوئی پھر نصرت کی

کیسے ناز و بخت سے ہم اپنے یار کو دیکھا ہے
 نوگل جیسے جلوہ کرے اس رشک بہار کو دیکھا ہے
 چال زمانے کی ہے نظر میں شام و سحر کس کو ہے قیام
 نو وار و ہم یاں کے مہین پر لیل و نہار کو دیکھا ہے
 ایک نہ آیا دید میں اپنے دلکش و لچپ اُس کے رنگ
 ان آنکھوں سے اس گلشن میں یوں تو ہزار کو دیکھا ہے
 قدر کفر اسلام سے زاید جانی سچے فروشی سے
 بکتے کہیں بازار میں تو نے گہ زنا ر کو دیکھا ہے

قلب و دماغ و جگر کے گئے پر ضعف ہے جی کے غائب
کیا جانے یہ قلعی ان نے کس سردار کو دیکھا ہے
باؤ سے بھی گر پٹا کھڑکے چوٹ چلے ہے ظالم سنی
ہم نے دام گھول میں اُس کے ذوق شکار کو دیکھا ہے

جمع کر دوں میر سے تم بھی بتیابی تھی دل کو بہت
اچھے کچھ آثار نہ تھے میں اُس بیمار کو دیکھا ہے

تصویر چیں کی رو بردار کے ذلیل ہے
یاں پاس قطر آب اگر ہے سبیل ہے
دونوں کی ناراضی کے اوپر دلیل ہے
سر پر ہمارے سایہ فلک اب کر ل ہے
دنیا کی قدر کیا کہ متاعِ قلیل ہے
پل مارنے میں پیش نظر ایک جھیل ہے
کانوں میں جو فسانہ اصحابِ فیل ہے
تو مصحفِ مجید میں صبرِ جمیل ہے
کریے جہاں نگاہ ہی قال و قیل ہے
کچھ شامتِ عمل سے تپائیں ڈھیل ہے

ناز و اد کے ساتھ وہ دلبرِ شکیل ہے
ہم خاکِ مٹھ کوئل کے نہ جوں سی پھر
جنگل میں خضر و کبے کا ہونا مری طرح
آگے جنوں چھانوں میں تھے سروگل کی ہم
کچھ چیز و مال ہو تو خریدار ہو کوئی
کیا روڈل شکر لے ہیں لکھوئے سبیل
آتے نہیں نظر میں مرے ہاتھی کے سوار
ہو صبر اس جو یوسف ثانی کے بے جمال
شکر و گلہ سے عشق کے لبریز ہے جہاں
ہم دیر سے ہیں منتظر قد کشی یار

جب دیکھتے ہیں میر تمھیں بیدار ہو
کا ہے کو نازِ عشق میں صاحبِ ذلیل ہے

دور سے دیکھ لیا اسکو تو جی مار رہے
چاروں کہنے کو اس سوخ سے ہم یار رہے
جان بقیاب رہے دل کو اک آزار رہے
ہم جو صورت سے تھے آئینے کی بزار رہے

برسوں گزرے ہیں بے کبتیں یوں پیار رہے
وہ مودت کہ جو قلبی ہو اسے سو معلوم
مرگ کے حال جدائی میں جیں یوں کبتک
وجہ یہ تھی کہ ترے ساتھ لڑی نہ کبھ اسکی

دین و دنیا کا زیاں کار کہو ہکو میر

وہ جہاں داؤ تختیں ہی میں ہم ہار رہے

سب لوگوں میں ہیں لاگیں یاں محض فقیر ہے

اب تک تو بھی اچھی اب دیکھیے پیری ہے

بکھلے تو کہیں لڑکے دھیری ہے یہ دھیری ہے
اک بوند ہفتی لوہو کی اب چھاتی جو چیری ہے
گلگشت گلستاں کا ہے شوق اسیری ہے
نے رحم سے خاطر میں نے غدر پڑیری ہے
اب کرے نخلص تو شاید تھمیری ہے

کیا دھیر بندھے اسکی جو عشق کا رسوا ہو
خون عشق کی گرمی سے سوکھا جسگرہ دل میں
ہم طائر بے پر ہیں دے جنگو ہزاراں میں
اس دلبر بظن سے خوش گزرے ہے عاشق کی
ہم مرثیہ دل ہی کا اکشر کہا کرتے ہیں

کیا اہل دل سے ہے لے میر مجھے نسبت
یاں عجز و فقری ہے واں تازا میری ہے

گھنڈا اول ب ہو ایسا جیسے بچھا دیا ہے
دل ہے جدھر وہ پہلو سارا جلا دیا ہے
جو صاف یوں قصا نے ہم کو مٹا دیا ہے
کیا رنگ دوستی نے جی کو لگا دیا ہے
کتنوں کا در نہ خول کر اُن نے دیا دیا ہے
پیرہ جو رہ گیا تھا وہ بھی اٹھا دیا ہے
ان شکریں لبوں نے ہم کو بچھا دیا ہے
جوں کا غد بوائی اُن نے اڑا دیا ہے
داں تیغ اٹھائی اُن نے یاں چھکا دیا ہے
رہ رکے ہم جلے تو ہم کو مڑا دیا ہے
بارے فقیری نے تو آرام سا دیا ہے
ہم وحشیوں کے قابل رہنے کے با دیا ہے
دل ہم کو بھی خدا نے دردا شاد دیا ہے
خطا مانوشتہ ہم کو ادھر سے لا دیا ہے

سوز دروں نے آخر جی ہی بکھا دیا ہے
اب نیند کیونکہ آدے گرمی نے عاشقی کی
حرف غلط تھے کیا ہم صفحہ پزیرنگی کے
کڑھتے ہمیشہ رہنا ہم کو بغیر اُس کے
اچرچ ہے یہ کہ ہے وہ میر چراغ تربت
آنکھوں کی کچھ حیا بھی سو منڈیلیں دھیر سے
ہم دل زدہ رہے ہیں انواع تلخ سُنستے
جب طول میں دیا ہے نامہ کو شوق کے تب
مرنے ہی کا مہیا اپنے راکیا ہوں
کیا بے نمک ہوا ہے پروانہ راکھ جل کر
تھے جوں چراغ مفلس مضطرب ترک تھا جب
شہروں کے تنگ کو پے کا ہیکو گوں ہیں پے
نادر دمنہ بلبل نالاں ہے بے تہی سے
کیا نامہ بر ہمارا ہے صاف بے پروا

عالم شکار ہے وہ اس سن میں میر اُسکو
بٹھک جانے مارنے کا کن نے بتا دیا ہے

نکوت گل سے آشنا نہ ہوئے
حیف بندہ سے ہو خدا نہ ہوئے

ہم چین میں گئے تھے وانہ ہوئے
سرکسو سے فرو نہیں آتا

<p>عاشق اسکے ہوئے سو کیا نہ ہوئے موسم گل میں ہم رہا نہ ہوئے</p>	<p>خوار و ذلیل دے رویت کیسا کیسا قفس سے سر مارا</p>
<p>میں نہ گردن کٹائی جب تک میر عشق کے مجھ سے حق ادا نہ ہوئے</p>	
<p>دل پنا تو بچھا سا دیا ہے جان چراغ منظر ہے تنے کہا دل چاہے تو بھٹوں کیا جانے کیدھر ہے تم پوچھو تو اور کہیں کیا نسبت کل کی بہتر ہے جی بکھلے کیا اُسکا ہم پر رحم کہاں وہ پھر ہے سمجھے نہ سمجھے کوئی اسے یہ پہاڑ کی آخر کمر ہے</p>	<p>دیکھیے کیا ہوسا بچھ تلک احوال ہمارا تر ہے خاطر اپنی اتنی پریشیاں آنکھیں بھیڑیں ہیں جیراں تا ب تو اں کا حال وہی ہے آج تنگ ہم جیتے ہیں اُس بیہر صنم کی خاطر سختی سی سختی کھینچے ہم سرسبز بڑے کے چڑھیں آہیں ہرگز زیاں دوسری کا</p>
<p>جیسے ملا اُس اُمینہ رو سے خوش کی اُن نے تہ پوٹی پانی بھی دے ہر پھینک سبھو کو میر فقیر فلند رہے</p>	
<p>طوفان سا شہروں میں ہے اک شور و ریا پر بھی ہے لیکن نظر اعلیٰ نمط پر دے میں دنیا پر بھی ہے جو کمزرت ہمسر ہوئی اب جلف و ادنیٰ پر بھی ہے ہم خرچ رہ کیونکر نہوں پیدا ہی پیدا پر بھی ہے</p>	<p>آشوب چشم چشمہ زا اب کوہ و صحرا پر بھی ہے گو چشم بندی شیخ کی ہوا آخرت کے واسطے نے دست مزد بندگی نے قدر سرفراغندگی تنگ اُن کر گم ہو گئے مقصود و مقصود تھا</p>
<p>ہیں خوبیاں ہی خوبیاں وحشی طبیعت میر میں پیرا نس کم ہم سے دلیل اب کی یہ سودا پر بھی ہے</p>	
<p>آخروں کو روئے روئے پریشیاں ہو بہ گئے چل پھر کے لوگ ہاں کے نہیں سارے رہ گئے کیا کیا مکان دیکھتے ناگاہ ڈبہ گئے ناچار ظلم و جور و ستم اُن کے سہ گئے</p>	<p>آنکھوں سے راہ عشق کی ہم جوں نگہ گئے اس عرصہ سے گیا ہو کہیں کوئی تو کہیں کیا کیا ہوئے ہیں اہل زماں و حیر خاک کے ان دلبروں سے کیا کہیں مظلوم عشق ہم</p>
<p>تسبیحیں ڈھیں حرقے مصلے پٹے جلے کیا جانے خاتقاہ میں کیا میر کہ گئے</p>	
<p>میر کیوں رہتے ہیں اکثر انہی اگر نہیں مٹی کسو سے جو بنے</p>	
<p>نہ میں نہ گردن کٹائی اب اس طرح نہیں دلتے بلکہ میں نے گردن نہ کٹائی بولیں گے</p>	

<p>دل کو جوڑ دھوڑ دھوڑ سو کیا کرے کر ہی چکتے ہیں جو کچھ دل میں ہے ہو رہے ہیں دھیریاں سو سو تھے</p>	<p>خون ہو کر بہ گیا مدت ہوئی ہے تو کل جی سے ہم درویش ہیں عالم خاکی بھی بسمل نگاہ سے</p>
<p>اُس شکار افکن کے ہم بھی صید میں خاک و خوں میں لوٹے چھاتی چھتے</p>	<p>اُس شکار افکن کے ہم بھی صید میں خاک و خوں میں لوٹے چھاتی چھتے</p>
<p>ایچھے ہوتے نہیں جگر خستے ہم نہ مرجائیں نہتے ہی نہتے لکھتے کاغذ کے دستے کے دستے کنیاں پھنستی چولیاں چتے اس سے باغ و بہار ہیں رستے بک گئے آہ ہم بھی کیا تہستے</p>	<p>ہم یہ رہتے ہو کیا کر سکتے نہتے کھینچا نہ کیجئے تلوار شوق لکھتے قلم جو ہاتھ آئی سیر قابل ہیں تنگ پوش اب کے رنگ لیتی ہے سب ہو اس کا اک نگہ کر کے اُن نے مول لیا</p>
<p>میر جنگل پڑے ہیں آج جہاں لوگ کیا کیا نہیں تھے کل تھے</p>	<p>میر جنگل پڑے ہیں آج جہاں لوگ کیا کیا نہیں تھے کل تھے</p>
<p>ہر چند کہ گل شگفتہ پیشانی ہے لڑکوں سے ملاقات ہی دانی ہے خوبی سے ترے چہرہ کی حیرانی ہے کاغذ جو لکھے ہو اب سو افشانی ہے دل سوختگی، عذاب روحانی ہے سو برسوں میں کائنات مریانی ہے</p>	<p>سب شرم جبین یار سے پانی ہے سمجھے نہ کہ بازیم اطفال ہوئے جوں آئینہ سامنے کھڑا ہوں یعنی خط لکھتے جو خوفناک تھے ہم اُن نے کہا دورخ میں ہوں حلتی جو رہے ہو چھاتی منت کی بہت تو اُن نے دورخ کے</p>
<p>کل سیل سا جوشاں جو ادھر آیا میر سب بولے کہ یہ فقیر سیلانی ہے</p>	<p>کل سیل سا جوشاں جو ادھر آیا میر سب بولے کہ یہ فقیر سیلانی ہے</p>
<p>ہے وہ ہی بات جس میں ہو یہ بھی چار دن کی ہے چاندنی یہ بھی ہے جلالت زمانے کی وہ بھی زور بیٹھی ہی یار کی گہ بھی</p>	<p>جی کے گلے کی میر کچھ کہ بھی حسن اے رشک نہ نہیں رہتا شور شیریں تو ہے جہاں میں نے سکے بچے سے دل نکل نہ سکا</p>

اس زمیں گرد میرے ہر سانہیں
آسمان پر اگر چہ ہے ہر بھی
کیا کہوں اُس کی زلف بن روو
میں پر اگندہ دل گیا ہر بھی

اضطرب ہو جو ہماری کے میر
بچہ کے بولا کہ بس کہیں رہ بھی

کہیں آگ آہ سوز نہ نہ چھاتی میں لگا دو
بہت روئے ہمارے دیدہ تراب نہیں کھینٹے
تھمارے پائوں گھر جانے کو غم تو کے نہیں ٹھٹھے
ویل گری ہے حضور ملتا ہے جنگل میں
گئے ہی جی کے فیصل ہو نیاز و ناز کا جھگڑا
مڑائی ہی رہی روزوں میں با ہم بیدار ہی ہے

ہو اس میر جو اس بت سے سائل ہوئے لب کا
لگا کہنے ظرافت سے کہ شہ صاحب خدا کو

تیر جوڑے وہ ماہ آتا ہے
صل کو سر پر رکھیں سبھی لکین
اپنا اپنا ہے ذائقہ ہم کو
آنش عشق جس کے دل کو لگی
دیکھنا ہے تو ہے ہسم پردہ
میری تو ہے پلک سے چھوٹی نگاہ

میر صنل ہے لمو اُس سے
دیکھو باتیں تو کیا بناتا ہے

شکستہ غم و ستم یار ہم ہوئے
کی زمین جو متاع انت ازل کے بیج
جی کھینچ گیا اسیر نفس کی فدا کی اور
پامال یوں کیا کہ برابر میں خاک کے
عاشق کہاں ہوئے کہ گنگار ہم ہوئے
جب اورے کے نہ خریدار ہم ہوئے
تھی چوٹ اپنے دل کو گرفتار ہم ہوئے
کیا ظلم ہو گیا جو طلبگار ہم ہوئے
سے حافظہ آسمان بار انت تو انت کشیدہ قمر نہ فال نہ ہم دیوانہ روز و رات

ہوتا نہیں ہے بخیر سہری کا مال خوب
وصل اُس طبیب زاد یکا جی چاہتا رہا

افسوس ہے کہ دیر خبر دار ہم ہوئے
آخر اس آرزو ہی میں بیمار ہم ہوئے

بھل ہے یہ میر عشق کا اس نو بہار کے
آخر جو کشت و خون کے سزاوار ہم ہوئے

کسی میں اُن لبوں کی جانفرائی
تعارف کیا رہا اہل چین سے
کہاں کا بیستوں فرہاد کیسا
جفا اٹھتی دفا جو عمر کرتی
کہیں سو کیا کہیں سر پہ ہمارے
گیا اُس ترک کی آند کو سن جی
موافق ظلم ہو تو تو پھر جہاں ہیں
بغیر از چہرہ مستانی یار
گئی طعنے ہو دل کی آری تو
فراق یار کو آساں نہ سمجھو
پھر آنا کہے سے اپنا نہ ہوگا

یہ بات اک بیخودی میں مٹھ ہے آئی
ہوئی اک غم میں اپنی رہائی
یہ تھی سب عشق کی زور آزمائی
سو کی اُس رفتنی نے بیوفائی
قیامت شامت اعمال لائی
تھی ہم سے نہ اک دم بھی ادائی
مثل ہو میری تیری آشنائی
ہمارے مٹھ یہ چھوٹے ہو آئی
ہوئی صد خیزد انس سنی خود مائی
کہ جان و تن کی مثل ہو جدائی
ابا کے گھر کی ہم نے راہ پائی

ہوئے ہیں دو دہل سے میر کے تنگ
پھر اس جوئی نے یاں دھوئی لگائی

ہوں خاک پا جو اُس کی سر کوئی سر نہ ہوا
ان دو ہی صورتوں میں شکل اب نباہ کی ہے
اُس مہر بغیر عالم آنکھوں میں سب یہ ہے
کچھ زخم کھل چھے ہیں کچھ داغ کھل چھے ہیں
جوں لیلیٰ اور مجنوں تا نقش کچھ رہے یاں
یہ طرح وار لڑکے دیں بیٹھے تب اُس کو
ہم جس زمیں پہ آئے واں آسماں یہی تھا
تنب شکے حال میر الیتیا ہے موند آنکھیں

مٹھ پھرے وہ تو بہو پھر کون مٹھ لگاوے
یا صبر ہم کو آوے یا رحم اُس کو آوے
دیکھیں تو عشق کیا کیا ہم کو سپین کھاوے
ایکی امبار دیکھیں کیا کیا شکوے لاوے
اُس کی مری بھی صورت یکجا کوئی بناوے
جب جی سے کوئی اپنے سر طرح دل اٹھاوے
یا رب جو کوئی جاوے تو کس طرے کجاوے
بچے سے میں کہوں کیا سوتا ہو تو جگاوے

طاعت کا محو تب ہے جب ڈھب نہیں ہوتا ہے
چھوڑے نماز واجب مگر میرا وقت پاوے

مراد امن بنے تو باندھ دو گل کے گریباں سے
رہے دس دن جوانی عمر کے یاں ہم سوہاں سے
شرارے تب تو نگے ہیں ہماری چشم گریاں سے
نہ و بچی ہے اسکے خط سے نے زلف پریشاں سے
جنوں اس دشت میں ہمے کیا ہو کیسے سماں سے
رہی شرمندگی ہی عمر بھر مجھ کو دل و جاں سے

بہار آئی نکالومت مجھے اب کے گلستاں سے
نہ ٹلک واشد ہوئی دل کو نہ جی کی لاگ کچھ پائی
غم بھراں نے شاید آگ دی اس ناہ بن دل کو
سبب شفقہ طبعی کا ہماری رہتے ہیں دونوں
ادھر زنجیر کا غل ہے اُدھر تنگامہ لڑکوں کا
محبت میں کسویں رنج و محنت سے گئے دونوں

خدا جانے کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے
کھڑے تھے میر صاحب گھر کے دروازے پر حیران

رات دن ہم امید دار رہے
جھپٹتے ہی دل کو خار خار رہے
دل کو اپنے اگر قرار رہے
اس جفا پیشہ کے شکار رہے
چاہیے یوں کہ ہوشیار رہے
رہے اپنا جوا اختیار رہے

برسوں تک جی کو مار مار رہے
موسم گل ٹلک رہے گا کون
بھل یا ہجر کچھ ٹھہر جاوے
خوشنوا کیسے کیسے طائر قدس
اسکی آنکھوں کی مٹی سے عاشق
دل لگے پر رہا نہیں جاتا

کم ہے کیا لذت ہم آغوشی
سب مزے میرے در کنار رہے

تو میاں مجنوں بیاباں سے گئے
ارے جی کے ساتھ سب سائے گئے
ارے حسرت کے ہی ہم جانے گئے
شیخ صاحب دین و ایماں سے گئے

یوں جنوں کرتے جو ہم یاں سے گئے
مر گئے دم کب تک رکتے رہیں
کیا بدن دکھا جی چولی سے ہلے
جانب مسجد بھی وہ کافہ نگاہ

پتھ میں آئے کسویں زلف کے
میر اس رستے پریشاں سے گئے

سبزی بہت لگی ہے منھ سے پیارے تیرے

اے نوخط ایک دن ہے جھگڑا ہمارے تیرے

<p>کیا حال یاں رہا ہے ظلموں کے مارے تیرے کچھ تو اثر کیا ہے جی میں بھی بارے تیرے یاروں کی ہیں نظر میں یہ رنگ مارے تیرے</p>	<p>حیران حال عاشق ہو گی اجل پہنچ کر ہر بار دیکھے ہے تو ایدھر ہی آہِ شب نے باغِ دیہار و نکست گل بھول سب ہی تو ہے</p>
<p>لماس میسر تجھ کو کیا عشق نے دیا ہے نخت جگر گرے ہیں جوں لعل یارے تیرے</p>	
<p>اک ایک کو نہیں پھر غیرت سے دیکھ سکتے اب وہ نہیں کہ دھڑ دھڑاتے ہیں لہر کرتے کانٹے سے اپنے دل میں رہتے ہیں کچھ کھٹکتے اب دل جگر ہمارے پھوڑے سے ہیں لپکتے وہ ترک مست جیسے ہوں راہ میں بھٹکتے چہروں کے رنگ مٹنے دیکھے ہیں کیا بھٹکتے جاتے ہیں ہم جس سے اس فافلہ میں بکتے لو باد گاہِ خوبی جوں شاخ گل چٹکتے</p>	<p>دو دیدہ تراپے جو یار کو ہیں سکتے حرکت دلوں کی اپنے تیرے ہی رہے ہے پگلوں کی اُسکی جنبش جاتی نہیں نظر سے ہوتا تھا نگاہ گاہے محسوس درو آگے بھرتی ہیں ایدھر اودھر دے شوخ آنکھیں سی شعلوں کی ڈانک گویا لعلوں تلے دھرے ہیں یوں بات راہ کی تو مستنا نہیں ہے کوئی جاگہ سے لے گئے ہیں نازاں جبا گئے ہیں</p>
<p>اس حسن سے کہاں ہے غلطانی موتیوں کی جس خوبصورتی سے میسر اشک ہیں ڈھلکتے</p>	
<p>عجب مرحلہ بہکو درپیش ہے ہیں سے یہ پیدا تم کیش ہے وہ خوشرو تو ہے پر بد اندیش ہے لیکن خطیشت لب تیش ہے</p>	<p>غم مرگ سے دل بگریش ہے ہم سے اُسے شوق تیر و کہاں ولا اُس کے ظاہر یہ مت جانیو ہمت خوب ہے لعل نوشین یار</p>
<p>ہمیں کیا جو ہے میسر ہوش سا خدا جانے یہ کیا ہے درویش ہے</p>	
<p>کیا قیامت کا قیامت شور ہے پر نہ پوچھا ان نے وہ بھی زور ہے عاقبت دیکھا تو خاک گور ہے کیا سمجھ کر خلق اسپر زور ہے</p>	<p>گوش ہراک کا اُسی کی اور ہے پوچھنا اس نا تو اں کا خوب تھا ضندل درد سر سر و وفا رشتہ اُلفت تو نازک ہے بہت</p>

ناکسی سے میر اس کو پے کے پنج
اس طرح بکھے ہے جیسے چور ہے

لے زمین سے تافلک فریاد و زاری کیجیے
مر گئے ہم کب تلک تیمار داری کیجیے
جی میں ہے آگے ترے کچھ دشکاری کیجیے
کیجیے کیا غم سے یوں ماتم گزاری کیجیے
چشمہ چشمہ خون دل آنکھوں سے جاری کیجیے
صرف کیجیے عمر تو اس جاے ساری کیجیے
عشق میں جوں کو کہن کیجیے بردباری کیجیے
پر کبھو تو آئیے حاضر ہماری کیجیے

شب اگر دلخواہ اپنی بقیراری کیجیے
ایک دن ہو تو کریں احوال گیری دلی آہ
نو چپے ناخن سے منہ یا چاک کرے سب جگر
جانیے اس شہر ہی سے اب گریباں بھاڑ کر
یوں بے کنتک کہ بے لعل لب اس سے ہر طرف
کنج لب اس شوخ کا بھی ترچھنے کی جائے ہر
کوہ غم سر پر اٹھالیجے نہ کہیئے منہ سے کچھ
گر چہ جی کب چاہتا ہے آپ کا آنے کو یاں

آشا ہو اس سے ہم مر گئے آئندہ میر
جیتے رہے تو کسو سے اب نہ یاری کیجیے

پر یہ کہانہ ظالم اس کی نہیں سہی ہے
گر کوئی بات دل کی بلبل سے میں کہی ہے
باتی ہے وقت کتنا فرصت کہاں رہی ہے
کشکول بازگوں ہے یا افسر شہی ہے
عمر دراز کی سب تقصیر و کوتاہی ہے
جاتا نہیں ہے سمجھایہ باؤ کیا بھی ہے
ہو جائے یاس جس سے سوچ یہ ہی ہے
چڑھنا ہمارے منہ پہ دریا کی بے تہی ہے

صد گو نہ عاشقی میں ہم لے بھاسہی ہے
کرتی پھری ہے رسوا سارے چمن میں مجھ کو
ہے صبح کا ساعہ پیری کا اسمیں کیا ہے
درد لیش جب ہوئے ہم تب ہے ہمیں برابر
جیتے رہے بہت ہم جو یہ ستم اٹھائے
روئے میں منسل ہے ہونٹھوں پہ آہ میری
آزار عاشقی میں کاہنکی پھسر توقع
ردا ہمیں نظر کر رہا ہے کیے کنت را

جلاہٹ اس طرح کی جو میر کس سے ہوئے

بادرنہ ہو تو دیکھو یہ ہو نہ ہو دی ستم

افسوس ہے کہ آکریوں بیٹھ یک نہ رہے
مرا کاں ہمہ زون میں باقی رہی نظیر
ہے سے ہے عشق اپنے دیوار و در سے

کل جوش غم میں آلو کیجیے نہ چشم تر سے
کیا ہے نمود مردم جو کیجیے دیکھو یہ تم
ہم ساسکت خاطر اس بستی میں نہ ہو تم

کیا کام نکلے گا اب ٹکڑے ہوئے جگر سے
 دکھیں تو منہ دکھا دے وہ کام جاں کھڑے
 اُس کی خبر لے گی اک آدھ بے خبر سے
 بس ہو چکی توقع اب نالہ سحر سے
 منہ دیکھنے کو تیرا تاج بند کوئی تر سے

مسلم اگلی سی توحید اُت الم کشی میں
 آئینہ دار اُسی کے پاتے ہیں شش جہت کو
 مت رنج کھینچ مل کر ہشیا مردماں سے
 جب گوش زد ہوا اسکے تب بیدار ہو وہ
 اسے رشک پہ کبھو تو آچاند سا نکل کر

چاہت بری بلا ہے کل میر ناکش بھی
 ہمراہ نے سواراں دوڑے پھرے نفرت سے

جوں ہم جلا کریں میں بھلا جلتے کب ہیں بے
 جلتے ہیں درو مند یہ جلتے کڑھب ہیں بے
 کہتا ہے جب وہ طنز سے ہکو عجب ہیں بے
 اپنے جگر کے جلنے کے بارے سبب ہیں بے
 ان کو غریب کوئی نہ سمجھے غضب ہیں بے
 رکھے خدا سلامت اُنھوں کو کہ اب ہیں بے

برق و شرار و شعلہ و پروانہ سب ہیں بے
 لے موئے سر سے ناخن پائیک بھری ہے آگ
 ہوتا ہے دل کا حال عجب غم سے اس گھڑی
 آتی ہے گرم باد صبا اُس کی اور سے
 غربت پہ مہرباں ہوئے میری سو یہ کہا
 فراد و قیس لے گئے کہتے ہیں اب یہ لوگ

سید میں میر صاحب و درویش و درو مند
 سر رکھتے اُن کے پاؤں یہ جاے اوب ہیں

اس عشق و محبت نے کیا خانہ خرابی کی
 چھاتی ہوئی ہے میری دوکان کبابی کی
 تم دیکھو نہ کچھ بولو کیا بات شرابی کی
 پر زور تھی تھے کتنی غنچہ کی گلابی کی

خوش طرح مکاں دل کے ڈھانے میں شتابی کی
 سکے ہے دل پر صحر کو بہتا ہے جگر آدھ
 وہ گرس متانہ باتیں کرے ہے درہم
 بے سدھ ہوئے ہم آئی اک بوچھلکساں سے

رونے سے دل شب کے تیر میر کے کپڑے ہیں
 پر قدر نہیں اس کو اس جامہ آبی کی

وہ جو بے رواسط طرف ملک کرے
 جب تلک دوری سے کوئی خاک کرے
 ایک اگر عاشق قلندر ہو کرے
 کاش انصاف اپنے بلین تو کرے

کوئی ساحر اُس کو کچھ جادو کرے
 دور سے تلک ملقت ہوتے رہو
 دم میں ہو آئینہ عالم سیاہ
 کس سے تیری چاہیے وادستم

غنچہ پیشانی چمن میں رہا
لوہو پانی ایک گرد تیا ہے عشق
بید ماغ عشق گل کیا ہو کرے
پانی کر دے چشم دل کو ہو کرے

اب جنوں میں میر سوئے وشت جا
کار و حشت کے تئیں یکسو کرے

حدیث زلف دراز ان کی منہ کی بات بڑی
کبھو جو گالی ہمیں دیتے ہو کرو موقوف
کبھو کے دن میں بڑے یاں کبھو کی رات بڑی
تھھاری بس ہیں یہی ہم پہ اتفاقات بڑی

وخیل ذات نہیں عشق میں کہ مہر کو دیکھ
ذلیل کیسے ہیں اُن کی ہے گو کہ ذات بڑی

ہے تما شا حسن و خط حیرت بھی ہے
تا دم آخر نہیں بولے ہیں ہم
ہے وہ فتنہ ہم حرلیت و ہم ظریف
تیغ نے اُس کی ہمیں قسمت کیا
والیسم صبح سے ہوتا ہے گل
جی ہی دینے کا نہیں کڑھنا فقط
یعنی خط تو خوب ہے صورت بھی ہے
کچھ کہیں گے بارے اب خصت بھی ہے
مارے گالی ہے پھر منت بھی ہے
خوش نصیبی ہے تو پر قسمت بھی ہے
تجکواے مرغ چمن غیرت بھی ہے
اسکے در سے جانے کی حسرت بھی ہے

دور سے باتیں کرے ہے یوں ہی یا ر
میر عا حب سے انھیں صحبت بھی ہے

چلے ہم اگر تم کو اکراہ ہے
نہ افسر ہے نے درو سر نے گلہ
جہاں لگ چلے گل سے ہم داع ہیں
غم عشق ہے انگہانی بلا
چراغان گل سے ہے کیا روشنی
محبت ہے دریا میں جاؤ دہنا
کلی سا ہے کہتے ہیں منہ یار کا
نہ کی کو تہی بت پرستی میں کچھ
گیا میر کے جی کی شکر وہ شوخ
فقیروں کی اللہ اللہ ہے
کہ یاں جیا مسر ویا مسر وہ ہے
اگر چہ صبا بھی ہوا خواہ ہے
جہاں دل لگا کر ہٹا جاگاہ ہے
نکستار کو کی قد نگاہ ہے
کو میں میں بھی گزرا یہی چاہ ہے
نہیں متبرک کچھ یہ انواہ ہے
خدا اس عقیدے سے آگاہ ہے
لگا کہنے سب کو یہی راہ ہے

کتنا جی عاشق بیتاب کامر جاتا ہے
شوق کیا جانے لیے مجھ کو کدھر جاتا ہے
اب کوئی پل میں یہ سیلاب اتر جاتا ہے
آگے سے آنکھوں کے وہ باغ نظر جاتا ہے
سارا زنجیر دامن بھی تو کھسک جاتا ہے
ہلک ہوا لگتی ہے اُس کو تو اچھر جاتا ہے
نامہ بر مجھ سے کہو تو بھی چسپ جاتا ہے
عاشق اک آن ہی میں جی سے گزر جاتا ہے

یار کا جور و ستم کام ہی کر جاتا ہے
جیسے گرداب ہر گردش مری سر جاتا ہے
جوشش اشک میں کج طہرے رہتے نظر
زرد رخسار پہ کیوں شکست آدے گل رنگ
زہ گریباں کی ہی خوناب سے تر ہوتی ہیں
واغظ شہر تنگ آب سے مانند حباب
کیا لکھوں نجات کی برنگی نابوں سے مرے
آن اُس دلبر شیریں کی چھری شہد کی ہے

ہر سحر بھیجے اُس ادب اش کے خورشید ای میر
وصال تلوار سے جیسے نقتہ جاتا ہے

یہ چوٹ ہی رہے ہے اس رو سیاہ کو بھی
غمرہ نے درغلنا شاید سیاہ کو بھی
منزل نہ پہنچے ہم تو طے کر کے راہ کو بھی
ٹک دیکھو اس شکست طرف کلاہ کو بھی
کاوش رہے ہے جی سے اس کی نگاہ کو بھی
پہلے تو پوچھتے ہیں ظالم گناہ کو بھی
پامال یوں نہ ہوتے دیکھا گیا کو بھی
منظور رکھیے کچھ تو بارے نباہ کو بھی

ٹھوکر لگا کے چلا اس رشک ماہ کو بھی
اُس شاہ حسن کے کچھ فرکاں کچھ بھی ہیں
کی عمر صرف ساری پرگم ہے مطلب اپنا
سر بھوڑنا ہمارا اُس طرے پر نہ دیکھو
کرتی نہیں خلش ہے مرکان یار دل میں
خونہ زیزی کے تو لاگو ہوتے نہیں یکا یک
جوں خاک سے ہے یکساں میر انہماں قامت
ہر خطہ پھیر لینا آنکھوں کا ہم سے کیا ہے

خواہش بہت جو ہو تو کاش ہے جان دل کی
کچھ کم کر ان دنوں میں اے میر چاہ کو بھی

کہ تو دار و پیہ ہے رات کو بلکہ کینوں سے
لگے رہتے ہیں داغ ہجر ہی اب بے سینوں سے
مری چھاتی جلا کرتی ہے اب تھے مینوں سے
چڑھی نیوری سے محبوبوں کی ادرار و کی جنوں سے
نہیں نکلے تھے گورے ہاتھ اسکے آستینوں سے

سنا جاتا ہے اے گھٹنے ترے مجلس نشینوں سے
گئی گرم اختلاطی کب کی ان سحر آفرینوں سے
گلے لگ کر نہ یک شب کاش وہ نہ سو گیا ہوتا
خدا جانے ہے اپنا تو جگر کا نیا ہی کرتا ہے
بہت کو تاہ دامن خرتے شیخوں کے پھٹے پائے

رہے جو خیال اُسکے تو کینت سے ہاتھ آئے
بزرگ برگ گل ساتھ ایک شادابی کے ہوا ہے
بہت میں نخت دل رو یا مجھے اک خلق نے جانا

غزل ہی کی رویت و قافیہ کا رفتہ رہتا ہے

نکلنا میرا مشکل ہے میرا ان زمینوں سے

اب دیکھوں مجھے کس کا گرفتار کرے ہے
سونا ز مجھے تے خسریہ ار کرے ہے
گل باغ سے کیا رخت سفر بار کرے ہے
یہ دوستی ہی ہے جو گرفتار کرے ہے
ایک ایک سخی پر بھی دہن کرے ہے
مرنے کے لیے لوگوں کو تیار کرے ہے
کب اپنے تئیں یوں کوئی ہوا کرے ہے
انسان کو حیرانی بھی دیوار کرے ہے

میتابی جو دل ہر گھڑی اظہار کرے ہے
کچھ میں بھی عجب جنس ہوں بازار جہاں میں
ہے اشک سے بلبل کے بھرا چوچوں میں بانی
اس چاہ نے دل ہی کو تو بیمار کیے ہیں
آگے تو جو کچھ ہم نے کہا مان لیا اب
زہنمار نہ جا پرورش و در زماں پر
کیا عشق میں ہم اس کے ہوئے خاک برابر
تصویر سے دروازے پر ہم اس کے کھڑے ہیں

کیونکر نہ ہو تم میرے آزار کے درپے

یہ جرم ہے اس کا کہ تجھیں پیار کرے ہے

یہ بھی کوئی لطف بے ہنگام ہے
حسن کا بھی شہرہ جوش شام ہے
سر کا جانا جس میں ہر اک گام ہے
تو یہ کہتا ہے کہ مجھ کو کام ہے
کیا کہوں کیا گردش ایام ہے
اُس کی دوری میں کسے آرام ہے

دشمنوں کے رد پر دشنام ہے
محور لطف یا رہے عالم تمام
عشق کی ہے راہ کیا شکل گزر
گر کہا نا کا مارنے کو کبھی
روز و شب چہرہ ہوں گے چہرے کے
چین دن کو ہے نہ شب کو نیند کم

بزم میں پوچھا تو یوں انجان ہو

میرا ان لوگوں میں کس کا نام ہے

دل عجب نسخہ تصوف ہے

لے لے کن تکیہ بر ملک دنیا و پشت بکہ بیابان چو تو پروردگار

یہ بھی دردِ لیش کا تصرف ہے
خواب میں آدے تو لطف ہے
واں دہی اب تاگ تکلف ہے
عہد پر عہد ہے تخلف ہے

آپ ہی صرف عشق ہو جانا
منہ ادھر کر کے وہ نہیں سوتا
یاں تو تکلیف سی کھنچی تکلیف
چھیر اس شوخ نے رکھی ہم سے

مرگ کیا منزل مراد ہے میر
یہ بھی اک راہ کا توقف ہے

دل کو ہمارے چین دے اکھونکہ خواب دے
لوگوں کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے
جاتی ہے فصل گل کہیں ساقی شراب دے
کر رحم مجھ پہ کاشکے یار اسکو آب دے
کیا دردِ بیشمار کا کوئی حساب دے
بیجاں سے یہ رشتہ والا اس کو تاب دے

تسکین درد مندوں کو یارب شباب دے
اسکا غضب سے نام نہ لکھنا تو سہل ہے
گل ہے بہار تب ہی جو آکھونیں بندہ نشہ
وہ تیغ میری تشہِ بخون ہو گئی ہے کند
دو چار الم جو ہو دیں تو ہیں بابت بتاں
آزنگہ کا سوت نہیں بندھتا ضعف سے

مژگان ترکو یار کے چہرے پہ کھول میر
اس آبِ حنہ سبزے کو تک آفتاب دے

نہ جرات ہے نہ جذبہ ہے نہ یاری بخت بد سے ہے
یہی بے طاقی خوں گشتہ دل کو میرے کد سے ہے
جہاں شطرنج بازندہ فلک ہم تم میں سب مہرے
بسانِ شاطر نو ذوق اسے مہروں کی زد سے ہے
سخن کرنے میں تعلق گوئی ہی نہیں کرتا
پڑھے ہیں شعر کوئی ہم سو وہ بھی شد و ست ہے
ہو اسر سبز آگے یار کے سروِ گلستاں کتب
کہ نسبتِ دور کی طوبے کو اس کے نخلِ قد سے ہے

لکھا کب تک کریں اس سرزمین سے آپ ہی اب جاویں
ہمیں ملنے کا شوق اس کے زیا دے میرِ حد سے ہے

۱۷ میر مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے ذمینی آگے چلیں گے دم لے کر +

مٹھ بھیر اگر ہو گئی اس تیغ کھنک سے
کہدوں ہوں دعا بخوبیوں کو میں اپنی طرف سے
سب کے لیے میں میرے در پہ میں صدف سے
جی کیونکہ بچاؤں کو اس کی گف کی تھ سے
ہم اپنے تئیں دور نہ کیوں کھینچیں شرت سے
چنگاریاں گر گئی ہیں ہی پکوں کی صف سے

کٹ کر گرینگے راہ میں شاق علف سے
جاتا ہے کوئی دشت عرب کو جو گولا
دریا تھا مگر آگ کا دریا ہے غم عشق
دل اور حلقہ یہ تو جلے آتش غم میں
شب کے سگ کو نے ہیں پاس بٹھایا
چھاتی میں بھری آگ پر کیا جسے شرف ذرہ

اسے میر گدالی کر دل دروازے کی اس کے
مانگوں ہوں ہی آٹھ پہر شاہ بخت سے

خبر کیوں پوچھتے ہیں مجھ سے لڑکے اس دوانے کو
نہ کی کچھ قدر اُن نے حیف اس آئینہ خانے کی
دفاؤں میرے سودہ نہیں بابت دکھانے کی
ہماری جان میں طاقت نہیں باتیں اٹھانے کی
کہ پھر پائی نہ ہم نے راہ اپنے آشیانے کی
سمجھ میں چال کچھ آتی نہیں اپنے زمانے کی
حسیر اپنے گھن کی خاک ہو اُس آستانے کی

کہو کچھ میری وحشت سے ان گلیوں میں آئیگی
جہاں سے دل کو دیکھو تھنہ نظر جو لٹاں طاق آئے
ہمیں لیتے ہو آنکھیں موند کر تو تم کہ جس انہی
کہو ہوزیر لب کیا دیکھ کر ہم نا تو انوں کو
بزرگ طاقتور ہوئے آوارہ ہم اٹھ کر
عجب چوڑی بھی ہے ہر زباں اڑتا ہر رنگ اپنا
اگر طالع کرے یاری تو میرے کر بلا حاکر

غزل اک اور بھی اس گل زمین میں قصہ دیکھئے
ہوئی ہے اتو خو آخر ہیں باتیں بنانے کی

طرح آتی ہے اس قد کو قیامت سر پہ لانے کی
نئی یہ رسم ہم جاتے ہیں چھوڑے دل لگانے کی
او اکرتے جو تم کیا خوب ہم سے مجھ چھپانے کی
سیخ و خضر کو پہونچی بشارت زہر کھانے کی
سی اُجرت ملی ہے کما ہمارے خاک چھانے کی
رکھی ہر سون ملک منت سمجھو کی بات لانے کی
نشان یاد نگاری ہے ہماری ناک اڑانے کی
اکٹ لی ہے نئی یہ نیرتی چھاتی کے جلانے کی

سنگ ان پکوں کو جو ٹھوکر سے تھنے کر چکا سکی
کسو سے آنکھ کے لتے ہی اپنی جان دے بیٹھے
جہاں ہم آئے چہرے پر بھیرے بال جا سوتے
سبیں جیگی ہیں اُس کی سبز خط کی ہرایت سے
جہاں اُسکے لیے غریب کر نو مید ہو نیٹھے
ہوں کیا ایک بوسہ لب کہ دیکر خوب رگڑایا
گونا گونی اُتسا ہے کہ آدھی کوئی آتی ہے
کوسے سے دغ اُس کا عید کو سب کے گلے ملنا

لڑا کر آنکھیں اس ادبش سے اک بل میں مگر ذرا
حکایت ہو تجب ہی میری جی کے مارے جانے کی

کہ صورتِ آسمان کی دیکھ کر میں نے زین بھی
طرح ترکیب ایسی بنے اب تک تو نہیں دیکھی
کروں ہوں شکر کے سجدے کہیں وہیں دیکھی
لگا کر بارہا اس شوخ سے تصویر چس دیکھی
پچھے خرتے بہت جو چاک کی وہ آستیں دیکھی
بلا حسرت کے ساتھ اُس کی نگاہ واپس دیکھی

کر یہ شکل ہیئت آن کر ایسی نہیں دیکھی
بکھو دیکھو گئے تم جو وہ طر حصارِ سطر من آیا
مہ کیفتہ دلکش اس قدر کا ہی کو ہوتا ہے
کہاں وہ طرز کیں اسکی کہاں چن جیں اسکی
گر یہاں بھاڑ ڈالیں دیکھ کر دامن کشاں اسکو
تیرے بیمار کے بالیں یہ جا کر ہم بہت روئے

نظر اُس کی حیات سے میری شہتِ پابر اکثر ہے
کھنڈوں نے کاہیکو اسکی سی خیم شہرِ یگین دیکھی

دل داغ ہو رہا ہے چمن کے بھاؤ سے
پاں کھل رہے ہیں دیدہ خونبار کھاؤ سے
جب آسمان لٹینگے کاغذ کے تاؤ سے
دل کے گئے پہ دیتے ہیں جی کیسے جاؤ سے

دن فصل گل کے ابکی بھی جاتے ہیں باؤ سے
پہونچے نہ باس گل کی ہمارے مشام میں
نامہ مرے عمل کا بھی اسے کاش ساتھ جائے
وارِ فکان عشق بھی کیا طرفہ لوگ ہیں

کہتے تو کیے بات کوئی دل کی میر سے
پر جی بہت دُور ہے انھوں کے جواؤ سے

بھیچک کوئی رہ جائے کوئی جی سے گر جائے
آغوشِ مری ایک شب اُس شوخ سے بھر جائے
تم ٹھہر و کوئی دم تو مرا جی بھی ٹھہر جائے
بجلی کے ترپنے سے کوئی جیسے کہ ڈر جائے
عاشق کو برا کہ کے منہ ہی منہ میں مگر جائے
ڈرتا ہوں کہ وہ اور بھی آزر دہ نہ کر جائے
آوارہ جو ہو عشق کا بیچارہ کہ بھر جائے
یہ سیل جو اک زور سے آتا ہے اُتر جائے
ان خانہ خرابوں کی کہو جن کے وہ گھر جائے

کیا چال نکالی ہے کہ جو نیچے سو مر جائے
ما چند یہ خمیازہ کشی تنگ ہوں یا رب
بیطاقتی دل سے مری جان ہے لب پر
پڑتے نگہ یار مرا حال سے ویسا
اُس آئینہ روشخِ مفتن سے کہیں کیا
ناکس کی تلافیِ مستم کون کرے ہے
جاتا ہے جدھر منزل مقصود نہیں وہ
رونے میں مرے سرنہ چڑھو صبر کرو ملک
کیا ذکر مرا میں تو کہیں اُس سے ملوں ہوں

اس زلف کا ہر بال رگ جان ہے اپنی
گردش میں جو دے آنکھ نشہ کی بھری کھین

آنکھیں ہی لگی جاتی ہیں اس جاذب کو سیر
آتی ہے بہت دیر جو اس منہ نہ نظر جائے

بتوں کے جرم و الفت پر ہمیں زجر عذاب ملے
کھڑا ہوتا نہیں وہ رہزن دل پاس عاشق کے
جھکی ہے شاخ پر گل ناز سے کیا بھی گلشن میں
نکلتا ہے سحر خیز ہر ذرا اسکے گھر پر سے

مسلمان بھی خدا لگتی نہیں کہتے قیامت ہے
موانق رسم کے اک دور کی غناست ہے
نہال قدی اس کے دلی ہی سوزناست ہے
مقابل ہو گیا اس سے تو اس کی شامت ہے

سپے دار ڈپڑے پھرتے تھے کل تک میر کو چوں میں
انھیں کو مسجد جامع کی دیکھی آج امامت ہے

خدا کرے مرے دل کو تنگ ک تر آئے
کمانیں اس کی بھوؤں کی چڑھی ہی تہی ہیں
ہیں تو ایک گھڑی گل غمیر و د بھر ہے
اٹھی بھی گردہ اس کی کہیں تو لطف ہو گیا
ہر ایک غم کا ہے موسم نہ جانے تھا منصور
تھارے جوروں سے اب حال جائے عبرت ہے

کہ زندگی تو کیروں جب تک کہ بار آوے
نہ جب تک تبریر ستم شکار آوے
خدا ہی جانے کہ اب بے تلک بہار آوے
جب انتظار میں نکھوں ہی پر غبار آوے
کہ نخل دار میں حلق بریدہ بار آوے
کسو سے کہیے تو اسکو نہ اعتبار آوے

نہیں ہے چاہ بھلی اتنی بھی دعا کر سیر
کہ اب جو دیکھوں اُسے میں بہت نہ پیا آئے

مٹے سے جی کا رستہ آواز کے رکن سے
جی غم کرے ہے اب تو رفتار دیکھ اس کی
گرد اس کے اور کوئی مگر ہی سے دیکھتا ہے
رنگیں خرامی کیا کیا لیتی ہے کھینچ دن کو
دنرات گاہ و بگاہ جب دیکھو میں غم میں
دل سوختہ ہوں محبو کو کلیت حرفت کمر
دل کا ایر ہونا ہی میر جاتا ہے

آزاد ہو نہ بل جاتے ہیں ہم جن سے
دیکھیں بھی ہے اپنی کسٹور اس جن سے
اک آگ تک اٹھی ہے اپنے تین دن سے
کیا نقش پا کو اس کے نسبت گل دین سے
ہم کس گھڑی دوائی یا بے بو وطن سے
اک بگ کی پٹ سی نکلتے ہیں سرن سے
کیا آجے پانچ دیکھے اس زلف پر شکن سے

آوارگی تو دیکھو کیدھر سے کیدھر آئے
رہتے ہیں گھیرے مجھ کیا اپنے کیا پر لے
عہدے سے اس بلا کے کب نا تو ال برائے
رونے سے میرے کیا کیا ابر سیہ تر آئے

کعبے کے در پہ تجھے ہم یاد میں در آئے
دیوانگی ہے میری لب کی کوئی تماش
پاک اب ہوئی ہے شستی ہلکو جو عشق سے بھی
دست بیاں کروں کیا دامان چشم ترک

آہنیشیں بنے تو آج آں کئے بھی چلیے
کہتے ہیں میر صاحبِ مدت میں کل گھر آئے

ایکوں کو جانیں ہے دنیا عجب جگہ ہے
یا سطحِ رخ جگہ ہے یا کنج لب جگہ ہے
دیکھا جہاں کو ہم نے کتنی کدھب جگہ ہے
دار فغاں کو اسکے مجلس میں کب جگہ ہے

قصر و مکان و منزل ایکوں کو سب جگہ ہے
اُس کے بدن میں ہر جا دلکش ہے یوں دلیں
پست و بلندیاں ہیں ارض و سما سے ظاہر
دروازے سے لگے ہم تصویر سے کھڑے ہیں

بارے ادھر کیا ہے منہ اُن نے میر اپنا
ہو حرف زن سخن کی تیری بھی اب جگہ ہے

زندگانی اب تو کرنا شاق ہے
اب حسابِ زندگی بیاق ہے
یہ سیہ روشہ رُہ آفاق ہے
قد و دلکش اس کا بالا چاق ہے
تھا نمودار آنکھ سے مشتاق ہے
سطح کیا رخسار کا براق ہے
بوسہ کنج دہن تر یاق ہے
بید صحرائی سا مجھیں قاق ہے

دل کی بیماری سے طاقِ طاق ہے
دم شماری ہی ہے رنجِ قلب سے
اپنی عزت رکھتی ہو عالم ہی اور
خراطِ تجلت سے گرا جاتا ہے سرد
دل زدہ کو اُسکے دیکھا نزع میں
زنگ میں اُسکے بھک ہو برق کی
گو خط اُس کے اشت لگا رہا ہو
خسک کر دیتی ہے غمِ غری عشق کی

ست پڑا رہ دیر کے ٹکڑوں پہ میر
اٹھ کئے کعبے چل خدا رزاق ہے

آسمان سے زمین نیوانی
ہو گیا دن تمام رات آئی
اُسکے خاطر ہوئے ہیں سودائی

بات کیا آدمی کی بن آئی
چرخِ زن اُسکے واسطے ہو مدام
ماہ و نور شید و ابر و باد بھی

کیسے کیسے کیسے ترود جب اُسکو ترجیح سب کے اوپر دے حیرت آتی ہے اسکی باتیں دیکھ شکر کے سجدوں میں یہ واجب تھا سو تو اُس کی طبیعت سرکش	رنگ رنگ اُسکو چیز پہنچائی لطف حق نے کی عزت افزائی خود سری خود ستائی خود رانی یہ بھی کرتا سدا جبین سائی سرنہ لائے فرو کہ ٹک لائی
---	---

میرزا چیز مشت خاک اللہ
اُن نے یہ کبر یا کہاں پائی

دست بستہ کام ناخن کر گئے بتکد سے سے تو چلے کعبے ولے کیا جوڑتی سی مٹنی لے نہیں گل مجلسوں کی مجلسیں برہم ہوئیں تھے لب جو پر جو گرم دید یا ر خانوادے ہو گئے کیا کیا خراب	سب خراشوں ہی سے چہ بھر گئے دس قدم ہم ول کو کر پتھر گئے ہم اسیروں کے تو بال و پر گئے لوگ دسے پل مارتے کی بھر گئے بنرے کے سے رنگ ترکاں تر گئے خانہ ساز دین کیسے مر گئے
--	---

دست افشاں پالے کو باں شوق میں
صومے سے میر بھی باہر گئے

تمام شد

دیوان چہارم

میر تقی میر دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روایت الف

مکرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا
میں نے نکل جنوں سے مشق قلندری کی
یارب ہر می جانب ینگ کیوں ہے عالم
کیا فقر میں گزر ہو چشم طمع سے بن
ابر در جوش گل ہے چل خانقہ سے صوفی
کھم دھنوں سے مدت مانوس جو رہے ہیں
آلودہ غول سے ناخن ہیں شیر کے سے ہر سو
یہ دو ہی صورتیں ہیں یا منعکس ہے عالم
کیا میں ہی جاں لب ہوں بیماری دلی سے
زلف سیاہ اس کی بڑی ہے چت چٹھی ہی

غیرت سے تنگ آنے غیروں سے نرم بیٹے
اگے بھی میر سید کرتے گئے ہیں سا کا

واجب کا ہونا ممکن مصدر صفت ثنا کا
سب روم روم تن میں زردی غم بھری جو
بند اس قبا کا کھولیں کیا ناخن تختیروں
ناسازی طبیعت کیا ہے جو ان ہو سکے پر

قدرت سے اسکے لب پر نام لے سے خدا کا
خاک جسد ہے میری کس کسان زکاء خا کا
دالستہ ہے یہ عقدہ مشاہد کسود عا کا
دوباش وہ شکر لڑکا ہی تھا لڑکا کا

<p>میں دل زدہ ہوں ابکی رنگینی ہوا کا پاؤں کا دبروں کے چھپتا نہیں جھپکا</p>	<p>گل پھول فصل گل میں صد رنگ ہیں شگفتہ عاشق کی چشم تریں گودستے آویں لیکن</p>
<p>زوریں کش گن جواں کی کس سے کہاں کھینچے تھا یکہ و جہاز امیر ان نے جھکوتا کا</p>	<p>قصہ کہیں تو کیا کہیں ملنے کی رات کا جرات سے گر چہ زرد ہوں پرانتا ہے کون</p>
<p>پہروں چاؤ اُن نے رکھا بات بات کا ٹنھ لال خب تک کہوں پانچ سات کا خوگر جو ہو کسو کے کوئی اتفاقات کا ٹھہراؤ ہو سکا نہ قرار و ثبات کا کہنے لگیں نہ واہ رے زخم اس کے ہاتھ کا ہم ذکر بھی سنا نہیں صوم و صلوات کا کسکے تین داغ عقیق ہے سگات کا پردے میں رو سیاہ ہے آب حیات کا کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا</p>	<p>کیونکر بسر کرے غم و غصہ میں ہجر کے جاگر سے لے گیا کہیں اُس کا خرافہ مار ڈرتا ہوں مالکان جزا پھاتی دیکھ کر واعظ کسے سوچ ہے دے میغوش سے بھڑکا کریں قریب پڑے کوئے یار میں ان ہنر محفوں کا حرفت ہنر طلمات میں گیا عالم کو حکیم کا باندھ طلسم ہے</p>
<p>گر یار میرا ہل ہے تو کام سہل ہے اندیشہ نہ کیو نہ نہیں ہے اپنی نجات کا</p>	<p>تجاہل تغافل تساہل کیا نہیں تاب لا تا دل زار اب</p>
<p>ہوا کام مشکل تو یہ گل کیا بہت ہم نے صبر و تحمل کیا یہ قطعہ نصرت میں بالکل کیا کہ زنجیر ٹوٹی تو میں غل کیا سرو سینہ سے داغ نے گل کیا علاموں سے اُس کے تو سل کیا</p>	<p>زمین غزل ملک سی ہو گئی جنوں تھا نہ بچا نہ چپ رہ سکا نہ سوز و روں فصل گل میں چھپا ہیں شوق نے صاحب کو کھو دیا</p>
<p>حقیقت نہ میرا ہی سمجھ گئی شب و روز ہم نے تامل کیا</p>	<p>رفقہ عشق کیا ہوں میل بکا لہ سگات غالباً سگ کی چہ ہے جو میر نے خود ایجا دی ہے ۱۲</p>

لوگ جب ذکر یار کرتے ہیں
ست رہتا ہوں جبے ہوش یا
ہم تو ناکام ہی چلے یاں سے
ورس کہیے جنوں کا تو مجھوں
لعل کی بات کون سنا ہے

دیکھ رہتا ہوں دیر منہ سب کا
میں بھی عاشق ہوں اپنے شرب کا
تم کو ہوگا وصول مطلب کا
اپنے آگے ہے طفل مکتب کا
شور ہے زور یار کے لب کا

ارفت سابیچہ دار ہے ہر شعر
ہے سخن میر کا عجب و صوب کا

میں جو نظر سے اُسکی گیا تو وہ سرگرم کار اپنا
کیا یاری کر دوں پھر ادہ کیا کیا اُن نے قریب کیے
اتھ گلے میں اُن نے نہ ڈالا میں یہ گلہ جاکا تو نکلا
پھاتی پہ سانس پھر جاتا ہے یاد میں سکے بالو کی
بات کے تلوار نکالے آنکھ لڑائے جی مارے
ہم نے یار وفاداری میں کوتاہی تقسیم نہ کی

کہنے لگا چپکا سا ہو کر بائے دریغ شکار اپنا
جسکے لیے آوارہ ہوئے ہم چھوٹا مشہور دیار اپنا
غم و غصہ سے دیکھو ہو گیا آپ ہی گلے کا بار اپنا
جی میں لہر آدے ہے لیکن رہتا ہوں من بار اپنا
کیونکہ جناد سے اس سے کوئی ربط محبت یار اپنا
کیا رو میں چاہت کے شر کو وہ نہ ہو ملک یار اپنا

رحم کیا کر لطفت کیا کر پوچھ لیا کر آخر ہے
میر اپنا غمخوار اپنا پھر زار اپنا بیمار اپنا

اے کاش میرے سر پر اکبار وہ آ جاتا
تب تک ہی عمل ہے جب تک نہیں آتا وہ
اک آگ لگا دی ہے پھاتی میں بدالی نے
یالاگ کی دے باتیں یا ایسی ہی بیزاری
کیا نوزہ بکتا ہے چہرہ کہ شب مہ میں
اس شوق نے دل کے بھی کیا بات بڑھائی تھی
یہ سہمی کا دعویٰ اس کے لب خندان سے
اب تو نہ۔ اُدہ بھی طاقت گئی سب کی

ٹھہراؤ سا ہو جاتا یوں جی نہ چسلا جاتا
اس رستے نکلتا تو ہم سے نہ رہا جاتا
وہ مہ گلے لگتا تو یوں دل نہ جلا جاتا
وہ جو نہ لگا لیتا تو میں نہ لگا جاتا
منہدھ کھولے جو سو رہتا تو ماہ چھپا جاتا
رفقہ اسے لکھتے تو طومار لکھ جاتا
بس کچھ نہ چلا ورنہ پستے کو چب جاتا
جو حال کبھو اپنا میں تم کو سنا جاتا

وہو اس نہ کرتا تھا مر جانے سے بچا میں
تھا میر تو ایسا بھی دل جیسے اٹھا جاتا

<p>پر بعد نماز اٹھ کر میخانہ چلا جاتا یوسف بھی جو داں ہوتا تو اس پر بکا جاتا جی مفت مرا جاتا اس شوخ کا کیا جاتا سر کھینچا یہ شعلہ تو محب کو چلا جاتا تھے جمع قلم کا غد پر کچھ نہ لکھا جاتا کیا ہوتا یکا یک وہ سر پر مرے آ جاتا جو ہاتھ مرے چڑھتا تو پاؤں کو کھا جاتا کیوں کام بگڑ جاتا جو صبر کیا جاتا</p>	<p>مستانہ اگرچہ میں طاعت کو لگا جاتا بازار میں ہو جانا اس مہ کا تماشا تھا دیکھنا ادھر ورنہ آتا نہ نظر پھر میں شب آو شرافشاں ہونٹھوں پھری میرے کیا شوق کی باتوں کی تحریر ہوئی مشکل آنکھیں مری کھلتیں تو اس بھری پر پڑتیں بزنے کا ہوا رکش خط رنج جانا کے ہے شوق سیر و سہ بدنامی و رسوائی</p>
<p>تھا میر بھی دیوانہ پر ساتھ ظرافت کے ہم سلسلہ داروں کی زنجیر ہلا جاتا</p>	
<p>اس زلف پر شکن نے مجھے مبتلا کیا میں جون چراغ گور اکسلا جلا کیا ہر روز خط شوق ادھر سے چلا کیا آنکھوں سے اُسکی رات جو تلوے ملا کیا</p>	<p>یہ دل نے کیا کیا کہ اسیر ہلا کیا گو بیکسی سے عشق کی آتش میں جل بھا آیا نہ اسطرت سے جواب ایک حرف کا ڈرتا ہی میں رہا کہ پلک کوئی گزرتا جائے</p>
<p>بد حال ٹھنڈی سانپیں بھرا کبتلک کرے سر گرہ مرگ میر ہوا تو بھلا کیا</p>	
<p>یاں پھر اگر آؤں گا سید نہ کہاؤں گا بتخانہ میں جاؤں گا زنا رنڈ صلوں گا آئندہ کسو سے میں دل کو نہ لگاؤں گا کیا جانیے پاؤں گا یا اس کو نہ پاؤں گا</p>	<p>ور پر سے ترے ابے جاؤں گا تو جاؤں گا یہ نذر بدی ہے میں کہنے سے جو اٹھا ہوا آزار مہبت کھینچے یہ عہد کیا ہے اب سر گرہم طلب ہو کر کھویا سا گیا اب ہی</p>
<p>اگر میر ہوں چکا سا پر طرفہ نہر و رہوں بگڑے گا نہ ٹھنک وہ تو سوبائیں سناؤں گا</p>	
<p>لڑ کا سا اُن دنوں تھا اُسکو شور کیا تھا عاشق اگر ہوئے تھے باز غرور کیا تھا اب مرتبہ جو سمجھے وہ اتنا دور کیا تھا</p>	<p>دیوانگی میں مجنوں میرے حضور کیا تھا گرہن کشی سے اپنی مارے گئے ہم آخر عم قرب بعد کا تھا جب تک نہ پہنچے جانا</p>

اسے واسے نہ سمجھے مارے پڑینگے ہمیں | اظہارِ عشق کرنا ہم کو ضرور کیا تھا

مرتا تھا جسکی خاطر اُس کی طرف نہ دیکھا
میسر ستم رسیدہ ظالم غیور کیا تھا

دل کو گل کہتے تھے دردِ غم سے مرچھایا گیا | جی کو مہاں سنتے تھے مہمان سا آیا گیا
عشق سے ہو حال جی میں کچھ تو کہئے دیکھو | ایک دن باتیں ہی کرتے کرتے سنایا گیا
جستجو میں یہ نقب کھینچی کہ آخر ہو گئے | ہم تو کھو گئے بھی گئے لیکن نہ تو پایا گیا
اک نگہ کرنے میں غارت کر دیا لے لئے ہم | دل جو ساری عمر کا اپنا تھا مسر مایا گیا
کیا تعجب ہے جو کوئی دل زدہ ناگہ مرے | اضطرابِ عشق میں جی تن سے گھبرایا گیا
ماہ کہتے تو کہا اُس کو خوش کہ ہے حریف | شہر میں پھر ہے اپنا ٹھہ نہ دکھلایا گیا

جیسے پر پھایں دکھائی دے کے ہو جاتی ہو
میسر بھی اُس کام جاگ دو ہیں تھا سایا گیا

ہم سب عشق جسکے تھے وہ ریوڑھ کر گیا | دیکھ اُسکو بیدار غم نشہ سب اُتر گیا
جاں بخشی اُسکے ہونٹوں کی سُن بنا زندگی | ایسا چھپا کہیں کہ کہا جائے مر گیا
کہتے ہیں میسر کہ یہ گیا ترکِ عشق کر | راہِ دل شکستہ کہ صر وہ کہ صر گیا

شاید جگر حرارتِ عشقی سے جل گیا | کل دردِ دل کہا سو مرا منہ اُبل گیا
بے یار حیف باغ میں دل تک بہل گیا | دے گل کو آگ چار دین میں نہ جل گیا
اس آہورِ میدہ کی شوخی کہیں سو گیا | دکھلائی دے گیا تو پھلا واسا چھل گیا
دن رات خوں کیا ہی کیے ہم جگر کو پھر | گر بھول گل سے کوئی گھڑی جی بہل گیا
تو رہنے سے تو نہیں اُسکے بے حواس | اندیشہ یہ ہے طور ہی اس کا بدل گیا
ہر چند میں نے شوق کو پہناں کیا ولے | اک آدھ حرفِ پیار کا ٹٹھ سے نکل گیا
کرتے میں نہ رہم کہ نہ الفت کرتے ہیں | گر دل ضعیف اب کے ہمارا سنھل گیا
چلنے لگے تھے راہِ طلب پر نزارِ شکر | پہلے قدم ہی پاؤں ہمارا پھل گیا
میں وہ دلا تو آگے ہی تھا فطرتِ شوق سے | غور اس کا دیکھ اور بھی کچھ دل دہل گیا
سرب نے جگانے بہت خاک کی طرف | شاید کہ میسر جی کا دماغی خلل گیا

کیا خبری سر پہ لایا صومعہ دیراں کیا
تم کو کیا تم نے درو عشق کا درماں کیا
یعنی اُس سودے میں بنے جانِ نقصاں کیا
ایسی اک ناپزیر مشقت خاک کو اٹھاں کیا
نوں کا مجھ بے سرو پا کے بلا ساں کیا
ساکنانِ کعبہ کو بے دین و بے ایماں کیا

عشق رسوائی طلب نے مجھ کو سرگرداں کیا
ہم سے تو جز مرگ کچھ تدبیر بن آئی نہیں
داخل دیوانگی ہی تھی ہمارے عشقی
شکر کیا اُس کی کریمی کا ادا بندے سے ہو
سج سی بھوویں جھکائیں برچھپائیں سے مرہ
ایک ہی انداز نے اُس کا نر بے مہر کے

لکھنؤ دلی سے آیاں بھی رہتا ہے اُداس
میر کو سرگشتگی نے بے دل و حیراں کیا

ضعف اتنا تھا کہے بات دھلا جاتا تھا
آنکھیں ملتا تھا جو وہ بھی ملا جاتا تھا
اپنی غیرت میں وہ کچھ آپ ہی جلا جاتا تھا
جس شکتے سے نہ جاگہ سے ہلا جاتا تھا

دل سنبھالے کہیں میں کل جو چلا جاتا تھا
بید ماغی کا سماں دیکھنے کی کس کو تاب
سوزشِ دل کے سبب مرگ نہ تھی عاشق کی
ہلکاوے سے حقیر سی سے مجھے اب وہ بھی

میر کو واقعہ کیا جانے کیا تھا ورنہ پیش
کہ طرقت وشت کے جوں سیل پلا جاتا تھا

جلاسہ کا دامن یا نہیں اُلجھا ہاتھ اچھلا کلائی کا
یجاتا ہے جا سے مجھ کو جانا اُس ہرجانی کا
کوہِ خود آرائی کا یا بیخود سے خود رانی کا
خالی نہیں ہر حسن سے چھینا ایسے بھی پیدائی کا
آخر یہ خمیازہ طہینچا اُس خسرج بالائی کا
جیتے جی بھی اغ ہی تھیں اُسکی بے پردائی کا

ترک لباس سے میرے سے کیا وہ رفتہ عنائی کا
پاس سے اٹھ چلتا ہے وہ تو آپ میں رہتا نہیں
حال نہ میرا دیکھے ہے نہ کہے سے تامل ہے اسکو
ظاہر میں خورشید ہو اوہ نور میں پنہان ہے
یاد میں اُسکی قامت کی میں لوہور ورسو پھر گیا
بعد مرگ چو غ نہ لاوے گور پہ وہ عاشق کی آہ

چشمِ وفا خوان زماں سے سادہ ہو سور کے میر
قصہ ہے مشہور زمانہ پہلے دونوں بھائی کا

بھوں سے پائے ہیں بیگانہ آشنا تیرا
ہوا ہے ایک نکتہ میں زیان کیا تیرا
لبوں پہ لوگوں کی ہے ذکر جا بجا تیرا

پھرے پیے وحشی سا گم گشتہ عشق کا تیرا
دریغ و درد مجھے کیوں ہی باں تو جی ہی گئے
جہاں بھڑ ہے ترے شور حسن و خوبی سے

نگاہ ایک ادھر ایک تیغ تیز کی اور	سہارا خون ہی کرتا ہے مدعا تیرا
نظر کنھوں نے نہ کی حال میر برائوس	غریب شہر وفا تھا وہ خاک کیا تیرا
صورت شیریں کے آگے کام اپنا کر گیا	عشق میں کس حسن سے فریاد ظالم کر گیا
خانہ آبادی ہمیں بھی دل کی یوں ہے آرزو	جیسے جلوے سے ترے گھر آری کا بھر گیا
میر سختی کش تھا غافل پر خدا نے خیر کی	حاوے کا کیسا اُسکے سر پہ سے تپھر گیا
کیا عشق سو پھر مجھے غم رہا	مژہ نم رہیں حال در غم رہا
ضعیف و قوی دونوں رہتے نہیں	نہ یاں زل ٹھہر نہ رہم رہا
سحر جلوہ کیوں کر رہے گل ہو گیا	یہ اندیشہ ہر رات ہر دم رہا
ہوا غم مجھے خوں جگر میں نہیں	اگر آنسو آتے کوئی تھم رہا
رہی آتی آندھی سی سینے میں میر	بہت دن تڑپنے کا اور دم رہا
کے گیا مے نے گیا کر بلا گیا	جیسا گیا تھا ویسا ہی چل پھر کے آ گیا
دیکھا ہو کچھ اس آمد و شد میں تو میں کہوں	خود گم ہوا ہوں بات کی تہ اب جو یا گیا
پہڑے گئے کے میر سے نہ ہوں آبدیدہ کیوں	مانند ابر و دیدہ تراب تو چھپا گیا
جاں سوز آہ و نالہ سمجھتا نہیں ہوں میں	ایک شعلہ میرے دل سے اٹھا تھا جلا گیا
وہ جیسے بھاگتا ہی پھر اکسب و نازت	جوں جوں نیاز کر کے میں اس سے لگا گیا
جو سپہرہ دوں سے برا حال تھا بہت	میں شرم ناکسی سے زمیں میں سما گیا
وہ دیکھا جو زہ بابتے بنتر کے ساتھ اسے	پھر مجھ شکستہ پا سے نہ اکدم رہا گیا
بیٹھا تو بورے کے تئیں سر پہ رکھکے میر	صفت کس دب سے ہم فقر کی اٹھا گیا
عشق کی ہر بیماری ہم کو دل اپنا سب درد ہوا	زنگ بدن میت کے رنگوں جیتے جی ہی نہ زرد ہوا
تب بھی نہ کھینچا تھا ہم نے آخر مر کر خاک ہوئے	اب جو غبار ضعیف اٹھا تھا پامالی میں گرد ہوا

<p>عشق کیا کیا آفتیں لاتا رہا مہر و مہگل پھول سب تھے پہیں دل بہا کب عشق کی رہ کا دلیں منہ دکھاتا برسوں وہ خوشروئیں کچھ نہ میں سمجھا جنوں عشق میں داغ تھا جو سر پہ میرے شمع ساں</p>	<p>آخر اب دوری میں جی جاتا رہا پہرہ پہرہ ہی وہ بھاتا رہا میں تو خود گم ہی اُسے پاتا رہا چاہ کایوں کب تلک ناتا رہا دیرِ ناصح مجھ کو سمجھاتا رہا پاؤں تک مجھ کو وہی کھاتا رہا</p>
<p>کیسے کیسے رُک گئے ہیں میرے مدتوں منہ تک جگر آتا رہا</p>	
<p>اوصافِ موسے شعریٰ ابھاؤ پڑ گیا جیتے جی یہ لانا رہا سورہا غریب کیا اُس کے دل جلے کی تہا میں دیر ہو فریاد پہلو ان محبت پہاڑ تھا گل رنگ رنگِ شلخ پہ نکلا بہار میں یاں حادثے کی باؤ سے ہر اک شجر جگر</p>	<p>دانتوں کو سلک در جو کہا میں سوڑ گیا جو دل شکستہ ساتھ سے اس لکھ گیا جیسے چراغِ صبحِ شبنامی نہ پڑ گیا بی طافتی جو دل نے بہت کی کھپ گیا آنکھیں سی کھل گئی ہیں جو مچھانے چھ گیا کیسا ہی پائدار تھا آخر اُٹھ گیا</p>
<p>شراب دے سروہ ہووے اگر آدمی روٹ وصف اُس کے قد کا میرے سنگر اکڑ گیا</p>	
<p>جان اپنا جو ہم نے مارا تھا کون لیتا تھا نامِ مجنوں کا کوہِ سرِ باد سے کہیں آگے ہم تو تھے محدودِ دستی اُس کے لطف سے پوچھتا تھا ہر کوئی آستان کی کسوٹی خاک ہوا پانوں چھاتی پہ میرے رکھ چلتا موسم گل میں ہم نہ پھولے حیف اُسکی ابرو جو تک جھکی ایدھر</p>	<p>کچھ ہمارا اسی میں دارا تھا جب کہ عہدِ جنوں ہمارا تھا سرمہ اور سنگِ خارا تھا گو کہ دشمنِ جہان سارا تھا جب تلک لطف کچھ تمہارا تھا آسمان کا بھی کیا ستارا تھا یاں کبھو اسکائیوں گزارا تھا گشت تھا وید تھا نظارا تھا قتل کا تیغ سے اشارا تھا</p>

عشق بازی میں کیا موکے ہیں میر آگے ہی جی اُنہوں نے ہارا تھا	ہم جو فقیر ہوئے تو ہم نے پہلے ہی ترک سوال کیا خون ہمارا بسل نگہ میں سکن رنگوں پا مال کیا یہ البیدہ سپہر پھر سے ہے گویا اُن نے نہال کیا یعنی ماتم اس رزقہ کا ہم نے ماہ و سال کیا	خوب کیا چواہلِ کرم کے جو دکا کچھ نہ خیال کیا روندر کے جو رستے اُن نے ہکو پاؤں چٹائی اپنے کیے نکلے ہو گر گھاس چلی بھی خاک سے الفت کشٹوں کی دل جو ہمارا خون ہوا تھا رنج و الم میں گزرتی ہیں
میر سدا بچال رہو ہو مہر و وفا سب کرتے ہیں تم نے عشق کیا سو صاحب کیا یہ اپنا حال کیا	صد شکر کہ مستی میں جانا نہ کہاں آیا ستا جو بکا میں تو بگو بھی گراں آیا کیا لوگ زمیں پر ہیں کیسا یہ سماں آیا کی ایک نگہ اُن نے سوچی کا تیاں آیا اک آگ پھٹکی میں جب سر گرم فغاں آیا گل آئے جہاں وہ بھی جو لبِ دہاں آیا	ہم کوئے مغان میں تھے ماہِ رمضان آیا گو قدرِ صحبت میں تھی سہل مری لیکن رسم اُٹھ گئی دنیا سے اکبارِ مردت کی یہ نفع ہوا نقصاں چاہت میں کیا جی کا بلبل بھی تو لالہ تھی پر سارے گلستاں میں طاؤس کی بھی ریتی ہو پھر جان چن ہی میں
خلوت ہی رہا کی ہو مجلس میں تو یوں اُس کی ہوتا ہے جہاں کجا میں میر جہاں آیا	خون نہ ہو دل چاہیے بیسگوا ب کام سے جاوے گا کام اپنے وہ کیا آیا جو کام ہمارے آدے گا آہ مکھیں لگی رہتی ہیں اکثر چاکِ قفس سے اسیر کی بھونکا بادِ بہاری کا گلبِ برگ کوئی یاں لاوے گا فتنے کتے جمع ہوئے ہیں زلف و خال و خد و قد کوئی نہ کوئی عہد میں میر سے سران میں سے اُٹھا دیگا عشق میں تیرے کیا کیا شکر یار گر جاتے ہیں یعنی غم کھاتے ہیں بہت ہم غم بھی ہکو کھاوے گا ایک نگہ کی امید بھی اسکی چشمِ شونخ سے ہکو نہیں	

ایدھر اودھر دیکھے گا پر ہم سے آنکھ چھپا دے گا
اب توجہ انی کا یہ نشہ ہے بیخود تج کو رکھے گا
ہوش گیا پھر آوے گا تو دیر تلک پچھتاوے گا

دیر سے اس اندیشہ نے ناکام رکھا ہے میرے چین
پاؤں چھوئیں گے اُس کے ہم تو وہ بھی ہاتھ لگا دینگا

بہار آنی چلو چین میں ہوا کے اوپر بھی رنگ آیا
کہاں تلک گل نہ ہووے غنچہ رہا مندے منہ تنگ آیا
چلے ہیں مونڈھے پھٹی ہے کہنی چسی ہے چوٹی پھنسی ہو مہری
قیامت اُس کی ہے تنگ پوشی ہمارا جی تو بہ تنگ آیا

وہی ہے رونا وہی ہے کڑھنا وہی ہے سوزش جوانی کی ہی
بڑھاپا آیا ہے عشق ہی میں یہ میرے ہکو نہ ڈھنگ آیا

دل کو کہیں گئے دو میرے کیا کیا رنگ دکھاؤں گا
چہرے سے خوں ناب ملوں گا پھولوں سے گل کھاؤں گا
عہد کیے جاؤں ہوں ابکی آخر تک بغیرت ہے
تو بھی منانے آوے گا تو ساتھ نہ تیرے آؤں گا
گرچہ نصیحت سب ضایع ہے لیکن خاطر نا صبح کی
دل دیوانہ کیا سمجھے گا اور بھی میں سمجھاؤں گا
جھکے سلام کسو کو کرنا سجدہ ہی ہو جاتا ہے

سر جاوے گا اس میں میرا سر نہ فرد میں لاؤں گا
سر ہی سے سرواہ یہ سب ہے ہجر کی اُسکی کلفت میں
سر کو کاٹ کے ہاتھ پہ رکھ کے آپ ہی ملنے جاؤں گا
خاک لائٹھ خون آنکھوں میں چاک گریباں تادمین
صورت حال اب اپنی اس کے خاطر خواہ بناؤں گا

دل کے تئیں اس راہ میں کھوافسوس کناں ب پھر تائیں
یعنی فیق بہ شقیق پھر ایسے میرے کہاں میں پاؤں گا

<p>و لے اسکی نایابی نے جان مارا مرے سر سے میرا ہی دیوان مارا گیا سانجھ تو صبح پھر آن مارا اس انداز سے جیسے اک بان مارا</p>	<p>گرچہ جہاں میں نے سب پھان مارا قیامت کو جسے رائے شاعری پر برہائی ہے اس صید انگن سے شکل لگا آتشیں نالہ شب اپنے دل کو</p>
<p>قیامت کا عرصہ ہو اسے میر دردم مرے شور و زاری نے میدان مارا</p>	
<p>گیا دل سو ہم پرستم کر گیا مرے ہاتھ دونوں قسم کر گیا تین زار سیرا بختنم کر گیا کل اک ابر آیا کرم کر گیا بہت بار قول و قسم کر گیا قدر راست کو اپنے خم کر گیا</p>	<p>جگرہ خوں کیا چشم خم کر گیا ان آنکھوں کو ترس لکھا تھا کہیں شب اک شعلہ دل سے ہوا تھا بند مرے مزرع زرد پر شکر ہے نہ اک یار وعدہ وفا کر سکا فقیری میں تھا شیب بار گراں</p>
<p>لگاے شب در و زاب چھوڑ میر واج آنکھوں کا تو درم کر گیا</p>	
<p>ہا کام عشق تب تو عاشق کا نام نکلا ہم صبر و وفا سے نکلے ساٹھ زہام نکلا جیدھر سے ناز کرتا تو شخص ہم نکلا بجا ہوا دل ایسا جب وہ مقام نکلا</p>	<p>باری کیے کسو کا کا ہیکو نام نکلا لگاے سے جہاں میں بنے جنوں گناہ یابی خط سے نکلا نہ کبک اودھر جنگ مانہ میں تو بحث ہی عشق ہی کا</p>
<p>جانا تھا جھگڑے تو بختہ مخمر ہو گا دیکھا تو میر تیرا سودا بھی خام نکلا</p>	
<p>ظلم صریح عشق کی ادا دے ہوا کچھ ہوا سو خواہش فریاد دے ہوا</p>	<p>لے مجھے کچھ نہ اس ستم یکا دے ہوا شہرین کا خن لیا تھا جو فتنہ جانیں</p>
<p>نوش ز مرنہ طوری ہوئے ہیں میر اسیر ہم پرستم یہ صبح کی فریاد دے ہوا</p>	
<p>زار کیا بیمار کیا اس دل نے کیا آزار کیا داغ سے تن بکھڑا کیا سب آنکھوں کو خونبار کیا</p>	

<p>ب کہتے ہیں دل میں اپنے بٹنے اُسے کیوں پائیا عزت کھوئی نہ ذلت کھینچی عشق نے خوار و راکیا اک گردش میں سپہ نے جیسے سطح زمیں ہموار کیا</p>	<p>جرم ہے ہم الفت کشدوں لگ پڑنے سے شوق ہوا چاہا بٹنے کیا کیا تھا پر اپنا چاہا کچھ نہ ہوا پیش گئی کب پیش نہ مانہ طبعِ عشق پر کس کس کے</p>
<p>ملا دگی میری لے آہ نہ جا با جی ہی اس میں جا رہا ہے عشق کا اُس پیر کار کے میں نے لوگوں میں صرا کر کیا</p>	
<p>جامہ زمیوں نے غضب آگ پہ دامن مارا سو جفا کار نے نقاش کو گردن مارا</p>	<p>سینے کا سوز بہت بھڑکا جلاتن مارا صورت اُسکی مری کھینچی تھی گلے گلے ہوئے</p>
<p>دل ہی میں خون ہوئی وصل کی خواہش میر ہم نے آزادی تجھ سے کیا من مارا</p>	
<p>دانت تھکائے منہ میں کے ہیں اس معرور نے یوں کہا رونا سا کوئی روئے ہیں آنکھوں سے اک رو دہا</p>	<p>پیری میں بے دماغ ہو بیٹھے پیرافسوں یہ بہک رہا گیا رو دا کہیں ہم اپنی گرینہ ڈار محبت کی</p>
<p>ظہر مرا سا بھری پر ہونہ سکے گا انساں سے جو رو جفا رستم جو گزرے سب کچھ میں نے میر سہا</p>	
<p>اس پر دے کے اٹھ جانے سے اُسکو جیسے حجاب ہوا تب جا کر ملنے کا اُسکے صبح کے ہوتے جواب ہوا تابِ منج اس مہ نے دیکھی سو درجے بیتاب ہوا صبح گل ترسانے ہو کر جوش شرم سے آب ہوا</p>	<p>چاہت کیا اظہار کیا سو اپنا کام خراب ہوا ساری ساری راتیں جاگے عجز و نیاز و زاری کی کیا کیئے مہتاب میں شب کی وہ بھی لگ بیٹھا تھا صبح جو آگے شام کو آئی رشک سے جگر خاک ہوئی</p>
<p>مرنے نہ تھے ہم عشق کے رفتہ بے کفنی سے نئی میر دیر میر اس عالم میں مرنے کا اسباب ہوا</p>	
<p>دل کا ہنگامہ قیامت خاک کے عالم میں تھا ایک قطرہ خوں جھلکتا صبحِ حشیمِ نم میں تھا</p>	<p>تھا محبت سے کبھو ہم میں کبھو یہ غم میں تھا کیا ہوا پہلو سے دل کیا جانو کیا جانوں ہو نہیں</p>
<p>میر گزرے دونوں یاں عید و محرم ایک سے یعنی دس دن جینے کے میل بنے ہی ماتم میں تھا</p>	
<p>ناسی میں ہو گا کچھ دارا ہمارا غضب ہو کر ہے پیارا ہمارا</p>	<p>وفا داری لے جی مارا ہمارا پڑھی تیوری کبھو اُسکی نہ اتنی</p>

<p>کہ آنسو تھا جگر پارا ہمارا گیا بے یار سارا ہمارا</p>	<p>راہا افسوس آنکھیں تر ہوئیں تو نہ بارے یادری طالع نے کچھ کی</p>
<p>کھلے لب تک نہ آیا میر ہرگز نہ کھپا جی ہی میں غم سارا ہمارا</p>	
<p>رویف بائے موحدہ</p>	
<p>ہوا جو دل توں خرابی آئی ہر ایک اعضا میں ہے فتور اب حواس گم ہیں دماغ گم ہے رہا سہا بھی گیا شعور اب سریں گے غائب ہزار یوں تو نظر میں ہرگز نہ لاوے گا تو کرنیکے ضایع ہم آپ ہی کو تنگ ہو کر ترے حضور اب</p>	
<p>دعویٰ و امکان میں کیا ہے نسبت کہ میر بندے کا پیش صاحب میں ہے ہونا ضرور کچھ تو مجھے بھی ہونا ہے کیا ضرور اب آنسو آتے ہیں اب شباب شباب حال دل ہو گیا خراب شباب جوں گیا موسم شباب شباب جیسے لڑکوں کو آئے خواب شباب آوے خط کا اگر جواب شباب ہے دل آزاری عتاب شباب</p>	<p>کیا گئی جان و دل سے تاب شباب مانگی دے پلکیں اور گئی رننے یوں صبا بھی سبک نہیں جاتی پیر ہو کر ہوا ہوں یوں غافل مرے ہیں ہو جواب نامہ وہی مہربانی تو دریغ نہیں ہے کبھو</p>
<p>ہاں قدم چاہئے رکھیں گن کر میرے ہے کوئی حساب شباب</p>	
<p>اتنے ہیں شے ہم کبھی بیگار میں صاحب شہد ہے ہم یارے دیدار میں صاحب معلوم نہیں ہوتے ہو گزر میں صاحب سوال آرزو نکلتے ہیں تار میں صاحب کیا کیا خبریں آتی ہیں اجار میں صاحب</p>	<p>بیگار بھی درکار میں سرکار میں صاحب محرور نہ رہ جائیں کہیں بعد فنا بھی لیجھا ہے ہوا رنگ مرا پاسے تمھارے رہتا تھا سزا لے بھی زیر کلاہ آگے ہے چار طرٹ شور مری جیبری کا</p>

<p>رشتہ ہے عجب سبب و زنا میں صاحب یا ہر سخن اب آوے ہو کر میں صاحب کب ایسا غلام آوے ہو بار میں صاحب جو ہر نہیں ہے اکلی تلوار میں صاحب</p>	<p>گو فہم نہ ہو کفر کی، اسلام کی نسبت یا گفتگو کا میری نہ کرتے تھے کبھی ذکر طالع سے زلیخا نے لیا مصر میں یوسف رکھتی ہے لکھا ساتھ مٹا دینے کا میرے</p>
<p>یہ عرض مری یاد ہے بندگی میں میر جی بچتے نہیں عشق کے اظہار میں صاحب</p>	
<p>زندگانی ہے دردِ سر ہے اب بیدار ہی بیشتر ہے اب گرم گویا کی خبر ہے اب دل خدا جانے کدھر ہے اب</p>	<p>دردِ سر کا بہر بہر ہے اب وہ دماغ ضعیف ہی نہ رہا کیا ہمیں ہم تو ہو چلے ٹھنڈے کیا کہیں حالِ خاطرِ شفقت</p>
<p>عزلی میری جوں صبا اُس بن خاک بر سر ہے در بدر ہی اب</p>	
<p>دیدہ ترابر سا چھایا ہے اب اُس کے بالوں بھی بل کھایا ہے اب بیخودی نے حال پہنچایا ہے اب رکتے رکتے جی بھی گھبراہٹ ہے اب دشمنوں نے اُسکو بہکایا ہے اب زندگی کا دل جو سر مایا ہے اب</p>	<p>جوشِ رونے کا مجھے آیا ہے اب ٹپڑھے بانکے سیدھے سب ہو جائینگے ہوں بخود تو کوئی پہونچے مجھ تلک کاشکے ہو جائے سینہ چاک چاک راہ پر وہ کیونکہ آوے مست ناز کیا جییں گے داغ ہو کر خوں ہوا</p>
<p>میر شاید کہے ہی میں رہ پڑے دیر سے تو یاں خدا لایا ہے اب</p>	
<p>نا اُمید اس زندگانی کرنے سے اکثر ہے اب وہ بت بہر اپنی اور سے پھرتے ہے اب میرے شعر و شاعری کا تذکرہ گھر گھر ہے اب کر دوا جو طبع میں آوے ترے بہتر ہے اب عالم اپنا دیکھے تو عالم دیگر ہے اب</p>	<p>کیا کریں تدبیرِ دل مقدور سے یا ہر ہے اب جن دنوں ہم کافروں سے ربط تھا اُسے ہو چکے دور تک رسوا ہوا ہوں شہروں شہروں ملک ملک وہ طبیعت ہی نہیں ہو میری اُسے شفقِ طبیب بخود اُس مست ادا و ناز بن رہتے ہیں ہم</p>

وہ سپاہی پیشہ لوگوں ہی میں رہتا ہے کھڑا	اگر وپیش اُس دشمن احباب کے لشکر ہے اب
گفتگو انسان سے محشر میں ہے یعنی کہ میر	سار اہنگامہ قیامت کا مرے سر پر ہے اب
خلاف وعدہ بہت ہوئے ہو کوئی تو وعدہ وفا کر و اب ملا کے آئیں ہمیں دروغ کہنا کہاں ملک کچھ حیا کر و اب خیال رکھیے نہ سرکشی کا سُنو ہو صاحب کہ پیری آئی خمیدہ قامت بہت ہوا ہے جھکائے ہی سر پر اب	
کہاں ہے طاقت جو میر کا دل سب ان بلاؤں کی تاب لائے	اگر شے غمزدہ کو ناز سے ملک ہماری خاطر جدا کر و اب
مگر سے عہد سب قرار فریب ہے بلا کوئی وہ شکار فریب اک اداس کی ہے ہزار فریب	یار میر بہت ہے یار فریب راہ رکھتے ہیں سکے دام سے صید عہدے سے نکلیں کس طرح عاشق
التفاتِ زمانہ پر مست جا میر ویتا ہے روزگار فریب	
کوئی اپنا نہ یار ہے نہ جلیب	اس شکر کے ہم ہیں شہر غریب
سر رکھتے اس آستان پر میر	یاری کرتے اگر ہمارے نصیب
رویت تائے فوقانی	
جب سے آنکھیں لگی ہیں ہماری نیند نہیں آتی ہے رات تکتے راہ رہے ہیں دن کو آنکھوں میں جاتی ہے رات سخت ہیں کیا ایام جدائی و دشواری سے کھٹتے ہیں دن دیواروں سے سر ماروں ہوں پتھر ہے چھاتی ہے رات جوں دن ہجر کے غم میں اُس کے شام دسھر ہم کرتے ہیں در نہ کسے دن خوش آتا ہے کسے تیں بھاتی ہے رات	

رات کو جس میں چین سے سوویں سو تو اُس کی جدائی میں
 شمع نطف جلتے رہتے ہیں اور ہمیں کھاتی ہے رات

روز و شب کی اپنی معیشت نقل کریں کیا تم سے میر
 دن کو قیامت بھی یہ رہتا ہے سر پہ بلا لاتی ہے رات

دیر کب رہنا ملے ہے یا نہیں مہلت بہت
 کم نہیں دیوانہ ہوتا بھی ہمارا دفتر
 گریہ و زاری سے روز و شب کے شکوے کچھ نہیں
 کیا و دواع اس یار کے کوچہ سے ہم مشکل ہوئے
 بعد مرگ آنکھیں کھلی رہنے سے یہ جانا گیا
 فنکے ضایع روز گاری اُسکی جی لایا نہ تاب
 آنکھیں جاتی ہیں مندی ضعف دلی سے ویدم
 دل گئے پر آجکل سے چپ نہیں مجھ کو لگی

دل میں جا کر تا ہے طور میر شاید دوشاں
 اُن نے صاحبِ دل کو سے رکھی یہ صحبت بہت

چشم رہنے لگی پر آب بہت
 دیرو کہے میں اُس کے خواہشمند
 دل کے دل ہی میں رہے ارمان
 ازا عاشقوں کا گر ہے تو آب
 کیسے بے پردہ کیونکہ عاشق ہیں
 شاید آدے کا خوب ناب بہت
 ہوتے پھرتے ہیں ہم حجاب بہت
 کم رہا موسمِ خباب بہت
 تو ہوا ہے تمھیں تو آب بہت
 ہکو لوگوں سے ہر حجاب بہت

میر بخود ہیں اس جناب سے اب
 چاہئے سب کو اجتناب بہت

دل نے کام کیے ہیں ضایع دلبر ہے دلخواہ بہت
 قدر بہت ہی کم ہے دل کی پر دل میں ہے چاہ بہت
 راہ کی بات سنی بھی ہے تو جانا حرفِ غریب اُس کو
 خوبی پر اپنی حسن پر اپنے پھر تا ہے گمراہ بہت

حیرانی ہے کیونکہ ہووے نسبت اپنی اُس سے درست
 بندہ تو ہے عاجز عاجز اُس کو غرور المٹ بہت
 شوق کا خط طو مار ہوا تھا ہاتھ میں لے کر کھولا جب
 کہنے لگا کیا کرے لکھے ہے اب تو نامہ سیاہ بہت
 سب کہتے ہیں روئے قیہ ایدھر کرنے کہتا تھا
 شاید یوں بھی ظاہر ہووے ہے تو سہی افواہ بہت
 اب تو ہے پیری حضرت ہو کر ایک کنارے بیٹھے ہیں
 جب تھی جوانی تب تو ہم بھی جاتے تھے درگاہ بہت

کیا گزری ہے جی بہ بھارے ہم سے تو کچھ میسر ہو
 آنے لگی ہے درد و الم سے صاحب لب پر آہ بہت

کہتا ہے گرچہ یاروں سے وہ ٹیڑھی بانگی بات
 تھی بھر کی سی لہر کہ آئی چلی گئی
 اب تو فادہ سر کا مذکور رہی نہیں
 مرغ اسیر کہتے تھے کس حسرتوں سے ہائے
 پر کیا ہی دل کو لگتی ہے اُس بد زباں کی بات
 پہونچی ہے اس سرے تیش طبع رواں کی بات
 تم کس سمیں کی کہتے ہو یہ ہے کہاں کی بات
 ہم بھی کبھی سنیں گے گلوں کے وہاں کی بات

شب باش اُن نے کہتے ہیں آنے کہا ہے میر
 دن اچھے ہوں تو یہ بھی ہو اس مہرباں کی بات

رویف ثنائے مثلثہ

نہیں گر چوٹ دل پر گریہ وزاری کا کیا عبث
 ہوئے تختے چمن کے پھیلتیاں عے عشق داغوں کا
 رکیں کا ہیکو چشم تر کی خوبناری کا کیا باعث
 بہار آنے سے آگے ایسی گلکاری کا کیا باعث

تانشہ ہے کہ اکثر نرگسی زن رہتے ہو ہم پر
 ہمیں سے بوجھو تو پھر میر بیماری کا کیا باعث

دل ہمارا ہے بقرار عبث
 تو گلے کا ہوا ہے ہار عبث
 اب پیے خون روزگار عبث

عہد اُس کا غلط قرار عبث
 ہم گلا کاٹتے ہی تھے اپنا
 لوہورونے سے سب پخوڑ لیا

لوگ اُسکے ہوئے شکارِ عبث	آہ وہ کس قدر ہے مستغنی
میر تو آگے ہی مر رہے ہیں میر تیغ کھینچے پھرے ہے یارِ عبث	
رویفِ حیمِ عربی	
کوئی گھڑی تو پاس ہو یاں پھر دم صحت کیا ہو آج دنگلی سے رُکے ہے دم کیا نیلے صوت کیا ہے آج اُس ظالم بیرحم کی میری ایسی صحبت کیا ہے آج کوئے بادۂ فروشاں میں میری حرمت کیا ہے آج	حال بُرا ہے تمکو ہم سے اتنی غفلت کیا ہو آج سامنے ہو وہ اُٹینہ پر آنکھ نہیں کھل سکتی ہے فرقِ دین جٹے رہتے ہیں جیسے دل کی لاگ لگی شیشہ صراحی سا غر وینا سب کل تک بھی حاضر ہے
میر کھڑے اک ساعت ہی میں غش تم کرنے لگتے ہو تاب نہیں کیا ضعف ہے دل میں جی بیطاعت کیا ہو آج	
<p>ہم تو لبِ خوشترنگ کو اُس کے مانا مسلِ احمر آج اور غرور سے اُن نے ہم کو جانا کس کر پتھر آج عشق کے جو گزشتہ ہوئے ہم رفتہ رفتہ دوار ہوا پاتوں میں چکر ہوتا ہے یاں سر کو بھی ہے چکر آج عرش پہ دھونی لگانے کو تھے دو دہل سے کب تک ہم خاک پہ یاں کی درویشانہ ہم نے بچھا یا بستر آج جینے سے ہم غم کشتوں کی خاطر تم بھی خبیث کرو کل تک کام نہیں کھینچنے کا غش آتا ہے اکشر آج ملکوں ملکوں شہروں شہروں قریہ قصبہ دہیہ و دیار شہر و بیت و غزل پر اپنے ہنگامہ ہے گھر گھر آج خط سے آگے مہر و وفا کا دعویٰ سب کچھ صاوق ہوتا جامۂ مصحف گو پہنے وہ کون کرے ہے باور آج دیدہ ددل بھی اُس کے جانب میل کئی رکھتے ہیں عشق میں ہم بکیں ہیں واقع یار نہیں بے یاور آج</p>	

عشق کیا ہو ہم نے کہیں تو عشق ہمارا جی مارے
 یونہیں نکو رو و لبہرا پناہم سے ہوا ہے بدتر آج
 رحم کی جاگہ کی ہے پیدا شاید اُس کے دل میں بھی
 دیکھ رہا ہے منہ کو ہمارے حال ہمارا سُن کر آج
 کل کہتے ہیں ہوگی قیامت کل کی کل میں لیکن دیکھ
 یاں تو قیامت عشق میں اس کے ہنگامی اپنے سر پہ آج

کرتی ہے بوزلف منبر آئے ہو بخود سے پچھم
 بارے مزاج شریف تمہارا میر گیا کیدھر ہے آج

رویفیم فارسی

اب کیسے لوگ آئے زمین آسمان کے بیچ
 بلبل بکارتی ہی رہی گھمستاں کے بیچ
 ہیئت کو اپنی موجوں میں ب رواں کے بیچ
 ہے جائے گیر عشق کی تب استخوان کے بیچ
 آیا نہیں یہ لفظ تو ہندی زبان کے بیچ
 بگڑی تھی رات اُس کے گٹ پاساں کے بیچ
 آنے لگا ہے منہ نظر اس ستاں کے بیچ
 بجلی پڑی رہے ہے مرے آشاں کے بیچ

اُگے تو رسم دوستی کی تھی جہاں کے بیچ
 میں میدلخ عشق اٹھا سوچا لگیا
 تھرپک چلنے کی ہے بود دیکھو نگاہ کر
 کیا میل ہو ہاسکے پس از مرگ میری اور
 کیا جانوں لوگ کہتے ہیں کس کو سرور غلب
 طالع سے بگئی کہ ہم اس مہر کے گئے
 اتنی جبین رگڑی کہ سنگ آئینہ ہوا
 خوگر ہوئے ہیں عشق کی گرمی سے خاروں

اُس دوسے برفروختہ ہی سے ڈرے ہے میر
 یہ آگ جاگے گی کسی دو دماں کے بیچ

تائیر ہے گی اہل وفا کی ہنر کے بیچ
 ہے جو پخشک بوجہ ہو کر اگر کے بیچ
 اسے کاش میری گور کریں رگڑ کے بیچ
 سر تا قدم ہے لطف ہی اُس خوشی کے بیچ
 اس رشتہ کی روش کہ جو ہو دے گھر کے بیچ

صورت پھر سے نہ یارگی کیوں چشم تر کے بیچ
 خوش سیرتی ہے جس سے کہ ہوتا ہے اعتبار
 اُس کے سمند ناز کا پامال تو رہوں
 منہ اُس کا دیکھ رہے کہ رفتا ر ناز کو
 ہر دانہ سر مشک میں تار دیکھا ہے

کیا دل کو خوں کیا کہ تڑپنے لگا جب گ
ایسا ہوا ہے قیمہ کہ اب ہے حساب پاک
یکتاے روزگار ہیں ہم اس سہر کے بیچ
کہیے جو کچھ بھی باقی ہوا اپنے جگر کے بیچ

ہے اپنے خانوادے میں اپنا ہی نور میر
بلبل بھی ایک ہی بولتا ہوتا ہے گھر کے بیچ

رنج کیا کیا ہم نے بکھیچے دوستی یاری کے بیچ
دوش و آغوش و گریباں دامن گلچیں ہوئے
ایک کو اندیشہ کار ایک کو ہے فکر یار
منتظر تو رہتے رہتے پھر گئیں آنکھیں ندیاں
جان کو قید عناصر سے نہیں ہے داری
روتے ہی گزری ہیں ہے شب نشینی باغ کی
یاد پڑتے جوانی تھی کہ آئی رخت کی
کیا ہوئی تقصیر اسکی ناز برداری کے بیچ
گفتگوانی کر رہی ہے خیمہ خنوباری کے بیچ
لگ رہے ہیں لوگ غنیمت کے تیار ہی کے بیچ
وہ نہ آیا دیکھنے ہم کو تو ہماری کے بیچ
تنگ آئے ہیں بہت اس چار دیواری کے بیچ
اوس سی پرتی رہی ہے رات ہنسی کے بیچ
ہو گیا ہوں میں تو مست عشق ہنسی کے بیچ

ایک ہو دیں جو زبان دل تو کچھ بکھے بھی کام
یوں اثر اسے میر کیا ہو گمراہ دزداری کے بیچ

گل منگس ہوئے ہیں بہت آج کے بیچ
ستھراؤ کر دیا ہے تمنا نے وصل نے
بحث آپڑی جو لب سے تمھارے توجہ رہو
ہم ہیں قلندر اگر گردل سے دم بھریں
جائے شراب پانی بھریں گے سبو کے بیچ
گیلا کی عورت مر گئے اس آرزو کے بیچ
کچھ بولنا نہیں تھیں اس گفتگو کے بیچ
عالم کا آئینہ ہے سیہ ایک ہو کے بیچ

گل کی تو بوسے عشق نہیں آتا کسو کے تئیں
ہے فرق میر پھول کے اور اسکی بو کے بیچ

رویت حائے حلی

کیا ہم بیاں کسو سے کریں اپنی بانگی طرح
جوں سبزہ چل چمن میں لب جو یہ نسیر کر
نہو سقبت بے عمد ہو نہیں اس کا اعتماد
اثبات بے ثباتی ہوا ہوتا آگے تو
کی عشق نے خدائی سے اس خاندان کی طرح
عمر عزیز جاتی ہے آب رواں کی طرح
کس خاندان خراب نے کسی آسماں کی طرح
کیوں اس چمن میں ڈالتے ہم آسماں کی طرح

اب کئے ہیں بلا ہے شمش تیسرگی
نقصان جاں صریح تھا سوکد میں عشق کے
دل کو جو خوب دیکھا تو ہو کا مکان ہے
اگل دیکھ آفتاب کو رویا ہوں دیر تک

جادے کا اپنی بھول طر حداری میردہ
کچھ اور ہو گئی جو کسونا تو اں کی طرح

مر گیا فریاد جیسے مرتے یار سے اس طرح
ٹکڑے ٹکڑے کر دکھایا میں نے آنکھ اسیلے
ست و پنجو دہر طرف پھروں پھر کرتے ہو کم
عشق کی کہئے طرح کیا دامن و فریاد و فیس

جو عرق تحریک میں اس رنگ بہکے منہ پر ہو
میر کب ہووے ہیں گرم جلوہ تائے اس طرح

ہو بچے ہے ہم کو عشق میں آزار ہر طرح
مکسب و طرح ناز و اداسب سے دل لے
یوسف کی اس نظیر سے دل کو نہ جمع رکھ
جس طرح میں دکھائی دیا اُس سے لگ بڑے

پھپ گس کے بام دور سے گلی کوپے میں سے میر
میں دیکھ لوں ہوں یار کو اک بار ہر طرح

رؤیفت خاٹے مجھے

ہے میرے جو سر تک دامن کا رنگ سُرخ
ریش کا اُس کے تختہ ہے سینے کا گنگٹھ

رؤیفت وال مہملہ

زردی عشق سے ہے تن زار بد نمود
بے برگ بے نوال سے ہیں عشق میں تلوار
اب میں ہوں جیسے دیر کا بیمار بد نمود
یا نیرودیدہ جیسے ہوں آنجبار بد نمود

ہر چند خوب تج کو بنا یا خدا نے لیک ہیں خوشنما جو سہل مر میں ہم دے ترا	اے ناز پیشہ کبر ہے بسیار بد نمود خونریزی میں ہماری ہے اصرار بد نمود
پوشیدہ رکھنا عشق کا اچھا صاف میر سمجھانہ میں کہ اس کا ہے اظہار بد نمود	
کب سے ہے باغ کے پس دیوار باش و بود دنیا میں اپنے رستے کا کیا طور ہم کہیں	مشکل کریں ہیں جیسے گرفتار باش و بود زنداں میں کریں ہیں گنہگار باش و بود
بے یار کس کا جینے کو جی چاہتا ہے میر کرتے ہیں ہم ستمزدہ ناچار باش و بود	
جاوے جدائی کا یہ آزار گاہ باشد امید دار اسکے ملنے کے جیسے ہم ہیں	اچھا بھی ہو دے دل کا آزار گاہ باشد آنکھ ناز کرتا یاں یار گاہ باشد
گو قدر دل کی کم ہو چیز کام کی ہے کہتا ہوں سو کرے ہو لیکن رہتوں ہوں تو	لے تو رکھیں تمہیں ہو درکار گاہ باشد اُدے کسو سخن پر ٹکرا گاہ باشد
کہتے تو ہیں گئے کسو کب لے گیا کریں غصے سے اپنے ابرو جو خم کرے ہو ہر دم	جو خواب مرگ سے ہوں بیدار گاہ باشد وہ اک نگاہی بیٹھے تلوار گاہ باشد
غیرت سے عشق کے ڈر کیا شیخ و گریہ وحشت پہ میری مت جا غیرت بہت ہو چکا	تسلیم کا ہو رشتہ زنا گاہ باشد ہو بیٹھوں مرنے کو بھی تیار گاہ باشد
ہے ضبط عشق مشکل ہوتا نہیں کسو سے ڈر میر بھی ہو اس کا اظہار گاہ باشد	
تن کو جس جاگہ سے چھیدوں ہوں ہاں ہی درد درد اب تو وہ حسرت سے آہ و نالہ کرنا بھی گیا	ہاتھ لگتے دل کے ہو جاتا ہوں کچھ میں زرد زرد کوئی دم ہو ٹھہروں تک آجاتا ہی گاہ ہر درد
اسکی دوری میں کڑھاکرتے ہیں ہم سب زیاد چھاتی بھٹ جاتی جو یوں رک کر نہ کرتا ترک خیم	جی گیا آخر ربا دل کو جو غم حد سے زیاد گزرے اسکے عشق میں جی پرستم حد سے زیاد
خوف کر عاشق کے سر کٹنے کی قطعی ہے دلیل کچھ بھی نزدیک اسکے ٹھہرا ہو تو دیکھ بھر نظر	ہو جہاں شمشیر ابرو اس کی خیم حد سے زیاد قدر ہے عاشق کی ان آنکھوں میں کم حد سے زیاد

<p>پاس اُسکے دم بخود بہروں تھے سلاطنت کہاں بات کہتے میراب کرتے ہیں دم حد سے زیاد</p>	<p>شعر دیواں کے میرے کر کر یاد خود کو عشق بتاں میں بھول نہ جا سب طرف کرتے ہیں نکوایں کی وحشی اب گر دیاد سے ہم ہیں</p>	<p>بجنوں کہنے لگا کہ ہاں استاد مشوکل ہو کر خدا کو یاد کس سے جا کر کوئی کرے فریاد عمر افسوس کیا گئی برباد</p>
<p>چار دیواری عناصر میر خوب جاگہ ہے پر ہے بے بنیاد</p>	<p>رویت ذال معجزہ</p>	<p>دردیشی کی جو سونھنگی ہے سو بھی ہے لذیذ انان و نک ہے داغ کا بھی ایک شے لذیذ</p>
<p>رویت رائے مہملہ</p>	<p>مست اس چین میں غنچہ روش بود و باش کر دل رکھ توئی فلک غمی زبردستی پر نہ جا ہے کیا تو جیسے بند ہے منھی کہ جا چلا یو نہیں ہے سینہ کو بی اگر چاہے دل کی داد</p>	<p>ما تہد گل شگفتہ جیہیں یاں معاش کر گر کشتی لگ گئی ہو تو تو بھی غامش کر مست گل کے رنگ منہ کو دکھلا راز قاس کر پیشانی کو سلیقے سے دکھلا خدائش کر</p>
<p>بھرتا ہے کیا تو میر کچھ دل خدائش لکھ بھی قلم اک تراش کر</p>	<p>مرتے ہیں ہم تو آدم خاکی کی شان پر جبرکٹ تھا دل میں لالہ رخوں کے خیال سے عرضہ ہے تنگ صدر نشینوں پر شکر ہے آفات میں ہے مرغ چین گل کے شوق سے اُس کام جاں کے جلوں کا میں ہی نہیں ہلاک جاتے تو میں پر خواہش دل موت ہے نرمی</p>	<p>اشد رے داغ کہ ہے آسمان پر کیا کیا بہاریں دکھی گئیں اس مکان پر بیتھے اگر تو جا کے تسو آستان پر جو تھکوں ہزار رنگ کی رتی ہے جان پر آفت عجب طرح کی ہے سارے جہان پر بھر بھی ہمیں نظر نہیں جی کے زبان پر</p>

سرویں ہیں لوگ اُس کے قدم کے نشان پر
سو سو جوان مرتے ہیں ایک ایک آن پر

تقدیس دل تو دیکھ ہوئی جبکو اس سہراہ
انداز و ناز اتنے اُس او باش کے ہیں سر

شوخی تو دیکھو آپ ہی کہا کو بیٹھو میر
پوچھا کہاں تو بولے کہ میری زبان پر

ستم ساتم ہو گیا اس میں ہم پر
سخن خوب نکال تھے زبان قلم پر
رہے درمیاں تیغ و ابرو کے خم پر
ہیں اعتماد اُن کے قول و قسم پر

کیا صبر ہم نے جو اُس کے ستم پر
لکھا جو گیا اُس کو کیا نقل کہنے
جھکے ملک جہر جھک گئے لوگ اور
سخن زن ہوں ہر چند دست نہ تھیں

چنگر کو سرا میرا س رنج کش کے
کیا دو قدم جو ہمارے قدم پر

چشم سیاہ ملا کر یو نہیں مجکو خاک سیاہ نہ کر
چھاتی یہ ہو جو کوہ الم کا تو بھی نالہ و آہ نہ کر
عشق نہ کر زہار نہ کر و اللہ نہ کر باللہ نہ کر
پانوں نہ رکھ سجاد سے یہ انکے اس جادے سے آہ نہ

مجکو ہے سو گند خدا کی میری اور نگاہ نہ کر
عشق و محبت یاری میں کیا لطف رکھے ہے کر مضبوط
ما ملک پناہ خدا سے بندے دل لگا اکل فت ہی
گھاس ہے مینا خانے کی بہترین خوں کے مصلے سے

میر نہ ہم کہتے تھے تجھے حال نہیں کچھ رہنے کا
جہا بلا سے جان و دل ہے آجانے دے چاہ نہ کر

آج لہو لکھوں میں آیا دروغم سے رو رو کو
سرا ہے ہیں محرابوں میں یوں جی ت کو اب کھو کر
راہ چلو ہونا زکناں دامن کو لگا کر تم کھو کر
اب شتر ہے تیغ ستم کی جلد لگا کر تو دو کر

کل سے دل کی کل بگڑی ہے جی مارا بے کل ہو کر
ایک سجود خلوص دل سے آہ کیا نہ جوانی میں
جیب یہ خاک ملوں کے حال سے کیا اکا ہی نہیں
ایک تو ہم تو ہوتے نہیں ہیں سر بہتیرا مار چکے

جی ہی ملا جاتا ہے اپنا میر سماں یہ دیکھے سے
آنکھیں ملنے اٹھتے ہیں بستر سے دلچرب سو کر

کا سے میر کچھ کہیں ہم مجکو عتاب کر کر
واں مرغ نامہ بر کا کھا یا کتاب کر کر
اس دل زد کو اُن نے مانو عذاب کر کر

یہ لطف اور پوچھا مجھ سے خطاب کر کر
چھاتی جی ہے کیسی اڑتی جو یہ سُنی ہے
خونریزی سے کچھ آگے تشبیر کر لیا تھا

کچھ دوستی کا میری دل میں حساب کر کر
پایا نہ چین میں نے ترک شراب کر کر
منہ پر نہ رکھا اسکے کچھ میں حجاب کر کر

گنتی میں تو نہ تھا میں پر کل نخل ہوا وہ
مستی و بخودی میں آسودگی بہت تھی
رد پوش ہی را وہ مرے تگ اپنے لیکن

کیا جانے کہ دل پر گزرسے ہے میر کیا کیا
گرتا ہے بات کوئی آنکھیں پر آب کر کر

فراق ایسا نہیں ہوتا کہ پھر آتے نہیں جا کر
کبھی احوال پرستی تو کر دوں ہاتھ میں لا کر
زباں کر بند سارے باغ میں مجھ کو نہ سو کر
کہیں کیا جانوں کیا دیکھوں گا چشم بستہ کو داکر

جدائی تاجدائی فرق ہے ملتے بھی ہیں آ کر
اگر چہ چپ لگی ہے عاشقی سے جھکویرت ہے
جو جانوں تجھ میں بلبل یہ نہیں تو کیوں راز تیا
فلک نے باغ سے جوں غنچہ نرس نکالا ہے

سید پھولوں بھرے بازار میں سے ہیں موسم میں
نکل کر گوشہ مسجد سے تو بھی میر سو داکر

پر حیف میں نہ دیکھا میں سے سر ٹھاکر
تو اپنی یہ کہانی بیٹھا ہوا اکس کر
سر پر زمین اٹھالی ہم بے تہوں نے اگر
سویا ہے اژدہا یہ بہتیرے ٹھسے کھا کر
انسوس کھو چلا ہوں ایسے گھر کو پا کر
باتیں کر دو ہو بگڑی منہ کو بنا بنا کر

اُس رقتہ پاس اسکو لائے تھے لوگ جا کر
سُن سُن کے درد دل کو بولا کہ جاتے ہیں ہم
آگے زمیں کی تہ میں ہے بہت تھے تو بھی
میر سے ہی غول ہیں ان سے تینہ نہیں سلا یا
دل ہاتھ سے گیا ہے لطف قصا سے میر
جو دہر کوئی ہو تو کہنے میں بھی کچھ آئے

اب تو پھر دہو بے غم تب میر جا بیٹھے ہم
اچھے رہو گے جب تم دل کو کہیں لگا کر

اور بھی نظر کریں کیونکر
سیر چھکائے گزر کریں کیونکر
آنکھیں درد سے تر کریں کیونکر
لوٹ اُسکو خیر کریں کیونکر
ہم شب اپنی سحر کریں کیونکر
ان کو زیر و زبر کریں کیونکر

بزم میں منہ اوھر کریں کیونکر
یوں بھی شکل درد میں بھی مشکل
راز پوشی عشق سے منظور
مست و بخود ہم اسکے در پہ گئے
سورہا بال منہ پہ کھول کے وہ
بہ فلک پر ہے دوز میں پرآہ

	<p>دل نہیں دروند اپنا مسیر آہ نالے اثر کریں کیونکر</p>	
	<p>رویت رائے مجھ</p>	
<p>پیدا ہے عشق کشتے کام کے نشاں ہنوز استادہ روئے خاک پہ ہے آسماں ہنوز جاستے ہیں گرتے پڑتے بھی ہم ناتواں ہنوز اسے صبح تیری رہتی نہیں ہے زباں ہنوز ایک آدھ تو بھی مر رہے ہے نیجاں ہنوز قصہ ہمارے عشق کا ہے داستاں ہنوز</p>	<p>ہے زہر خاک لاشہ عاشق طیاں ہنوز گردش سے اُسکی خاک برابر ہوئی ہے خلق اُس تک پہنچنے کا نہیں ہے حال کچھ دسے پروانہ جل کے خاک ہوا پھر اُٹھ گیا چندیں ہزار جانیں گئیں اس کی راہ میں میت ہوئی کہ خوار ہو گلیوں میں مر گئے</p>	<p>دیوانگی کی ہے وہی زور آوری ہنوز سر سے گیا ہے سایہ نطف اُس کا دیر سے شونجی سے زار گریہ کے خوں چشم میں نہیں کب سے نگاہ کاڑھے ہے یاں روزِ نقاب بہوت ہو گیا ہے جہاں اک نظر گئی ابکر مرنے سے بہت کی پہ کیا حصول</p>
<p>ہر دم نمی ہے میری گریباں درمی ہنوز آنکھوں ہی میں پھر ہے مری وہ بکری ہنوز وہی ہی ہے مژدہ کی بعینہ تری ہنوز ہم دیکھتے ہیں جہاں کے تیس سرسری ہنوز جاتی نہیں ان آنکھوں سے جادوگری ہنوز ہوتی نہیں ہماری زراعت ہری ہنوز</p>	<p>میت سے میر بیدل دوں دلبروں میں ہو کرتا نہیں ہے اسکی کوئی دلبری ہنوز</p>	<p>میت سے میر بیدل دوں دلبروں میں ہو کرتا نہیں ہے اسکی کوئی دلبری ہنوز</p>
<p>نہ گیا دل سے روئے یار ہنوز دل کو آتا نہیں قرار ہنوز واں سے اٹھتا ہے اک غبار ہنوز دل کو اسکا ہے اعتبار ہنوز عشق لاتا ہے مرد کا ہنوز</p>	<p>میت سے میر بیدل دوں دلبروں میں ہو کرتا نہیں ہے اسکی کوئی دلبری ہنوز</p>	<p>میت سے میر بیدل دوں دلبروں میں ہو کرتا نہیں ہے اسکی کوئی دلبری ہنوز</p>

برسوں گزرے ہیں اس کے لئے	صحبت اس سے نہیں برا ہنوز
عشق کرتے ہوئے تھے بخود میر	اپنا انکو ہے انتظار ہنوز
وہ غلط ہے عجز ناز ہنوز	کچھ پذیرا نہیں نسیا ہنوز
کیا ہواخوں ہوا کہ داغ ہوا	دل ہمارا نہیں مگر از ہنوز
سادگی دیکھ اُس جفا جو ہے	ہم نہیں کرتے اقرار ہنوز
ایک دن وا ہوئی تھی اُس منہ	اُرسی کی ہے چشم باز ہنوز
مستبر کیا ہے میر کی طاعت	رہن یادہ ہے جاننا ہنوز
خاک ہو کر اڑیں میں یار ہنوز	دل کا بیٹھا نہیں غبار ہنوز
نہ جگر میں ہے خوں نہ دلیں میں	درپے خوں ہے روزگار ہنوز
دست ہر دل ہوں مدتوں سے میر	دل ہے ویسا ہی بقیہ راز ہنوز
دوستاں حسن و خوبی ہے کیا چیسز	ٹھہری ہے جان سی بھی لئے کیا چیز

رویف سین مہملہ

مدت ہجر میں کیا کرے بیاں یار کے پاس	حال برسی بھی نہ کی آن کے بیمار کے پاس
حق یہ ہے خواہش دل ہے تو مری آجانا	جبکہ خونریزی کو بٹھلا میں مجھے وار کے پاس
دراسیری کا کھلا منہ پہ ہمارے کیا تنگ	مرسی رہے گا قفس کے درو دیوار کے پاس
آہا اس کا تو دم قتل ضروری ہے دے	کون آتا ہے کسو خوں کے نزار کے پاس
پایے یار اکیلا تو غم دل سے کہے	سو تو بیٹھا ہی اُسے پاتے ہیں چار کے پاس
منہ پہ ناخن کے خراشوں سے لگا دل بہنے	چشمے نکلے ہیں نے چشم جگر بار کے پاس
میں تو تلوار سے اُس کے لیے بیٹھا میر	دہ کھڑا بھی نہ ہوا کے گنہگار کے پاس
کل ہاتھ جار ہا تھا دل بقیہ راز پاس	گو یا کہ جار ہا کسو سوزندہ نار پاس

<p>ٹھہرانہ پھر وہ صید فلن اس شکار پاس کرتے ہیں اپنی اور سے تو ہم سزار پاس رویائے میں تو ایک گھڑی اپنے یار پاس</p>	<p>کس جد و کد سے جیت ہے مجھ کو کیا شکار اُس محل بغیر بہروں ہیں بلبل سے نالہ کشار خوشحال دے جو حال کہیں دلیروں سے دیر</p>
<p>دوڑی میں جس کی مرگے ہوگے ترک کے میرے نکلانہ وہ سو ہو کے ہمارے مزار پاس</p>	<p>اب نہیں ہوتی چشم ترا فوس ویرانی ہے یہ خستہ حالی لیک عیب ہی عیب میرے ظاہر میں</p>
<p>بہ گیا خون ہو مجھ کو فوس ایہ صراٹ کی نہیں نظر فوس مجھ کو آئی نہ کچھ ہنس فوس</p>	<p>میرا تیر بہت ہے دل کا حال یعنی ویراں پڑا ہے گھر فوس</p>
<p>روایت شین معجز</p>	<p>نکلے پردے سے روئے یار لے کاش کچھ وسیلہ نہیں جو اُس سے ملوں کہیں اُس کو کھن سے بھر جائے برق ساں ہو چلوں تڑپ کبر میں اعتماد ہی نہیں ہے یار غیبر اُوے سر رشتہ جنوں کچھ ہاتھ</p>
<p>منٹھ کرے ٹکڑا دھر ہار لے کاش شعر ہو یار کا شمار لے کاش موج ساں میری بھی کنار لے کاش یوں ہی اُوے مجھے قرار لے کاش یار سے ہم سے ہوئے پیار لے کاش ہوں گریبان تازا ر لے کاش</p>	<p>کچھ اُس کی ہم نے پائی نہ رفتار کی روش سب اس گزرنے کی ہے سہ مار کی روش رستے ہیں اب گھر سے پڑے ہمار کی روش آئی نہ خوش ہیں تو یہ شکار کی روش کچھ آگئی تھی اس میں قد یار کی روش</p>
<p>میر جگر تمام بس جاوے بن پڑے مجھے روزگار لے کاش</p>	<p>اُس کا خیال اُوے عیار کی روش کیا چال ہے گی زہر بھری روزگار کی وہ زنت و خیر گرم تو مدت سے ہو چکی جاتے ہیں رنگ دلوئے گل و آب جو چلے اٹاں ہوا ہے سرو گلستان کا دل بہت</p>

زندان میں جہان کی بہت ہیں خواب حال کرتے ہیں ہم معاش گنگار کی روش

یوں سر کھیرے عشق میں پھرتے نہیں ہیں میر
اظہار بھی کریں ہیں تو اظہار کی روش

رہتے ہیں بہت دل کے ہم آزار سے ناخوش جانا جو مقرر ہے مراد ارغمن سے
اس سب کی میں ہوں درد و یار سے ناخوش ہمواری سے ہیں نرم و خوشن ایک سے دونوں
خوش ہیں نہ گل ترے نہ ہم خار سے ناخوش سرشتہ دل بند نہیں زلف و کمر میں
کیا جانتے ہم کس لیے ہیں یار سے ناخوش ہے عشق میں صحبت مرے خواب کی عجب کچھ
اقرار سے سینہ زار ہیں انکار سے ناخوش خوش رہتے ہیں احباب ہم ربط کیے سے
رہتے ہو تمہیں ایک مرے پیار سے ناخوش

اک بات کا بھی لوگوں میں پھیٹا اسے کرنا
ہم سینے بہت میر کے بتا رہے ناخوش

روایت صا و معلہ

طاہر دل کی طیش سینے میں جانو تم بے لکڑھن ان ہی رنگوں ہوتا ہے اس صیدِ طرفہ دل کا نص

روایت صا و معجمہ

کیا کہوں کیا ہے دلبر خود غرض خود ناخود رائے و خود سر خود غرض

روایت طاہرے معلہ

دل لگے کے تیں جگر ہے شرط بے خبرت رہو خبر ہے شرط

عشق کے دو گواہ لا مینہ
زردی رنگ و چشم تر ہے شرط

دل لگا ناچ کھتا ہے اسکو جگر ہو یا ہے شرط لہو تو بہا تھا خون ہوا گے پہلے داہیں رائے شرط

روایت طاہرے معجمہ

عشق ہمارا ہی مارے ہم ناواں ہیں کیا محفوظ اسی شے کا زیاں کھینچے تو دانا ہو گیا محفوظ

پانی منہ میں بھر آتا ہے اُسکے عقیق لب کیلئے
اب ہر تشنہ کام جدائی میری دگر نہ تھا مخطوط

روایت عین مہملہ

ایک ہی گل کا حرف کیا ہی میں نے سراپا جیسے شمع
تلوؤں تک داغ گیا ہر سب جھکو کھا جیسے شمع

روایت عین مجسمہ

ہم اے آگے چمن سے گئی بہارِ دریاغ
دل بھر دو دنوں پر چلائے داغ
دل جلے ہم نہیں رہے بیکار
جل گئے دیکھ گری افسار
احتیاط صراحتی سے سے
دریاغ دردِ صد افسوس صدہم اردیاغ
عشق سے کیا ہیں کھائے داغ
زخم کاری اٹھائے کھائے داغ
اُسے اس کو چمے سے تو اُسے داغ
ہم نے سجادہ کے دھلائے داغ

دیکھے دامن کے بیچ کے سے دیے
میر نے گرتے چھپائے داغ

روایت فار

آج ہمارا سر پھرتا ہے باتیں جتنی سب موقوف
حرف و سخن جو بایک دگر رہتے تھے سواب موقوف
کس کو داغ اب اُس سے رہا یاں اٹھ میر کی منت کا
رہا اخلاص سے دن گزرتے ہی غلط اس سے سب موقوف
اُس کی گلی میں آمد و شد کی گھات ہی میں ہم رہتے تھے
اب جو شکستہ پا ہونٹیں ڈھب کرنے کے باعث موقوف
وہ جوان ہو تو کیا ہے شوق کمال کو پہونچا ہے
وقفہ ہو گا تب ملتے میں ہم بھی کریں گے جب موقوف

حلقے پڑے ہیں چشم تر میں سوئے ایسے تم نہ رہے
روا کر ہٹنا عشق میں اُسکے میر کر دے گے کب موقوف

میں آگے نہ تھا دیدہ پر آب سے واقف	بلکین ہوئی تھیں مری خوباب سے واقف
تجھ تو بہت لڑکوں کے کھانے ہیں لیکن	ہم اب بھی جنوں کے نہیں آداب سے واقف
ہم تنگ خلاق یہ عجب ہے کہ نہیں ہیں	اس عالم اسباب میں اسباب سے واقف
شب آنکھیں کھلی رہتی ہیں ہم منظروں کی	جوں دیدہ انجم نہیں ہیں خواب سے واقف

دل کھلے انھیں بالوں کے ہم جانتیں ہیں یا میر
ہیں تیغ و غم و رنج و تپ و تاب سے واقف

نظر کیا کروں اسکے گھر کی طرف	لگا ہیں ہیں میری نظر کی طرف
بھپاتے ہیں منہ اپنا کال سے سب	نہیں کوئی کرتا ہنسر کی طرف
بڑی دھوم سے ابرائے گئے	نہ کوئی ہوا چشم تر کی طرف
نرہاد ہندروتے ہیں دکھوں سے خون	نہیں دیکھتے ہم حبسگر کی طرف

راہِ بخت گر چہ بھراں میں میر
سے گوشش اسکے خبر کی طرف

دو لفظ قاف

لوگ بہت بوجھا کرتے ہیں کیا کہیے میاں کیا ہے عشق
کچھ کہتے ہیں سرالہی کچھ کہتے ہیں خدا ہے عشق
عشق کی شان اکثر ہے ارفع لیکن شائق مجاہد ہیں
گم ساری ہے دماغ و دل میں گاہے سب جدا ہے عشق
کام ہے مشکل الفت کرنا اس گلشن کے نہالوں سے
بوکش ہو کر سب وقت کا عشق نہ کرے تو سزا ہے عشق
افت سے پرہیز کیا کر گفت اس میں قیامت ہے

یعنی درد و رنج و تعب ہے آفت جان و بلا ہے عشق

میر خلافت مزاج محبت موجب تلمی کشیدن ہے
یار موافق لجاوے تو لطف ہے چاہ مزا ہے عشق

دل کا مشاعرہ کر اسے یہ کہ تھا لائق	ہیں عشق کے بھی مشکل بہت وفاق
پھٹاتی جلوں آگے کھینچتا ہے بیشتر دل	ات آشنا ہے جسے اس باغ میں شقائق

ہے راسی کہ الیساں مشتق ہو اُس ہی سے جی سارے تن کا بھج کر آنکھوں میں آ کر لہو	بیاری دوستی کی ہے دشمن حقایق کس مرتبہ میں ہم بھی میں نہ کھنے کے شایق
نزدیک عاشقوں کے نہیں ہو قرار عشق مقبول شہر ہی نہیں جتوں کھنکھار	اور آسمان غبار سر رنگزار عشق ہے وحشیان دشت میں بھی اعتبار عشق
گھر کیسے کیسے دیں گجر رگوں کے ہن خراب گو ضبط کرتے ہو دیں جرات جگر تے زخم	للقصہ ہے خرابہ کہنہ دیار عشق رومانہیں ہے کھول کے دل رازدار عشق
مارا پڑا ہے اُس ہی کرنے میں درنہ میر ہے دور گرد وادی دشت شکار عشق	

روایت کاف تازی

دشت تھی انہیں بھی دہی گھرا رہے اب تک مرتے ہی سنا ان کو جنہیں دل لگی کچھ تھی	سرارین ہیں اپنے در و دیوار سے اب تک اچھا بھی ہو کوئی اُس آزار سے اب تک
جب سے لگی ہیں آنکھیں تھلی راہ تنگے ہیں آیا تھا کبھو یا رسو مامول ہم اس کے	سوئے نہیں ساتھ اُسکے کبھو پیار سے اب تک بستر پہ گرے رہتے ہیں پیار سے اب تک
بدھدیوں میں وقت وفات آن بھی پہونچا ہے تہر و غضب دیکھ طرف کشتے کے ظالم	وعدہ نہ ہوا ایک وفا پیار سے اب تک کرتا ہے اشارت بھی تو تلوار سے اب تک
کچھ رنج ولی میر جو انی میں کھنچا تھا زردی نہیں جاتی مرے رخسار سے اب تک	
راہ پھول سایہ زہت سے اب تک لباب ہے وہ حسن معنی سے سارا	نہ ایسا کھلا گل نزاکت سے اب تک نہ دیکھا کوئی ایسی صورت سے اب تک
سلیماں سکندر کہ شاہان دیگر کرم کیا صفت سے نہ ہوں گجر کر کاں	نہ رونق گئی کس کی دولت سے اب تک سخن کرتے ہیں ان کی ہمت سے اب تک
سبب مرگ فرما د کا ہو گیا تھا	نگوں ہے سریشہ خجست سے اب تک

ہا تو بھی لب کو کہ صلی کے دم کی
عقیق لب اُسکے کبھو دیکھے تھے میں
گئی عمر ساری مجھے عجز کرتے
نہ ہو گو جنوں میری کویران کی
طبیعت ہے آشفہ وحشت سے اب تک
چلی جائے سے بات دستک اب تک
بھرا ہے دہن آپ حسرت اب تک
نہ مانی کوئی اُن نے منک اب تک

رویف کاف فارسی

اس رنگ سے جو رزبوں زار میں ہم لوگ
کیا اپنے تئیں لپتی بلندی سے جاں کی
مقصود تو حاصل ہو طلب شرط پڑی ہے
خونریزی لڑکوں سے لڑا رہتے ہیں کھیں
دل بھنس رہے ہیں دام میں زلفوں کے کوئی
بانار کی بھی جنس یہ عجیب دیتے ہیں عاشق
ان پریوں سے لڑکوں کے بھیسے میں لے
جاتے ہیں چلے قافلے در قافلے اس راہ
مارے ہی پڑیں کچھ کہیں عشاق تو شاید

گر عجیبی نظر میر کی ہو آنکھیں تو تک دیکھ
کیا دل لوگاں سادہ میں پرکار میں ہم لوگ
کیا چلے جاتے ہیں جہاں لوگ
قبرے بات بات پر گالی
شہر میں گھر خراب ہے اپنا
ایک گردش میں میں برابر خاک
رد و دل اُن نے کب متا میرا
یاد سے بھی لچک لک ہو نہیں
سوتل میں تیرے چلے او دھر
مگر آئے تھے بہان سے لوگ
جاں لب میں تری بلن سے لوگ
آتے ہیں اُن اس شان سے لوگ
کی جھگڑتے ہیں شان سے لوگ
گئے تھے مل سکے کان سے لوگ
ہیں ہی سزے دھان پان سے لوگ
ہم خمیدہ تھاں کسان سے لوگ

آؤمی اب نہیں جہاں میں میر
ٹھکے اس بھی کاروان کوگ

رویت لام

بیکل نے کل کہا کہ بہت ہم نے کھائے گل
رعنا جوان شہر کے رہتے ہیں گل بسر
دل لوٹنے پہ مرغ چمن کے نہ کی نظر
حیف آفتاب میں نیس دیوار باغ ہیں
لیکن نہ راحیف نہ ٹھہری ہوئے گل
سر پہ ہمارے داغ جنوں ہیں جائے گل
بیدرد گل فروش سید بھر کے لائے گل
جوں سایہ واکسیدہ ہوئے ہم نہ پائے گل

ہوئے گل و نوائے خوش عند لب میر
آئی چلی گئی یہی کچھ تھی دفائے گل

عشق کی چوٹیں پے در پے جو اٹھائی گئیں گھائل ہے دل
یوں بیدم ہے اب پہلو میں جوں صیدِ بسل ہے دل
خون ہوا ہے چاک ہوا ہے جلتے جلتے داغ ہوا
خواہش اس کو کیا ہے بارے کس کے لیے بیدل ہے دل
عشق کی بجلی آ کے گری سوداغ ہوا ہے سرتاسر
کیا رد دے جوں ابر کوئی اس مزرع کا حاصل ہے دل
یوں تو گرہ سینے میں ہمارے درد و غم کی ہو کے رہا
کس سے فلا ہر کرتے جا کر کام بہت مشکل ہے دل
آنکھوں کی دیکھا دیکھی ہر گز دل کو اس سے نہ لگنا تھا
جیسی سزا پہونچا دے کوئی اب اس کے قابل ہے دل
عمر انساں راہ تو ہے تشویش سے طے ہوتی ہے دل
دل کے تئیں پہونچے جو کوئی چین کی پھر منزل ہے دل
شہد لب سے اس کے چپکا جی کا صبر نہ کچھ نہ کیا
میر جو دیکھا اپنے حق میں کیا نہ ہر قاتل ہے دل

غم مضمون ناخاطر میں نہ دل میں دیکھا حاصل
اموئے صید زبوں ہم منتظری خاک جی دیکھا
ہوا کا غد نمط کو رنگ تیرا زرد کیا حاصل
سواری سے کسو کے گولٹے اب گرد کیا حاصل

میرا ہے سوز سینہ میری ہوا جا سگی جگر
اگر دل سے اٹھے تیرے یہ آہ سرد کیا حاصل

دل تو گداز سب ہے کسکو کوئی کے دل
اس عشق میں نکالے میں نے بھی نام کیا کیا
جوں ابرو روئیے کیا دل برق سا ہے پیکل
دل کو کہ داغ و غم ہے بہتی ہو لاگ تجھے
دل کے ثبات سے ہم نو امید ہو رہے ہیں
عاشق کہاں ہوئے ہم یا جوں جو اس کھوئے
جاتا ہے کیا کھنچا دل دیکھ اسکو ناز کرتا
ہم درو مند اپنا سوز دروں ہے جید

اے میرا سے ہے نسبت کن حلقہ حلقہ موت

میتاب کچھ ہے گا ہے پرتاج ہے گئے دل

حال تو حال زار ہے تاحال
پر ہستی ہے حال کی خرابی روز
خستہ جانی نے نعل خلق کیا
حال نکر سخن میں کچھ نہ رہا
حال سستی جوانی تھی سو گئی
آنکھیں بجالی سے پھر تری نہیں

غم سے حال نہ تکر خون دل سوچا

چشم ترا شکبار ہے تاحال

لکھتا ہے اس طرف ہی کو بے اعتبار
بجھا بھی تو کہ دل کسے کہنے میں ہے کیا
آزاد خاطر کی کا ہماری نہ کر عجب
واحد نسر دگی سے تری اس سخن میں ہے
میرا کہ اشتیاق ہم آنوشی میں پوچھ

دیوانہ دل بلا زہ دل بقرار دل
آتا ہے جو زباں پتری بار بار دل
اک عمر ہم رہا کیے ہیں بار بار دل
دل جو کھلا تو جیسے گل بے بار دل
جاتا ہے اب تو ہی ہی رہا در کنار دل

ست کرو شور و فغاں سے طائرِ آزارِ دل
اب دماغ اڑتا ہے باتوں کی ہوں بہارِ دل
رنج و غم بھی کھینچنے کے دن تو یار دھوکے
اب نہیں جاتی اٹھائی کلفتِ بسیارِ دل

رویتِ مہم

شور سے طائرِ گلزار کے بیزار ہیں ہم
دل اٹھاتا نہیں اپنا کہ گرفتار ہیں ہم
ہن میں چین میں جی نہیں لگتا یار کدھر کو جاویں ہم
راہ خرابے سے نکلی گھر کی بستی میں کیونکر جاویں ہم
کیسی کیسی خرابی کھینچی دشت و در میں سر مارا
خانہ خواب کہاں تک پھرے ایسا ہو گھر جاویں ہم
عشق میں گام اول اپنے جی سے گزرنا پیش آیا
اس میدان میں رکھ کے قدم کیا مرنے سے ڈر جاویں ہم
خواہ نمازِ خضوع سے ہووے خواہ نیازِ کسوئے دل
وقت رہا ہے بہت کم اب تو بے کچھ کر جاویں ہم
کب تک میرے فراق میں اُسکے لوہو پی پی جیتے رہیں
بس چلتا نہیں آہ کچھ اپنا در نہ ابھی مر جاویں ہم
شاید ہم سے صدر رکھتے ہو آتے نہیں ہنک ابدھر کم
سب سے گلی کو چوں میں ملو ہو پھرتے رہو ہو گھر گھر کم
کیا رکھیں یہ تم سے توقع خاک سے اُسکے اٹھاؤ گے
راہ میں دیکھو افتادہ تو اور لگاؤ ٹھوکر تم
اس سے زیادہ ہوتا نہ ہو گا دنیا میں بھی نچلا بین
سونے کے نیٹھے رہتے ہو حال ہمارا سن کر تم
لطف دہر و خشم و غضب ہم ہر صورت میں اسی ہیں
حق میں ہمارے کر گزر دو بھی جو کچھ جانو بہتر تم
رنگ ہمارا جیسا اب ہے کا ہے کو آگے ایسا تھا

باتوں میں منہدی اپنے لگا کر آفت لائے سر پر تم
لوگ صنم کہتے تھے تم کو ان سمجھے تھے ہم خطوط
سختی سے سختی کھینچی گئی یعنی بکلی پھر تم
چپکے سے کچھ آجاتے ہو آنکھیں پھر بھر لائے ہو
منیر گزرتی کیا ہے دل پر کڑھا کر دہوا کر تم

پوشاک تنگ پہنے بارے کہاں چلے تم
اس نازکی سے گزرے کسکے خیال میں شب
کیا ظلم ہے کہ پھینچے شمشیر وہ کہے ہے
کم پانی اس قدر ہے منزل ہے دور تہی
اکثر اڑھا حال ہیں ہم پر یوں نہیں کہتا
یہ جانتے نہ تھے ہم ایسے بے ہوئے ہو

قربانی اُس کی ٹھہری رہے طرح نہ چھوڑی
تکے ہو میرا دھڑا دھڑا کر کے تلے تم

یارب اُس محبوب کو پھر اک نظر دیکھیں گے ہم
میں کہا دیکھو ادھر تک تم تو میں بھی جان دوں
پاس ظاہر سے اُسے تو دیکھنا دشوار ہے
یوں نہ دینگے دل کسو میں بدن زرد و ست کو
کام کہتے ہیں سماعت سے کبھو لیتے ہیں لوگ
راہ کتے کہتے اپنی آنکھیں بھی پھسل چلیں

شورش دیوانگی اسکی نہیں جائے گی لیک
ایک دو دن میر کو زنجیر کر دیکھئے ہم

صبر کیا جاتا نہیں ہم سے رہ کے جدا نہ ستاؤ تم
باتوں کا رکھنا گرچہ ادھر کو عاری ہے پر آؤ تم
جسکے تئیں پردا ہو کسی کی آنا جانا اُس کا ہے
نیک جو یا بد حال ہمارا تم کو کیا ہے جاؤ تم

چپ ہیں کچھ جو نہیں کہتے ہم کارِ عشق کے حیراں ہیں

سوچو حال ہمارا ملک تو بات کی تہ کو پاؤ تم

میسر کو دشتِ ہنگام قیامت واپسی تباہی بگنے ہیں

حرف و حکایت کیا جنوں کی دل میں کچھ ت لاؤ تم

ظلم ہوئے ہیں کیا کیا ہم پر صبر کیا ہے کیا کیا ہم

آن گئے ہیں گورکنارے اُس کی گلی میں جا جا ہم

باہا ہی ہی کرے گا اس کا غرور و دچند اس ہے

گھگھیا لے کا اب کیا حاصل یونہی کرے ہیں باہا ہم

اب حیرت ہے کس کس جاگہ پنبہ و مرہم رکھنے کی

قد تو کیا ہے سرد چراغاں داغ بدن پر کھا کھا ہم

سیر خیال جنوں کا کرے حرف کریں تاہم بر سب

پتھر آپ غلی کہ چوں میں ڈھیر کیے ہیں لا لا ہم

میسر فقیر ہوئے تو اک دن کیا کہتے ہیں بیٹے سے

غمر رہی ہے تھوڑی اسے اب کیونکر کاٹیں باہا ہم

کانیا کرے ہے جی سوھڑا کے رہ گئے ہم

موسم ملے کہ گل سے مر جھاکے رہ گئے ہم

اس باغ سے گلی میں جا جا کے رہ گئے ہم

جوں سمع آب ہی کو کھا کھا کے رہ گئے ہم

کہہ سکتے کچھ تو کہتے شرما کے رہ گئے ہم

ایک دھو دن سونگے سنا کے رہ گئے ہم

واشد ہوئی سوانہی پیر مردگی سے بدر

یہ داغ دل کو لیکر آخسر گیا کنار

سونیر دروں نے ہکوپر دے میں مار رکھا

حیرت سے عاشقی کی بوجھا تھا دوستوں نے

انے واسے دل گئے پر جی بھی گیا ہمارا

یعنی کہ میسر برسوں بچھڑا کے رہ گئے ہم

کاش رکھتے کس طرف مرہم

اس ادا سے بہت ہوئے برہم

بیخودی سے گئے ہیں کیدھر ہم

یعنی ڈھونڈھا ہوا اس کو کھڑکھڑ ہم

حال زخم جگر سے ہے درہم

دلبوں کو جو بریں کھینچا ملک

آپ کو اب کہیں نہیں پاتے

دیر و کعبہ گئے ہیں ہم اکسٹر

کہ مکے کون ہم کو مانا ہوا ہے
کوفت سی کوفت اپنے دل پر ہے

اگر کرتا ہے اب کی سی میر
دیکھیں ہیں سوکے دیدہ تر ہم

تجارت حیرت عشقی سے گفت گو کو ہم
اگر چہ وصل ہے پر ہیں طلب میں سرگرداں
اب اپنی جان سے ہیں تنگ دم کر کا ہوت
جلا کے خاک کرے وہ کہ رکھے دل غ کرے

مرید پیر خرابات یوں نہ ہوتے میر
سمجھتے عارف اگر اور بھی کسو کو ہم

عشق بتوں سے اب نہ کریں گے عہد کیا ہے خدا سے ہم
آ جاویں جو یہ ہر جائی تو بھی نہ جاویں جا سے ہم
گر یہ خونیں ٹنک بھی رہے تو خاک سی ٹنڈ پر اڑتی ہے
شام و سحر رہتے ہیں یعنی اپنے لہو کے پیاسے ہم

اس کی نہ پوچھو دوری میں اُن نے پریش حال ہماری کی
ہم کو دیکھو مارے گئے ہیں آ کر پیاس دفا سے ہم
چکی کیا انواع اذیت عشق میں کھینچی جاتی ہے
دل تو بھرا ہے اپنا تو بھی کچھ نہیں کہتے حیا سے ہم

کیا کیا عجز کریں ہیں لیکن پیش نہیں کچھ جانا میر
سر رگڑے ہیں آنکھیں ملے ہیں اُس کے خالی پاسے ہم

پاسے یوں تھا بگڑی صحبت آپ ہی آگے بناتے تم
رحلت کرنے سے آگے مجھ کو دیکھتے آتے جاتے تم
چلتے کہا تا جاؤ سفر کو آؤ گے تو ملے گا

وعدہ وصل نہ ہوتا تو پھر کس کو جیتا پاتے تم
کیا دن تھے دے دیکھتے تم کو پہچی نظر میں کر لیتا

شرما شرما لوگوں سے جب آنکھیں مجھ کو دکھاتے تم
 بستر پر میں مردہ سا تھا جان سی مجھ میں آجاتی
 کیا ہوتا جو رنجہ قدم کر میرے سرہانے آتے تم
 دل کے اوپر ہاتھ رکھے ہی شام سحر یاں گزر رہے
 حال یہ تھا تو دل عاشق کا ہاتھ میں ٹپک تو لاتے تم
 خاک ہے اصل طینت آدم چاہیے اسکو بچ کر رہے
 بات کی تہ کو کچھ پاتے تو اتنا سر نہ اٹھاتے تم

چہرہ زرد بجایا ہے سارا عشق میں غم کا مارا ہوں
 رنگ یہ دیکھا ہوتا تو دل میر کہیں نہ گھلتے تم

صبر بہت تھا ایک سین میں جا سے اپنی نہ جاتے ہم
 کس کس ناز سے دے آتے پر آنکھ نہ ان سے ملاتے ہم
 کعبہ سے کریندر آٹھے سو خرچ راہ لے وائے ہوئے
 ورنہ عتم خانے میں جائز تار گلے سے بندھاتے ہم
 باقی مست بھی آوے چلا تو اُس سے منہ کو پھیر نہ لیں
 پھرتے ہیں سرست محبت سے ناخوردہ ماسے ہم
 ہائے جوانی وہ نہ گلے لگتا تو غشم عشقی سے
 نعل جڑے جا بٹے چھاتی پہ گل ہاتھوں پر کھاتے ہم
 عشق تو کارِ خوب ہے لیکن میر کھینچے ہے رنج بہت
 کاشکے عالم ہستی میں بے عشق و محبت آتے ہم

ارو لیف نون

صفتِ دماغ سے کیا پوچھو ہوا ب لوہم میں حال نہیں
 اتنا ہے کہ طیش سے دل کی سر پر وہ دھمال نہیں
 گاہے گاہے اس میں ہم نے منہ اس مہ کا دیکھا تھا
 جیسا سال کہ پر کا گزرا ویسا بھی یہ سال نہیں
 بالوں میں اُس کے دل اُلجھا تھا خوب ہوا جو کام ہوا

یعنی گیا جب بیچ سے جی ہی تب پھر کچھ جنجال نہیں
 ایسی متاع تلیل کے اوپر چشم نہ کھولیں اہل نظر
 آنکھ میں آوے جو کچھ ہو دے دنیا اتنی مال نہیں
 سرو چال کو سیر کیا تھا کبکب خسرا ماں دیکھ لیا
 اُس کا سا انداز نہ پایا اُس کی سی یہ چال نہیں
 دل تو ان میں پھنس جاتا ہے جی ڈوبے ہے دیکھ اُدھر
 چاہ زرخ گو چاہ نہیں ہے بال اس کے گوجاں نہیں

کب تک دل کے گھرے جو زردں میر جگر کے لغتوں سے کسب نہیں ہے بارہ دوزی میں کوئی وصال نہیں	ہے وضع کشیدہ کا جو شور اسکی جہاں میں ہر طور میں ہم حرف و سخن لگ سے دل کی کیا یاد نے بھی دستِ تطاول کو دیا طول خوش رنگ ہے کس مرتبہ انہار کا پانی
--	--

ردو مرے احوال پر جوں ابر بہت میر
 بیطاعتی بجلی کی سی ہے آہ دغاں میں

دل کے گئے بیدل کھلائے آگے دیکھیے کیا کیا ہوں
 محزون ہوں مفلول ہوں مجنوں ہوں رسوا ہوں
 عشق کی رو میں پاؤں رکھا سو رہنے لگے کچھ رفتہ سے
 آگے چل کر دیکھیں ہم اب گم ہوویں یا پیدا ہوں
 خار و خس اُلجھے ہیں آپ ہی بحث اٹھوں سے کیا کھیں
 موج زن اپنی طبع رواں سے جب ہم جیسے دریا ہوں
 ہم بھی گئے جاگہ سے اپنی شوق میں اُس ہر جانی کے
 عشق کا جذبہ کام کرے تو پھر ہم دونوں کیجا ہوں
 کوئی طرفت یاں ایسی نہیں جو خالی ہو دے اس سے میر
 یہ طرفہ ہے شور جبرس سے چار طرہ ہر تنہا ہوں

کچھ قدر عافیت کی معلوم کی نہ تھریں
ہر لحظہ بیقاری ہر لحظہ آہ و زاری
روتے ہی رہنا اکثر یہ جانتا ہے سو تو
یہ بخت دیکھ گا ہے آتا ہے آنکھوں میں گجا

کیا راہ چلنے سے ہے اے میر دل مگر
تو ہی نہیں مسافر ہے عمر بھی گزریں
خوبی رو چشم سے آنکھیں اٹک گئیں
چلتے سمنڈاز کی شوخی کو اس کی دیکھ
ترجہی نگاہیں بلیں بھوس اسکی پھر بھریں
بجلی سا مرکب اس کا کون کر چک گیا
محبوب کا وصال تہم کو ہوا انسیب
سو قوت طور نور کا جھکا تر انہیں
وحشت سے بھر رہی تھی نگہ تر جان کے
گردہ اسکی دیکھتے اپنے آنکھیں نہ حیف
بھردی تھی چشم ساتی میں یا رب کہاں کی

ایکوں کی صفت کو دیکھ کے بھڑس سر گئیں
ٹھوڑوں کی باگیں دست سے آج گئیں
سرفروں جو دور سے تھری تھیں ٹھک گئیں
لوگوں کے سینے پھٹ گئے جانیں ٹھک گئیں
دل سے ہزار خواہشیں سر کو ٹپک گئیں
چمکا جہاں تو برق سا آنکھیں ٹھک گئیں
جانیں بسان طائر بسمل بھٹک گئیں
اب منتظر ہو آنکھیں بندیں بی ٹھک گئیں
مجلس کی مجلس نظر اک کرتے چھک گئیں

کیا میر اس کی نوک پلک سے سخی کو ہے
سریز چھریاں گزرتی جگر دل تلک گئیں

ہم سے اُسے نفاق ہوا وفاق میں
شاید کہ جان و تن کی جدائی بھی جو قریب
عازم پہونچنے کے تھے دل و عرش تک
احراق اپنے قلب کا رونے سے کب گیا
تحصیل علم کرنے سے دیکھنا نہ کچھ حصول
مہم نامک میں بقول زباں عاشقوں کے ہر

کم اتفاق پڑتے ہیں یہ اتفاق میں
جی کو ہے اضطراب بہت اب خرق میں
آیا قصور اپنے ہی کچھ اشتیاق میں
بانی کی چار بوندیں میں کیا احراق میں
میں نے کتابیں لکھیں اٹھا گھر کے طاق میں
ہلنا بلا ہے موتی کا اُس کے بلاق میں

اک نور گرم جلوہ فلک پر ہے ہر سحر
کوئی تو ماہ پارہ ہے میر اس رواق میں

صبح ہوئی گلزار کے طائر دل کو اپنے ٹٹولیں ہیں
 یاد میں اُس خود رو گل تر کے کیسے کیسے بولیں ہیں
 باغ میں جو ہم دیوانے سے جا نکلیں ہیں نالہ کنناں
 مچنے ہو ہو مرغ چمن کے ساتھ ہمارے بولیں ہیں
 یار ہمارا آساں کیا کچھ سینہ کشادہ ہم سے بلا
 خون کریں ہیں جب دل کو دے بند قبا کے کھولیں ہیں
 مینہ جو برسے ہے شدت سے دیکھ اندھیری کیا ہے یہ
 یعنی تنگ جو ہم آتے ہیں دل کو کھول کے رولیں ہیں
 وہ دھوبی کا کم ملتا ہے میل مل اور ہرے ہست
 کوئی نگے اس سے ملنے میں تجھ کو کیا ہم دھولیں ہیں
 سرو تو ہے سنجیدہ لیکن پیش منصرع قدر یار
 نامو زوں ہی نکلے ہے جب دل میں اپنے تولیں ہیں
 مرگ کا وقفہ اس رستے میں کیا ہے میر نکلتے ہو
 ہارے اندر سے لاء کے ہیں ہم لوگ کوئی دم سوئیں ہیں

غزل میر کی کب پڑھائی نہیں	کہ حالت مجھے غش کی آئی نہیں
زباں سے ہماری ہے صیاد خوش	ہیں اب امید رہی نہیں
کتابت گئی کب اُس شوخ نے	بنا اُس کے گلوں کی نہیں
نیم آئی میرے نفس میں عبث	مکلتاں سے دھول لائی نہیں
مری دل لگی اُس کے رو بہی سے ہے	گل تر سے کچھ آشنا نہیں
نوشتے کی خوبی کھی کب گئی	کتابت بھی ایک تنگ کی نہیں
جدا رہتے برسوں ہوئے کیونکہ یہ	کنا یہ نہیں بے ادائی نہیں
کلمہ ہجر کا سن کے کہنے لگا	ہماری تمھاری جدائی نہیں

یہ طالبی میری ظاہر سے اب
 نہیں شب کہ اُس سے ٹرائی نہیں

یہ سر مانگ کا وقفہ ہے یعنی آگے چلیں گے دم لیکر + ۱۲

دل کی لاگ بڑی ہے ہوتی چلے مر جاتے ہیں
 آپ میں ہم سے بخود رفتہ پھر پھر بھی کیا آتے ہیں
 رنگ نہ بدے چہرہ کا کیونکر نکھیں بیٹھی جائیں نہ کیوں
 کیسے کیسے غم کھاتے ہیں کیا کیا رنج اٹھاتے ہیں
 جی بھی جائے ہے میر جو اپنا دیر کی جانب کیا کرے
 یوں تو مزاج طرف کعبہ کے بہتیرا ہم لاتے ہیں
 دل کی کچھ تقصیر نہیں ہے آنکھیں اُس سے لگ پڑیاں
 ار رکھا سو اُن نے جب کو کس ظالم سے جا لڑیاں
 ایک نگہ میں مر جاتا ہے عاشق کو چپک دل اُس کا
 زہر بھری کیا کام آتی ہیں گووے آنکھیں ہوں پڑیاں
 مقدسے داغ دل کے شاید دستِ قدرت کھولے گا
 ناخن سے تدبیر کے میر سے کھلتی نہیں یہ گلچھڑیاں
 محسوس تھے کیا دے وقت و ساعت جن میں لگا تھا دل اپنا
 سال پہر ہے اب تو ہم کو ماہ برابر ہیں گھڑیاں
 میر بلائے جان رہے ہیں دونوں فراق و وصل اُس کے
 ہجر کی راتیں وہ بھاری تھیں ملنے کے دن کی یہ گھڑیاں
 بھلا ہو کہ دل مضطرب بتاب نہیں
 جگر کا لوہو جو بانی ہو یہ نکلتا ہے
 دیا رسن میں دل کی نہیں خریداری
 حساب پاک ہو روز شمار میں تو عجب
 گزر رہے عشق کی بیوقوفی سے مشکل آہ
 جہاں کے باغ کا یہ عیش ہو کہ کس رنگ
 تلاش میر کی اب میکدوں میں کاش کریں
 کہ مسجدوں میں تو وہ خانماں خراب نہیں
 لے غالب سے جانا ہوں صواب طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی +

میں کو کہنے کے میں نرم میں جا دیتے ہیں
ان طیوروں میں بھی اگر آتی ہے صبا
گرچہ ملتے ہیں خشک غیرت مہر یہ لڑکے
دیر رہتا ہے ہمالاںش پر غم کشتوں کے
اس شہ حسن کا اقبال غلام کے تئیں
دل جگر ہو گئے بیابان غم عشق جہاں
کیونکہ اس آہ میں پار بھیجے کہ صاحب نظراں
ملتے ہی آنکھ ملی آنکھی تو پریم نے تہ

میں کو کہنے کے میں نرم میں جا دیتے ہیں
ان طیوروں میں بھی اگر آتی ہے صبا
گرچہ ملتے ہیں خشک غیرت مہر یہ لڑکے
دیر رہتا ہے ہمالاںش پر غم کشتوں کے
اس شہ حسن کا اقبال غلام کے تئیں
دل جگر ہو گئے بیابان غم عشق جہاں
کیونکہ اس آہ میں پار بھیجے کہ صاحب نظراں
ملتے ہی آنکھ ملی آنکھی تو پریم نے تہ

طرف ضائع میں اے میر پر موزوں غلباں
بات جاتی ہے بجز بھی تو بنا دیتے ہیں

رنگ طبعید کی شوخی سے منہ پر سے لگ نہیں
چوٹ کے اوپر چڑے سود ہی میرا سنگ نہیں
ایک سال میں دو عالم دیں ہے گل کے تنگ نہیں
بیٹھا ہو کھڑے بانوں میں تو کچھ چلتے ہیں درنگ نہیں

جی بار بیانی دل نے اب کچھ اچھا دھنگ نہیں
وہ جو خرام ناز کرے ہر ٹھوکر دل کو گنتی ہے
ہم بھی عالم افتخار میں یہ ہے جو انکے کوئی فقر
ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہوئے کیا میر سلوڑا بی ہو

شعر میر بھی پڑھتا ہے تو اور کس کا لکھ نام
کیونکر کہیے اس ناواں کو نام سے میرے بخت نہیں

ہم جو دیکھیں میں تو وہ آنکھ چھپا لیتے ہیں
آنکھ کے اب قافلہ رفتہ کو جالتے ہیں
پھول سا ہفتوں میں ہم اکو اٹھا لیتے ہیں
کیا در انداز بھی اک بات بنا لیتے ہیں
یوں تو اس فرستے سے سب سے دعا لیتے ہیں
آنکھیں رخنوں سے دل و جان ہوا لیتے ہیں

وہ نہیں اب کہ فریبوں سے لگا لیتے ہیں
کچھ تفاوت نہیں ہستی و عدم میں ہم بھی
ناز کی اسے ری طالع کی بگوئی سے کہو
صحبت آخر کو بڑی ہی سخن سازی سے
ہم فقیروں کو کچھ آزار نہیں دیتے ہو
چاک سینے کے ہمارے نہیں سینے اچھے

میر کیا سا دے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی غطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

تھکے چارہ جونی سے اب کیا کریں
کہو تم سود دل کا عدا کریں

<p>کہاں ہم کو پروا کہ پروا کریں موس دل کو ہو تو تمنا کریں ہم آپ ہی میں ہم کو پیدا کریں چلے جائیں جی ہم تماشا کریں قیامت کا ہنگامہ برپا کریں یہ بے حوصلہ ہم کو سودا کریں کہ بدنام ہو دیں جو سودا کریں</p>	<p>کھستیاں میں ہم غنیمت ہیں دیر سے نہیں چاہتا جی کچھ اب سیر ہیں نخود جستجو میں نہ اُس کے رہے غضب ہے یہ انداز رفتار عشق بلا شکر ہے سر میں ہم کب تک نکسیں دل کی مرغاب کشتی سے کیا کھپا عشق کا جوش دل میں بھلا</p>
<p>برے حال سکی گلی میں ہیں منیر جو اٹھ جائیں وال سے تو اٹھ کریں</p> <p>وے اندھیری میں جو کجوشدت سے یاں بات کرنا رسم دعوت ہی نہیں انقت سے یاں شور و ہنگام سحر کا بند ہے مدت سے یاں مر گیا ہے عشق میں فریاد جس قدح سے یاں لوگ جی دیتے چلے جاتے ہیں حیرت سے یاں بولیں کیا اہل نظر خاموشی میں حسرت سے یاں اس پر رکتے ہیں تفریب مری صحبت سے یاں کام کچھ جلتا نہیں اس ٹھوڑی سی دولت سے یاں</p>	<p>ہجر میں روتا ہوں ہر شب میں افسوس سے یاں کشتہ ریگنا نہ ہو میں مردمان شہر حسن اٹھ گئے ہیں جب سے ہم سونا پڑا ہی بلع ب سر کوئی پھوڑے نعت میں تو بارے اس طرح و لکشی اس نرم کی ظاہر ہے تم دیکھو تو ہو مہورتوں سے خاکوں یہ عالم تصور ہے نہم حرفوں کے تنافر کا بھی یاروں کو نہیں نوح روزہ عمر کر لیے عاشقی پازا ہدی</p>
<p>کہا سر جو جنگ و جدل ہو بہد ملع عشق کو صلح کی ہے سیر نے ہفتاد و دو دولت سے یاں</p> <p>دارغ فراق سے کیا پوچھو ہوا گ لگائی سینے میں پھاتی سے وہ مہ نہ لگا ملک اگر اس بھی سینے میں چاک ہوا دل ہلکڑے جگر ہے لوہور و گے آنکھوں سے عشق نے کیا کیا ظلم دکھائے دس دن کے سن سینے میں گوندہ کے گویا پتی گل کی وہ ترکیب بنائی ہے رنگ بدن کا بت دیکھو جب چولی بھیگے سینے میں</p>	

اس صورت کا ناز نہ تھا کچھ دب چلتا تھا ہم سے بھی
جب تک دیکھا اُن نے نہ تھا منہ خوب اپنا آکھنے میں
لوگوں میں اسلام کے ہوتا شہرت اس رسوائی کی
شیخ کو پھیرا گدھے پڑھا کر کے اور دینے میں
دل نہ ٹولیں کاٹکے اُس کا سردی مہر تو ظاہر ہے

باویں اس کو گرم مبادا یا رہا رہے کہنے میں
میر نے کیا کیا ضبط کیا ہے شوق میں اشک خونیں کو
کہتے جو نقص میر ہوئی ہو اپنا تو ہو پینے میں

اب ہونا کہ ہی مردم ہیں ترے یاروں میں
ہم جو عاشق ہیں سو تھرے ہیں گہکاروں میں
کوچہ یار تو ہے غیرت فردوس دے
اوی ایک نہیں اس کے ہوا داروں میں
ہو کے بد حال محبت میں کھینچے آ کر کار
لوگ اچھے تھے بہت یار کے پیاروں میں
ہی گیا ایک دم سردی کے ساتھ اپنا
ہم جو خوش زمرہ تھے اُس کے گزراؤں میں

اب دربارِ بیاباں میں قدم رکھے میر
کب تک تنگ رہیں شہر کی دیواروں میں

عالم علم میں ایک تھے ہم دے عیفت ہے اُن کو گیاں نہیں
اب کہتے ہیں غلط کیسا جان نہیں پہچان نہیں
کس امید پر ساکن ہو دے کوئی غریب شہر اس کا

لطف نہیں اکرام نہیں انعام نہیں احسان نہیں
ہائے لطافت جسم کی اُس کے مری گیا ہوں پوچھو مت
جب سے تن نازک وہ دیکھا تب سے مجھ میں جان نہیں
کیا باتوں سے تسلی ہو دل مشکل عشق میری سب

یار سے کہنے کہتے ہیں پر کہنا کچھ آسان نہیں
شام و سحر ہم سرزد وہ دامن سرگرمیاں رہتے ہیں
ہم کو خیال اُدھر ہی کا ہے اُن کو ادھر کا دھیان نہیں
جان کے میں تو آپ بنا ہوں اُن لڑکوں میں دیوانہ

عقل سے بھی بہرہ ہے مجھ کو اتنا میں نادان نہیں
 پاؤں کو دامنِ محشر میں ناچاری سے ہم کھینچیں گے
 لائقِ اپنی وحشت کے اُس عرصہ کا میدان نہیں
 چاہت میں اس مایہ جاں کے مرنے کے شایستہ ہوئے
 جا بھی چکی ہے دل کی ہوس اب جینے کا ارمان نہیں

شور نہیں یاں مستان کوئی میسر نفس کے اسپروں کا
 آگوش نہیں دیوارِ جن کے گل کے شاید کان نہیں

یوں ناکام رہیں گے کب تک جی میں ہے اک کام کریں
 رسوا ہو کر بارے جاویں اُس کو بھی بدنام کریں
 جس کو خدا دیتا ہے سب کچھ دے ہی سب کچھ دیتے ہیں
 ٹوٹی لٹکڑی پاس اپنے ہم اس پر کیا انجام کریں
 منہ کھولے تو روزِ روشن زلفِ بکھیرے رات ہے پھر
 ان طوروں سے عاشق کیونکر صبح کو اپنی شام کریں
 خط و کتابتِ حرف و حکایت صفحہ ورق میں آجاوے
 دستے کے دستے کاغذ ہو جو دل کا حال ارقام کریں
 فیخ پڑے محرابِ حرم میں پیروں دو گنا نہ پڑھتے ہو
 سجدہ ایک اس تیغِ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں
 دل آسودہ ہو تو رہے ملک در پر ہم سو بار گئے
 وہ سو نہیں کہہ بھیجے ہے باہر جاویں اب آرام کریں

میل گدا لی طبع کو اپنے کچھ بھی نہیں ہے ورنہ میسر
 دو عالم کو مانگ کے لاویں ہم جو تنگ اسرام کریں

پھر میں صورتِ احوال ہر یک کو دکھاتا تھا
 خرابہ دلی کا وہ چند بہتر لکھنؤ سے تھا
 مروت قحط ہے آنکھیں نہیں کوئی ملا تھا
 وہیں میں کاش مر جاتا سر اسیمہ نہ آتا تھا

محبت دامن جاں ہے جو میں معلوم یہ کرتا
 تو کا ہیکو کسو سے میسر اپنا دل لگاتا تھا

کس سے مشابہ کیجے اُس کو ماہ میں ویسا نور نہیں
 کیونکر کیے بہشتی رو ہے اس خوبی سے حمد نہیں
 شعر ہمارے عالم کے ہر چار طرف کیا دوڑے ہیں
 تنگس وادی آبادی میں یہ حرف و سخن مشہور نہیں
 ہم دیکھیں تو دیکھیں اسے پھر پرہیز بہتر ہے یعنی
 اور کریں نظارہ اُس کا ہم کو یہ منظور نہیں
 عزت اپنی تہدستی میں رکھ لی خدا نے ہزاروں شکر
 قدر ہے دست قدرت سے یاں حیف ہمیں مقدور نہیں
 راہ دور عدم سے آئے بستی جان کے دنیا میں
 سویاں گھر او جڑ ہیں سارے اک منزل مہمور نہیں
 عشق و جنوں سے اگرچہ تن پر ضعف و خافت ہو لیکن
 وحشت گو ہو عرصہ محشر مجنوں سے رنجور نہیں
 ہجران میں بھی برسوں ہم نے میسر کیا ہے پاس وفا
 اب جو کچھ تنگ پاس بلا لے سکودہ تو دور نہیں

روایف واو

ویتی ہے طول بلبل کیا سوزش غنیاں کو
 میں تو نہیں برابر تک متانہ فتنے ہو کر
 نالاں تو میں تجھی سے پر وہ اثر کہاں ہے
 کیا جانے کہ کیا کچھ پردے سے ہو ظاہر
 اس چشمِ مرنج پر ہے وہ ابروئے کشیدہ
 سیری نگاہ میں تو مدوم سب ہیں شے ہی
 اک نالہ حوصلہ سے بس ہے دواغ جاں کو
 کہتے ہیں مرغ گلشن سب میری مثال کو
 گو ظائر گلستاں سکھے مری زباں کو
 رہتے ہیں دیکھتے ہم ہر صبح آسماں کو
 جوں ترک مست رکھ لے سر کے تلکماں کو
 موجود بھی نہ جانا اس راہ سے جہاں کو

بعد از نماز تھے کل منجانے کے در او پر

کیا جانے میرا منکرہ اس کے کہاں کو
 نہیں ہے تاب تنک تم بھی مت عتاب کرو
 نہ گرم ہو کے بہت آگ ہو کے آب کرو
 نہ دیکھو آئینہ منہ سے مرے حجاب کرو
 تمہارے عکس سے بھی عکس بجور شک ہے ہی

خواب عشق تو سرگشتہ ہوں ہی میں تم بھی
 کہا تھا تم نے کہ ہر حرف پر ہے پورے لب
 ہوا ہے اہل مساجد پہ کام از بس تنگ
 خدا کریم ہے اُسکے کرم سے رکھ کر حشم

یہاں میں دیر نہیں لگتی آنکھیں منڈتے میر
 تھیں تو چاہیے ہر کام میں شتاب کرو

وہ گل سارو سراہوں یا پیچدار مو کو
 ان گیسوؤں کے حلقے ہیں چشم شوق عاشق
 دم کی کشش سے کوشش معلوم تو ہے لیکن
 آلودہ خون دل سے صد حرف منہ پر آئے

دل سیر دلبروں سے جا کر رہے کیا کیا
 کچھ انتہا نہیں ہے عاشق کی آرزو کو

عجب گر تیری صورت کا نہ کوئی یار عاشق ہو
 تجھے اکبار اگر دیکھے کوئی بیجا ہو دل اس کا
 تری بھجانی سے لگنا ہار کا اچھا نہیں لگتا
 ہوا ہے مختار میر حم خونریزی بھی کرنے میں
 سنا ہے عشق میں زرد و زبون و زار ہی ہونا
 بڑے سایہ کسو کا تیرے بستر پہ تو چوچکے
 نہیں بازار گرمی ایک دو خواہندہ پر اس کے
 غریبوں کی تو گپڑی جائے تک ہے آتر و اتو

لگو ہوزار بار بار روتے چلتے بات چاہت کی
 کہیں ان روزوں تم بھی میر صاحب عاشق ہو

تو وہ نہیں کسو کا تہ دل سے یار ہو
 کیا فکر میں ہوا اپنی طرح داری ہی کی تم
 مصروف احتیاط رہا کر یہ رات دن

یا تج کو دل شکستوں سے اخلاص یار ہو
 ہم درد مند لوگوں کے بیمار وار ہو
 دینے میں دل کے اپنے جو کچھ اختیار ہو

دل میں کدو سے آندھی سی اُٹھنے لگی ہے اب
کھاڑ ہر مر رہیں کہیں کیا زندگی ہے یہ
اسے آہوان کعبہ نہ ایندو حرم کے گرد
مٹھ سے لگے گلابی ہوا کچھ شگفتہ تو
بہتی ہے تیز جہد دل تیغ جفا سے یار
نکلے گلے کی راہ تو رفع غبار ہو
زلفیں تنک چھوئیں تو نہیں مار مار ہو
کھاؤ کسو کی تیغ کسو کے شکار ہو
قھوڑی شراب اور بھی پی جو بہار ہو
یعنی کہ اک ہی دار گئے کام پار ہو

پھر دلوں سے کر قرار دار اسکو لائیے
جو پیر پھر لڑا نہ کریں بے قرار ہو

دل اُس کے موت سے لگ کے پریشاں ہوا نہ تو
صد رنگ بحث رہتی ہے یاں ذہنی شور سے
نزدیک حق کے دین تو اسلام بن سے کفر
کتنے دنوں کما تھا دلا ضبط نالہ سکر
اس رو کا مثل آمینہ حمیراں ہوا نہ تو
اسے عقلمند وائے کہ تاواں ہوا نہ تو
اسے برہمن دروغ مسلمان ہوا نہ تو
پھر شب کو ناشکیبائی سے نالاں ہوا نہ تو

ہوتا ہے سہرہ روئے سخن آدمی کے اور
افسوس لے ستمزدہ انساں ہوا نہ تو

کیا کروں میں صبر کم کو اور بیخ بیش کو
کھول آنکھیں صبح سے آگے کہ شیر اقتد کے
عشق کے بیتاب کی آزار میں مت کر شتاب
دشمن اپنا میں تو فکر دوستی ہی میں رہا
نہ ہر دلوں کا شے اہباب اس درویش کو
دیکھتے رہتے ہیں غافل وقت گرگ و میش کو
جان دیتے دیر گھلتی ہی نہیں دلکش کو
اب رکھوں کیونکر سلامت جان عشق کش کو

مختلط تر سا بچوں سے شیرہ خلعے میں رہا
کن نے دیکھا سجدوں میں پیر کا کریش کو

ناز کی کوئی یہ بھی ٹھسک ہے جی کا ہیکو کڑھاتے ہو
آتے ہو حکمین سے ایسے جیسے کہیں کو جاتے ہو
فیر کی ہمراہی کی عزت جی مارے ہے عاشق کا
پاس کھو جو آتے ہو تو ساتھ اک تھلا لاتے ہو
مست نہیں پہاں ہیں بکھرے پیچ گلے میں بگڑی کے
ساختمانیے بگڑے رہے ہو تم جیسے مروتاتے ہو

پردہ ہم سے کر لیتے ہو جب آنے ہو مجلس میں
آنکھیں سب سے ملاتے ہو کچھ ہم ہی سے شرارتے ہو
سوچ نہیں یہ فقیر ہے اپنا جیب دریدہ دیوانا
ٹھوکر لگتے دامن کو کس ناز سے تم یاں آتے ہو
رفتہ عشق کس کو کا یا رو راہ چلے ہے کس کے کسے
کون رہا ہے آپ میں یاں تم کس کے تین بھالتے ہو

صبر بلا پر کرتے صاحب بیتابی کا حاصل کیا
کوئی مقلب قلوب کا ہے میر عبث گھبراتے ہو

آج ہمارا سرو کھتا ہے صندل کا بھی نام نہ لو
رنگ اس کا کہیں یا ونہ دے زہار اس سے کچھ کا تم لو
یاد آئے وہ کیا تر پے ہے کیا بیتابی کرتا ہے
کوئی تسلی پھر ہوتا ہے جب تک دل کو تھام نہ لو

میر کہاں تک بخوابی وہ میں ہوں ملک جو سلا تانوں
بس جو تمہارا کچھ بھی چلے تو ایک گھڑی آرام نہ لو

کیا کیا جھک گئے ہیں رخسار یا ردو نوں
تصویر قیس و لیلیٰ ملک ہاتھ لے کے کھینچو
دست جنوں نے اب کے کپڑوں کی چھتیاں کیں
پیر سال کی سی بارش برسوں میں پھر ہوئی تھی
دن ہیں بڑے کبھو کے راتیں بڑی کبھو کی
دل اور برق ابرو فصل گل ایک سے ہیں
خوش رنگ اشک خونیں گرتے رستے برابر
اس شاخ گل سے قد کی کیا چوٹ لگ گئی ہو

چلتے جو اس کو دیکھا جی اپنے چھٹے گئے ہیں
ہم اور میر بھال ہیں بے اختیار دونوں

کام گئے ہیں شوق سے صنایع صبر نہ آیا یا ردوں کو
مار رکھا بیتابی دل نے ہم سب غم کے ماروں کو

روسی نہیں ہر بات کا سرگزشت جاننا روٹکو
صنم ملک دیکھا کرتے ہیں خوشنکشا روٹکو
بھوکا پیاسا مار رکھا ہے تم سے ان ہزار روٹکو

جی تو جلا احباب کچھ عشق میں اس شعلے کے پر
آؤ نہیں در بستہ یعنی منہ پر اس مہر پارے کے
گر دوش چشم سہ کا نہ سے جمع نہ رکھو خاطر تم

کوہ کن و مجنون و دامن میر لائے تھے صحبت میں
منہ نہ لگا یا ہم میں کنہوں نے ایسے ہرزہ کار روٹکو

آسمان آگیا در سے کچھ تو
آوی چاہیے کرے کچھ تو
عشق میں چاہیے ارے کچھ تو
مرے جاتے ہیں کچھ کے کچھ تو

جی رکاز کئے سے پرے کچھ تو
جو نہ ہو دے نماز کرے نیاز
طالع و جذب و زاری و زور و زور
جینا کیا ہے جہان فانی کا

اسے سہمے نظر پڑے ہیں میر
اسکے اطوار سے ڈرے کچھ تو

ساقہ اُن کے چل تماشا کر لے حبکو جاؤ ہو
ہو چکا ہونا جو کچھ تھا اب عبث پہنچاؤ ہو
ملک ہے وہ جدول شمشیر تو ستھراؤ ہو
دیکھیں شہر حسن میں اس جنس کا کیا بھاؤ ہو

رفیق رنگین گلرویاں سے کیا ٹھہراؤ ہو
قد جو خم پیری سے ہو تو سر کا دھننا بیچ ہے
خون کے سیلاب میں ڈوبے ہو نکا کیا شمار
تھی وفاؤ مر تو بابت دیا ر عشق کے

گر یہ خوشی سے ہیں رخسار میرے لعل تر
دیرہ خونا ریول میں جیسے منہ پر نکھاؤ ہو

جی کی لاگ بلا ہے کوئی دل جینے سے اٹھا بیٹھو
ہو کے فقیر کلی میں کسوی رنج اٹھاؤ جا بیٹھو

کیا دیکھو ہو آگاہ پچھا عشق اگر فی الواقع ہے
ایک دم اس بے چشم درد کی تیغ تلے بھی جا بیٹھو

ایکساں تھا وصل کا اس کے پیچ پہ سوئے پھولوں کی
اب ہے زمانِ فراق بچھونے خار و خشک کے بچھا بیٹھو

کام کی صورت اپنی پیارے کیا بگڑی ہے کیا کہیے
آؤ کبھو مدت میں یاں تو اچھے منہ کو بنا بیٹھو

ٹیڑھی چال سے اُس کی خالفت چپکے کھڑے کیا پھرتے ہو
 سیدھی سیدھی دو چار اُس کو جرات کر کے سنا بیٹھو
 ٹیڑھی بھویں دشمن پہ کرو ہو عشق و ہو بس میں تیز کرو
 یعنی تیغ ستم ایک اُس کو چلتے پھرتے لگا بیٹھو
 نکلا خط پشت لب اُس کا خضر و میسا مرنے لگے
 سوچتے کیا ہو میر عیث اب زہر منگا کر کھا بیٹھو

صبر کہاں جو تم کو کہیے لگ کے گلے سے سو جاؤ
 بولو نہ بولو بیٹھو نہ بیٹھو کھڑے کھڑے تک ہو جاؤ
 ہر سے ہے غربت سی غربت گور کے اوپر عاشق کی
 ابرنمط جو آؤ ادھر تو دیکھ کے تم بھی رو جاؤ

میر جہاں ہے مقام خانہ پیدا یہاں کا نہ پیدا ہے
 آؤ یہاں تو داؤ تختیں اپنے تئیں بھی کھو جاؤ

روایت ہائے ہنوز

یار صد صیف کہ بیکانہ رہا اپنے ساتھ
 اتحاد اتنا ہے اُس سے کہ ہیشہ ہر وصال
 عہد یہ تھا کہ نہ بے وصل بدن سے جائے
 رنج نے رنج بہت کھینچے ہو چکر ہم تک
 دس گنا دکھنے لگا زخم رکھے مرہم کے
 آشنا یا نہ نہ کی کوئی ادا اپنے ساتھ
 اپنے مطلوب کو ہے ربط سدا اپنے ساتھ
 سوجدا ہوتا ہے کی جی نے دعا اپنے ساتھ
 اک بلا میں ہے گرفتار بلا اپنے ساتھ
 درد کا کام رہی کرتی دو اپنے ساتھ

وارد شہر میں یادشت میں ہم شوق طلب
 ہرزہاں پھرتا ہے اسے میر لگا اپنے ساتھ

گر می سے عاشقی کی آخر کو ہو رہا کچھ
 آذر وہ دل ہزاروں مرتے ہی ہم سے ہیں
 وارفتہ ہے گلستاں اس روئے چیمپی کا
 وہ آرسی کے آگے پہروں ہے بے تکلف
 بانی ہوا ہے کچھ تو میرا جگر جلا کچھ
 بیماری دلی کی شاید نہیں دوا کچھ
 بے فصل گل پہ گل کا اب وہ نہیں فرما کچھ
 منہ سے ہمارے اُس کو آتی نہیں جیا کچھ

ا پر ہے اس نگر سے جاتا نہیں دیا کچھ
کیا جانوں کے جی میں یہ مسرت سے کیا کچھ
آجائے ہے جہاں میں اُس کے لپ دیا کچھ
اُن کی زباں میں کچھ ہے دل میں کچھ دیا کچھ
کہیے نمود ہووے جو اس کے ماسو کچھ
اُن نے کہا ہے کیا کیا میں نے اگر کہا کچھ

دل ہی کے غم میں گزرے دن جن غم کے تھے
ٹھنک کر بھی میری جانب سوتا نہیں کچھ وہ
دل نے فقیر کا بھی ہاتھوں میں دل دی کر
یاروں کی آہ دزاری ہووے قبول کیونکر
ساری وہی حقیقت ملحوظ سب میں رکھے
حرف و سخن کی اُس سے اپنی مجال کیا ہے

گفتگاہ یہ بدشیرالی میری تو میری
جانے کے ہو مہیا اب کر جلو بھلا کچھ

جان عزیز ابھی ہے مری اُبرو کے ساتھ
سرنگیٹوں کے پھوٹتے دیکھ سہو کے ساتھ
اتما ہے اُس کا خون جگر آج کے ساتھ
جاتے ہیں سب جہاں اُن کے ساتھ
سو تیج و تاب رہتے ہیں ہر ایک کو کے ساتھ

حیرت طلب کو کام نہیں ہے کسو کے ساتھ
یک رنگ آشنا ہیں خرابات ہی کے لوگ
قمری کا لہو پانی ہوا ایک عشق میں
خالی نہیں ہے خواہش دل سے کوئی بشر
دم میں ہر دم جہاں تیں گرم تلاش ہوں

کیا اضطراب عشق سے میں حوت زن ہوں میر
ٹھنکے تک جگر تو آنے لگا ٹھنکے کے ساتھ

اُلجھاؤ تھا جو اُسکی زلفوں سے سو گیا نہ
عقدہ ہمارے دل کا اُن سے بھی کچھ کھلا نہ
انسوس ہے کہ موسم گل کا بہت رہا نہ
حال اُس کا یہ خبر بھی درہم کرے ہیانہ
قطعہ لطیفہ بذلہ شمس و خورشید تلانہ
احوال گیر کم ہو پہونچی بہم ودانہ
بر غرطہ خودی سے ہم تھے نہ درسیانہ
ہیں شانہ گیر سے جو یہ رطکے نرم شانہ
بے اُس کے بھول و گل سے جی ایک دم گمانہ
معقول گو ہم اتنے دے ایسے ہرزہ چانہ

سر تو بہت گھیرا پر فائدہ کیا نہ
وے زلفیں عقدہ عقدہ ہیں آفت زانہ
خفجے کے دل کی کچھ تھی و شد بہار آئی
فرنا ہمارا اُس سے کہہ دیکھیں یار جا کر
کن رس بھی حیف اسکو تھا نہ کہا تو کیا کیا
بیجا عشق بیکس جتا رہے گا کیوں کر
یوں درمیاں جن کے لینے تو گئے تھے ہکو
چھو سکتے بھی نہیں ہیں ہم لپٹے بال شکے
دشت جن میں ہکو کل صبح بیشتر تھی
صحبت بزرگ اپنی لوگوں سے کیونکہ ہوئے

<p>اگر دے گئے ہیں جیسے از بیکہ استوں کے آئینہ ہو رہا ہے وہ سنگ آستانہ</p>	<p>اے عینہ ایتنا سیلاب رود کا سا اے میر چشم تر ہے یا کوئی رود خانہ</p>
<p>خدا ہے تو کیا غم ہے دل شاد رہ درد و الم کی کلفت و غم کو بچ دے بلا ہے کیا کیا کچھ</p>	<p>انیم فوت سے بندے آزاد رہ چاہ میں دل پر ظلم ستم ہے جو رو جفا ہو کیا کیا کچھ</p>
<p>دل بھی لگا ہر شرم و حیا پر مہر و وفا ہے کیا کیا کچھ دل تو جلا ہے دماغ جلا ہے اور جلا ہے کیا کیا کچھ غمرہ عشوہ چشم چتون ناز واد ہے کیا کیا کچھ تسے آگے سنو صاحب نہیں ہوا ہے کیا کیا کچھ یوں تو جلا ہوا دل کیا لیکن ساتھ جلا ہے کیا کیا کچھ</p>	<p>دل لینے کو فریقہ کے بہتر کچھ ہے یا رسکے کیا کیا دیدہ درانی سی ہم کرتے رہے اس عالم میں حسرت مول اندوہ جلدی خوش کاوش دن و شوق</p>
<p>کیا کہئے جب میں نے کہا ہے میر سے غم و راس پر تو اپنی زباں مت کھول تو ان نے اور کہا ہے کیا کیا کچھ</p>	<p>کیا کہئے جب میں نے کہا ہے میر سے غم و راس پر تو اپنی زباں مت کھول تو ان نے اور کہا ہے کیا کیا کچھ</p>
<p>روایت پائے تختانی</p>	
<p>ماز و غرور بہت ہے اسکا لطف نہیں ہو کم کم بھی ورہ حرم کے اسلے تھے ہم کوئی نے گا حرم بھی نہ ہی چلے جاتے نہیں یاں چلنے کو تھیں ہم بھی ہے عالم کچھ ادھر ہی میرے دیکھ مریں کا عالم بھی زخموں پر چھاتی کے میرے رکھ دیکھو نہ مریں بھی بھول بھرتے جاتے ہیں کچھ آخر ہے اب مریں بھی</p>	<p>میں تو تنگ سری سے رہ نہیں سکتا اک دم بھی جائے احرام آخر تیرہ کر دل کی اور توجہ کی دیکھ ہو اکو طائر گلشن کس حسرت سے کہتے تھے کیا کیا میں بیتاب رہا ہوں رنج و الم سے محبت پنہ دواغ کیا ہے کیا کیا اچھے ہوئے دے نہ گرم ہوا ہی ہو گا جو ہر سرچن کی کرستہ</p>
<p>فل جڑے سینے کو کوٹا چہرے بچے پر خاک ملی میر کیا ہے میں نے نہایت دل جانے کا نام بھی</p>	<p>فل جڑے سینے کو کوٹا چہرے بچے پر خاک ملی میر کیا ہے میں نے نہایت دل جانے کا نام بھی</p>
<p>کارواں جاتا رہا ہم خواب ہی میں مر گئے مر گئے غیرت سے ہم بھی پر نہ آسکے گھر گئے اور منجانبہ جلویم کس آنکھ نے پر گئے</p>	<p>نقد دل غفلت سے کھویا راہ کھوٹی کر گئے کیا کہیں ان نے جو پھیر اپنے در پر سے ہیں واعظان کس کی باتوں پر کوئی جاتا ہے میر</p>

اے کاش کوئی جا کر کہہ دے یار سے بھی
تا چند بیدار غمی کب تک سخن خوشن ہو
یک معنی شگفتہ سوز نگ بندہ گئے ہیں
کیا جیب آتیں ہی سیلاب خیر سے یاں
باغ وفا سے سمنے پایا سو پھل یہ پایا
راہ اسکی برسوں دیکھی آنکھیں غبار لا میں

یاں کام جا چکا ہے اب اختیار سے بھی
کوئی تو بات کرے یہ اٹھان سب سے بھی
الوان گل ہیں ہر سو اب کی ہمار سے بھی
وریا بہا کریں ہیں میرے کنار سے بھی
سننے میں چاک تر ہے اب لڑ سے بھی
نکلانہ کام اپنا اس انتظار سے بھی

جان و جہاں سے گزرا میں میر جکی خاطر
بچکر نکلتے ہیں وے میرے مزار سے بھی

خوار چہرہ ایا کلیوں گلیوں سرار سے دیواروں سے
کیا کیا اُن نے سلوک کیے ہیں شہر کے عزت داروں سے
دور اس سے تو اپنے بھائی اگ لگی ہے گلستاں میں
آنکھیں نہیں پڑتی ہیں گل پر سینکتی ہیں انگاروں سے
شور کیا جو میں نے شاہ نگہ بتیابی سے دل کی بہت
کھنے لگا جی تنگ آیا ان مرد وفا کے ماروں سے
وہ جو ماہ زمیں گرد اپنا دوپہری ہے ان روزوں
شوق میں ہر شب حرف و سخن ہے ہکو ملک کے تاروں
حرف شنو ساتھ اپنے نہیں ہیں ورنہ در آتے قافہ ساں
راہ میں باتیں کس کس ڈھب کی کرتے ہیں ہم یاروں سے
خستہ ہوا اپنا کیسا ہی کوئی پھر بھی گلے سے لگاتے ہیں
وحشت ایک تھیں کو دیکھی اپنے سینہ نگاروں سے
داغ جگر داری ہیں ابھی کشتے ثبات دل کی میں
ہم نہ گئے جاگہ سے ہر گز قیمہ ہوئے تلواروں سے
حرف کی پہچان اسکو نہ تھی تو سادہ ہی کچھ اچھا تھا
بات اگر مانے ہے کوئی سو سو اب تکراروں سے
کو کہن و مجنوں یہ دونوں دشت و کوہ میں سر ماریں

<p>ہم نے کھینچی کمان رستم بھی ایسا ہوتا نہیں ہے اودھم بھی خواب کا سا ہویاں کا عالم بھی ورنہ غم کرتے سیتے ماتم بھی نہ ملا داں کا ایک حرم بھی ہوں تو یار اسکو دیتے تھے دم بھی</p>	<p>لشوق نہیں ملنے کا ہم کو میر ایسے آواروں سے زور کش میں سگے عشق کے ہر بھی ہے بلادھوم دل تر ہے کی کچھ نہیں اور کھیں میں کیا کیا حیف دل جاتے پرگنی جی کی حرم کسبہ کا نہ پایا بھید خسک نے ساتھ شیخ حیف ہوا</p>
<p>کھپ ہی جاتا ہے آدمی بے میر آفت جاں ہے عشق کا غم بھی</p>	<p>لطف ہے کیا انواع تم جو اس کے کوئی بیان کرے گوش زد اک دن ہوویں کہیں تو بے لطفی سے زبان کرے ہم تو چاہ کر اس پھر کو سخت نہ امت کھینچی ہے چاہ کرے اب وہ کوئی جو چاہت کا ارمان کرے سورے میں دل کے نفع جو چاہے خام طبع سودائی ہے دارا سار عشق میں کیسا جی کا بھی نقصان کرے حشر کے ہنگامے میں چاہیں داد عشق تو حسن نہیں کاشکے یاں وہ ظالم اپنے دل ہی میں دیوان کرے آتش خود غور سے دیے عمدہ بر آگیا عاشق ہو دل کو جلاوے منت رکھے جی مارے احسان کرے یمن عشق غم افزا سے کام نہایت مشکل ہے اب بھی نہیں نو میدی دل کو شاید عشق آسان کرے</p>
<p>کہنے میں یہ بات آتی نہیں ہو سیر خدا کی قدرت کی موند کر آئیں میر اگر تو دل کی طرف ٹکھیاں کرے</p>	<p>بیدل ہوئے بیدیں ہوئے بوقریم ات گت ہوئے بے کس ہوئے بے بس ہوئے بے گل ہوئے بے گت ہوئے</p>

ہم عشق میں کیا کیا ہوئے اب افسردہ افسردہ ہو چکے
 بے دست ہوئے بے ست ہوئے بخود ہوئے میت ہوئے
 آفت جو کی کتا ہے جی حالت نہیں عزت نہیں
 ہم بابت وقت ہوئے شائستہ کلفت ہوئے
 مگر کوہ غم ایسا گراں ہم سے اٹھے پس دوستان
 سوکھے سے ہم دینت ہوئے تنکے سے ہم پر بت ہوئے
 کیا رویے قیدی ہیں اب رویت بھی بن گئی کچھ نہیں
 بے پر ہوئے بے گھر ہوئے بے زر ہوئے بے پت ہوئے
 آنکھیں بھرائیں جی زندہ کھینے سو کیا چکے سے تھے
 جی چاہتا مطلق نہ تھا ناچار ہم رخصت ہوئے

بامست درگا ہوں میں شب کرتے تھے شاہد بازیاں
 تسبیح لے کر ہاتھ میں یا منبر اب حضرت ہوئے
 باغ میں سیر کھو ہم بھی کیا کرتے تھے
 غیرت عشق کو وقت بلا تھی ہم کو
 دل کی بیماری سے خاطر تو ہماری تھی جمع
 جب تلک شرم رہی مانع سنوخی اُس کی
 بائیں کفر جو انی میں بہت تھے ہم لوگ
 آتش عشق جہاں سوز کی لپٹیں تھیں قہر
 اب تو بیابانی دل نے ہمیں بھلا ہی دیا
 اٹھ گئے پر مرے نیکی کو کہیں گے یاں میر
 درود دل لیتے کہانی سی کہا کرتے تھے

حال نہیں ہے دل میں مطلق شور و فلان رسوائی ہے
 یار گیا مجلس سے دیکھیں کس کس کی اب آئی ہے
 سچ نہوت کسر دم صحیح ہے اور اس کا قافیہ اٹا گت کے ساتھ اب نہ کرنا چاہیے میر کے زمانہ میں
 اس طرح قافیہ کرنا جائز سمجھتے ہو گئے ۱۲

آنکھیں مل کر کھولیں اُن نے عالم میں آشوب اٹھا
 بال کھلے دکھلائی دیا سوہر کوئی سووائی ہے
 ٹوٹل بیاں کیا کوئی کرے اس وعدہ خلاف کی دیہی کا
 ڈھال کے سانچے میں صانع نے وہ ترکیب بنائی ہے
 نسبت کیا ان لوگوں سے ہم کو شہری ہیں دیوانے ہم
 ہے فریاد اک آدم کو ہی مجنوں اک صحرائی ہے
 ہے پتھر سا چھاتی میں میری کثرت غم کی حیرت سے
 کیا کہیے پہلو سے دل کے سخت اذیت پائی ہے
 باغ میں جا کر ہم جو رہے سوا در و داغ آشفتمہ ہوا
 کیا کیا سر پہ ہمارے آکر بلبل شب چلائی ہے
 کیسا کیسا عجز ہے اپنا کیسے خاک میں ملتے ہیں
 کیا کیا ناز و غرور اس کو ہے کیا کیا بے پردائی ہے
 قلعہ ہم غربت زدگان کا کہنے کے شایستہ نہیں
 بے صبری کم پائی ہے پھر دو دہائیں سے تنہائی ہے

چشمک چٹوں نیچی نگاہیں چاہ کے تیری شمع ہیں
 مسیر عبت بگڑے ہے ہم سے آنکھ کہیں تو لگائی ہے

دنیا کی قدر کیا جو طلب کار ہو کوئی کیا ابر رحمت ابکی برتے ہے لطف سے کیا ضعف تن میں ہی جگر و دل داغ بن ہم عاشقان زرد و زبون و نزار سے چپکے ہیں ہم تو حیرت حالات عشق سے کیساں ہوئے ہیں خاک سے بال ہرے ہم وہ رہے ہے دل زدہ کچھ منتظر کھڑا ایک نسخہ عجیب ہے زرد کا طبیب کا کیا اضطراب دل کے میر عشق	کچھ چیز مال ہو تو خسریا ہو کوئی طاعت گزریں جو ہو سو گنگار ہو کوئی پوچھے جو اس قشون میں سردار ہو کوئی منت خرا دایں ایسی کہ بنیاد ہو کوئی کرے بیاں جو واقف اسرار ہو کوئی کیا اور اس کی راہ میں ہمار ہو کوئی حیرت سے اُسکے در پہ جو دیوار ہو کوئی کچھ غم نہیں ہے اُسکو جو بیمار ہو کوئی یہ حال مجھے وہ جو گرفتار ہو کوئی
---	---

میں نے ناخن بندی اپنی عشق میں کی ہے ابھی
چاک کی چھاتی مری خیراج نے سی ہے ابھی
شوق سے آنکھوں میں کوئی دم مرا جی ہے ابھی
کوئی خوں ریز آن نے اپنی میان کی ہے ابھی
صبح کو رسم صبحی سے تو بے لی ہے ابھی
طرز میرے نالہ کی بیل نے شیکھی ہے ابھی

زیر دیوار اُس کے کس امید پر تو میرے

ایک دوسے جان اس دروازے پر دی ہے ابھی

غم حراں کا کبتک طعین شاو کرو تو بہتر ہے
قید حیات سے بندے کو آزاد کرو تو بہتر ہے
واد کرو تو بہتر ہے بیدا کرو تو بہتر ہے
ظلم نمایاں اب کوئی جو ایجا کرو تو بہتر ہے

عشق میں دم مارا نہ کھو تم چکے چکے میرے کچھ

لو ہو منہ سے ملکر اب فریاد کرو تو بہتر ہے

سے خاک کی کوئی چٹکی اکیر بنا دیں گے
کیرہوں پہ گریں گے تو دے آگ جلا دیں گے
مگر خضر تے گا تو ہم راہ بتا دیں گے
گر حسن عمل کی واں لوگوں کو خبرا دیں گے
دیکھیں گے چڑھی جدم ہم سر کو نوادیں گے
جی جانہ اٹھا دیں گے گھر بار لٹا دیں گے

مشوقوں کی گرمی بھی اے میرے قیامت کر

چھاتی میں گلے لگ کر تک آگ لٹا دیں گے

صاحب ہی نے ہماری یہ بندہ پروری کی
اسکی گلی کے سنگ نے کیا آدمی گری کی
ہم دل شدوں کی اُن نے کیا خوب بیری کی

ان خنائی دست و پاسے دل لگی سی ہے ابھی
ہاتھ دل پر زور سے اپنے نہ رکھا جاسیے
ایک دم دکھلائی دیتا بھی تو مرتے آ کہیں
دیکھیں اک دردم میں کیونکر تیغ اسکی ہو بلند
کس طرح ہوں معتقد ہم اتفاق سے شیخ کے
اگے کب کب اٹھتے تھے سناٹے سے انہیں

دیوے ہو بھول گئے ہو یاد کرو تو بہتر ہے
پہونچا ہوں میں دوری سے مرنے کے نزدیک آخر تو
جو کرے گا حق میں میرے خوبی ہو میری سی ہی
زخم دامن دار جگر سے جانہ گزاری ہو نہ لگی

عل اہل بصیرت سے کچھ دے ہی دکھا دینگے
پانی کی سی بوندیں تھیں سب لٹکنے میں جانا
سرگشتہ سا پھر تاپے کہتے ہیں بیاباں میں
اے کاش قیامت میں دیویں اسی عاشق کو
حاصل کر دے ہونے کا ابرو کی کمان لٹکی
ایدھر نہیں آتا وہ آوے تو قصہ قمر کر

جنگل میں چشم کس سے بستی کی رہبری کی
شب بکے شور ویرانہ کی نہ بے دماغی
کرتے نہیں ہیں دل خوں اس رنگ سے کس کا

اچھی لگی نہ ہم کو خوش صورتی پری کی
اس رنج میں تیں ہے اُمیدِ بہشتی کی
اس خود نالے کیسی خود رانی خود سری کی
جی ہی سے راتی ہے آزادی ہے پری کی
بختِ سید نے ہارے ان روزِ دلِ یوری کی
پیسے دے بیرونی کی پھیرے گئے کھری کی

اللہ دے کیا تک ہے آدم کے حسن میں بھی
ہے اپنی ہر روزی جا بگاہِ دلِ گدازاں
رفارِ ناز کا ہے پامال ایک عالم
اسے کاش اب نہ چھوڑے صیادِ قیدیوں
اس رشکِ نہ سے ہر شب ہر غیر سے لڑائی
ٹھٹک چمپاں ہی کی ہیں صراف کے لے ہم سے

گزرے بسانِ صرصرِ عالم سے بے تامل
افسوسِ میر تم نے کیا سیرِ سرسری کی

اب کب گئی اٹھائی ہے زورِ ناتوانی
ہم نے تو قدرِ دل کی افسوس کچھ نہ جانی
متر کاں ہم زدن میں جاتی رہی جوانی
بس اور کچھ نہ کہیو ہر گز مری زبانی
آئینہ تو شہِ اسر ہو تا ہے پانی پانی
جہرے کے رنگ اپنی چادر کی زعفرانی

اکثر کی بید باغی ہر دم کی سہ گرائی
تم دل کو دیتے ہو تو بیدلِ بچہ کے ہو جو
عہدِ شباب کی تو فرصت تھی ایک چٹک
حسرت سے دیکھ رہو اسے نامہ برِ منہ اس کا
اس غیرتِ قمر کی نجلت سے تابِ رخ کی
مرزائی فخر میں بھی دل سے گئی نہ میرے

یوں میر تو غم اپنا برسوں کہا کرینگے
اب رات کم ہے سوؤ بس ہو چکی کہانی

چلوچمن میں جو دل کھلے تک ہم غمِ دل کسا کریں گے
طیور ہی سے بھا کریں گے گلوں کے آگے بھا کریں گے
قرارِ دل سے گیا ہے اب کی کہ رک کے گھر میں نہ مرنگایوں
بہارِ آئی جو اپنے جیتے تو سیر کرنے چلا کریں گے
ہلاک ہونا مقرر ہی ہے مرض سے دل کے یہ تم کو کھو ہو
مزاجِ صاحب اگر ادھر ہے تو ہم بھی اپنی دوا کریں گے
بُڑے دل کا ہمارے لگنا لگانا غصے سے عاشقی کے
بچی جبین سے لگی میں اُس کی خراب و خستہ پھرا کریں گے
دصالِ خراباں نہ مگر تھکا کہ زہرِ شیریں لبی ہے اُن کی

خواب و رسوا جد کریں گے ہلاک مل کر جدا کریں گے
 اگر وہ رشک بہار سمجھے کہ رنگ اپنا بھی ہے اب ایسا
 ورق خزاں میں جو زرد ہونگے غم دل سیر لکھا کریں گے
 غم محبت میں میر ہم کو ہمیشہ جلنا ہمیشہ مرنا
 مصیبت ایسی داغ رفته کہاں تک ہم دعا کریں گے

سنو سرگزشت اب ہاری زبانی بہت قدیں تائیں کہ بائیکا کہنت بہت مو پریشاں کھینچے اسکے غم میں گیا بھول بھی شیب میں جو ہمارا تو تم نہیں یاں تک آنے کی آج سے کریں ضبط گریہ سے دل کی عمارت ملاوتی ہے خاک میں دی کو	نکستی گر چہ جانی نہیں یہ کہانی لیکن مری بات سرگزشت نہ مانی خدا جانے ہے سیرت کی نشانی بہت یاد آئی لگتی وہ جوانی اگر لطف تجھ پر کریں مہربانی ہوئی چشم تر اس غریب کی بانی محبت ہے کوئی بلا آسمانی
---	--

گرا میسر جی قصا ہمارا
 وے عشق میں قدر سمجھنے نہ جانی

چلتے ہو تو چمن کو چلیے کہتے ہیں بہاؤں ہے رنگ ہو آکوں نیچے ہو جیسے شراب چواتے ہیں عشق کے میدان اردن میں بھی فریقا ہو صفت بہت دل ہر داغ جگہ کو کھڑے آنسو سارے غلج ہو	بات برسے میں بھول کھلے ہیں کم باد و باران آگے ہو سجانے کے نکلو حمد باد و گاران یعنی مصیبت ایسی اٹھانا کار کار گزاران لاہو پانی ایک کوسے یہ عشق لالہ عذاران
---	---

کو کہن و بھنوں کی خاطر وشت و کوہ میں ہم نہ گئے
 عشق میں ہلکے میر نہایت پاس عزت داران

ہم اس مرتبہ پھر بھی لشکر گئے نظر اک سپاہی پس سے لڑی ہم ہر بندی کے سر گرم تھے ہو سیری آنکھوں میں آتا نہیں دباؤ کم میں نہیں تیسری	نشب ایسی گزری کہ مر مر گئے قریب اسکے تلوار کر کر گئے خدا جانے وہ لوگ کیدھر گئے جگر کے مگر زخم سب بھر گئے ہوا جوگی دے بھی باہر گئے
---	---

کب وعدہ کی رات وہ آئی جو اُس میں نہ لڑائی ہوئی
 آخر اس ادبِ اش نے مارا رہتی نہیں ہے آئی ہوئی
 چاہ میں اُس بے الفت کے گھبراہٹِ دل ہی کو تو نہیں
 سارے حواسوں میں تہشتِ جان بھی ہے گھبرائی ہوئی
 گرچہ نظر ہے پشت پا پر لیکن تمہارے قیامت ہے
 گزرتی ہے دل میں ہمارے آنکھ اُسکی شرمائی ہوئی
 جنگل جنگل شوق کے مارے ناقہ سوار پھر اکی ہے
 مجنوں جو صحرائی ہوا تو لیلی بھی سودائی ہوئی
 دورِ دل سوزِ ان محبتِ نوجو ہو تو عرش پر ہو
 یعنی دورِ شبِ گہ کی جا کر عشق کی آگ لگائی ہوئی
 جتن کی آغاز سے ظالمِ ترکِ مروت پیدا ہے
 اہل نظر سے چھپتی نہیں ہے آنکھ کسو کی چھپائی ہوئی

میر کا حال نہ پوچھو کچھ تم کہنے رباط سے پیری میں
 رقصِ کناں بازارِ رنگ آئے عالم میں رسوائی ہوئی

پودے چین میں پھولوں سے دیکھے بھرے تھے
 وہ ہاتھ سو گیا ہے سرھانے دھڑے دھڑے
 پھرتے ہیں جوں سپر بہت ہم درے درے
 یہ کہہ کے کوئی ایسا کرے جو ارے ارے

موسم ہے نکلے شاخوں سے پتے ہرے ہرے
 آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمعِ دراز
 کیا سمجھے اس کے رتبہ عالی کو اہلِ خاک
 مرتاحہا میں تو باز رکھام نے سے مجھے

گشتِ سن میں گنگ رہی تھی رنگ گل سے میر
 بیلِ پکاری دیکھ کے صاحبِ پرے پرے

ہزار سابقوں سے سابق ایک یاری ہے
 ہمارا شورِ جتنوں اب ہے اپنی باری ہے
 اگر صد کوئی پہچانے شہرِ ساری ہے
 وگرنہ حال ہمارا تو اضطرابِ ساری ہے
 سو خطرے میں نہیں خاطر ہمیں تمھاری ہے

ہماری تیری صورت ہی دوستداری ہے
 گئی وہ نوبتِ مجنوں کہ نامِ باسجے تھا
 کریں تو جا کے گدا یا نہ اس طرف آواز
 ساfran رہ عشق میں شکیب سے چپ
 عربی حال کی دلخواہ جو تمھارے تھی

ہیں ہی عشق میں جینے کا کچھ خیال نہیں | وگرنہ سبکے تئیں جان اپنی پیاری ہے

نگاہ غور سے کر میرے سارے عالم میں
کہ ہر دے میں حقیقت وہی تو ساری ہے

نہ خاطر پرالم تیرے نہ دل پر کچھ ستم تیرے | عمل رحم ہو ذیں کس طرح مظلوم ہم تیرے
جو ٹھک بھی سایہ گستر ہو گا تو اس شک منہ پر | بہت ہم ہو گئے احسانداسے ابر کرم تیرے

انھیں کی طرح جاں اسے میرا مل ہوگی سنبھل کے
نہیں دیکھے جنھوں نے کیسے پرہیز و غم تیرے

نثر

عشق میں کھوئے جاؤ گے تو بات کی تہ بھی پاؤ گے
قدر ہماری کچھ جانو گے دل کو کہیں جو لگاؤ گے

صبر کہاں بیابانی دل سے چین کہاں بخوابی سے
سو سو بار کھلی میں تکتے گھر سے باہر آؤ گے

شوق کمال کو پہونچا تو نہیں خط و کتابت حرف و سخن
قاصد کے محتاج نہ ہو گے آپ ہی دوڑے جاؤ گے

صنعت گریاں صاحب بندہ دل کی لگی کب پیش گئیں
ایک نہیں وہ سننے کا تم باتیں بہت بناؤ گے

چاہ کئے درویش ہوئے تو آب و عورش کی فکر نہیں
لو ہو پو گے اپنا ہر دم غم فصتہ ہی کھاؤ گے

زنگ محبت کے ہیں کتنے کوئی تمھیں خوش آویگا
خون کرو گے یا دل کو یا داغ عسگر پہ چلاؤ گے

رہتے ہیں مبہوت الفت ہیں غم گشتہ کلفت میں
بھولے بھولے آپ ہی پھرو گے کس کو راہ بتاؤ گے

اشک تو بانی سے ہیں لیکن جلتے جلتے آدیں گے
دل کی لگی حیران ہیں صاحب کس ڈھب کے بھاؤ گے

چاہت میر سبھی کرتے ہیں رنج و تعب میں رہتے ہیں
تم جو ابھی بیتاب ہو ایسے جی سے ہاتھ اٹھاؤ گے

نصحت میں لگ گلے سے بھاتی چلا گیا ہے
ہر کوئی اپنی نوبت دودن بچا گیا ہے
کیا دیر میں ملک سے میری اٹھا گیا ہے
عزت گزنیوں سے بھی کم ہی رہا گیا ہے
عاشق کو تیرے غم میں کیا کیا کہا گیا ہے
یہ بھی خیال سا کچھ غاٹیں آگیا ہے

ابکی سفر کو ہم سے وہ مہم جدا گیا ہے
فراد تیس گزرے اب شور ہے ہمارا
صنعت و مارغ سے میں بھر کر نظر نہ دیکھا
بیجا ہوئے بہت دل رفتار دیکھ اس کی
رسوا خواب و غمش دل با حقہ محبت مانا
اے میر شکر کنا کیا ہے کمالِ انسان

شاعر تھیں جو دیکھا تو تو ہے کوئی ساحر
دو چار شعر پڑھ کر سب کو رہا گیا ہے

کہو سو کرے فراق اُس کا تو جی کو میرے کھپا گیا ہے
دروں میں آگ آگ لگا گیا ہے بروں کو کبیر چلا گیا ہے
اگرچہ مارا بگڑ کے منجھو و لیک بطف و کرم سے پھر بھی
نشان میرے مزار کا وہ سر رہ اپنی بنا گیا ہے

انعام شوخی کے ہمرہ اُس کے ہزار جانیں چلی گئیں ہیں
رکھا ہے رہ میں قدم جو اُن نے تو میر کس سے رہا گیا ہے

درد نہ کیا جانے کیا خطاب کہے
چین دیوے تو کوئی خواب کہے
کرنا جو کچھ ہو سو شباب کہے
نامہ ہر اس کا کیا جواب کہے
آتش شعلہ زن کو آپ کہے
قہر ہے دل جو اضطراب کہے

جبر کر رہ جو وہ عتاب کرے
عشق میں دل بہت ہو بے آرام
وقت یاں کم ہے چاہیے آدم
بھاڑ کر خط کو اُن نے پھینک دیا
سہے برا فروختہ جو ختم سے وہ
ہے تو یک قطرہ خون ہی لیکن

میر اٹھ بتکدے سے کہے گیا
کیا کرے جو خدا خراب کہے

قہقہہ ہمارا اُس کا یا روشنیدنی ہے
تفاس سے کہیں وہ دامن کشیدنی ہے
اے شمع یہ زباں تو ظالم بر میدنی ہے

افسانہ خواں کا لڑکا کیا کہیے دیدنی ہے
اپنا تو دست کو تہ زہنک بھی ٹمک نہ پہونچا
پروانہ مر مٹا ہے جل کر نہ کچھ کسا تو

حسرت سے عاشقی کی بری میں کیا کہیں ہم
وہاں نہیں ہیں ہنسی میں وہ لب گزینی ہے

ہے راست میر صاحب کس کس کا حیف کیے
سر ہے گلندی ہے قد ہے خمیہ دنی ہے

حال رہا ہو ہم میں کچھ تو حال کسو سے کہا جاوے
آن رہی ہے آج دموں پر کل تک کیونکہ رہا جاوے

اُس کی گلی وہ ظلم کدہ ہے آنکھ جو کوئی وہاں
گردہ عشق آلودہ تو لو ہو میں اپنے نہا جاوے

آنکھوں کی خوتا بہ نشانی دیکھیں میر کا تنگ یہ
زرد ہارے زخاروں پر ہر دم خون بہا جاوے

عشق چھپا کر پھپھٹائے ہم سوکھ گئے رنجور ہوئے
یہی آنسو پی لی گئے سوز خیم جگر نا سوز ہوئے

ہم جو گئے سر مست محبت اُس ادب اش کے کوچے میں
کھائیں کھڑی تلواریں اُس کی زخمی نشہ میں چور ہوئے

کوئی نہ ہم کو جانے تھا ہم ایسے تھے گنہگار آگے
بہین عشق سے رسوا ہو کر شرور میں مشہور ہوئے

کیا باطل ناچیز یہ لونڈے قدر پر اپنی تاراں میں
قدرت حق کے کھیل تو دیکھو عاشق بمقدور ہوئے

سر عاشق کا کاٹ کے اُن کو سر بگریباں رہنا تھا
سو تو پگڑی پھیر رکھی ہے اور بھی دے ضرور ہوئے

زرد و زبون و زار ہوئے ہیں لطف ہے کیا اس جینے کا
مردے سے بھی برسوں کے ہم ہجر میں بے نور ہوئے

پاس ہی رہنا اکثر اس کے میر سب تھا جینے کا
پہنچ گئے مرنے کے نزدیک بس سے جو تک اور ہوئے

جو بحث جی سے وفا میں ہے سو تو حاضر ہے
دھال ہر دے تو قدرت نہا ہے قدرت کی

یہ فرط شوق سے بجو ملال خاطر ہے
نہ ہم کو قدر نہ قدرت خدا ہی قادر ہے

<p>غریب کہتے ہیں لوگ ان کو بھی یہ ناور ہے زبان خاتمہ لسان اس میں قاصر ہے</p>	<p>مسافرانہ ملے تو کہا شہارت سے کوسمباق سے تھریر طول شوق نہ ہو</p>
<p>بہم رکھا کرو شطرنج کی ہی بازی کاش نہ میسر بارے خاطر کا یار شاہر ہے</p>	<p>ہوتی نہیں تسلی دل گستاں سے بھی تایہ گرفتہ دامو کہاں لے کے جبا ئے</p>
<p>تسکین نہیں ہے جان کو آبِ اں سے بھی آئے ہیں اس کی بچکی میں تنگ جاں سے بھی مشکل ہے اب ہر لکے سہنے زباں سے بھی اکل اعتقاد رکھتا ہوں پیر مغاں سے بھی جھگڑا نہیں رہے ہے زمین آسماں سے بھی دریش یعنی میسر ہے جانا جہاں سے بھی</p>	<p>ہر چند دستِ بیج جواناں ہوں میں و لے جھنکھلا ہٹ اور غصے میں پھیراں یار کے دنیا سے درگزر کہ گزر رہا عجب ہے یہ</p>
<p>لشکر میں ہے نقیب اسی بات کے لیے کہتے ہیں لوگ کو قح ہے کل صبیحیاں سے بھی</p>	<p>عشق کیا ہے جب سے ہم نے دل کو کوئی ملتا ہے روز و رات لگا بھاتی سے وہ جو فوش پرکار گیا</p>
<p>اشک کی سُرخ زردی چہرہ کیا رنگ لگتا ہے دل تڑپے سے جان کچھے ہے سینہ سارا جلتا ہے عشق کا مارا آوارہ جو گھر سے اپنے نکلتا ہے جی بھی سنہلتا ہے اسکا پیر بعد از دیر سنہلتا ہے یعنی آنکھ نہ کھلنے پاوے قافلہ صبح کو جلتا ہے بل کر آسکو جلاتے کیا ہو آپ ہی جلتا لگتا ہے</p>	<p>گور غیر آراگہ اُسکو دنیا میں پھر کوئی نہیں صنعتِ داغی جسکو ہو و عشق کے رخ و محنت سے شورِ جبرس شبگیر کا غافل تیاری کا تکیہ ہے بال نہیں عاشق کے بدن پر ہرین موت سے نکلا دود</p>
<p>میر ستم کشہ کی ساجت ہے مشہور زمانہ کی جان دیے بن آگے سے اُسکے کوٹہ ظالم ملتا ہے</p>	<p>جب سے ستارہ صبح کا نکلتا ہے آنسو جھکا ہے آدورفت دم کے اوپر ہم نے بنا ئے زلیست رکھی</p>
<p>دل تڑپا جو اس مہر رو بن سر کو ہارے دھمکا ہے دم سو ہوا ہے آئے نہ آئے کسکو بھر و ساد کم ہے ایر ہے باراں باور تک نگ بدن میں جھکا ہے دل اپنا تو زنجیری اُس زلفِ خم و خم کا ہے کیا بھلیکا میر کشش دہ تو مارا خم کا ہے</p>	<p>کہہ صوفی حل میخانے میں لطف نہیں بسج میں کیا امید رہائی رکھے ہم سارفتہ وارفستہ دل کی نہیں بیماری ایسی جس میں ہو امید ہی</p>

خواہش دل کی کس سے کہیئے محرم تو نا پیدا ہے
چپ ہیں کچھ کہہ سکتے نہیں پر جی میں ہمارے کیا کیا ہے
ہیں متوقع پیش اُس کے ہم جو گرے ہیں بستر پر
رہنا اس بد حالی ہی سے اپنے حق میں اچھا ہے

میر جی کی بیماری دل کو کب سے ہم سب ملتے ہیں
یو چھے کوئی مزاج کو اس کے ان روزوں میں کیسا ہے

صبر کیا جاتا نہیں ہم سے صفت بھی ہے بیابی ہے
سہل نہیں ہے جی کا ڈھنکسی خانہ خسرابی ہے
آگے ایسا نکھر نکھرا کا ہے کو میں پھسرتا تھا
جب سے آنکھ لگی اُس مہ سے رنگ مرا متابی ہے
کس سے سبب میں پوچھوں یارب اپنی سندش سینہ کا
چھاتی جو جلتی رہتی ہے ات گت آگ گویا بیابی ہے
ریخ و عن نے عشق کے محکورا مت سے یو اس کیا
دل کے تئیں بیابی ہے مری آنکھوں کو بخوابی ہے
ابر کوئی رویا ہے شاید برسوں وادی لیلے میں
سیر کیا وہ قطعہ زمیں کا اب تک بھی سیرابی ہے
شہر حسن عجب بستی ہے ڈھونڈھے پیدا مہر نہیں
ہے تو متاع گراں قیمت پر اس کی بلانا یا بیابی ہے

وہ بد روز و روا عاشق شاعر شافل کامل میر
کہہ کہیے میں دیر میں گا ہے کیا کا فر حرابی ہے

دل کی بات کہی نہیں جاتی چپکے رہنا ٹھانا ہے
حال اگر ہے ایسا ہی تو جی سے جانا جانا ہے
اُس کی نگاہ تیرے میرے دوش و بربران روزوں
یعنی دل پہلو میں میرے تیرے تیرے کا نشانہ ہے
ال جو ہے تو پانوں کو بھی دامن میں ہم کھینچ رکھیں

صبح سے لے کر ساغھ تلک اودھر ہی آنا جانا ہے
 سرخ کھو آنسو ہیں ہوتے زرد کھو ہے منہ میرا
 کیا کیا رنگ محبت کے ہیں یہ بھی ایک زمانہ ہے
 اس نو میدی بغایت پر کس مقدار کڑھا کرے
 دودم جیتے رہنا ہے تو قیامت تک مر جانا ہے
 فرصت ہے یا کم رہنے کی بات نہیں کچھ کہنے کی
 آنکھیں ٹھول کے کان جو کھو لو نرم جہاں فسانا ہے
 فائدہ ہو گا کیا مرتب ناصح ہرزہ درائی سے
 کس کی نصیحت کون سنے ہے عاشق تو دیوانا ہے
 تیغ تلے ہی اُس کے کیوں نہ گردن ڈال کے جاٹھیں
 سر تو آخر کار ہیں بھی خاک کی اور جھکانا ہے

آنکھوں کی یہ مردم داری دل کو کسو دیر سے ہے
 طرز نگہ طراری ساری مہر مٹھیں بچانا ہے

کلید پنج اگر دھتھہ یار کا آوے
 ہمارے جان بول پر سے سونو گوش لگی
 تو دل کہ قفل سب سے ہے کیا کھلاوے
 کہ اس کے آنے کی سن گن کچھ باجی پاوے

بہار لوٹے ہیں میراب کی طائر آزاد
 نسیم کیا ہے دو گلبرگ اگر ادھر لافے

میں اُس کی جدائی میں تصدیق بہت پائی
 اس رفتہ کی جاں بخشی تک آتے ہوئے اسکے
 درویشی و کم پائی بے صبری و تنہائی
 رکھتے ہی قدم مجھ میں پھر جان گئی آئی
 بیتابی دل سر پر ایک اور بلا لائی
 ڈرتا ہوں کہے ریجھا کیا تیغ ستم کھائی
 اس میرے جواحت پر کل داور محشر بھی

اے میر کے دیں ہیں جب تک نہ نصیب ہو
 کر شکر ملی ہے جو اس در کی جبین سانی

کیا کیا ہم نے رنج اٹھائے کیا کیا ہم بھی شکایت تھے
 دودن جوں توں جیتے رہے سو مرنے ہی کے مہیا تھے

عشق کیا سوا تیں بنا میں عین شمع شمع رہا
 بیتیں جو دے مشور ہوئیں تو شہر و شہروں سوا تھے
 کیا پگڑی کو پیر کے رکھتے کیا سر پہ نہ ہوتا تھا
 لطف نہیں اب کیا کہیں کچھ آگے ہم بھی کیا کیا تھے
 اب کی وصال قرار دیا ہے تجری کی سی حالت میں
 ایک سیہ میں دل بجا تھا تو بھی ہم دے کیجھا تھے

کیا ہوتا جو یاس اپنے اسے سر کھینچو دے آجائے
 عاشق تھے دردیش تھے آخر بیکس بھی تھے تنہا تھے

دکھ کی اُس کے جو خبر گزرے	رفتہ وارفتہ اُس کا مگر گزرے
ایک بل بھی اُس سے آنسو پہچے	روئے جلو پہر پہر گزرے
جوئے خون نکھوں سے بے شاید	خون سے میرے بھی دے گزرے
راہ جاناں سے پہ گزر مشکل	جان ہی سے کوئی مگر گزرے
ارے غیروں کو یا مرے عاشق	کچھ نہ کچھ چاہئے کہ گزرے
غنیچہ ہو شرم سے ان آنکھوں کے	اُن تر گس اگر نظر گزرے

سرا کا ہا ہی ہر قدم ہے میر
 کیا کوئی اس کی راہ پر گزرے

جب سے آنکھیں کھلی ہیں اپنی درد و رنج و غم دیکھے
 ان ہی دیدہ نہدیدوں سے کیا کیا ہم نے تم دیکھے
 سر جانے کی اور اپنے زہار نگاہ نہ کی ہم نے
 اُٹھ کے اندھا دھند آئے چلے ہی اس ظالم کے قدم دیکھے
 عالم ہیبت جموعی سے ایک عجیب مرقع ہے
 ہر صفحہ میں ورق ہیں اُس کے دیکھے تو عالم دیکھے
 زخم نہ ہو دیں کیونکر غائر چھاتی میں دل خستوں کے
 تیرنگاہ یار جاگر پر گتے ہوئے پیہم دیکھے
 یار کے در پر ذکر ہے کیا ہنگامہ روزِ محشر کا

	اس کو بچے میں قیامت سے تو میر بہت اذ و ہم دیکھے	
<p>آنگھیں اس سے لگیں سو خواب گئی بچوں میں رہی خسراب گئی اشک کی موتی کی سی آب گئی عمر افسوس کیا شتاب گئی</p>	<p>خواہش دل سے جی کی تاب گئی بھول سے بھی تھی خوب و ختر تاک کر کر اُسکی مٹلی کی خاک میں نعت بوئے گل یا تو اسے طبل تھی</p>	
	<p>ملک حسن سبز سے اے میر ساری کیفیت شراب گئی</p>	
<p>پنچہ خورشید کا گہا بھی جائے پر کسو پا سے گر رہا بھی جائے رد برد اس کے جو رہا بھی جائے بے بہتیرا رہ رہا بھی جائے</p>	<p>یارب اُس کا ستم سہا بھی جائے دیکھ رہے خسرام ناز اُس کا درودوں سے کسے عاشق حیرت گل سے آج بھٹھکا</p>	
	<p>کیا کوئی اُس گلی میں آوے میر اوسے تو لوہو میں نہا بھی جائے</p>	
<p>جب سے کلاہ سر پہ رکھی در بدر رہے سم خانان خراب نہ جانا کہ عسر رہے شکوہ بھی اُس سے کیجئے جسکو خبر ہے اس چاہ کا ہے لطف جو آپس میں درد رہے تہ کچھ بھی جو نہ ہو دے تو کیا چشم تر رہے ناچار ہو کے واں جو گئے اب سو مر رہے جوں لشکر شکستہ یریشاں اثر رہے</p>	<p>اب ترک کر لباس تو کل ہی کر رہے اس وشت سے غبار سہارا نہ ٹھک اٹھا آئے سے اس طرف کے ترے میں غش کیا دونوں طرف سے دیدہ درائی نہیں ہو خوب جنتک ہو خون دل میں جگر میں فرو ہوں نم رہنا گلی میں اُسکی نہ جیتے جی ہو سکا عاشق خراب حال ترے ہیں گرے پڑے</p>	
	<p>عیب آدمی کا ہے جو رہے اس دیا رہیں مطلق جہاں نہ میر رواج نہ رہے</p>	
<p>شاخوں سمیت بھول نہالوں کے جھک گئے افسوس ہے چین کی طرف تم ٹھک گئے ال و پر طیور چین میر پھک گئے</p>	<p>پھراب چلو چین میں کھلے شیخے ٹرک گئے چندیں ہزار دیدہ گل رہ گئے کھلے بھڑکی تھی جبکہ آتش گل بھول پڑ گیا</p>	

آج ہیں بیتابی سے ہی مبر کی دل سے رخصت تھی
 چاروں اور نگہ کرنے میں عالم عالم حسرت تھی
 کس محنت سے محبت کی تھی کس خواری سے یاری کی
 رنج ہی ساری عمر اٹھا یا کلفت تھی یا اُلفت تھی
 بزمی کیا عشق کی کہیے رسوائی سی رسوائی ہے
 صحرا صحرا وحشت بھی تھی دنیا دنیا تہمت تھی
 راہ کی کوئی ستانہ تھا یاں رستے میں مانند جبر کس
 شور سا کرتے جاتے تھے ہم بات کی کس کو طاقت تھی
 عہد ہمارا تیرا ہے یہ جس میں گم ہے ہر دو فنا
 اگلے زمانے میں تو یہی لوگوں کی رسم و عادت تھی
 خالی ہاتھ سپہ روا ہے کا ہے کو تھے گر یہ کتناں
 جن روزوں و ریش ہوئے تھے پاس ہمارے دوت تھی
 جوا اٹھتا ہے یاں سے بگو لاہم سا ہے آوارہ کوئی
 اس دادی میں مہر گر گزشتہ کسو کی تربت تھی

دیوان پنجم

از میر تقی میر دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دل رفتہ جمال ہے اس ذوالجلال کا ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود	مستجمع جمیع صفات و کمالات کا اودھر نہیں گزرا رگمان و خیال کا حال اور کچھ ہے یاں بھوکے حلق و قال کا جلوہ و گزرتہ نسب میں ہو اسکے جمال کا
--	--

مرنے کا بھی خیال رہے میرا اگر تھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کے

ہے حرفِ خامہ دل زدہ حسین قبول کا رہ پیر دی میں اسکی کہ گام نخست میں وہ مقتدائے خلق جہاں اب نہیں ہوا سر نہ کیا ہے وضع پے چشم اہل تقدس ہے متحد نبی و علی و وصی کی ذات دھو منہ ہزار پانی سے سوار پڑھ درود	یعنی خیال سر میں ہے نعتِ رسول کا ظاہر اثر ہے مقصد دل کے وصول کا پہلے ہی تھا امام نفوس و عقول کا احمد کی رہ گزار کی خاک و در وصول کا یاں حسرت معتبر نہیں ہر بوالفضل کا تب نام لے تو اس چمکتاں کے بھول کا
---	--

حاصل ہے میر دوستی اہل بیت اگر
تو غم ہے کیا نجات کے اپنی حصول کا

عشق تو بن رسوائی عالم باعث ہو رسولی کا ہر جو سیاحی جرمِ تہمیں اسکے سوا کچھ اور نہیں	میل دلی اس خود سر سے ہو پایا سی خدائی کا داغ ہے مہ کا آئینہ اس سطح رخ کی صفائی کا
--	--

<p>نزع میں میر سے حاضر تھا پر نگہ نہ پڑا اس کی پری کوشش میں سر راہ لیکن درپہنسی کو جانہ سکا رنگ سراپا اس کا ہوائے آگے دل غول تھی آہائش نادامی سے ہم نے جی دینا ٹھہرایا ہے</p>	<p>داغ چلا ہوا آہیں جہاں سے بار کی بے پروائی کا تن پر زبان شکر ہے ہر مو اپنی شکستہ پائی کا اب ہر جگر یک نعتا خسرہ اسکے رنگ حنائی کا کیا کیئے اندیشہ بڑا تھا اس کی منہ دکھائی کا</p>
<p>فرقت میں ہر صنف اسکا جوں عضو از جارتہ میر جو کشتہ ہے ظلم رسیدہ اسکے درد حسدانی کا</p>	<p>درد بہت بھاگو ہو ہے سیکھے فرقی خزانوں کا صورت گر کی پریشانی نے طول نہایت کھینچا ہے بہت کیا تھا پتھر میں سورج کے ہیں درخشاں نے سرو لب جو لالہ گل نسرین دہن میں شگوفہ ہی غنچہ ہوا ہے خار بیاباں بعد زیارت کرنے کے</p>
<p>دشت کرنا شیوہ ہے کیا اچھی آنکھوں والوں کا ہم نے کیوں بتا کر کیا تھا اسکے لبے بالوں کا پھید جگر میں کر دینا یہ کام ہے محروں نالوں کا دیکھو جدھر اک باغ لگا ہے اپنے رنگیں خیالوں کا یانی تبرک کرتے ہیں سب یا توں کیے چھالوں کا</p>	<p>پہلے تارک کچھ ہوتا تو نفع بھی ہوتا سو تو میر کام ہے آخر عشق میں اسکے بیماروں بد حالوں کا</p>
<p>تو بلبل آشیاں تیرا ہی میں پھولوں سے بھاؤنگا جو تو آرزوہ ہوتی ہے گلستاں میں نہ آؤنگا تسلی کو تجھاری سر پہ رکھ دو پھول لاؤنگا کہا تنگ ہر گھڑی کے روٹھے کو بہروں مناؤنگا نہ منہ کو پھیرے پھریاں نہ آؤنگا نہ جاؤنگا بلند اس تیغ کو ہونے تو دوسرے بھی جھکاؤنگا</p>	<p>اگر منتا اُسے سیر میں ابکی پاؤں گکا مجھے گل اسکے آگے خوش نہیں آتا کچھ اسپر ہی بشارت لے صبا دیو ایران نفس کو بھی و باغ ناز برداری نہیں ہے کم دماغی سے خشونت بدلوئی خشمگینی کس لیے اتنی ابھی ہوں منتظر جاتی ہے چشم شوق ہر جانب</p>
<p>بلا میں زیر سرموں کاش افتادہ ربوں ہوئیں اٹھا سر خاک سے تو میر ہنگامے اٹھاؤنگا</p>	<p>سوائے شہر ہے یا حرف دشمن ہمارا دل خون ہو گیا تھا غم لکھتے سور ہے ہے غل ریاض میں شب متاب کے نہیں محل میدان عشق میں تو قیمہ بدن ہوا ہے</p>
<p>کیا خاک میں ملا ہے افسوس فن ہمارا شنگرت کے قلم سا پر خون دہن ہمارا انگاریوں سے بھرا ہے اس بن عین ہمارا تہ کر کے خاک ہی میں رکھ دیں کفن ہمارا</p>	<p>سوائے شہر ہے یا حرف دشمن ہمارا دل خون ہو گیا تھا غم لکھتے سور ہے ہے غل ریاض میں شب متاب کے نہیں محل میدان عشق میں تو قیمہ بدن ہوا ہے</p>

<p>میر اُس کی آنکھیں دیکھیں بہنے سفر کو جاتے حسین بلا ہوا ہے سوا ب وطن ہمارا</p>	
<p>نکھ اپنا بکھو وہ ادھر کر رہے گا جو دلبر ہے ایسا تو دل جا چکا ہے ہر کام ہو قوت ہے وقت پر ہی نہوں کو خبر مر و ماں حال پر سے</p>	<p>ہمیں عشق ہے تو اثر کر رہے گا کسو روز آنکھوں میں گھر کر رہے گا دل خوں شدہ بھی جگر کر رہے گا مرانا نہ سب کو خبر کر رہے گا</p>
<p>میں شعر میں میر شمع ہو وہ دل اُس کا کوئی تو سہر کر رہے گا</p>	
<p>سخن مشتاق ہے عالم ہمارا رہے ہم عالم مستی میں اکثر بہت ہی دور ہم سے بھاگتے ہو بکھر جاتے ہیں کچھ گیسو تھارے</p>	<p>عنایت ہی جہاں میں دم ہمارا را کچھ اور ہی عالم ہمارا کر د ہو پاس کچھ تو کم ہمارا ہوا ہے کام دل برہم ہمارا</p>
<p>رہتے رہتے ہیں دل پر تھادی میر ہمیں شاید کہ ہے سب غم ہمارا</p>	
<p>کیا پوچھو ہو کیا کہیے میاں دل نے بھی کیا کام کیا عشق کیا نا کام رہا آخر کو کام تمام کیا عجز کیا سو اس مفسد نے قدر ہماری یہ کچھ کی تو رسی چڑھائی غصہ کیا جب ہم نے جھک کے سلام کیا کہنے کی بھی لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے آخر دل کی بیتیابی سے خط بھیجا پیغام کیا عشق کی تہمت جب نہ ہوئی تھی کا ہیکو ایسی شہرت تھی شہر میں اب رسوا ہیں یعنی بدنامی سے کام کیا رگستاں میں جا کے رہیا یا نگستاں میں ہم جو گی رات ہوئی جس جاگہ ہم کو ہم نے دہیں سہرام کیا خط و کتابت لکھنا اُس کو ترک کیا تھا اسی لیے</p>	

حسرت و سخن سے ٹپکا لو ہوا اب جو کچھ ارقام کیا
 تلخ اُس کا تو شہد و شکر ہے ذوق میں ہم ناکاموں کے
 لوگوں میں لیکن پوچھ کسایہ لطف بے ہنگام کیا
 جیسے کوئی جہاں سے جاوے رخصت اس حسرت ہوئے

اس کو چے سے نکل کر ہم نے زوہ تھا ہر کام کیا
 میر جو اُن نے منہ کو ادھر کریم سے کوئی بات کہی
 لطف کیا احسان کیا انعام کیا اکرام کیا

لاگ جی کی جس سے ہوشن ہے اپنی جان کا
 ایک جی اسے ہر مہون ایک ہے احسان کا
 یہ ٹھرا لایہ دیکھا حیا ہنا نادان کا
 رشک کے قابل ہے جو کشتہ ہے اس میدان کا
 ہل گیا جو صبح کو گوہر کسی کے کان کا
 عرصہ عشر ہے عرصہ میرے بھی دیوان کا
 زرد اس غم دیدہ کو آزار ہے یرقان کا
 اس کا لعل لب نہیں محتاج رنگ پان کا

عشق ہو حیوان کا یا انس ہو انسان کا
 عاشق و معشوق کی میں طرفہ صحبت تیر کی
 میں خرد کم عشق میں اس رٹ کے آخرو ہوا
 مرناسکے عشق میں خالی نہیں ہے حسن سے
 گر پڑینگے ڈٹ کر اکثر ستارے چرخ سے
 ہر درق ہر صفحہ میں ایک شعر شور انگیز ہے
 کیا ملاوے آنکھ نرگس اسکی چشم سُرخ سے
 بات کرتے جائے ہے منہ تک مخاطب کے جھلک

کیا کہوں سارا زمانہ کشتہ و مردہ ہے میر
 اس کے اک انداز کا اک ناز کا اک آن کا

جی کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا
 دل نے ایسا کام کیا کچھ جس سے میں ناکام گیا
 خواب گئی ہے تاب گئی ہے چین گیا آرام گیا
 آج گیا یا کل جاوے گا صبح گیا یا شام گیا
 اب کیا ہے وہ عہد گیا وہ موسم وہ ہنگام گیا
 لطف گیا احسان گیا انعام گیا اکرام گیا
 اب جو قرار کیا ہے دل سے خط بھی گیا پیغام گیا
 شاید شہر سے ظالم کے عاشق وہ بدنام گیا

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا
 عشق کیا سودین گیا اینان گیا اسلام گیا
 کس کس لپٹی کل کو روئے ہجر میں بیکل گیا
 آیا یاں سے جانا ہے تو جی کا چھپنا کیا حاصل گیا
 ہائے جوانی کیا کیا کہیے شورش سروں میں تھکتے تھے
 گالی جھڑکی شتم و خشت یہ تو سروسرست اکثر ہیں
 لکھنا کہنا ترک ہوا تھا آپس میں تو مدت سے
 نالہ میر سو ادیں ہم کدویشیں شب سے نہیں آ

<p>طوبتِ مشہد کو کل جو جاؤں گا وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا پھانتا ہوں کسی گلی کی خاک اسکے در پہ گئی ہے تاب توں</p>	<p>تیغِ قاتل کو سرِ خطہ صاؤں گا کیا جدائی کو مُنہ دکھاؤں گا دل کو اپنے کبھو تو پاؤں گا گھر تلک اپنے کیوں کہ جاؤں گا</p>
<p>لوٹنا ہے ہمارے منہ کی نخط میر میں اس پہ زہر کھاؤں گا</p>	
<p>خیال چھوڑ دے واعظ تو بیگناہی کا سیاہِ بخت ہی میرے مجھے کفایت ہے</p>	<p>رکھے ہے شوق اگر رحمتِ الہی کا لیا ہے داغ نے دامنِ سیاہی کا</p>
<p>کسو کے حسن کے شعلہ کے آگے اڑتا ہوں سلوک میر سنو میرے رنگ کا ہی کا</p>	
<p>ہر جا پھر اُغبار ہمارا اڑا ہوا لہ سحر نے دل کی نہ کھولی گر بھی</p>	<p>تیری گلی میں لالی صبا تو بجا ہوا آخر نسیم سے بھی یہ غنچہ نہ دا ہوا</p>
<p>دسے میرا اثر جو سوزِ دل میں کھے ہیں نالے کیے جس نے بہت سے تو کیا ہوا</p>	
<p>پہلو سے اٹھ گیا ہے وہ نازیں ہمارا ہوں کیوں نہ سنا اپنے حرفِ غزل ہے یہ کیسا کیا جگر خوں آزار کیسے کھینچے حرف و سخن تھے اپنے یادِ اُتار جہاں میں کیا رنگاں تہوں کو دیکر ہوئے ہیں کافر نعتِ جگر بھی اپنا یا قوتِ نابا ہے کیا خاک میں ملایا ہم کو سپردوں نے حالت ہے نزع کی یاں دکھ جاتے ہیں ہم</p>	<p>جز دردِ اب نہیں ہے پہلوئیں ہمارا دسے زرعِ سیر حاصل قطعِ زیں ہمارا آساں نہیں ہوا دل اندھ گئیں ہمارا مذکور بھی نہیں ہے یا اب کہیں ہمارا ارثِ پدر جو اب تھا یہ کہنہ دیں ہمارا قطرہِ سرشک کا ہے دُورِ تیں ہمارا ٹھونڈا نشانِ تربت پاتے نہیں ہمارا آنکھوں میں منتظر ہے دم واپس ہمارا</p>
<p>اک عمرِ مردِ رزی جتنے سبب سے کی تھی پاتے ہیں میرا ان کو سرِ گم کہیں ہمارا</p>	
<p>آج ہمارا دل تڑپے ہے کوئی ادھر سے آویگا</p>	<p>یا کہ نوشتہ آن ہاتھوں کا قاصد ہم تک لاویگا</p>

ہم نہیں کہتے اسلیے اسکو شوخ بہت کہ وہ لڑکا رخ بہت کھینچے تھے ہم نے طاقت جی کی تھی موی اندھے سے ہم چاہ میں سکی گوانے واضح پتے ہیں عاشق ہوئے وہ بھی یا رب کچھ اس کے کہا جائے عاشق کی دلجوئی کی بھی راہ درسم سے واقف را آنکھیں منور سے یہ دلبر کھاتے رہیں سو بہتر ہے کیا صورت ہے کیا قامت ہی دست پا کیا ناز ہیں	خط کا کاغذ بادی کر گیا یاد کا رخ بتلا دے گا اپنے کیے پر یاد ہے یہ بھی بہت پچتا دے گا سو جتنا بھی سحر کر لے کیا تو ہم کو سمجھاوے گا یعنی حال سنئے گا دل سے ل چکی سے لگا دے گا ہو جو ایسا کم شدہ اپنا اسکو نہ تو پھر یاد دے گا چشمک کرنا ایک آنکھوں کا سو سو فتنے جگا دے گا ایسے تیل منہ دیکھو جو کوئی کلال بنا دے گا
--	---

چتون بے دھب آنکھیں پھری ہیں پلوں بھی نظر چھوٹی عشق ابھی کیا جانیے ہم کو کیا کیا میسر دکھاوے گا

انے نکلیے یہ تھی کہاں کی ادا بات کہنے میں گالیاں دے رہے	کھپ گئی جی میں تیری بانی ادا دیکھو اس سر سے ہرزباں کی ادا
--	--

خاک میں مل کے میسر ہم سمجھے بے ادائی تھی آسمان کی ادا
--

رہا میں تو عزت کا عسند از کرتا نہ بھلا مرے پاس لڑنے اتیک تو حکمین سے کچھ نہ بولا و گرنہ گلو گیر ہی ہو گئی یا وہ گوئی نہ حیرت میں محتاج رونے کا ہوتا	چلا عشق خواری کو مت از کرتا اُسے آپ سا ہی میں جاننا ز کرتا تو کا ہی کو الفت سے میں ساز کرتا رہا میں خموشی کو آواز کرتا جو کچھ آنسو آگے پس انداز کرتا
---	--

زیارت گم کہک تو ہو بلا سے تک میسر کی خاک پر ناز کرتا

شیخِ حرم سے لڑکے چلا ہوں اب کعبہ میں نہ آؤں گا
تا بختانہ ہر قدم اوپر سجدہ کرتا جاؤں گا
مہرِ پیشِ پیشِ صنم ہاتھوں سے قیس رہبان کے
رشتہ سب سے تڑاؤں گا ز تار گلے سے بندھاؤں گا
رودِ دیر کے پانی سے یا آبِ چاہ سے اُس جا کے

واسطے طاعت کفر کے میں دونوں وقت نہاؤں گا
 طائف رتہ کعبہ کا جو کوئی مجھ سے پوچھے گا
 جانب دیرِ نثار ت کر کے راہ ادھر کی بھلاؤں گا
 بیدین اب جو ہوا سو ہوا ہوں طوب حرم سے مجھ کو کیا
 غیسرا ز سوئے صنم خانہ میں رونہ ادھر کو لاؤں گا

آگے مسافر میر عسرب میں اور عجم میں کہتے ہیں
 اب شہروں میں ہندوستان کے کافر میر کہاؤں گا
 کیسی سچی جاوٹ لے کی آخر کار ہلاک کیا
 ایسا پلید آلودہ دنیا خلق نہ آگے ہوا ہو گا
 قدرت حق میں کیا قدرت جو غل سو کی فضولی کرے
 آہ سے تھے رنجے پھاتی میں پھلنا انکا یہ سہل تھا
 کیا کیا چرخ نے چکر مارے پس کے مجھ کو خاک کیا
 شیخ شہر موات کہتے ہیں شہر خدا نے پاک کیا
 اسکو کیا پر کالہ آتش مجھ کو حسنِ خاشاک کیا
 دودھ اتھڑ پ کر دل نے سینہ عاشق چاک کیا

جو کر ہوا حزن و بکا سے میر ہمارا یو نہیں نہیں
 برسوں روتے کرٹھتے رہے تب ہم دل کو غناک کیا
 بعد ہمارے اس فن کا جو کوئی ماہر ہو سکے گا
 چشم تراشاوا ہو کہ تو دیکھا بھائی غنیمت ہے
 درد آئیں انداز کی باتیں اکثر ٹپھڑھڑو دیکھا
 مت موندے آنکھوں کو غافل نہ ہو گک پھر سو دیکھا
 جست و جو بھی اُس کی کرے جسکا نشان کچھ پیدا ہو
 پانا اُس کا میر ہے مشکل جی تو یو نہیں کھو دیکھا

رکھے تھا ہاتھ میں سر رشتہ جہت سینے کا
 اے طیش لو ہو پیہ میرا جو تو جھوٹے کے
 رہ گیا دیکھ رفو چاک مرے سینے کا
 کس سے یہ قاعدہ سیکھا ہے لہو پیہ کا
 میر کی بغض پہ رکھ ہاتھ لگا کہنے طیب
 آج کی رات یہ بیمار نہیں جینے کا

ہمید آئندہ تک رہے گا گلا
 دُوبے لو ہو میں دیکھتے سرخار
 ہو گئی عید تو گلے نہ ملا
 حیف کوئی بھی آبلہ نہ چھلا

میر افسردہ دل چمن میں پھرا
 فتنہ دل کہیں نہ اسکا کھلا

<p>سہل آگے اُسکے مروں دشوار ہو گیا وہ جان بچکے ہی خسریا رہو گیا میں چاروں ہیں جینے سے بیزار ہو گیا ہجران میں کڑھتے کڑھتے ہی بیمار ہو گیا تھی دل کو میرے چوٹ کڑھتا رہو گیا پریش طسرد دیکھ کے ہشیا رہو گیا</p>	<p>ناگاہ جس کو عشق کا آزار ہو گیا ہے محسن کیا متاع کہ جسکو نظر بڑی برسوں تیں جان میں کیونکر رہا ہے خضر ہم بستری بن اُسکی میں صاحب فرشتہ ہیں ہم دام تھے سوچھٹ گئے سبام سے اٹھے اُس کی نگاہ مست کا کھایا ہی تھا قریب</p>
<p>کیا متعلق تھا میر پر آئین عشق میں مجرم سا کشت و خون کا سزاوار ہو گیا</p>	
<p>نہیں کیا سیل اشک اس پر ہو گیا کی کیا ہوگی جو اک میں نہ ہو گیا</p>	<p>سندر کا میں کیوں احساں ہو گیا ترے غم کے ہیں خواہاں سب کھا غم</p>
<p>نہ وہ آدے نہ جاوے بقدراری کسو دن میری نہیں مر رہو گیا</p>	
<p>پہرتے پہرتے اُس کے لیے میں آخر دشت نور دہوا دیکھ آنکھیں وہ سرمہ آگین پھر دنیا لہ گر دہوا جیتے جی میت کے رنگوں لوگ مجھے اب پاتے ہیں جوش بہار عشق میں لہنی سرتاپا میں زرد دہوا گرم مزاج رہا نہیں اپنا دیے اس کی ہجران میں ہوتے ہوتے افسردہ دیکھو گے اک دن سرد دہوا</p>	
<p>میر نہ اپنے درد دل کو مجھ سے کہا کر روز و شب صبح جو گوش دل سے مٹا تھا دل میں میرے درد دہوا</p>	
<p>تازہ کیا پیمان صنم سے دین گیا ایمان گیا گوش زوالتھے تھے نالے کسو شور گیا بچان گیا اس حد تک یہ کثرت ہر یاں میرا سب کیا گیا جو طالب سہا سہا یا خاک بھی یاں کی بھان گیا اب سر خاک بھی ہو جاؤ تو میرے کیا احسان گیا</p>	<p>عشق صمد میں جان چلی وہ جاہت کا ارمان گیا میں جو گدایا نہ چلا یا در پر اُسکے نصف شب آگے عالم عین تھا اسکا اب عین عالم ہے وہ مطلب کا سرشتہ کم ہر کوشش کی کوتاہی نہیں خاک سے آدم کر دکھلایا یہ منت کیا چھوڑی ہے</p>

ترک بچہ سے عشق کیا تھا رنجتے کیا کیا ہیں کئے	رقہ رقتہ ہندستان سے شعر مرا ایران گیا
کیونکہ جہت ہو دل کو اُس سے میر مقام حیرت ہے	چاروں اور نہیں ہے کوئی یاں اں نہیں دھیان گیا
دل تڑپے سے جان بچے ہے حال جگر کا کیا ہوگا	بجنوں بجنوں لوگ کسے ہیں بجنوں کب ہم سا ہوگا
دیدہ ترک کو سمجھ کر اپنا ہم نے کیا کیا حفاظت کی	آہ نہ جانا روستے روستے یہ حیشمہ دریا ہوگا
کیا جانیں آشفقہ دلاں کچھ ان سے ہم کو بحث نہیں	وہ جانے گا حال ہمارا جس کا دل بیجا ہوگا
پانوں خالی اُس کے لیے آنکھوں پر اپنے ہم لے رکھے	یہ دیکھتا نہ رنگ کفک پر ہنگامہ کب برپا ہوگا
جاگہ سے بے تہ جاتے ہیں دعویٰ دسہی کرتے ہیں	اُن کو غم و رنا زرنہ ہوگا جن کو کچھ آتا ہوگا
رو بہ ہی اب لاہی چکے ہیں ہم سے قطع امید کرو	ردگ لگا ہے عشق کا جس کو وہ اب کیا اچھا ہوگا
دل کی لاگ کہیں جو ہو تو میر چھپائے اُس کو رکھ	یعنی عشق ہو اظاہر تو لوگوں میں رسوا ہوگا
جاذبہ میرا تھا کامل سو بندے کے وہ گھر آیا	شکر خدا کا کرے کہاں تک عہد فراق بسر آیا
بجلی سا وہ چمک گیا آنکھوں سے بھوویں ڈرے لگیں	ابر منت خفگی سے اس بن جی بھی رندھا دل بھر آیا
کل تھے سو سورنگ پر ایسا شور طیور بلند نہ تھا	اس کے رنگ چمن میں کوئی شاید بھول نظر آیا
سیل بلا جوشاں تھا لیکن پانی پانی شرم سے تھا	ساحل دریا خشک لبی دیکھے سے میرے تر آیا

کیا ہی خوش پر کار ہے دلبر تو چہ کشتی گیر اپنا
کوئی زبردست اس سے لڑ کر عمدہ سے کب بر آیا

صنعتگر یاں بہتری کیں لیک دروغ ہنزار دروغ
جس سے یار بھی ملتا ہم سے ایسا وہ نہ سہرا آیا

سیر پریشاں خاطر آ کر رات رہا بیتخانے میں
راہ رہی کعبہ کی اودھریہ سودائی کدھر آیا

ہرگز نہ ایدھر آئیں گے خلق خدا ملک خدا
جا کر کہیں کچھ پائیں گے خلق خدا ملک خدا
جو ہے مقدر کھائیں گے خلق خدا ملک خدا
مقسوم اپنا لائیں گے خلق خدا ملک خدا
کیا غیر ازین ٹھہرائیں گے خلق خدا ملک خدا
وہ بھی یہی فرمائیں گے خلق خدا ملک خدا

اب یاں سے ہم اٹھ جائیں گے خلق خدا ملک خدا
مطلب اگر یاں گم ہوا اندیشہ کی جاگہ نہیں
دل میں نہ جانے یہ کوئی ہم کھانیکو دیں پہلی تھیں
گو کھنڈ ویراں ہوا ہم اور آبادی میں جا
اب وی۔ پری گزری گئی ہم آجکل بے خانہاں
اس لبتی سے اٹھ جائیں گے درویشوں کی کشتی

تو میر ہو دیکھا جہاں امر فضا کے تاباں
روزی تجھے ہو نچائیں گے خلق خدا ملک خدا

آسمان پر گیا ہے ماہ تو کیا
یار ہووے نہ غدر خواہ تو کیا
ایک شب کا ہے اشتباہ تو کیا
وہ کرے سست یک نگاہ تو کیا
ہووے کالا کوئی سیاہ تو کیا
ہوئے دو چار رو براہ تو کیا
مل گئے اُس نے گاہ گاہ تو کیا
جمع باطل ہوں سوا کہ تو کیا

اُسکی سی جو چلے ہے راہ تو کیا
لڑکے لہنا ہے آپ سے بے لطف
کب رخ بدر روشن ایسا ہے
بمخرد خائفہ میں میں کو مست
اُسکے پہنچ گیسو کے آگے
حسن دانے ہیں بگردش سائے
دل رہے وصل جو دما رہے
ایک اللہ کا بہت ہے نام

میر کیا ہے فقیر مستغنی
آوے اُس پاس بادشاہ تو کیا

ہو کہ فقیر صبر مری گور پر گیا

بتیا بیوں کے جور سے میں جبکہ مر گیا

جلتا ہوں میں سنوں کہ جہنم ٹھہر گیا ہجرال میں اُسکے جی بھی گیا اوندہ رگیا	اے آہ سردِ عمرِ عشرت میں تیغ جھا مفلس سو مر گیا نہ ہوا وصل یار کا
تیری ہی رہ گزریں یہ جی جا رہا ہوں سینو کہ میر آج ہی نکل میں گزریا	
ہو کے عاشق بہت میں پھٹتا نخل ماتم مرا یہ پھیل لایا کیوں شگوفہ لے کھلنے کا آیا ہو سفیدی کا جس جگہ سایا	دل گیا مفت اور دکھ پایا مر گئے پر بھی سنگسار کیا صحن میں میرے لے گل قصاب یہ شب بھر ہے کھڑی نہ رہے
جب سے بخود ہوا ہے اُسکو دیکھ آپ میں میر پھر نہیں آیا	
مرنا عاشق کا ہونا ہو گیا الفنا کا اپنا آنا ہو گیا مجھ کو شکل منہ دکھانا ہو گیا اب سو وہ لڑکا سیانا ہو گیا یک بیک دل کا لگاتا ہو گیا الغرض دل کا ٹھکانا ہو گیا	بات کہتے جی کا جانا ہو گیا جائے بودن تو نہ تھی دنیا دل ماہ اسکو کہ کے سارے شہر میں کر رکھا تو نیک طفلی میں جسے اس بلا سے آہ میں غافل رہا کنج لب سے یار کے اچھا نہ ملک
رفتہ رفتہ اُس پر ہی کے عشق میں میر سا دانا دانا ہو گیا	
یاک ہوئی کشتی عالم کی آگے کن نے دم مارا باطل صفحہ ہستی پر میں خط کھینچا تو قلم مارا مارا ان سے دہنوں کو نیکن جھکو کر کے ستم مارا زانوں کو درہم اُن نے کیا سونا لہ کو برہم مارا تہہ کیا اس کتے نے کیا دوتا کے صیدِ حرم مارا خز کی کون سی جاگہ تھی یاں ایسا کیا رستم مارا اُس میداں کی خاک پہ پہنچے جرات کر کے قہم مارا	عشق بلا پر شور و شر نے جب میداں میں جسم مارا بودن بود کی اپنی حقیقت لکھنے کے شائستہ تھی غیر کے میرے مرجانے میں تفاوت ارض و سما کا ہر ان بالوں سے طلسم نہاں کا دریا تھا گو یا سب دور اُس قبلہ رو سے جھکو جلد رقیب نے مار رکھا کاٹ کے سر عاجز کا اُن نے اور بھی بیٹھی پھری جس مضمحل رستم کی بھی راہ نہ نکلی میر کبھی

<p>چاہ میں جو رہم پہ کم نہ ہوا خاندہ کیا نماز مسجد کا یار ہمراہ نقش جس دم تھا نہ گیا اس طرف کا خط لکھنا</p>	<p>عاشقی کی تو کچھ ستم نہ ہوا قد ہی محراب سا جو خم نہ ہوا واسے مرتے میں میرے دم نہ ہوا ہاتھ جب تک مرا قلم نہ ہوا</p>
<p>کل تلک انگوں سے خوں کے دامن میں پاگ تھا کیا جنوں کو روؤں ترستی سے اسکی گل نمط رو جو آئی رونے کی مڑگاں نہ ٹھہری ایک پل ایک ہی شمع شعلہ خوکے لایچے میں جل بھیا بادشاہ وقت تھا میں تخت تھا میرا داغ وہ حال تلوار اس جواں کے ساتھ اب بستی نہیں تنگ پوشی تنگ ورزی اسکی جی میں کھب گئی بات ہے جی مارنا باز کچھ قتل عام ہے غنچہ دل داہوا نہ باغوں باغوں میں پھرا</p>	<p>بدلی میں ہے میر خوش اُس سے دل کے جانے کا حیف غم نہ ہوا آج تو کشتہ کوئی کیا زینت فتراک تھا لے گریباں سے زہد امن تک ایک ہی چاک تھا راہ میں اس رود کے گویا حسن و خاشاک تھا جبتلک پہونچے کوئی پروانہ عاشق خاک تھا جی کے چاروں اوراک جوش گل تریاک تھا وہ جفا آئیں بنلا میں لڑکا ہی بیباک تھا کیا ہی وہ محبوب شش تر کینچ شش پوشاک تھا اب تو ہے صد چند اگر دہ چند وہ سفاک تھا اب بھی ہے دیا ہی جیسا پیشتر غناک تھا</p>
<p>جدا اس سچین سے کیسا سوتا بہت کی جستجو اس کی نہ پایا تماشا دیکھنے ہنستا چلا آ ہلکر کے زخم شاید ہیں نمک بند</p>	<p>دل کیا اس درس گہ میں میر عقل و فہم کو کس کے تئیں اُن صورتوں میں معنی کا اورک تھا کہ مٹی کوڑے کا اب ہے بچھونا ہمیں درمیش ہے اب جی کا کھونا کرے ہے شیشہ بازی میرا رونا نرہ کچھ آنسوؤں کا ہے سلونا</p>
<p>صیت میر نے مجھ ہی کی کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا</p>	<p>صیت میر نے مجھ ہی کی کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا</p>
<p>سرمازنا پھر سے یا کھڑے جگر کرنا کہتے ہیں اُدھر منہ کردہ رات کو سوتا ہے</p>	<p>اس عشق کی واوی میں ہر نوع بسر کرنا اے آو سحر گاہی ملک تو بھی اثر کرنا</p>

	دیواروں سے سر مارا تب رات سحر کی ہے اے صاحبِ عکس دل اب میری خبر کرنا	
دل کے خوں ہونے کا غم کیا اب سے تھا اسکی مقتولی کا ہم کو رشک ہے کون مل سکتا ہے اس ادا باش سے گرم ہٹنے والے دیکھے یا ر کے	سینہ کو بی سخت ماتم کب سے تھا دو قدم جو کشتہ آگے سب سے تھا اختلاط اس سے پہلے کھٹ سے تھا ایک ٹھنڈا ہو گیا اس تب سے تھا	
	چپ سی مجھ کو لگ گئی تھی تب سے میر شور ان شیریں لبوں کا جب سے تھا	
	عشق کیے پچھتائے ہم تو دل نہ کسو سے لگنا تھا جید حسر ہو وہ مہ نکلا اُس راہ نہ ہو جانا تھا	
غیریت کی اُس کی شکایت یا رعبت اب کرتے ہیں طور اس شوخ ستم پیشہ کا طفلی سے بچنا نہ تھا		
	بزم کی عیش شب کا یاں دن ہوتے ہی یہ رنگ ہو شمع کی جاگہ دو دتنگ تھا خاکستر پر دانا تھا	
دخل مروت عشق میں تھا تو دروازے سے تھوڑی دور بہرہ نقش عاشق کی اُس ظالم کو بھی آنا تھا		
	طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق دجنوں میں رفت و ثوب روتے روتے سینے لگا یہ میر عجب دیوانا تھا	
ناخن سے بلہوس کا گلا پوں ہی پھل گیا دل جمع تھا جو غنچہ کی رنگوں خزاں میں تھا بیدل ہوئے یہ کرتے تدارک جو رہتا ہوش	لو ہو لگا کے وہ بھی شہیدوں میں مل گیا اے کیا کہوں بہار گل زخم کھل گیا ہم آپ ہی میں آئے نہیں جبے دل گیا	
دانا بن باغبان و کھن گلفروش ہے یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے سنے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے اک شمع رہ گئی ہے سودہ بھی خاموش ہے یہ بھی لو لگا کے شہیدوں میں مل گیا	لے غالب ہے یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ لیا لطفِ خرام سانی و ذوقِ صدائے جنگ پہچدیم جو دیکھتے آکر تو بزم میں داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی ۵۲ ذوق سے گل سگم کے زخم رسیدوں میں مل گیا	

<p>زوروں چڑھا تھا عشق میں فریاد مل گیا یعنی کہ ہستی تنگ عدم بھی تحمل گیا دل جاگئے ہے دم بدم اودھری ہل گیا</p>	<p>دیکھا نہیں پہاڑ گراں سنگ یا سبک شبنم کی سی نمود سے تھا میں عرق عرق غم کھینچتے ہلا نہیں جاگہ سے کیا کروں</p>
<p>صورت نہ دیکھی دسی کتا وہ جبیں کہیں میں میر اس تلاش میں چین و چگل گیا کاشکے آہو شیم اپنا آنکھوں کو پانوں سے مل جاتا لاجھ کوئی کھینچتا سر تو عالم سارا میل جاتا سن آواز اس شیر نر کی سل بلا سے دہل جاتا چرخ پہ ہوتا وہ جو چھلا وہ خیل ملک کو پھل جاتا رستم سامنے ہو جاتا تو راہ بچا کر مل جاتا آن نکلتے سوئے چین تو رنگ ہوا کا بدل جاتا</p>	<p>ایک خواہش برائی تاجی کا غبار نکل جاتا تشہل کی لیٹو کا ہے یار کچھ عالم ہی جدا نعرہ کزنا عاشق کا ہے ساتھ اک ہیبت کے یعنی دل زمین تو کیا ہیں انکا سہل تھارہ سے لیجانا کشتی زبردستوں کی اس سے پاک ہوئی تو کیا ہے غم سے ہو کر زرد سر اس صورت ساری خزاں کی</p>
<p>دھلتے دھلتے ضعف سے آئے میر سو ان کے منہ بھر یا قوتی سے بوسہ لب کی جی شاید کہ سنبھل جاتا</p>	<p>دھلتے دھلتے ضعف سے آئے میر سو ان کے منہ بھر یا قوتی سے بوسہ لب کی جی شاید کہ سنبھل جاتا</p>
<p>کیسے رکتے تھے خفگی سے آخر کار جنوں ہوا جسم غم فرسودہ ہمارا زرد و زار و زبون ہوا</p>	<p>کیا کیا عشق میں رنج اٹھائے دل بنا سجن ہوا سڑپا ہے پہلو میں اب جب طاقت دل میں کچھ نہ رہی</p>
<p>جنگل میں میں رونے چلا تھا دل جو بھرا تھا میر بہت آیا سبیل آگے سے چلا گیا بخت سے مجھ کو شکون ہوا</p>	<p>جنگل میں میں رونے چلا تھا دل جو بھرا تھا میر بہت آیا سبیل آگے سے چلا گیا بخت سے مجھ کو شکون ہوا</p>
<p>تھا وہ بزدلہ زخموں پہ میں زخم کھا گیا لشکر نے غم کے آن کے مارا چلا گیا جو کوئی اسکے کان لگا کچھ لگا گیا جیسے جیسے گریہ کا ناہ جس سے جدا گیا دریائے گریہ جوش زماں تھا بہا گیا آخر کو رونا راتوں کا ہی دن دکھا گیا</p>	<p>آیا سو آب تیغ ہی محبو چٹا گیا کیا شہر خوش عمارت دل سے ہو گفتگو موقوف یا رغبہ جلانا مرا نہیں تنہائی بیکسی مری کدست تھی کہ میں کیا تم سے اپنے دل کی پریشانی میں کہوں روزانہ اب تو اپنے تئیں سو جھٹا نہیں</p>
<p>سرد زخمی بدی مری نوشنتنی ہو میر قاصد جو لے کے نامہ گیا سو بھلا گیا</p>	<p>سرد زخمی بدی مری نوشنتنی ہو میر قاصد جو لے کے نامہ گیا سو بھلا گیا</p>

<p>آٹھ پر رہتا ہے دانا کے دوری کے غم کا دس دن اپنی عمر کے گویا عشرہ تھا یہ حرم کا پائے ثبات نہ ٹھہرا دم بھر اس میدان میں تنہا ہوش آیا ہے جب سے سر میں شوق ہاں عالم کا دنیا ہوگا حساب کس کو یکدم ہی میں دم دم کا دل کے خون ہو ہیں ہمارے ہی طریق ہے عالم کا</p>	<p>کچھ اندیشہ ہو نہیں ہے اپنے حال درہم کا روتے کڑھتے خاک میں ملنے جلتے رہے ہم دنیا میں کشتی ہماری عشق میں کیا تھی ہاتھ لاتے پاگ ہوئی عالم ہستی کیا عالم تھا غم دنیا و دیں کا نہ تھا یاں واجب ہے ہکو تکویم لیویں تو شمر دیں بچاتی کوئی منہ نو چا سر سے ہے مارا پتھر چر</p>
<p>لیوں رنگ بھر لیا ہے ترے سیبِ ذوق کا آیا نہ بکھو ہم کو خیال اپنے وطن کا بلبل سے کوئی دیکھ لے انداز سخن کا لبش ہے نمک سار مرے زخم کن کا</p>	<p>لڑکے شوح بہت ہیں لیکن دیا مہر میں کوئی دھوم قیامت کی سی ہے بنگا مر گئے اودھم کا لکھیں نہیں جو کوئی بھی اس تازہ چمن کا غربت ہے دل و ذہن نہت شہر کی آگے جب زمرہ کرتی ہے صد جھپٹی ہوئی کب مشتِ نمک سے ہوئی تسکینِ جراحت</p>
<p>جو چاک گر بیان کہ دامن کی ہوزہ تک قربان کیا منہ سے چاک کفن کا</p>	<p>یہ توجہ دانی جوں توں کشتی ہے ملنے کی تو کیے گا پاس ہمارا گو نہ کرو تم پاس ہی اب سے رہے گا</p>
<p>روایت بابائے موحّدہ</p>	<p>کب سے صحبت بگڑی ہی ہے کیونکر کوئی بناوے اب ناز و نیاز کا جھاگڑا ایسا پس کے کنے بجاوے اب</p>
<p>سوچتے آتے ہیں جی میں پر بگڑی پر گل رکھے سے کس کو داغ رہا ہے اس کے جو حرفِ فشن اٹھاوے اب</p>	<p>تخ بلند ہوئی ہے اس کی قسمت ہوں گے زخیم رسا مرد اگر ہے صیدِ حرم تو کوئی جراحت کھاوے اب</p>
<p>داغ سرو سینے کے میرے حسرت آگیں جیتم ہو کے دیکھیں کیا کیا عشقِ تنم کش ہم لوگوں کو دکھاوے اب</p>	<p></p>

	دم دوم گھبراہٹ ہو تو ہو سکتا ہے تدارک بھی جی کی چال سے پیدا ہے سو تین گھڑی میں جاوے اب
دل کے داغ بھی گل ہیں لیکن دل کی تسلی ہوتی نہیں کاشکے وہ گلبرگ ادھر سے باد اڑا کر لاوے اب	
	اُس کی کفک کی پامالی میں دل جو گیا تھا شاید میر یار ادھر ہو مائل ملک تو وہ رقتہ رقتہ آوے اب
خوں بستہ رہتیاں تھیں پلکیں سواب ہیں سب اوجڑ دکھائی دے ہیں شہرودہ ونگر سب پیادے سوار ہم کو آئے نظرِ نفر سب ظاہر کھلی ہیں آنکھیں لیکن میں بخیر سب	دل خوں ہوا تھا یکسر پانی ہوا جگر سب یار بکدھر گئے وہ جو آدمی روش تھے حرف و سخن سے مطلق یاں گفتگو نہیں ہے عالم کے لوگوں کا ہے تصویر کا سا عالم
	میر اس خرابے میں کیا آباد ہووے کوئی دیوار و درگزرے ہیں ڈیراں پڑے ہیں گھر سب
زنجیر ہے مناسب سمیڑ ہے مناسب صحبت جو ایسی ہووے دگر ہے مناسب خونریزی میں ہماری تاخیر ہے مناسب احوال کی ہمارے تشہیر ہے مناسب اس خانہ خدا کی تعمیر ہے مناسب اس خواب کی نہ کرنی تعمیر ہے مناسب اسلامیوں کی یاں کے تکفیر ہے مناسب گزر سی سو گزری کیا اب تحریر ہے مناسب	عشق و جنوں کی کیا اب تدبیر ہے مناسب دوری شعلہ خویاں آخر جلا رکھے گی جلدی نہ قتل میں کر پھپھکا دیکھا بہت تو رسوائے شہر ہونا عزت ہے عاشقی میں دل کی خرابی کے تو درپے ہے اے صنم تو شب اُسکو میں نے دیکھا سوتے بغل میں اپنے رحم آشنا کسو کو اس بستی میں نہ پایا ہے سرگزشت اپنی نہ نوشتنی ہی بہتر
	دنیا میں کوئی پھر پھر آیا ہیں ہر صاحب اکبار تم کو مرنا ہی تعمیر ہے مناسب
تاپ عشق نہیں ہے دل کو جی بھی بے طاقت ہے اب یعنی سفر ہے دور کا آگے اور اپنی رخصت ہے اب وصل میں کیا کیا معبتین رنگیں کس کس عیش میں دن گزرے	

تہا بیٹھ رہے ہیں یک سو تیس میں یہ صحبت ہے اب
 جب سے بنائے صبح سستی و دو دم پر یاں ٹھہرا ہے
 کیا کیا کرے اس حلت میں کچھ بھی نہیں فرصت ہے اب
 چور اچکے سکھ مرہٹے شاہ و گداز خواہاں ہیں
 چین میں ہیں جو کچھ نہیں رکھتے فقر ہی اک دولت ہے اب

پانوں پہ سر رکھنے کی جگہ رخصت دی تھی میرا ان نے
 کیا بوجھ ہو سر پہ میرے منت سی منت ہے اب

سادے جتنے نظر آتے ہیں دیکھو تو عیار ہیں سب
 زرد و زار و زبوں جو ہم ہیں چاہت کے بیمار ہیں سب
 سیل سے لگے عاشق ہوویں تو جوش و خروش بھر دیں
 تہ پائی نہیں جاتی ان کی دریا سے تہ دار ہیں سب
 ایک پریشاں طرفہ جماعت دیکھی چاہنے والوں کی
 جینے کے خواہاں نہیں ہیں مرنے کو تیار ہیں سب
 کیا کیا خواہشیں بکیں بے بس مشاق اس سے لکھتے ہیں
 لیکن دیکھ کے رہ جاتے ہیں چپکے سے ناچار ہیں سب

عشق جنھوں کا پیشہ ہووے سیکڑوں ہوں تو ایک ہی ہیں
 کو کہن و مجنون دو امتی میر ہمارے یار ہیں سب

کاوش سے ان پلوں کی رہتی ہے خلش جگر میں اب
 سیدھی نظر جو اس کی نہیں ہے اس ہوا اپنی نظریں اب
 موسم گل کا شاید آیا داغ جنوں کے سیاہ ہوئے
 دل کھینچتا ہے جانب صحرا جی نہیں لگتا گھر میں اب
 نقش نہیں پانی میں ابھرتا یہ تو کوئی اچنبھا ہے
 صورت خوب اس کی ہے پھرتی اکثر چشم تریں اب
 ایک جگہ پر جیسے بھونہ ہیں لیکن چپکے رہتا ہے
 یعنی وطن دریا ہے اس میں چار طرف ہیں سفر میں اب

<p>حسرت نے ملنے کی آیا میرا تمہارا خون پیا تیغ و تبر اس ترک بچے ظالم کے نہیں ہر کمر میں اب</p>	
<p>باہم ہوئی ہے ترک ملاقات کیا سبب ہم تو تمہارے حسن کی حیرت میں نمودش ہم تیرہ روز آپ سے تم بن سحر گئے اسکی نگاہ مست تو او دھڑکتی پڑی</p>	<p>اب کم بہت ہے ہم پہ غایات کیا سبب تم ہم سے کوئی کرتے نہیں بات کیا سبب آئے نہ تم ہمارے کئے رات کیا سبب مسجد جو ہو گئی ہے خرابیات کیا سبب</p>
<p>تھا مرتبہ ہمیشہ سگ یار کا بلند ہے میرے سلوک مساوات کیا سبب</p>	
<p>دل کے گئے بیکیں کہلائے ایسا کہاں سہم ہے اب کون ایسے محروم عمیں کا ہمارا دم محرم ہے اب</p>	
<p>سینہ زنی سے غمزدگی ہے سر دھنا ہے رونا ہے دل جو ہمارا خون ہوا ہے اس سے بلا ماتم ہے اب</p>	
<p>حسن کے حال کسو کے دل کا رونا ہی مجھ کو آتا تھا یعنی کبھی جو کڑھتا تھا میں وہ رونا ہر دم ہے اب</p>	
<p>زردی چہرہ تن کی تڑا رہی بیماری پھر چاہت ہے دل میں غم ہے مرگاں کم ہیں حال بہت درہم ہے اب</p>	
<p>دیکھیں دن کتنے ہیں کیونکر راتیں کیونکر گزرتی ہیں بیابانی ہے زیادہ زیادہ صبر بہت کم ہے اب</p>	
<p>عشق ہمارا آہ نہ پوچھو کیا کیا رنگ بدلتا ہے خون ہوا دل داغ ہوا پھر درد ہوا پھر غم ہے اب</p>	
<p>ملنے والو پھر ملے گا ہے وہ عالم دیگر میں میر فقیر کو شکر ہے یعنی مستی کا عالم ہے اب</p>	
<p>رویت تائے فوقانی</p>	
<p>دل کی تہ کی کسی نہیں جاتی نازک ہیں اسرار بہت انچھ ہیں تو عشق کے دوسری لیکن ہے بتا بہت</p>	

کافر مسلم دونوں ہوئے پر نسبت اس سے کچھ نہ ہوئی
بہت بے تسبیح پھر سے ہم بہت ہے زنا زار بہت

ہجرت نے جی ہی مارا ہمارا کیا کیئے کیا مشکل ہے
اس سے جدار ہٹا ہوتا ہے جس سے ہمیں ہے بیمار بہت

منہ کی زردی تن کی تراری چشم تر پر چھائی ہے
عشق میں اُس کے معنی ہم نے کھینچے ہیں زار بہت

کہہ کے قافلِ اُن نے کیا تھا لیکن تقصیر اپنی ہے
کام کھینچا جو تیغ تک اُس کی ہم نے کیا اصرار بہت

حرف و سخن اب تنگ ہوا ہے ان لوگوں کے ساتھ اپنے
منہ کرنے سے جن کی طرف آتی تھی ہم کو عار بہت

رات سے شہر اس بستی میں سر کے اُٹھ جانے کی ہے
جنگل میں جو جلد سا جا شہر تھا بیمار بہت

باد صبا نے اہلِ سخن میں اس چہرے کی چلائی بات
اس لب و لہجے پر بلبل کو اُسکے آگے نہ آئی بات

دورِ تلک قاصد کے پیچھے کچھ کہتا میں جاتا تھا
خوش تشکشِ ظالم نے کیا رفتہ رفتہ بڑھائی بات

اُگ ہو آتے ہی میرے لال آنکھیں گر گھوڑ رہا
کیا جانوں سرگوشی میں کیا غیر نے اُس سے لگائی بات

عمل کو نسبت ان مونٹوں سے دنیا سب کا قصع تھا
کچھ بن آئی جب نہ گسو سے تب یہ ایک بنائی بات

غیر سے کچھ کچھ کہتا تھا سو سامنے سے میرا آیا میں
پھیر لیا منہ تیری طرف سے یعنی مجھ سے بھپائی بات

زرد ہیں چہرے سوکھ گئے ہیں یعنی ہیں بیمار بہت
عشق کی گرمی دل کو پہنچی کہتے ہی آزار بہت

نالہ دزاری سے عاشق کے کیا ابر ہاری طرف ہوگا

دل ہے نالال حد سے زیادہ آنکھیں ہیں خوبا رہبت	
برسوں ہوئے اب ہم لوگوں سے آنکھ اٹھو مکی نہیں ملتی برسوں تک آپس میں رہا ہے اپنے جھون کے پیار بہت	
ارض و سما کی پستی بلندی اب تو ہم کو برا بر ہے یعنی نشیب و فراز جو دیکھے طبع ہوئی بہموار بہت	
سو غیروں میں ہو عاشق تو ایک اسی سے شرداویں اس مستی میں آنکھیں اُس کی رہتی ہیں ہنسا رہبت	
کم ہے ہمیں امید بھی کی اتنی نزاری پر اس کے پچھلے دنوں دیکھا تھا ہم نے عاشق تھے بیمار بہت	
میرزا ایسا ہو دے کہیں پردے ہی پردہ مار مرے ہو رگلتا ہے اس سے ہم کو ہے وہ ظاہر دار بہت	
چپکے کھڑا کھڑے ہوتا ہوں ساری ہے الفت کی بات تج نے اُس کی کیا ہے قسمت یہ بھی ہے قسمت کی بات	
جان مسافر ہو جائے گی لب پر ہے موقوف آہ سب کچھ کمیو جاتے ہوئے تم مت کمیو نصحت کی بات	
کہہ کے فسانہ عشق و وفا کا لوگ محبت کرتے تھے اب وہ نازکمانی اُن کی گو یا ہے مدت کی بات	
درد و غم کی گرفتاری سے مہلت ہو تو کچھ کہیے حرف زدن اشارہ شکاری یہ سب ہو فرصت کی بات	
کیس کو ڈباغ جو اب رہا ہے صنعت سے اب خاموش ہے پہروں کی نا نصیحت اگر سے میر یہ ہے طاقت کی بات	
دل کو میرے ہے صطراب بہت تاب لے لے تم ہو بیچ و تاب بہت عمر جاتی رہی شباب بہت ناز و خشم و جفا عتاب بہت	چشم رہتی ہے اب پر اب بہت دیکھیے رفتہ رفتہ کیا ہو و سہ دیر افسوس کرتے رہیے گما مہر و لطف و کرم غنایت ہم

<p>وے مقدس ہیں میں خراب بہت ہائے ہم سے ہے حجاب بہت شیخ صاحب ہیں کچھ کباب بہت ہم ہی کرتے ہیں حساب بہت عالی رتبہ ہے وہ جناب بہت</p>	<p>بے تفاوت ہو فرق آپس میں پشت پاپ ہے چشم شمع آستی دختر رز سے رہتے ہیں محشو آدیں محشو ہیں کیوں پائے حساب وال تک اپنی دعا پوختی نہیں</p>
<p>گل کے دیکھے کا عش کیا ہی نہ میر منہ پہ چھڑ کا مرے گلاب بہت</p>	
<p>ہوئی جس کے لگی کار آمدہ بیکار یا قسمت نگہ تیراں نے سواید ہرن کی دوبار یا قسمت کیے ہیں یونہی قسمت ان کیا کیا دار یا قسمت گری اس منہ میں سر پر وہی دیوار یا قسمت نصیب اپنے کہ سوکھی چشم دریا بار یا قسمت ہیں تھے در نہ مینا نے کے مکہ دار یا قسمت</p>	<p>اچلتی سی لگی اپنے تو وہ تلوار یا قسمت ہوئے جب سو جواں کیا توقع سی ہوئی کہ ہو پڑا سایہ نہ اُس کی تیغ خوں آلودہ کا سر پر رہا تھار پر دیوار اس کے میں برسات میں جا کر موئے ہم تشہ لب دیدار کے حالانکہ گریاں ہے در مسجد پہ ہو کر مینا بیٹھے ہیں یا ہادی</p>
<p>نصیبوں میں ہے جتنے عیش وہ بھی میر جیتے ہیں جیسے ہیں ہم بھی جو مرے کوٹھے تیار یا قسمت</p>	
<p>روایت شاعری مشلہ</p>	
<p>مہر کی رکھ کر توقع جی کھیا یا ہے عبث بیٹھے بیٹھے ناگماں یہ رخ اٹھایا ہے عبث اُن نے بے لطفی سے منہ اچھانایا ہے عبث لطف کمرہ عیش کے اب آیا ہے عبث کیا جو تربت پر مری اب بھول یا ہے عبث میر دل آزر وہ کوکس نے تیا یہ عبث</p>	<p>دل کو اُس بے مہر سے ہم نے گھایا ہو عبث دیکھ کر اُس کو کھڑے سو جی سے ہم عاشق ہو اپنی تو بگڑی ہے کوئی کام کی صورت نہیں جی کے جاتے وہ جو خط آتا تو بابت بھی تھی تب تو خاتہ باغ سے اپنے نہ پوچھی بات بھی رات دن بند ہے اسے یوں نہیں کہتا کبھو</p>
<p>روایت جیم عربی</p>	
<p>کس تازہ مقتل یہ کشدے تیرے ہوا ہے گزار آج زہ دامن کی بھری ہے لہو سے کس کو تو نے مار آج</p>	

کل تک ہم نے تم کو رکھا تھا سو پردے میں کلی کے رنگ
 صبح شگفتہ گل جو ہوئے تم سب نے کیا نظار آج
 کوئی نہیں شاہانِ سلف میں خالی ہے دونوں عراق
 یعنی خود گم اسکندر ہے ناپیدا ہے دار آج
 چشمِ مشتاق اُس لب و رخ سے لمحہ لمحہ اٹھتی نہیں
 کیا ہی لگے ہے اچھا اُس کا کھٹرا پیارا پیارا آج
 اب جو نسیمِ معطر آئی شاید بال کھلے اُس کے
 شہر کی ساری گلیاں ہو گئیں گویا عنبر سارا آج
 کل ہی جوش و خروش ہمارے دریا کے سے تلاطم تھے
 دیکھ تیرے آشوبِ زباں کے کر بیٹھے ہیں کنار آج
 چشمِ چرائی دور سے کروا مجھ کو لگایہ کہتے گیا
 صید کریں گے کل ہم اگر ڈال چلے ہیں چار آج
 کل ہی زیاں جو کن کے کیے ہیں عشق میں کیا کیا لوگوں نے
 سادگی میری چاہ میں دیکھو میں ڈھونڈھوں ہوں دار آج
 میر ہوئے ہو بخود کب کے آپ میں بھی تو طلب آدا
 ہے دروازے پر انہو اک رفتہ شوق تمھارا آج
 شہر سے یا رسوا ہوا جو سود میں خوب غبار ہے آج
 دشتی وحش و طیر اُس کی سر تیزی ہی میں شکار ہے آج
 برافروختہ رخ ہے اُس کا کس خوبی سے مستی میں
 پی کے شرابِ شگفتہ ہوا ہے اس نوگل پہ بہار ہے آج
 اُس کا بحرِ حسن سراسر اوج و موج و تلاطم ہے
 شوق کی اپنے نگاہ جہاں تک جاوے بوس کنار ہے آج
 آنکھیں اُس کی لال ہوئیں ہیں اور چلے جاتے ہیں سر
 رات کو دار و پیٹو یا تھا اُس کا صبحِ خسار ہے آج
 گھر آئے ہو فقیروں کے تو آؤ بیٹھو لطف کرو

کیا ہے جان بن اپنے کئے سوان قدموں پہنار ہے آج
 کیا بوجھو ہوسا بھجہ تلک پہلو میں کیا کیا تر پاپا ہے
 کل کی نسبت دل کو ہمارے بارے کچھ تو قرار ہے آج
 مت چو کو اس جنس گراں کو دل کی وہیں لیجاؤ تم
 ہندستان کے ہندو بچوں کی بہت بڑی سرکار ہے آج
 خوب جو آنکھیں کھول کے دیکھا شاخ گل پہ نظر آیا
 ان رنگوں پھولوں میں ملا کچھ مجھ جھلوہ یا رہے آج
 جذبِ عشق جدھر چاہے لے جائے ہے محلِ لیلی کا
 یعنی ہاتھ میں مجنوں کے ناتے کی اُس کے ہمارے آج

رات کا پہنا ہار جو اب تک دن کو اتارا اُن نے نہیں
 شاید میر جال گل بھی اُسکے گلے کا ہار ہے آج

رنگ یہ ہے دیدہ گریاں سے آج | لو ہو ٹپکتا ہے گریاں سے آج

سر بفلک ہوئے کو ہے کس کی خاک
 گر دیکھ اُٹھتی ہے بیا بیاں سے آج

جو اس عین میں یہ اک طرفہ انتشار ہے آج
 پر اسکو کیا کریں اوروں کا اعتبار ہے آج
 غبار گر و پھر ہے ہی بہت شکار ہے آج
 اُسی عزیز کو دیکھا ذلیل و خوار ہے آج
 ہوئے عشق سے کل زرد کیا ہمارے آج
 کہ حیرہ تیرہ نمودار یک غبار ہے آج
 عجب ہے سب کا اسی سفلی پر مدار ہے آج
 سو درد سر ہے بدن گرم ہر بخار ہے آج

کہوں سو کیا کہوں نے صبر و قناعت
 سر اپنا عشق میں ہم نے بھی یوں تو پھوڑا تھا
 گیا ہے جانبِ وادی سوار ہو کر یار
 جہاں کے لوگوں میں جسکی تھی کل تئیں عزت
 سحرِ سواد میں چل زور پھولی ہے سرسوں
 سواری اُسکی ہے سرگرم گشتِ دشت
 سپہر چھڑیوں میں کل تک پھرے تھا ساتھ
 بخار دل کا نکالا تھا دیرِ دل کہہ کر

کسو کے آنے سے کیا اب کہ غش ہو کل دن
 ہمیں تو اپنا ہی اے میر انتظار ہے آج

ردیف جیم قاری

آج ہمیں بد حالی سی ہے حال نہیں ہے جان کے بیچ
 کیا عاشق ہوتے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے جہان کے بیچ
 پایہ اس کی شہادت کا ہے عرشِ عظیم سے بالاتر
 جو مظلوم عشقِ موائے بڑھکے تک میدان کے بیچ
 یونہیں نظر چڑھ رہتی نہیں کچھ حسرت میں تو چشمِ سفید
 دیکھے ہے ہیرے کی دُک میں اس چشمِ حیران کے بیچ
 وہ پر کا لہ آتش کا ہے صبحِ تلک بھڑکا بھی نہ بھڑکا
 کیا جانوں کیا پھونک دیا لوگوں نے اُسکے کان کے بیچ
 وعدے کرو ہو برسوں کے تم دم کا بھروسہ نہ بنیں
 کچھ کچھ ہو جاتا ہے یاں کپ میں ایک اک آن کے بیچ
 بیعت سے جو فارسی کی کچھ میں نے ہندی شعر کہے
 سارے ترک بچے ظالم اب پڑھتے ہیں ایران کے بیچ

بندے خدائے پاک کے ہم جو میر نہیں تو زیرِ فلک
 پھر یہ تقدس آیا کہاں سے مشیتِ خاک انسان کے بیچ

فصل گل میں اسیر ہوئے تھے من ہی کی رہی من کے بیچ
 اب یہ ستم تازہ ہے ہم پر قید کیا ہے چمن کے بیچ
 یہ اُبھھاؤ سلجھتا ہمو دے ہے دکھائی مشکل سا
 یعنی دل اٹکا ہے جا کر ان بالوں کی شکن کے بیچ
 وہ کرتا ہے زبانِ درازی حسرت سے ہم چپکے ہیں
 کچھ بولا نہیں جاتا یعنی اُس کے حرف و سخن کے بیچ
 دشتِ بلا میں جا کر مرے اپنے نصیب جو سیدھے ہوں
 وال کی خاکِ عمیر کی جاگہ رکھ دیں لوگ کفن کے بیچ
 کبک کی جانِ مسافر ہو دے دیکھے خرامِ ناز اس کا
 نام نہیں لیتا ہے کوئی اُس کا مسیّر وطن کے بیچ
 کیا شیریں ہے حرف و حکایت حسرت ہم کو آتی ہے

ہائے زبان اپنی بھی ہووے یکدم اُسکے دہن کے پنج
 غم و اندوہ عشقی سے ہر لحظہ نکلتی رہتی ہے
 جان غلط کر مہربانی ہے گویا تیرے بدن کے پنج
 اس کے رنگ کھلا ہے شاید کوئی پھول بہار کے پنج
 شور پڑا ہے قیامت کا سا چار طرف گلزار کے پنج
 رحم کرے وہ ذرہ ذرہ تو دیکھنے آوے دم بھریاں
 اب تو دم بھی باقی نہیں ہے اُسکے کوسو یار کے پنج
 چین نہ دے گا خاک کے نیچے ہرگز عشق کے ماروں کو
 دل تو ساتھ اسے کاشن گاڑیں اُن لوگوں کے مزار کے پنج
 چشم شوخ سے اُسکے یار کو کیا نسبت ہے غزالوں کو
 دیکھتے ہیں ہم بڑا تفاوت شہری اور گنوار کے پنج
 کون کسکار رم خوردہ سے جا کے کے تنگ پھر کر دیکھ
 کوئی سوار ہے تیرے پیچھے گرد و خاک غبار کے پنج
 رونے سے جو رو دہا تو اس کا کیا ہے یار عجب
 جذب ہوئے ہیں کیا کیا دریا اپنے حبیب کنار کے پنج

چشمکِ غمزہ عشوہ کرشمہ آن انداز و ناز و ادا
 حسنِ سوائے حسنِ ظاہر مہربانیت ہیں یار کے پنج

اے بوئے گلِ سچے کے مکیو پون کے پنج
 دیکھے ہے کیا میں اندر ہی اندر گزار ہوں
 زخمی پڑے ہیں مرغ ہزاروں چین کے پنج
 دھوکا ہے ہوں حبابِ مرے پیرن کے پنج

اردیفِ حائے حلی

اب اُن نے سچ بنائی ہے غمخوارِ بطرح
 کرتا ہے میرے خون پہ اہرِ ابرِ بطرح
 بگڑا پھر سے ہے اب وہ طرحدارِ بطرح
 کہتا ہے بیٹھا متصل اب یارِ بطرح

گھر سے لیے نکلتا ہے تلوارِ سیہِ طرح
 جی نیچے کی طرح نظر آتی نہیں کوئی
 چہرہ تو اُن نے اپنا بنایا ہے خوب لیک
 کس طرح جائے پکڑی زبان اُسکی ختم میں

یاں کچھ نہیں ہے باقی اُسکے حساب لیکن
قید و فراق سے تو چھوٹیں جو مر رہیں ہم
مجھ میں شمار دم سے اب کچھ رہا ہے شاید
اس درد و بے دوا کی مرزا دوا ہے شاید

یہ عشق ہے یقینی حال ایسا کم سنا ہے
اے میر دل کسو سے تیرا لگا ہے شاید

رکھتا ہے دل کنار میں صبر پارہ درد مند
تسکین اپنے دل کی جو پاتا نہیں کہیں
اسلامی کفر کی کوئی ہو ہے شرط درد عشق
قابل ہوئے ہیں سیر کے چشمان خون نشان
کیا کام اُس کو یاں کے نشیب و فراز سے
اس کارواں سہارے کے ہیں لوگ رفتنی
ہر پارہ اُس کا پاتے ہیں آوارہ درد مند
جز صبر اور کیا کرے بے چارہ درد مند
دو دنوں طریق میں نہیں ناکارہ درد مند
دیکھیں ہیں آنکھوں کو ہو کا فوارہ درد مند
رکھتا ہے پانوں دیکھ کے ہوا رہ درد مند
حسرت سے اکا کرتے ہیں نظارہ درد مند

سو بار حوصلہ سے اگر رنج کش ہو میر
پھر فرط غم سے مر رہے کیا پارہ درد مند

ہے عشق کا فسانہ میرا نہ یاں زباں زرد
حسرت سے حسن گل کی چچکا ہوا ہوں ورنہ
نذکر عاشقی کا ہر چار سو ہے باہم
فرما دو قیس و دوانی سر اک سے پوچھ لو تم
ہر شہر میں ہوئی ہے یہ داستان زباں زرد
طیلان باغ میں ہوں میں خوش زباں زباں زرد
یعنی نہیں کہانی میری کہاں زباں زرد
شہر دل میں عشق کے ہوں میں ناتواں زباں زرد

کیا جانے میر کس کے غم سے ہے چپ و گمر
حرف و سخن میں کیا ہی ہے یہ جواں زباں زرد

کیا کہیے ہوئے مملکت ہستی میں وارد
کچھ ہوش نہ تھا منبر و محراب کا ہم کو
بے یار و دیار بتو ہیں اس بستی میں وارد
صد شکر کہ مسجد میں ہوئے مستی میں وارد

کچھ تدبیر بتاؤ ہم کو دل اپنا ہے درد آلود
خاک اڑاتے کہاں تک پھر یہ چہرہ سب گراؤد

روایت رائے مہملہ

پنے موئے بھی رنج و بلا ہے ہمسایوں کی جاؤں پر
کیا کیا سینہ زنی رہتی ہے درد و غم کے فسانوں پر

میں تو کیا کیا حرف و سخن تھے میرے جہاں جاتے تھے
 باتیں درد آگیں ہیں اب تک کیسی کیسی زبانوں پر
 تو بھی رباط کھن سے صوفی سیر کو چل تک سیر کی
 ابر سیکہ قبلہ سے آکر جھوم پڑا میخانوں پر
 آمد و رفت نسیم سے ظاہر بخش بلبل ہے لیکن
 باؤ بھی اب تک بھی نہیں گلہائے چمن کے کانوں پر
 جینے جینے اس کی سی ابرود کش ٹکلی نہ کوئی یان
 زور رکھے لوگوں نے اگر چہ نقش نگار کمانوں پر
 جان تو یاں ہے گرم رفتن لیت و لعل اں ویسی ہے
 کیا کیا محب کو جنون آتا ہے اس لڑکے کے بہانوں پر
 بعد مرے سب کو میرے ہاتھوں ہاتھ مل لیں گے
 سو سو بار لیا ہے میں نے نام اُس کا ان دانوں پر
 دل کی حقیقت عرش کی عظمت سب کچھ ہے معلوم نہیں
 سیر یہی ہے اکشر اپنی ان پاکیزہ مکانوں پر
 راہ چلو تم اپنی اپنی میرے طریق سے کیا تم کو
 آنکھوں سے پردا میں نے کیا پروا پاؤں کے نشانوں پر

عشق عجائب زور آور ہے کشتی سب کی پاک ہوئی
 ذکر میرے کیا پیری میں حرف و سخن ہے جوانوں پر

کہ وے تر کسی زن تھے گلہائے تیر
 نظریاں جو کی عشق کے شیر زہر
 یہ جی جا رہا ہے اُسی رہ گزر پر
 ہوئے خون یاروں کے اس خاک پر
 بنا زندگانی کی ہے اب جہ پر
 نہیں وصل موقوف کچھ زور زہر
 قیامت کا ہنگامہ ہے اُس کے در پر

کئی داغ ایسے چلائے جگر پر
 گیا میری وادی سے سیلاب کمر
 سر رہ سے اُس کے موئے سی ٹھینکے
 سر اس آستان پر رگڑتے گئے ہیں
 ہم آتا اُسے شے جیتوں میں آئے
 اُسے لطف اسکا ہی لاوے تولدے
 سرکتے نہیں شوق کشتوں کے سر پر

اُتر جو گیا دل سے روکش ہو اُس کا
بھری تھی مگر آگ ل میں دلوں میں
گیا پی جو ان آنسوؤں کے تئیں میں
سر عجز ہر شام تھا خاک پہ سر ہی
پلک اُسٹھے آنار اچھے نہ دیکھے
طرف شاخ گل کی لچک کے نہ دیکھا

چڑھا پھر نہ خورشید میری نظر پر
ہوئے اشک سوزش سے اسکی شر پر
سراسر میں اب داغ سلج جگر پر
تجہ دل تھے کیسے ہی آہ سحر پر
بیڑی آنکھ ہر گز نہ روئے اثر پر
نظر میں سر کی تھی کسو کی مگر پر

غزل در غزل صا جو یہ بھی دیکھو
نہیں عیب کرنا نظر اک ہنر پر

بھروسا اسیری میں تھا بال و پر پر
سزار ان شالیتہ کشتے ہیں ترے
کھلا پیش دندان نہ اُس کا گرو پیم
جلے کیوں نہ چھاتی کہ اپنی نظر ہے
نہ عشر میں چونکا مرا خون خفتہ
کسی زخم کھا کر تڑپتا رہا دل
ستا تھا اُسے پاس لیکن نہ پایا
سرشب کہے تھا بہا نہ طلب وہ
کہو پاس بیٹھا رہے کبتک یوں

سو پرواز ہوئی نہ قفس کی بھی در پر
نہ بیخ ستم کر علم ہر نفر پر
کنھوں نے بھی تھکا نہ سلاک گھر پر
کسو شوح پر کارر غنا پس پر
وہی تھا یہ خوابیدہ اس شور و شر پر
تسلی تھی موقوف من زخم دگر پر
چلے دور تک ہم گئے اس خبر پر
گھڑی ایک رات آئی ہوگی پر پر
کہو ہوگی رخصت گئے اب سحر پر

جہاں میں نہ کی میرا فاست کی نیت
کہ مشعر تھا آنا مرا یاں سفر پر

عشق خدا کی خراب ہے ایسا جس سے گئے ہیں گھر کے گھر
کعبہ و در کے ایوانوں کے گئے پڑے ہیں در کے در

رج سے کوئی آدمی ہو تو سارا عالم ج ہی کرے
کے سے آئے شیخ جی لیکن سے تو وہی ہیں خور کے خور

رنج و غم میں مرنے دیکھے ہم نے مسک دو ہمت نہ
جی کے جی بھی عیث جاتے ہیں ان لوگوں کے زر کے زر

اسلم و کافر کے جھگڑے میں جنگ و جدل سے رہائی نہیں
لو تھو پہ لو تھیں گرتی رہیں گی کھٹے رہیں گے سر کے سر

سخت مصیبت عشق میں یہ ہے جائیں چلی جاتی ہیں لیک
ہاتھ سروں پر ماریں گے تو بند رہیں گے گھر کے گھر

کب سے گرمی عشق نے میرے چشمہ چشم کو خشک کیا
کپڑے گلے سب تن کے لیکن شے ہیں اتیک تر کے تر

تکے ایک قفس میں شاید کوئی کلی تو نکلی میر
سارے طیر شگفتہ چین کے ٹوٹ گئے دے پر کے پر

ایسے گوئیے بیٹھو ہو تم بیٹھے اپنے گھر جا کر
اس سبے تہ نے صحن چین میں جان دی چلا جلا کر
مار سیہ کو رشک سے مارا ان بالوں نے بل تھا کر
گھر رکھی ہیں شہر کی گلیاں تپھر ہم نے لا کر
سرخ و زرد ہوئے خلعت سے چھوٹے ہا ہا ہا کر
عشق شہرت دوست نے آخر مارا محجور سوا کر

بات کہو کیا چپکے چپکے بیٹھ رہو ہواں تم
دل کار از کیا میں ظاہر بیل سے گلزار میں لیک
جیسا سچ و تاب پر اپنے بالیدہ تھا و سیاہی
چھوڑ دیتے تھو اطفال تھو ریش ایک جنوں کی ضیافت میں
ہا ہا ہے نے شوخ کی میرے تنگ کیا خوش فرائد کو
چاہ کا جو اصرار کیا تو فرط شرم سے جان گئی

میر یہ کیا رونا ہے جس سے آنکھوں پر رونا لکھا
دامن کے ہر پاٹ کو اپنے گریو زاری سے دلیک

تر بھی نگاہیں کیا کرتے ہو دم بھر کے یاں آنے پر
ایدھر دیکھو ہم نے نہیں کی خم ابرو سر جانے پر

زور ہوا ہے چل صوفی ملک تو بھی رابطہ کہنہ سے
ابر قبیلہ بڑھتا بڑھتا آیا ہے میخانے پر

گل کھائے بے تہ بلبل نے شور قیامت کا سا کیا
دیکھو چین میں اس بن میسر چپکے جی بھلانے پر

سر نیچے کر لیتا تھا تلوار چلاتے ہم پر دے
ریچھ گئے خون زیری میں اپنی اسکے پھر سومانے پر

لے تو بھی رابطہ کن سے صوفی سیر کو جل ملک بننے کی : ابر سیہ قبلہ سے آکر جھوم پڑ امیخانوں پر ہیر

گالی مار کے غم پر میں نے صبر کیا خاموش رہا
رحم نہ آیا ملک عالم کو اس میرے غم کھانے پر

نادیدہ ہیں نام خدا کے ایسے جیسے قحط زدہ
دوڑتی ہیں کیا آنکھیں اپنی بچے کے دانے دانے پر

حال پریشاں سن مجھوں کا کیا چلتا ہے جی اپنا
عاشق تہم بھی میسر رہے ہیں اس صعب کے دیوانے پر

گذرے کا آقا ہیں عہد شباب کیونکر
یہ تہ ہے سر نہ کھینچے اکدم حجاب کیونکر
وہ سوکھ سب گئی ہے شہم شباب کیونکر
مخل ہو فرش کیوں نہ آویگی خواب کیونکر
اوسے نہ اس عل سے سرم و حجاب کیونکر
اب پھر ہے گی ایسی بستی خراب کیونکر
روز حساب لیں گے عجب حساب کیونکر
مکھ گے اس طرف سے اب آفتاب کیونکر

روزوں میں رہ سیکھتے ہم بے شراب کیونکر
تھوڑے سے پانی میں بھی جل نکلے ہے اچھڑتا
چشمے بھرے اب تک ہیں یادگار اس کے
دل کی طرف کا پہلو سب متصل چلے ہے
اقل سو رکھنا آخر صبر و حیا کیونکر
اچھڑے مگر کو دل کے دیکھوں ہوں جب کہ ہوں
جرم و ذنوب تو ہیں بچد و حصہ یارب
میش از سحر آئے ہے آج اس کے منہ کا پردہ

خط میسر آوے جاوے جو نکلے راہ ادھر کی
کوئی نہیں ہے قاصد لاوے جواب کیونکر

خون بستہ پہیلی آنکھیں آویگی خواب کیونکر
مجھ سے اٹھینگے اُس کے ناز و عتاب کیونکر
ابھرا رہے ہمیشہ نقش بر آب کیونکر
سر پہ نہ خاک ڈالے اپنے سر اب کیونکر
جاتی رہی جوانی اپنی شباب کیونکر
قلب کبد نہ ہوویں و دونوں کباب کیونکر
منہ کیا ہے نامہ بر کا نکلے جواب کیونکر
میں کیا کوئی ہو کھینچے ایسے عذاب کیونکر
اک حرف اس سن کا نہ تو کتاب کیونکر

ترجے ہے غمزدہ دل لاوے کتاب کیونکر
پُرنا توں ہوں مجھ پر بھاری ہو جی ہی اپنا
اس بحر میں ہے مٹنا شکل حباب ہر دم
پانی کے دھوکے پیاسے کیا کیا عزیز مارے
اب رواں نہ تھا کچھ وہ لطف زندگانی
سینہ میں میرے کب سے اک سینک سی رہی ہو
شلاق خواری کی تھی خجالت جو کچھ نہ بولا
سوز دل و جگر سے جلتا ہے تن بدن سب
چہرہ کتابی اُس کا مجموعہ میر کا ہے

لاوے جھکتے رخ کی آئینہ تاب کیونکر
ہے شعر و شاعری گو کب سے شوار اپنا
جوں ابرگر نہ روویں داوی و کوہ پہنم
اب بھی نہیں ہے کھولے عشق نا امید
اڑاڑ کے جاگے ہے وہ تیر مار کا کل
چشم محیط سے جو ہووے نہ چشم تر کے
اب تو اطمینان نے دل کی اودھم چار کھا ہے

ہو چہرہ اسکے لب سے یا قوت تاب کیونکر
حرف و سخن سے کرے اب اجتاب کیونکر
تو شہروں شہروں سے نہروں میں آب کیونکر
دیکھیں خراب ہووے حال خراب کیونکر
کھاتا رہے نہ انہی پھر پیچ و تاب کیونکر
تو سیر ہو ہوا پر پھیلے سحاب کیونکر
نسکین پاوے دیکھوں یہ اضطراب کیونکر

رو چاہیے ہے اس کے در پر بھی بیٹھنے کو

ہم تو ذلیل اس کے ہوں میر باب کیونکر

مناتم نے جو گزر اسانچہ سچاں میں باروں پر
کیا ہے عشق عالم کش نے کیا تھوڑا بگوں کا
ترتیب کر گرم تک چل برق ٹھنڈے ہو جاؤں
ٹری دولت ہو درویشی جو نہرہ ہو قناعت کے
سیاحت خوب ہو کواو ہے ہنسی بھی وحشت کی
لگے فر باد و مجنوں ہو کوئی تو بات بھی پوچھیں

قیامت ہم سے ہر ساعت رہی الفت کے ماؤں پر
نکل چل شہر سے باہر نظر کر تک حزاروں پر
بسان ابر رحمت رو بہت ہم بقیراروں پر
کہ عرصہ تنگ ہے حصہ ہولت سے تاجداروں پر
پر اپنا یاؤں پھیلا دشت کے سرسبز غاروں پر
نکالیک کیا یا آئی ہمارے غمگساروں پر

مگر اسن تو ان عشق کے آگے سے پیری مل

سکر و حوی مری اسے میر بھاری ہو نہراؤں پر

اک آدھ دن کل بیت لے ابرا دھر سے ہو کر
اب کل نہیں ہے جگو بے قتل غم کشوں کے
کہتے ہیں راہ پائی زاہد نے اس گلی کی
ہے نظم کا سلیقہ ہر چہ سب کو لیکر
کیا خوب زندگی کی دنیا میں تیغ جی لے
گو تیرے ہو ٹھٹھا ظالم آب حیات ہوں اب
کس کس ادا سے فتنے کرتے ہیں قصہ گردھرو کا
ٹکڑے جگر کے میر سے مت چشم کم سے دیکھو

بیٹھا ہوں میں ابھی ملک سارا جہاں ڈبو کر
کہتے تو تھے کظالم خوریزی سے نہ خو کر
روتا کہیں نہ آوے ایمان و دیں کو کھو کر
جب جاتیں کوئی لاوے یوں نوتی سے رو کر
تھیر کرتے ہیں سیلاب انگو مردہ شو کر
کیا ہم کو جی کی نیٹھے ہم جی سے ہاتھ دھو کر
جب بیدار غ سے تم اٹھ بیٹھے ہو سو کر
کاڑھے ہیں بے جواہر و دریا کو میں بلو کر

احوال میر جی کا مطلق کیا نہ سمجھا
کچھ زیر لب کہا بھی سودیر و سودیر

عشق ہمارا خون کرے ہے جی نہیں رہتا یا بغیر
وہ گھر سے نہیں اپنے نکلتا دم بھر بھی تلوار بغیر
جان عزیز کی جاں بھی گئے پر آنکھیں کھلی رہا بینگی
یعنی کشتہ حسرت تھا میں آئینہ سادیا بغیر
گوندھے گئے سوتا زہر ہے جو سبد میں تھے سو ملاحت سے
سوکھ سکے کا نٹا پھول ہوئے وے اسکے گلے کے ہاں بغیر
پھولوں کا موسم کا شکے ہو پردے سے ہوا کے چمک زن
گل کھائے ہیں ہزار خزاں میں مرغ چین نے ہاں بغیر

دشمنی و طیر سے دشت بھرے تھے صیادی تھی بار کی جب
خالی پڑے ہیں دام کہیں میر اسکے ذوق شکار بغیر

چندے بجائے گریہ و اندوہ و آہ کر
کیا دیکھتا ہے ہر گھڑی اپنی ہی سچ کو شونج
رحمت اگر یقینی ہے تو کیا ہے زبد شبنج
چھوڑا ب طریق جو کہ اسے بیوفا سمجھ
چسپیدگی داغ سے مت گنہ کو اپنے موڑ
ما تم کدے کو دہر کے تو عیش گاہ کر
آنکھوں میں جان آئی ہے ایدھر گاہ کر
اے بیوقوف جائے عبادت گناہ کر
نبھتی نہیں یہ چال کو دول میں راہ کر
اسے زخم کنہہ دل سے ہمارے نباہ کر

اس وقت ہے دعا و اجابت کا وصل میر
یک نقرہ تو بھی پیش کش صبح گاہ کر

شوریدہ سر رکھا ہے جب سے اس آستان پر
گھائل گرا رہا ہے فراق سے بندھا ہے
لطف بدن کو اسکے ہرگز پہنچ سکے نہ
خاشاک و غار و خس کو کراہیک جا صلا یا
وہ باغباں پسر کچھ گل گل شگفتہ سے اب
رکائے آگ کے تھے کیا ناہما کے لبیل
میر اداغ تب سے ہے ہنم آسماں پر
کیا کیا ستم ہوئے ہیں اس صید نا توں پر
جا پڑتی تھی ہمیشہ اپنی نگاہ جاں پر
کیا جسم شور برق خافت تھی آشاں پر
یہ اور گل کھلا ہے اک پھولو کلی دکان پر
شبنم سے آبلے ہیں گلبرگ سی زباں پر

دل کیا مکان بھر اس کا کیا معنی میر لیکن
غالب ہے سہمی میں تو میدان لامکاں پر

کیا پھول مر گئے ہیں اس بن خراب ہو کر
خنجر تلے ہا میں خجالت سے آب ہو کر
جانا ہوا لیکن واں سے شباب ہو کر
غیرت سے رہ گئے ہیں عاشق کباب ہو کر

آیا نہ پھر ادھر وہ مست شراب ہو کر
صید زبور میں میرے یک قطرہ خون نہ نکلا
دعدہ وصال کا ہے کہتے ہیں حشر کے دن
وارو پیے نہ ساتھ آخروں کے بیشتریاں

یک قطرہ آب اس بن میں نے اگر پیا ہے
نکلا ہے میر یانی وہ خون ناب ہو کر

بادہ کشوں کا جھڑی کچھ شیشہ پر پیا ہے
یعنی چشمک گل کرتا ہے فصل بہا کے آنے پر
سنگ نے ٹاں ٹر کے پھرتے ہیں ہر سودیو اپنے پر
اینا جی بھی حد سے زیادہ رات جلا پروا نے پر

اگر یہ قبلہ سے اٹھ کر آیا ہے میخانے پر
رنگ ہوا سے چمکنے لگا ہے سبزے کی پھول افلا
شور جنوں ہے جو انوکھے میں بالوں میں خیریں ہیں
بتیا بانہ شمع پر آیا اگر دھیرا پھر بسل ہی گیا

قدرِ جان جو کچھ ہووے تو صرف بھی ہم میر کہیں
مٹھ موڑ میں گیا آنے سے اُسکے اپنی جان کے جانے پر

آفریں کر اے جنوں میرے کھٹ چالاک پر
خاک کن کن صورتوں کی صرف کی ہو خاک پر

سہمی سے اس کی ہوا ابل گئی چاک پر
کیوں نہ ہوں طرفہ کلیں خوش طرح بعضے کمال پر

ہم کو مٹی کر دیا یا بالی گر دوں نے میر
وہ نہ آیا ناز کر تا ملک ہماری خاک پر

روایت رائے مجھ

اس بستر افسردہ کے گل خوشبو ہیں مر جھائے ہنوز
اس نگہمت سے موسم گل میں پھول نہیں یاں آئے ہنوز

اُس زلف و کاکل کو گوندھے دیر ہوئی مشاطہ کو
سانپ سے اہلتے ہی ہیں پر بال اُسکے بل کھائے ہنوز

اُنکھ لگات گزری پاسے عشق جو بیچ میں ہے
ملتے ہیں معشوق اگر تو ملتے ہیں شرمانے ہنوز

تہ داری کیا کیے اپنی سختی سے اُس کی جیتے ہوئے
حرف و سخن کچھ کیسے لیکن ہرگز منہ پر نہیں لائے ہنوز

ایسی معیشت کروگوں سے جیسے تم کش میر نے کی
برسوں ہوئے ہیں اٹھ گئے اُن کو روئے ہیں ہسائے ہوئے

راہی بھی کچھ مٹا نہیں جاتے خبر ہنوز
رہتی ہیں میری آنکھیں شب و روز تر ہنوز
اُس سے کے دل میں کرتی نہیں کچھ اثر ہنوز
وہ دیکھتا نہیں ہے غلط کر ادھر ہنوز
یا نئے چلن سے رکھتا ہوں عنبر سفر ہنوز
نکلے ہے سنگ سنگ سے اکثر شر ہنوز

کب سے گیا ہے آیا نہیں نامہ بر ہنوز
خون جگر کو سوکھے ہوئے برسوں ہو گئے
ہر چند آسماں پہ ہماری دعب گئی
رت سے لگ رہی ہیں مری آنکھیں اسکی اور
برسوں سے لکھنؤ میں اقامت ہے محولیک
تیشہ سے کوہن کے دل کوہ جل گیا

جل جل کے ہو گیا ہے کبد تو کتاب میر
جوں غنچہ ناشگفتہ ہے داغ جگر ہنوز

کب سے آئے کہتے ہیں تشریف نہیں لاتے ہیں ہنوز
آنکھیں مندی اب جاچکے ہم وے دیکھو تو کہتے ہیں ہنوز

کہتا ہے برسوں سے ہیں تم دور ہو یاں سے دفع بھی ہو
شوق و ساجت سیر کر وہم پاس اُسکے جاتے ہیں ہنوز

راتوں پاس گلے لگ سوتے تنگے ہو کر ہے یہ عجب
دن کو بے پردہ نہیں سلتے ہم سے شرماتے ہیں ہنوز

ساتھ کے پڑھنے والے فارغ تحصیل علمی سے ہوئے
چل سے کتب کے لڑکوں میں ہم دل بہلاتے ہیں ہنوز

گل صدر نگ چین میں آئے باخزاں سے بکھر ہی گئے
عشق و جنوں کی ہمارے عاشق میر حنی گل کھاتے ہیں ہنوز

دل بہار این چین کا ہے گرفتار ہنوز
ہر گلی جھانکنے بھرتے ہیں طلبکار ہنوز
وہ تہ دل سے کسوکا نہ ہوا یار ہنوز

کب سے قیدی ہیں پہ ہے تاش یار ہنوز
وہ ہم چارہ اس شہر سے کب کا نکلا
بالا بالا ہی بہت عشق میں مارے گئے یار

سال میں ابرہ ساری کہیں آکر برسا
لو ہو برسا رہے ہیں دیدہ خوب رہنوز
ایکلی بالیدین گلہا تھا بہت دیکھو نہ میر
مہر لالہ ہے خار سر دیوار ہنوز
سرکش ہے تند خو ہے عجب ہے زباں دراز
آتش کا ایسا لاکھ کب ہے زباں دراز
پروانہ تیری چرب لساں سے ہوا ہلاک
ہے سمع تو تو کوئی غضب ہر زباں دراز

روایت سین مہملہ

یار ہم سے جدا ہوا افسوس
جبتلک آن کر رہے مجھ پاس
دل میں حسرت گزہ ہو رست کی
کیا تدارک ہے عشق میں دل کا
سب سے بیگانگی کی جس کے لیے
رات دن ہاتھ ملتے رہتے ہیں
باچھیں بھٹ بھٹ گئیں ہیں گھکیا تے
مجھ کو کرنا تھا احترام اس سے
نہ جدا ہو کے پھر ملا افسوس
مجھ میں تباہت کچھ رہا افسوس
چلتے آنے نہ کچھ کہنا افسوس
میں بلا میں ہوں بیتلا افسوس
وہ نہیں ہم سے آشنا افسوس
دل کے جانے کا ہے بڑا افسوس
بے اثر ہو گئی دعا افسوس
ہائے افسوس کیا کیا افسوس

لوش دارو ہے نیش دارو میر
متاثر نہیں دو افسوس

کوئی دن کرے معیشت جا کو کامل کے پاس
بوسے خوں بھیک بھیک دماغوں میں چلی آتی ہو کچھ
شورو ہنگامہ بہت دعویٰ ضروری ہے بہت
گرد سے ہے ناتہ اسلمی کو مشکل رہ روی
تل سے تیرے منہ کے دل تھا داغ او بر کا چرب
دل گداز عشق سے سب ب ہو کر بہ گنبا
ناقصوں میں رہے کیا رہے تو صاحبیل کے پاس
نکلی ہے ہو کر صبا شاید سو گھائل کے پاس
کاسکے مجھ کو بلاؤں حشر میں قاتل کے پاس
خاک کس کی ہو کہ شقائق تی ہے محل کے پاس
خال یہ اک اوزر کا عالم اسکے تل کے پاس
مر گئے پر گور میری کرے تو بیدل کے پاس

لیے کیونکر نہ کہت افسوس جی جاتا ہے میر
دوبتی ہے کشتی درطہ سے نکل ساحل کے پاس

سنا نہیں اس قافلے میں کوئی جرس بس
تھک کر کہیں تک بیٹھ رہا ہے ہرزہ کس بس
جوں گل یہ ہنسی کیا ہے امیروں پہ ہنسن بس
غش کرنے نہ لگ جاؤ کہیں چھوڑے بس بس

صد پارہ کلا تیرا ہے کر ضبط نفس بس
دنیا طلبی نفس نہ کر شومی سے جوں سگ
خنداں نہ مرے قتل میں رکھ تیغ کو پھر سان
اس زار نے ہاتھ ان کا جو بھیجا گئے کہنے

کیا میسر اسیروں کو دریاغ جو داہو
ہے رنگ ہوا دیکھنے کو چاک نفس بس

گل کو دیکھا بھی نہ ہزار افسوس
نہوئے اُس سے ہکتا افسوس
ہم ہیں بے یار و بے دیا افسوس
اس سے بے عمدے قرار افسوس
مر رہے جی کو مارا افسوس
وہ نہ ہم سے ہوا دوجا افسوس
پھر گیا ہم سے روزگار افسوس
نہ ہوا پار کا گزرا افسوس

آ نکھ کھلتے گئی مہار افسوس
جسکی خاطر ہوئے کنارہ گزریں
نہ معرفت نہ آشنا کوئی
بیقرار رہی نے یو نہیں جی مارا
خوں ہوئی دل ہی میں اُمیدصال
چارہ اشتیاق کچھ نہ ہوا
اک ہی گردش میں اُسکی نکھوئی
گور اپنی رہی گزر گم میں

منتظر ہی ہم اُسکے میسر گئے
یاں تک آیا کبھو نہ یار افسوس

کیا کیا تم نے ہم سے کہا تھا کچھ نہ کیا افسوس افسوس
کیا کیا کر دیا جی سے مارا تو ہو یا افسوس افسوس

نور چراغ جان میں تھا کچھ یو نہیں نہ آیا لیکن وہ
گل ہو ہی گیا آخر کو یہ بجھتا سا دیا افسوس افسوس

رخصت میں پاؤں کی سب کی جی جاتا تھا سوان نے
ہاتھ میں عاشق دارفتہ کا دل نہ لیا افسوس افسوس

میسر کی آنکھیں منہ نے پر وہ دیکھنے آیا تھا ظالم
اور بھی یہ بیمار محبت تک نہ گیا افسوس افسوس

ردیفِ شینِ مجسمہ

رکھتے رہے بتوں سے مہر و وفا کی خواہش
 بیماری دلی پر میں صبر کر رہا ہوں
 شب و صبح کی میسر آئی نہ ایک دن بھی
 چاہت بہت کسو کی اسے ہمیشہ جبری ہے
 مشتاق عاشق کا عاقیل کوئی نہ ہوگا
 عجز و انابت اپنی یوں نہیں بھی صبح گہ کی
 حیران کارِ الفت لے میر چپ ہوں میں تو

رج و غم آئے بیشتر در پیش
 مرگ فرہاد سے ہوا بد نام
 یار آنکھوں تلے ہی پھرتا ہے
 خانہ روشن پننگوں نے نہ کیا

راہ رفتن ہے اب مگر در پیش
 ہے محال سے تیشہ سر در پیش
 میری مدت سے ہے نظر در پیش
 ہے چراغوں کو بھی سحر در پیش

غم سے نزدیک مرنے کے پہنچے
 دور کا میسر سے سفر در پیش

کر کہیں ہیں بچوں لعلوں کے درمیان کوش
 صومے کو اس ہوائِ ابر میں دیتے ہیں آگ
 تنگ چلی سو جگہ سے کسپاتے ہی چلی
 واسے رسے پروانہ کیسا چپکے جل کر رہ گیا

بیکراں دریا کے غم کے ہیں بلا جوش و خروش
 میسکدے سے باہر آتے ہی نہیں ہی عقل ہوش
 تنگ و رزی سے کبھی ملتا نہیں وہ تنگ ہوش
 گری پہنچے کیا اچھلتا ہے سینہ ہرزہ کوش

کیسا خود کم سر کبیر کے میسر ہے بازار میں
 ایسا بیدار نہیں ہنگامہ آرا و نفروش

ادھر آتا بھی وہ سوار اسے کاش
 زیر دیوارِ خسانہ باغ اس کے
 کب تک بے قرار رہے گا
 راہ نکلتے تو پھٹ گئیں آنکھیں
 اسکی پامالی سرفرازی ہے

اسکا ہو جاتا دل شکار اسے کاش
 ہم کو جالمتی خانہ دار اسے کاش
 کچھ تو لٹنے کا ہو قرار اسے کاش
 اسکا کرتے نہ انتظار اسے کاش
 راہ میں ہو مرنی مزار اسے کاش

بھول گل کچھ نہ تھے کھلی جب چشم اور بھی رہتی اب بہار اے کاش

اب وہی میر جی کھپانا ہے
ہم کو ہوتا نہ اس سے پیارا اے کاش

غصہ میں ناخوں نے مے کی ہے کیا تلاش
صحبہ میں اُسکی کیونکہ رہے مرد آدمی
تلاش کا سا گھاؤ ہے جبے کا ہر خراش
بیرحم نجلو ایک نظر کرنی تھی ادھر
وہ شوخ و شنگ بے تہ وادب کاش
آباد و جزا کھنڈ چھ دس سے اب ہوا
کشتے کے تیرے ٹکڑے ہوئے لگے بھی کاش
شکل ہے اس خرابے میں آدم کی بود و باش

عمر عزیز یا بس ہی میں جاتی ہے چلی
امید وار اُس کے نہ ہم ہوئے میر کاش

ردیف صاومملہ

شاعری شیوہ ہے شعاریا خلاص
اب کہاں وہ مودت قلبی
دین نہ ہب مرا ہے پیارا خلاص
ہو و سنے ظاہر میں یوں ہزار خلاص

سوتا خلاص کی پڑھی برسوں
میر رکھتا نہیں ہے یار خلاص

ردیف ضاومجبہ

عالم علم سے اس عالم میں ہر لحظہ طاری ہے فیض
ہے معلوم کہ عالم پھریاں وہ جباری ہے فیض
سنگ و شجر میں پاتے یونہیں غنچہ گل ہیں باربر
عالم ہزدہ ہزار جو ہیں یہ سب میں وہ ساری ہے فیض

ردیف طاعے مملہ

جس کو ہوا ہے اس صنم بے وفا سے ربط
گل ہو کے برگ برگ ہوئے پھر ہوا ہوئے
اُسکو خدا ہی بودے تو ہو کچھ خدا سے ربط
رکھتے ہیں اس یمن کے جو غنچے صبا سے ربط

زہارِ بشتِ پا سے نہیں اُٹھتی مسکی آنکھ
شاید اُپسی گئے ہاتھ میں دامن ہو یا رکا
اس چشمِ سرگمیں کو بہت ہے حیات سے ربط
ہو جس کسمِ رسیدہ سے دستِ دعا سے ربط

کرتی ہے آدمی کو دنیٰ صحبت فقیر
اچھا نہیں ہے میر سے بے تہِ گداسے ربط

عشق کو جرات و جگر ہے شرط
بے خبر حال سے نہ رہ میرے
زرِ دی رنگِ چشمِ تر ہے شرط
میں کے رکھا ہوں خبر ہے شرط
رج کو جاوے تو شیخ کو نیجا
پیسوں پر رہتے ہیں یہ لڑکے
عشقِ سبیں تنوں کو زہر ہے شرط
نچتے کاری کے تیں سفر ہے شرط
غیب کرنے کو بھی ہنر ہے شرط
خام رہتا ہے آدمی گھر میں
خستِ یاروں کا کرفاؤں میں

لعلِ پارے ہیں میرِ لعلتِ جگر
دیکھ کر خونِ روِ نظر ہے شرط

رکھتا ہے میرے دل سے تمہارا غمِ اختلاط
ہم دے دے ہی رہتے ہیں مردم کی شکل کیا
ہر لمحہ لحظہ آن و زماں ہر دمِ اختلاط
ان صورتوں میں ہوتا نہیں باہمِ اختلاط

شیریں لبوں جاں کے نہیں چھوٹ جانتے
ہوں تو کہ میسر صاحبِ قبلہ کمِ اختلاط

روایتِ طاعے معجمہ

لطفِ جوانی کے ساتھ گئے پیری نے کیا ہے کیا محظوظ
روئے کر دھنے کو عیش کھو ہو ہم تو تمہارے دعا گو ہیں
کیونکہ جیئیں یارب حیرت ہے بے مزہ ایسے نا محظوظ
یو نہیں ہمیشہ عشق میں اُسکے رکھے ایسا خدا محظوظ

زرِ دی مُنہ کی انگ کی سُرخِ دلوں اب تو رنگ پہیں
شاید میر بہت رہتے ہو اُس سے ہو کے جدا محظوظ

روایت عین مہملہ

بے داغ سر پر جو آئی تھی شمع
پتنگے کے حق میں تو بہتر ہوئی
نہ اُس بہرے روشن محب نہ میں
وہی ساتھ تھا میرے شبگیر میں
پتنگ اور وہ کیوں نہ باہم جلیں
فروغ اُسکے چہرے کا تھا پردہ در

سحر تک شب بانی گھلائی تھی شمع
اگر موم کی بھی بنائی تھی شمع
نکا لا تھا اُسکو چھپائی تھی شمع
کہ تاب اُسکے رخ کی نہ لالی تھی شمع
کہیں سے مگر اک لگ آئی تھی شمع
ہو اکیا جو ہم نے بھجائی تھی شمع

نقب دل سے میرا کف خاک ہے
مری خاک پر کیوں جلائی تھی شمع

کیا بھکا فانوس میں اپنا دکھلاتی ہے دور سے شمع
وہ منہ ملک اور ہر نہں کرتا داغ ہے اُسکے غور سے شمع

وہ بیٹھا ہے جیسے نکلے چودھویں رات کا چاند کہیں
روشن ہے کیا ہوگی طرف اس طرح پر نور سے شمع

اُسکے فروغ نہ تھا جلتی تھی کبھی سی مجلس میں
تب تو لوگ اُٹھائے تھے شبانی اُسکے حضور سے شمع

جلتے کو آتی ہیں ستیاں میرے سنبھل کر جلتی ہیں
کہا ہے میری رات جلی بے بہرہ اپنی شور سے شمع

آتی ہے مجلس میں تو فانوس میں لگتی ہے شمع
وہ سراپا دیکھ کر پردے میں جلاتی ہے شمع

روایت عین معجم

غم کھنچا راگلاں درلج درلج
عشق میں جی بھی ہم گنوا نیٹھے
سب سے کی دشمنی جنھوں کے لیے
قطع امید ہے قریب اُس سے
دل گئے پردہ درلج درلج
اُس نے دیتا نہیں شکستہ دل

ہم ہوئے خستہ جاں درلج درلج
ہو گیا کیا نہ یاں درلج درلج
وہ ہیں نامہریاں درلج درلج

تنج ہے درمیاں درلج درلج
کہتے ہیں سرزبان درلج درلج
ڈھک گیا کیا مکاں درلج درلج

تب کھلی آنکھ میسر اپنی جب
جی چکا کارواں درخ درخ

ہم کو شہر سے اس مہر کے ہے عزم راہ دروغ دروغ
یہ حرکت تو ہم نہ کریں گے خانہ سیاہ دروغ دروغ

الفت کلفت کون کے ہے چاہ گناہ کھساکن نے
بیدردی سے دے سکتے ہیں ہی گناہ دروغ دروغ

شیخ کو وہ توجھوٹہ کے ہے جھوٹہ کو کیونکر جھوٹہ گنیں
ہل درو جو کوئی ہو تو کہے آہ دروغ دروغ

عشق کے مارے غزدگاں سے اُنس کرے ہتان کذب
اس بھیر کی ہم لوگوں سے آفت چاہ دروغ دروغ

کس دلبر کو شوق سے دیکھا میسر غلط ہے تمہت ہے
منہ پہ کسو کے بڑی نہیں ہے گناہ گناہ دروغ دروغ

کیا کیے میاں ابکی جنوں میں سینہ اپنا یکسر داغ
ہاتھ گلوں سے لگتے ہیں شیخ خط ہے سر پر داغ

داغ جلانے فلک نے بدن پر سر و چراغاں ہم کو کیا
کہاں کہاں اب مرہم رکھیں جسم ہوا ہے سر سر داغ

صحبت درگیر آئے اُسکی پر گھڑی ساعت نہ ہوئی
جب آئے ہیں گھر سے اُسے تب آئے ہیں اکثر داغ

غیر کو دیکھ کے اس مجلس میں غیرت عشق سے آگ لگی
اچھلے کودے پسند خط ہم ہو گئے آخر جھلک داغ

جلتی چھاتی پہ سنگ زنی کی سختی ایام سے میسر
گرمی سے میری آتش دل کی سارے ہوئے پھر داغ

روایت قاسم

یہ نہ ہر دم اے عاشق قابل کی تیغ جگر کی طش
نی نظر کر عبت آئیں اُس کی تازہ داد کی طش

چار طرف سے نزدیک حواشی جاؤں کہ مر تنگ یادوں
غالب ہے کیا عہد میں میرے اسے دل دینے کا طفس

آوے زمانہ جب ایسا تو ترک عشق بستیاں کا کر
چاہے بندہ قصہ کرے جانے کا اپنے خدا کی طفس

قحط مروت اب جو ہوا ہے کس کو داغ بادہ کشی
ابر آ یا سبزہ بھی ہو اگر تانہیں کوئی ہوا کی طفس

علم و ستم سے جو رہ جفا سے کیا کیا عاشق مارے گئے
شہر شمس کے لوگوں میں کرتا نہیں کوئی وفا کی طفس

شام و سحر سے عکس سے اسے حرف دین اس گرو کو
بشت پاس سے نگاہ اٹھائی چھوڑی اسے حیا کی طفس

ہاتھ کسی کا دیکھتے رہے گا ہے ہم سے ہونے کا
اپنی نظر اسے میسر رہے ہے اگر دست دعا کی طفس

عشق سے ہم کو کھگا، نہیں کچھ ہائے زیاں جاں کی طفس
ورنہ یہی دیکھا کرتے ہیں اپنے سود و زیاں کی طفس

از بس کرد ہاتھ سے یاں کا مریبہ زار لبالب ہے
یاں سے گئے پر پھر کے منہ دیکھنا نہ تھوٹے جہاں کی طفس

صورت کی شیرینی ایسی تلخی زباں کی ایسی کچھ
منہ دیکھے اس کا جو کوئی پھر دیکھے ہے زباں کی طفس

وہ محبوب تو راہ گیا ہے اپنی لسن دیر تلک
آنکھیں اہل نظر کی رہیں گی اس کے قدم کے لٹاں کی طفس

کس سے کہوں جو میر طرف کر اس سے داد و لادلوے
پھوٹے بڑے ہر ایک سے کی ہے اہل و باش جواں کی طفس

و دیکھو کن آنکھوں ہی سے گنگناہ کی طفس
مطلق نہیں نظر ہیں ہر بار کی طفس

جاتے ہیں سر رگڑتے ہوئے یوں کی طفس

کیا نیچی آنکھوں دیکھو ہونو الہ کی طفس
آواز کی کے محو ہیں ہم خانماں خسراب
مانا ہے قبلہ کعبہ خدا فرط شوق سے

شاید متاعِ حسن کھلی ہے کسو کی آغ
عاشق کی اور نازک تاں جاوے ہے کبھو
ہرگز طرف نہ ہو سکی رخسارِ یار کے
ہنگامہ عشر کا سا ہے بازار کی طرف
جیسے طبیب جاوے ہے بیمار کی طرف
بھینکی ہے اُسکے سامنے گلزار کی طرف

کچھ گل صبا کا لاگو نہیں اس عین میں میر
کرتے ہیں سب ہی اپنے طرفدار کی طرف

نظر کیوں گئی روو مو کی طرف
نہ دیکھو کبھی موتیوں کی لڑی
اگر آرسی میں صفائی ہے لیک
پڑھے نہ کہیں کو دہیمہ مغز میں
کھنچا جائے ہو دل کسو کی طرف
جو دیکھو میری گفتگو کی طرف
نہیں کرتی تھہ اسکے رو کی طرف
نہ کر شانہ تو گل کی بو کی طرف

اُسے ڈھونڈتے میر کھوئے گئے
کوئی دیکھے اس سبجو کی طرف

بہت ہی بہتے مار رکھا تھے جو ہم طرف
بہارِ باغ و گل و لالہ دلربا بن جیف
اے تجھ لغیر لالہ و باغ و بہار جیف
ہے یار بھی ہمارا قیامت ستمِ طرف
بھرے ہیں پھولوں سے جیب کتنا لیکن جیف
گل سے جن بھرے ہوں نہ ہو تو ہزار جیف

ردیف قاف

مہر قیامت چاہت آفتِ فتنہ فساد بلا ہے عشق
عشق اللہ صیاد اٹھیں کیوں جن لوگوں نے کیا ہے عشق
عشق سے نظم کل ہے یعنی عشق کوئی ناظم ہے خوب
ہر شے یاں پیدا ہوئی ہے موزوں کر لایا ہے عشق
عشق ہے باطن اس ظاہر کا ظاہر باطن عشق ہے سب
اودھر عشق ہے عالم بالا ایدھر کو دنیا ہے عشق

دائرہ سائر ہے یہ جہاں میں جہاں تہاں تصرف ہے
عشق کہیں ہے دل میں پنہاں اور کہیں پیدا ہے عشق

موج زنی ہے میر فلک تک ہر جگہ ہے طوفاں زرا
سرتاسر ہے تلاطم جس کا وہ اعظم دریا ہے عشق

ارض و سما میں عشق ہے ساری چاروں اور پھر اسے عشق
ہم ہیں جناب عشق کے بندے نزدیک اپنے خدا ہے عشق

ظاہر و باطن اول و آخر پائیں بالاعشق ہے سب
نور و ظلمت معنی و صورت سب کچھ آب ہی ہوا ہے عشق

ایک طرف جبریل آتا ہے ایک طرف لاتا ہے کتاب
ایک طرف پنہاں ہے دلوں میں ایک طرف پیرا ہے عشق

خاک و باد و آب و آتش سب ہے موافق اپنے تئیں
جو کچھ ہے سو عشق بتاں ہے کیا کیسے اب کیا ہے عشق

میر کہیں ہنگامہ آرا میں تو نہیں ہوں جاہست کما
صبر نہ مجھے کیا جاوے تو صاف رکھو کہ نیا ہے عشق

کیا جا کے دو چار اس سے ہونا چاہے عاشق
بد حال و تسمیدہ و بیمار ہے عاشق
بجرم سدا اس کا گنہگار ہے عاشق
یعنی ہمہ دم مرنے کو تیار ہے عاشق

یتاب ہے دل غم سے نہیٹ زار ہے عاشق
وہ دیکھنے کو جاوے تو میر ہے درگزر نہ
رہتا ہے کھڑا دھوپ میں دود و پیرا کے
اٹھتا نہیں تلوار کے سایہ کے تلے سے

چسپاں ہیں ہوئے میر خریدار سے تنہا
کیا جنس ہے معشوق کہ بازار ہے عاشق

ردیف کاف تازی

پر جو ملے سے شکوہ آیا نہیں زباں تک
یہ نالہ حزیں تو جلتے ہیں آسمان تک
رو تا ہوں رو دیا باوے میرے کنے جہاں تک
قصیدے درد و غم سے چھینے کوئی کہاں تک
نوبہ نکل گئے ہیں اپنے سب آشیاں تک
پیشانی تک نہ پہنچی اس خاک آستان تک
راضی ہیں میرا تو ہم جان کے نیاں تک

اب رنج و درد و غم کا پہونچا ہے کام جہاں تک
آواز کی ہمارے غم حزن پر نہ جاوے
رونا جہاں جہاں تو عین آرزو ہے لیکن
اکثر صدر غم جو رہتا ہے عاشقی میں
آوارہ ہی ہوئے ہم سر مار مار لینی
اے دائے بے نفیسی مرے بھی گزرے لیکن
نفع کثیر اٹھایا کہ عشق کی تحسارت

دل کی تڑپ نے ہلاک کیا ہے، جڑ کے لئے اسکی اڑائی خاک
خشک ہوا خون آشک کے بدلے ریگ رواں سے آئی خاک

صورت کے ہم آئینہ کی سے ظاہر فقر نہیں کرتے
ہوتے ساتھ روتے پاتے اُن نے منہ کو لگائی خاک

پہنچ و تاب سے خاک بھی میری جیسے بگولا پھرنے لگی
سر میں ہوا ہی اُسکے بہت بھی تب تو ہوئی یہ ہوائی خاک

ادب بار کسو کے دل کا کس انداز سے نکلے آہ
روسے فلک پر بدلی سی تو ساری ہماری چھائی خاک

نعمت رنگارنگ حق سے بہرہ بخت سید کو نہیں
سانپ رہا گو گنج کے اوپر کھانے کو تو کھائی خاک

اپنے تئیں گم جیسا کیا تھا یاں سر پہنچ کے لوگوں نے
عالم خاک میں ویسی ہی اب ڈھونڈنے اُن کی نہ پائی خاک

انس نہیں انسان سے اچھا عشق و جنوں اک آفت ہو
فرق ہوئے کیا چھوڑے ہے آدم میں اُسکی جدائی خاک

ہو کے فیر گلی میں اس کی چین بہت سا پالہ ہم
لے کے سر جانے پھر رکھا جائے فرش چھائی خاک

قلب گداز ہیں جھکے دے بھی مٹی سونا کرتے ہیں
میرا کسیر بنائی اُنھوں نے جن کی جہاں سے اُٹھائی خاک

پہرے ہیں کھاروں کے پڑے چاک سے اب تک
ہو سبز نکلتے ہیں تہ خاک سے اب تک
جھکل بھرے ہیں سب گل تریاک سے اب تک
مروط ہیں ہم اس بات بیاک سے اب تک
ہم ہیں متوقع کعبہ جالاک سے اب تک
ٹپکے سے ہوا بدوہ منناک سے اب تک
تن پر ہے شکن تنگی پوشاک سے اب تک

کیا ہم میں رہا گردش افلاک سے اب تک
تھے تو خطوں کی خاک سے اجزا جو برابر
مائدہ نظر چھارے ہیں لالہ صد برگ
دشمن ہوئی ہے جبکے لیے ساری خدائی
ہر چند کہ دامن تئیں ہے چاک گریباں
گو خاک سی اڑتی ہے مرے منہ پہ جنوں میں
اوسے کپڑے تو بے ہوئے میرے سکوئی من

<p>دشت دشت لکے ہو گل تر پاک یعنی آسودگی نہیں تہ خاک میں گریباں کروں کیونکر چاک میرے مانع ہوں کیا خلق خاشاک یاں زبردستوں کی ہے کشتی پاک در خدا سے تو اسے بہت بیگانہ</p>	<p>مشاد افونیوں کا دل غناک تین دن گور میں بھی بھاری ہیں ہاتھ پہنچانہ اس کے دامن تک تیز جاتا ہوں میں تو جوں سیلاب عشق سے ہاتھ کیا ملا دے کوئی بندگی کیشوں پر ستم مست کر</p>
<p>عشق مرد آزما لے آخر کار کیے فرما دو قیس میر ہلاک</p>	
<p>گر ہاتھ ملک ملا کے کوئی پہلوں ہلاک اس نیم جاں کے بدلے ہوا اک جہاں ہلاک ہلکان ہو کے ہو گا کبھی آسمان ہلاک عاشق خدا ہی جانے ہوا ہے کہاں ہلاک</p>	<p>اے عشق کیا جو مجھ سا ہوا ناتواں ہلاک میں چل بسا تو شہر ہی ویران سب ہوا مقصود کم ہے پھر تلہ جو رہتا ہے رات دن اس ظلم کیش کی ہے طسہ بگاہ ہر کہیں</p>
<p>جی میر نے دیا نہ ہوا لیک وصل یار اشوس ہے کہ مفت ہوا یہ جواں ہلاک</p>	
<p>جب رکھی نوبت تم نے تو گوش ہوش نہ کھولے ملک چپکے چپکے کسو کو چاہا پوچھنے آئے نہ بولے ملک</p>	
<p>اب جو چھاتی جلی فی الواقع لطف نہیں ہے شکایت کا صبر کر دیا ہوتا ہے یوں پھوڑیں دل کے پھوسے ملک</p>	
<p>اتھکیں کھولیں حال کے کہتے دیر ہوئی ہے بس یعنی ساری رات کہانی کہی ہے میر اب چل کر سولے ملک</p>	
<p>ردیف کاف فارسی</p>	
<p>رات کی بات کہیں ہم کس سے بے تہ یاں اکثر ہیں لوگ سرگرم بے راہ روی ہیں خود کم بے رہبر ہیں لوگ</p>	
<p>بدتر آپ سے پاؤں کسو کو تو ہیں اس کا عیب کہوں خوب تامل کرتا ہوں تو سب مجھ سے بہتر ہیں لوگ</p>	

لوہو والے ہیں شہر وفا کی راہ درسم کے ہم تو میر
دل کے سکے جی دینے والے قاطبہ کھر کھر ہیں لوگ

کرتے ہیں دوڑنت ہی تماشائی یار الگ
کیا ابکی اس چمن سے گئی ہے بہار الگ
بیٹھا ہے میری خاک سے اٹھ کر غبار الگ
جاتا ہے جوں نکل کے کسو کا خسار الگ
اب تک تو بارے اپنے ہیں جیب و کنار الگ
کر لو تمام گوروں سے میری غزار الگ

رہتے ہیں اس سے لاگ پر ہم بغیر ار الگ
تھا گرد بوائے گل سے بھی دامن ہوا پاک
یاس اس کا بعد مرگ ہے آداب عشق سے
ناگاہ اس نگاہ سے میں بھی ہوا نہال
خونباری سے نہیں پڑی لو ہو کی چھینٹ بھی
تا جانیں لوگ کشتہ ہجرال ہیں یہ غریب

بچتے نہیں ہیں بوزدگی سے گلوں کی میر
گو طائران خستہ جگر ہوں حسد ار الگ

وہ نہیں ملتا ایک کسو سے مرتے ہیں اودھر جا جا لوگ
یعنی ضایع اپنے تئیں کرتے ہیں اُس بن کیا کیا لوگ

بھیسے غم ہجرال میں اس کے عاشق جی کھونٹھے ہیں
برسوں مارے چرخ فلک تو ایسے ہو دیں پیدا لوگ

زلحف و خال و خط سے اُس کے جہاں تھا اب بحث ہے
عقل ہوئی ہے گم خلقت کی یا کہتے ہیں سودا لوگ

چار قدم چلنے میں اس کے دیکھتے جاتے ہیں جو فلک
فتنے سر کھینچا ہی کریں ہیں ایک قیامت برپا لوگ

دنیا جائے نہیں رہنے کی میر غر در نہیں اچھا
جو جاگہ سے جاتے ہیں اپنی دے کرتے ہیں بجا لوگ

اردیف لام

دل دل لوگ کہا کرتے ہیں تم نے جانا کیا ہے دل
چشم بصیرت داہو دے تو عجائب دید کی جا ہے دل

اوج و موج کا آشوب اس کے لیکے زیں سے فلک تک
صورت میں تو قطرہ خوں ہے معنی میں دریا ہے دل

صحرا کو جیسے کشادہ دامن ہم تم کو سستے آتے ہیں
بند کر آ نکھیں دکھ دیکھو تو ویسا ہی محسوس ہے دل

گو کہن و جنون و دامن جس سے پوچھو پتا دیوے
عشق و جنوں کے شہروں میں ہر چار طرف سوا ہے دل

ہاے طہوری دل کی اپنے داغ کیا ہے خود مرنے
جی ہی جس کے لیے جاتا ہے اس سے بے پروا ہے دل

مست پوچھو کیوں زبیت کرو ہو مردے سے افسردہ تم
ہجر میں اس کے ہم لوگوں نے برسوں تک مارا ہے دل

میر پریشاں دل کے غم میں کیا کیا خاطر داری کی
خاک میں لٹے کیوں نہ پھریں اب خون ہو بھی گیا ہے دل

دل جو کھلا افسردہ تو جوں بے بہار گل
سو کھٹے ہے دیر رہ کے تو ہوتا ہے خار گل

آئی بہار نکلے جن میں مسند ار گل
بستر سے اس کے پھول تروتازہ رکھ کے دور

لو کبھا کبھو نہ ہم نے سنا ہے گلندہ میر
داغ جنوں ہے سر پہ ہمیشہ بہار گل

تھے خزاں میں دل سے لب تک با گل لوائے گل
تھے نہ پشانی میں اپنے سجدہ ہائے پائے گل
شاخیں پر گل جھک گئیں یعنی بہت شرمائے گل
اس حد تک میں نقش پائے اس کے پائے گل
گور برد لسنوی سے جوں شمع سر رکھ لائے گل
خوش زبان عشق کے جب پہنچے بھر کے کھائے گل

صد ہزار افسوس اگر خالی پائی جائے گل
بے تعبیبی سے ہو لے ہم موسم گل میں اسیر
دعویٰ حسن سرا پا تھا بہ نازاں عجب کو دیکھ
کیا گل جناب دشمنو گیا سمن کیا استرن
جیتے جی تو داغ ہی رکھا موئے پر کیا حصول
بیدلی بلبل نہ کرتا تیر میں گو تو ہے داغ

اس جن میں جلوہ گر جس حسن سے خوباں ہیں میر
موسم گل میں سہیل اس خوبی سے کب آئے گل

ہم تو اس بن داغ ہی تھے سوا وری جھک کر کھانے گل
طرفہ تو یہ ہے اب منت سے گور بہ نیرے لائے گل
داغ جنوں ہو سر پہ ہمارے شمع کے رنگوں جا لے گل

رنگارنگ جہن میں بکے موسم گل میں آئے گل
ہار نکلے کے ہو کر جیسے یاد رکھا تب عرصے میں
کائے شب گل میر ہیں کیا صبح بہار سے کیا حاصل

ہر لحظہ سے کہورت خاطر سی یار دل
تر بند ہی خشک بند ہی تک بند ہی ہوگی
جوں رنگ لائے سیبِ تن باغِ حسن میں
باہر میں حد و حصر سے کہنے جو غم الم
لاکھوں عین کیے نہ بھی دل سے یار کے
اسکی گلی میں صبح دلوں کا شکار تھا

کیا میر پھر ثبات سے روکو دل کریں
ایسے نہیں گئے ہیں سکون و قرار دل

رکھتا نہیں ہے مطلق تاب عتاب اب دل
درو فراق و لبروے ہے فشار بیڈھب
بے پردہ اسکی آنکھیں شوخی جو کرتیاں ہیں
آتش جو عشق کی سب چھالی ہو تن بدن پر

غم سے گداز پا کر اس بن جو بہ نہ نکلا
شرمندگی سے ہو گا اے میر آب اب دل

موت سے اب وہی ہے مرا ہمکنار دل
جو کیئے ہے فسردہ و مروتہ ضعیف و زار
دو چار دل سے راضی نہیں ہوتے و لبر
خود غم ہے ناشکیب کد رہے مضطرب

رہے میر عشق حسن کے بھی جاذبہ کے تیں
بچھتا ہے سوئے یار جو ہے اختیار دل

روایتِ نیم

عشق ہمارے در پہ جاں ہے آئے گھر سے نکلا کر ہم
سر پر دکھا یہی تلک ہے جاویں کیدھر چل کر ہم
بل کھائے ان بانوں سے کب عہدہ برآ ہوتے ہیں ہزار
تیکے کا سائل نکلا ہے تک جو چلے تھے بل کر ہم

مست پوچھو کچھ پچھاتے ہیں کیا کہئے گھبراہٹ میں جی تو لیا ہے اپنی نفل میں دل ٹپھے ہیں ڈل کر تم	
بے تنگ دو کیا سیری ہو دیدار کے ہم سے تشنوں کو پانی بھی پی سکتے نہیں تنگ اپنی جگہ سے ہلکر ہم	
عشق جو ہوتا داغ میں تو سیدھے جاتے تیغ تلے راہ ہوس کی پھرتی ہم نے یعنی چلے ہیں قلندر ہم	
ہائے جوانی سوز کنایاں پا بوس کو اسکے پھرتے تھے اب چپ بیٹھ رہے ہیں یکسو ہاتھ بہت سے ملکر ہم	
آگے تو کچھ اس کے آپس گرم شعلہ نشانی ہیں اب تو ہوئے ہیں میر اک ڈھیر سی خاکسری جھلک رہی	
ڈول لگائے بہتر سے پر ڈھب یہ سمجھو نہیں آتے تم آنا کیسو کب دیکھو ہو ایدھر آتے جاتے تم	
ہر صورت کو دیکھ رہو ہو ہر کو بچے کو بھانکو ہو آگے عشق کیا ہوتا تو پھر رہتے جی نہ کھیلتے تم	
چاہت آفت الفت کلفت مہر و وفا و رنج و بلا عشق ہی کے سب نام ہیں یہ دل کاش کہیں نہ لگاتے تم	
تساؤ ہو مرغان قفس کے آئے گھر صیادوں کے پھول اک دو نسکین کو ان کی کاش چمن سے لاتے تم	
دو دلوں طرف کشش رہتی تھی نیا نیا عشق اپنا دھوپ میں آتے داغ ہوئے تو گرمی سے گل کھاتے تم	
کید مراب وہ بیکر مکی جو دیکھ نہ سکتے دستنگی رہتے پاتے تنگ جو ہیں تو دیر تلک گھبراتے تم	
کیا کیا شکلیں مجبوروں کی پردہ غیب سے نکلی ہیں منصف ہو تنگ اے نقاشاں ایسے ہرے بناتے تم	
نشاہ شب مستی میں تھاری گرم ہوئی تھیں آنکھیں کہیں	

پیش از صبح جو آئے ہو تو آئے راتے ماتے تم

کب تک یہ دردیدہ نگاہیں غم آ آنکھیں جھکا لینا
دلبر ہوتے فی الواقع تو آنکھیں یوں نہ پھیپاتے تم

بعد تازہ عایشیں کیں سو میں فقیر ہوئے تم تو
ایسی مناجاتوں سے آگے کا شے ہاتھ آ کھاتے تم

چاہ بھی بے پردہ ہوئی اب یارب کیدھر جاویں ہم
کاش اجل ہیوقت ہی ہو پچھے ایک طرف مر جاویں ہم

اُسکی نگہ کی اچیلوں سے غش کرتے ہیں جگر داراں
کیا بھر نیک دل اپنا جو بجلی سے ڈر جاویں ہم

صبر و قرار جو ٹک ہوئے تو بہتر ہیں بی طاقت بھی
ہاتھ رکھے دل ہی پر کبتک او و صبر اکثر جاویں ہم

خاک برابر عاشق ہیں اس کو چے میں ناچاری سے
گھر ہوں خانہ خرابوں کے تو اپنے بھی گھر جاویں ہم

میر اپنی سب عمر گئی ہے سب کی بُرائی ہی کرتے
سر بر آ یا جاتے کا موسم اب تو بھلا کر جاویں ہم

کیا کہیئے نہ ہماری سنی اب بیٹھے رنج اٹھاؤ تم
ہاتھ چلے تو عاشق زار کو خاکِ خوں میں لٹاؤ تم
کس کو یاں پردا ہو کس کی ٹھہرو آؤ جاؤ تم
کیا مرزائی لالہ و گل کی پھر خاطر میں نہ لاؤ تم
گل نے کہا جو خوبی سے اپنی پھر تو نہیں فرماؤ تم
کیا کرے جو بیدست پائیموں کے ہاتھ آؤ تم
بیٹھے ناز و غرور سے بھرے بال اپنے بنناؤ تم
قشتے چھینچو پوٹھی پڑھو زنا رنگے سے بندھاؤ تم

ہم تو یہی کہتے تھے ہمیشہ دل کو کہیں لگاؤ تم
جھوٹھ لگا کیا ہمنے امیں طور جو اس ظاہر ہی
صبر کرو بیتاب رہو خاموش پھر و یا شور کرو
ناز و غرور و بخت سارا چو لوں پر نہ چین کا سو
دائے کہ اُس سچاں کشتے نے باغ سے جاتے ٹکٹ سنا
دست پا بہتر سے مارے سر بھی پھوڑے حسرت سے
غم میں کھائے صورت و خوش کی سیکڑوں کی بکریں
در پہ حرم کے کشود نہیں تو دیر میں جا کر کافر ہو

بود نمود ثبات رکھے تو یہ بھی اک بابت ہے میر
اس صفحہ میں حرف غلط ہیں کا شے ہو ٹھاؤ تم

کیا کریں سب میں ہم بے بس ہیں ہم بے گھر ہیں ہم
سرنہ بالیں سے اٹھادیں کاشکے بیار عشق
سوط لے جاتی ہے ہکڑ پریشاں خاطر
گرنہ روئیں کیا کریں ہر چار سو ہے سیکسی

وہ جو رنگ بہ کبھی اس راہ سے نکال نہ میر
ہم نہ رکھتے تھے ستارہ یعنی بد اختر ہیں ہم

کہا سنتے تو کاہے گو کسو سے دل لگاتے تم
شکیبائی کہاں جواب ہے جاتی ہوئی رعیت
یہ حسن خلق تم میں عشق سے پیدا ہوا ورنہ
نظر زد دیدہ رکھتے ہو جھکی رہتے ہو پلوں کو
یہ ساری خوبیاں دل لگنے کی میں مت براناؤ
پھر کرتے تھے جب مغرور اپنے حسن پر آگے

جو ہوتے میر سو سر کے نکر تے اک سخن اُن سے
بہت تو بان کھاتے ہو ٹٹھ غصے سے جباتے

اس کی گلی میں غش جو کیا آسکے نہ ہم
سوئے تو غنیم ہو کسو کھن کے آس پاس

حال آنکہ ظاہر اُسکے نشان شش بہت تھے میر
خود گم رہے جو پھرتے بہت پاسکے نہ ہم

ہم نہ کہا کرتے تھے تم سے دل نہ کسو سے لگاؤ تم
جی دینا پڑتا ہے اس میں ایسا نہ ہو بھیتاؤ تم

سو نہ نشی تم نے تو ہماری آنکھیں لگوں لگ پڑیاں
رو رو کر سر دھنتے ہو اب پیٹھے سرخ اٹھاؤ تم

میر کہاں جو تسکین ہو دے بتیابی سے چین کہاں
ایک گھڑی میں سو سو بار او دھر سے ایدھر جاؤ تم

خواہش دل ہے چاہ کسو کی یہی سبب ہے کاش کا

ناحق ناحق کیوں کہتے ہو عشق کی طرف دل لاؤ تم

ہر کوچے میں کھڑے رہ رہ کر ایدھر اُدھر دیکھو ہو
ہائے خیال یہ کیا ہے تم کو جانے بھی دو اب آؤ تم

ناش نہ کرے راز محبت جا میں اس میں جاتی ہیں
درد دل آنکھوں سے ہر ایک کے نامقدور چھپاؤ تم

قدر و قیمت اس سے زیادہ میر تمھاری کیا ہوگی
جسکے خواہاں دونوں جہاں میں اُسکے ہاتھ بکاؤ تم

ماہیت

تظلم کہ کھینچے الم برالم
علم بازی آہ جانکاہ سے
جو سوسرے ہو اوتوں میں
کئی بار آیا دھڑلطف سے
ترحم کہ مت کرستم برستم
سے ٹوٹتے ہی غم بر غم
عبث کھاتے ہو تم قسم بر قسم
عطا پر عطا ہے کرم پر کرم

خطرناک تھی وادی عشق میر
گئے اس پہ بھی ہم قدم بر قدم

روایت نون

اُس بے نشان کی ایسی ہیں چندیں نشانیاں
کس رنج و غم میں گزری ہیں اپنی جوانیاں
بر باد کیا گئی ہیں مری جانفشانیاں
خوش آگئیں ہیں اُسکی مجھے بد زبانیاں
دل ہی میں خوں ہوا کیں مری تکتہ دانیاں
تجکو جو اُن سے عشق تھا میری ثنائیاں
پھر اور ہے اُٹھتی نہیں سرگزینیاں
عالم تو کاروان ہے ہم کاروانیاں

تاروں کی جیسے دیکھی ہیں آنکھیں ٹرائیاں
پیری ہے اب تو کیسے سو گیا کیسے سہنیاں
قلم و ستم سے خون کیا پھر دبا دیا
میں اک چھپر چھپر کے کھاتا ہوں گالیاں
سنا نہیں ہے شکر بھی وہ حرف ناشنو
باتیں کوٹھیب قیب کی ساری ہو میں قبول
مجلس میں تو خفیف ہوئے اسکے واسطے
عالم کے ساتھ جائیں چلے کس طرح نہ ہم

سرفرتہ سخن نہ میر کا قصہ خواب ہے
نیندیں اچھلتیاں ہیں سنے یہ کہانیاں

راستے ہو آتے ہوا اہل موس میں
 در میں کہاں شور ایسا و مہرا تھا
 ہمیں عشق میں بے بسی بے کسی ہے
 نہ رہ مطلق نہ تسمہ بازِ فلک سے
 بہت روئے پر دے میں جب دیدہ تر
 تن زار لاغر میں ظاہر رگیں ہیں
 محبت و فاجر کرتے تھے باہم
 تمہیں ربط لوگوں سے ہر قسم کی ہے
 مزا میں ہے لوگے کیا کم تر میں
 کسو کا نگر دل رکھا تھا جس میں
 نہ دشمن بھی ہو دوستی کے تو میں میں
 وفا سے یہ بہتوں کی کھینچے کر میں
 ہوئی ابھی ہر بات تب اس برس میں
 بھر لے عمر عشق اک ایک سن میں
 اٹھا دی ہیں تھے اساری میں
 نہ کھایا کرو چھوٹی چھوٹی تو قسمیں

ہوا ہی کو دیکھے ہیں بے میر اسیراں
 لگا دیں مگر نکھیں چاک قفس میں

غم حیراں میں بھر کر اکٹھا میں
 شگفتہ خاطر ہی اس بن کہاں تھی
 کسو سے دل نہیں ملتا ہے یارب
 تفاوت ہم صغیروں سے نہیں کچھ
 گیا صبر آخر آزار دی پر
 نہ غنقا کا کہیں نام و نشان تھا
 طرف گلزار کے آیا حیل میں
 چمن میں غنچہ پیشانی رہا میں
 ہوا تھا اس شطری آن سے جدا میں
 ہوا ہوں ایک مدت میں رہا میں
 بہت کد تار بادار و دوا میں
 ہوا تھا شہرہ جب نام خدا میں

ہوا تھا میر شکل عشق میں کام
 کیا پتھر جگر تب کی دوا میں

فریاد سے کیا لوگ ہیں دن ہی کو عجب میں
 حسرت کی جگہ ہے نہ کہ سبز ان گل اذام
 افتادگی پر بھی نہ پھووا دامن آنکھوں کا
 سرخوت نکل خشت کی جو سرخ ہوئی نکھیں
 رہتی ہے غلش نالوں سے میری دل شب میں
 جاتے ہیں چلے آگے سے آتے نہیں دوحب میں
 کوتاہی نہ کی دلیروں کے ہم نے ادب میں
 جلتے ہیں تر و خشک بھی مسکین کے غضب میں

پایا نہ کنھوں نے اسے کشش کی بہت میر
 سب سالک و مجذوب گئے اس کی طلب میں

<p>ہل اس گھر پہ جاں دیتے ہیں ہم آنکھوں کو زبان دیتے ہیں ملنے رخصت کے پان دیتے ہیں بدلے اسکے جہان دیتے ہیں یہ سمجھو انگسوان دیتے ہیں نہیں اس کا نشان دیتے ہیں</p>	<p>اُس کو دل سا مکان دیتے ہیں کیونکہ خوشنواں ہوویں اہل چین نور خطاں پھیر لیں ہیں منہ یعنی جان کیا گوہر گرامی ہے ہندو بچوں سے کیا معیشت ہو یہ عجب گم ہوئے ہیں جسکے لیے</p>
<p>مگر خواباں میں میسر نہیں ہم کو غم سرون میں ان دیتے ہیں</p>	<p>پلیں پھری ہیں کھنچی بھویں ہیں ترکھی تیکھی نگا ہیں ہیں اس ادبائش کی سادگی دیکھو شوخی سے ہم چاہ ہیں ہیں</p>
<p>کیا پہناؤ خوش آتا ہے ان لڑکے چپاں پوشوں کا موندھے چسے ہیں چولی پھنسی ہو پیر مٹی ٹٹو مٹی نکلا ہیں ہیں</p>	<p>ضبط گریہ دل سے ہو تو کوزے میں دریا کرنا ہے حوصلہ داری جکی ہو ایسی عشق میں انکو سرا ہیں ہیں</p>
<p>جب سے خدا میں آن سے ہوا ہوں حال عجبے لفظ و شب چشم تر سے پلکیں ہیں آنسو خشک لبوں پر آہیں ہیں</p>	<p>دل ہے داغ جگر ہے ٹکڑے رہ جاتے ہیں چپکے سے چھاتی سرا ہے ان لوگوں کی جو چاہت کو تباہ ہے ہیں</p>
<p>دل اٹھے ان بالوں میں تو آخر سودا ہوتا ہے کو بچے کو زنجیر کے یعنی زلفوں سے دو راہیں ہیں</p>	<p>یہ بھی سماں خوش ترکیبوں کا میرتا اپنے دل سے گیا سوئے سے اٹھکر آنکھیں ملی ہیں لے انکڑائی بجا ہیں ہیں</p>
<p>مگر کیا ہے برسوں ہم نے رات سے بے طاقت سے ہیں اور گزرا راکب تک ہو گا کچھ اب ہم رخصت سے ہیں</p>	<p>یہ بھی سماں خوش ترکیبوں کا میرتا اپنے دل سے گیا سوئے سے اٹھکر آنکھیں ملی ہیں لے انکڑائی بجا ہیں ہیں</p>
<p>رسم لطف نہیں ہے مطلق شہر خوش محبوباں میں</p>	<p>یہ بھی سماں خوش ترکیبوں کا میرتا اپنے دل سے گیا سوئے سے اٹھکر آنکھیں ملی ہیں لے انکڑائی بجا ہیں ہیں</p>

دیکھے کم جو کرتے کسو پر عاشق ہم مدت سے ہیں

عشق کے دین اور مذہب میں مرجانا واجب آیا ہے
کو کمن و مجنون موسے اب ہم بھی اسی ملت سے ہیں

لنا نفروں سے اُن کا پھوٹا کر مسیری صحبت میں
پھر متفر بھی یہ بے تر مجھ سے کی صحبت سے ہیں

فرصت اُن کو کم ہے اگرچہ پر ملتے ہیں قیاب پر
برسوں میں سے مل دیکھا ہے کچھ و کم فرصت ہیں

پر اس قسم سے بازہ لطف و کرم نہیں
اب قابل اعتماد کے قول و قسم نہیں
آئینہ رکھ کے سامنے دیکھا تو دم نہیں
یاں بار غم سے خم ہو داں بھونوں غم نہیں
یا لو ہو روتے رہتے تھے یا چشم نم نہیں
یہ التفات اُن نے جو کی ہے سو کم نہیں

ہر چند میرے حق میں کچھ اسکا قسم نہیں
درویش جو ہوئے تو کیا اعتبار سب
حیرت میں سکتے سے بھی مر حال ہو ہے
مستثنیٰ کس قدر ہیں فقیروں کے حال نے
شاید جگر کا کام تمامی کو کھینچ گیا
غم اُس کا کچھ نہیں ہیں گو لوگ کچھ کہیں

کہنے لگا کہ میرے بچوں کا کہیں
تم وہ دیکھو نہ کہیں غلام اُسکے ہم نہیں

دل جلتے کچھ بن نہیں آتی حال گر جاتے ہیں
جیسے چراغ آخری شب ہم لوگ بڑھتے جاتے ہیں

رنگ ثبات چمن کا اڑایا باد تندر خزاں نے سب
برگ و بار و نورس گل کے غنچے جھڑتے جاتے ہیں

طینت میں ہے نیاز جھنوں کے سجود اُن کی سب آزیں
خاک جو یہ پامال ہے اُس سے سرگور گر جاتے ہیں

راہ عجب درپیش ہے ہم کو یاں سے تنہا جانے کی
یا رو ہدم و ہمرای ہر کام بچھڑتے جاتے ہیں

ضعف دماغ سے اُفتاں خیزاں چلتے ہیں ہم راہ ہوس
دیکھیں پیش آوے اب تو گرتے پڑتے جاتے ہیں

قد کو اپنے حشر خرام کے ایک نہیں لگ سکتا ہے
سرور وان باغ جہاں سرچند اکڑتے جاتے ہیں

میر بلانا ساز طبیعت لڑکے ہیں خوش ظاہر بھی
ساتھ ہمارے راہ میں ہیں پھر سے لڑتے جاتے ہیں

عشق نے ہم کو مار رکھا ہے جی میں اپنے تاب نہیں
دل کو خیال صبر نہیں آنکھوں کو میل خواب نہیں

کوئی سبب ایسا ہو یا رب جس سے عزت رہا دے
عالم میں اسباب کے ہیں پر پاس اپنے اسباب نہیں

نقطہ نہیں ہے دل کا اب من مارے تم کیوں پھرتے ہو
لینے والا چاہیے اس کا ایسا تو کیا اب نہیں

نقطہ کے جواب نہ کہنے کی کچھ وجہ نہ ظاہر ہم پہ ہوئی
دیر ملک قاصد سے پوچھا منہ میں اُسکے جواب نہیں

روتاروت شمار کا بجک آٹھ پہر اب رہتا ہے
یعنی میر گناہوں کو کچھ حصہ و حد حساب نہیں

زنگ شکستہ دل ہے شکستہ سر ہے شکستہ مستی میں
حال کسو کا اپنا سا اس میخانے میں خراب نہیں

مٹھیں میر کسو جاگہ ہم دلو قرار جو تک آدے
ہو کے فقیر اس در پر بیچیں سکے بھی ہم باب نہیں

کیا کچھ نہ ہم بھی دیکھ چکے ہجر یار میں
جو ہے رواروی ہی میں ہی اس دیا ر میں
انگڑایاں ہی لیتے ہیں اُتیک نما ر میں
لگ لگ اٹھی ہے آگ کفن کو مزار میں
مٹتے ہیں دم نہیں کسی تیرے شکار میں
ناتہ ہے ایک لیل کا سو کس قطار میں
ایک عندلیب کیا ہے کہوں میں تہا ر میں

آہ نکھیں سفید دل بھی جلا انتظار میں
دنیا میں ایک دو نہیں کرتا کوئی مقام
دیکھی تھیں ایک روز تری مست آنکھیاں
اٹکرتھا دل نہ تھا مرا جس سے تیرے زریں
بیدم ہیں دامگاہ میں اکدم تو جھلکے دیکھ
محل کے تیرے گرد ہیں عمل کئی ہزار
شوراب چین میں میری غزنی کا ہی میر

طلب ہے کام دل کی اسکے بالوں کی سیر میں
نگہ غزلت میں اس ابرو کماں کی پروا دہری یعنی
نظیر اسکی نظر آئی نہ سیاحت عالم کو
حزینہ وار ہے مرغ چمن کی کیا جنون آور

گدا فی شب کروں ہوں میں نہایت فقیری میں
لگا تیرا منکا بھاتی میں ہاری گوشہ گیری میں
سیاحت دور تک کی ایک ہے وہ بے نظیری میں
نہیں خوش زمرہ و سیاہ کاری ہمنصیری میں

برائی میں نہ رسوائی ہوئی تا میں سرمہ کتے
ہوئے اطفال تہ بازار گاہک ہی کے سیری میں

دل کی تہ کی کمی نہیں جانی کیسے تو جی ماریں ہیں
رنگ کر بھٹ نہیں جو آنکھیں رو دی سی دو دھاریں ہیں

حرف شناس نہ سکتے جب تم تو بے پریش تھا ہوسہ لب
ایک اک بات کی مشاقوں سے سو سواب تکراریں ہیں

عشق کے دیوانے کی سلاسل ہمتی ہے تو ڈریں ہیں ہم
بگڑے پیل مست کی سی زنجیروں کی جھکار ہیں

دے بھولوں جید ہر ہوں خمیدہ اور دھڑکا ہے خدا حافظ
یعنی جو ہر وار جھکی خونریز کی دو تلوار ہیں

دے دے جن لوگوں کو پھرتے آنکھوں پہنے دکھا ہے
مہ نظر تک آج انھوں کی گرد شہر مزاریں ہیں

بیچ و تاب میں بل کھا کھا کر کوئی مرے یاں ان کو کیا
والی دے لیے مشادہ کو کیسواں ہی اپنے سوار ہیں

برے برے تھے مگر جن کے یاں آثار اُنکے ہیں اب

میر شکستہ دروازے میں گری ٹری دیوار ہیں

عزلی شہر کے بازار میں آئیٹھے ہیں
روشن عاشق و مشوق جدا آئیٹھے ہیں
تیغ و خوار تلے یار کے حبا بیٹھے ہیں
دل سا گھر آنتی آہوں سے جلا بیٹھے ہیں
اور سب خیر سے ہم ہاتھ اٹھا بیٹھے ہیں

حسن کیا جنس ہے ہی آسپہ لگا بیٹھے ہیں
ہم دے ہر چند کہ تھانہ ہیں دونوں لیکن
ان ستم کشوں کو ہے عشق کہ اٹھ کر کیا
کیونکہ یاں اُس کا خیال آئے کہ آگے ہی ہم
پیش رو دست و پاس وہی شے خواہیں ہر

ساری رات آنکھوں کے آگے ہی مرے رہتا
باغ میں آئے ہیں برائے گل ترین کیسو
گو کہ وسے چاند سے کھڑے کو بھیا بیٹھے ہیں
غنچہ پشانی دولتنگ و صفائیٹھے ہیں
کیا کہوں آئے کھڑے مگر سے تو اک شوخی ہے

قافلہ قافلہ جاتے ہیں چلے کیا کیا لوگ
میر غفلت زدہ حیران سے کیا بیٹھے ہیں

نغمہ کیے اور دھڑدھڑ ہوئے جاتے ہیں ڈر سے سبکساراں
کیونکہ ہینگے اس رستے میں ہم سے آہ گراںباراں
جی تو بھٹا دیکھ آئینہ ہر لوح مزار کا جامہ نما
پھاڑ گریباں تنگدلی سے ترک لباس کیا یاراں
کی ہے عمارت دل کی جنھوں نے انکی بنا کچھ رکھی رہی
اور تو خانہ خراب ہی دیکھے اس بستی کے مساراں

مینا نے میں اس عالم کے لغزش پرستوں کی نہ جا
سکر میں اکثر دیکھے ہم نے بڑے بڑے یاں ہشیاراں
کیا ستھراؤ شفا خانے میں عشق کے جا کر دیکھیں ہیں
ایہ مراد و مر سیکڑوں ہی بر پشت بام تھے بیماراں

بعد صبحی گھگھکاتے گھگھکاتے باچھیں بھٹ بھی گئیں
یار ب ہوگی قبول سمجھو بھی دعاے صبح گھنگھاراں
عشق میں ہم سے تم سے کہیں تو کھپ جا دیں غم کسکو ہے
مارے گئے ہیں اس میدان میں کیا دل والے جگر داراں

حاکم شہر حسن کے عالم کیونکہ منم ایجاد نہیں
باری ہماری کیا باری خاطر سے فرشتوں کی
خون کس کا کوئی کرے واں واں نہیں یاد نہیں
ذکر ہمارا اُس سے کیا سو کہنے لگا کچھ یاد نہیں
عالم عشق خرابہ ہے واں کوئی گھر آ یاد نہیں
کوہ رہیں گونا لاں برسوں لیکن بفر یاد نہیں
عشق کوئی ہمدرد کہیں مدت میں پیدا کرتا ہے

لڑنا کاواکی سے فلک کا پیش پا افتادہ ہے
میر طلسم غبار جو یہ ہے کچھ اُس کی بنیاد نہیں

جینے کی اپنے ہم بھی کوئی طرح کا لیں
حیران کار یا رب ہم کیا ڈول ڈالیں
واں لگ چلے ملک کو اسکو بھی یہ لگالیں
ان شکر میں لبوں کے ہونٹھوں کچھ فرالیں
وزویدہ دیکھنے میں دل دیکھتے چرا لیں
دست مطلق اپنے سر سے مرے اٹھالیں
یوں چاہئے کہ وبردوئیں سے دعا لیں
آئیں نہیں سمجھ میں ان دبروں کی چالیں

تدبیر کوئی تباوے جو آپ کو سنبھالیں
قالب میں جی نہیں ہے اس بن ہمارے گویا
عشر میں داد خواہاں چاہیں کس سے چاہیں
طالع نہ ذائقے کے اپنے کھلے کہ ہم بھی
خوش چشم خوب رویاں دیدہ دریاں ہیں کتنے
عشق و جنوں سے جی تو تنگ گیا ہر کاش اب
خونریزی سے ہماری اچھا ہے ہاتھ اٹھانا
چلتے ہیں ناز سے جب بھوکے گھر سے دل کو

منت ہزار کرے مانے منے نہ ہر گز

میرا یہ درد کو ہم کس طرح سے منالیں

فاقہ مستی مدام کرتا ہوں

میں بھی اب یک کام کرتا ہوں

میکشی صبح و شام کرتا ہوں

کوئی کام یوں سے کتنا

یا تو لیتا ہوں داد دل یا اب

کام اپنا تمام کرتا ہوں

سننے کے دن جب یاد آتے ہیں سدھ بدھ بھوے جاتے ہیں

بخود ہو جاتے ہیں ہم تو دیر بخود پھر آتے ہیں

رویت واو

میں خوش ہوں اسی شہر سے میخانہ جہاں ہو
وسر جمع ہوئے پر میں بلا شانہ جہاں ہو
اب جا کے رہو وال کمیں رسوا نہ جہاں ہو
غش آتا ہے لوگوں کو یہ افسانہ جہاں ہو
اس بزم میں جاسم سا پروانہ جہاں ہو
ہے جی میں وہیں جا بیوں ویرانہ جہاں ہو

دل کھتا ہے وہاں حجت زندانہ جہاں ہو
ان کھرے ہوئے بالوں سے خاطر ہو پریشاں
رہنے سے مرے پاس کے بدنام ہوئے تم
کچھ حال کہیں اپنا نہیں بخود می تعب کو
کیوں جلتا ہے ہر جمع میں مانند دیے کے
ان اجڑی ہوئی سبتیوں میں دل نہیں لگتا

دشت ہے خرومندوں کی صحبت مجھے میر

اب جار ہوں گا وال کوئی دیوانہ جہاں ہو

پاس تو ہے جسکے دے ہی کل کہیں گے دور ہو
پانوں اسکے آنکھوں پر رکھ لیوں جو منظور ہو
اسکو ویرانہ نہ کہیے جو کھو متصور ہو
مشیت مے پاس ہووے اور وہ مخمور ہو

اپنے حسن عارضی پر کج مت مغرور ہو
دیکھ کر وہ راہ چلتا ہی نہیں ملک ورنہ ہم
شہر دل کی کیا خرابی کا بیاں باہم کریں
ہم نفل اس سنگدل سے کا شکے اسدم ہو

عشق دلکش ذبح ہی پر کھیل قدرت کا ہی میر
صرف کرے اس میں اپنا جب قدر مقدور ہو

عاشق ہو تو اپنے تئیں دیوانہ سب میں بتاتے رہو
چکر مارو جیسے بگولا خاک اڑاتے آتے رہو

دوستی جس کو لوگ کہیں ہیں جان سے اسکو خصوصیت ہی
ہو جاوے جو تم کو کسی سے تا مقدور چھپاتے رہو

دل گلنے کی چوٹ بری ہے اس صدمے سے خدا حافظ
بارے سخی کشش کو کشش سے جی کو اپنے بچاتے رہو

آلی بہار جنوں ہو مبارک عشق اللہ ہمارے لیے
نعل جڑے سینوں پہ پھر وتم داغ سروں پہ جلاتے رہو

شاعر ہوست چکے رہو اب چہ میں جانیں جاتی ہیں
بات کرو ابیات پڑھو کچھ بتیں ہم کو بتاتے رہو

اگر یہ قبلے سے آیا تم بھی شیخو پاس کرو
تحقیقی ملک لٹ پی بانڈھو ساختہ ہی مدھماتے رہو

کیا جانے وہ مائل ہووے کب ملنے کا تم سے میر
قبلہ و کعبہ اُس کی جانب اکشر آتے جاتے رہو

کہیں اپنے رونے سے فرصت ہے مجکو
مگر کوچہ گردی سے الفت ہے مجکو
ترے عشق میں دم غنیمت ہے مجکو
کہاں بات اٹھانے کی طاقت ہے مجکو
جیا اب ملک کیونکہ حیرت ہے مجکو

کیا فرض ہستی کی رخصت ہے مجکو
پھروں ہوں ترے عشق میں کوچہ کوچہ
کہاں زندگی مدت العمر ظالم
نہ کر شورناصح بہت تا تو اں ہوں
ہیں سباب مرنے کے سب تیرے غم میں

دل اتنا ہے آشفۂ خورشید رو کا کہ اپنے بھی سائے سے وحشت ہے محکو

کڑھوں ہوں گا من مانا میر صاحب

نیم یار میں کیا فراغت ہے محکو
کیا غیرت سے دل پر تنگ رنج و غم نے دنیا کو
رہا ہر ایک عالم اور دنیا داروں میں اُس کا
ہمیشہ رونا کڑھنا سینہ کو بی ہر زباں کرنا
منا میں نے کہ آخر ہاتھ اٹھایا اُس نے دنیا سے
اگر بیا بھی محنت کر کسو ہدم نے دنیا کو

اُمیں سے آسمان تک میر ہے شور جنوں میرا
تہ و بالا کیا دونوں میں اس اودھم نے دنیا کو

کیا کچھ ہم سے ضد ہے تم کو بات ہماری اڑا دو ہو
لگ پڑتے ہیں ہم تم سے تو تم اوروں کو لگا دو ہو

کیا روویں قدر و قیمت کو ہمیں سے ہے معلوم ہیر
کام ہمارا پاس تمہارے جو آتا ہے بہا دو ہو

اتنی تو جا خالی رہی ہے نرم خوش میں تمہارے سوا
جن کو کہیں جاگہ نہیں ملتی پہلو میں اُن کو جا دو ہو

زنگ تو جاوے دل سے ہمارے غیر سیہ رو بدگو کے
کھینچے تا ایسی ایک لگاؤ تیغِ ستم کی جا دو ہو

صحبت گرم ہماری تمہاری شمع پینگے تکی سی ہے
یعنی ہو دلسوز جو کوئی اُس کو تم تو جلا دو ہو

زنگ صحبت کس کو دکھاویں خوبی اپنی قسمت کی
ساغرے دشمن کو دو ہو ہم کو زہرِ منگا دو ہو

بند نہیں جو کرتے ہو تم سینے کے سوراخوں کو
جی کے رکن میں ان رخنوں سے شاید دل کو ہوا دو ہو

آنکھ جھپک جاتی نہیں تنہا آگے چہرہ روشن کے
ماہ بھی بیٹھا جاتا ہے جب منہ سے نقاب اٹھا دو ہو

غیر سے غیریت ہے آساں لیکن تہ کچھ ہم کو نہیں
بات بتاویں کیا ہم تم کو تم کو ہم کو بتا دو ہو

میر حقارت سے ہم اپنی چپ رہ جاتے ہیں جان چلی
طول بہار سے گھٹنے کو دے کر جیسے چراغ بڑھا دو ہو

کہتے نہ تھے ہم تم سے دل ہاتھ سے مت دیجو
اُن پلوں کی کاوش سے زخمی ہو چکا سارا
کیا جان لیے جبکہ جانا سے چھپنا منہ
دل غمت شکستہ دل دل بے غم زخمی دل

اس راہ سے کرتا ہے دل کسب ہوا کا ہے
میرے پھٹے سینے کو زہر نہار نہ تم سبجو

بات کہوں کیا چپکے چپکے دیکھو ہو آئینے کو
دیکھتے ہو تو دیکھو ہمارے جلتے تو سے سے سینے کو

کیا جانو تم قدر ہماری مسرود وفا کی لڑکے ہو
لو ہو اپناویں ہیں تمہارے گرتے دیکھ پسینے کو

پھر ایام غم کا مجھ کو بہت کڑھ صاب آتا ہے نظر
تم بھی غنیمت جانو میاں دس دن کے میرے جینے کو

وہ جو غیرت مہ لٹا ہے غیر سے ہم میں غیرت کش
شال ہمارے جی کا ہو گا ظاہر کوئی نہیںے کو

نحس دل آئینوں سے گرا سو ٹکڑا عمل کا تھا گویا
نصب کروں گا میر جگر پر خوش رنگ ایسے بگینے کو

ابراہیم یا زور غیرت تم بھی ٹھک پیدا کرو
پائے کو باں دست افشاں آن کر سودا کرو
ایک جا تو جی لگاؤ دل کے تئیں بجا کرو
خرقہ صد چاک پہنو آپ کو رسوا کرو
کچھ ہمیں پروا نہیں ہے تم اگر پروا کرو

صوفیاں غم وا ہوئے ہیں ہائے آنکھیں دکھیں
مستی و دیوانگی کا عہد ہے بازار میں
ہر جگہ دلکش ہے اُسکی برگ گل سے جسم میں
ہے تکلف ہے تعین اس قصب پوشی کی قید
گرچہ ہم پرستہ طائر ہیں پرے گھمائے تر

	موسم گل آیا ہے یا رو کچھ میری تدبیر کرو یعنی سایہ سرد گل میں اب مجھ کو زنجیر کرو
پیش سعایت کیا جائے ہے حق ہے میری طرف سو ہے میں تو چپ بیٹھا ہوں کیسو گر کوئی تفسیر کرو	
	کان لگا رہتا ہے غیر اس شوخ کہاں ابرو کے بہت اس تو گناہ عظیم پہ یار و ناک میں اُس کے تیر کرو
پھر دیے ہیں دل لوگوں کے مالک نے کچھ میری طرف تم بھی ملک اسے آہ و نالہ قلوب میں تائید کرو	
	آگے ہی آزدہ ہیں ہم دل میں شکستہ ہمارے سب حرف رنجش پنج میں لا کر اور نہ اب دلگیر کرو
کیا ہو مخمور عمارت منعم اے معمار خیرانی ہے بن آوے تو گھر ویراں درویشوں کے تمہید کرو	
	عاشق ہو ترسا بچکاں پر تا کیفیت حاصل ہو اور کشود کار جو چاہو پیسہ مغاں کو پیسہ کرو
	شکر کیے موزوں تو ایسے جن سے خوش ہیں صاحبِ دل رویں کر ٹھہیں جو یاد کریں اب ایسا تم کچھ میر کرو
	کیونکر مجھ کو نامہ خط ہر حرف پہ پنج و تاب نہ ہو سو سو قاصد جان سے جاویں ایک کو آدھ سے جوت ہو
گل کو دیکھئے نگہش کے دروازے ہی سے پھر آیا کیا دل نیٹھے اُس سے بھلا جو صحبت ہی کا باب نہ ہو	
	مستی خرابی سر پر لائی کعبے سے اٹھ دیر گیا جسکو خدا نے خراب کیا ہو پھر وہ کیونکر خراب نہ ہو
خلع بدن کرنے سے عاشق خوش رہتے ہیں اس خاطر جان و جاناں ایک ہیں یعنی پنج میں تن جو حجاب نہ ہو	لے میر تقی میر سے تیر اٹھ بت کہ سے سے کہے گیا کہ ہے جو خدا خراب کرے +

عشقم و خطاب و چین بر چین تو حسن ہے مگر خساروں کا
وہ محبوب خشک ہوتا ہے جس میں ناز و عتاب نہ ہو

میں نے جو کچھ کہا کیا ہے حد و حساب سے افزوں ہے
روزر شمار میں یارب میرے کہے کیے کا حساب نہ ہو

صبر بلائے عشقی پر جو جہلہ والے کرتے ہیں
رحمت ہے اُس خستہ جگر کو دل جس کا بیتاب نہ ہو

جس شب گل دیکھا ہے ہم نے صبح کو اُسکا منہ دیکھا
خواب ہمارا ہوا ہوا ہے لوگوں کا سا خواب نہ ہو

نہیں چین کی بھر رکھیں ہیں گویا بادۂ لعلیں سے
بے عکس گل ولالہ الہی ان بویوں میں آب نہ ہو

اُس دن میں تو مستانہ ہوتا ہوں کوئی کو حیر گدا
جسدن کا سہ چوبیس میں میرے یک جرم بھی شراب نہ ہو

تہ داری کچھ دیدہ تر کی میر نہیں کم دریا سے
جوشاں شور کناں آ جاوے یہ شعلہ سیلاب نہ ہو

تم کو ہم سے آگ لگی ہے روتے ہیں تو ہنستے ہو
ہم نے مکر کو کھول رکھا ہے اپنی مکر تم کرتے ہو

دربج گو ہر ماں نہیں کچھ دیں در بستہ مصرگر
تو بھی ایسی قیمت یرتم آگے ہمارے سستے ہو

رستے راہ میں دیکھ لیا ہے بستی میں سے نکلے تمھیں
کیا جانیں ہم روز و شب تم کیدھر رستے بستے ہو

ایر کرم کی راہ تکو اب رحمت حق پہ نظر رکھو
گو کہ تم اسے متاں مجرم اس غم سے دل خستے ہو

بیری میں بھی جو ان رکھا ہے دختر تہک کی صحبت نے
یعنی پی پی سے انگوری میر ہوئے کٹ مستے ہو

راہیں رُکے پراس سے ملاقات ہو تو ہو
خاموشی ان لبوں سے کوئی بات ہو تو ہو

ان سے بچاؤ اس کی عنایات ہو تو ہو
ان راتوں ہی میں ملنے کی بھی رات ہو تو ہو
حُسنِ عمل کی داں بھی مکافات ہو تو ہو
شیخوں کی محالیوں میں کرامات ہو تو ہو
مسجد ہو یا کہ کعبہ خرابات ہو تو ہو
رنج و غنا کہ دشمن جانِ عسریہ ہیں
نوسید و صلِ دل نہیں شہائے ہجر میں
اُمید ہے کہ اُس سے قیامت کو پھر ملوں
تحقیقی سبیلے پس رہن و کنگھی اور کلام
ساقی کو چشمِ مست سے او دھر ہے دیکھنا

منکر نہیں ہے کوئی سیادت کا میر کی
ذاتِ مقدس اُن کی ہی ذات ہو تو ہو

مرہ واکر و تمہیں غش ہے کیا کبھو حال پر بھی نظر کرو
یہی حال ہمیشہ رہا کیا تو مال پر بھی نظر کرو
کہیں دل بھی ان کے آگے ہیں نہیں شوق میں ہر کمال پر
ہوئے ہو جو زفتہ خرام کے توجہ مال پر بھی نظر کرو

نہ بنے جو دلبر سادہ تو نہ بھلا گئے مری آنکھوں میں
نہیں سادگی ہی میں لطف کچھ خط و خال پر بھی نظر کرو

رویت ہائے ہوز

ہائے ستم ناچارِ معیشت کرنی پڑی ہر خار کے ساتھ
جانِ عزیز گئی ہوتی کاش ابکی سالِ بہار کے ساتھ

کس آوارہ عشق و جنوں کی اک ٹٹھی اب خاک اڑتی
اڑتی پھرے ہے پس محلِ جودا کی گرد و غبار کے ساتھ

وہ غلط نہیں جاتا جی سے آنکھ لڑی تھی جب اس سے
چاہ نکلتی تھی باتوں سے چتون بھی تھی پیار کے ساتھ

جی مارے شبِ مہ میں ہمارے قہر کیا مشاطہ نے
بل کھائے بالوں کو دیال اُسکے گلے کے ہار کے ساتھ

کیا دن تھے جو کھوتنا کہیں کہیں بل جاتا تھا
اب تو گئے ہی رہے ہیں اغیار ہمارے یار کے ساتھ

ہم ہیں مریض عشق و جنوں سختی سے دل کو مت توڑو
نرم کرے ہیں حرف و حکایت اہل خرد بیمار کے ساتھ

دیدہ تر سے چشمہ جوشاں ہے جو قریب اس نے واقع
تو ہی رو دھلے جلنے ہیں لگ کر جیب و کنار کے ساتھ

دیر سے میں بیمار محبت ہم سے قطع اُمید کرو
جائیں ہی جاتی دکھیں ہیں ہم نے آخر اس زار کے ساتھ

رونے سے سب سر بر آئی خاک ہمارے سر پر میر
موت میں ہم تک لگ بیٹھے تھے اُس کی دیوار کے ساتھ

آب اُس کے پوست میں ہے جوں سیوہ رسیدہ
دنبالہ گردی تیری اسے آہوئے رسیدہ
وے کس فرے کے ہو گئے بہائے ناکیدہ
مفسد و رکاب ہے پر ہے شمشاد قد کشیدہ
جلتے ہوئے زمیں پر رکھ پاؤں دیدہ دیدہ
منہ پر ترے چمن میں گلہائے نو دیدہ
ہیوقت کیا ہے طاعت قذاب ہوا خمیدہ
خاموش رات کو تھی شمع زباں بریدہ
بولا کی میرے منہ پر کیا کیا دہن دریدہ
وہ اس شمع کشی پر ہم سے ہوئے کبیدہ

اب کچھ فرے پر آ یا شاید شوخ دیدہ
آنکھیں ملا کھو تو کب تک کیا کروں میں
پانی بھر آیا منہ میں دیکھے جھونکے یارب
سائے کو اس پر ہی کے لگتا نہ تھا چمن میں
آنکھیں ہی کچھ رہی ہیں اہل نظر کی سیکر
چل سیر کرنے تو بھی تا صبح آنکھیں کھولیں
حراب میں رہو نہ سجدہ کیا کرو نہ
پردانہ گرد پھر کر جل بھی بجھا و لیکن
دیکھا مجھے شب گن بسل نے جو چمن میں
قلب و کبد تو دونوں تیروں سے چھن رہے ہیں

استار میر سب نے جن جن کے لکھ لیے ہیں
رکھیں گے یاد ہم بھی کچھ بیشیں چیدہ چیدہ

لے جاتے دل کو خاک میں اس رو کے ساتھ
سر چھوڑتے رہا کیے اکثر سب کے ساتھ
آنکھیں چلی گئیں ہیں لگی آج کے ساتھ
رکھتا ہے لطف تاز بھی زونے نگو کے ساتھ
بالیدگی نہ خلتی ہوئی اس نو کے ساتھ

ہم جانتے تو عشق نہ کرتے کسو کے ساتھ
مستی میں شیخ شہر سے صحبت عجب رہی
تھا عکس اُس کے قامت و کش کا باغ میں
مازاں ہو اُس کے سامنے کیا نکل کھلا ہوا
ہم زرد کاہ خشک سے نکلے ہیں خاک سے

گردن بلند کرتے ہی ضربٹ اٹھا گئے
ہنگامے جیسے رہتے ہیں اُس کو بچے میں سر
نخسہ رکھتے ہے اُس کا غلاقہ گلو کے ساتھ
ظاہر ہے حشر ہوگی نہ ایسے غلو کے ساتھ

بجس روح اپنی چھاتی کو بچہ کیا بہت
سینہ گتھا ہے میسر ہمارا رنوکے ساتھ

جان چلی جاتی ہے ہماری اسکی نظر کے ساتھ
شاہد عاشق کے دل دونوں پاس ہی حاضر ہیں یعنی
اہم اسکا ظاہر ہے پڑ مروہ لایا پان نہ کھرو
کیا رومہ وغور کو لیکن جھکا اسکا دکھا دوں ہوں
یعنی چشم شوق لگی رہتی ہے شگافت در کے ساتھ
پہروں پہروں خشک لبی رہتی ہی چشم ترکے ساتھ
سچی ہی نکل جاو گیا اپنا پونہیں ذوق جبر کے ساتھ
روز و شب کچھ ضد سی ہوئی ہر جگہ کوشش کے ساتھ

سینہ خالی آج پڑا ہے میسر طرف سے پہلو کے
دل بھی شاید نکل گیا ہے روتے خون جگر کے ساتھ

گھل گھل شگفتہ سے ہوا ہے نگار دیکھ
اب وہ نہیں کرم کہ بھرن پڑنے لگ گئی
آ نکھوں کو تیری عین کیا سب نے دیدنی
محتاج گل نہیں ہو کر سب ان غم کشاں
آ نکھیں اُدھر سے موند لیں ہیں بتو شرط ہی
خالی پڑا ہے خانہ دولت و زبر کا
ایک جبرعہ ہدم اور پلا پھر ہمار دیکھ
جوں بر آگے لوگوں کے دامن ہمار دیکھ
تو سب سے ٹاک تو پھیرے آنکھوں کو ہمار دیکھ
گلزار اشک خونیں سے جیب و کنار دیکھ
پھر دیکھو نہ میری طرف ایک بار دیکھ
باور نہیں تو آصف آصف یکار دیکھ

خواہش نہ ہوئے دل کی جو حاصل تو موت ہے
احوال میسر دیکھ نہیں جی تو مار دیکھ

پیدا ہے یا خدا نہیں اس ولہر باکے ساتھ
لمتار ہا کشادہ جہیں خوب وزشت سے
گو دست لطف سر سے اٹھائے کوئی شفیق
تدبر و دوتاں سے ہے بالعکس قائرہ
کی کشتی اسکی پاک زبردست عشق نے
اوباش لڑکوں سے تو بہت کر چکے معاش
کیا جانوں میں جن کو لیکن تھیں یہ میسر
دیرو حرم میں ہو کہیں ہو ہے خدا کے ساتھ
کیا آئینہ کرے ہے بسریاں حیا کے ساتھ
دل کا لگاؤ ایسا ہے دست دعا کے ساتھ
ہے درو عاشقی کو خصوصیت ووا کے ساتھ
جن نے ملائے ماٹھ ٹاک یکاں ہلا کے ساتھ
اب عسکریاں کا کسو میسر زرا کے ساتھ
آتا ہے برگ گل کچھ کوئی صبا کے ساتھ

ہے آبر و نصیر کی شاہِ ولا کے ہاتھ
اٹھنا ہمارا خاک سے ہے اب خدا کے ہاتھ
نوگل گل ایک دیکھا ہے میں صبا کے ہاتھ
کس دھب سے لگ گیا یہ یہ گوہرِ خدا کے ہاتھ

عز و وقار کیا ہے کسو خود نما کے ہاتھ
بٹھلا دیا فلک نے ہیں نقشِ پا کے رنگ
ہم مکھول میں آشنا تھا مگر دیکھا تھا کہیں
دیکھ اُسکو مجھ کو یاروں نے حیران ہو کسا

دل کی گرہ نہ ناخنِ سیر سے نکھلی
آئندہ کھلے گا سیرِ شکر کشا کے ہاتھ

روایتِ یاعے تختانی

رات کو تھا کعبہ میں بھی شیخِ حرم سے لڑائی ہوئی
سخت کدورتِ پیچ میں آئی صبحِ تلک نہ صفائی ہوئی
تہمتِ رکبہ مستی کی مجھ پر شیخِ شہر کئے لایا
وہ بھی بگڑا حد سے زیادہ شکر بات بنائی ہوئی

شیشہ اُن نے گلے میں ڈلو اشہر میں سب تشہیر کیا
پائے یہ رو عاشق کی عالم میں کیا رسوائی ہوئی
کیسی شکلیں سامنے آویں مڑگاں دا او دھرنہ کروں
حورِ پری پر آ نکھ نہیں پڑتی ہے کسو کی لگائی ہوئی

حوصلہ داری کیا ہے اتنی قدرت کچھ ہے خدا ہی کی
عالمِ عالم جہان جہاں جو غم کی ہم میں سمائی ہوئی
دیکھ کے دست و پائے نگاریں چپکے سے رجا دیں کیوں
منہ بولے ہے یارو گویا منہ دی اس کی رچائی ہوئی

دل میں دردِ جگر میں طپیدن سر میں شورِ آشفتنہ دماغ
کیا کیا رنج اٹھائے گئے ہیں جب سے اُن جلتی ہوئی
ہفتم چرخ سے او دھرنہ ہو کر عرش کو پہنچی میری دعا
اور رسائی کیا ہوتی ہے گو کہ کہیں نہ رسائی ہوئی

دو دہل سونہ ان محبت محو جو ہو تو عسرش پہ ہو

دور بچے گی یعنی جا کر عشق کی آگ لگائی ہوئی

یہ یہ بلائیں سر پہ ہیں تو آج موئے کل دوسرا دن

یاری ہوئی بیماری ہوئی درویشی ہوئی تنہائی ہوئی

اتنے لوگوں میں چشم کسو کی قبر قیامت آفت ہے

تم نے دیکھی نہیں ہے صاحب آنکھ کوئی شرابی ہوئی

جب موسم تھا واد ہونے کا تب تو شگفتہ تک نہ ہوا

اب جو بہت افسردہ ہوا ہے دل ہے کلی مرجانی ہوئی

اُسکی طرف جولی ہم نے ہے اپنی طرف سے پھر عالم

یعنی دوستی سے اُس بت کی دشمن ساری خدائی ہوئی

ہم قیدی بھی موسم گل کی کب سے توقع رکھتے تھے

ویر ہار آئی ابھی پہ اسیروں کی نہ رہائی ہوئی

کہنا جو کچھ جس سے ہو گا سامنے میرا کہا ہو گا

بات نہ دل میں پھر گئی ہو گی مُنہ پر میرے آئی ہوئی

مچکوا مارا بھلا کیا تو نے پروفا کا میرا کیا تو نے

حسرتیں سکی سرِ شکستی ہیں مرگ فر باد کیا کیا تو نے

وہ جو کہتا تھا تو ہی کر یو قتل

میر کا سو کہا کیا تو نے

آنکھوں کی طرف گوش کی درپردہ نظر ہے

یہ راہ وروش سرو گشتاں میں نہ ہو گی

یہ باو یہ عشق ہے البتہ ادھر سے

وہ ناوکِ دل دور ہے لاگو مرے جی کا

کسی پھیل پڑی مدت ہجراں کہ یہ پوچھو

کیا جان کہ جسکے لیے مُنہ موڑے تم سے

تجھسا تو سوار ایک بھی محبوب نہ نکلا

شب شور و فغاں کرتے تھی مجھ کو تو اب تو

کچھ یار کے آنے کی مگر گرم خبر ہے

آتشِ قامت و لحیپ کا اندازِ زگر ہے

چکر بھل اے پیل کہ یاں شیر کا ڈر ہے

تو سامنے ہو ہدم اگر تجھ کو جگر ہے

میر سال جو ایک گھڑی بھوکو پیر ہے

تم او چلے داعیہ کچھ تم کو زگر ہے

جس دہر خود کام کو دیکھا سو نافر ہے

دم شش پہ بھگسا ہی مہ پڑی قبتِ خسر ہے

اب لکھتے ہیں اس میں توجہ ہی کا مکر ہے
کیا ساتھ نزاکت کے رگ گل سی مکر ہے
اے آہ سحر گاہ اگر تجھ میں اثر ہے
ہر حرف میاں دار پیہ شیر و سپر ہے

سوچے تھے کہ سودا محبت میں ہو کچھ سود
شانے پہ رکھا مار جو پھولوں کا تو لکھ
کر کام کسود میں گئی عرش پہ تو کیا
پیغام بھی کیا کرے کہ او بانش ہے ظالم

ہر بیت میں کیا میر تری باتیں گتھی ہیں
کچھ اور سخن کر کہ غزل سلک گرسکتی

گھر ہے کسو گوشے میں تو کڑی کا سا گھر ہے
کیا جائیے اب بے دل یار کو مکر ہے
روشن ہے ترے پیرے سے تو گرم مگر ہے
دنداں بجکر دست بدل دلغ بسر ہے
جو آنسو مری آنکھ سے گر تپے شر ہے
ہم خانہ خراؤں کو تو یاں گھونک نہ در ہے
ظاہر ہے کہ بیمار اجل رذر بسر ہے
بدخیم کسو شخص کی شاید کہ نظر ہے
کچھ شورش ہنگامہ محشر میں خبر ہے

کیا خانہ خرابی کا ہیں خوف و خطر ہے
میلان نہ آئینہ کا آسکو ہے نہ گل کا
لے شیخ اقامت کردہ اس بزم کو مت جان
اس عاشق دیوانہ کی مت پوچھ معیشت
کیا آگ کی چنگاریاں سینے میں پھری ہیں
ڈرجان کا جس جا ہے وہیں گھر بھی ہو اپنا
کیا پریش احوال کیا کرتے ہو اکثر
رہتی ہیں المناک ہی تے آنکھیں جو ابھی
دیدار کے مشتاق ہیں سب جبکہ اب انکی

سب چاہتے ہیں رشد مرایوں تو بے میر
شاید نہیں اک عیب ہے مانع کہ نہ میر ہے

کیا کہئے کچھ بن نہیں آتی جنگل جنگل ہو آئے
چھا نہ میں جا کے پھولوں کی ہم عشق و جنوں کو رو آئے
دل کی تلاش میں اٹھ کے گئے تھے شاید یاں پیدا ہو شو
جان کا اپنے گرامی گوہر اس کی گلی میں کھو آئے

آہوئے عرفاں صید آنھوں کا گر نہ ہو انفعان کیا
اُس عالم سے اس عالم میں کسب کمال کو جو آئے

کچھ کہنے کا مقام نہ تھا وہ داہوتا تو کہتے کچھ
آہانہ آنا کیسا تھا وال ہوتے او مہر ہم گو آئے

سب کہتے تھے چین کرے گا کچھ بھی نہ دیکھا جس نہ سختی
پتھر رکھ کے سر ہانے ہم تک اُنکی گلی میں سو آئے

کیا ہی دامنگیر تھی یارب خاک بے مل گاہ وفا
اُس ظالم کی تیغ تلے سے ایک گیا تو دو آئے

سر دینا ٹھہرا کر ہم نے پاؤں کو باہر رکھا تھا
ہر سو ہو دشوار ہے پھر نامیسا اور دھرا تو آئے

بر سے ہر عشق اپنے دیوار اور در سے
حفظ رکھ الہی اسکو نظر گزر سے
گردہ اُسکی دیکھیں کھ جلتی ہے کدھر سے
ہوتی نہیں ہے اتوں سکین دل خبر سے
وہ رو سے خوب ہر گز جا تا نہیں نظر سے
بے لاگ میر سے جی کو اُس شوخ کی مر سے
کوئی کھی نہ کھی مرغ چمن کے پر سے
سیراب ابر ہوئے دیکھے ہیں چشم تر سے
کیا طائر نکلتاں ہیں نالہ کش اثر سے
رجھوار ہو تو پوچھے کوئی ہیں ہنر سے

جوں ابر بکسا نہ روئے اُسے ہیں مگر سے
جمہور راہ اُس کی دیکھا کر سے ہے اکثر
جوش اور طیر آنکھیں ہر سو لگا رہے ہیں
شاید کہ وصل اُسکا ہووے توجی بھی ٹھہرے
دُرت سے چشم بستہ بیٹھا رہا ہوں لیکن
گو ہاتھ وہ نہ آوے دل غم سے خون کرنا
یہ گل نیا کھلا ہے بے بال تو نفس میں
دیکھو نہ چشم کم سے یہ آنکھ ڈبڈبائی
گلشن سے رے نفس تک داڑ ایک سی ہی
ہر ایک خراش ناخن جیسے سے صد تک ہی

یہ عاشقی ہے کیسی ایسے جو مجھے کب تک
ترک و فاکر ہو مرنے کے میر ڈر سے

ہووے پیوند زمیں یہ رشتہ
سمع گے اور پر پھری ہے مردنی
مجھے اک دم کے لیے کیا مر سنبھلی
ہر زمان کرتا رہا ہوں جاں نسی

بسکہ ہے مگر دونوں پروردنی
نرم میں سے اب تو جلانے رشک صبح
میں حیدر اغ صبح کا ہی ہوں نسیم
مجاہد کش محبت میں نہیں

کچھ گدا شاعر نہیں ہوں میر میں
تھامرا اس پر عشق دیوان غنی

سلہ مرزا جو طائر غنی خط کشیر کا عید المثال کمال فارسی زبان شاعر میں نے عالم جوانی میں کجانت شور و سرور میں
انتقال کیا - ۱۲

لسان برق وہ جھپکے دکھائے
اُڑا تا گڈی وہ یا پر نہ آوے
ہبائے میں جو لگ چکر گیا ہاں
نزاکت سے بہت سے کم دماغی
یز نگاہ اُس کشدے کی کلی سے
نہ پوچھو فرش رہ کیا ہوئے اُسکا
بلاغور ہے وہ آتشیں خو
پڑا تر پا گیا میں دوپہر دن

لے دل شرط ہی جواب لاوے
مبادا مجھ کو بھی گڈا بناوے
ہوا کھاوے کہا آنے نہ پاوے
لکھے پکڑی تو کل تیوری چڑھاوے
وہی جاوے جو لوہوں میں نہاوے
جو اہل ل ہو تو آنکھیں بچھاوے
بہت منت کرو تو جی جلاوے
عجب کیا ہی جو پاس اپنے بلاوے

بتان دیر سے ایسی نہیں لاگ
خدا ہی ہو تو کہے میر جاوے

کیا خط لکھوں میں نے سے فرصت نہیں ہی
میدانِ غم میں قتل ہوئی آرزو سے وصل
اپنا لکھا ہے یاد مجھے میری بات بھول
شب شور کرنے میں جو ساجت کی تنگ ہو

لکھتا ہوں تو پھر سے ہے کتابت ہی ہی
تھی اپنے خاندانِ تمنا میں اک یہی
قاعدے نے جا کے یار سے کچھ اور ہی کسی
کہنے لگا کہ مارو اسے یہ تو ہے وہی

مت نہ سکھرام تو داغوں سے ساز کر
اسے زخم کہنے میر کی خاطر ہی ہیں سی

نہک شیخ اتنا بھی وہاں تباہی
لوں کیونکہ ہر نگ ہو تجھے لے گل

کہاں رحمت حق کہاں بیگناہی
ترا رنگ شعلہ مرا رنگ کماہی

مجھے میر تا گور کا نہ بھاری تھا
تمنا سے دل نے تو یاں تک نباہی

ادھر طرب کا عود ہی رنگ کب طناز آتا ہے
خبر ہے شرطِ اتمامت برس لے ابر بارندہ
اُٹھے سے گردِ مشوقان اس ترب سے عاشق کی
عجب رنگِ خاطر ہے دستِ آموزِ خوابان کا
وہی نازاں خراماں کبک سا آیا مری جانب

عجب ہیں لوگ جو کہتے ہیں وہ ماساز آتا ہے
ہیں بھی آج روزا دردِ دل پرواز آتا ہے
کہہ ٹوک جسکے اوپر وہ سہرا یا ناز آتا ہے
اُڑے ہے تو بھی ہاتھوں ہی میں سرور آتا ہے
کوئی مغرور وہ شوخی سے اپنی باز آتا ہے

رہاں یہی ہے دشوار کب صیا دھڑے ہے
اسیر دام ہو طائر جو خوش آواز آتا ہے

اگر مسجد سے آؤں میر تو بھی لوگ کہتے ہیں
کہ میخانے سے پھر دیکھو وہ شاہ بازارا تا ہے

اُس کے رنگ چین میں شاید اور کھلا ہے پھول کوئی
شور طیور اٹھتا ہے ایسا جیسے اُٹھے ہے بول کوئی

یوں پھرتا ہوں دشت و دریں دور اس سے میں گزرتے
غم کا مارا آوارہ جوں راہ گیا ہو بھول کوئی

ایک کہیں سر کھینچے ہے ایسا جسکی کریں سب پاؤسی
ہو ہر اک کو قبول دلہا یہ نہ کرے گا قبول کوئی

کس اُمید کا تجھ کو اسے دل چاہ میں اُسکی حصول
شوخی و شلا میں خوش روایاں سے رہتا ہے مامول کوئی

لپٹنے اس کے بالوں کا میں وصف لکھا ہے دور ملک
طرف مار تو طولانی تھا پھر بھی دے ہے طول کوئی

مستی حسن پرستی زندگی یہی عمل ہے مدت سے
پیر کبیر ہوئے تو کیا ہے چھوٹے ہے معمول کوئی

حسرت و حکایت شکر و شکایت تھی تو اک وضع و تیرہ پر
میر کو جا کر دیکھا ہم لے ہے مرو معقول کوئی

پتا پتا بڑا بڑا محال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

گلتے نہ دے بس ہو تو اُس کے گوہر گوش کو بانے تک
اُسکو فلک چشم مہ و خور کی پتلی کا تارا جانے ہے

آگے اُس تکبر کے ہم خدا خدا کیا کرتے ہیں
کب موجود خدا کو وہ مغرور خود آرا جانے ہے

ماشوق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہو گا دنیا میں
جی کے زباں کو عشق میں اُس کے اپنا دارا جانے ہے

چارہ مگر ہی بیماری دل کی رسم شہسور نہیں
ورنہ دبیر ناداں بھی اس درد کا چارہ جانے ہے

کیا ہی شکار فریبی پرستور ہے وہ صیاد بچہ
طاہر اڑتے ہوا میں سارے اپنی اسارا جانے ہے

مہر و وفا و لطف و عنایت ایک سے واقف نہیں
اور تو سب کچھ طنز و کنایہ رمز و اشارہ جانے ہے

عاشق تو مردہ ہے ہمیشہ جی اٹھتا ہے دیکھے اُسے
یار کے آجانے کو یکا یک عمر دو بارہ جانے ہے

کیا کیا فتنے سر پر اس کے لاتا ہے مشوق اپنا
جس بیدل بیتاب و توں کو عشق کا مارا جانے ہے

رختوں سے دیوار چین کے مُٹھہ کو لے ہے چھپا یعنی
ان سوراخوں کے تک رہنے کو سو کا نظارہ جانے ہے

تشنہ خوں ہے اپنا کتنا میر بھی نادان تلخی کش
و مدار آب تیغ کو اُس کے آب گوارا جانے ہے

چال ایسی چلا جس پر تلوار چلا کی ہے
چسپاں مری چھاتی سے دن رات رہا کی ہے
اس تیغ کی جدول بھی کیا تینر بہا کی ہے
دفن میں مرے ہر دم اک آگ لگا کی ہے
یہ لطف نہ ہوا کسی رنگینی ہوا کی ہے
گو اُن نے جفا کی ہے ہم نے تو وفا کی ہے
اس درد کی مدت تک ہم نے بھی دوا کی ہے
ہو موم جو تھپھر تو تائید خدا کی ہے

جب جل گئے تب اُن نے کینے کی ادا کی ہے
خلقت مگر اُلفت سے ہے شورش سینہ کی
ہم لوگوں کے لوہو میں ڈوبی ہی رہی اکثر
عشاق مونے پر بھی بھراں میں معذب ہیں
صدر نگ بہاراں میں ابکی بو کھلے ہیں گل
مرنے کو رہے حاضر سوارے گئے آخِر
مایوس ہی رہتے ہیں بیمار محبت کے
آنا دھڑاں اس بت کا کیا میری تشش سے ہے

وامان دراز اس کا جوں صبح نہیں ٹھینچا
اے میر یہ کوتاہی شب و دست دعا کی ہے

۱۔ میرہ کسکو لاگی کہ نہ ہو میں ڈوبیا کسکو : اسکی شمشیر کی جدول بھی نہا کیا کیا کی +

کہاں ہم کہاں تم کہاں پھر جوانی
مری سرگزشت اب ہوئی ہے کہانی
کھینچے صورت ایسی تو یہ ہم نے مانی
ہی ہم سے ہے جب نہ تب اینچا تانی

ہو ان دنوں ہم سے اک رات جانی
نہایت کروں ہوں تو سونے لگے ہے
اداکھینچ سکتا ہے ہر سزا اس کی
ملاقات ہوتی ہے تو کشمکش سے

بستی قبا پر ترے مر گیا ہے
اکفن میر کو دیکھو زعفرانی

عاشق کہیں شتاب تو ہووے خدا کرے
پریش کشوے حال کی تیری بلا کرے
لازم ہے تلو ان ہی کا پانی بھر کرے
مرغ چین اگر حق صحبت ادا کرے

بے اُسکے تیرے حق میں کوئی کیا دعا کرے
اے سردھر کوئی مرے رہ تو گرم ناز
دامن بہت وسیع ہے آنکھوں کالے حجاب
اگر کبیرے پھول مری مشت خاک پر

پتھر کی چھاتی چاہیے ہے میر عشق میں
بھی جانتا ہے اُس کا جو کوئی دفا کرے

دریا دریا تہا ہوں میں صحرا و وحشت ہے
بکھڑا کر وہ دیکھتے تو یہ بھی اُسکی مروت ہے
دیکھتے اُسکی اور نہیں پھر عشق کی یہ بھی غیرت ہے
یعنی پریشاں سے ہیں ہم دم بھی اپنا غنیمت ہے
بائے کون کا کام ہی ہوا کام کی بھی کچھ صورت ہے
ایسی صورت حال اُسکی اپنے ان دنوں کو حیرت ہے
قدر نہیں کچھ اس بندے کی یہ بھی خدا کی قدرت ہے
آج کس کو ہوش کی شاید دل سے ہمارے رخصت ہے
وہ تہ ویدہ رنج کشیدہ آہ سسرا یا حسرت ہے

عالم عالم عشق و جنوں ہے دنیا دنیا تہمت ہے
ہم تو عشق میں کس پھرے کوئی نہ ایدھر دیکھے گا
ہائے غیوری جسکے دیکھے جی ہی نکلتا ہے اپنا
کوئی دم رونق مجلس کی اور بھی ہر اُس دم کے ساتھ
خطا اُسے ظاہر ہے پھر بکھڑی بھی اٹھی صورت تھی
ایک ورق پر تصویریں میں بھی ہیں ملی جنوں کی
خاک کو اوم کر کے اٹھایا جسکے دست قدرے
صبح سے آئینہ دیدار جیسے ودا اُسی آٹا تھا
کیا دلکش ہر نرم جہاں کی جا پہاں جیسے دیکھو

جب کچھ اپنے کئے رکھتے تھے تب بھی صرف تھا لڑکھٹا
اب جو فقیر ہوئے چہرے ہیں میرا خیس کی دولت ہے

عشق کیا سو جان چلی ہے الفت تھی یا لطف تھی
کوئے کئے ہیں سب اعضا یہ محبت تھی یا محنت تھی

	اب تو نڈھال پڑے رہتے ہیں ضیعت ہی اکثر رہتا ہے آئے گئے اس کے کوچے میں جبک جی میں طاقت تھی
اب حیات وہی نہ جس پر خفرو سکندر مرتے رہے خاک سے بنے بھرا وہ چشمہ یہ بھی ہماری بہت تھی	آنسو ہو کر خون جگر کا میتا بانہ آیا تھا شاید رات شکیبائی کی جلد بہت کچھ رخصت تھی
	یار کرے جو چاہے کسو سے غم ہی غم یاری میں ہے بے موقع یاں آہ و فغاں ہے بے اثری زاری میں ہے
ہاتھ لیے آئینہ تجھ کو حیرت سے رعنائی کی ہے بھی زمانہ ہی ایسا ہر کوئی گرفتاری میں ہے	باغ میں شب جو روتا پھرتا ہوں اس بن میں سوچ تلک دانہ اشک روش شبہم کے گل پر ہر کیاری میں ہے
صورتیں بگڑیں کتنی کیوں نہ اُسکو تو جہ کب ہے وہ سامنے رکھے آئینہ مصروف طر حداری میں ہے	میر کوئی اس صورت میں اُمید بھی کی کیا رکھے ایک جراحت سینے کی میرے ہر زخم کاری میں ہے
کیا جانوں میں ڈوگا کیسا دریا چڑھتا آتا ہے بیگانے تو میں ہی ہم سے ناؤ کا چاہ کا ناتا ہے	دل بھی بھرا رہتا ہے میرا جی بھی زندہ کچھ جاتا ہے صبح ہو وہ جو کما کرتا ہے کون ہی تو کیا تجھے نہیں
رہج کش افقت ہے عاشق جی ایسا بہلاتا ہے اندزی اندر سینے میں میرے دل کو کوئی کھاتا ہے	تو بلبل آ زردہ نہ ہو گل بھول سے باغ بہاراں میں عشق و محبت کیا جانوں میں لیکن اتنا جانوں ہوں
	عاشق اپنا جان لیا ہے اُن نے شاید میر نہیں دیکھ بھری مجلس میں اپنی ہم ہی سے شرانا ہے
جس کو شہ ہو وہ نہ ہرگز جی کے ہمارے جالے سے	اُس مفرد کو کیا ہوتا ہے حال شکستہ دکھائے سے

کیا پوچھو ہوئی قیامت سر پر رکھے لگائے سے
وحشت ہو خورشید غلط اپنے بھی بجو سائے سے
یا اب تنگ آئے آتا ہو پاس ہمارے آئے سے
شاید دل ہو تسلی اسکا زخم دگر کے کھائے سے
کلفت اُلفت جاتی رہی کیا جو دم کے اٹھائے سے
نیچی آنکھیں کیے پھرتے ہو مجلس میں شرائے سے

کیسا کیسا ہو کے جدا پہلو سے اُس بن ٹرے ہے
میں تجر دے میں اپنے روز جہاں سے گزرتا ہوں
ہر کوئے دہر برین میں یا پھر پر وہ جو یاں تھا
ایک جرات کیا تسکین دے موت کے صفد تین
ریخ و عنایہ درو بلا پر صبر کیے ہم بیٹھے ہیں
اول تو آتے ہی نہیں ہو اور کھجور آتے ہو

جھکڑا تار و نیاز کا سن کر بے مزہ ہم سے تم تو ہوئے
میر سخن کو طول نہ دو بس بات بڑھے ہی پڑھائے سے

روزے رکھے غریبوں نے تو دن بڑے ہوئے
ایسا نہ ہو کہ اکھڑیں کہیں دل گڑے ہوئے
پھرتے ہیں نقل سینوں پر اپنے جڑے ہوئے
مٹھ پھیرا دھڑ سے مٹھو ہو جیسے لگے ہوئے
دروازے ہی کی اور تکیں ہیں پڑے ہوئے
رہتے ہیں جیسے صورت دیوار اڑے ہوئے

گردش دلوں کی کم نہ ہوئی کچھ کڑے ہوئے
نرمی سے کوئے یار میں جاوے تو جانیم
آہن دلوں نے مارا ہے جی غم میں اُنکے ہم
آئے ہو بعد صلح کبھو تار سے تو یاں
بیار امید وار سے بستر پہ اپنے ہم
بار اُس کی نرم میں نہیں ناچار در پر ہم

ہم زیرِ تیغ بیٹھے تھے بروقت قتل میر
وئے ملک ہمارے پاس نہ آکر کھڑے ہوئے

ابر نہاری دادی سے اٹھکر بادی بر آیا ہے
اے اسکے فلک تک پہنچے کن نے اسکو تیا ہے
او دہم میرے درت و سخن نے جباروں اور بایا ہے
کام کی صورت بگڑی ہماری مٹھ کیوں تنے بنایا ہے
لوگ جو پریش حال کریں میں جی تو انھوں نے کھایا ہے
ہم نے تو کل محبت کیا ہے نام خدا سراپا ہے
ناموں کی کیونکہ ہے یہ پردا جن نے اٹھا با ہے
جیسا نہال لگایا ہم نے ویسا ہی پھل پایا ہے

عہد جنوں ہے موسم گل کا اور شگوفہ لایا ہے
سنگر میرے شور شب کو جھنجھلا کر وہ کہنے لگا
دکھن آتر پورٹ کچھ مٹکا نہ ہے سب جاگہ
بے چشم و رو ہو بیٹھے ہو وجہ نہیں سے ظاہر کچھ
ظلم و ستم سہل ہیں اسکے جسے اٹھتے ہیں کہ نہیں
ہو کے فقیر تو واں بیٹھے ہیں تہ ہیں سرفراں جہاں
برسوں ہم درویش ہے پردے میں فریاداری کے
دھوڑ پھر نکالا تھا جو اُسے سو اچھو بھی ہم ٹھو بیٹھے

سلا ایں دریاں دریش بخت نند : آنکہ خبر شد خبرش باز نیا مد ۱۲

	میر غریب سے کیا ہے معارض گوشے میں سوا می کے ایک دیا سا بچتا اُن نے داغ جگر پہ جلایا ہے
	دل کی لاگ بری ہوتی ہے رہ نہ سکے ٹھک جائے بھی اے نیٹھے اٹھ بھی گئے بیتاب ہوئے پھر اُٹھے بھی
	انکھ نہ ٹھک مہلی ہوئی اپنی مطلق دل بیجا نہ ہوا دل کی مصیبت کیسی کیسی کیا کیا رنج اٹھائے بھی
	ٹھنڈے ہونے نہ دیکھے ہرگز ویسے ہی جلتے رہتے ہیں تلوے خالی ہم نے اُس کے آنکھوں سے سہلائے بھی
	زنگ نہیں ہے ٹھنڈے کسی کے بادخزاں سے گلستاں میں برگ و بارگرے بکھرے ہیں گل غنچے مرجھائے بھی
	نفع کبھو دیکھا نہیں ہم نے ایسے خسرج اٹھانے پر دل کے گداز سے لوہو روئے داغ جگر پہ جلانے بھی
	عشق میں اُس کے جان مری شاق پھرے گی بھلی ہوئی شوق اگر ہے ایسا ہی تو چین کہاں مرجائے بھی
	حسرت ترک فقیر ہوئے اب شاعر عالم کامل ہیں پیش گئی کچھ میر نے اپنے سوانگ بہت سے لائے بھی
	کوئی نام اس کا نہ لوجبر ہے کہ بیاب دل کی بنا صبر ہے نہ سوزہ جگر خاک میں بھی گڑا ہوئے پر پر آتش مری قبر ہے گلستاں کے ہیں توں پے بھرے ہمارا سطرف اُس طرف ابر ہے جو درویش پہنے ہے بری لباس تو پھر عینہ شیر ہے بر ہے
	دار کعبہ پر کفر بکاتا ہے میر مسلمان نہیں وہ کہن گجر ہے
	علم سے ہیں داغ ہوئے ہیں رنج اٹھے ہیں درد کھینچے اب وہ دل میں تاب نہیں جوب تک آو سرد کھینچے جیتے جی میت کے رنگوں عشق میں اُس کے ہو بچھا

بعد مرے نقاش سے شاید صورت میری زرد کھینچے

خاک ہوئی تھی سرکشی اپنی جوں کی توں اپنی طبیعت میں
میر عجب کیا ہے اس کا تاگر دوں جو یہ گرد کھینچے

یکسر ان نامردوں کو جو ایک ہی تک تک میں اٹھائے
چاروں وزنا دی کرے کوئی کسی سے دل لگائے
ابھی دیکھیں موسم گل کا کیسے کیسے شکوے لائے
بے ذوقی میں ذوق کہاں جو کھانا پینا کھائے

عشق اگر ہے مرد میدان مرو کوئی عرصے میں لائے
کاہلالت شہر کا ہکو اکدن دو دن ہووے تو پھر
پرکے اسیر دام ہوئے تھے نکلے ٹوٹی شکن کی راہ
بھوکے مرتے مرتے تمنہ میں تلخی صفر بھیل گئی

گھر سے نکل کر کھڑے کھڑے پھر جاتا ہوں میں یعنی میر
عشق و جنوں کا آوارہ حیدران و پریشاں کیدھر جائے

وہ ہی ناز و عتاب ہے سو ہے
جان کو اضطراب ہے سو ہے
حال اپنا خراب ہے سو ہے
چشم لیکن پرآب ہے سو ہے
دل جلا سا کباب ہے سو ہے
وہ گراں بجو خواب ہے سو ہے
اسکو ہم سے حجاب ہے سو ہے
دوستی کا حساب ہے سو ہے
ہکو بھی بیچ و تاب ہے سو ہے
اُن کی عالی جناب ہے سو ہے

ہم چشم و خطاب ہے سو ہے
گرچہ گھبرائے لب پہ آئی وے
بس گئی جاں خراب دیت کی
نفس کی لب کی ہے تری کیسی
خاک جل کر بدن ہوا ہے سب
کر گئے کار و انیاں شبگیر
یاں تو رسوا ہیں کیسا پردہ شرم
دشمن جاں تو ہے دلوں میں ہم
زلفیں اُسکی ہوا کریں برہم
خاک میں ل کے پست ہیں ہم تو

شہر میں در بدر پھرے ہیں عزیز
میر دولت باب ہے سو ہے

اس قافلے میں ہم بھی تھے افسوس راہ گئے
وہ اٹھ گیا تو یہ بھی گرے بیٹھے ڈھکے گئے
بے طور ہم بھی جا کے لے بے جگہ گئے
جب آئی موجِ حادثہ تنکے سے بہ گئے

چلتے ہوئے تسلی کو کچھ یار کہ گئے
کیا کیا مکان شاہ نشین تھے وزیر کے
اس کجروش سے ملنا خرابات میں نہ تھا
دے زور و رجولان جنہیں کہئے پہاڑ تھے

وہ یار تو نہ تھا تہ دل سے کسو کا
ناچار اُس کے جور و ستم ہم بھی سہ گئے

ہائے جوانی وصل میں اُس کے کیا کیا لذت پاتے تھے
بوسہ کج لب سے پھر بھی ذائقے اپنے بناتے تھے

کیا کیا تم نے قریب کئے ہیں سادگی میں دل لینے کو
میر صحری کر کے کلاہ آتے تھے مے ناخوردہ مانتے تھے

ہائے جدائی ایک ہی جگہ مار کے ہم کو توڑ رکھا
وہ دن یاد آتے ہیں اب جب اُن کے آتے جاتے تھے

غیروں کی تم سُننے رہے سو غیریت ہم سُننے رہے
وہ تو تم کو لگا جاتے تھے تم آہم کو جلاتے تھے

رنج و الم غم عشق ہی کے اعجاز سے کھینچتے تھے ورنہ
حوصلہ کتنا اپنا جس میں یہ آزار سماتے تھے

وہ دن کیسے ساتے ہیں جو آکر سوتے پاتے بکھو
آنکھوں سے ہم سہلا سہلا تلوے اُس کو جگاتے تھے

چاہت روگ بڑا ہے جی کامیر اس سے پر سیر بھلا
اگلے لوگ سنا ہے ہم نے دل نہ کسو سے لگاتے تھے

وحشت پر جب آتا ہو تو جیسے بگولا جاتا ہے
کہتے ہیں بے تہ جگو کیا اچھا بھولا جاتا ہے

بات ہماری یاد رہے جی بھولا بھولا جاتا ہے
تھوڑے سے پانی میں یس کی سرچھو کی جیسے جاتا ہے

گام کی صورت کیا ہے اُسکی راہ چلے ہے میرا گر
دیکھنے والے کہتے ہیں یہ کوئی ہسٹولا جاتا ہے

عاشق اُسکے قامت کے بالا بالا مارے گئے
جیسے یکایک سطح ہوا پر بدلی آئی تارے گئے

اس تک کشش سے بھنی ہوئے بچے جاکر افسارے گئے
اُسکی بوئے خمے کردہ بر نقاب لئے وہ صورت ہے

رفتہ شاید بازی سکے جی بھی اپنا ہارے گئے
یار بے بستے تھے جو باں سے لوگ کہاں بجا کر گئے

ایسے ہماری سے دل کو لگا کر جیتے رہنا ہونہ سکا
چارہ گر اس شہر کے ہوں تو فکر کریں آبادی کا

آئے ہمتو سہولت سے وہ بوجھ اٹھا کر لے گئے

مُسک میر نظر آتا تھا اٹھنا بار امانت کا

رہتے ہیں انکے گلے گلے کے برسوں سے گلے
بے تہی کرنے لگے دریا دلوں کے جوہلے
اب جو گل سا بکھرا ہوں کیوں کر کیا گل کھلے
ایک ہم تم ہی نہیں معلوم ہوتے وہ دے

عیدیں آئیں بارہا لیکن نہ دے آکر لے
اس زمانے کی تیزی سے لہر بچر اگلی کہاں
غنجگی میں دیکھتے ہیں صدر رنگ جو آسمان
سارے عالم کے حواس غم میں ہے انتشار

میر طے ہوگا بیا بان محبت کس طرح

یاد ہے پر خار میرے یا نوں میں ہیں آئے

اس گھر میں کوئی بھی نہ تھا شرمندہ ہو ہم جانے سے
شوق کی میں جو نہایت بو جھی جان چلے روانے سے
لنگ لگا سے لگنے انھیں اب بات بہاری لانے سے
گھر سے اٹھ کے چلے جانے ہونے سے بھی ہلانے سے
کس دن میں عدول کیا ہے صاحب کے ہونے سے
کچھ نہیں رہتا انسان میں سر لٹکے کے غم کھانے سے
غشقی ہے باد صحر گویا لگتی خاک اڑانے سے
یہ بھی شرارت یاد رہے گی کہ نہ جانا جانے سے
دو دنوں کان بھرے ہل پنہ بے تہیاں کے فنانے سے

کیسی سچی کوشش کوشش سے کہے گلے بچانے سے
بامن برافانے تھا کچھ لوں ہی نشان خاکستر کا
لنگے سامنے آتے تھے تو کیا کیا جو اٹھاتے تھے
باس غیرت کونہیں کچھ دریا پر سن غم کو تم
تم نے کہا مرہ بھی جا کر بندہ جا کر مر ہی رہا
سو کھ کے ہوں کھڑی سے کیوں زرد و لولہم عاشق زار
جیت بکھو تب تربت عاشق بکھو تب سے تر نزل میں
ہر سوں میں پہچان ہوئی تھی سو تم صورت بھول گئے
کتنی سنا کی بات تھے اں کی کب جیتے ہیں ہم غافل

میر کی تیزی کیا سلجھے گی حرف و سخن میں گنجلک ہے

کوئی بھی عاقل الجھ پڑے ہے ناصح ایسے دیو کسے

گلے سے ہمارے لمو عید ہے
جہاں جیکے ہے مج کو تجرید ہے
خدا میں کہیں ہیں یہ توحید ہے
خدا کی طرف ہی کی تائید ہے

گے روز جواب دید وادید ہے
گریزاں ہوں سائے سے خورشید ساں
تصوف میں جب ال دیتے ہیں بات
جو ادیں تباں جذب سے یاں تو یہ

لیٹا ہے میں بوریائے نماز

نہی میر جانے کی تمہید ہے

دل نے پہلو تہی کیا ہم سے
چاہیے عشق اس بھی عالم سے

ہجر میں نول ہو تھا سب تم سے
عالم حسن ہے عجب عالم

<p>نکلی تلوار ابرو کے خم سے دیر میں میرے حالِ درگم سے</p>	<p>طرح پھریں کی پلوں سے ڈالی نسبت اُن بالوں کی درست ہوئی</p>
<p>در پئے خونِ میر کے نہ رہو ہو بھی جاتا ہے حیرم آدم سے</p>	
<p>نام خدا ہوا ہے اب وہ جوان بازے تم ہو خدائے باطل ہم بندے ہیں تمہارے تم سے بھی کوئی پوچھے تم کیوں ہو پیارے بیل لئے ہیں گویا گلزارِ سب اجارے مٹھ جو کوئی پیارے ایسے کئے پیارے سینے کے زخم اب تو غائر ہوئے ہیں سارے کس کو و مانع اتنا بیل کو جو پکارے مارے گئے سیاہی جتنے ہوئے اُتارے کیا جانے کہاں تو پھرتے ہیں مارے مارے رہنے ہن سماں میں سارے نہیں سارے</p>	<p>اٹھ کھیلوں سے چلے طفلی میں جان مارے اپنی نیاز تم سے اب تک بتاں وہی ہے ٹھہرے ہیں ہم تو مجرم ملکِ پیار کر کے تم کو کل میں جو سیریں تھا کیا پھول پھول ٹھہے کرتا ہے ابر نیساں پر دہنِ صدف کا اے کاش غور سے وہ دیکھے کبھو تک آکر چپکا چلا گیا میں آزرده دلِ چین سے سیدانِ عشق میں سے چڑھ گھوڑے کون نکلا جو مر رہے ہیں اُس پر اُنکا نہیں ٹھکانا کیا برچھیاں چلائیں ہوں نے نیم شب کی</p>
<p>ہوتی ہے صبح جو یاں ہے شام سے بھی بدتر کیا کہئے میرِ خوبی ایام کی ہمارے</p>	
<p>ایسے گئے کہ اُن کی پھر کچھ خبر نہ آئی کیا روئے ہیں تو منت بھی کرنے آئی چاروں طرف پھر آئی لیکن ادھر نہ آئی اپنے خیال میں تو اُس کی کمر نہ آئی</p>	<p>کیا کہئے ویسی سورت کا ہے نظر نہ آئی روٹھے جو تھے سوہم سے روٹھے ہوئے وہی طالع کا مکٹ دیکھو آئی صبا جو واں سے جی میں جو کچھ کسو کے آئے سو باندھ جاوے</p>
<p>کیا راتوں کے ہیں ہجراں کی بچو دی میں سُندھ اپنی میر اُس بن دو دو پہر نہ آئی</p>	
<p>شاید اُسکے بھی دل میں جا کرے یعنی دُرت بڑے جلا کرے</p>	<p>داؤ فریادِ حاجب کرے اب سلگنے لگی ہے چھاتی بھی</p>
<p>لے میر تقی ۛ پیار کرنے کا جو خواہ ہم پہ رکھتے ہیں گناہ ۛ اُن سے یہ پوچھے کوئی تم اتنے کیوں پیارے ہوئے</p>	

<p>بدی یاروں کی کیا کیا کرے گالیاں کھائیے دعا کرے کیونکر اظہار مدعا کرے ناز و انداز کو جدا کرے صبح اُسکے گلے لگا کرے منتظر کب تلک رہا کرے سیکڑوں کیونکر حق ادا کرے یوں کہانی سی کیا کہا کرے دل کی بیماری کی دوا کرے</p>	<p>چشمِ دل جانِ مائلِ خواباں دیکھیں کب تک ہے یہ صحبت کچھ کہیں مگر تو وہ کہے نہ کہو اتفاقِ ان کا مار ڈالے ہے عید ہی کاش کے رہے ہر روز راہِ نکلنے کو بھی نہایت ہے ہستی موہوم و یک سر و گردن وہ نہیں سرگزشتِ شفا میر مسترب ہو نفع جو کچھ ہے بھی</p>
<p>سو تو ہر روز ہے بُرا احوال متحیر ہیں آہ کیا کرے ہجراں کا غم تھا تہ میں سختی سے جان ٹوٹی پائیز مٹی چمن میں کیا کیا بوساں ٹوٹی</p>	<p>دو چار روز آگے چھاتی گئی تھی کوئی کلیاں بھڑی ہیں کچی بکھرے ہیں پھول سارے سیرچمن میں کچھ توجہ سے ہوس نکلتی سوسم میں گل کے بیل افسوس ہے نہ بھولی</p>
<p>چاہت میں اُس بے الفت کی گھبراہٹ دل ہی کو نہیں سارے حواسوں میں ہر تشنگان بھی ہے گھبراہٹ ہوئی</p>	<p>کب وعدے کی رات یہ آئی جو اُس میں نہ لڑائی ہوئی آخر اُس اویاس نے مارا کب رستی ہے آئی ہوئی</p>
<p>جنگل جھلک شوق کے مارے ناتھ سوار بھرا کی ہے مجنوں جو صحرائی ہو اتو لیلی بھی سودائی ہوئی</p>	<p>گرچہ نظر ہے پشتِ پائریں قہر قیامت ہے گر جاتی ہے دل میں ہمارے آنکھ اُسکی شرابی ہوئی</p>
<p>جیتوں کے انداز سے ظالم ترکِ مروت پیدا ہے اہلِ نظر سے چھپتی نہیں ہو آنکھ کس کو چھپائی ہوئی</p>	<p></p>

دردِ دل سوزِ این محبتِ محو جو ہو تو عرش نہ ہو
دور نہ کھے گی یعنی جا کر عشق کی آغوش لگائی ہوئی

میر کا حال نہ پوچھو کچھ تم کہ نہ رابطہ پسیری سے
رقصِ کناں بازار میں آئے عالم میں رسوائی ہوئی

لکڑے پہ جان دیتے تھے سارے فقیر تھے
موم گلوں کا جیت تیس تھا ہم اسیر تھے
لڑکے سے بھی تھے تم توقیامت شریر تھے
جاگہ اتو کی جائے یہ نقشِ حصیر تھے

کیا کیئے اپنے عہد میں جتنے ابر تھے
دل میں گرہ ہوں رہی پروازِ باغ کی
بزنائی ہی میں تم سے شرارت نہیں کی
آرائش بدن نہ ہوئی فقر میں بھی کم

آنکھوں میں ہم کس کی نہ آئے جہاں میں
از بیکہ میر عشق سے خشک و حقیر تھے

جی چکا وہ کہ یہ بے طرح کی بیماری ہے
جبکہ ہاں دیکھتے ہیں چلنے کی تیاری ہے
سارے عالم میں حقیقت تو وہی ساری ہے
صورتوں سے آئے ہم لوگوں کی بیزاری ہے
جان کا دینا محبت کی کننگاری ہے
آنکھ وہ دیکھے کوئی شوخی میں کیا پیاری ہے
عشق کرنے کے تئیں شرطِ جگر داری ہے
شوقِ گلگشتِ گلستاں میں گرفتاری ہے
اس شکرِ جفا جو سے ہمیں یاری ہے
یہ بھی اُس سادہ و پُرکار کی ہشیاری ہے

جو کوئی خستہ جگر عشق کا آزاری ہے
کارواں گاہ جہاں میں نہیں رہت کوئی
چرخِ دنیا چیر کا آگاہ کو رہتا ہے لحاظ
آئینہ رو برور رکھنے کو بھی اب جائے نہیں
برگئے عشق میں نازک بدنوں کے آخر
پلیں مے اسکی پھری جی میں کبھی جاتی ہیں
بیقرار سی میں نہ دلبر سے اٹھا ہرگز ہاتھ
واسے وہ طائر بے بال ہوں ناک جبے
ظلم بے مہینچے نہیں رہتی ہے جبکی شمشیر
آنکھ مستی میں کسو پر نہیں پڑتی اُسکی

واں سے جز ناز و تبخیر نہیں کچھ بھیاں سے میر
عجز ہے دوستی ہے عشق ہے عجزِ آری ہے

یہ صنوبرت کب تلک کوئی اٹھائے
دل فروشی کوئی مجھے سیکھ جائے
دیکھیں میں لیکن خدا جو کچھ دکھائے

دردِ غم سے دل کبھو فرصت نہ پائے
طفل تہ بازار کا عاشق ہوں میں
زارِ رونا چشم کا کب دیکھتے

کب تلک چاک قفس سے بھاٹکیے کب سے ہٹو ہے تلاش دست غیب اس کی اپنی بختی ہی ہرگز نہیں جو لکھی قسمت میں دلت ہو سو ہو داغ ہے مرغ چین پائیز سے زخم سینہ مسیر اس کے ہاتھ کا	گر گل بیاں بھی صبا کوئی تو لائے تا کمر بچ اس کا اپنے ہاتھ آئے بھڑکی صحبت ایسی کیا کوئی بنائے خط پیشانی کوئی کیونکر مٹائے دل نہ ہو جلت جو اس کا گل نکھائے ہو کوئی رنجوار تو اس کو بھبھائے
---	---

میر اکبر عمر کے افسوس میں
زیر لب بالائے لب سے اپنے دلے

نہ نوشتہ نامہ آیا یہ کچھ ہمیں لکھا ہے کا فر کا بھی روپ ہوتا نہیں ہے ایسا دنیا میں دیر رہنا ہوتا نہیں کسو کا بندے کا دل بچا ہے جاتا ہوں شاد و سرخ پائے ثبات کس کا ٹھہرا ہے اسکے دیکھے ہر جابدن میں اسکے افراط سے ہے دلکش مرنا تو ایک دم ہے عاشق مرے ہے ہر دم خط اسکو لکھ کے غم سے بخود ہوا ہوں یعنی شونہ سے اس کی درہم بہم جہاں سارا عمر عزیز گزری سب سے بڑائی کرتے	اس سادہ رو کے جی میں کیا جا کہ کیا ہے ٹھوکر لگا کے چلنا کس دین میں روا ہے یہ تو سرائے فانی اک کھرواں سرا ہے جب سے سنا ہو میں نے کیا غم ہو جود ہے ہے ناز اک قیامت انما زاک بلا ہے میں کیا دل لک بھی انکے اگر بجا ہے وہ جانتا ہے جس کو پاس دل وفا ہے قاصد کے بدلے یاں سے ہی مر گیا ہے ہنگامہ قیامت اس کی کوئی ادا ہے اب کر جلو بھلا کچھ شاید یہی بھلا ہے
---	---

جو ہے سو میر اس کو میر انداز ہے
کیا خاص نسبت اس سے ہر فرد کو جدا ہے

دل پہلو میں ناواں بہت ہے ہر آن شکیب میں کمی ہے مقصود کو دیکھیں پتو ہے کبتک جی کو نہیں لاگ لا مکاں سے گو خاک سے گور ہوئے کیاں	بیمار مرا اگر اں بہت ہے بتابی زماں زماں بہت ہے گردش میں تو آسمان بہت ہے ہٹو کوئی دل مکاں بہت ہے گم گشتی کا نشان بہت ہے
--	--

پہنچیں

سہ کار رواں گاہ جہاں میں ہیں رہتا کوئی جس کے ہاں دیکھتے ہیں پلنے کی تیاری ہے۔ میر تقی میر

جگو یہی نیم جاں بہت ہے	جاں بخشی غمیر سی کمیا کر
اکثر پوچھے ہے جیتے ہیں میر	ابو کچھ ہسراں بہت ہے
موقوف دم پر ہیں دشوار کام سارے یہ عشق بے محابا تا چند جاں مارے موج و حباب اٹھکر لگ جاتے ہیں کنارے ہم بقرار ہو کر چاروں طرف سر پکارے صبر و قرار دونوں یکبارگی سدھارے چشمک کریں ہیں ہر شب اسکی طرف تارے	صاحب ہو تم ہمارے بندے ہیں ہم تمھارے ہو ملتفت کہ ہم بھی جیتوں میں آویں چند سے آشوب بھر سستی کیا جانیئے ہے کب سے کوئی تو تھا طرف پر آواز دی نہ ہم کو بیطاقتی سے کیونکر سہارا دے رہیں نہ کوئی تو اہ پارہ اس بھی رواق میں ہے
دنیا میں میر اگر کھولا ہے بار ہم نے	اس رنگز میں دیکھیں کیا پیش آوے بارے
چن نہیں دیتا ہو ظالم جب تک عاشق مرنے ہے دل تو پریشاں تھا ہی میرا رات جی بھی کھرتا ہے ہو نہ اپنے بھائی بھی کہیں پانی میں نقش اُبھرتا ہے جی سے اپنے گزر جاتا ہے جو اس راہ گزرتا ہے ٹمک جو ہو دنیا کی لگی تو یہ کم ظرف اُبھرتا ہے صدالہ غم دیکھے اس خوش چشم درد کی بستر ہے ابر سیاہ سفید جو ہو سو پانی ان کا بھرتا ہے زروی عشق سے بے لفت یہ رنگ کس کو کھرتا ہے	عشق ہمارا دیے جاں کو کسی خصومت کرتا ہے شاید بے بال اس مہ کے بکھر گئے تھے باؤ چلے صورت اسکی دیدہ تر میں بھرتی ہو ہر فرد و شب کیا دشوار گزر رہے طریق عشق مسافر کش یارو حال کسو بے تہ کا یاں مانا ہے حباب دریا سے یا خدا کو کر کے کوٹمک پاس ہمارے ہو جائے دامن دیدہ تر کی دست دیکھ ہی بن آوے گی دل کی لاگ نہیں چھپتی ہے کوئی چھپا کے ہتیرا
میر جگہ دار آدمی ہے وہ کب مرنے سے ڈرتا ہے	میر جگہ دار آدمی ہے وہ کب مرنے سے ڈرتا ہے
دل کیلجے کے پار ہوتا ہے عشق کو جس سے پیار ہوتا ہے یار جب ہمکنار ہوتا ہے ایک عالم ٹکار ہوتا ہے	نالہ جب گرم کار ہوتا ہے مار رہتا ہے اس کو آخدا کار سب فرے در کنار عالم کے واگہ کا ہے اس کے عالم اور

<p>ہمدگر کچھ تسرار ہوتا ہے دل جو بے اختیار ہوتا ہے اس کا جب انتظار ہوتا ہے جلوہ گریوں ہی یار ہوتا ہے ویریاں اعلتب ر ہوتا ہے</p>	<p>بقیہ رادی ہو کیوں نہ چاہت میں جبر ہے قہر ہے قیامت ہے راہ تکتے ہی نہیں ہیں آنکھیں شاخ گل لچکے ہے تو جانوں ہوں کسکو پوچھے ہے کوئی دنیا میں</p>
<p>آہ کس جائے یار کھولا میسر یاں تو جینا بھی یار ہوتا ہے</p>	
<p>میری خونریزی ہی کا مال ہے یاں جنوں کا ابھی اوائل ہے نہ تو طلح نہ عذب کال ہے ہائے کیا شکل کیا شام ہے کیا بیے گا بہت یہ گھائل ہے وہ ہمارا خدا ہے باطل ہے پر بڑا واقعہ ہمہ باطل ہے یار میسر اجوان چاہل ہے سیل اسی در کا کبے ساہل ہے جسکو دریا یہ سیل ساحل ہے</p>	<p>سخت بے رحم آہ قاتل ہے دور محنوں کا ہو گیا آخر نکلے اس راہ کس طرح وہ ماہ مثل صورت ہیں جلوہ کے حیراں باقہ رکھ یوسے تو کئے کہیں اب حق میں سبت کے کیا کہیں کہیں سیح ہے راحت تو بعد مرے کے تیغ اگر درمیاں رہے تو رہے رو نہیں چشم تر سے اب رکھئے حال ہم ڈوبوں کا کیا جانے</p>
<p>باز خواہوں نہ تھا مارے گئے مارے گئے گر تے پڑتے ہم بھی عجز آج ولں بارے گئے استخوان بائے انکب گرم سے دھارے گئے صبح تک ہم رات دیواروں سے سہارے گئے</p>	<p>بیکسان عشق تھے ہم غم میں کھپ مارے گئے بار مل تک ناتوانوں کو نہ تھا ایں بزم میں چھائی میری سرد آہوں سے ہوئی بھی سب کرفت سخت جانی ہے نہ ملک جو ہو خیر گھر میں اُسے</p>
<p>میسر میں و کو کہن ناچار گزرے جان سے دو جہاں حسرت لیے ہمراہ بیچارے گئے</p>	

بے یار ہوں بیکس ہوں آگاہ نہیں کوئی
کیا تنگ محوف ہے اس نیستی کا رستا
موجوم ہے ہستی تو کیا مستبری اس کی
فرہاد کو بجنوں کو موت آگئی ہے آگے

دنیا میں مگر تیرا اللہ نہیں کوئی

میرا تھی سمجھت جو بندوں سے تو کرتا ہی

دل خرابہ جیسے دلی شہر ہے
شور نالوں کا بلائے دہر ہے
اک قیامت ہی غضب ہے تہر ہے
آپ تیغ یار یکسر زہر ہے

دیدہ گریاں ہمارا تہر ہے
آندھی آئی ہو گیا عالم سیاہ
دل جو لگتا ہے تڑپنے ہر زبان
بہ نہیں ہوتا ہے زخم اسکا لگا

یاد زلف یار جی مارے ہے میر
سانپ کے کاٹے کی سی یہ لہر ہے

جس سے پیار رکھے یہ کچھ بہ اس کے سر پناہ ہے
اب جو رنگ بھار کے دیکھے شرمندہ ہیں نہ اس کے
مسجد سے میخانے آیا یہ بھی اس کی کراہ ہے
اجی گھر سے نکل آتا ہوں چاروں طرف غماہ ہے
روئے گل اسکا ساروی سر کا ایسا قامت ہے
دیکھ لیا جو ان نے سمجھو تو اس سادہ کی شامت ہے

عشق بلا آئینہ مغتین یہ تو کوئی قیامت ہے
موسم گل میں تو بہ کی بھی واعظ کے میں کہنے سے
شیخ کی دنی حرکت بھی میں قیامت جانوں میں
ایک طرف میں عشق کیا تھا سوائی یہ کہاں سے ہوئی
تو ہی کر انصاف صبا تک باغوں باغوں بھر سے ہوئی
صبح کو خورشید اُس کے گھر پر طالع ہو کر آنا ہے

چھوڑو اس ادب اس کا ملنا ورنہ سر کٹو اس کے
جاہ رہو گے بہتروں کو سر جو میر سلامت ہے

ہر گلی کوچے میں تیرا اک دعا گو اور ہے
طرز کیں چتون کی پائی سر میں شور جو رہے
آہ کچھ میٹر مٹی خم ہے ابرو طوی کچھ بطور ہے
حال بد میں بیکسوں کی سبھ تھیں بھی غور ہے
مہر وہ برسوں نہیں کرتا شتم فی الفور ہے
یا الہی فضل کر یہ حقور بعد الکود ہے

اے پریشاں ربط و کعبین کب تلک یہ دور ہے
بال بل کھائے ہوئے بچوں سے گڑھی کے گتھے
ہم سے یہ انداز او باشانہ کرنا کیا حفسد ہے
طبع درہم وضع برہم زخم غائر چشم تر ہے
کیا شکایت کرے اُس خود شدہ چہرہ یار کی
وصل کی دولت گئی ہوں تنگ فقر چہر میں

اسکے دیوانے کے سر پر داغ سودا ہے جو میر
وہ تخیل عاشقوں کا اس سبب سرور ہے

گر دکنش زمانہ تو تیرا سیر ہے
چنگ کرے ہے میری طرف تو نگاہ کر
نکا سا ہورہا ہے تن آگے ہی سوکھ کر
جھڑبانہ دے ہے رونے جو گلتا صبح کو
اک دو اہل رسیدہ جو صید آئے کب کھنچا
جوں جوں بڑھایا آتا ہے جاتے ہیں پٹھنے
اس خوبصورتی سے نہ صورت نظر تیری
پر جو ہر اس کی تیغ ہے نامہ برائے قتل
یو چھو اسی سے مضطرب الحال کی کچھ
جوں قتل شوخ و تنگ و جوان بلند طبع
افریاد شب کی سن کے کہا بیدار ہو

ان بلاؤں سے کب رہائی ہے
دیکھیے رقتہ رقتہ کیا ہو دے
استخوان کا پ کا پ جیتے ہیں
دل کو کھینچے ہے شہنشاہِ انجم
اس صنایع کا اس براہ کا
نہ تو جذب رسا نہ بخت رسا
ہے تھن کہ اسکے لب ہیں محل
کیا کہوں خیم عشق سے جو ٹپے
ایسا چہرے پہ ہے نہوں کا خراش
میں نہ کہا تھا بارغ میں اس بن
آئی اس جنگ جو کی گزشتہ محل
اور کچھ مشغلہ نہیں ہے ہیں

سلطانِ عصفرتیری گلی کا فقیر ہے
وہ طفل شوخ چشم قیامت شریر ہے
اب تنگ کیا فقیر جو سب میں حقیر ہے
ہے چشم تر کہ فقیرتِ ابرمطیر ہے
بہ بیخ حال گیسوؤں کا جسیر ہے
شس مٹی کا نہ جانیے اپنا خمیر ہے
سورت تلک تو سیر کی وہ بے نظیر ہے
پیغام مرگ عاشقوں کو اس کا تیر ہے
آہ آفتابِ حسدِ روشن خمیر ہے
شائستہ فلک ہے مگر حسرتِ پیر ہے
دیکھو تو اس بلا کو یہ شاید کہ میر ہے

عشق ہے فقر ہے جدائی ہے
ہم بھی چلنے کو ہیں کہ آئی ہے
عشق نے آگ یہ لگائی ہے
آئیکھ ہم نے کہاں ٹرائی ہے
کچھ تعجب نہیں خدا کی ہے
کیونکہ کہنے کہ واں رسائی ہے
سب نے اک بات یہ بنائی ہے
کچھو جھنجھلاہٹ آہ آئی ہے
جیسے تلوارِ منہ پہ کھائی ہے
نچکو لبسِل کا رہ آئی ہے
شام سے صبح تک ٹرائی ہے
گاہ ہی گاہ غمزل سرائی ہے

ہر چار طرف گئے ہیں جوں بدر گھڑن اجا دے
آلودہ خاک آوے لوہو میں تھا جا دے

کس سے یہ ستم ورنہ اے میر سہا جانیے
خدا جانے تو ہم کو کیا جانتا ہے
جسے ذوق ہے وہ مزا جانتا ہے
مرے قتل کو وہ بجا جانتا ہے
غرض خوب وہ منہ چھپا جانتا ہے
دعا کو بھی میری دغا جانتا ہے
جنھیں یار اہل وفا جانتا ہے
جسے منہ چھپا پارسا جانتا ہے
یہی اچھے منہ کو بتا جانتا ہے
اسی طرز کو خوش نما جانتا ہے
مجھے یار جیسا حبلا جانتا ہے
ہمیں کشتہ خوں کی مزا جانتا ہے
جو کچھ دل کا ہے مدعا جانتا ہے
وہ اس جنس کو کیا بلا جانتا ہے

یوں خط کی سیاہی ہے گرد اس رخ روشن کے
کیا اسکی گلی میں ہے عاشق کسو کی روت

ہے حوصلہ تیرا ہی جو تنگ نہیں آتا
ترے بندے ہم ہیں خدا جانتا ہے
نہیں عشق کا درد لذت سے خالی
ہمیشہ دل اپنا جو بیجا ہے اس بن
گئے زیر برقع گئے گیسوؤں میں
مجھے جانے ہے آپ ساہی فریبی
جفا اُس پہ کرتا ہے حد سے زیادہ
لگا لے ہے جھکے دکھا کر اُسی کو
اُسے جب نہ تب ہنسنے بگڑا اسی پایا
بلا شور انگینہ ہے چال اُس کی
نہ گرمی جلاتی تھی ایسی نہ سردی
یہی ہے سزا چاہنے کی ہمارے
مرے دل میں رہتا ہے تو ہی تو ہی تو
پہری اُسکے سایہ کو بھی لگ سکے نہ

جہاں میر عاشق ہوا خوار ہی تھا
یہ سودا کی کب دل لگا جانتا ہے

کہ جاناں سے جی بھی ملا جانتا ہے
بڑا کرنے کو وہ حبلا جانتا ہے
کسو اور ہی کا کس جانتا ہے
وہی خوب طرز جفا جانتا ہے
لکھے کو ہمارے مٹا جانتا ہے
سو غم و رنج آشنا جانتا ہے

ہمیں یار سے جو جدا جانتا ہے

یہی عشق ہے جی کھپا جانتا ہے
برسی میں بھی کچھ غولی ہو دیکھی تب تو
مرا شعر اچھا بھی والنتہ عند سے
زمانے کے اکثر ستمگار دیکھے
نہیں جانتا حزن خط کیا ہیں لکھے
نہ جانے جو بیگانہ تو بات یو چھے
انہیں اتھاو تن و جاں سے دھت

جوان ششم

میر تقی میر دہلوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فلک نے پیس کر سر مرہ بنایا
زمانے میں مومے شور جنوں نے
بلا تھی کو فت کچھ سوز جگر سے
تامی عسیر جس کی جستجو کی
نہ تھی بیگانگی معلوم اُس کی
قریب دیر خفسر آیا تھا لیکن
حق صحبت نہ طردوں کو رہا یاد
غور حسن اُس کا دشن گنا ہے
مجب نقشہ ہے نقاش اُس نے

نظر میں اس کی میں تو بھی نہ آیا
قیامت کا سا ہنگامہ اٹھایا
ہیں تو کوٹ کوٹ اُن تے جلایا
اُسے پاس اپنے اکدم بھی نہ پایا
نہ سمجھے ہم اُسی سے دل لگایا
ہمیں رستا نہ کہے کا بتایا
کوئی دھبول اسیرن تکٹ لایا
ہمارا عشق اُسے کین نے جتایا
کوئی ایسا نہ چہرہ پھر بنایا

علاقہ میر تھا خجھر سے اُسے
نہ ان اپنا گلا ہم نے کٹایا

اپنے ہوتے تو باعثاب رہا
ہو کے بے پردہ ملتفت بھی ہوا
نہ اُٹھ لطف کچھ جوانی کا
کارواں ہائے صبح ہوتے گیا
ہجر میں جی ڈاگر سے ہی رہے
گھر سے آئے گلی میں سو بار سے

بے دماغی سے با خطاب رہا
ناکسی سے ہمیں حجاب رہا
کم بہت موسم شباب رہا
میں ستم دیدہ سحر خواب رہا
ضعف سے حال دل خراب رہا
یار بن دیر اضطراب رہا

	<p>جان کو اپنی پہچ و تاب رہا واں سدا چہرے پر نقاب رہا خاک میں بھی نہیں عذاب رہا</p>	<p>ہم سے سلجھے نہ اُسکے اُلجھے بال پردے میں کام یاں ہوا آنکھوں سوزش سینہ اپنے ساتھ گئی</p>
	<p>حیف ہے میر کی جناب سے میاں ہم کو ان کے اجتناب رہا</p>	
	<p>اندوہ دردِ عشق نے بیمار کر دیا حیرت نے عشق کی جھجے دیوار کر دیا دیوانہ محب کو جیسے پریدار کر دیا بے حشرم اُن نے محب کو گنہگار کر دیا نایاب کس گھر کا طلب گار کر دیا لوگوں کو میری زاری نے بزار کر دیا یاروں نے رقتہ رقتہ خیردار کر دیا یعنی کہ ایک دار ہی میں پار کر دیا پایان کار آنکھوں کو خوبار کر دیا</p>	<p>بیگناہی نے دل کی گرفتار کر دیا دروازے پر کھڑا ہوں کئی دکن باریکے سائے کو اُسکے دیکھ کے وحشت بلا ہوئی نسبت ہوئی گناہوں کی زینت ہوئی دنرات اُسکو دھوڑے ہو دل شوق نے مجھے دور اُس سے زار زار جو روتا رہا ہوں میں خوبی سے بخت بد کی اُسے عشق سے مرے ہسکے لگائی جی میں نہ اُس کی ہوس رہی پہلو میں لے لوں گے آتش سے شوق کی</p>
	<p>کیا جانوں عشق جان سے کیا چاہتا ہے میر خونِ زہری کا مجھے تو سزاوار کر دیا</p>	
	<p>تہ جانا اُن نے تو یوں بھی کہ کیا تھا مرض ہی عاشقی کا لا دوا تھا خود آرا خود پسند و خود ستا تھا ہمارے ذوق میں اب تک نہ تھا نہ جانا تجھے یہ کن نے کہا تھا گسو سے دل ہمارا پھر لگا تھا ہمارے زعم میں وہ آشنا تھا ہمارا طور عشق اُن سے جدا تھا انھیں سناہٹوں میں جی چلا تھا</p>	<p>موتے ہم جس کی خاطر بیونا تھا سوانح کی نہیں تقصیر ہرگز نہ خود سر کیوں کہ ہم ہوں پار اپنا رکھا تھا منہ کبھو اس کنبہ لب پر تہ لیو چاہنے والے سے اپنے پریشاں کر گئی فسادِ لبیل لے برسوں وہی بیگانگی تھی نہ دیوانے تھے ہمے قیس و فریاد بدن میں صبح سے تھی سنسناہٹ</p>

صنم خانے سے اٹھ کھینے گئے ہم
 بدن میں اُسکے ہے ہر جانے کوش
 کوئی غنقا سے پوچھے نام تیرا
 کوئی اُنہر ہمارا بھی خدا تھا
 جہاں اُنکا کسو کا دل بجا تھا
 کہاں تھا جبکہ میں رسوا ہوا تھا
 جہاں ہی تیری جن میں میسر آیا
 اُنکے حسن آج شاید کچھ خدا تھا

سوز دروں سے مجھ پر ستم برپا ہوا
 بد حال ہو کے چاہ میں نے کالطف کیا
 نکلا گیا نہ دام سے پر بیخ زلفت کے
 کیا اور کیجئے کیسی خجالت مجھے ہوئی
 نکلا جگر کا آنکھوں سے نکلا جلا ہوا
 دل لگتے جو ہو کوئی عاشق بھلا ہوا
 اسے داسے یہ بلا زدہ دل مبتلا ہوا
 سر کو جھکائے آیا جو فاسد چلا ہوا
 رہتا نہیں ترش پن سے تھک باقہ کے تلے
 کیا جانوں میں دل کو مرے کیا بلا ہوا

جمع اس کے نکلے عالم ہو گیا
 گوریشاں ہو گئے گیسو سے یار
 کیا کہوں کیا طرح بدلی یار نے
 کیا کہوں شکل ہوئی تحریر حال
 دم دیے بہتر سے یاروں نے دے
 کیوں نہ در ہم برہم اپنا ہو مزاج
 باغ جیسے رانغ دشت گاہ ہو
 جب تک ہم جا میں اودھم ہو گیا
 حال ہی اپنا تو درہم ہو گیا
 چاؤ تھا دل میں سواب غم ہو گیا
 غصہ کا کاغذ روئے سے نم ہو گیا
 خشک نے سا شیخ بے دم ہو گیا
 بات کہتے یار برہم ہو گیا
 یاں سے شاید گل کا موسم ہو گیا

کیا تازے میر اس اوقات کی
 جب کہ قدح عراب سا غم ہو گیا
 وہ دیکھنے نہیں تک بیماری میں نہ آیا
 گلشن کے ٹھاروں نے کیا بیرونی کی
 بے بیخ اُس کا غصہ یارو بلائے جاں ہے
 قد بند اگر چہ بے لطف بھی نہیں ہے
 لے میر تھی یہ حق صحبت نہ یارو کو پایا
 سو بار اُنکے نکھیں کھولیں بالیں سے سر اٹھایا
 یک برگ گل قفس میں ہم تک نہ کوئی لایا
 ہرگز مست نہ ہم سے بہت میرا ہی سنایا
 سرو چین میں لیکن اندازہ نہ پایا
 کوئی دو پھول اسیروں تک نہ لایا +

انگڑاتے خوبریاں حسرت سے پیش ہیں
نقشہ عجب ہے اس کا نقاش نے ازل کے
شب کو نئے میں باہم تھی گفتگو سے درہم
دل لنگی میں کھلنا اس کا نہ اس سے دیکھا

ایندا پھرے ہے ہر سوجب اس پر ہی کا سایا
مطبوع ایسا چہرہ کوئی نہ پھر بنایا
اس مست نے جھنکایا یعنی بہت جھکایا
نجات لگوں کو ہم نے سو بار آزمایا

عاشق جہاں ہوا ہے بے ڈھنگیاں ہی گئی ہیں
اس میسر بخرد نے کبٹ عجب سے دل نکالیا

پڑھتے کسو کو سیلے گا تو دیر تک سر دھنیے گا
ضجبت میں علما فصلا کی جا کر پڑھیے گئے گا
آگ بھٹکے گی غم کی بدن میں اس میں جلے بھنیے گا

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں السی نہ سنیے گا
سی و تلاش بہت سی رہے گی اس انداز کے کہنے کی
دل کی تسلی جبکہ ہوگی گفت و شنود سے لوگوں کی

گرم اشعار میر درد نہ داغوں سے یہ بھر دیں گے
زرد و شہر میں پھر سے گا گلیوں میں نکل چینیے گا

تھا اندوہ گرہ دت سے دل میں نوحں ہو درد ہوا
چاہ نے بدلے رنگ کئی اب جسم سراسر زرد ہوا
وعدہ خلافی اس ظالم کی کھا گئی میری جان غمیں
گرمی کرے وہ مجھ سے جب تک تب تک میں ہی سرد ہوا

گرد و غبار و دشت و وادی گرے سے میرے کیسو میں
رونے کے آگے ان کے تو دریا بھی میسر اب گرد ہوا

مرزا تمام ہونہ سکا نیم جاں ہوا
بیمار عشق چار ہی دن میں گراں ہوا
خوناب میری آنکھوں سے منہ پر وں ہوا
یعنی کہ اب مکان مرا لائے گا ہوا
شیشہ ہوا نہ کیف کا پیر معاں ہوا
صیاد کے کرم سے تقص آشاں ہوا
اُن نے جواک نگاہ کی اُس کا زیاں ہوا
بس میرے دل کا یار ہی اب امتحاں ہوا

میں رنج عشق کھینچے بہت ناواں ہوا
بستر سے اپنے اٹھ نہ سکا شب ہزار حیف
شاید کہ دل تر پنے سے زخم دروں پھا
غیر از خدا کی ذات مرے گھر میں کچھ نہیں
مستوں میں اُس کی کیسی تین سے ہو نشست
سائے میں تاک کے مجھے رکھا اسیر کر
ہم نے نہ دیکھا اُس کو سو نقصان جاں کیا
تک رکھ لے ہا تھرتن میں نہیں درجائے زخم

سہ میر تق میر عجب نقشہ ہے نقاش ازل نے ہ کوئی ایسا نہ چہرہ پھر بنایا ۱۲

وے تو کھڑے کھڑے مرے گھر کے پھر گئے
گردش نے آسمان کے عجائب کیا سلوک
مرغ چمن کی نالہ کشی کچھ خنک سی تھی
دو بھول لا کے پھینک دیے میری گور پر
سرکھینچا دو در دل نے جہاں تیرہ ہو گیا

میں بے دیار و بیدل و بے خانماں ہوا
پیر کبیر جب میں ہوا وہ جواں ہوا
میں آگ دے چمن کو جو گرم فغاں ہوا
یوں خاک میں ملا کے مجھے مہرباں ہوا
دم بھر میں صبح زیر فلک کیا سماں ہوا

کہتے ہیں میر سے کہیں او با شط رک گئے
ہنگامہ ان سے ایسا الہی کہاں ہوا

جس رفتی کو عشق کا آزار ہو گیا
نسبت بہت گناہوں کی میری طرف ہوئی
حیرت زدہ میں عشق کے کاموں کا یار کے
پھیلے شکاف سینے کے اطراف درو سے
بازار میں جہان کے بے چین کیا متاع
دل لے کے میری جان کا یمن ہو مذاں
عاشق کو اسکی تیغ سے بے لاگ کھینچے ہی
مرے سوار ہا نہ ہوا تنگ ہی رہا

دو چار دن میں برسوں کا بیمار ہو گیا
ما کردہ جسم میں تو گھنگار ہو گیا
دروازے پر کھڑے کھڑے دیوار ہو گیا
کوچہ ہر ایک زخیم کا بازار ہو گیا
سوچی سے جس نے دیکھا خودیاد ہو گیا
جس ہونا سے اپنے تئیں پیار ہو گیا
یہ کشتی بھی مرنے کو تیار ہو گیا
پھندے میں عشق کے جو گرفتار ہو گیا

کیا جرم تھا کہ سو پہ نہ معلوم کچھ ہوا
جو میر کشت و خون کا سزاوار ہو گیا

دشمن ہو جی کا گاہک ہوتا ہے جس کو چاہا
جی ہے جہاں قیامت درو عالم رہا وال
نازہ جھمک تھی شب کو تاروں میں آسمان کے
نہیازہ کش ہوں اسکی مدت سے اس ادا کا
جانا کہ منہ کھلا ہے آشکدے کا شاید
آنکھیں مری لگو ہیں بیجا نہیں لگیں ہیں
میں راہ عشق میں تو آگے ہی دو لا تھا
کرنا وفا نہیں ہے آسان عاشقی میں

کی دوستی کہ یار واک روگ میں بسا ہا
بیمار عاشقی میں شب صبح تک کرا ہا
اس آساکو شاید پھر کر کسو نے را ہا
لگ کر گئے سے میرے انگوٹا کی بے جلا ہا
سینے کے زخم کا جو سر کا ہے ٹک بھی بھا ہا
دیکھا ہے جن نے اُسکو آنے مجھے سرا ہا
پر پیچ پیش آیا ان زلفوں کا دورا ہا
تھک کر کیا جگر کو تب چاہ کو نبا ہا

<p>کہتے تو تھے نہ دیکھو اُس سے گلے نہ جاؤ</p>	<p>سمجھے نہ دیدہ و دل اب کیا کروں اُکسا</p>
<p>یا مرتضیٰ علیؑ ہے تیرا گدا کے در یہ کہ حالِ مسیرِ بر بھی ملکِ انفات شاہا</p>	<p></p>
<p>بلبل کا شور سن کے نہ مجھ سے رہا گیا لوگوں نے پائی راکھ کی ڈھیری مری بک چہرے پہ بال بکھرے ہے سب شہا چلتا ہوا تو قافلہ روزگار سے کیا بات رہ گئی سپہرے اشتیاق سب زخمِ صدر اُن نے نمکِ بندہ خود کئے سائے حاکس میرے پریشاں ہیں عشق میں بادلِ گرجِ گرج کے مٹاتا ہے یعنی یاں دے مونا زہی رہے آئے نہ اس طرف</p>	<p>میں بیداغ باغ سے اُٹھ کر چلا گیا اک شعلہ میرے دل سے اُٹھا تھا جلا گیا یعنی کہ بیروتی سے مُنہ چھپا گیا میں جوں صداجرہ کی اکیلا جدا گیا رقعہ کے لکھتے لکھتے ترسل لکھا گیا صحبت جو بگڑی اپنے میں سارا مزا گیا اس راہ میں یہ قافلہ سارا لٹا گیا نوبت سے ہر کوئی نئی نوبت بجا گیا میں منتظر توجی سے گیا ان کا کیا گیا</p>
<p>دل دے کے جان میر نے پایاں کا رڈی یہ سادہ لوح طرح نئی دل لگا گیا</p>	<p></p>
<p>عشق بھی اُس کا ہے نام اک پیار کا میں ہوں خواہاں لطف تہ بازار کا کشتہ و مردہ ہوں اس اسرار کا حال اتر ہو گیا گھر یار کا کب وفاداری ہو شیوہ یار کا رنگ دیگر ہے درود یار کا غم کشوں کے دیدہ و خوبار کا اس میں کچھ نقصاں نہیں سرکار کا</p>	<p>میں ہوں خاک افادہ جس آزار کا بیچتا سر کیوں نہ گلیوں میں پھروں خون کر کے ملک نہ دل اُن نے لیا گھر سے وہ مہمار کا ہو اُٹھ گیا نقل اس کی بیوفائی کی ہے اصل سچو دے دے مارتے گھر میں پھرے اک گدا کے در ہے سیلاب بہار دلبراں دل جنس ہے تنجائشی</p>
<p>عشق کا مارا ہے کیا پیچے کا میر حال ہے بد حال اس بیمار کا</p>	<p></p>
<p>تو جینا ہمیں اپنا و شوار ہوگا</p>	<p>جو تو ہی صنم ہم سے سینہ اڑ ہوگا</p>

<p>ہیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ہوگا کوئی دن میں برسوں کا بیمار ہوگا بکھو تو تہ دل سے بھی یار ہوگا کہ اس سنگدل سے ہمیں پیار ہوگا خدا جانے کیا آخبر کار ہوگا</p>	<p>غمِ مجبور رکھے گا بیتاب دل کو جو افراتافت ہے ایسا تو عاشق چلتی ملاقات سب تک پہنچے گی تجھے دیکھ کر لگ گیا دل نہ جانا لگا کرنے پیران سختی سے سختی</p>
<p>یہی ہوگا کیا ہوگا میری نہ ہونگے جو تو ہوگا سبے یار غمخوار ہوگا</p>	
<p>دور سے دیکھتے ہی پیار آیا اتو اسکے تئیں قسار آیا میری آنکھوں ہی پر پیار آیا میں جہن میں بہت پیار آیا وہ قمار سے گلے کا بار آیا غیب سے ہاتھ دیکھا آیا</p>	<p>دیر بد عہد وہ جو یا آیا بیتواری نے مار رکھا ہیں گردہ اسکی اب اٹھو نہ اٹھو اک خزاں میں نہ طیر بھی بولا بار کر میں تو کاتنا تھا نکلا طاثر عمر کو تفسیر میں رکھا</p>
<p>موسم آیا تو نخل دار میں میر سرمسور ہی کا بار آیا</p>	
<p>ہزار مرتبہ منہ تک مرے جگر آیا وہ انتظار کشوں کو نہ ٹک نظر آیا لاپ جس سے ہو ایسا نہ یک ہر آیا کہ خوف میر ہے مخدوم یاں کو ہر آیا محیط اس مرے رونسے کو دیکھ کر آیا کہ گھر لٹا چکے جب یار اپنے گھر آیا کہ ہی کے رنہ مٹنے سے جوں بڑھ گیا ستم کی مشق کی پر خون اُسے نہ شکر آیا</p>	<p>نرمانہ مجبور کا آسان کیا بسر آیا ار میں جو منتظر آنکھیں غبار لائیں ولے ہزار طرح سے آوے گھڑی جدائی میں لما جو عشق کے جنگل میں خضر میں نے کہا یہ لہر آئی لگی زور کا لے پانی تک نثار کیا کریں ہم خانماں خراب اسیر نہ روؤں کیونکہ علی الاقوال میں ہیں جوان بائے ہیں بڑھ چکی ہی سے اُن نے بہت</p>
<p>لجک کر کی جو یاد آوے اسکی یہ آوے سہ پانی میر کے اشکوں کا تار آیا</p>	

ہو کوئی اُس بیوہ قافلہ دار سے کیا آشنا
 قدر جانو کچھ ہماری ورنہ پچھتاؤ گے تم
 باغ کو بے لالہ و گل دیکھ کہتے تھے طہور
 اب تو لڑکا نہیں عشق جہوس میں کرتے سینہ
 ملتے ملتے منہ پھپھانا بھی لطیفہ ہے نیا
 تھا جنوں کا لطف مجنوں سے سودنیا سے گیا
 اب جو ہاتھ آئے ہیں ہم مت ہفت نکو دیکھو ہیں

کیسا ہی پانی ہو اُس کو پیری میں جا رہا ہے پیر
 تھا جوانی میں مگر تو میر دا نا آشنا

گئے تھے سیرچن کو اٹھ کر تنکوں میں تک جی لگتا نہ اپنا
 تلاش جوش بہار میں کی نگار کشن میں تھا نہ اپنا

ملا تو تھا وہ بخواہش دل مزہ بھی پاتے لے سے لیکن
 پھر میں جوستی میں اُس کی آنکھیں سو ہوش ہکورا نہ اپنا

جہاں کا دریا کسے بیکراں تو سرب پایاں کا رکھلا
 جو لوگ تہ سے کچھ آشنا تھے اُنھوں نے لب ترکیا نہ اپنا

نکالی سرکش نے چال ایسی کہ دیکھ حیرت سے رہ گئے ہم
 دلوں میں کیا کیا ہمارے آیا کریں سو کیا بس چلا نہ اپنا

کے بھی کوئی تو اس سے جس میں سخن کسو کا اتر کرے کچھ
 بکا کئے ہم ہمیشہ مانا کسودن اُن نے کہا نہ اپنا

نہ ہوش ہم کو نہ صبر دل کو نہ شور سر میں نہ زور یا میں
 جو روویں کس کس کو روویں اب ہم وفا میں گیا کیا گیا نہ اپنا

جہاں میں رہے کو جی بہت تھا نہ کر سکے میر کچھ توقع
 بتا بھی تا پامدار اس کی اسی سے رہنا نہ اپنا

لے صاحب سے ناچاں ماہر ہم و ناچنزل دیگر اں : فرق باشد جان ما از آشنا :
 لے میر تقی سے داغ ہے تاباں علیہ الرحمہ کا چھاتی پتیر : ہونجات اُسکو بچا را ہم سے بھی تھا آشنا :

رہا و سیاہی ہنگامہ مری بھی زار زانی کا
 معنی سے سنا مصرع جو میرے شعر حالی کا
 سماں اب یاد ہوگا کب تمہیں وہ خورد سالی کا
 چنہا ہے نظر بازوں کو ان ہونٹھو کی لالی کا
 انہی ہووٹھ کا لاشتا لباس دست عالی کا
 خیال اب کس کو ہے اے ہشتین زنجیری کا
 پرکھا کچھ نہیں ہے ہم کو ان کی جھڑکی گالی کا
 نشست کیا ہے میری دور کی اس کچھ بھالی کا

پڑا تھا شور جیسا ہر طرف اس لابی کا
 رہے بد حال صوفی حال کرنے دیر مجلس میں
 نظر بھر دیکھتا کوئی تو تم آنکھیں جھپا لیتے
 یکم یا قوت کی چلتی ہے اتنی دور کا ہے کو
 پھرے بستی میں دیت کچھ نہیں فلاس سے اپنی
 دماغ اپنا تو اپنی فکر میں ہی ہو چکا یکسر
 ذلیل و خوار ہیں ہم آگے غویاں کے ہمیشہ سے
 ڈرو چو کو جو چپاں اختلاطی تم سے ہر مجھ کو

انہی ہونٹھ جو دعا کے میر داں تک مجب کیا ہی
 حلقہ مرتبہ ہے بسکہ اس درگاہ عالی کا

اس سے کیا جانوں کیا قرار ہوا
 یا راسکے گلے کا بار ہوا
 رفتہ رفتہ مجھے دوار ہوا
 محل تر سوکھ سوکھ خوار ہوا
 عاشقی میں یہ اعمتیا رہوا
 اب یہی اپنا روڑا رہوا

دل جو ناگاہ بے قرار ہوا
 شب کا پہنا جو دن تلک ہے مگر
 گرد سراس کے جو پیراں بہت
 بستر خواب سے جو اُسکے اٹھا
 تجھے لینے لگے ہیں عبرت لوگ
 روز و شب روتے کرتے گزرتے ہو

روڈوں کیا اپنی سادگی پر میر
 میں نے جانا کہ مجھ سے یار ہوا

ایک دودن ہی میں وہ زار و زول ہوا
 بک گیا آپ ہی جو اس کا خرمیا رہوا
 چاہ کر اُسکے تئیں میں تو گنہگار ہوا
 حیف صد حیف کہ میں دیر جبرار ہوا
 وہی خود گم ہوا جو اُس کا طلبگار ہوا
 برنگین بالوں میں وہ اُسکے گرفتار ہوا
 کہ یہ اب سادہ دیر کا رمریا رہوا

جس ستم دیدہ کو اس عشق کا آزار ہوا
 روز بازار میں عالم کے عجب تھے ہے شن
 محبوب میں گئے کھر اُسکے جلا کرتا ہوں
 ہوش کچھ جتنے سروں میں تھا شابی چیتے
 ہو بخود تو کسو کو ڈھونڈتے کالے کوئی
 مرغ دل کی ہو رہائی سے مراد لب جمیع
 پیار کی دیکھی جو جیتوں کسو کی میں جانا
 اے حیف صد حیف کہ نادیر ہمارا شدم

تھکیہ اس پر جو کیا تھا سو گر بستر پر	یعنی میں شوق کی افراط سے بیمار ہوا
کیونکہ شبِ عمرِ صوبت میں کئی تیری میر	اپنا جینا تو کوئی دن ہمیں و شوار ہوا
آج اُس خوش پر کار جو ان مطلوبِ حبیب نے لطف کیا	پیرِ فقیر اس بے دندان کو اُس نے دندانِ مُزد دیا
آتش کی بوند آنکھوں سے دونوں بتو کھلتی ایک نہیں	دل کی طہیدن روز و شب نے خوب جگر کا لوسو پیا
مرتے جیسے صبر کیا تھا ویسی ہی بے صبری کی	ہائے درتغِ افسوس کوئی دن اور نہ یہ بیمار جیا
ہاتھ رکھے رہتا ہوں دل پر برسوں گزرے ہجرال میں	ایک دن اُن نے گلے سے مل کر ہاتھ میں میرا دل نہ لیا
حیرت سے آفتاب جہاں کا تھاں رہا کیا جانیئے غبارِ رہا رہا اکھاں رہا سیلاب ان ہی رخنوں سے مدتِ اُن رہا اب کیا رہا ہے مجھ میں جو میں نیم جاں رہا سو آپ ایک رات ہی واں میہماں رہا وہ دیر میرے حال پہ بھی حسدیاں رہا موتِ خرابہ گرد وہی بے خانماں رہا کیا ہے گلے پہ جان کے گوہر جہاں رہا	اب یار دو پہر کو کھڑا تک جو یاں رہا جو قافلے گئے تھے اُنھوں کی اُٹھی بھی گرد سو کھی پڑی ہیں آنکھیں مری دیر سے جواب اعضا گدازِ عشق سے ایک ایک بہ گئے منعم کا گھر تہا دی ایام میں بنا اُسکے فریبِ لطف پہ مت جاکہ بمنشیں اب در پہ اُس کے گھر کے گڑھوں گز نہیں ہے جان تو جہاں سے مشہور ہے مثل
ترکِ شراب خانہ ہے پیری میں ورنہ میر	ترسا بچوں ہی میں رہا جب تک جو ان رہا
بہت عالم کرے گا غم ہمارا رہے گا دیر تک تا ہم ہمارا کہ ہمارا جاتا ہے قدیم ہمارا نہیں کم حشر سے اود ہم ہمارا	سخنِ مشتاق ہے عالم ہمارا پر دھیتے شرور و لوگ بیٹھے نہیں ہے مرجعِ آدم اگر خاک زمین و آسمان زیر و زبر ہے

۱۔ زندہ و عشق چہاں بود یعنی مجھوں میں ازیں عشق مگر اینہم و شوار بود (لہجہ) ۲۔ اگلے دندانہ

کسو کے بال درہم دیکھتے میر
ہو اسے کام دل پریم ہمارا

ردیف بائے موحّدہ

مر جائے کوئی خستہ جگر تو ہے کیا عجب
اڑتی سی ہنکو آوے خبر تو ہے کیا عجب
شب بھر کی بھی ہو وہ سحر ہے کیا عجب
س آہ کا ہو اس میں اثر تو ہے کیا عجب
اوسے ادھر بھی اسکی نظر تو ہے کیا عجب
عاشق سے جو بندھے نہ کر تو ہے کیا عجب
کر جائے کوئی رفتہ سفر تو ہے کیا عجب
ہو وہ بھی جسے دستا بسر تو ہے کیا عجب
ہو بچے ہے اس سے ہنکو سفر تو ہے کیا عجب
اب آوے وہ کبھی مرے گھر تو ہے کیا عجب

ہے عشق میں جو حال تیر تو ہے کیا عجب
لیجاکے نامے کتنے بکو تر ہوئے ہیں فربح
شہنائے تار و تیرہ زمانے میں دن ہو میں
جیسے ہے رخنہ رخنہ یہ چسپ رخ اشیر سب
باقی ہے چشم شوق کسو کی ہزار عیا
غرض ملک سے ہو وہے چک اس کمر کی دیکھ
تیرک وطن کیا ہے عزیزوں نے چاہ میں
برسوں سے ہاتھ مارے ہیں سر پہ اس بغیر
معلوم سود مند ہی عشاق عشق میں
گھر بار میں لٹاکے گیا گھر سے بھی کل

ملتی نہیں ہے آنکھ اس آئینہ رو کی میر
وہ دل جو لے کے جاوے مگر تو ہے کیا عجب

کرنا جو کچھ ہو تم کو سو کر لو شباب اب
پایا قرار یہ کہ رہوں میں خواب اب
تو تو ہو اسے جھکو بہت سا ثواب اب
دل رگیا ہے پہلو میں ہو کر کباب اب
رہتا ہے میری خاک کو بہر عذاب اب
دیکھیں جو لہو سے ہو کوئی گیا خواب اب
میں خود حسابی میری تو ہے بحساب اب
نزدیک شاید آیا ہے ہنگام خواب اب
کرنے لگو گئے ورنہ عتاب خطاب اب

آیا ہے شیب سر پہ گیا ہے شباب اب
بگڑا بنا ہوں عشق سے سو بار عاقبت
تو تیر زری عاشقوں کی ہے ظالم اگر ثواب
بھڑکی دروں میں آتش سوزندہ عشق کی
ہوں اس ہشتی رو سے جدا میں جھیم میں
خا صبر جو آیا چپ سے نشان خط کا کچھ نہیں
کیا رنج و غم کو آگے ترے میں کروں شمار
بھسکی گاس آنکھیں اور چھکی آتی ہیں بہت
آرام کرے میری کہانی بھی ہو چپکی

	<p>جانا سمجھوں نے یہ کہ تو مشوق میر ہے خلع العذار سے یہ کیا ہے حجاب اب</p>	
<p>لکھا دے گا آفتابہ کوئی خود سر آفتاب بار اکبر ہے شام و سحر جگر آفتاب بھڑائی بھانکتا اُسی کو گھر آفتاب بھاگے بولنے سائے سے بھی خوشتر آفتاب ہوتا ہے دوپہر کے تئیں سر آفتاب نکلے ہے کوئے یار سے بیچ جگر آفتاب ہر چند سب تاروں سے تھا بتر آفتاب مہر گم کہ صحر ہوا ہے گیا کیدھر آفتاب جسکی اٹھا سکانہ کبھی سیر آفتاب</p>	<p>منہ دھوتے اُسکے آتا تو ہے کتر آفتاب سر صد تے تیرے ہونے کی خاطر بہت گم نجانہ کیوں صبح جہاں میں ہو قبر و غم تھرید کا فراغ ہے اک دولت عظیم مازک مزاج ہے تو کہیں گھر سے مت نکل پیدا ہے زور مشرق نو کی نمود سے ہو بیت اُس کے نور کا زیر میں گیا سرخ کی روشنی میں معلوم کچھ ہوا س زور کش کی توں قرح ہو کمان نک</p>	
	<p>روشن ہے یہ کہ خوف ہے اُس غصہ و رکامیر نکلے ہے صبح کا بیتا جو گھر گھر آفتاب</p>	
<p>بیروت اس زمانے میں ہمہ حیرت ہے اب دستی ہے دشمنی اُلفت نہیں کلفت ہے اب سود مانع اپنا ضعیف قلب بھلاقت ہے اب عالم عالم بھر برائے عشق کی نھت ہے اب</p>	<p>آئینہ سا جو کوئی یاں آشنا صورت ہے اب کیا کوئی یاری کو سے کر کے ہووے شاد کام چاہتا ہے درد دل گزرا کسوں سے دل دماغ کیونکہ دنیا دنیا رسوا کی مری موقوف ہو</p>	
	<p>اسک نو میدانہ پھرتے ہیں مری آنکھوں کے بیچ میر یہ دے ہے دکھائی جان کی نھت اب</p>	
<p>ساقد میرے دل عطر اتو آچکا مرنے کا خواب یا کہ نھت گل کی تھا آیا گیا عمر شباب ہو گیا مجھ پر ستم اُچھانہ ملک تہی میں خواب یا انہی دے زمانے سے اٹھا رسم نقاب دل بدن میں آدمی کے ایک ہو خانہ تیرا نچ سے اٹھ جائے تو ہووے ابھی رنج حجاب</p>	<p>مارے ہی ڈالے ہے جبکا زندگی میں اضطراب تک ٹھہرنا بھی تو کہتے تھا کسو بجلی کی تاب کی نماز صبح کو کھو کر تمازا اشتراق کی دیکھنا منہ یار کا اس وجہ سے ہوتا نہیں سعت ہو اُسکے مرض ورا اُسکے غم سے الغرض ریں ہم میں پراپر وہ جو ہے ہستی ہے یہ</p>	

لہ منہ دھوتے وقت اُسکے اکثر دکھائی دے ہے
خورشید لے رہا ہے ایک روز آفتابہ میر تقی میر

صورت دیوار سے مدت گھڑے دیر رہے
مے سے توبہ کرنی ہی مقول اگر ہم جانتے
پیر کچھ صحبت میں اُسکی ہم ہوئے نہ باریاب
ہم پہ شیخ شہر برسوں سے کہے ہے حساب

جمع تھے خواباں بہت لیکن پسند اس کو کیا
کیا غلط میں نے کیا اسے میر وقت انتخاب

اس نسل ترا سے بھی ہر بات کی تکرار خوب
لگ نہیں پڑتے ہیں لیکر ہاتھ میں شمشیر تیز
آخر ان خواباں نے عاشق جان کر مارا کچھ
آج کل سے مجھ کو بتیابی و بد حالی ہے کیا
کیا کریم کی اُسکی کیئے جنت در بستہ دی
مختصر جو رستم میں بھی ہوا وہ نوجواں
دہر میں سستی بلندی برسوں تک کبھی ہے میں
کیا کسو سے آشنائی کی رکھے کوئی اُمید

بہ زبانی بھی کی اُن نے تو کہا بسیار خوب
بیکسوں کے قتل میں آنا نہیں صراحت خوب
چاہ کا اپنی نہ کرنا ان سے تھا اظہار خوب
مجھ مریض عشق کے کہتے تھے آنا خوب
ورنہ مغلس غم زدوں کے کچھ نہ تھے کردار خوب
ظلم تب کرتا ہے جب ہو کوئی منت دار خوب
جب لٹا یا مالی سے میں تب ہوا ہوا خوب
کم ہو چکا ہے ہم دنیا میں یارو یا خوب

کہتے تھے نہیں کے سے لے میر مت کھا پیچ و تاب
آخر اُس کو پے میں جا کھائی نہ تو نے بار خوب

رویت تائے فوقانی

جو کوئی اس بوفاسے دل لگاتا ہے بہت
اُسکے سونے سے بدن کس قدر چپاں ہے ہائے
کیا پس از چندے مری آوارگی منظور ہے
چاہ میں بھی بیشتر جانے سے کم موتا ہے دُر
گوچہ کم جاتا ہوں پر دل پر نہیں کچھ اختیار
بھول جاؤ گا سخن پر داری اُسکے سامنے
باغزہ معشوق کیا کم ہیں پر اسکو کب کر دل
وہ نہیں ہجران میں بس بن خواباں میں ہے مجھے
کیا کر دل کہنے لگا ایدھرنہ آنے پائے وہ

وہ شکر اس شمشک کو ستا تا ہے بہت
جامہ کبرتی کسو کا جی جلاتا ہے بہت
سوریشیاں تب جو شب مجھ میں آتا ہے بہت
اسے جاتا ہوں تب جب وہ بلاتا ہے بہت
وہ کبی سے سیدھیاں مجھ کو سناتا ہے بہت
شاعری سے جو کوئی باتیں بناتا ہے بہت
ناز و انداز اُس ہی کا جو مجھ کو بھاتا ہے بہت
اب خیال اسکی طرف ہر لحظہ جاتا ہے بہت
بکہیں ہنگامہ آرا میر آتا ہے بہت

<p>بہت سے کرتا ہے وہ حجاب بہت کم رہا موسم شباب بہت عمر جاتی رہی شباب بہت دل نے ہکو کیا غراب بہت جان گئے ہوا غراب بہت گو کرے شیخ احتساب بہت مہربانی ہے کم عقاب بہت تو ہوا ہے اسے ثواب بہت</p>	<p>بہت یہ رکھتا ہے وہ نقاب بہت چشمک گل کا لطف بھی نہ اٹھا دیر بھی سچ لگی نہ مرتے ہمیں دھونڈتے اُسکو کوچے کوچے پھر چلنا اپنا قریب ہے شاید توبہ سے یہاں میں نہ کروں اس غصیلے سے کیا سو کی تھکے کشتن مردان اگر ہے ثواب</p>
--	---

دیر تک کہے میں تھے شب بھوش
بی گئے میسر جی شراب بہت

<p>کر دھتے ہیں دن رات اس پریم بہت اور وہ بھی سسکے ہیں برہم بہت باتھ بھی رکھتے ہیں دل پریم بہت دل جھگڑ کر لے ہیں پتھر بہت</p>	<p>کیا کہیں ہو حال دل درخشم بہت رہتا ہے ہجرال میں غم غصہ سے کام غضب اب اس کا نہیں ہوتا ہے کم اس گلی سے جی اُچھتا ٹھک نہیں</p>
--	---

میسر کی بد حالی شب مذکور مٹی
کڑھ گئے یہ حال سن کہ ہم بہت

<p>دستی خوش طیرا کے ہیں ہونے میرے شکار بہت خیل لالٹاں بھی ہونے اُسکے خاطر دار بہت جو دیکھے ہوئے نے کھینچا ہے آزار بہت کہنے لگا جانبر کیا ہو گا یہ تو ہے بیمار بہت ٹھہر گیا عاشق بیکس یاں چلتی ہے تلوار بہت سیکڑوں سے پھینکے گئے اور ٹوٹے ہیں زار بہت اس پہ نہ جاتا آہ بڑا ہے الفت کا آزار بہت کم گلزار میں اُس بن جا کر آتا ہوں بزار بہت</p>	<p>چلے بن باہر آبادی سے کرتے توافن یار بہت دعویٰ عاشق بیچارے کا کون نے کاغذ میں خسکی لب کی زردی رخ کی نغا کی دو آنکھوں کی جسم کی حالت جی کی طاقت جن سے سر معلوم طبیب چار طرف برو کے اشارے اس ظالم کے زمانے میں پیش گئی نہیں کچھ چاہت میں کا مہولم دونوں کی جی کے لگاؤ سے عینہ جی ہی جلنے دیکھتے ہیں کسکو دماغ میر جی ہے کیا ہجران میں اشد ہو</p>
--	--

سے میرے نور نری عاشقوں کی ہے ظالم اگر ثواب : نو ہو اسے تجھ کو بہت سا ثواب اب +

میر دعا کر حق میں میرے تو بھی فقیر ہے مدت سے
اب جو کبھو دیکھوں اسکو تو مجھ کو نہ آوے پیار بہت

رویف جیم فارسی

رنج ویسے ہی ہیں نباہ کے پنج
دھوم رکھتے تھے دامگاہ کے پنج
جو صبحی کے ہے گناہ کے پنج
اٹھے آشوب خفا نقاہ کے پنج
دیکھ اس رشتہ کو راہ کے پنج
کتنے جی راستہ اک رنگاہ کے پنج
کچھ اثر نہ لے پچاہ کے پنج
رکھ لے اپنی خدا پناہ کے پنج
بھائیں ہوتی ہر ماہ کے پنج

لطف جیسے ہیں سکی چاہ کے پنج
ذوق صید اسکو تھا تو خیل ملک
کب مزہ ہے ناز صبح میں وہ
اس غصیلے کی سُرُخ آنکھیں دیکھ
جان و دل دونوں کر گئے تھے عشق
اسکی چشم سیر ہے وہ جس نے
ساکھ ہی رہتی پھر انگر ہوتا
کیا رہیں جو رستے بتوں کے ہم
منہ کی دو بھائیوں سے مدت شراب

میر پیار ہے کہ فرق نہیں
متصل اسکے آہ آہ کے پنج

جو کہوں ہیں کوئی بزم میرے بھی غواروں کے پنج
جوں مہ تابندہ آتا ہے کبھو تاروں کے پنج
اس سے پیدا ہو کہ میں ہی ہوں گنگاؤں کے پنج
ایسے مرنے جینے کی اُن عشق کے ماروں کے پنج
کیا جیے گا یہ ستم دیدہ ان آزاروں کے پنج
دیدنی تھے لوگ اس ظالم کے بیادوں کے پنج
ہم بھی تھے اس ناز میں کے ناز برداروں کے پنج
تنگ ہوں محو رہ دنیا کی دیواروں کے پنج

راستی دفراد و جنوں کون ہے یاروں کے پنج
جمع خواہی میں مرا محبوب اس اندر ہے
جو جفا عاشق پہ ہے سوا در لوگوں پر نہیں
مر گئے بہتر سے صاحبیل ہوس کس کو ہوئی
روزانہ معنا عشق میں دیکھا مزاجن نے کب
منتظر برسوں رہے افسوس خس مر گئے
خاک تربت کیوں اپنی دلبرانہ اٹھ چلے
صاف میدان لالماں سا ہو تو میرا دل کھلے

بانج میں تھے شب بکری جتنا میرے آس پاس
یار بن یعنی رہا میں سیرا نگاروں کے پنج

کاش یہ آفت نہ ہوتی قالب آدم کے پنج
نعل سینوں پر چڑے جاتے ہیں اس ماتم کے پنج
یعنی صورت اس ہی کی بھرتی ہو چشم غم کے پنج
دل زدہ ہم شیب میں رہتے ہیں اپنے غم کے پنج
سو بلائیں میں یہاں نہ ہر دوں کے غم کے پنج
کون سنتا ہے کسی بات اس اودھم کے پنج

دل ہی نہ جھکوں کہتے ہیں اس عالم کے پنج
چھانی کٹی سنگ ہی سے دل کے جانے میں نہیں
نقشہ اس کا موم دیدہ میں میرے نقش ہے
شاد دے جواب جو اتنا زہ ہوئے ہیں شرم میں
دل نہ ایسا کر کہ پشت و چشم وہ تارک تکرے
حد سے افزوں اس نگلی میں شور ہے عشاق کا

رونق و آبادی ملک سخن ہے اس ملک
ہوں ہزاروں دم اتنی میر کے اکدم کے پنج

روایت رائے مہملہ

یہ قسانہ رہا ز باقوں پر
رکھ گئے ہاتھ سو تو کانوں پر
ہیں داغ اُن کے آسمانوں پر
ظلم کرتے ہیں کیا جوانوں پر
سیر رستی ہے ان مکانوں پر
بھیر رہی رستی ہے دکانوں پر
بار کے پاؤں کے نشانوں پر
ڈالے پھر تار ہی بن نشانوں پر
مہر کی تھی مگر دیوانوں پر
جسے جے مار دیں تھاروں پر
پھانسا کرتے ہیں نکو آؤں پر
ابیشیت ہر ان ہی کھانوں پر

یہ قسانہ

دل گئے آفت آئی جانوں پر
عشق میں ہوش صبر سنتے تھے
گرچہ انسان ہیں زمیں سے ولے
شہر کے شہنشاہ سادہ رولر کے
عرش و دل دونوں ہے پایہ بلند
جب بازار میں تھے بھڑکی حلال
لوگ سر دینے جاتے ہیں کب
کبھی او بانش کی ہو وہ درند
کوئی بولانہ قتل میں میرے
یاد میں اُسکے ساق سپیں کے
تھڑلے میں خیر جتنی روپے
غم و غصہ ہے جھٹے میں میرے

فقتہ دیا میں میر بہت سے

نہ رکھو گوش ان فسانوں پر

لے میر تقی میر ہاتھوں میں دوڑ کھینچے ہو کیا آدم آکھو اس مشت خاک کا ہے داغ آسمان پر

کی تم نے ہر بانی بے خاتماں کے اوپر
وہ کلفروش کا جو آیا دکاں کے اوپر
چشمک زباں رہی ہر برق آسماں کے اوپر
ہر چند ماہ تاہاں ہے آسماں کے اوپر
کیا آفت آگئی ہے اس نیم جاں کے اوپر
آئی طبیعت اس کی گرا امتحاں کے اوپر
تھا اعتماد کلی تاب و تواں کے اوپر
آیا نہ نام اُس کا میری زباں کے اوپر
آئی ہو اک قیامت الٰہی جہاں کے اوپر
اغماض کرتے ہیں سب جی کے نیل کے اوپر
گو یا کہ میر کی ہے میرے ویاں کے اوپر

اُس نے ہر گھر سے اُٹھ کر میرے مکان کے اوپر
پھولوں سے اُٹھ نکاہیں کھڑے پہ سکے ٹھہریں
برسات ابکی گزری خوت و خطر میں ساری
رخسار سا کس کے کاہیکو ہے خسرو زراں
بے سدھ پڑا رہوں ہوں بستر یہ رات دن میں
عشق و دہوس میں کچھ تو آخر تیز ہوگی
نفرت کی کلفتوں میں معلوم ہے ہوئی وہ
خود و ما تھا اکثر غیرت سے لیک گیا ہے
وہ جان دل کی خواہش کیا نہیں جہاں میں
کیا لوگ ہیں مجہاں سودائے عاشقی میں
غیرت سے اُسکے رو کی چپ لگ گئی ہو ایسی

ہو راہ دوستی میں اسے میر مر گئے ہیں
سردیں گے لوگ انکے پاس کے نشان کے اوپر

کی بات اُن نے کوئی سو کیا چاہا کر
نکلے ہے کام اپنا کوئی خدا خدا کر
کہتے رہے بہت ہم اُس کو سنا سنا کر
دل خوں کیا نہ اپنا لکھیں لڑا لڑا کر
تلوار کھینچتے ہو ہم سکو دکھا دکھا کر
سو بار ہم نے دیکھا سر کو اُٹھا اٹھا کر
پران کے جی ہی مارا آخر جلا جلا کر
بہت سیروں کو سلا یا اُس کو جگا جگا کر
دفتر کے روانہ لکھ لکھ لکھا لکھا کر

ایا جو اپنے گھر سے وہ شوخ پاں کھا کر
شاید کہ منہ پھر ہے بندوں سے کچھ خدا کا
کان اُس طرف نہ رکھے اُس حرف ناشنوائے
کہتے تھے ہم کہ اُسکو دیکھا کرو نہ اتنا
آگے ہی مر رہے ہیں ہم عشق میں تباں کے
وہ بیوفانہ آیا بالیں پر وقت رختن
چلتے تھے ہوئے ہوئے ہم یوں عاشقی میں
ہموتے نہ لگ چل اس سے لے بار تو نے ظالم
موت ہوئی ہمیں ہے واں سے جو بے سطل

کیا دوزخ میں متزل مقصود کی ہے اپنے
اب تھک گئے ہیں او دھر قاصد جلا جلا کر

میر تقی سے کچھ ہو رہے کا عشق و دہوس میں ہی امتیاز نہ آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر +

صوفی ہو کو دیکھ کے کاش آوے راہ پر
ہوتے ہیں خون پیچھی بھی اُس کی نگاہ پر
واجب ہے خون کرنا کہاں اس گناہ پر
ہے اس گلی میں حسرت سخن عزشاہ پر
جاگہ سے تم گئے اُنھوں کی واہ واہ پر
آنکھ اس دلی کی دڑے ہر اک برگ کاہ پر
اُس کی نظر گئی نہ شبِ مہ میں ماہ پر
موقوف ایسا جانا ہے اب ایک آہ پر

کہتے تو ہیں کہ ہم بھی تھیں چاہتے ہیں میر
پر اعتماد کس کو ہے خواہاں کے حیاہ پر

دیتا ہے جان عالم اُس کی جفا کے اوپر
پر آنکھیں مسکی دھوپیں پشتِ پاسکے اوپر
ہوتے ہیں خون تیرے رنگِ جنا کے اوپر
شاید برات اپنی لکھی ہوا کے اوپر

بندوں سے کام تیرا ہے میر کچھ نہ نکلا

موقوف مطلب اپنا اب رکھ خدا کے اوپر

دل کوئی لے گیا ہے تو میر ملک جگر کر
آنکھوں میں پھر نہ آئی جی سے مرے اتر کر
ذلت جو ہو وطن میں تو کوئی دن سفر کر
مجھ کو مری زبانی سو بار اب خبر کر
کرتا ہے بات کوئی دل کی تو چشم تر کر
یارِ شبِ جدائی عاشق کی بھی رسم کر
جو کچھ گئی ہیں زلفیں اس جہرے پر بھر کر
جاتے ہیں غش کیے ہم مشتاقِ منہ اوھر کر
حال تبہ میں میرے تو بھی تو ٹھک نظر کر

آیا ہے ابر قبیلہ چلا خافتا ہ پر
وہ آنکھ اٹھا کے شرم سے کب کیے ہو دلے
بالغرض چاہتا ہے گنہ لیک میری جاں
کیا بکشت میرے دفرے میں ہوں فقیر محض
تہ سے سخن کے لوگ نہ تھے آشنا عبث
ڈر چشم شورِ سپر رخ سے گل بھول کھٹوت
دیکھی ہے جن نے یار کے رخسار کی جھمک
ہم جاں بلب پنگلوں کی سدھ لیمو شباب

میلانِ دلر با ہو کیو مکر و فنا کے اوپر
کشتہ ہوں اس حیا کا کٹوالے بہتوں کے سر
منہ دی لگا کے ہرگز گھر سے تو مت نکلیو
ہوں کو بکھو صبا سا پر کچھ نہیں ہے حاصل

زانو پہ سر ہے اک شرمست فکر اسقدر کر
خورشیدِ و ماہ دونوں آخر نہ دل سے نکلے
یوسف عزیزِ دہسا جامِ صبر میں ہوا تھا
اے مہنشینِ غشی ہے میں ہوش میں نہیں ہوں
کیا حال زار عاشق کر لیے بیاں نہ پوچھو
دیتے نہیں ہیں سونے ٹھک آہِ نالے اُسے
اتنا ہے منہ چھپا یا شوخ اُسکے عزموں نے
کیا پھر پھر گردن باتیں کری ہیں سب ہیں
بن دیکھے تیرے میں تو بیمار ہو گیا ہوں

رہنے کیے جو تو نے پتھر کی سل میں ٹوکیا | اے آہ اس صنم کے دل میں بھی ٹک اثر کر

مارے سے گل کیے سے جانا نہیں ہے ہرگز
نکلے گا اس گلی سے شاید کہ میر مرگ

جو حادثہ فلک سے نازل ہوا میں پر
ہوتا ہے شوق غالب اس کی نہیں نہیں پر
سیرچن کے شایاں اپنے رہے نہیں پر
ہے ہر خسراش ناخن رخسارہ جبین پر
بندے کے کام کچھ کیا موت ہیں تھیں پر
ملوار کھینچتا تھی اس کی جبین کی چیں پر

باندھے کر سحر گہ آیا ہے میرے کہیں پر
اقرار میں کہاں ہے انکار کی سی خوبی
کچھ نفس میں جوں توں کا میں گئے ہم ہیراں
جوں ابگیری کردہ شمشیر کی جبراحت
آخر کو ہے خدا بھی تو اے میاں جہاں میں
غصے میں عالم اس کا کیا نظر پڑا ہے

تھے چشم خوں نشان پر شاید کہ دست و دامن
میں میر داغ خوں کے پیرا ہن آستیں پر

ہم پھینک دیں اُسے ترے منہ پر نثار کر
دریائے حسن اس کا کہیں ہم کنار کر
رحمت سفر کو اپنے شتاب سے بار کر
تو اختیار گر یہ بے اختیار کر
پشتے لگائے اُن نے جوانوں کو مار کر
روح القدس کو مار رکھا ہے شکار کر
دشمن کا کام دار میں پہلی ہی بار کر
کچھ ملنے کا نہ ملنے کا تو بھی قرار کر

گل کیا جسے کہیں کہ گئے کا تو ہار کر
وغوشین جیسے موجیں اٹھی کشادہ ہیں
یاں چلتے دیر کچھ نہیں لگتی ہے میری جاں
مختار رونے پہننے میں عجب کو اگر کریں
مشق ستم ہوئی ہے بہت صاف یاد کی
صیادری میں علو تقدس تو اس کا دیکھ
بہنے لگی ہے تیغ کی جدول تو تیری تیز
میں بقید ار خاک میں کب تک ملا کروں

میں رفتہ میر مجلس تصویر کا گیا
تو بیٹھا میر اختر تک اب انتظار کر

روایت کا ف تازی

جب کہتے تھے تب تم نے تو گوش ہوش نہ کھولے ٹک
چپکے چپکے کسو کو چاہا پو پچھا بھی تو نہ بولے ٹک
اے ایسے کئی شریک کے آچکے ہیں جس میں جدول تیغ کی روانی کا ذکر ہے

اب جو چھاتی جلی فی الواقع لطف نہیں ہے سکایت کا
 صبر کر دیکھا ہوتا ہے یوں پھوڑے دل کے پھینکے ٹک
 مالہ کشی میں مرغِ چمن بکنا ہے پر ہم جانیں تب
 خرو زناں جب صبح سے آکے ساتھ ہمارے بولے ٹک
 اس کے قامتِ موزوں سے کیا سرو برابر ہو گیا
 ناموزوں ہی بکھے گا سنجیدہ کوئی جو بولے ٹک
 نکھیں جو کھولیں سوتے سے تو حال کے کہتے مجھ کو کہا
 ساری رات کہانی کہی ہے تو بھی اٹھ کر سوتے ٹک
 مشکل ہے دلدار سی عاشق وہ برسوں بیتاب رہے
 بے طاقت اس دل کو میرے ہاتھ میں اپنے تو لے ٹک

ایسے دردِ دل کرنے کو میر کہاں سے جگر آوے	گرم سخن لوگوں میں ہو کوئی بات کرے تو لے ٹک
رہے ہے غش و درد و دوہر تک	ہوئے ہیں حواس اور ہوش خسرو گم
زینِ گرد اس مہ کی میرے ہیں عاشق	قیامت ہے مشتاق لوگوں کی کھشت
کہاں تک اُسے سر سے مارا کروں میں	بہار آئی پر ایک پتی بھی گل کی
سر زخم پہونچا ہے شاید جگر تک	خبر کچھ تو آئی ہے اس بیخبر تک
ستارے فلک کے رہے ہیں ادھر تک	پہونچنا ہے شکل نہیں اُس کے گھر تک
نہ پہونچا مرا ہاتھ اُس کی کمر تک	نہ آئی اسیران بے بال و پر تک

بہت میر پھر ہم جہاں میں رہیں گے
 اگر رہ گئے آج شب کی سحر تک

وہ نہ نہیں کہ اودھم رہتا تھا اُشیاں تک	بر زیرِ جلوہ اُس کا سارا جہاں ہے یعنی
بجراں کی سختیوں سے تھکے دل و جگر ہیں	سودائے عاشقی میں نقصاں ہے ہی کا لیکن
واماندہ نقش پا سے یک دست ہم ہیں بے کس	آشوبِ مالہ اب تو پہونچا ہے آساں تک
ساری ہے وہ حقیقت جاوے نظر ہاں تک	صبر اُس کی عاشقی میں کوئی کہے کہاں تک
ہم راضی ہو رہے ہیں اپنی زیاں جاں تک	دستِ وار ہے پہونچنا اب اپنا کارواں تک

حرف و فافہ کیا اپنے کھوڑاں تک
پہونچے مبادا میرے خاشاک آشاں تک
پہونچا نہ میرا راجہ آسکے آستاں تک
گلبرگ و غنچے پہونچیں کب لب و دہاں تک

جی مارتے ہیں دبیر عاشق کا اس خطر سے
دل و دھڑکے ہے جو بجلی چمکے ہے سونے گلشن
دیواروں سے بھی مارا پتھروں سے پھوڑ ڈالا
یہ تنگی و نزاکت اس رنگ سے کہاں ہے

ان جلتی ہڈیوں پر ہرگز ہما نہ بیٹھے
پہونچی ہے عشق کی تباہی میرا ستون تک

وہ بیچارہ ہے گا خریدار کب تلک
جیتے رہینگے طالب دیدار کب تلک
آنکھیں سنہلی دیکھے خیار کب تلک
بیجرم ہم رہیں گے گنہگار کب تلک
صدنی رہینگے حال سے ہیار کب تلک
یاں خاں دادوں کے رہیں آئنا کب تلک
ظاہر ہے حال سے کہ یہ بیمار کب تلک
اک ٹھینچ کر نہ مارو گے تلوار کب تلک

اُسکی رہے گی گرمی بازار کب تلک
عہد و عہد و حشر قیامت ہے دیکھیے
دل کا جگر کا لو ہو تو غم نے سکھا دیا
نسبت بہت گناہوں کی کرتا ہر سطر
اُسکی لگا و مست سے اکثر سونے رباط
دیوار و در پڑے تھے جہاں ان نشان نہیں
مہمان کوئی دم کا ہے وارفتہ عشق کا
ترسا کے مارنے میں عذاب شدید ہے

عیاد اسیر کر کے جسے اٹھ گیا ہو میر
وہ دام کی شکن میں مگر فنا کب تلک

روایت لا م

کم و باغی ہے بہت جھکو کہ ہوں بیمار دل
اب کوئی سنہلے ہو مجھے دشت بیمار دل
عقل میں آتے نہیں ہیں طرفہ طرفہ کا ردل
ہم اسیران نفس کے تالہائے زار دل
زندگی اب یار بن اپنی ہوئی ہے بار دل

چپ رہا اب تالوں سے لے بلبل نکر آزار دل
ابتداءے جھٹ میں ہوتا مذا رک کچھ تو تھا
یک توجہ میں رہے میرا کی عرش پر
باغ سے لے دشت تک رکھتے ہیں ایک رعب
اس سکر و جی پہ جوں باد سحر در در پھر سے

تنگی و وسعت سے اسکی ہے عبارت ساز فہم
میر کچھ سمجھے گئے نہ معنی اسرار دل

چڑھ جائے مغز میں نہ کہیں گرد بوئے گل

ز نہار گلستاں میں نہ کر منہ کو سونے گل

کی شوق کشنگاں نے عیبت جستجوئے گل
جادے کی ساتھ جی کے مگر آرزوئے گل
سے بیوفائی کرنے کی ہر حال خوئے گل

موسم گئے نشاں بھی کہیں پیئے کا نہ تھا
بڑے خزان میں اتنے کہ مر مر گئے طہور
کے نظر بہار میں پائیز میں گئے

موت ہوئی کہ دیکھا تھا سیرِ سخن میں
پھر ہے اب تلک مری آنکھوں میں روئے گل

پہیرِ دل ہے قبلہ دل خدا دل
موتے پر بھی مرا میں رہا دل
کہ آخر خون ہو ہو کر بہا دل
ہمارا طرفہ ظالم سے لگا دل
خرام ناز و لب سے گیا دل
بجا بیجا ہوا ہے جا بجا دل
کہیں ٹھہرانہ دنیا سے اٹھا دل
رہا تھمیں ہوا جب سے رہا دل
گرہ یہ درد ہے پہلو میں یاد دل
بھرے ہیں لب لیکر شکوے تاد دل
نہ سمجھا اسکے کہنے کی اد دل
کر گیا اس طرح کبتک و فاد دل

طریق عشق میں ہے رہنا دل
قیامت تھا موت آشنا دل
رکنا اتنا خفا اتنا ہوا تھا
جسے مارا اسے پھر کرنے دیکھا
نہ تھی سہل منتقامت اسکی لیکن
بدن میں اس کے ہو جانے لکھیں
لگے وحشت سے باغ و باغ ہیں بھی
اسیری میں تو کچھ داشت کچھ بھی
ہمہ تن میں الم تھا سو نہ جانا
خوشی نگہ کو حیرت سے ہے ورنہ
نہ پوچھا اُن نے جس بن خوں ہوا
ہوا پھر مردہ دے صبر و بے تاب

ہوئے پروانہ وال دبر گویاں میر
اٹھا کر ہو چکا جو روحنا دل

لاؤ نیت میم

وہاں گئے کیا ہو کچھ نہیں معلوم
جذب ناقص ہے اور طالع شوم
صبر مغفور و طاقت مرحوم
دیر رہتی ہے آندھی کی ہی دھوم
بچو اسی ہے ہلکوں جوں مسموم

کھا گئے یہاں کے فکر سو ہو ہو
وصل کیونکر ہو اس خوش اختر کا
نہ ہوئے تھے ابھی جوان فوس
جب غبار اپنے دل کا نکلے ہے
بھنگی اسکی مسوں کی خوبی سے

ہم نے ہے وقت پر جو ہر قسم	ہے عیش و تر و تشویش
ہم رہے سر نہ انورہ قسم	ہاتھ سے وہ گئی جو ہیں ساق
صاحب اپنا ہے بندہ پرور میر	ہم جہاں سے نہ جا سکتے محروم
عشق کیا ہے اُس محل کا یافت لائے سر پر ہم	جھانکتے اُس کو ساتھ صبا کے صبح پھریں ہیں گھر گھر ہم
روز و شب کو اپنی یارب کیونکہ کریں گے روز و شب	ہاتھ رکھے رہتے ہیں دل پر مبنی میں اکشر ہم
پوچھتے راہ شکستہ دل کی جانکے تھے کعبے میں	سوج وہاں تو گزرا جی میں آئے کدھر سے کیدھر ہم
شام سے کرتا منزل اگر گھر کو ہمارے صدر نشین	رکھتے ستارہ اُس ہوش کی چاہ میں گر بدختر ہم
برسوں جس و خاشاک پہ سوئے مدت گلشن تابی کی	بخت نہ جاگے جو اُس سے ہوں ایک بھی شب بہتر ہم
روز بتر ہے حالت عشقی جیسے ہوں عیا راہل	ہے نہ دوائے کوئی معالج کیونکر ہوں گے بہتر ہم
اُس کی جناب سے رحمت ہو تو جی بچا ہے دنیا میں	اُس کی جانب سے تو نیٹھے ہیں مزا کر کے مقدر ہم
اب تو ہماری طرف سے اتنا دل کو پھیر مت کرو	سخنی سے ایام کی اب تک جیتے رہے ہیں مر مر ہم
آہِ معیشت روز و شب کی ساتھ اندوہ کے ٹھہری ہے	روتے کڑھتے رہا کرتے ہیں غم سے ہوئے ہیں خوگر ہم
شعلہ اک اٹھا تھا دل سے آہِ عالم سوز کا میر	ڈھیری ہوئی ہے خاکستر کی جبکی لیٹ ہیں جل کر ہم
کڑھتے جو رہے ہجر میں بیمار ہوئے ہم	بستر پر گرے رہتے ہیں ناچار ہوئے ہم

چلاتے مگی لہیسی کہ سینزار ہوئے ہم
عاشق نہ ہوئے اُسکے گنہگار ہوئے ہم
دشنام کی اب اُسکے سزاوار ہوئے ہم
تھی چوٹ جو دل پر سو گز قفا رہوئے ہم
افسوس بہت دیر خبر دہا رہوئے ہم
بیوا مگی میں اُس کے خریدار ہوئے ہم
اُس دشمن جانی سے عبث یا رہوئے ہم

بہلانے کو دل باغ میں آئے تھے سولیل
جلتے ہیں کھڑے دھوپ میں جھپٹاتے ہیں او دھر
اک عمر دعا کرتے رہے یار کو دن رات
ہمدم بہت وحشی طبیعت تھے اُسے سب
نصیحتے ہوئے لوگوں کی بھلی یا بُری گزری
کیا کیا ستول گئے بک دیکھتے اُس پر
کچھ پاس نہیں یاری کا ان خوش پیروں کو

گھٹ گھٹ کے جہاں میں رہے جب میر سے ملے
تب جا کے یہاں واقعہ اسرار ہوئے ہم

آفت گزیدہ مردم کلفت کشیدہ مردم
رہتے ہیں دم بخود ہم آفت رسیدہ مردم
آزادہ دل شکستہ خاطر کبیدہ مردم
اہل جہاں ہیں سارے صحبت نذیرہ مردم
مثل کمانِ حلقہ قامت خمیدہ مردم
دیکھ اُسکو ہو گئے ہیں کیا کیا کشیدہ مردم
جاگیں کہیں نہ سوتے یہ آرمیدہ مردم
مخرو سے ہمارے پر خوش چیدہ مردم

وے ہم ہیں جن کو کہے آزار دیدہ مردم
ہے اپنا جی ہی در ہم تیر ہے عشق کا غم
وہ دیکھے ہکو اگر جن نے نہ دیکھے ہو دیں
جو ہے سو لہو مائل ہے طور اور سب اہل
جاتے ہیں اُسکی جانب مانند تیر سیدھے
او باش بھی ہمارا کتنا ہے میٹھھا بانکا
مست خاک عاشقان پر پھر آب زندگی سا
لے لے کے مُٹھ میں تنکا لیتے ہیں عاجزانہ

تھے دست بستہ حاضر خدمت میں میر گو یا
سیمیں تنوں کے عاشق ہیں زر خریدہ مردم

شہرہ عالم تھے اُسکے ناز برداروں میں ہم
تنگ لے ہیں بہت ان چار دیواروں میں ہم
زندگی سے بے توقع ہیں ان آزاروں میں ہم
کب سے ہیں راہنشاہیں اُسکے بیماروں میں ہم

کیا زمانہ تھا کہ تھے دلدار کے یاروں میں ہم
اُجڑی اُجڑی بستی میں دنیا کی جی لگتا نہیں
جو یہی ہے غم الم رنج و قلق ہجراں کا تو
شاید اُسے حال پرسی کرنے اسل میسر یہ

دھوپ میں جلتے ہیں بہروں آگے اُسکے میر جی
رنگی سے دل کی ٹھہرے ہیں گنہگاروں میں ہم

رویت نون

سر سے ایسی لگی ہے اب کہ چلے جاتے ہیں
اس گلستاں میں نمود اپنی ہے جوں آپ رواں
تن بدن ہجر میں کیا کہیے کہ کیسا سوکھا
رہتے دکھلائی نہیں دیتے بلاکش اس کے
بھر بخود آئے نہ بد حالی میں بخود جو ہوئے
خاک پاؤں کی ہے شاید کسو کا سر نہ چشم

گرم ہیں اُسکی طرف جانے کو ہم لیکن میسر
ہر قدم ضعف محبت سے ڈھلے جاتے ہیں

ایسے دیکھے ہیں اندھے لوگ کہیں
مر گئے نا اُمید ہم مجھور
دیر دریا کسٹا را اگر تارا رہا
مرتے تھے اُس لگی ہیں لاکھوں جہاں

دیر سے میسر اٹھ کے کہیے گئے
کہیے کیا نکلے جا کہیں کے کہیں

راہِ باہم ہے کوئی دن کا یاں
غم ہوا ہوں یاں سے جا کر میں جہاں
پیری میں سے طفل کتب سا ہوں
تو کہے داں تا کہاں بجبلی گری
بھولے بھی میں یک نظر دیکھا تہیں
عشق نے تکلیف کی مالا بھاساق
کام کچھ آئی نہ دل کی بھی کشش
کیا چھپی ہیں باتیں میرے عشق کی
عشق میں کیونکر بسر کرے گا عمر

لے نسخہ کلکتہ میں شمس اسرار کے پرنٹنگ پریس میں مطبعہ ہو رہا ہے زمانے میں کہاں بکول دم کے جہاں میں ہم جانا

جو زمیں پا لہز ہے شاید کہ میسر
ہو وہیں مسجود اُس کا آستان

دل کی پھرد میں لیے چپکے چلا جاتا ہوں
ریخ سے عشق کے میل پانی بکھا جاتا ہوں
اس فریبندہ عشاق کی پا جاتا ہوں
بدبر اتنا بھی نہ ہو مجھ سے بھلا جاتا ہوں
ضعف سے عشق کے دہتا ہوں گرا جاتا ہوں
ورود یوار کو احوال سُتا جاتا ہوں
دور سے رنگ شکستہ کو دکھا جاتا ہوں
مثل آواز جس سب سے جدا جاتا ہوں
بگڑی صحبت کے تئیں رفتہ بنا جاتا ہوں

اُس سے گھر کے جو کچھ کہنے کو آجاتا ہوں
سعی دشمن کو نہیں دخل مری ایدا میں
گرچہ کھو یا سا گیا ہوں یہ تہ حیرت و سخن
خشم کیوں بیزگی کا ہے کوئے لطفی کیا
استقامت سے ہوں جوں کوہ قویٰ لہرین
مجلس یار میں تو بار نہیں پاتا ہوں
گاہ باشد کہ سمجھ جائے تجھے زنت و عشق
یک بیاباں ہی مری بے کسی و تنہائی
تنگ آوے گا کھانا تک نہ مرا قلب سلیم

گر ہی عشق ہے ہلکی بھی جو ہمدوم دل میں
روز و شب شام و سحر میں تو جلا جاتا ہوں

یہ یہ غم ہی میں بھی سر راہ ہوں
نہ خوندار ہوں میں خوشخوار ہوں
انھوں کے بھی غم ہیں راہ ہوں
تہ دل سے لوگوں کے آگاہ ہوں

تری راہ میں گرچہ اے ماہ ہوں
مرے درپے خونِ ناسخ ہے تو
تری دوستی سے جو دشمن ہیں سب
نہ سمجھو مجھے بے خبر اس قدر

مری بجز دی سادگی سے ہے میسر
بہت اس رویے پہ گمراہ ہوں

جوانوں کو اٹھیں ایام میں زنجیر کرتے ہیں
مسلمانوں کی یار نے ہی میں تکبیر کرتے ہیں
کہ اسکی نعش کو اب شہر میں تشہیر کرتے ہیں
غافل مدعی کس کس طرح فقر کرتے ہیں
کہ چٹکی خاک کو بے ہاتھ میں کسیر کرتے ہیں
سو غد دے دے دے ہم اب تحریر کرتے ہیں

ہمارا آئی مزاجوں کی سبھی تدبیر کرتے ہیں
برہمن زادگان ہند کیا پرکار سادے ہیں
موسے پر اور بھی کچھ بڑھ گئی زوالی ہاشق کی
ہماری حیرت عشقی سے چپ جانے کی اس سے
تا شاد دیکھنا منظور ہو تو مل فقیروں سے
نہ کہتے تھے کبھو کیرت اسکو ہاتھ سے اپنے

درود یوار افتادہ کو بھی کاشلک نظر نہیں
خدا ناکرہ رکھاؤں جہاں رُک جائیگا مارا

اسے اہل رخنہ نیری پہ ہوتا چار میں اس میں
وگر نہ عجز تابی تو بہت سی میسر کرتے ہیں

طلب ہے کام دل کی اسکے بالوں کی اسیر ہیں
مگر عزت میں اس پر و کمال کی تھی ادھر تھنی
نظیر اسکی نظر آئی نہ سیاحان عالم کو
حزین آواز ہے مرغ چین کی کیا جنوں در

جوانی میں نہ رسوائی ہوئی تا میسر غم کھینچتا
ہوئے اطفال تہ یازار کا بک جی کے پیری میں

اب دیکھیں آہ کیا ہو ہم سے جدا ہوئے ہیں
غیرت سے نام اس کا آیا نہیں زباں پر
اہل چین سے کیونکر اپنی ہو درشناسی
بے عشق خبر دیاں اپنی نہیں مگر رتی
جانا کہ تن میں ہر جانازک ہے اور دلکش
تھے غنچے جتنے زیر دیوار باغ طائر
خرقہ قمیض کیا ہے کیا وقراس نگی میں
خاموش اس کے در پر ہو کر فقیر بیٹھے
عہد شباب گزرا شرب مدام ہی میں

اظہار کم فراغی ہر دم کی بے دماغی
ان روز دل میسر صاحب کچھ میرزا ہوئے ہیں

بیگار مجھ کو مت کہہ میں کار آمد ہوں
بیگانہ وضع تو ہوں پر آشنایہ ہوں

میں منہ نہیں لگا یا بنت العنب کو لگا ہے
تب تھا جوان صالح اب پیر مسکدہ ہوں

اسرار دل کے کہتے ہیں سیر و جوان میں
مطلق نہیں ہے بند ہماری زبان میں

سوزنگ بٹے جاتے ہیں یاں ایک آن میں
زنجیر کی سی آتی ہے ہنکا رکان میں
طاقت تعب کی کم ہو بہت سیری جان میں
آئی ہے کسر شہد مصفا کی شان میں
خورشید و ماہ آتے ہیں کب سیر و حیان میں
آگے جو رسم دوستی کی تھی جہان میں
سوراخ پڑ گئے ہیں تمام آسمان میں

زنجینی زمانہ سے خاطر نہ جسبج رکھ
شاید بہار آئی ہے دیوانہ سہے جوان
بے وقفہ اس ضعیف پہ جو دستم نہ کر
اس کے لبوں کے آگے کھنکھنات کی
چہرہ ہی بار کا رہے ہے چٹ چٹ عاصدا
اب میرے اسکے عہد میں شاید کہ اٹھ گئی
نارے تو یہ نہیں مری آہوں سے رات کی

ابرو کی طسرح اسکی چڑھی ہی رہے ہے میر
نکلی ہے شاخ کیا کوئی تازہ کمان میں

پیشانی پر ہے فسقہ زہار ہے بکر میں
جان اُس کے تن کے گئے آتی نہیں نظر میں
سوراخ پڑ گئے ہیں سارے حوسے جگر میں
مطلق اثر نہ دیکھنا الیدن سحر میں
آتا ہے ہوش مجھ کو اب تو پھر پھر میں
ہے ایک سوکھی لکڑی جو بونہ ہو اگر میں
اک شیرہ خانے کی ہے دیوار میرے گھر میں
رہتا ہے کچھ جھلمکتا غوتاب چشم تر میں
اسباب گر پڑا ہے سارا امر اسفین

آئے ہیں میر کا فر ہو کر خدا کے گھر میں
نازک بدن ہے کتنا وہ شوخ چشم دلبہ
سینے میں تیرا اسکے ٹوٹے ہیں بے نہایت
آئندہ شام کو ہم رویا کر چھا کریں گے
بے سدھ بڑا رہوں ہوں اس صفت نازین میں
سیرت سے گفتگو ہے کیا معتبر ہے صورت
ہمسایہ مفاں میں مدت سے ہوں چنانچہ
اب صبح و شام شاید گریہ پر رنگ آوے
لے عالم میں اب گل کے کیونکر نباہ ہو گا

آنکھ لگی ہے جب سے اُس سے آنکھ لگی زہار نہیں
فیند آتی ہے دل جمعی میں سو تو دل کو قسار نہیں

وصل میں اُسکے روز و شب کیا خوب گزرتی تھی اپنی
ہجران کا کچھ اور ہے سااں اب وہ لیل و نہار نہیں

خالی پڑے ہیں دام کہیں یا صید دستی صید ہوئے
یا جس صید اقلن کے لیے تھے اُسکو ذوق شکار نہیں

لے ہائے کس بیوفا سے آنکھ لگی نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی ۱۳ لا اعلم

سبزہ خط کا گرد گل رو بڑھ کا نوں کے پار ہوا
دل کی لاگ اب اپنی ہو کیونکر وہ اس منہ پہ بہا نہیں

لطف عظیم اس کا ہے ہدم کیوں نہ غنیمت جائیں ہم
رہ خاص کسو سے اس سے ہو یہ تو طور یا نہیں

عشق میں اس بے چشم و رو کے طرفہ رویت پیدا کی
کس دن ادھر سے اب ہم پر گالی بھڑکی مار نہیں

مشتاق اسکے راہ گزر پر برسوں کیوں نہ ٹھہیں میر
اُن تے راہ اب اور نکالی ایدھر اسکا گزار نہیں

وار جب کرتے ہیں منہ پھیر لیا کرتے ہیں
چھائی پھرنی ہے انکی جو وفا کرتے ہیں
ہم نظر باز بھی آنکھوں کی حیا کرتے ہیں
یار عقد و رنگ اپنی دوا کرتے ہیں
شع تصویر سے دن رات جلا کرتے ہیں
اول وعدہ دل و حسان فدا کرتے ہیں
ہر طرف اسکو تو دو چار دعا کرتے ہیں
میرے صاحب جو بندے سے جدا کرتے ہیں
روز و شب ہم بھی کہانی سی کہا کرتے ہیں
یاں سے طوار کے طوار چلا کرتے ہیں
اپنی بدخواہی جو کرتے ہیں بھلا کرتے ہیں
ہر ستم ظلم پہ ہم صبر کیا کرتے ہیں

طرفہ خوشرو دم جو نریت ادا کرتے ہیں
عشق کرتا نہیں اہان بہت مشکل ہے
شوخ چستی تری پردے میں ہو جیتک تب تک
فغ بیمار ہی عشقی کو کرے سو معلوم
آگ کا لالچہ ظاہر نہیں کچھ لسیکن ہم
اسکے قربانیوں کی سبک جدا ہے رہ درم
رشتک ایک آدمہ کا جی مارتا ہی عاشق کا
بند بندان کے جہاد بھوں الہی میں بھی
دل کو جانا تھا گیا رہ گیا ہے افسانہ
داں سے یک حرف و حکایت بھی نہیں لایا کوئی
بو و باش ایسے زمانہ میں کوئی کیونکہ کرے
حوصلہ چاہیے جو عشق کے آزار بھینچیں

میر کیا جانے کسے کہتے ہیں واثق دوسے تو
غیمہ خاطر ہی گستاں میں رہا کرتے ہیں

اس طور اس طرح کے ایسے کم آشنا ہیں
سب ہیں نغمین اپنی ہم عالم آشنا ہیں
یکجا فقیر کب سے ہم سب غم آشنا ہیں

نا آشنا کے اپنے جیسے ہم آشنا ہیں
باہم جو یا رہاں ہیں اور آشنا یاں ہیں
اتم کردہ ہے تکیہ کیا تازہ کچھ ہمارا

تجربہ راز دل کی شکل سے کیونکہ کرے کاغذ قلم ہمارے کب محرم آشنا ہیں

یاری جہانیوں کی کیا میر مقبر ہے
آشنا ہیں یکدم یہ اکدم آشنا ہیں

تم ہوئے رعنہ جواں باغ فرض لیکن ہم کہاں
گرچہ عالم اور ہے اباں پہ وہ عالم کہاں
شوریوں تو اوروں کا بھی یہ وہ آدم کہاں
جسکو فردوس بریں کہتے ہیں واں آدم کہاں
حق طرف سے آئے اُس پہ وہ دگوں دم کہاں

دم ہر مہلت شیب میں جائیگا اب یہ غم کہاں
عالم عالم جمع تھے خواباں جہاں صاف ہوا
نہی بلا شوخی شرارت یار کی ہنگامہ ساز
کیا جنوں ہے مگر جو تم طالب ویرانہ ہو
جس دم میں شیخ جو کرتا نہیں حرف و سخن

ہو سو ہو میں میر اب تو دم بخود ہوں بھریں
کیا لکھوں تہ دل کی باتیں کاغذ و محرم کہاں

تو کیا رہیں گے جیتے ہم اس روز گار میں
درد دل کے اضطراب کا ہے کس بہار میں
کچھ بھی ثبات ہے ترے عہد و قرار میں
رہنے نہ دیگا لاش کوئی دن مزار میں
پتھر اچلی ہیں آنکھیں مری انتظار میں
کیا اختیار مگر یہ بے اختیار میں
سمجھانہ کوئی میری زباں اس دیار میں
دو باتیں ہم نے ایسے نہ کیں چار چار میں
آیا نظر نہ محفل لیے غبار میں
ادھم تھاوش و طیر سے اُسکے شکار میں
ناکس کی گفت گو نہیں روز شمار میں

گر روزگار ہے یہی حیران یار میں
کچھ ڈر نہیں جو داغ جنوں ہو گئے سیاہ
کیا بقرار دل کی تسلی کرے کوئی
بتیاب دل نہ دفن ہوا ہے کاش میرے ساتھ
وہ سنگدل نہ آیا بہت دیکھی اُس کی راہ
عقمتا نہیں ہے رونا علی الاطلاق کا
مروٹو کیسے کیسے کہے ریتختے دے
تھی نرم شرارت کو شاعر بہت تھے جمع
دنبالہ گردی قیس نے بہتری کی دے
اب ذوق صیدا سکو نہیں ورنہ پیش ازیں
منہ چاہیے جو کوئی کسو سے حساب لے

گنتی کے لوگوں کی وہاں صفت ہو دلی کھڑی
تو میر کس شمار میں ہے کس قطار میں

سہ ہی شرد سری غزل میں میر صاحب نے اس طرح کہا ہے کہ کس کس اداسے ریتختے سے لکھ دے
سمجھانہ کوئی میری زباں اس دیار میں ہا آتی

<p>بغداد با خدا رہا ہوں میں میں رہا ہوں سو کیا رہا ہوں میں ایر تیر ہوں کہ چھا رہا ہوں میں برسوں تک آٹا رہا ہوں میں دیر سے سر اٹھا رہا ہوں میں انگھیں ہر سو لگا رہا ہوں میں اُسکے ہمسائے آ رہا ہوں میں بے دوا کچھ بھلا رہا ہوں میں یا شقائق ہے یار رہا ہوں میں</p>	<p>گو کہ تنہا نے جا رہا ہوں میں سب گئے دل دماغ تاں توں برق تو میں نہ تھا کہ جل بجھتا اسکی بگناہ وضعی ہے معلوم دیکھو کب تنہا اسکی آئے ٹھہرے اُس کے گرد سمند کا مشاق دور کے لوگ جن نے مارے قریب بچھو بد حال رہنے دیں ایکاش دل جلوں کو خدا جہاں میں رکھے</p>
---	---

کچھ رہا ہی نہیں ہے کچھ میں میر
جب سے اُس سے جدا رہا ہوں

ارو لیت واؤ

<p>سلا یا مرے خوں میں تلوار کو کہاں خواب مشاق دیدار کو کوئی جیسے لاوے گنگار کو نجاتے سنا سہل آزار کو بہر دم لینے دیں دل کے بیمار کو کہ واں نیچتے تھے خسریار کو ہزار آفریں چشم خونبار کو مگر جب کروں رخت و دستار کو</p>	<p>زمانے نے دشمن کیا یار کو کھلی رہتی ہے چشم آئینہ ساں مجھے عشق اُس پاس یوں لے گیا محبت میں دشوار دینی ہے جان کوئی دن کرے زندگی عشق میں یکساں تو بازار خوبی میں جہاں مرے منہ پر رکھا ہو رنگ اب تک تب اک جرم ہی دیں مجھے منہ</p>
--	---

کر دمت درنگ اٹھتے اس بیٹھ میں

جلو مولو میر بازار کو

<p>منت بھی میں کروں تو نہ ہرگز منا کر دو اس سے بھی تم خصوصیت جانی رکھا کر دو تم دور ہی سے نام کو میرے سنا کر دو</p>	<p>کن نے کہا کہ مجھ سے بہت کم ملا کر دو بند سے سے کی ہے جن نے یہ جسمی خدا کر دو غنا سا شہر ہوں یہ حقیقت میں کچھ نہیں</p>
---	--

<p>اب دوستی سے صلیمت کچھ دوا کرو تم بیٹھے انتظار بہا را کیا کرو جینا جو مسیر اچا ہو تو ان کو جدا کرو بو لاکہ عشق ہی میں پڑے اب جلا کرو اب بیٹھے دور سے یہ کہانی کہا کرو</p>	<p>بیماری جگر کی شفا سے تو دل ہے جمع ہم بخود ان مجلس تصویر اب گئے جی مارتے ہیں ناز و کرشمہ بالاتفاق میں نے کہا کہ بھنک رہی ہوں بدن میں دل جانے کا فسانہ زبانوں پہ رہ گیا</p>
<p>اب دیکھوں اسکو میں تو مراحى نہ چل پڑے تم ہو فقیر مسکرا کر کچھو یہ دعا کرو</p>	
<p>وہ جو ٹرپا لے گیا آسودگی و خواب کو پانی کر آ نکھوں میں لایا دیکھ خون تاب کو چشم کم سے دیکھو مت اس دیدہ پر اب کو اک لمحہ سے مار رکھا ان نے شیخ و شاب کو جسکے ٹھکے رونہ تھا کچھ پر تو حباب کو دخل اس عالم میں کیا ہے عالم اسباب کو</p>	<p>کیونکہ سچے ہاتھ کے رکھا دل بیتاب کو کم نہیں ہے سحر سے یہ بھی تصرف عشق کا تھا یہی سرمایہ خبر بلا پھیلے دنوں تو کئے تھی برق غلط ناگہاں کر گری کیا سفیدی نکھی اسکی آستیں کے چاک سے چاہتا ہے جب سبب پ ہی ہوتا ہے سبب</p>
<p>دم بخود رہتا ہوں اکثر سر رکھے زانو پہ میسر حال کمکر کیا کروں آزرہ اور احباب کو</p>	
<p>تہ کرشمہ خانہ چلا ہوں حبابہ احرام کو سے کام ہم لوگوں سے کیا اس لئے خود کام کو کیا منہ لگا دے اب کوئی اس رسم بزم کو صبر و سکون جب سے گئے پاتا نہیں آرام کو میں عمر بھر کھینچا کیا رنج و غم و آلام کو</p>	<p>چھوڑا جنوں کے دور میں رسم و رو اسلام کو مرا مرد جیتا جو آؤ کوئی حباب کوئی جس خود نہ مانگا وں ہوں اسے سنوں میں دور دور بے چین بستر پر راجا خواب خاکستر پہ ہوں آسائش و راحت سے جو پوچھے کوئی تو کیا کہوں</p>
<p>میسر اب بھلا کیا ابتداء سے عشق کو رہتا ہے تو کر فکر جو یاد سے بھی اس آغاز کے انجام کو</p>	
<p>کچھ تمہیں پیار میں کرنے جفا ماروں کو وہ نہیں آتا کچھو دیکھنے بیماروں کو</p>	<p>اگلے سب چاہتے تھے ہم سے وفاداروں کو شہر تو عشق میں ہے اس لئے شفا خانہ تمام</p>
<p>میر تقی میر دعا کرتی میں میرے تو عجب نصرت سے باب جو کچھ دیکھوں اسکو تو مجھ کو نہ اڑے پیار بہت</p>	

مستی میں خوب گزرتی ہے کہ غفلت ہو نہیں
فکر سے اپنے گزرتا ہے زمین کا دی میں دن
خوب کرتے ہیں جو خوباں نہیں رو دیتے ہیں
حسن بازار جہاں میں ہے متاع دلکش
دانش و کوہن و نقیس نہیں ہے کوئی اچھنک
شکل اس مصطفیٰ میں کام ہے شیاروں کو
رات جاتی ہے نہیں گنتے ہوئے تاروں کو
منہ لگتا ہے کوئی خوں کے نزاروں کو
صاحب اسکا ٹھکے جاتا ہے خریداروں کو
دش گیا عشق کا از در سے غواروں کو

زندگی کرتے ہیں مرنے کے لئے اہل جہاں
واقعہ میر ہے درپیش عجب یاروں کو

باتھ بے سجدہ مک رہا نہ کبھو
کیونکہ عرفان ہو گیا سب کو
روز دفتر لکھے گئے ریاں سے
گو شکستہ چمن چمن تھے گل
طور کی سی تھی محبت اسکی مری
غیرت اپنی تھی یہ کہ بعد ناز
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار
دل کا منکا دے پھر نہ کبھو
لینے ڈھب پر تو وہ چرھانہ کبھو
ان نے یک حرف بھی نکھانہ کبھو
غنیچہ دل تو دا ہوا نہ کبھو
جھکی دکھلا کے پھر ملا نہ کبھو
اس کا لے نام کی دستانہ کبھو
عشق کی پائی انتہا نہ کبھو

وہ سخن گو فریبی چشم یار
ہم سے گو یا تھی آشنا نہ کبھو

ملک نقاب الموت عتاب کرد
آنکھیں غصے میں ہو گئی ہیں لال
فرست بود و باش یاں کم ہے
محو صورت نہ آرسی میں رہو
جھوٹے اسکا نشان نہ دو یارو
منہ کھیلے اسکے چاندنی چھشکی
کھو لو منہ کو کہ پھر خطاب کرد
سر کو چھاتی پر رکھنے خواب کرد
کام جو کچھ کرد شتاب کرد
اہل معنی سے ملک حجاب کرد
ہم خرابوں کو مت خراب کرد
دوستو سیر ماہتاب کرد

میر جی راز عشق ہو گا فاش
چشم ہر نقطہ مست پر آب کرد

لے میر تقی میر سے نام اسکا آیا نہیں زباں پر آگے خدا کے جب ہم محو ما ہوئے ہیں +

<p>گر ہی ہو کے بیہوش مشاطہ کیسو کیا اس کو بدخویت کر نکورد کہ میں بوریا پوش وہ آتشیں خو کریں ساز ہم برگ عیش لب جو رہیں باغ میں کاش اس رنگ ہم تو</p>	<p>بس اب بن چکے ہوئے دموئے سخن بو نہ سمجھا گیا کھیل قدرت کا ہم سے نہ درگیر کیونکر ہو آپس میں صحبت ہوا ابرو سبزے میں چٹنگ ہے گل کی بہار آئی گل پھول سر جوڑے نکلے</p>
<p>رہے ابرو میر تو ہے عینیت کہ غارت میں دل کی ہے ایلکے ابرو</p>	<p>لکھے ہے کچھ تو کج کر چشم و ابرو گیا وہ سانفہ سوتے لے کے کروٹ اڑی ہے خاک سی سارے چین میں بدھر پھرتے تھے جیتے پھول سننے</p>
<p>برات عاشقاں بر شاخ آہو لگا بستر سے پھر اپنا نہ پہلو پھرا ہے آہ جس کا داں سے گل رو اودھر ٹپکے ہیں اتک میرے آنسو</p>	<p>جدا ہوتے ہی گل خداں ہوا میر کیا تھا اس کا گل تنکیر جو بازو</p>
<p>بی تاب دل کا مرگ کہیں نہ عانہ ہو کیا کھیلے وہ جو اجسے کچھ آسرا نہ ہو یو لاکھ اس فقیر کے دل میں غانہ ہو یارب اسیر ایسا نفس سے رہا نہ ہو دلبر سے اپنے کوئی الہی حبدانہ ہو غالب کہ میری آئینے کی اب صفانہ ہو سُدھ ہم نشیں لے دل کی کہیں وہ جلا نہ ہو بے دید کی اودھر سے نظر آستانہ ہو</p>	<p>چاہت میں خوب رویوں کے کیا جانے کیا نہ ہو بے لاگ عشق بازی میں مغس کا ہے ضرر کرتے دعا مجھے وہ دغا باز دکھیکر آزاد پر شکستہ کو صدر رنگ قید ہے دوری ہے سے کبک ہیں کہسار میں خراب کھولے ہے آنکھ اسکی گل رو پہ ہر عذر آہوں کے میری دود سے گھر بھر گیا ہر سب ہم گر جگر نکال رکھیں اُس کے زیر یا</p>
<p>رہتے ہیں میر بے خود و وارفتہ ان دلوں یو چھو کنایتہ کسو سے دل لگا نہ ہو</p>	<p>رہتے ہیں میر بے خود و وارفتہ ان دلوں یو چھو کنایتہ کسو سے دل لگا نہ ہو</p>
<p>ہر خند جذب عشق سے تشریف یاں بھی لائے وہ</p>	<p>ہر خند جذب عشق سے تشریف یاں بھی لائے وہ</p>

<p>پھر چھپا خورسا اپنے نور سے وہ نہیں نکھتا کبھو غور سے وہ تنگ ہے جانِ ناصبور سے وہ کہ سر کرتا نہیں حضور سے وہ خوبتر ہے پریِ دُخور سے وہ دے گیا جی ہی اک سرور سے وہ</p>	<p>نظر آیا تھا صبحِ دُور سے وہ جز برادرِ عزتِ یوسف کو دیکھیں عاشق کا جی بھی ہے کہ نہیں کیا تصور میں پھیرے ہے صورت خوبی اس خوبی سی بشر میں کہاں دل لیا جس غنیمت کا تو نے شوخ</p>
<p>خوش ہیں دیوانگی میر سے سب کیا جنوں کر گیا سرور سے وہ</p>	
<p>آزادہ دل کسو کا بیمار ہے ہمیشہ یکرہ دو چہار ہو کر ناچار ہے ہمیشہ کام اپنا اس پر اسی بن و شور ہے ہمیشہ اسوجہ سے اب اسکا دیدار ہے ہمیشہ با آنکہ کامِ دل کا اظہار ہے ہمیشہ اُس کی تو لا ابالی سرکار ہے ہمیشہ اقرار ہے ہمیشہ انکار ہے ہمیشہ</p>	<p>آزار کش کو اس کے آزار ہے ہمیشہ مختارِ عشق اُسکا مجبور ہی ہے نفسی کب سہل عاشقی میں وقت گزرے ہے یاں عالم کا عین اُسی کو معلوم کر چکے ہیں اس سے حصولِ مطلب اپنا ہوا نہ ہوگا پروائے نفع و نقصان مطلق نہیں ہے اُسکو ملنا نہ ملنا ٹھہرے تو دل بھی اپنا ٹھہرے</p>
<p>آبادۂ فنا کچھ کیا میر اب ہوا ہے جی مفت دینے کو وہ تیار ہے ہمیشہ</p>	
<p>اور ہر پارہ اُس کا آوارہ رقۂ ثابت گزشتہ سوارہ کی ہے ہموار ہم نے ہموارہ سیج کارہ بھی ہے وہ ناکارہ کرتے ان زخموں ہی سے تظارہ عشق میں مرگ بن نہیں چارہ</p>	<p>دل ہی میری بغل میں صد پارہ عرقِ شرم رو سے دلبر کے خوار ہی عشق اپنی عزت ہے کام اس سے یکڑ کر نہ لیا ٹوٹیں پھوٹیں نہ کاش آنکھیں گو مسیحا مزاج آوے طبیب</p>
<p>کیا بنے اس سے میر میں مسکین وہ جفا پیشہ و ستم کارہ</p>	

<p>مکتوب دیر بھیجا ہر دو طرف سے سادہ جب میکہ کے گئے ہیں پاؤں ہی کیا ہے سائے میں تاک کے تم خوش بیٹھے ہیں اپنا دل اس قدر نہ رگڑا کھسکا جا ہی نہ اپنا شیشہ کنار جو ہے پنبہ دہان و رعنا پڑتی ہیں اُس کی آنکھیں چاروں طرف نشے میں جو شہرہ نامور تھے یارب کہاں گئے دے مت دم کشی کر اتنی ہنگام صبح بے بس کیا خاک سے اُٹھوں میں غرض قدم سا بیٹھا</p>	<p>کیا شوح طبع ہے وہ پرکار سادہ سادہ ہے منجھ ہمارا گویا کہ پیر زادہ اس سلسلے میں سویت کرنے کا ہے ارادہ چھاتی لگا جو رہتا وہ سینہ کشادہ مینائے سے چمن میں اک سرو ہے پیادہ جوں راہ میں بہکتے ہوں ترک مست بادہ آباد کم رہا ہے یاں کوئی خانوادہ قریاد خو پچکاں ہے منہ سے ترے زادہ اب مٹ ہی جانا میرا ہے پیش یافتادہ</p>
--	---

حالات عشق رنج و درد و بلا مصیبت
دل دادہ میر جانے کیا جانے دل زادہ

رویت یائے تھانی

<p>کہتے ہیں مرنے والے یاں سے گئے دم میں دم جب تلک تھا سوچ رہا آنکھ کھلتے ہی گھر گئے دسے تو واں گئے کرتے دسے خرام تاز</p>	<p>سب یہیں رہ گئے کہاں سے گئے سانس کے ساتھ سائے سانسے گئے ہم ستم دیدہ خاندان سے گئے یاں جواں کیسے کیسے جاں سے گئے</p>
--	---

اس گلی سے جو اٹھ گئے بے صبر
میر گویا کہ دسے جہاں سے گئے

<p>کچھ نہ کی اُن نے جس کو چاہا ہے سدم خبر اپنے غمزدے کی لے</p>	<p>جوں جوں اپنا کیا نباہا ہے صبح تک رات کو کراہا ہے</p>
--	---

یاعلیٰ ہے گا میر پیر فقیر
اب سزاوارِ لطف شاہا ہے

<p>عشق میں ہم نے جاں کنی کی ہے کیسی شرف و سفید نکلی تھی</p>	<p>کیا محبت نے دشمنی کی ہے مے مگر دستہ رانی کی ہے</p>
---	---

بید سکیوں نہ سو کہ جاؤں میں اس پریشان کو نشانہ نہ کر کر دیا خاک آسماں نے ہیں تکیہ دیراں فقیر کا بھی نہ ہو	دیر مجنوں سے ہم فنی کی ہے یار نے حج افگنی کی ہے یہ بھی ہمت اسی ولی کی ہے یاں خرابی بہت غنی کی ہے
قافلہ لٹ گیا جو آنسو کا عشق نے میر رہنری کی ہے	
میں ہوں تو ہے درمیاں شمشیر ہے خضر دشت عشق میں مت جا کہ واں راہ تک تک کر ہوئے ہیں جاں بلب جو گر سنہ دل تھا اس دیدار کا کچھ نہیں جان اُن کی پیش تار مو پاک ہی ہوتی رہی کشتی خلیق ظاہروں نے محلِ فشاں کی میری گور آشنا ڈوبے بہت اس دور میں	سنگ دم میں میرے اب کیا دیر ہے ہر قدم خند و م خوف تیر ہے پر وہی اتیک بھی یاں اویر ہے اپنے جینے ہی سے وہ اب میر ہے گھر میں شمع زنگوں کے اُدھیر ہے ہر زبردست اُس جواں کا زیر ہے سانے پھولوں کا گو یا ڈھیر ہے گر چہ جامہ یار کا کم گھیر ہے
آپیل اس دامن کا ہاتھ آتا نہیں میر دریا کا سا اسکا پھیر ہے	
جو جنون و عشق کی تدبیر ہے وصف اُس کا باغ میں گزنا نہ تھا دیکھ رہتا ہے جو دیکھے ہے اُسے پائے گیر اُسکے نہ ہوں کیوں درند صید کے تن پر میں سب گھبراؤں مدت ہجران نے کی ہے کچھ کمی خط نہ لکھتے تھے سوتا ب دل کمی	سو نہ یاں شمشیر نے زنجیر ہے گل ہمارا اب گریباں گیر ہے دلربا اُٹینہ رو تصویر ہے حلقہ حلقہ زلف وہ زنجیر ہے کس قدر خوشکار اس کی تیر ہے میرے طول عمر کی تقصیر ہے دفتروں کی اکثر اب تحریر ہے
سے میر فنی میر سے ملا و عشق کے جگل میں خفر میں نے کہا : کہ خوف تیر ہے خندم یاں کو ہرایا + ۵۵ ۵۵ ۵۵ بلبوں نے کیا گل افشاں میر کا مرقد کیا : دور سے آیا تیرے پھولوں کا اک ڈھیر تھا +	

<p>اے کہ تھک کچھ غم تمہیر ہے مسلموں کی اُن کے ہاں تکفیر ہے ہر سخن کی اب مرے تقریر ہے اس مرے بھی شعر میں تاثیر ہے شہر میں اینٹیں بھی تشہیر ہے ذبح کرنے میں مرے تاثیر ہے</p>	<p>رکھ نظر میں بھی خراب آبادیاں سخت کافر ہیں برہمن زادگاں گفتگو میں رہتے تھے آگے خموش نظم عشق کی رہی سرشت ویر مرگے پر بھی نہ رسیوائی نگہی کیا ستم ہے یہ کہ پوچھ و طشت</p>
<p>میر کو ہے کیا جوالی میں صلاح تب تو سارے میکڑے کا میر ہے</p>	
<p>جان امید وار سے شرمندگی ہوئی گو یا کہ روز اس سے نئی بدگی ہوئی سیلاب کو بھی دیر سرائی ہوئی پانچوں حواس کی تو برا گندگی ہوئی</p>	<p>دل غم سے خوں ہوا تو بس اب زندگی ہوئی خدمت میں اس صنم کے کٹی عمر پر نہیں اگر یہ کامیرے جوش جو دیکھا تو شرم سے تھا دو دلا وصال میں بھی میں کہ ہجر میں</p>
<p>اب صبر میر ہو نہیں سکتا فراق پر ایک عمر جان و دل کی فریبندگی ہوئی</p>	
<p>وصل کی رات میں لڑائی کی اب توقع نہیں رہائی کی میں دوا کی بہت شفا کی دھوم ہو اُس کی رہ گرائی کی برق بے اپنی جگہ ہنسائی کی دیکھ کر کیا یہ آشنائی کی شب نہ آخر ہوئی جدائی کی میں جوانی میں پارسائی کی نمر نے سخت بیوفائی کی عشق نے زور آزمائی کی</p>	<p>یار نے ہم سے بے ادائیگی باں و پر بھی گئے بہار کے ساتھ کلفت رنج عشق کم نہ ہوئی طرفہ رفتار کے ہیں رفتہ سب خندہ یار سے طرف ہو کر کچھ لطافت نہ تھی اُن آنکھوں میں وصل کے دن کو کار جاں نہ کھنچا منہ نگہ یا نہ خستہ رز کو جور اس سنگدل کے سب کھنچے کو کہن کیا پسند توڑے گا</p>
<p>حسن تاثیر شعاری کے ایک مشہور شاعر گزرے ہیں تذکرہ میں اکامفصل حال دیکھ کر ہی شامی علی</p>	

<p>دیر داں ہم نے بینوئی کی ساحسری کی کہ دلربائی کی یرسوں تک ہم نے جہہ سائی کی</p>	<p>چیکے اُس کی گلی میں پھرتے رہے اک نگہ میں ہزاروں مارے نسبت اُس سناں سے کچھ نہ ہوئی</p>
<p>میر کی بندگی میں جا بارے سیرسی ہو گئی خدا کی</p>	
<p>تب آنا کا نا سماں اور ہے جہاں وہ نہیں یہ جہاں اور ہے یہ خلق اور انکی زباں اور ہے مری اور اک مہرباں اور ہے</p>	<p>زمیں اور ہے آسماں اور ہے نہ وہ لوگ ہوں اب نہ اجماع وہ نہ ان لوگوں کی بات سمجھی گئی تجھے گو کہ صد رنگ ہو تجھے کیس</p>
<p>ہوا رنگ بدلے ہے ہر آن میر زمین و زماں ہر زماں اور ہے</p>	
<p>کہ دیکھا جب تجھے تب جی کو مار رہے کہ میرے پاس بھرا بھی یادگار رہے اتھی اپنا ہمیں کب تک انتظار رہے کوئی دن اور اگر موسم بہار رہے ہزار مرغ گلستاں تجھے پکار رہے جو ہم ستم زدوں سے یار کچھ بھی یار رہے جو بیقرار مرے دل کو بھی قرار رہے جو گل کے سینے میں اسباہی جا خار رہے نہ کیونکہ دونوں مری آنکھوں میں غبار رہے</p>	<p>کہو تو کب تیں یوں ساتھ تیرے پیار رہے اداؤ ناز سے دل سے چلا تو ہنس کے کہا ہم آپ سے جو گئے ہیں گئے ہیں مدت سے ہوس اسیروں کے تنگ دل کی نکلے کچھ شاید اٹھا جو باغ سے میں بیدار غ تو نہ پھرا لیا تو جاوے بھلا نام منجھ سے یاری کا وصال ہجر ٹھہر جاوے کچھ نہ کچھ آخر کر نیلے پھاتی کو گلزار ہم جلا کر دار غ انکوں ہوں ایک سائیں گرد راہ کو اُس کی</p>
<p>نہ کر لے گریہ بے اختیار ہر گز میر جو عشق کرنے میں دن یہ کچھ اختیار رہے</p>	
<p>سو کوئی دن جو ہے تو پھر ساہا نہیں ہے جا کاہ اس مرض کی شاید وہا نہیں ہے اُس آنکھ کو جو دیکھو اب آشنا نہیں ہے</p>	<p>بے لطف یار ہم کو کچھ آسرا نہیں ہے سن عشق جو اطمینان کرتے ہیں چشم پوشی جس آنکھ سے دیا تھا اُن نے فریب دل کو</p>

جب دیکھو آئینے کو تب بدو وہ ہے اُسکے
میں برگ بند اگرچہ زیرِ شجب نہ رہا ہوں
شیریں نمک لبوں میں اسکی نہیں حلاوت
اعضا گداز ہو کر سب ہم گئے ہیں میرے
سُن سانحات عشقی منہں کیوں نہ دو بہائے

بے چشم و رو شو اُس سے شرم و حیا نہیں ہے
فقر تکب سے لیکن برگ و توان نہیں ہے
اس تلخ زندگی میں اب کچھ مرا نہیں ہے
ہجر میں اسکے فہم میں بے کچھ رہا نہیں ہے
کیا جانو تم کسوے دل ٹٹک لگا نہیں ہے

دل خوں جگر کے ٹکڑے جب میر دیکھتا ہوں
اب تک زباں سے اپنی میں کچھ کہا نہیں ہے

لاکھوں فلک کی آنکھیں سب منگدیں ادھر سے
بر سے ہے عشق یاں تو دیوار اور در سے
جو لوگ چلتے پھرتے یاں پھوڑ کر گئے تھے
قاصد کسو نے ارا خط راہ میں سے پایا
سو بار ہم تو تم بن گھر چھوڑ چھوڑ سکے
چھائی کے جلنے سے ہی شاید کہ آگ سلی
بکلا ہے سو جلا ہے نو مید ہی چلا ہے
بھر باندھنے کا ہم بھی دیں گے دکھاتا ہے
سو نامہ بر کو ترک کر دیکھ اُن نے کھائے
آخر گر نہ چشم نظر راہ ہو سکے ہم
اپنا وصول مطلب اور ہی کسو سے ہو گا

بچے نہ نا امید کیونکر مری نظر سے
روتا گیا ہے ہر اک جوں ابر میرے گھر سے
دیکھا نہ اُن کو اب کے آئے جو ہم سفر سے
جب سے سنا ہے ہم نے وحشت ہی اس خبر سے
علم ایکبار یاں تک آئے نہ اپنے گھر سے
اُٹھنے لگا دھواں اب میرے دل فوج گھر سے
ایسا تھاں خواہش برگ و گل و نمر سے
ٹٹک ابر قبلہ آ کر آگے ہمارے بر سے
خط جاکل تھے پھر میں سکی گلی میں بر سے
ٹٹک دیکھنے کو اُسکے برتوں مہینوں تر سے
منزل پہنچ رہیں گے ہم ایسی دہز سے

سردے دے مارے ہیں ہجر میں میر صاحب
یار بچھڑا تو اُن کو چاہت کے درد سر سے

کافر بتوں سے مل کے مسلمان کیا رہے
ششیر اُس کی حصہ برابر کرے ہے دو
ہے سر کے ساتھ ماں دمنال آدمی کا سب
دیرانی بدن سے مراجی بھی ہے اُداس
اہل مہن میں میں نے نہ جانا کسو کے تیں

ہو غلط جوان سے تو ایمان کیا رہے
ایسی لگی ہے ایک تو ارمان کیا رہے
جا مارے جو سہمی تو سامان کیا رہے
منزل خراب ہو دے تو مہمان کیا رہے
دلت میں ہو غلاب تو پہچان کیا رہے

حال خراب جسم ہے جی جانے کی دلیل	جب تن میں حال کچھ نہ رہے جان کیا رہے
جب سے جہاں ہے تب سے جرابی ہی ہو میر	تم دیکھ کر زمانے کو حیران کیا رہے
<p>وہ اب ہوا ہے اتنا کہ جو رو جفا کرے ہجران یار ایک مصیبت ہے ہم نشین صورت ہو ایسی کوئی تو کچھ میری قدر ہو مرا قبول ہے نہیں زہار یہ قبول ستی شراب کی ہی سی ہے آمد شباب یار ب نیم لطف سے تیرے کہیں کھلے میں نے کہا کہ آتش غم میں جلے ہو دل مر گئے سے میرے رات کے سالہا جہاں برسول کیا کرے مری تربت کو گلفشاں</p>	<p>فسوس ہے جو عمر نہ میری وفا کرے مرنے کے حال سے کوئی کبتک جیا کرے مشتاق یار کو بھی کسو کا خدا کرے منت سے آن کر جو معالجہ دو کرے ایسا نہ ہو کہ تم کو جو انی نشا کرے دل اس چین میں غنچہ سا کب تک با کرے وہ سرد مہر گرم ہو بولا حلا کرے آئے نیم صبح کہ اک دم ہو کرے مرغ چین اگر حق صحبت ادا کرے</p>
عارف ہے میر اس سے ملا بیشتر کرد	شاید کہ وقت خاص میں نکو دعا کرے
<p>مرت سے تو دلوں کی ملاقات بھی گئی کتنے دنوں میں آئی تھی اسکی شبہاں کچھ کہتے آئے ہمتو سنا کرتے غموش ننگی جو تھی تو بنت عبتا صمہ ہی تھی حماہہ جانماز گئے لے کے منہ</p>	<p>ظاہر کا پاس تھا سودا رات بھی گئی باہم رہی لڑائی سو وہ رات بھی گئی اب ہر سخن پہ بحث ہے وہ بات بھی گئی اب تو خراب ہو کے خرابات بھی گئی واغظ کی اب لباسی کرامات بھی گئی</p>
پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں	اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی
<p>گل نے بہت کہا کہ چین سے نہ جاسیے میں بیداغ کر کے تفل چلا گیا صحبت عجب طرح کی پڑی اتفاق ہائے رنجیدگی ہماری تو پر ہسل ہے دے</p>	<p>لگشت کو جو آئیے آنکھوں پہ آئیے وہ دل کہاں کہ ناز کسو کے اٹھائیے کھو بیٹھیے جو آپ کو تو اس کو پائیے آزردہ دل کسو کو نہ اتنا ستائیے</p>

اپنا ہو بس تو دل نہ کسو سے لگائیے
طبع شریف اپنی نہ ایدھس کو لائیے
آنکھیں لڑائیے ہیں آنکھیں دکھائیے
سو تا پڑا ہو کوئی تو اس کو جگائیے

خاطر ہی کے علاقے کی سب میں خرابیاں
اے ہمد ابتدا سے ہے آدم نشی میں عشق
اتنی بھی کیا ہے دیدہ درانی کہ غیر سے
مچلا ہے وہ تو دیکھ کے لیتا ہے آنکھیں موند

جان غمور پر ہے ستم ساستم کہ میر
بگڑا جنھوں سے چاہیے اُن سے بنائیے

خالی ہوا جہاں جو گئے ہم جہاں سے
نیکلا نہ ایک حرف بھی میری زبان سے
بستر نہیں مکان کوئی اس مکان سے
جو عادتہ نزول کرے آسمان سے
تم مار ڈالیو نہ مجھے اس گمان سے
تم باز نہیں ہو کتے مرے آخان سے
اب لگ چلیں گے اور کسی صہبان سے
وے ہم ملک نہ آئے کچھ کسر شان سے

لے عشق میں گئے دل پُر اپنی جان سے
دل میں سو دے تھے بہت پُرجنور یار
ملک دل سے آؤ آنکھوں میں ہو دید کی جگہ
اول زمینوں میں ہو مال مری طرف
یہ وہم ہے کہ آنکھیں مری لگائیں کہیں
کھل جائیں گی تب آنکھیں تو مر جاؤ گیا کوئی
ناہر بانی نے تو تمھاری کیا ہلاک
زبور خانہ چھاتی غم دوری سے ہوئی

آئیر کیا کرے سخن میر یار میں
جب دیکھو لگ رہا ہے کوئی اُسکے کان سے

کہو سو کرے علاج اپنا طپیدن دل بلائے جاں ہے
نہ شب کو مہلت نہ دن کو فرصت دہا دم آنکھوں کو خوں رواں ہے

تلاش دل کی جو دلبری سے ہمارے پاس آتھیں رہے ہے
ستم رسیدہ شکستہ دل گیا بھی خوں ہو کے یاں کہاں ہے

کڑھاکریں ہیں ہوا ہے مورد جہاں جسام جب سے اپنا
غم جُدا کی جہاں جاں کا ہمارے دل میں بہاں جہاں ہے

نہیں جو دیکھا ہے ہم نے اُسکو ہوا ہے نقصان جان اپنا
ادھر نہ دیکھے ہے وہ کچھ تو نگہ کا اُسکی مگر زیاں ہے

لے ہر بلائے کز آسمان آید بگرچہ بر دیگران تھا باشد
بر زمین رسیدہ ہی پر سد خانہ انوری کجا باشد
(انوری)

	<p>بجا بھی ہے جو نہ ہو دے مائل نگار سیر حین کا ہسر گز گلوں میں ہدم ہو کوئی اُس کا سوکس کا ایسا لب دہاں ہے</p>
<p>کسے ہے رنج و غم و الم سے داغ سر کے اٹھانے کا اب مصیبت اُسکی زمانے میں تو ہمارے اد پر زماں زماں ہے</p>	
	<p>نہیں ہے اب میر یہ اتنا جو ذکر حق سے تو مجھ چھپا دے پگاہ لغو زنی کیا کر ابھی تو نام خدا جواں ہے</p>
<p>بھلا کب تلک بقیاری رہے کہاں تک ستارہ شماری رہے کہ میری بھی یہ یادگاری رہے لہو منہ پہ تا چند جاری رہے ہو ایسی ہی تن کی نزاری رہے ہمیں سا لہا سہکناری رہے فقیروں کی گرگوش داری رہے کہ ٹپتے ہنی ویرات ساری رہے بلا شور و سر یادو زاری رہے کہاں تک بے اعتباری رہے</p>	<p>سیراہ چند انتظار ہی رہے راہ ہی کیے آنسو لکوں پہ شب کہا بوسہ دے کہ سفر جب چلا کہیں خشک ہو چشمہ چشم بھی بس اب رہ چکی جان غناک بھی تسلی نہ ہو دل اگر یار سے ترسے ہیں وہ اگر مٹنا خوب ہی شب وصل قی یا شب تیغ تھی کریں خواب ہمسائے کیونکر کہ یاں پھر کرتے ہیں خوار گلیوں میں ہم</p>
	<p>کچ ابروان اطفال میں ہے عجب جو میر آبرو بھی تمھاری رہے</p>
<p>پھولا پھرے ہے مرغ جن باغ باغ ہے جی تن میں اپنے بھٹا سا کوئی چراغ ہے خوبی سے اُسکی لالا صد برگ داغ ہے سوز دروں سے ہائے بدن داغ داغ ہے کھٹھنے سے رات و کچ ہمیں کب فراغ ہے پر دے میں کوئی کہ یہ اُس کا مٹراغ ہے</p>	<p>کیا مجھ گئے گلوں کے شگفتہ داغ ہے وہ دل نہیں رہا ہے نہ اب وہ داغ ہے قامت سے اُس کی ستر گلوں رستے ہیں سروں یار رب رکھیں گے پنبہ و مرہم کہاں کہاں مدت ہوئی کہ زانو سے اٹھتا نہیں بے سر گھر گھر پھرے ہیں بھانکتے ہم نسج جوں نسیم</p>
	<p>لے تن مہ داغ دار شد پنیہ کجا کجا نمہ +</p>

صورت فقیری کی نہ گئی مر گئے یہ بھی
گٹ نکلی ہے کسو کی مگر بکھری زلف سے
ہا بخردی سے مرغ دل ناواں پر مسیر

اب چشم شیر گور کا میری چراغ ہے
آئے میں باد صبح کو یاں اک دماغ ہے
اُس شیخ بڑے سے مجھے باہم جلتا ہے

طبیعت نے عیب کل یہ ادائی
تہا لاش داغ سودا کی ہے سر سے
نہ ہو گشت ہمارا کیونکہ لب لب
مجھی کو ملنے کا ڈھب کچھ نہ آیا
گئے جل حرّ عشقی سے جگر دل
انہیں نے پردے میں کی شونخ خشمی
ہوا طالع جہاں نور شید دران ہے
پیام اُس گل کو پہنچا پھر نہ آئی
سبب حیرت کا ہی اُس کا توقف
جفا میں سیئے گا کہتے تھے اکثر
جواں ہونے کی اُسکے آرزو تھی
گیا تھارات دروازے پہ اُسکے
لگا کہنے کہ یہ تو ہمنشیناں
رہا تھا دیکھ پہلے جو جگہ کر

کہ ساری رات وحشت ہی رہا کی
ہمارا اب ہے جنوں کی ابتداء کی
ہمیں گلزار میں وقت شناس کی
نہیں تقصیر اس تا آشنا کی
رہی تھی جان سو برسوں جلا کی
بہت ہم نے تو آنکھوں کی جلا کی
تردد کیا ہے سستی میں خدا کی
نہ خوش آئی میاں گیری صبا کی
سکھاواں یہ اب تک کیا کیا کی
ہماری عمر نے پھر مگر وفا کی
سوا بارے ہیں سے یہ جفا کی
فقرانہ دعا کرو خدا کی
صدا ہے و نوازش اس ہی گدا کی
ہمارے میر دل میں اُن نے جلا کی

ملا اب تو نہ وہ ملنا تھا اُس کا
نہ ہم سے دیر آنکھ اُسکی ملا کی

ہم رو رو گئے در و دل دیوانہ کہیں گے
سودا لی و رسوا و شکستہ دل و خستہ
دیکھ سو کے کوئی نہیں جسم کسو کا
ہوں در بدر و خاک پسر چاک گریباں

جی میں ہے کہو حال غریب یا نہ کہیں گے
اب لوگ ہیں عشق میں کیا کیا نہ کہیں گے
کہتے ہیں بجا لوگ بھی بیجا نہ کہیں گے
اسطور سے کیونکر مجھے رسوا نہ کہیں گے

۱۷ شاید اُس زلف سے لگی ہے میری باؤ سے اک داغ بچے ہے + ۱۷ اسی سے گزرتا ناخ بناسے۔ زمانہ ہو
باہم ہونا اور میر کی مراد یہاں اسی قسم کی ہے + ۱۷ میاں گیری۔ شامی قاصد می ۱۶ ۱۷
میں جو بونا تو بوسے یہ آواز ہے اُسی خانہ خراب کی سی ہے + میر۔

دیرانے کو مدت کے کوئی کیا کرے تھسیر	اُبڑھی ہوئی آبادی کو ویرانہ کہیں گے
میں رو یا کرٹھا کر تا ہوں دذرات جو درویش	من بعد مرے تکیے کو غم خانہ کہیں گے
موقوف غم میر کہ شب ہو چکی سوہم	کل رات کو پھر باقی یہ افسانہ کہیں گے
مدت سے پائے چنار رہے ہیں مدت گلخن تابی کی	برسوں ہوئے ہیں گھر سے نکلے عشق نے خانہ خسرابی کی
دہ تہیں سننا پسچی بھی میری تین میں ہوں نہ تیرہ میں	گفتی میں کچھ ہوں تو میری قدر ہو حسن حسابی کی
دیر جوانی کچھ رہی تو اُس کی جفا کا اُٹھتا مزا	عمر بنے میرے گزر جانے میں ہائے دریغ شبابی کی
جام گلوں کے خزاں میں نگوں میں نکمت خوش بھی چین سے گئی	مے شاید کہ تمام ہوئی ہے ہر غنچہ کی گلابی کی
اچھی ہی ہے یہ جنس و قایاں لیک نہ پانی بھنے کہیں	دارغ ہوئی ہے جان ہماری اس سے کی نایابی کی
جیب دو امن تر رہتے ہیں آٹھ پہرے کے رونے سے	قدر نہیں ہے ہکو ہر گز اپنے جہانہ آبی کی
نگ خلق کیا ہے ہم کو آخر دست خالی نے	عالم میں اسباب کے ہے کیا شورش بے اسبابی کی
عشق میر کسو سے اتنا اب تک طاہر ہم پہ نہ تھا	حرب یار جو مجھ سے نکلا اُن نے بلا بے تابی کی
غم ہوا قد کماں سا پیر ہوئے	سوہم اُس کے نشان میر ہوئے

اب نہ عسرت رہے گی مرنے تک
میں ہی درویش خوار و زار نہیں
ہے شرارت کا وقت عہد شباب
گھر کو اس کے خراب ہی دکھیا
شور جنکے سروں میں عشق کا تھا
یاں کی خلقت کی ہے زباں کٹی
نہوئے ہم نظ شیری سے یوں تو

موسم گل میں ہم اسیر ہوئے
عشق میں بادشہ فقیر ہوئے
تم لڑکین ہی سے شیر ہوئے
جسکے یہ چشم و دل شیر ہوئے
وے جواں سارے بائے گیر ہوئے
کہتے ہیں اندھوں کو بصیر ہوئے
شکر کے فن میں بے نظیر ہوئے

بات کا ہم سے انکو کب ہے مانع
میر درویشی میں امیر ہوئے

اؤ کبھو تو پاس ہمارے بھی ناز سے
پھرتے ہو کیا درختوں کے سائے میں درو
بجراں میں اس کے زندگی کرنا بھلا نہ تھا
لاتند سمجھ عقدے نہ دل کے کبھو کھلے
کرنا ہے چھید چھید ہمارا حبر تمام
دل پر ہوا اختیار تو ہرگز نہ کرے عشق
آگے بچھا کے قطع کو لاتے تھے تیغ و پشت
مانع ہوں کیونکہ گریہ خونیں کے عشق میں

کرنا سلوک خوب ہے اہل نیاز سے
کر لو موافقت کسو بے برگ و ساز سے
کو تا ہی جو نہ ہو دے غیر سردراز سے
جی اپنا کیونکہ اچھے نہ روزے نماز سے
وہ دیکھنا ترا مژدہ نیم باز سے
پر ہنر کرے اس مرض جانگداز سے
کرتے تھے یعنی خون تو اک امتیاز سے
ہے ربط خاص چشم کو افشائے راز سے

شاید شراب خانے میں شب کو رہے تھے میر
کھیلے تھا ایک منہجہ ہر روز سے

رنگ شیراب و کاغذ سے
تم کرو شاد زندگی کہ مجھے
جب سے عالم میں جلوہ گر ہے تو
جس دم پر نہ جایوں ان کے
زال دنیا کو جس نے پھوڑ دیا

تیر و شتر سے کیا لک کم ہے
دل کے خوں مونیکا بہت غم ہے
ہلکے میں تمام عالم ہے
شیخ صاحب کا یہ بھی اکدم ہے
وہی نزدیک اپنے رستم ہے

ایہ نظیری تخلص محمد حسن نیم۔ ملاوی کا مسلم الشوق شاعر۔ ہندوستان ملا آیا تھا عبدالرحیم خاں اسکو بہت عزیز رکھتا تھا۔ عجلہ مر میں انتقال کیا۔

سرد و طوبی کا تازہ ہے عجب اس کے قد کا سا کج و جم ہے

کچھ تو نسبت ہے اس کے بالوں سے

یوں ہی کیا حال میر دریم ہے

جو لوگ آسمان نے یاں خاک سکر اڑائے
رہنے کی کوئی جاگہ شاید نہ تھی انھوں کی
لڑکے برہمنوں کے صندل بھری جبینیں
ہر اک صنم کدے کی کافر جگہ ہے ہم نے
یا ماں لوگ کیا کیا آگے ہوئے ہیں تم سے
کیا گھورتے ہو ہر دم ڈرتے نہیں میں کچھ ہم

آہ شر ز فشان جو نکلے ہے منہ سے ہر دم
روشن ہے میر غم نے قلب و کبد جلانے

ہم کبھو غم سے آہ کرتے تھے
اے خوشا حال اسکا جکارے
برسوں رہتے تھے راہ میں اس کے
نیچی آنکھیں ہم اسکو دکھایا کیے
ہے جوانی کہ موسم گل میں
جائے طاعت گناہ کرتے تھے

کیا زمانہ تھا وہ جو گزرا میر
ہندو لوگ چاہ کرتے تھے

وے یہ مولیٰ و گرفتاری
ابکی دل ان سے بچ گیا تو کیا
اچھا ہوتا نہیں مریض عشق
کیوں نہ ابر بہار پر ہوزنگ
شور و فریاد و ناری شب سے
چلے جاتے ہیں رات دن آنسو
مر رہیں اس میں یار میں جیتے

دزد غمزوں کی وہی عیاری
چور جاتے رہے کہ اندھیاری
ساتھ جی کے ہے دل کی عیاری
برسوں دیکھی ہی میری خوناری
شہریوں کو ہے مجھ سے بیزاری
دیدہ تہ کی خیر ہے جاری
شیوہ اپنا تو ہے وفاداری

<p>جرم مجید سے ہے گرا تباری یاں سے اخلاص مدد ستی یاری</p>	<p>کیونکہ راہ فنا میں بیٹھیں گے داں سے شتم و خطاب تاز و عتاب</p>
<p>میر چلنے سے کیوں ہو غافل تم سب کے ہاں ہو رہی ہے تیاری</p> <p>کس مرتبے میں ہوگی سینوں کی خستہ حالی دیوانگی یہ اتنی وہ اتنا لاابالی جب صورت ایسی تیری نقاش نے نکالی ترکیب اسکی گویا سانچے میں گئی سو ڈھالی اب تک مزاج کی میں پاتا نہیں بجالی وے ختم آسماں پر اُن کا دماغ عالی ماتد برق خالط تیغ اُن نے جب نکالی پھر بھی زمین سر پر یاروں نے آج اٹھالی چٹری ہی بھیر رکھی اُن نے جو سدھ سنبھالی</p>	<p>جمع انگنی سے اُن نے ترکش کیے ہں خالی درگیر کیونکہ ہوگی اس سفلہ خو سے صحبت بے اختیار شاید اُس سے کھنچ گئی ہو اتنی سڈول دیہی دیکھی نہ ہم سنی ہے وصل و فراق دونوں بجالی ہی میں گزرے میں خاکسار اُن تک پہنچی دعا نہ میری آنکھیں فلک کی لاکھوں تب جھپٹیاں ہی دین کل فتنے زیر سر تھے جو لوگ کٹ گئے سب طفلی میں ٹیڑھی سیدھی ٹوپی کا ہوش کب تھا</p>
<p>معقول اگر سمجھتے تو میر بھی نہ کرتے لڑکوں سے عشق بازی سنگام کہنے سالی</p> <p>آہ اُس دشمن نے یہ عاشق نوازی خوب کی اس سپاہی زادے نے کیا ترک تازی خوب کی لے سراپا تاز تو نے بے تیاری خوب کی خاک بھی برباد کی دامن و رازی خوب کی اس کشدے رٹکے نے بے امتیازی خوب کی ہم جہاں آب و گل میں خانہ سازی خوب کی</p>	<p>دوستی نے تو ہماری جانگدازی خوب کی گور پر آ یا سمند ناز کو جو لاں کیے عاشقوں کی خشکی بد حالی کی پروا نہیں تنگ چولی نے تو مارا تنگ ورنی سے ہمیں سان مارا اور کشتوں میں مرے کہتے کو بھی چھوڑ کر سمورہ دُنیا کو جنگل جا بے</p>
<p>کھیل لڑکوں کا سمجھ کر چاہ کو آخِر گئے میر پیری میں تو تم نے عشق بازی خوب کی</p> <p>ایک حسن کی طرف ہو کیا کیا جوان مارے مرغان باغ سارے گلہ میں اسکے مارے</p>	<p>اے عشق بے حجاب تو نے تو جان مارے طارق فریب کتنا ہے وہ شکار مہرے</p>

بات رہ جائے تیر دن رہیں نے رات ہے
اُسکے سگ سے جو ملاقات مساوات ہے
شیخ کی میکدے میں کیونکہ کرامات ہے
گر گرہیاں درسی کا کام مرے ہاتھ ہے
عالم خاک میں برسوں تئیں وہ بات ہے
دن کو طامات رہے شب کو مناجات ہے

اُس سخن رس سے اگر شب کی ملاقات ہے
فر سے ہم تو کلمہ اپنی فلک پر چھینکیں
بہیچے لے گئے سجادہ و عمامہ اچک
دھجیاں جامہ کی کرد و نگاجوں میں اب کے
خاک کا پتلا ہے آدم جو کوئی اچھی کسے
بات واعظ کی موثر ہودلوں میں کیونکر

تنگ ہوں میری بیوقوفی دل سے بہت
کیونکہ یہ ہاتھ تلے قبلہ حاجات رہے

میدان بزن گوں کے کشوں سے بھر رہا ہے
مستابی ہی رخ اس کا پیش نظر رہا ہے
کیا مارتا ہے اس کو یہ آپ ہی مر رہا ہے
تو بھی جدا کسو سے اے گل مگر رہا ہے
دیر یا ہمیشہ میری گریے سے تر رہا ہے
اُلفت رہی ہے جس سے اُس کی ڈر رہا ہے
دل اب تڑپ تڑپ کر اک ظلم کر رہا ہے
ہر صبح یاں سے ہم کو عزم سفر رہا ہے
رزدوں کا چاند پیدا سب بخیر رہا ہے

کیا عشق بے محابا ستھراؤ کر رہا ہے
غیرت سے دلیری کے ڈر چاندنی نہ دیکھے
خونریز تاتواں میں امتنا نہ کوئی بولا
پائیر کب کرے ہے افسردہ خستہ اتنا
خجالت سے آجکل کیا اُن نے کیا کنارا
میں اک نگاہ گاہے خوشرو کوئی نہ دیکھا
رہتا نہیں ہے رکھے تھمتا نہیں تھمائے
یہ کارواں سرتورہنے کی گوں نہ نکلی
بعد از نماز سجدہ اس شکر کاروں ہوں

کیا پھر نظر چڑھا ہے اے میر کوئی خوشرو
یہ زرد زرد چہرہ تیرا اتر رہا ہے

بات جھٹی کہتے ہو تھکے سے جھنجھلائے ہوئے
اور خوابانہ خیال کے گل ہیں مرجھائے ہوئے
حیف بخود ہوئے ہم پھر بخود آئے ہوئے
آئے ہوشانہ کس دشمن کے ہکائے ہوئے
دور جاتے ہیں کل ہجران سے گھبرائے ہوئے
ہیں گلے کے ہار اپنے بال بل کھائے ہوئے

کیا طرح ہے یاں جو آئے ہو تو شرائے ہوئے
اس مرے نوابوہ گلزار خوبی کے حضور
چھپکے دیکھا ہماراں نے اُسکو سو غش آگیا
ہرزماں لے لے اٹھو ہوتیج بیجا محکودیکھ
گھر میں جی لگتا نہیں میں تو ہم ہو کر اداس
ایک دن موئے دراز اس کے نہیں اٹھتے تھیں

دشمنی سے سایہ عاشق کو جو مارے ہے تیر
اُس کماں ابرو کے جا کر میر ہما لئے ہوئے

ایسی طرح روزگار دیکھئے کب تک رہے
گر یہ گلے ہی کا بار دیکھئے کب تک رہے
غش یہیں ابکی بار دیکھئے کب تک رہے
جان کو یہ اضطار دیکھئے کب تک رہے
دل ہے مل بقرار دیکھئے کب تک رہے
ان بھی گلوں کی بہار دیکھئے کب تک رہے
شام و سحر انتظار دیکھئے کب تک رہے
ہیزہ ہے ہم سے یار دیکھئے کب تک رہے
شعر ہے میر اشعار دیکھئے کب تک رہے

چرخ پر اپنا مدار دیکھئے کب تک رہے
سہرے کماں تک پٹریاں سوؤں کے چہرے پر
ضعف سے آنکھیں مندی مہل نہ گئیں بھرتاب
لب پہ مرے آنکر بار بار پھر پھر بھی نہ گئی
اُس سے تو عہد و قرار کچھ بھی نہیں درمیان
اُس سے اس سے دل غشی میں ہیں صدیں
آنکھیں پھر اُنکس تکے ہوئے اس کی راہ
آنکھ ملاتا نہیں ان دنوں وہ شوخ طلک
رو سے سخن سب کا ہے میری غزل کی طرت

گیسو و رخسار یار آنکھوں ہی میں پھرتے ہیں
میر یہ لیل و نہار دیکھئے کب تک رہے

کہ یہ پیرانہ سر جاہل جواں ہے
ہماری خاک کیا جاںیں کہاں ہے
ہمارے حال پر کچھ مہرباں ہے
وہیں شاید کہ اُس نکا آستان ہے
خمیدہ بھول جو کوزدیں کہاں ہے
زبونی پر مری خاطر نشان ہے
میں سے کہتے ہیں جاں رواں ہے
بدن میں نے جب تک نیم جاں ہے

فلک گرنے کے قابل آسماں ہے
گئے ان قافلوں سے بھی اٹھی گرد
بہت نامہرباں رہتا ہے سینے
ہمیں جس جائے کل غش اُگیا تھا
ثرہ ہراک ہے اُسکی تیر ناوک
اسے جب تک ہے تیر اندازی کا شوق
چلی جاتی ہو دھڑکوں ہی میں مٹی
اسی کا دم بھرا کرتے رہیں گے

پڑا ہے بھول گھر میں کاسیکو میر
جھمک ہے گل کی برق آشاں ہے

مستی کی دیر میں قسم اقسام کر چکے
دستار و زحمت سب مگر دجام کر چکے

ہم رہیں بادہ جامہ اہرام کر چکے
جامہ ہی وجہ ہے میں ہمارا نہیں گیا

ترک نماز و روزہ و اسلام کر چکے
کفر اختیار کرنے میں ابرام کر چکے
عاشق ہوئے سو آپ کو بدنام کر چکے
سوار اضطراب پیغام کر چکے

زنگار پہنا سچے کے رشتے کے تار توڑ
جب کرنے بیٹھے مالا لیے پیش رو بہت
صندل کے قشتے دیکھ برہمن بچوں کے پنج
واسوختہ ہو دیر سے کہے کو پھر گئے

شکر و گلہ صنم کے کا حشر حشر میر
کہے کے رہنے والوں کو ارقام کر چکے

وہی جی مارے جسکو یار کرے
دیکھیں کتنک یہ گل بہار کرے
وہ ہی جانے جو انتظار کرے
دیر میں اُس کو کوئی یار کرے
صيد لاغر کو بھی شکار کرے
بھوٹے وعدوں کو اعتبار کرے

عشق کیا کوئی اختیار کرے
غنج ہے سر پہ داغ سودا کا
آنکھیں پھرائیں چھاتی پھر ہے
سہل وہ آشنا نہیں ہوتا
رنج میں داگہ کے ہوں شاید
بکھو سچے بھی ہو کوئی کب تک

پھول کیا میر جس کو وہ محبوب
سر چڑھاوے گلے کا بار کرے

جب نام اُس کا صبح کو تا نام بھی چلے
شاید کہ اب ہمارے ایام بھی چلے
سو اُسکو اتنو لوگوں کے پیغام بھی چلے
وہ کیا جو آگے یار کے دو گام بھی چلے
جب راہ دو قدم وہ گل اندام بھی چلے
اک عمر ہم تو ہاتھ سے دل تھام بھی چلے

سب کام سوچ اس کو جو کچھ کام بھی چلے
گل بکھرے لال میرے قفس پر خزاں کے بند
خط نکلے پر بھی یار نہ لکھتا تھا کوئی حرف
سایہ سی اُسکے پیچھے لگی پھرتی ہے پری
پھر معوہ کے خرام کی بے لطفی دیکھو
اب وہ نہیں کہ تھا بے تھے صہنر ار سے

یہ راہ دور عشق نہیں ہوتی میرے
ہم صبح بھی چلے گئے ہیں شام بھی چلے

آنکھیں ہماری لگ رہی ہیں آسمان سے
دھڑکے ہے جی قفس میں غم آشیان سے
میں ہر طرف گیا ہوں جدا کاروان سے

اب دشت عشق میں ہیں یہ تنگ لے جانے
بڑتا ہے پھول برق سے گلزار کی طرف
نکدست جوں حد لے جس سبکی کے ساتھ

اب ہم ملیں گے اور کسو سر بان سے
انماض ہم کو اپنے ہے جی کے زبان سے
قامت خمیدہ ان کی اگر ہیں کمان سے
صورت گئی نہ اُسکی ہمارے دھیان سے
تو مار ڈالیو نہ مجھے اس گمان سے
جاتا ہے کوئی دیر کے ایسے مکان سے

لکھو تو انفات نہیں حال زار پر
تم ہم سے صرف ایک نگہ کا کیا کیے
جاتے ہیں اُسکی اور تو عشاق تیر سے
دلکش قد اُسکا آنکھوں تلے ہی پھر کیا
آتا نہیں خیال میں خوش و کوئی کبھو
آ نکھوں میں آ کے دل سے نہ پھڑا تو ایدم

دیں گالیاں انھیں لے وہی بیدار ہیں
میں میر کچھ کہا نہیں اپنی زبان سے

سب جیسے اڑ گئی ہے رنگینی گلستاں کی
بیوجہ کچھ نہیں ہے یہ گردش آسماں کی
انصاف سے یہ کہنا یہ رسم ہے کہاں کی
جوں بھگتی میں ہوں کوئی سرفروجاں کی
جب چاہا تب مٹایا بنیاد کیا جہاں کی
آواز بھی نہ آئی کانوں میں اذال کی
شکل اُن نے دیکھتے ہی غصہ کیا زباں کی

حکمرگ سی زباں سے لبس نے کیا فقاں کی
مطلوب کم کیا ہے تب اور بھی پھر سے ہے
ماں کی ستم کے ہونا جو رجعت بھی کرنا
ہے سبز لب جو اس لطف سے چمن میں
ہیں گھر جہاں میں اپنے رُکوں کے سے بنائے
صوم و صلوة کیسو میخانے میں جو تھے ہم
جب سامنے گئے ہم ہم نے اُسے دعا دی

دیکھیں تو میر کیونکر بھراں میں ہم جیسے ہیں
ہے اضطراب دل کا بیضاقتی ہے جہاں کی

فرویات

میر تقی میر دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرویات

کیا کیے عشق حسن کی آپہی طرف ہوا
 نئے نگلوں کی بوسے بسکہ میخانہ مہکتا تھا
 جبکہ تابوت مرا جائے شہادت سے اٹھا
 گرچہ اُمید اسیری پہ یہ ناشاد آیا
 کیا رہ جیب کا بھی بجائیں نہیں سیا
 فٹھون خاک سے کشتہ میں کم نگاہی کا
 دل گیا رسوا ہوئے آنکھ کو سودا ہو گیا
 اس دور روزہ زلیست میں ہم پر بھی کیا کیا ہو گیا
 بے لب نمکیں علاج میرا
 کس طور تو نے باغ میں آنکھوں کے تیل ملا
 آنے کے وقت تم تو کہیں کہیں ہے
 ناچار ہم تو تجھ بن جی مار کر رہیں گے
 وعدے ہر روز رہے اور تم آتے ہی رہے
 مہیا جس کئے اسباب ملکی اور مالی تھے
 دل نام قطرہ خون یہ ناحق تلف ہوا
 لب ساغر پہ منہ رکھ رکھ کے شیشہ بہکتا تھا
 شعلہ آہ دل گرم محبت سے اٹھا
 رام متیا دکا ہوتے ہی خدا یاد آیا
 وحشت میں جو سیا سو کھمیں کا کہیں سیا
 دماغ کسکو ہر محشر کی داد خواہی کا
 بے مزہ ہے مزاج حیرا
 نرگس کا جس سے رنگ شکستہ بھی اڑ چلا
 اب آئے تم تو فائدہ ہم ہی نہیں رہے
 پراس روشن کو تیری یہ لوگ کیا کہیں گے
 ہنکود دیکھو کہ لگے چلنے تو جاتے ہی رہے
 وہ اسکندر گیا یاں سے تو دونوں اٹھ خالی تھے

کلاہ کج سے غنچہ کی پیدا ہے گلستاں میں کہ کیا کیا اس چین میں دلہروں کے لا اُپائی تھے	
اٹھا کے دانہ یہ دام بکھوایا ہوئے آدم کو بھی بہشت نصیب	
تری زلفِ نسیم کی یاد میں آنسو جھپکتے ہیں اندھیری رات ہے رسات ہے جگنو چمکتے ہیں	
جیسے نسیم سرِ تحریر کی کر دیں ہوں جستجو خاتہ بختانہ در بدر شہر بہ شہر کو بہ کو	
تو نظر کو کھوکھو کے میں سوؤنگا دکھیو دل بھر رہا ہے خوب ہی ڈونگا دکھیو	
میرؔ رہ دنیا میں دل جمعی سے جو انسان جانا ہے سفر کا بھی رہے خطرہ کہ اس منزل سے جانا ہے	
مردت ہوئی کہ تاب و تواں ہی چھپا گئے پیتاب کر کے خاک میں ہم کو ملا گئے	
وے دن گئے کہ آٹھ پیر اسکے پاس تھے اب آگئے تو دور سے کچھ غم سنا گئے	
صلح سے بن علاج و دوش ہے تیرا بیمار آج تو خوش ہے	
کیا کہوں اُس سے کچھ بھی چھوٹا ہے ملک دل اُن نے صاف لٹا ہے	
خاک سے میر کیون کیساں ہوں بگھ یہ تو آسمان لٹا ہے	
سوائے سنگدلی اور کچھ ستر بھی ہے ہاں دلوں میں تمہارے خدا کا ڈر بھی ہے	
نئے فراق میں کچھ کھا کے سو رہو گائیں تو کس خیال میں ہے تجھ کو کچھ خبر بھی ہے	
ہنس دے دے دیکھتے ہی کیا خوب آدمی ہے معتشوق بھی ہمارا کیا خوب آدمی ہے	
انسان ہو جو کچھ ہے ادراک نہ ہو لولاک ناداں تر میں ترناں سے مطلوب آدمی ہے	

۱۵ یہ شعر قدیم نسخے میں بھی ایسا ہی ہے۔ اگرچہ اس کے قافیہ صحیح نہیں ہیں کیونکہ جانا جانا دونوں میں ایطائے جلی پیدا کرتا ہے ۱۲ ۱۵ اس شعر کے قافیہ سے بھی ایطائید ہوتا ہے۔ معلوم نہ ہو سکا کہ اصل میں کیا تھا۔ نسخہ ہائے قدیم میں یوں ہی ہے ۱۲

کیا خط لکھوں کہ رونے سے فرصت نہیں رہی
 لکھتا ہوں تو پھر سے ہے کتابت بھی یہی
 سبھوں کے خط لیے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہے
 چلا ہے یار کے کوچے کو پھر مجھ سے چھپاتا ہے
 وصل کی جب سے گئی ہے چھوڑ دلا رہی مجھے
 ہجر کی کرنی پڑی ہے ناز برداری مجھے
 میں گریباں پھاڑتا ہوں وہ سلا دیتا ہی میرا
 خوش نہیں آتی نصیحت گو کی غنچواری مجھے
 حیران اُس بھجورے کے سب دوش ہو گئے
 شمع و چراغ بزم میں خاموش ہو گئے
 عمر گزری کہ ترے کوچے کے آنے سے گئے
 دور سے ایک نظر دیکھ کے جانے سے گئے
 کیوں گردن ہلال بھی سے ڈھلک چلی
 ابرو تراک طرف پلک اسکی نہیں ہلی
 مہمت دے یاد مند کو ایسی کہ بعد مرگ
 مشت غبار میرا بخت ہو بچے یا علیؑ
 یکدم تو خون سوکھا مڑگاں پہ ہو کے جاری
 نکرست طیش جگر کی اب تو ہی آب یاری
 شوخ عاشق قد کو تیرے سرو یا طوبی کے
 کچھ تھہرتا ہی نہیں کوئی گئے تو کیا گئے
 مرے رنگ شکستہ پر نہیں ہیں مڑیاں سارے
 ہوا ہوں زعفران کا کھیت تیرے عشق میں پیارے
 عرق گرتا ہے تیری زلف سے جو دل سہتا ہے
 کہ شب تاریک ہے پھر ٹوٹتے ہیں دمدم تارے
 جو سیل شرک کا چلے ہے
 دریا کے جہی ہو ٹھہ جا لے ہو
 نظر کر کے وہ سلک زندان یار
 ہوئے پانی پانی دریا ہوار
 اس تہدیدہ کی صحبت سے جگر لومبوڑی
 آب ہو جائے کہ یہ دل خلعت پہلو ہے
 ابرج مجھ خاک پر سے ہو گیا
 ایک دودم زار باراں رو گیا
 کیا کہوں میں میر اپنی مرگ زشت
 ابتدا ہی قصے میں وہ سو گیا
 فردوس سے کچھ اُس کی گلی میں کی نہیں
 پر ساکنوں میں واں کے کوئی آدمی نہیں
 تو گل باغ پر نہ بیل بھول
 وہ بھی ہے گا کلاب کا سا پھول

نسبت بہ ہے دور اُس گل سے
کس رو سے اُس کے ہوگا تو نقطے سے مقابل
مہر نہ زلف کا نہ پایا پیچ
کو چہ یار سے نہ جاویں گے
ترے لعل جا بخشش کو ہم نے بتلا
ایک عالم ہے کشتہ اُس لب کا
دل سمجھتا نہیں مہار آہ
پیر کنگاں سے گیا جب درِ عشق
والبستہ دلبروں کے خاموش ہیں ہمیشہ
ہم سنے نگا مری فتاں پھر تو
اُرسی اُرسی وہ ہے وہ ہے
بخت دشمن لب نہ تھے ورنہ
ہو ترے لب سے کام رکھتے ہیں

وہ شگفتہ ہے یہ گرفتہ ہے
اے آفتاب تیرا منہ تو طباق سا ہے
شاعروں نے بھی فکر کر دیکھے
کیسے ہی ہونگے ہم گئے گزرے
کیا آپ جیواں کو پانی سے پیتا
بالغرض اس پہ دانت ہے سب کا
زلف اُسکی ہے ایک مارِ سیاہ
گو مثل ہوا نکھ بھوٹی پیر گئی
ان ساحروں نے ایسے منہ عاشقوں کے بازے
ہیں ترے کان کھول رکھتا ہوں
یہ نہ منہ دیکھے کی سی میں نے کی
کو کہن نے بھی سر کو بھڑا تھا
پہنی کو دسے نام رکھتے ہیں

دل تاب ہمک بھی لاتا تو کہنے میں کچھ آتا
اُس تشنہ کام نے تو پانی بھی پھر نہ مانگا

مخروج دل کو میرے کانٹوں میں مست گھسیٹو
اتھ کانوں پہ رکھ گئے سارے
سارے گلبن تھے تو کسے بے صل
ہمکھیں نیچی کر گیا گل باغ میں
مٹ گئے آئینے کے توتے سے
تم سے کتنے ہماری جیب میں ہیں
اول عشق ہی میں آخر ہے
سحر میں رفتہ رفتہ کانٹوں نے سر اٹھایا
رہ گیا ہوں چراغ سا بجھ کر
اسی کی باغ میں ہوا دیکھی

ماتق نہیں تمھارے مژگان خوش نگاہاں
غم میں دل صبر و ہوش اے پیارے
لٹ گئی اُسکو دیکھ گل کی فصل
مگر نظر اک دور سے بچھ داغ میں
اُن نے دیکھا جو اٹھ کے سوتے سے
کیسہ نیر زر ہو تو جھنا جو یاں
دیکھتا ہوں تو کام میرا میر
پائے پر آبلہ سے مجھ کو نبی گئی ہے
بس نہ لگ چل نیم مجھ سے کہ میں
چشم ہر گل پہ اُس کے جا دیکھی

عشق میں مرگ ابتدا سے تو	جو نما تو تو انتہا سے تو
تری ہچکچہم زنگس کیا صنم ہے	لکھا ہے گر کہیں سہو القلم ہے
تجھ بن چین میں جو تھا دل کو ٹوٹتا تھا	گل منہ نہ کھولتا تھا بلس نہ بولتا تھا
نقد دل پھوڑتے تہیں خوبیاں	اس پہ گویا کہ قسرض کھایا ہے
میاوس وصل اُس کا چٹوں میں مت کہو تم	جو ہو شمار دم میں اُس کی اُمید کیا ہے
نظر رہ عشق میں نہ ڈھونڈھ کہیاں	راہ کی باٹ کھولے دی ہی ہے
غالب ہے کوئی دن کو ڈھونڈھو تو پھر پاؤ	دل رفتہ رفتہ غم میں آدھا نہیں رہا ہے
فاتحہ کو نہ آیا بعد از مرگ	میسر کے یار کی طرح دکھو
گر صرف دید عمر پھر ہے تو یاں کہاں	ہے سیر مفت میسر تجھے پھر جہاں کہاں
راہ آنسو کی کب تلک کیے	خون دل ہی کا اب مرا چکھیے
بید سا کا پیتا تھا مرتے وقت	میسر کو رکھو مجنوں کے تکیے
چلی جانی ہے جاں ہی اب بھلا تیر کیا کرے	تداوی سے مرض گزرا کہو اب میسر کیا کرے

تضمین

میر تقی میر دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیل مطلع خود بامطلع استاد

یہ بیت اداں ملک ہو قابے وارثہ مگر ہے
 بیاساتی کہ اس دیرانہ از بسا کس ماندہ
 وہ نہیں ہے اب جو تم نے پیش آریں دیکھا تھا میر
 داشتہ چیزے کہ من بودم زیادہ رفتہ است
 کہ اہ بھٹاں تیں پہونچا ہوں کس خرابی سے
 بہر دو گام زمانے ستادہ آمدہ ام
 القصد نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم
 عالم مہمہ افسانہ مادر و ما، ایچ
 تب کی بھلا تب ہی گئی ہنگامہ تھا ہر ترے
 تلخے بگو شکے بدن تیرے کیش کارے کین
 کہ صلیح شاخ پہ یہ بیت پڑھتی تھی بلبل
 زمانہ تمام بدست و جنازہ بردوش ست
 کہ پھر بانی نہ مانگا تم لگائی ایک ہی ایسی
 خدا جیسے دہر در کشن ماقاتل مارا

نہ اسکندر نہ دارا ہے نہ کسریٰ ہے نہ قیصر ہے
 جہان کہنہ خلقے را بدل غم ہوس ماندہ
 خود بخود رکھو یا گیا ہے کتنے روزوں سے فقیر
 دوستان ظلمے بحال نامرادم رفتہ است
 نہ اپنے در سے مجھے دور کر شتابی سے
 لضعف دست بدیوار دادہ آمدہ ام
 مشہور ہیں عالم میں تو کیا ہیں بھی کہیں ہم
 عنقا سرو بر گیم سپرں ز فقر ایچ
 میں رہ گیا تھا ناجرم شکوے سے جب اے تہمتے
 اکوں کہ تنہا دیدت لطف ار نہ آراں کین
 چین میں دھبہ کے ہنستا نہ رہ بزرگ گل
 دریں حد لقیہ بہار و خزان ہم آغوش ست
 رہے ہم تشنگان سے ذمے منت یا رک کی کسی
 ہامید کے بگڑاشت بیدادش دل مارا

دوری ہی میں طاقت نہ رہی بات کی آخر
 زہرِ غم بھیر تو جہاں کا رگڑا افتاد
 آشنائے کفر و دیں عاشق نہیں ہوتے ہیں میر
 کعبہ و تہخانہ را بجگانہ میدا نیم
 تھے خوش وہ کہ پاں سر بگرباں ہی رہا ہے
 بسیار زد تنگی خود غنچہ نمبین است
 متاع دل نہ لیجاؤں جو واپس کیا کروں جاناں
 بسودائے ہوس عمرے دریں بازار گردیم
 حواس و ہوش بخرد بان دل شکست تو ان
 ز رفتن تو کسے باز پس نمی ماند
 کہاں کرنے میں خون تیزی نہیں کی
 سرش گردم کہ ہر جا جلوہ گر بود
 اس آستانے کے سنگ کے نہیں برابر ہم
 میان ما و سگ یا فرق بسیار است
 محرم کیا کہوں میں اپنے نوشتے کی بڑی
 دل کہ طو مار و فابو دمن محروں را
 کہتے نہیں خلوت میں تو بار دے عالم کو
 تا چند نہاں باشی جاناں نفسہ نبھا
 نہ لاگے و ہم جس جا کچھ وہاں ہو قادر اندازی

روزی نہ ہوئی رات ملاقات کی آخر
 امسید وصال تو بجز دگر اقدام
 جانتے ہیں طور میرے سب چنانچہ خور و پیر
 یا و ردل یا و رمیخا نہ میدا نیم
 اس باغ میں واپس نہ کو بدین کہا ہے
 غافل کہ شگفتن نفس باز پسین است
 خریداری نہ کی تو نے رہا میں دیر سرگرواں
 کنوں گرد سرم گرواں کہیں بسیار گردیم
 چلے ہیں عزم سفر کرنے سے ترے سبیاں
 تو میروی و دریں شہر کس نمی ماند
 یہیں کچھ اُن نے خونہ تیزی نہیں کی
 سر بازار او بازار سر بود
 کہیں زیادہ سخن اپنے منہ سے کیونکر ہم
 چرا کہ ماسک او نیم و اسگ بارست
 بخت نے آہ مری بات تنک کہنے ندی
 پارہ گردند اتمہ تیان مضمون را
 یا آئینہ سا ہو دے دیدار ترا ہم کو
 دیوانہ شدے تہا خود را کیے بنما
 ہدف ہونا خدنگ جو رکایتے نہیں بازی

زشت صاف اے ابرو کمان ز بس خط و دم
 تومی مینی بسوئے تیرو من فکر و گم دارم

عطیہ

دام بابو شکستہ

مثالث

نیک یہ بھی رکھو سن تم اے اربابِ تعلّق | اوقاتِ خوش آں بود کز اسبابِ تعلّق

آزردہ دے داشتہ آئیم دگرے داشت | ناکہ را میر اندلیسے سوئے خلوت گاہِ ناز

سارباں در رہ حدی میخواند و مجنون میگریست | مر ہی جاؤں کسی گلخن میں جو میں غم سے بھرا

کچھ بدوران تو از گلشن عالم چیدم | کل تک تو فریبندہ ملاقات تھی پہلی

بیچارہ ز لطف تو بدل داشت تگمنا ہما | اے وفائے گل کے عاشق سب میں ہی تیرا نشان

چوں سبا بیہودہ سرگردانِ این گلشن مباحث | میں چہ گل چیدم کہ عمر سے باغبانی کردہ ام

میر اس دادی سے بید روانہ گزرا تو بدوق | ہر کف خاک کہ طے میگشت جائے نالہ بود

یابِ ذلت رہوں کہاں تک میر | ہر دورے حلقہ دیر دگر ست

نالہ بلبلی غنچہ غم ششاد آہ و فگار | ہر کسے چیزے بیاد در گلستان میگذ

آئی تھی ملاقات کی راہ اسکے وے سود | جہاں سے اے کہ تناب ہے جگو مجھ سے سن

اگر چہ اب ام آخر ہی لیکن اے غمخوار | یہ ہیں کہ نقشِ بلا با چہ باطل افتادہ است

بہر ز زندہ ام آئینہ پیش من مگزار | ہے بھی جو کوئی یاں سو نہیں کے ہے وہ مانند

یعنی جبر از ہر کہ گرفتہ خبر سے بود

محکم

یہ بات جھوٹ نہیں صدق کی صفا کی قسم عبث جو قسمیں ہے دیوے تو مصطفیٰ کی قسم	ترے ہی لطف کا وابستہ ہوں وفا کی قسم جناب پاک بتوں وشہ ولا کی قسم
تراہوں خوار تری شان کی مجھے سوگند تجھی کو جیتا ہوں ایمان کی مجھے سوگند	قسم حسن کی حسین ابن مرتضیٰ کی قسم مردوں ہوں تجھ پہ تری جان کی مجھے سوگند
رستہ سہ ما نظر تری زلف و کامل و خال شبوں تو تیرا قصور دنوں کو تیرا خیال	تجھی سی بندگی رکھتا ہوں میں خدا کی قسم پھر کرے ہے مرگم آنکھوں میں تری ہی جال
تجھے میں دیکھ تماشے کا کیا ہمت ہوں نصیب لطف نہ بافر کا ہو جو جھوٹا ہوں	اسی ستمزدہ بیمار ہے دوا کی قسم خدا سے دی ہیں تجھے آنکھیں کیا میں اندھا ہوں
جو رو و مو ہو نظر میں تو صبح و شام کی سوں کلام ہو کسی سے تو مجھے کلام کی سوں	امام یحییٰ اس اپنے پیشوا کی قسم پر راہو بانوں کہیں تو ترے خرام کی سوں
کرے ہے لطف جو ملک تو بحال آتا ہوں ترے ہی واسطے یہ غم یہ غصہ کھاتا ہوں	خبر رہ ہوں ترا اس کے خاک پاک کی قسم وگرنہ آپ سے مل لمحہ لمحہ جبا ہوں
جو بیکو خوش نہیں پاتے تو جان کھوتے ہیں کبھو ہی آٹھ پر میں ٹک ایک سوتے ہیں	سخ اس کو مان تجھے اسکی ہی ولا کی قسم ہلاک ہوتے پہ تجھ ہی سے راضی ہوتے ہیں
گدائے در ہوں تقی کا نفی کا ہوں مملوک طریق ہمدی ہادی کا رکھت ہوں مسلوک	امام ضامن ثامن علی رضا کی قسم رکھوں ہوں عسکری کے لطف سے میلوک
قسم جو کھائیے ان چار باد شا کی قسم	جہاں کے لوگ ہیں مفلوک سارے یہ ہیں ملوک

نہ اپنی تیری بنی ہر زباں بگڑتے رہے
سرشک آنکھوں سے جیسے شائے بھرتے رہے
لگنا بد سے سدا روٹھتے ہی لڑتے رہے
شبوں کو عذ میں نہتے کے پائوں پڑتے رہے
لے جو دن کو یہی پنج میں رہا کی قسم

گناہ پہونچے جو اثبات کو تو رکھے صاف
ہر ایک رات کہانتک سان روز مصاف
کد درت اپنی عیبت ایک بار کر چک صاف
نکال تیخ شتابی نہیں چرت گزاف
درنگ کیا ہے مگر کھائی ہے جفا کی قسم

چمن میں میں جو پھرا ہوں تو سوکھوں جیسے پتا
سیاہ روز ہوں میں مگر کہیں رہا ہوں رات
زبان کاٹ جو سوسن کے رنگ کی ہوا ت
گیا ہوں چلکے تو رکھتا ہوں تیرے ہاتھ پہ بات
جو کچھ خیال ہو سر میں تو تیرے پاکی قسم

جفاؤ جو ہزاروں طرح کے شہتا ہوں
ہوئے ہیں برسوں کہ چکا ہی بیٹھا رہا ہوں
گداز غم سے ہو سب آنسوؤں میں بہا ہوں
کہو ہو یہ جو کچھ خواہش اپنی کہتا ہوں
ابھی تو کھائی تھی اظہار مدعا کی قسم

جلوں ہوں شمع کے مانند تجھ کو پروانہ
فقط ہوں سلسلہ موکا تیرے دیوانہ
خبر تجھے مری حالت سے کچھ بھی ہے یا نہ
کے تو تیل میں میں ہاتھ ڈالوں جوں شانہ
جو تیج ہو تو ترے کامل دوتا کی قسم

سرشک میر ہیں جس جائے ٹھک کہ جاوے
تو محو آئینہ ہو وہ جفا میں سم جاوے
اتمام پانی ہو دل کا ش اُس کا بہ جاوے
کہاں ملک ترا منہ دیکھ دیکھ رہ جاوے
بھ آسکے منہ سے حیا کر تجھے حیا کی قسم

لقین و محس و دیگر

کیا کہوں مجھ پہ جو گز رہے ہے جفا کا ریل
ایک شب ہو تو کروں شرح غم و زاری ل
درپے دشمنی جاں ہے یہی یاری دل
دوستان چند نیم نالہ ز بیماری دل
کس گرفتار مبادا بگرفتاری دل

آتی ہے ایک نہایت ہی جگر سوز صدا
ہر خاموشی چولب پر ہے مرے اسپہ نجا
یعنی پھر رات سے پھاتی میں ہی درد اٹھا
مے کہ بر زاری دل می کنی انکار بیا

گوشت بر سینہ من نہ بشنوزاری دل	آہ مت پوچھ کہ کیوں پیچھے ہٹاں لکھوں نہیں
ایسے قضیے سے چکو کاش کہیں بھی چکوں صبر و آرام کے نیست آریں ہر دو کونوں	میں مصیبت زدہ حیران ہوں کیا فکر کروں
کہ دریں واقعہ صعب کند یاری دل	سیل سی پار گزر جاتی تھی آہ تحسری
اسیلیے جان پہ میں کی ہے یہ بیداد گری گر ہمہ نیزہ بیارو کہ من از بے سری	ہو سو ہو اس کو سہر جائے یا بے سہری
ادام اکنوں جگرے را بسرداری دل	نلد من لیے و مجنوں لیے جو ہیں شنوایاں
ایک مدت رہی ہیں میرے عین لوگ زباں خواندہ ام قصہ عشاق بسے بیت دراں	خود بخور کی یہ جگر خواری و بتیالی کہاں
بجز جفاکاری دلدار و وفاداری دل	یاں چلے گر کوئی آنکھوں سے بھی باہر رسد
مذہب عشق میں لازم ہے اتے کرنا حسد کوئے تو منزل دہلاست کسے چوں گزرد	جی سے جی میں تو نہ جاؤنگا عبت مت کر کہ
کہ نیاید بن میں یائے زبیری دل	میر اس دل سے ستم لوگوں پہ کیا کیا نہ ہوا
کوئی آوارہ کوئی خستہ کوئی جی سے گیا عمر باشد کہ نشان نیست ز جائے پیدا	آؤ خاموش ہو کوئی کہ نہیں سہر و ترا
کہ کند با تو دے شرح دل ازاری دل	
مخمس دیگر	
آج کہتا ہوں کہ ہے ٹھکدہ دل میں جوش سرخوش از کوئے خرابات گزر کر دم و دوش	بخودانہ ہیں کئی حرف زباں پر کر گوشت پائے رفتن تو نہ تھے لیک تجھے تھا کچھ ہوش
بہ طلبکاری تر ساجیہ بادہ فروش	ہوش و صبر و خرد و دین گئے بے سارے
میں تھا سو مجھ میں تو کچھ تھا نہ ستم کے مارے پیشم آمد بہ سہر کو چہ پیری ز حارے	بعد یک چشم زدن پھر جو میں دیکھا بارے
کافر نے عشوہ گرے زلف چو زنا ر بدوش	ایک ساعت تو رہا مجھ شست و برخواست
بارے پھر پھر گیا دل بھی مرے کم و کاست	

درمیاں جس گھڑی آئے سخن راست برست	گفتم ایں کو جہ جہ کو لیست و تراخانہ کجاست
اے مہ نو نیم ابرو کے ترا حلقہ بگوش	
ساراس دشمن ایمان کی زلفوں کی سمند	پارسائی گو میں صد جان سے واں پایا بند
آنکھیں سختی سے دکھا مجھ کو آواز بلند	گفت تسبیح بجا کنگن و زنا رہ بند
سنگ بر سینہ تقویٰ زن و پیمانہ نبوش	
رہو ہیشیا کہ ہے ضعف سے بیگانہ طلب	تو ت پانی تلک رکتی ہے یار نہ طلب
جاکے کر پیر مغاں سے کوئی مخخانہ طلب	تو بہ کیسو بنہ و ساعتی مستانہ طلب
خرقہ بیروں قلن و کسوت زندانہ نبوش	
بسکہ نقاد ہیں یاں لکھوے ہیں سب تیرے فکرے	قابل خدمت مستان نہیں تو رہو پیرے
پہلے یہ باتیں ہیں ان پر تو عمل کرے اے	بعد از اں سنے من آتا ہو گویم خبرے
راہ بنائیم اگر بر سخنم داری گویش	
مجھ کو بھر کا کے چلاواں سے وہاں کرش	یائوں سے لیکے گئی سرسین حلقی آتش
ہاتھ سے جاتا ہی تھا گو ہتی مجھے حالت کش	دیں بر افتادہ بیوہ و دویم بہ پیش
مار سیدم بمقاسے کہ نہ دیں ماند و نہ ہوش	
جائے بے خدشہ غیرے کہ نہ تھا غیر نمود	قسط باطل سے لکھا و کھیا ہے واں صف نمود
تو بھی واں ہو تو یہی مجھ سے نکلیاے زود	مورگشت از ورق کون و مکان حرف وجود
انہ پری ماند و نہ آدم نہ طیور و نہ وحوش	
بہ خود و بے خبر و مستے صفات است	آتش مے سے بر فروختہ کچھ بادہ پرست
یکدگر پاؤں کی نوزش کے سبب دست بست	ویدم از دور گروہم ہمہ دیوانہ و مست
از لغت بادہ شوق آمدہ در جوش و خروش	
گر چہ ظاہر تھا خراب انکا وے سب معمور	کاسہ سر پہ ہوئے پھرتے تھے سارے فقور
بے لباس طرب و جامہ اندوہ سے عور	بے دف و مطرب و ساقی ہمہ دلش و ہرور
ابے مے و جام و صراحی ہمہ در نوشا نوش	
نام و ناموس کا دفتر تھا سب ان کا رسم	و کچھ کر پہلے کیا میں نے تا تل یک دم
پھر جو دیکھا تو مجھے بد کہیگا کیا عالم	چوں سر رشتہ ناموس برفت از دستم

	خواستم تا خبر سے پرسم از دگفت نهوش	
عقل رکھتا ہے تو ملک رہو ادب کا پابند	یاں فراغت ہے دو عالم کی ہر اک کام میں بند	یہ وہ جا ہے کہ نہ فردوس ہو اسکے مانند
	از دم صبح ازل تا بہ قیامت مدہوش	
میر ان مستوں میں کوئی نہیں بابتہ نسبت	کیونکہ یہ نسبت بہت ہووے تو وہ روز کہ نسبت	جتنے بے ہمت نظر آتے ہیں سب ہیں نسبت
	دین و دنیا بہ یکے جرعه عصمت بفروش	
مختص و مگیر بغزل خود		
داں آن نے دل کیا ہو مانند سنگ خارا	یاں تن ہو اسے پانی ہو کر گداز سارا	کیا پوچھتا ہے ہدم احوال تو ہمارا
	اسکے تعافلوں نے ان روزوں کو ہمارا	
ہو شہر پاک صحرا بارے مکان تو ہو	غم میں نہ ہووے کچھ تو اک تن میں جان تو ہو	حالت تغیر ہو کر منہ میں زبان تو ہو
	سو بار دیکھ صورت ہو ہسربان تو ہو	
اپنے نہیں نہیں ہے اب گفتگو کا یارا	یہ چشم تھی کہ ترکاں اکشر سوار ہونگے	یہ جانتے نہ تھے ہم اسطور خوار ہونگے
	اس بھی طرف کو ہو گا ان کا کبھی گزارا	
بجراں میں ملک نہ پرے کوہ اور اغ میں ہم	بوئے وفانہ پائی دل میں داغ میں ہم	مدت رہے اگر چہ گلشت باغ میں ہم
	یہ لطف کچھ جو دیکھا سینے کے داغ میں ہم	
	اُس بن جو گل چنے تھے آنکا کیا نظارا	
تشنے ہیں اپنے خوں کے اے حمد و نہ آؤ	ہووے طیب گھر خضر اسکو بھی یاں نہ لاؤ	اب ٹھانی ہم سو ٹھانی گو اس میں جان جاؤ
	آب برندہ اُس کی شمشیر کا پلاؤ	
	آب حیات اپنے جی کو نہیں گوارا	
	جو آذر و کربیں پھر اٹھنے کی حشر کو تب	تنگ اس قدر نہیں ہیں اس زندگی سے ہم اب

ہو تپوں پہ یہ دعا ہے ہر روز اور ہر شب	یک حرف کا شکے ہو روز جزا بھی یارب
کس کو دماغ اتنا جو پھر جیسے دوبارا	
ہوش دل ادرا یاں یہ تو گئے تھے سارے	موجب تو زندگی کا اپنا نہ تھا پیارے
بچھ سے کہیں سو کیا اب کہ ہم ستم کے مارے	آنسو سے پونچھتا تھا کچھ جو کبھو ہمارے
سو صبر ظلم دیدہ کل رات سے سدھارا	
اب دل اٹھا تو منعم تمہیں خاماں سے	کیا فائدہ رہا ہے گر کچھ نشاں مکاں سے
رہنے بھی کو دینگے جانا گیا کہاں سے	آواز بھی نہ آئی اک در جواب دال سے
کسے کے در پہ جا کر کل میں بہت پکارا	
موت اسکے ہاتھ سے ہو اس سے تو کیا ہے بتر	پرچی میں حشر میں ہر تپ گئے ہے یہ جی پر
غیروں سے ملک کہو یہ کاسے مدعیو اکثر	تلوار اُس کو دیکھ بھیجا کرو نہ ایدھن
جی جائے ہے ہمارا کیا جائے ہو تمھارا	
اب وہ نہیں کہ ہر سوطاں کا خطر ہے	یا مہر سیل آیا ابرسیاہ تر ہے
مست پوچھ رو کوئی اتنا جو یاں نظر ہے	اُس گرے ہی کا اب تک کچھ کہیں اتر ہے
دریائے تو جہاں سے کب کا کیا کنار	

باعیات

میر تقی میر دیوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سریکیت

دل مرگ سے آشنا کیا ہے میں نے	دامن عزلت کا اب لیا ہے میں نے
برخاک سے اُسکو بھردیا ہے میں نے	تھا چشمہ آب زندگانی نزدیک

رباعی

یہ تو نے طرح ناز کی کیسی ڈالی	اے تازہ نہال عاشقِ پامالی
دیکھیں ہیں گم جائے گی تیری خالی	سب تجھ سے جہاں بھرا ہے سکے ادب

ایضاً

دل جس کو دیا اُن نے نہ کی دلجوئی	افسوس ہے عمر ہم نے یوں نہیں کھولی
جھل اسی بھی عشق میں کرے جو کوئی	جھنجھلا کے گلا چھری سے کاٹا آخر

ایضاً

وہ سر میں نشہ نہیں ہوئے پہا ب پیر	طاقت میں جواں ہوئے تو کرتے تقصیر
میخانے میں بیٹھے معتکف ہو کر میر	اب کی روزوں میں یہ سنا ہے ہم نے

ایضاً

ہو وے گی قیامت اک شبانی نہ کرو	پردانہ اٹھاؤ بے حجابی نہ کرو
برباد نہ دو ابھی خسرا بی نہ کرو	عالمِ عالم بے خصلت عالم

<p>جاتی ہے نسیم و گل کی محبت جوں کے ہم برگ خزاں سے اسیں ٹھہریں کیونکہ</p>	<p>رباعی رووے کوئی کیا گئی جوانی یوں کر پیری آندھی سی میرے تاجہ آئی</p>
<p>پھر عالم ہستی میں مکرم کرنا ناچیز کھٹ خاک کو آدم کرنا</p>	<p>ایضاً کیسا احسان ہے خلق عالم کرنا تھا کار کرم ہی اے کریم مطلق</p>
<p>ظاہر تقوے کو کس سبب کرتے ہیں پیشیں انجم نماز شب کرتے ہیں</p>	<p>ایضاً اللہ کو زائد جو طلب کرتے ہیں دکھلانے کو لوگوں کے دنوں کی ہجرت</p>
<p>لب خشک ہوا سو نور خیم حیدر اے آب فرائد خاک تیرے سر پر</p>	<p>ایضاً اُمرا تھا غریبانہ کنارے آکر تر خلق دم آب سے اُسکا نہ ہوا</p>
<p>کعبے کی طرف مزاج لائے نہ گئے یاں مدت عمر میں ہم آئے نہ گئے</p>	<p>ایضاً بتجانے سے دل اپنے اٹھائے نہ گئے طور مسجد کو برہمن کیا جانے</p>
<p>ایک ہی تلوار میں صفائی کی ہے واں میر بہت میں نے گدائی کی ہے</p>	<p>ایضاً لو یار شکر نے لڑائی کی ہے اس کو چے کی راہ عشق میری جانے</p>
<p>جی تن میں رہا ہے سو وبال پنا ہے ہجران ہی شاید کہ وصال پنا ہے</p>	<p>ایضاً ملنا و خواہ اب خیال اپنا ہے آزار بہت کھینچے ہیں جس بن لے</p>
<p>دروغ و غم و آزار کھینچا ہے کیا کیا دیکھیں تو اسیں عشق دکھائے کیا کیا</p>	<p>ایضاً دل جان خجگر آہ جلائے کیا کیا ان آنکھوں نے کی ہے ترک دم داری</p>
<p>ایضاً</p>	<p>ایضاً</p>

صلح

کیا حرف و سخن عیب ہے کچھ محرم سے اے میر کوئی بات کیا کر ہم سے	چیکا چیکا پھر نہ کر تو غم سے آخر کوڑے رہتے جنوں ہوتا ہے
رباعی	رباعی
جو دل زدگاں پہ یہ جفا ہوتی ہے اک وقت نماز بھی قضا ہوتی ہے	✓ کیا کہیے ادبوں سے کیا ہوتی ہے یہ کیا کہ سجود میں نہ دیکھا بگڑے
ایضاً	ایضاً
پیر سوچ کے غفلت کے تیئں روڈ گئے جاگو ملک میسر پھر بہت سوڈ گئے	اب وقت عزیز کو تو یوں کھو ڈ گئے کیا خواب گراں پہ میل روز و شب ہے
ایضاً	ایضاً
دارفتہ نہ رہ اُس کا دلا بیگہ و گاہ جالمقی ہے یہ کو چہ زنجیریں راہ	پیر پیچ بہت ہے شکن زلف سیاہ دیوانگی کرنے کی جگہ بھی ملک دیکھ
ایضاً	ایضاً
جو ہم نے کہا سودہ نہ مانا افسوس آیا نزدیک جی کا حبا مانا افسوس	جاناں نے ہمیں کبھو نہ جانا افسوس تب آنے میں دیر کی قیامت اب سو
ایضاً	ایضاً
ہر آن ستا تا ہے کھیلتا ہے مجھے بولا ترا آزار خوش آتا ہے مجھے	ہر لحظہ رلاتا ہے کڑھاتا ہے مجھے گل میں جو کھار بخ سے حاصل میرے
ایضاً	ایضاً
شکل اپنی بگاڑ کر کڑھایا تو نے اپنا یہ حال کیا بنا یا تو نے	اے میر کہاں دل کو لگایا تو نے جی میں نہ ترے حال ٹھہر کچھ رنگ
ایضاً	ایضاً
کہتے ہیں اُسے شافی و کافی و حکیم یہ بات مکرست ہے اللہ کریم	گو میر کمر احوال نہایت ہے سقیم وہ غیر کرم بندے کے حق میں نہ کرے
ایضاً	ایضاً
آرام خوش آتا ہے سہاتی ہر خواب	دل جن کے بجا ہیں نکو آتی ہر خواب

میر می تو جہاں شب ہوئی جاتی ہوئی	میں غمزدہ کیا اپنے دنوں کو روؤں
رباعی	
دق آگئے ہیں جی سے بھی نہ رحمت ہے کی خوب وفا تم نے تھیں رحمت ہے	دنیا میں بڑا روگ جو ہے الفت ہے کہتے تھے کہ میر بیوفا ہم کو جہان
ایضاً	
کب آپ میں آکے کوئی پاتا ہے ہیں رہ رہ کے یہی خیال آتا ہے ہیں	دن فکر دہن میں آکے جاتا ہے ہیں ہرگز وہ مکر وہ ہم میں آتی ہی نہیں
ایضاً	
اب درد لگا رہنے ہمارے دل میں کیا جانے وہ کیا ہے ہمارے دل میں	اندوہ کھپے عشق کے سارے دل میں کچھ حال نہیں رہا ہے دل میں اپنے
ایضاً	
برحسب یہ افسوس سے سر کو ڈھنے آؤنگ میر کی کہانی سن نے	سن سوز دروں کو آکے چلے ٹھٹھے کیا کیا اب سا بچہ سے کے کا عالم
ایضاً	
پھر ہم سے جنوں میں ضعف سے دم ہی نہیں اب وہ تو نہیں شام سحر ہم ہی نہیں	کیا کیا ہیں سلوک بد فقط غم ہی نہیں اک عمر چلی گئی جفا کے شب و روز
ایضاً	
دیکھا یہ بھی گو کہ سب کی نظروں سے گئے جب نام ترا لیں تو زباں اپنی پھرے	کیا کیسے خراب ہوتے ہم کیسے پھرے چپ ایسے ہیں گویا کہ نہیں کٹھنیں زباں
ایضاً	
آیا دل داغ کر گیا جس تسکا کیا جانے اُس نے گھر جلایا تسکا	شب ابر کہ پیش رو ہو دریا جس کا اس سے ناگاہ ایک بجلی چمکی
ایضاً	
میں کھیل کے ٹک چین سے بھی سوا کر کڑھ کڑھ کے عبت جان کو مت کھوایا کر	ہم میر سے کہتے ہیں نہ تو رویا کر پایا نہیں جاتے کا وہ درنا پایا

رباعی

ہو بھوں سے ترے لعل نے کب دم مارا
اک جھج کو ان دونوں نے برہم مارا

ابرو سے ہم تو نے کہاں خسم مارا
زلفوں کو تری ہم بھی پریشاں دکھیں

ایضاً

یا کیزہ ہے تیری طبع و خو ہے نازک
نخل سے تو ہزار پردہ تو ہے نازک

جاں سے ہے بدن لطیف درو ہے نازک
بلبل نے سمجھ کے کیا تجھے نسبت دی

ایضاً

رکھتی نہیں حد اہل وفا کی خواہش
معلوم نہیں کیا ہے خدا کی خواہش

پوچھو نہ کچھ اس بے سرو پا کی خواہش
جاتے ہیں چلے جی ہیبتوں کی خاطر

ایضاً

غیرت نے ہمیں عشق کی مارا اللہ
کہتے ہیں چنانچہ سب ہمارا اللہ

دل غم سے ہوا گداز سارا اللہ
ہے نسبت خاص تجھ سے ہر اکے تیں

ایضاً

اُس شوخ کی تکلیں نے تو جی ہی مارے
کہہ میسر گئی ہے رات کیونکر بارے

وصف اپنے دلوں کے کس سے کہیے ساکے
بالوں میں چھپا منہ نہ بکھویوں پوچھا

ایضاً

سُکس گھاٹِ حُب نے اُتارا ہمو
جاں بخش لب یار نے مارا ہمو

آبِ حیا نہیں گوارا ہم کو
دریا دریا تھا شوقِ بوسہ لیکن

ایضاً

پر بات مری سن کہ نہیں بے تاثیر
منکے کی طرح دل نہ پھرے جتنک میر

ہر چند کہ طاعت میں ہوا ہے تو پیر
تبلیغِ کبف پھرنے سے کیا کام چلے

ایضاً

جو اُس بتِ سنگدل سے کی تھی یاری
پر ہیز کرے جس سے خدا کی ساری

کیا میسر تجھے جان ہوئی تھی بھاری
بیمار بھلا کیا کوئی ہووے اُس کا

ایضاً

غفلت سے نہیں نگاہ تجھ کو پیارے
سو جھگی کبھو بھی آہ تجھ کو پیارے

در پیش ہے میر راہ تجھ کو پیارے
آتے ہیں نظر جاتے یہ سارے اسباب

رباعی

ان روزوں نہیں پاتے کہیں اپنے تئیں
جادیں ہم چھوڑ کر نہیں اپنے تئیں

کچھ میر تکلف تو نہیں اپنے تئیں
اب جی تو بہت ہی تنگ آیا ہے کاش

ایضاً

ماں دل کو تنگ قضا پر رکھے
سب کچھ موقوف اب خدا پر رکھے

راضی ملک آپ کو رضا پر رکھے
بندوں سے تو کچھ کام نہ نکلا ہے میر

ایضاً

ہزار دہائیں وقت و ہمد میرا
جوں آئینہ منہ نکا کریں ہم تیرا

حیرت ہے کہ ہو رقیب محرم تیرا
یوں عکس ترے سامنے اکثر وہ ہو

ایضاً

وہ طرزِ کلام اس اداسی باتیں
کیا ان سے کہیں یہیں خدا کی باتیں

ہم سے تو بتوں کی وہ حیا کی باتیں
دیکھیں قرآن میں فال غیروں کے لیے

ایضاً

حسرت سے گلے لگنے کی چھاتی میں ہے درد
آ نکھوں میں تمام آبِ منہ پر سب گرد

دل خوں ہے جگر داغ ہے رخسار ہے زرد
تنہائی دیکھی و فحش اگر دی

ایضاً

اُٹھ جائیں گے یہ بیٹھے ہوئے یکبارگی
افسانہ ہے پل اترتے مجلس ساری

کچھ خواب سی ہے میر یہ صحبت داری
کیا آنکھوں کو کھولا ہے تنگ گوش کو کھول

ایضاً

ہم ہو ہی چکے دکھوں کے بھرتے بھرتے
بھر آ نکھ تجھے دیکھیں نہ مرتے مرتے

دل خون ہوا ضبط ہی کرتے کرتے
اے مایہ زندگی ستم ہے یہ اگر

ایضاً

دامان بلند ابر تھوڑا رکھ تو پاک

مستی نہ کر اے میر اگر ہے ادراک

ہے عاریتی حساب نہ ہستی تیسرا	ہشیار کہ اس پر نہ پڑے گرد و خاک
کیا تم سے کہوں میرے کہانک روؤں	روؤں تو زمیں سے آسمان تک روؤں
جوں ابر جہاں جہاں بھرا ہوں غم سے	شایستہ ہوں رونے کا جہاں تک روؤں
میرا اس سے بلے کہ جو ملا بھی نہ کبھو	جی یوں ہی گیا وہ آ بھرا بھی نہ کبھو
چپ جسکے لئے لگ گئی ایسی ان کو	آن نے کچھ زیر لب کہا بھی نہ کبھو
کیا کوقت سے تحت دل کے کوٹے نکلے	نکلے جو ہوئے جگر کے کوٹے نکلے
چھاتی جو بھنی ندان جلتے جلتے	اُس میں کے پھپھوئے سارے بھوئے نکلے
تم تو اے مہرباں انوٹھے نکلے	جب ان کے پاس بیٹھے روٹھے نکلے
کیا کیئے وفا ایک بھی وعدہ نہ کیا	سچ یہ ہے کہ تم بہت ہی بھوٹے نکلے
کیا کیا اے عاشقی ستایا تو نے	کیسا کیسا ہمیں کھپایا تو نے
اول کے سلوک میں کہیں کا نہ رکھا	آخر کو ٹھکانے ہی لگایا تو نے
کیا میرے کندھ کو کریں سب ہے جمل	پایا ہم نے اُسے نہایت ہی سہل
ایسوں سے نہیں مزاج اپنا انوس	وحشی بیطور بد زبان و نا اہل
حیرت کی یہ معرکے کی جا ہے بارے	کیا پوچھتے ہو مرتے ہیں عاشق سارے
مشور ہے عشق نے لڑائی ماری	اس پر کہ گئے لوگ سب اسکے مارے
بلے اُس شخص سے جو آدم ہووے	ناز اُسکو کمال پر بہت کم ہووے
ہر گرم سخن تو گرد آوے یک خلق	ناموش رہے تو ایک عالم ہووے

<p>خوننا بہ کشتی مدام کی ہے ہم نے مرمر کے غرض تمام کی ہے ہم نے</p>	<p>رباعی ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر</p>
<p>خاطر پہ جہاں جہاں ملال آتا ہے رہ رہ گئے ہمیں یہی خیال آتا ہے</p>	<p>ایضاً موت کے جو بعد جی بحال آتا ہے وے دن گئے جان یوں چلی جاتی ہوا</p>
<p>پھر جتنی کہے کوئی سیانا مجھ کو سجدہ کو خدا کے بھی بھانا مجھ کو</p>	<p>ایضاً ہے تجھ سے مجال جی اٹھانا مجھ کو سر میرا لگا ہے نقش پاسے تیرے</p>
<p>پر جی سے نہ جائیں گی تمھاری باتیں یاروں کی نظریں میں یہ ساری باتیں</p>	<p>ایضاً میں گو کہ بھی تمھاری پیاری باتیں اتکھیں ہیں دھروئے سخن اور طرف</p>
<p>یا سیر بہار و باغ و وادی کی ہو غالب ہے یہی کہ نامرادی کی ہو</p>	<p>ایضاً ایسا نہ ہوا کہ ہم تے شادی کی ہو بزمردہ کلی کے رنگ اس گلشن میں</p>
<p>کا ہے کو غم و الم سے روتے رہتے بہتر تھا یہی کہ وہیں سوتے رہتے</p>	<p>ایضاً اتنے بھی نہ ہم خراب ہوتے رہتے سب خواب عدم سے چونکنے کے ہیں بال</p>
<p>متروک جہاں ہم ہیں وہ سب محبوب ہے کچھ بھی مناسبت کا با ہم سہلوب</p>	<p>ایضاً ہم میر بُرے اتنے ہیں وہ اتنا خوب ہم ممکن اُسے وجوب کا ہے رتبہ</p>
<p>مرات بدن نما سے وحدت ہم ہیں معنی محبوب ہے تو صورت ہم ہیں</p>	<p>ایضاً گور و کش ہفتاد و دولت ہم ہیں بے اپنے نمود اُسکی اتنی معلوم</p>
<p>ایضاً</p>	<p>ایضاً</p>

ہنگامہ سب اک لیٹ میں برہم ہوگا
ورنہ وہ باغ بھی حبسِ شہم ہوگا

عشر میں اگر یہ آتشیں دم ہوگا
تکلیف بہشت کاش بجگو نہ کریں

رباعی

ہر شام نئی ایک مصیبت گزری
یوں خاک میں ملتے ہو کہ مدت گزری

ہر صبح مرے سر پہ قیامت گزری
پامال کہ دورت ہی رہا میں دن رات

ایضاً

مٹھ خون جگر سے دم بدم دھو رہی
عالم عالم جہاں جہاں روتے ہیں

اب شہر کی گلیوں میں جو ہم ہوتے ہیں
یعنی کہ ہر ایک جاے پہ جوں ابر بہار

ایضاً

ٹکڑے ہے جگر جیسے لباسِ رویش
پھر کل تو ہیں ہے اک قیامتِ درپیش

اندیشہ مرگ سے ہے سینہ سبارش
ہاتھوں سے جو آج ہو سکے کریمجے

ایضاً

خرقہ برسوں گھلے میں ڈالا ہم نے
سجادہ گرو رکھنے نکالا ہم نے

تبلیج کو مدتوں سنبھالا ہم نے
اب آخر عمر میرے کی خاک طر

ایضاً

اب درودِ وظائف سے کیا استغفار
اسمائے الہی بھی پڑھے سنو سو بار

اب صوم و صلوٰۃ سے بھی جی پہ بیزار
عقدے نہ کھلے دل کے بسانِ سبج

ایضاً

ہر کو چہ میں سو جو ان رعنا دیکھا
ان آنکھوں سے تہنہ آہ کیا کیا دیکھا

ہر روز نیا ایک تماشا دیکھا
ولی تھی طلسمات کہ ہر جا کہ میر

ایضاً

کرتے نہ سنا ہمچہ اسف تم کو
ہم سے اب تک بھی ہے تکلف تم کو

آئی نہ سمجھو رسمِ تلطف تم کو
مرتے ہیں ہم اور اٹھ چھپاتے ہو تم

ایضاً

اسباب گیا جینے کا سارا آخر

ہجران میں کیا سب نے کنارِ آخر

نے تاب رہی نہ صبر و یار آخر	آخر کو ہوا کام ہمارا آخر
رباعی	
میرا اس کے ہوئے تھے ہم جو بار خاطر	سو یاری بخت سے ہیں بار خاطر
وہ خاک میں آپ کو ملا کر اول	آخر کو ہوئے ہیں یوں غبار خاطر
ایضاً	
بس حرص و ہوا سے میرا تم بھاگو	غفلت بکثک کے ہمارے لاگو
چلنے کی خبر ہے سفیدی ہو کی	ہونے آئی ہے صبح اب تو جاگو
ایضاً	
حاصل نہیں دنیا سے بجز دریشی	رکھتی نہیں اعتبار یاری خوشی
توفیق رفیق ہو تو سب کر کے ترک	ہے جی میں کہہ کچھ نہ کریں درویشی
ایضاً	
ہر چند کہ اسے بہ اب تاملی ہے گی	پر ہم جو گلہ کریں تو خامی ہے گی
بندے ہیں ترے کیونکہ کریں سترالی	خدمت تیری ہیں غلامی ہے گی
ایضاً	
زانو پہ قدم خم شدہ سر کو لایا	جائے ونداں کو ہم نے خالی پایا
آنکھوں کی بصارت میں تفاوت آیا	پیری نے عجب سماں ہمیں دکھلایا
ایضاً	
اوقات جوانی کے گئے عشرت میں	ایام لڑکپن کے گئے غفلت میں
پیری میں جزا فسوس کیا کیا جائے	یکبارہ کمی ہی آگئی طاقت میں
ایضاً	
تا چند تلف میرا حیا سے ہوگا	شائستہ صدمہ و فاسے ہوگا
کر ترک ملاقات بتاں کبے چیل	ان سے ہوگا سواب خدا سے ہوگا
ایضاً	
وہ عہد گیا کہ جو اس کے سینے	وہ بات نہیں رہی کہ چپکے رہے
جب جی ہی چلا گیا تو صرف کیا ہے	بصرف جو کچھ کہ سٹھ میں آئے کیے

رباعی

حسنِ ظاہر بھی ہے ہمارا دلخواہ
باغِ عالم کو چشمِ کم سے مت دیکھ
محسوسات بھی ہوں ہیں معنی آگاہ
کیا کیا ہیں رنگ بھان بھی اللہ اللہ

ایضاً

جس وقت شروع یہ حکایت ہوگی
احوال و فاکا اپنے ہر گز نہ سے
رنجیدگی یکہ گرتہ سائت ہوگی
مت پوچھ کہ کہتے میں شکایت ہوگی

ایضاً

گزرایہ کہ مشکوہ و شکایت کیجے
خوب اتنی تو اب مجھ پہ رعایت کیجے
یا آگے سخن اور حکایت کیجے
دل میرا مرے تئیں غایت کیجے

ایضاً

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دکھا
اک گوشہٴ عافیت جہاں میں ہم نے
میخانے میں جوشِ بادہ نوشاں دکھا
دیکھا تو محسوساتِ خموشاں دکھا

ایضاً

کا ہے کو کوئی خراب خوار سی ہوتا
دلوہ ملاپ ہوتا تو تو ملتے
کا ہے کو ہیں یہ جان بھاری ہوتا
اے کا شے عشقِ اختیار سی ہوتا

ایضاً

اک مرتبہ دل پہ اضطرابی آئی
کبھرا جاتا ہے ناتوانی سے جی
یعنی کہ اجل مری شتابی آئی
عاشق نہ ہوئے کہ اک خرابی آئی

ایضاً

اک وقت تھے ہم بھی خوش حال سی کرتے
آتے جو کبھو ادھر کو ٹھنٹے اُس کو
ہر نالہ سے اپنے دلخراشی کرتے
ہم گرے سے اپنے آبپاشی کرتے

ایضاً

مت مال کسی کا یا رتل کر رکھت
آیا تو قمار خانہٴ عشق میں تو
تو داؤ نہ یاں بہت سا جگر رکھتا
سریازی ہے یاں قدم سنبھل کر رکھتا

ایضاً

اغلب ہے وہ غم کا بار کھینچے گا میر بیٹھا ہے بنائے اسکی چشم میگوں	منہ دکھو کہ شکل یا کھینچے گا میر نقاش بہت خمار کھینچے گا میر
کیسویہ کہ عیش و کامرانی کرے سگ کا نہ ہو اہیں تو رتبہ حاصل	یا خوب طرح سے زندگانی کرے تا کوچے کی اُس کے پابانی کرے
ایضاً کیا کرے بیاں مصیبت اپنی پیارے رنج و ضعف و بلا اذیت محنت	ایضاً دن عمر کے تیرے غم میں گزرتے سارے پنپاسی نہ میں تو ان دکھوں کے مارے
ایضاً پھر عشق میں میر پاؤں دھرتا ہے گا سب ملے چلو بلا سے سمجھا آویں	ایضاً جی اور منتقص اپن کر تا ہے گا افسوس کہ وہ جوان مرنے لے گا
ایضاً دل تجھ پہ جلے نہ کیونکہ میر اہلیاب واں ان نے شراب پی کے مستی میں میر	ایضاً یاں تھکو تو قہ ہے کہ لانا ہے جواب کر کھائے بھی نامہ بر کو تر کے کباب
ایضاً کہتا ہے یہ اپنی آنکھوں دکھیں گے فقیر اندھے ہیں جہاں کے لوگ سارے لے میر	ایضاً بتیش نہیں رکھتے کیا جواں ہوں کیا میر سوچھے نہ جسے اُسے یہ کہتے ہیں بھیر
ایضاً پنمبر حق کہ حق دکھایا اُس کا سایہ جو اُسے تہ تھا یہ باعث ہے گا	ایضاً مورج ہے کترین پایا اُس کا کل حشر کو سب یہ ہوگا سایا اُس کا
ایضاً چپکے رہنا نہ میر دل میں ٹھانو اک حرف نہ کہہ سکو گے وقت رفتن	ایضاً بولو چالو کس مہار امانو چلنے کو زبان کے غنیمت جانو
ایضاً کی حسن نے تجھ سے یوفائی آخر	ایضاً خوبی نہ رہی نہ میر زانی آخر

رواق نہ رہی غبار خط سے منہ پر
اس بنزوم نے خاک اڑالی آخر

رباعی

یاروں کو کدورتیں ہیں اب تو ہم سے
میں روز کھلے گی صاف سب پر یہ بات
جس روز کہ ہم جائیں گے اس عالم سے
اس بنزوم کی رونق تھی ہمارے دم سے

ایضاً

کوچے میں ترے آن کے اڑ بھی بیٹھے
حاصل کہ ہمارے تیرے ہرگز نہ بنی
بے بیج ہر اک بات پر لڑ بھی بیٹھے
سو سو طرحوں سے ہم بگڑ بھی بیٹھے

ایضاً

تیرا بے دل غم فرو بھی ہو گا
کھانے کو دیا ہے حق نے جب کو
اندیشہ رزق کم کبھو بھی ہو گا
کل بھی دیو گیا کل جو تو بھی ہو گا

ایضاً

کو غم ہے کہ اب فکر امیری کرے
آگے مرنے کے خاک ہو جائے میر
بن آوے تو اندیشہ امیری کرے
یعنی کہ کوئی روز فقیری کرے

ایضاً

ہیں قید نفس میں تنگ یوں تو کب کے
اس موسم گل میں میسر دکھیں کیا ہو
رہتے تھے گلے ہزار نیچے لب کے
ہے جان کو بے کلی نہایت اب کے

ایضاً

رخش کی کوئی اس کی روایت نہ سنی
تھا میر عجیب فقیر صابر شاہ کر
بھرنے کو سو وقت حکایت نہ سنی
ہم نے اس سے کبھو حکایت نہ سنی

رباعیات مستزاد

دلی میں بہت سخت کی اب کی گزران
غمیست نہ رہی عاقبت کا نہ شان
دل کو کرسنگ
کھینچا یہ ننگ
یاروں میں نہ تھا کوئی مروت جو کرے
تا نہ نظر صاف پڑے تھے میدان
اُجڑے تھے گھر
عرصہ تھا تنگ

رباعیات مستزاد

بہل ب چپ رہ
ایذا ہی سہم
جو ہوا خس
آگے مت کہہ

تک میر زمانے سے نہ کرتا مقال
ہر چند خموشی ہے سخن گو کو وبال
ایسا نہیں یہ قصہ کا ہش انرا
اٹھ سوئے ہو چکا ہے پھلوں کا حال

ایضاً

اب تو ہے وبال
سوہم و خیال
تب ہی سب
غنائے مثال

ہستی کا یہ ہنگامہ تمام اُس کا ہے
شہرت کہ جواب جہاں جہاں برجا ہے
جھوکے میں اُڑے باد فنا کے جب اب
پھرام سوا جہاں میں رہتا کیا ہے

ایضاً

تھا عہد شباب
سے کچھ بھی حساب
یہ کیا ہے خیال
اے خانہ خراب

منم جو نبھے ترے بناتے تھے در
پیری میں بناو ہم پر رکھنا کشر
اب جی ہی لگا ضعف سے ڈھنے تیرا
طاقت صرف عمارتِ دل ہی کر

ایضاً

ہو ہو کر تنگ
اتنا ہے تنگ
ہو جی میں کہ اب
پر تو ہے تنگ

تا چند غم دل سے حکایت کر لے
کس کس سے شب و روز شکایت کر لے
سخنی کوئی اے صنم کہاں تک کھینچے
ہو نالہ ترے دل میں سرایت کر لے

ایضاً

کیا کہیے کہ آہ
غم ہے جانکاہ
چھپ چھپ کر
سبحان اللہ

کیا کیا آتی ہے اپنے جی میں لیکن
محراب میں سرار ہے کب تک تجھ بن
تو مست گزارہ ہووے غیروں کی جا
ہم پھرتے تسبیح پھریں سارے دن

قطعات

جی ہی گیا ندان رضا میں حسینؑ کا
خون تھا سبیل راہ خدا میں حسینؑ کا

اللہ کیا جگر تھا جفا میں حسینؑ کا
اُس تشنہ لب عرش سے برتر ہے مرتبہ

قطعہ

تو کہتو جب چلا ہوں میں تب سکا جی نکلتا تھا
ترپتا تھا ادھر میں یار ادھر ہاتھ نکولتا تھا

جواے قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا
سماں افسوس بتیابی سے تھا کل قتل میں میرے

قطعہ

بے درد سر بھی صبح تلک سر دھنا کیا
جس پر نہ چھوڑا دل کو میں تنکے چنا کیا

قصہ تمام میر کا شب کو سنا کیا
دل چشم بھی نگہ نے دھتورا دیا مجھے



ترکیب بند

میر تقی میر دہلوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترکیب بند

سو ندر ہے اس پر گر نظر ہے
ہر گام پہ جان کا خطر ہے
پتھر کے جگر میں بھی شر ہے
زاہد تو تو مہنوز خسر ہے
عاشق میں تو ایک پھر ہنر ہے
تیری مشیر میرا سر ہے
ہم ہیں دشمن ہے اور جگر ہے
خواباں یہ تو تھارا گھر ہے
ہونٹھوں پہ نہ حرف کا اثر ہے

میری تو بساط چشم تر ہے
اس دشت میں زندہ ہوں میں جس میں
گر می تو کر اے صنم کہ آخسر
پیری میں بھی بوجھ ملک نہ پکڑا
مرا ہوں جو میں تو عیب مت کر
کیا ہوتا ہے قتل گہ میں دیکھیں
کہہ تو ہی کہاں ملک کریں صبر
آنے سے ڈرو نہ دل میں میرے
بر نیر گلہ ہوں گر چہ تسکین

چپ ہوں گویا ہوں بے زباں میں

رکھتا ہوں عجب لب و ہاں میں

مارا جاتا ہوں درمیاں میں
فارغ ہوا دے کے ہتھاں میں
مارا کا ہے کو یہ جواں میں
کوئی دم کا ہوں میساں میں

تقصیر ہے بوالہوس کی اور مفت
اُکسا بھی نہ تیغ کھا کے بارے
اے طفل کے گا بعد میسر
ہوں میں تو چراغِ اخیر شب کا

<p>ہونے تئیں صبح کے کہاں میں پھرتا ہوں ڈباے خانہاں میں بیچارہ غریب ہو نگاریاں میں کچھ غم میں ہوا ہوں وضع خواں میں غیر بال تمام کر کہاں میں</p>	<p>دلسوزی مری کر اسے صبا تک رونے ہی کو رہتا ہے گاتا صبح کوئی نہیں شہر غم میں مسیرا غم کہہ کے روتا ہوں میں سب کو پانی نہ وفا کسی میں دیکھا</p>
<p>بارے میں یہ سب دیار دیکھا ہر کوئی یہ کو بار بار دیکھا</p>	
<p>اپنے دل کا غبار دیکھا تو نے نہ ادھر کو بار دیکھا جاناں ترا اعتبار دیکھا اے جان اُمید وار دیکھا ہم نے جی کو نگار دیکھا صحرائیں جدھر کو خار دیکھا یار وہ جہاں کا پیار دیکھا طرز و وضع و شعار دیکھا</p>	<p>شب ہی عالم میں ہو گئی تھی آنکھیں گئیں روتے روتے لیکن اب وعدہ تکر زیادہ بس ہم کہتے تھے یہ ہم نہ کرتے دامن میں گرا ہو ٹکڑے ٹکڑے آنکھوں سے اٹھایا آبلوں کے پوچھا نہ ہمارے بعد ہم کو نہت تئیں دید کر کہاں کا</p>
<p>دیکھا تو طمان کوئی ہم فن دیکھے یہاں شیخ اور بہمن</p>	
<p>نکلا سو معارفے میں کو دن ہو نہٹھوں پہ دھار ہے شیون یاں سے کچھ سیکھ مرغ گلشن چھتا ہے جگر میں ہو کے سوزن ہر خوشے میں شعلوں کے ہیں خرمین اشک گلگوں سے طسرت دامن ہو دیں ابھی موم سنگ دامن گر خود دوزرہ نہ ہو نہ بوشن</p>	<p>عقل اوّل کو اک سنا تھا آنکھوں میں ٹھہر رہے ہیں آنسو شیوہ ہے ہمارا نالہ کرنا تجھ بن نہیں سانس اور کچھ ہے اے برق ادھر نہ آ ہمارے ہم دے ہیں کہ باغ کر دکھائیں سختی آیام کی جو کہیں کیا تجھ سے سپہ گری جتا دیں</p>

بمجرد نہ سینگے ہم جوڑ جائیں بھاگے ابھی جان لے تھمتن

ایسے تو ہیں پروفا میں ویسے
خواباں تم ہو جھٹ میں جیسے

پھر جاتے ہیں غیر اس سے ملنے
رسم رستم عشق ہمیں گے کیونکر
سرخش نہ ہو زبرد سرخ ان
ہے بندہ تو اولیٰ سلم مجھ پر
گو موسم دے خاک ہو مجھ سے
ہلک دیکھ فلک نے شاہ خواباں
سرنیچے سو عشق میں رکھے پا
ہاتھوں میں مرے ہیں غ خواباں
کیا تجھ سے کہوں معاش اپنی

آستے نہیں باز ایسے تیسے
مٹھ موڑیں نہ لڑوں یا ایسے سے
پامال کیے ہیں کیسے کیسے
ہم نالہ نہ کر تو مجھ کو نے سے
دل گرمی ہے مجھ کو زبرد سے
کیا کچھ کیے خاندان کیسے
واقف نہیں دل تو یاں کیسے
کہتے ہیں کہ اس کئے ہیں پیسے
یارے گزرے ہے جیسے تیسے

رہتا ہے غرض ہمیشہ سودا
کو چہ کو چہ ہوا ہوں رسوا

وہ تشنہ دہن ہوں دل جلا ہوں
کہتے ہو جسے فلک ہوا ہے
کھلتا تو سہی کبھی بلا سے
اب جان سے جاتا آ رہا ہے
ہو جس کی خراب عاقبت بھی
میں ہوں کہ سر آمد جنوں ہوں
وہ خستہ ہوں میں ہی جس کو کہیے
یہ کچھ جو میں کہ تمباستاں میں
یا تو نہیں بکا میں کچھ تو بولو
سودا نہیں کچھ دگر نہ مجھ کو

لب حیش جس کا نہ ہو وہ دریا
میرے ہی غبار و ل سے پیدا
دل میرا ہی کاش غنچہ ہوتا
موقوف اشارہ تقاضا
وہ میں ہوں کہ دین ہے نہ دنیا
مجنوں کو خلیفہ میں کیا تھا
رونق افسرانے کوہ و صحرا
خاطر میں تمھاری بھی کچھ آیا
خواباں ہو تو خامشی ہے یہ کیا
کرتا ہے کوئی زبان جی کا

	گراتنے پہ دل بُرا ہے میرا موقوف کر د خدا ہے میرا	
پراس میں بہاں بھلا ہے میرا جی دینا تو مدعا ہے میرا مُدت سے یہ سر لگا ہے میرا گلتا صنم اس میں کیا ہے میرا ٹھک دیکھ کہ یہ بہا ہے میرا کٹ کٹ کے جگر گرا ہے میرا کچھ ہوشیہ و فنا ہے میرا دل زور ہی من چلا ہے میرا مرگاں پہ جگر رہا ہے میرا		تم کو تو ہے کیا مرے مے سے مرنے سے ڈرنا نہ محب کو قاتل زہنہ رخت کہ اُس کے پیر سودا برضا ہے مل ہر اک سے یک نیم نگہ سے مول لے چک میں ہوں کہ ہلا اہل الم سے جاؤ کہ رہو یہ جی جفا سے کامل کو نہ کھول اُجھنے کو جوں توں کر کے پیش سے شب کو
	کل تک تو مرا یہ دل بجا تھا اپنا دلخواہ مدعا تھا	
اقبال مرا کوئی بلا تھا کیا جانوں نلکے جی میں کیا تھا آخر کوئی میرا بھی خدا تھا سو سو طرفوں سے خوں بہا تھا اندوہ تنک مجھے ہوا تھا جس جاگہ مرا عسرق گرا تھا بیگانہ ہے جو کہ آشنا تھا		تھے جن و ملک جلو میں میری تھاروے زمیں یہ شاد و خرم ایسا ہی نہ تھا بتوں میں آگے ہوتے جو شہید یک تما اک روز چنانچہ ہول دل سے لو ہو دیا اپنا دوستوں نے ہوں اب جو بلا میں مبتلا میں
	یہ رنج و بلا و درد و محنت اے وائے حواس صبر و طاقت	
ہم سے بھی صبر و رے مروت آخر کو نہ بھیجے تاخالت دیتا ہے زمانہ کس کو فرصت		ایدھر بھی کبھو تک ایک چشمک مت فرصتِ وقت سے ہو غافل ہر آن میں اپنی تربیت کمر

غیروں کے رہو گے دیر تک تم کیا تم سے کہیں سلوک تجھ پر اس قطرہ تو ہے پر نہ ہاتھ اٹھاؤ خالی دل پُر کو ہم بھی کرتے بس میرا ہو تو کروں منادی	ہم کو تو سویرے کرے نصرت دل میں نہ رکھی ہمارے حسرت دریا کو کرے ہے یہ کھسایت افسوس نہ دی اجل نے فرصت کوئی نہ کرے کہیں محبت
---	--

گردن ماریں شاہی اُس کو
رکھے جو کسی سے میر الفت

ترکیب بند دیگر

عمر گزری ہو چکا آسودگی کا روزگار محرکہ ہے یکطرف دونوں ہوئے ہیں سامنے مجملہ ہے گتہ رہے یکطرف ہیں کتے جو یہ عاشقی جب کی تھی میں نے تبت نفیس بیخواریاں سینہ دیکھو چاک مٹھ ناخن سے سب نوجا ہوا	رنج و محنت کے تیراں رام سے ہننگ عار رخسہم دل کی یہ ہنسی وہ گریہ بے اختیار صبر سے بے طاقتی دل اور در بے شمار کیا کہوں کیا کچھ دکھاتا ہے تجھے اب بھر بار آنکھیں دیکھو دو لبی تو نہیں جی کو دیکھو بیقرار
--	---

ایک گفنی عشق را دریاں بہجراں کردہ اند
کاشکس میگفتی کہ حجب راں را چہ دریاں کردہ اند

اک کنارے دے تو جو پہنکے زمیں کے زیریاں دو قدم پر ہے یہ ہنگامہ ترے کپے کے زنج مٹھ نہ کھانے والے تلواروں کے بھوکے موت کے دھڑ نہیں سر ہی پڑا ہے سر نہیں تو دھڑی بڑ غمر دے بے خانماں بیارے بے کس غریب	خاک پر سہل پڑے ہیں کیسے کیسے شیریاں آشابی کچھ نہیں گئے کی تجھ کو دیریاں سیکڑوں لیجا ہیں دے جینے ہے جو تھے سیریاں ہیں زیارت کردنی صد کشتہ رہمشیریاں زخموں کے دامن کے مٹھ پر ہے ہیں پھریریاں
---	--

گر تو ہم آئی ہے طوب شہیداں دور نیست
گر یہ می آید در نجی راہ چنداں دور نیست

لے لپیٹ اک آن میں حشت سے یہ سارا جہاں تیرہ کر عالم کو رہ سہرا یہ گرد و غبار	خاک اوڑا ہر ایک م میں کارواں رکاوٹاں چشم مار و شش تو ہو آوارہ کون بکاں
--	---

کھینچنا سر کا مبارک ہو تجھے تا آسمان
پیش رو رکھتے ہیں سارے خاطر و انداز
کوئی دم وقفہ کرے یا دیر ہو دے تجھ کو یاں

یک قدم اے گرد باد امن صحرا باہست
در قفا ماندہ است مشت خاک تا تنہا باہست

یمن بخشے طے کیا کرنا زمین کا تیرے تئیں
لیکن اتنا ہی برا شفق نہ ہو جانا کہیں
سو خدا نا کردہ ہم کہتے نہیں سناہ سے

گرچہ ہجر میں ترے جاناں تھا جی میر اچلا
وصل خاطر خواہ تو معلوم تھا میرے تئیں
گاہ با شدرم کو بھی رحم فراوے وہ شوخ
ایک ساعت پاس بیٹھے دردِ دل میرا نے
سو تو یہ سب ہو چکا ہے کاشکے ملنا نہ تو

یہ یہ تھا دل میں کہ شاید دے تو داد و وفا
اس دل کو لگ رہی تھی جتنا کہ تھا میں جدا
دیکھ مجھ نا کام کو یکدم کرے ترک جفا
کر کے غنچواری کرے یہ تیرے تئیں کیا ہو گیا
ایسے آجانے کا تیرے کون یاں مشتاق تھا

آمدی و حسرت وصل از دلم برداشتی
حسرتے بود از وصال آن ہم یمن نہ گزاشتی

ہیں خرابے آج جتنے کل یہ تھے لوگوں کے گھر
طاق کسریٰ تو سنا ہو گا کہ کیسا تھا محل
گھر کا صاحب تو اڑا کر کے کیسا خاک سے
خط باطل سے لکھا ہے صفحہ کون و مکان
کیسے کیسے خانوادے خاک میں یاں مل گئے

میت بنائے خانہ میں منسم رہا کر اس قدر
اب کہیں اس طاق کا کسریٰ کے پیدا ہے اثر
اینٹ ماریں اینٹ سے یہ کچھ ہوا اس گھر اوپر
کیوں دماغ اتنا جلتا رہے ہو تو کدھر
جائے عبرت ہے یہ معمورہ جہاں کا بے خبر

سر کجا افتادہ بینی خشت ویرانہ
ہست فرد دستہ احوال صاحب خانہ

کم بہت سُننے میں آتا ہے کوئی رنجور ہے
روشنی آنکھوں کی ہے منظور ساری خلق کو
ہم کہنے بھی تھے یہ دواش کے پر کا لے کھو
ایک نے مارا جھڑک کر جی سے ہم کو آبِ اغ
ہم کو حیرانی ہے اس میں جھک سکتے ہیں اُسے
اسر شکِ گرم واکو اتشیں یدیم و بس

یا کسی مجروح کا زخم جگر ناسور ہے
قوتِ دل کا جھڑک دیکھو تر صحر مذکور ہے
ان سے ہم ایذا جو کھینچی ہے کسے مقدور ہے
ایک نے جیسا جلایا اب تلک مشہور ہے
ان سی دونوں آفتوں کی بردش منظور ہے

بہرہ گز چشمِ دول یدیم این یدیم و بس

<p>گفتنی ہو تو کہوں اے میر میں کچھ اسکا حال چاہتا ہے سیم وزر یا کوئی دلبر خوش جمال عشق بازی مفلسی آرزوگی رنج و مال نہ کسی کے چاند نہ کھڑے کا بجو ہوا مال نہ غم درد جذباتی ہے نہ اندوہ وصال</p>	<p>دل نہیں مجھ کو ملا یہ کوئی جی کا ہے ویاں خود بخود جاتا ہے کہتا آرزو کیا ہے اسے یاد میں میری ہوا ہو کچھ سبب تو ہے بجا نہ گسو کے گیسو کا کل کا وابستہ ہوں میں کیا کروں ایذا ہے بے موجب غرض مجھے بیاں</p>
--	---

<p>نہیں عارض بظاہر لیک میکا ہر دلم عمر بگزشت و نیند اتم چہ می خواہد و لم</p>

نعت و منقبت

میر تقی میر دہلوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پرسد سن در نعت پیرو رکائات صلعم

جرم کی کھوشتر مگینی یا رسول
کھینچوں ہوں نقصان دہی یا رسول
اور خاطر کی حسد بنی یا رسول
تیری رحمت ہے یقینی یا رسول

رحمتہ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

لطف تیرا عام ہے کرم رحمت
مجرم عاجز ہوں کر تک تقویت
ہے کرم سے تیرے چشم کرمیت
تو ہے صاحب تجھ سے ہے یہ مسلت

رحمتہ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

کیا سیہ کاری نے منہ کالا کیا
رحم کر خاکِ مذلت سے اٹھا
بات کرنے کا نہیں کچھ منہ رہا
میرے عفو جرم کی تخصیص کیا

رحمتہ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

اب ٹھہرا تک نہیں پائے ثبات
جرم کیا ہیں میری کتنی شکلات
دستگیری کر کہ پاؤں میں نجات
ہے کفایت ایک تیری التفات

رحمتہ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

دہر زیر سایہ لطف مجسم	خلق سب وابستہ رخلق عظیم
تجھ سے جو یائے کرم عاجم اشیم	سخت حاجت مند ہیں ہم تو کریم
رحمۃ للعالمین یا رسول	ہم شفیع المذنبین یا رسول
ہم جو رہے ہیں ہم جو دین کے خطب	سر پہ یہ اعمال لائے ہیں غضب
رکھتے ہیں چشم غنایت تجھ سے سب	تجھ سوا کس سے کہیں حوال اب
رحمۃ للعالمین یا رسول	ہم شفیع المذنبین یا رسول
نیک و بد تیرے ثنا خوان ہم	لطف تیرا آرزو بخش ام
ملفت ہو تو تو کا ہے کا ہے غم	تو رحیم اور مستحق رحم ہم
رحمۃ للعالمین یا رسول	ہم شفیع المذنبین یا رسول
روؤں ہوں شرم گنہ سے زار زار	بے غنایت کچھ نہیں سلوب کار
دل کو جب ہوتا ہے آکر اضطراب	زیر لب کہتا ہوں یہ میں بار بار
رحمۃ للعالمین یا رسول	ہم شفیع المذنبین یا رسول
سبز بریا ہو گا جب تیرا نشان	آفتاب حشر میں بہسراں
ہو و گی انواع خلقت جمع وال	کیوں نہ ہو سایے میں اسکے وہاں
رحمۃ للعالمین یا رسول	ہم شفیع المذنبین یا رسول
رو سیاہی جرم سے ہے بیشتر	رو سفیدوں میں خجل مجھ کو نہ کر
ایک کیا آنکھیں میں میری ہی دھر	تجھ سے رنجی بے بصراہ نظر
رحمۃ للعالمین یا رسول	ہم شفیع المذنبین یا رسول
کچھ بھی جو ہیں واقف راز و نیاز	عام تجھ انعام پر کر چشم باز

شعریہ مشہور سب وے دگداز | پڑھتے ہیں جائے دعا بعد از نماز

رحمۃ للعالمین یا رسول
ہم شفیع المذنبین یا رسول

جب تلک تاثیر کا تھا کچھ گماں | گم قرآن خواں میرے تھے گہ سہ خواں
وقت یکساں تو نہیں اور دوتاں | اب یہی ہے ہر زماں و روز باں

رحمۃ للعالمین یا رسول
ہم شفیع المذنبین یا رسول

قصیدہ در تقبوت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

رنگ گل بھیکے ہے ہر بات ہرے کے اچھل
خوبی دکش گل دیکھنے کو ہو احوال
لالہ و زنگس و گل سے ہیں بھرے دشت و جبل
سبزہ غلطاں ہے لب جو یہ کہ خواب محفل
زنگس و گنتی ہے جہاں بولی تھی دہقان بصل
خشک بھی شاخ نے اب سبز نکالی کو بل
دونوں نکلے ہیں تہ خاک سے اب دست بقل
آگ کی گر کمیں سلاک کے رکھے ہیں منقل
کو گلبن کے تے آپ بھی اب پڑھئے غزل

جب سے غور شد ہوا ہے چین افروز محفل
وقت وہ ہے کہ زبس شوق سے چشم لبس
جوش گل یہ ہے جہاں تک کرے ہے کام نظر
لطف روئیدگی مت پوچھ کہ میں شبے میں ہوں
چشم رکھتا ہے تو چل فیض ہو اکوٹک دیکھ
سیر کر تازگی و خستہ می و شادابی
خون خیالہ کش عاشقی و پچھ گھٹ
برگ گل فیض ہو اکرتا ہے ہر خشک کو
بیت بچی کے تیں مرغ چین آئے ہزار

مطلع ثانی

آتش محفل سے جلا کر تاسے سارا جنب محفل
آفتاب آوے ہے یاں کو جلا کر شعل
مارے ڈالے ہے یہ برسات ہماری کی کہل
یوں بھی کر دیکھا ہے دل عقدہ ہے مالا نخل
کیسی محبوب گئیں صورتیں گل میں زل

نکلے ہے لالہ زبس چاک کر اب سینہ تل
تیرگی اپنے تارے کی ہے سب پر روشن
آدگر یہ قیامت ہے آگن میں جی کی
غنیچہ خام کو جوں پھونک کے کھوے ہے طفل
تویوں ہی کھینچے ہے یہ نقش بر آب اے مستم
لے غزل :- اکل از فیض ہما سبز شور و در منقل +

جنس دل مفت ہے سینے میں عجب کیا ہو
شیخ کے قد کی درازی کے تین حال میں دیکھ
کو دے کو جو اٹھا سر پہ اٹھالی مجلس
پردے میں دوستی کے میر کا جی تک تولیا
کیا میں اندھیر فلک کے کہ نہیں ملتی داد
جو ہے سود ست بدل خاک بسر ہے اس سے
موتے سرتک تو عدد ویدہ شور اُس کا ہے
پنچہ خور کہ زرا ندو کیا اُن نے جسے
سُرخ رہتی ہے مڑہ خط شاعری سخی ہنوز
درد سر میں ہے جو موجود ہے دور اسکے میں
وقت ہے اپنے تفسیری کی مدد کا یا شاہ

اغزے سے درد میں نکھوں سے چرائیں کا جل
یاد آتا ہے جوانوں کے تیں رقصِ جمیل
دیکھے بیٹھے جو پھر اونٹ تو بیٹھے کس کل
مدعی کتنے تھے اُس کے یہ محبت بیتل
روزِ خورشید نکلتا ہے حبلِ اکرم مشعل
میں بھی نکلوں ہوں سدا منہ پہ کفِ خاکِ کفل
آج دیکھے کسو سر پر تو اُسے چاہے کل
مرتعش باندھے ہیں اکثر شعرا بعضے شل
چشمِ خورشید سے کھولی نہ نکھوں نے سبل
صبح آنکھ سے سدا ماتھے کو ملکر صندل
روز و شب رہتی ہو اُس موزی ہی سے جنگ و جدل

مطلع ثانی

اے کہ اک تو ہی ہوا عالمِ اسرارِ ازل
تیری وہ ذات مقدس ہے کہ آیتے ہوئے نام
تیری درگاہ میں جبریل کے پر کیوں نہ طیں
دور از بسکہ کھنچا عرش سے رتبہ تیرا
مرجا شاہی تری سلِ علیٰ حباہ ترا
فرش ہونا ترے زائر کا سعادت تھی ولے
وہ تختیں جسے دے عالمِ اسرارِ آلہ
آخر اب آکے ترے درس میں نکتہ یہ نکلا
جی میں گذرے بھی تو نکلتے ہے ترے درس کے
رفعِ بدعت پہ جب آوے تری طبعِ اقدس
لقمہ ظلم نہیں پچتا عدالت میں تری
حالتِ نزع میں گر نامِ زباں پر ہو ترا
بسکہ غالب ہے ترے اسرارِ اسے عجب

اے کہ سو جان سے عاشق ہو ترا حسنِ عمل
منہ سے ناخو استہ بھی صلِ علیٰ جائے مکمل
میں ہے نورِ جلالی خدا عزمِ دل
حرف تیرا ہے ترے شیعوں کو دوحی منزل
کہ ہوا تحتِ تراددِ شش نبی مرسل
کیا کرے چادرِ متاب کہ تھی متعل
مانے جسکو گئے دہر کے کاملِ اکل
ناقص محض چلا جائے تھا عقلِ قل
معنی تازہ سے بدلا ہوا لفظِ مکمل
کیا عجب شعلہ آواز سے جل جائے نرسل
باز نگلی ہوئی چڑیا کے تیں دے ہو اگل
یک رنق جانِ حیاتِ ابدی سے ہو بدل
ہو بچے گر حشرِ تلک تو بتِ شاہی زحل

کیا ترے کشفِ بیاں کرنے کی کہئے تاثیر
تو غضب ہوئے مبادا کسو اور کہ شہا
تب ہوا دین محمدؐ کا بزدل شمشیر
حق سے یہ نسبت کہ رہی بھی موقوف
سن کے یہ نظم و نسق دہریہ جو تو نے کیا
کوئی یوں سرکشی سے اپنی کہے کچھ لیکن
جی میں ہے اور بھی مطلع کے تئیں کہیے نمود

طبع گویندہ یہاں حال ہواستقبل
مرگ ملتی بھی ہے پر طلتی نہیں یہ کھول
تو نے برہم کیے جب کتنے ہی ادیان و مل
بھی پر مصلحت کا یہ خداوند اجل
جمع ہو جاتے ہیں شاعر کے حواسِ مختل
سجدہ ہی کیجئے مجھے یہ ہے ترا قدر و محل
دل کو تسکین نہیں بخشتا و صعبِ محل

المطلع الرابع

اے کہ طاقت ہے زمانے میں تری طرف
یکطرف میں نے کیا فرض ترے بندے کو
کشتنی مدعی کی اور کی میں کیسے کہوں
میان سے جبکہ گھسیٹی اُدھر اُن نے تلوار
درہمی آگئی ایک بار صفِ اعدا میں
تیرگی بخش جہاں بسکہ ہوا سرسہ گرد
رستم و سام جسے فرض کرے تو دل میں
کھل گیا دوش سے لے تا کمر اللہ اللہ
برہمی کا رگہ رزم کی مت پوچھ کہ تھا
جمع ہو آیا تھا اسرا یک پر اک جمِ غفیر
کر کے سرگوشی جسے پوچھتے ہیں بھاگے ہوئے
یہ ہے یا خالی ہے میدانِ گمراہی کی تیغ
کیا بیاں کیجیے اب لشکرِ اعدا کی مواش
چھوٹے ہیں زخم سے ہر ایک کے قوارہ خوں
سُرخ تر خیمِ شجاعاں میں نظر آتی ہے

یہیچہ زور کے آگے ترے یہ سپرِ بھل
دوسری سمت کیا جمع عدد کا ڈنگل
ہر جواں برج سا پھر کوہ کے مانند اجل
باعثِ تیرگی چشمِ حق وہ برقِ اجل
ایک دو ہاتھ کے چلنے میں بڑی یہ باطل
چشمِ خورشید فلک پر تھی مثالِ مکمل
نفسہ کر سامنے آواز کیا جب اُٹھل
ایک ہی زخم ہے دشمن کے گلے کی سیکل
کوہ پر کوہ فلک پر تھی زمیں دل پر دل
اکثر اس میں سے گئے مارے کچھ اک بھاگے دہل
آتی ہے غیب سے آواز ہوا وہ فیصل
اُڑوا بھی کہ گئی خلق کو یکدم میں بھگل
مخرجِ خوں ہے دہاں زخم کا بیگا نخل
ہر طرف دشت میں جاری ہو ہو کی جدول
خون سے مسلخِ قصاب کی خاکِ مقتل

قطعہ

ادہم خامہ بھی لکھتے ہوئے جاتا ہے اچھل

کیا لکھوں اس سب سبیر کی اسکے قریف

جب غناں اُسکی اُچک لیتا ہے اُسکا کلب
اس نلک سیر کا سید ان مقبر رہ گیا
اُگیا اس میں نظر جانا کسو شخص کو تو
قابو پانے کے لیے اسکے سوار اُس پہ سدا
راکب اُس کا کرے ہے نکلے تبسم یہ بات
جان یہ ہے ترے گھوڑے میں تار و زحرا
اک مصوّر نے اُسے دیکھ کے دوڑایا خیال
سرو سینہ کو کمر تک تو بنایا رکھ ہاتھ
آبلے جیسے ستارے ہیں مرے دل کے پنج
آج تجھ نیر اعظم کی خلافت کا ہے روز

جلدی پویر میں دکھلاوے ہو کیا کیا چھل بل
تنگ و پوکے لیے اٹھائے ابد اور ازل
مارتے بل کے گیا اُس کو چھلاوا سا چھل
کہتے ہیں ندی اس اسپ کے تین مارے جل
یعنی ان گیدیوں کے کچھ ہے داغوں میں تھل
گر دکو اُسکے نہ ہوئے گی کبھو اُس کی جل
دیکھوں اس بادی مجھ سے بھی سکے شکل بکل
اُڑ گیا صفحہ کا غد پہ سے چھوٹے ہی کفل
بس کہ اس چرخ سپہ رو سے رہا نہیں جل
داد دے میری کہ دیکھوں میں اسے مشاغل

صاف ہوزنگ دل میر کہ احباب میں ہے
داسطے ترے مخالف کے ہیں تنہیں ضعیف

قصیدہ درج حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

اک شب کیا تھا یا رتری زلف کا خیاں
میں مر گیا فراق میں پر اب یہ کیا ہے ظلم
جہنم ہوئی مژدہ کو ادھر گر گئی سناں
آیا ہے یاد قیس بہت اب کہ ہوں تنگ
خوشوقت ملک تو ہوں یہ کہیں کا نہیں ہوں پھر
رنگ اُڑ گیا تبھی کہ ہوا تجھ سے چہرہ گل
دورخ ہو میرے سرم کتہ کی عرق میں غرق
خوشقامتی کو آہ کے کب پہونچتا ہے سرد
حیرت بسا ہی جان کو اپنی تمام غم
یک روز بے نقاب ہوا تھا تو صبح کو
تھی سیر ترے کو جہ میں عشاق کی معاش

اب تک ہے دشمنی میں مری میرا بال بال
جنتی گڑھی ہے ساتھ مرے حسرت وصال
اب روئے ترے کہ ادھر کٹ گیا ہلال
اسکے بھلاوے محبو نہیں چھوڑتے غزال
آزردہ ہوئے مجھ سے اگر خاطر ملال
رکھے ہے اب نسیم کی سیلی سے منہ کو لال
لیکن نہیں ہنوز تجھے ملک بھی انفعال
ہے یہ تو بارغ رنگ شکستہ کا نو نہال
ملک چشم آئینہ نے ترا دیکھ کر حمال
اب تک ہے آفتاب چہاں تاب پر زوال
کتنے شکستہ دل تجھے بہت تھے خراب حال

جتنے غرض تھے سب کو قہیں تھا کہ مرچے
کبتک صفت تہوں کی خدا سے تو خوف کر
پڑھ منقبت یہ شاہ کی جس سے نجات ہو
بخشش سے جسکی حرف طلب محو ہو گیا
ہے معن اُس کے مطیع عالی کا کاسہ لیں
آوے اگر عطا و کرم پر وہ ایک دم
کہتا ہوں اب میں مطلع ثانی کہ ہوں تبتک

کوئی نہ تھا کہ جسکو ہو جینے کا اہمال
اے طبع رہ نہ اتنی بھی پابند خط و خال
وہ شاہ جسکے ایک گدا کو ہے یہ کمال
کم اُسکے وقت میں ہر بہت نوبت سوال
دستار خواں کا اُسکے ہے حاتم اک آسمان
خسر کی ہفت گنج تو پھر کیا ہیں چیز مال
وسعت رکھے ہے بسکہ یہ میدان قیل قال

مطلع ثانی

اے نائب مصاحب داور بہیمال
تو ہے کہ تیرے عدل کی نظم و نسق کو سن

وے مشورت شریک خداوند لایزال
اُٹھ جائے دفعہ ہی مزاجوں سے اہمال

قطعہ

چاہے خدا نخواستہ اس کا اگر تو ر غم
شاہ ترا غلام ہو ایک اور ایک طرف
تیر و کماں کو ہاتھ میں لے جب ہو سامنے
جسدم کہ زور بازو سے آکر لگا دے تیر
چٹکی سے اُسکی ہو کے جدا تیر پر لگائے
اکھل کی جسکے سینے میں مارے ہو تیر بخش
پشت عدو کی اور ہو پیکان یوں نمود

تو منحرف مقام سے ہو خط اعتدال
سنگیں ہو فوج دشمن اگر کوہ کی مثال
ہے اُسکو اپنے زور شجاعت سے یہ کمال
بھو میں دوسار ہو ویں اگر آہنیں جبال
جو اُسکے سامنے ہو رے اڑکے لائے بھال
سندھ دیکھو مدعی جو رکھے اپنے تئیں بنگال
جیسے کہ سانپ بیٹھے ہے بانی سے سرنکال

قطعہ

بالفرض اُس پر چوٹ کرے آکے مدعی
اس جھوک ہی میں ہاتھ مع تیغ لٹ جائے
سننے تھے وہ مثل سوہیں ہوتی ہر درست

خالی دے اُسکے وار کو دوسے زمین بڑال
گر دن گدا دے مفت گرے بسکہ ہو بڑھال
دست شکستہ اپنی ہی گردن کا ہے دبال

قطعہ

جو کوہ آہنی بول ترے مدعی شہا
وہ ہاتھ ایت گڑکے کرے بکو دے اُکھاڑ

تو ہا ترا غلام لے تلوار اور ڈھال
مارے زمین پہ جسکو کپڑ کرے کمر دھال

تختِ انشُرے سے گرنے پرے جائے بنگال
میدانِ کارزار سے رستمِ بزرگِ زال
اس زلزلے میں گاؤں میں سیکھ جائے چال

ٹھہرے درے پرے تو نہایت غریب ہے
یوں دیکھ ایک دو کو کنارے شتاب
شیرِ فلک کو راہ بھلا دیوے وہ دھمک

قطعہ

کر جمع آن کو زورِ شجاعت سے پیل پاں
نفرہ کرے تو تن سے کرے روح انتقال
جتنوں کے ہو گئے میں زرہ انکا ہو یہ چال
بھاگیں ہیں جیسے شیر کی آواز سے شغال
گزرے نہ ایک دم بھی کہ قصیدہ ہوا انصال
مٹ جائے کائنات مگر تب ہو اندام

من بعد اور باقی رہیں جتنے کشتنی
تو ارے پھرے وہ تو پھر جائے روزگار
اہلِ سلاح ترس سے گر گر پڑیں بہت
نعرے سے اُسکے لیویں بہت یوں رہ گزیر
حصہ رسد کوئی ہو وہ رکھ جائے ایک تیغ
زخم اُسکے ہاتھ کا جو لگے یہ نہ ہو کبھی

قطعہ

گر خشک ہو دے خاک کہیں بعد اہل
اُڑتا ہے جیسے ہوئی کے ایام میں گلال
تاخیر پر قصیدہ غدا کا ہو مال

تر ہو گئی ہے بسکہ لہو میں جھل زہیں
ہو پھر گزار باد صبا سے یہ واں کارنگ
میلانِ طبع مطلعِ ثالث کی اور ہے

مطلع ثالث

آشفہ طبعِ شاعرِ حسہ کی کیا حال
جس شخص کو نہ آوے الفت بے ذلّال
کرتے ہیں واں تو وقف بھی طرز کے مقال
پھر بحث اُس سے عقلِ فلاطون پر ہر دال
پاتے ہیں تیرے در سے شہا کنت و جلال
ہوں سر سے تیرے زائرِ درگاہ کا پائال
جاگہ مری ہو حشر کی تیری صفتِ نعال
ہو جائے سرد آتشِ دوزخ کی اشتعال
ہے تیری منقبت سے نہٹ اُسکو اشتعال

لائقِ تری حفت کے صفت میری ہو حال
تو وہ درِ مدینہ علمِ علیم ہے
اُسے تری جنابِ مقدس میں ایک دم
عالم ہوا سقد کہ بیاں کیا کرے کوئی
لیتے ہیں تیرے گھر سے گداپوستِ تحتِ فقر
جب تک جوں میں ل میں مرے آرزو ہے یہ
پھر بعد مرگِ حوضِ پہ کوثر کے پابلی
جب ہوں میں گرم راہ ترے سامیں شہا
جب تک جے کا محو ثنا ہی رہے گا میر
ہوئے حرام تیرے محبوبوں کو دردِ غم

شمیر دوتاں پہ ہو خونِ عدوِ حلال

قصیدہ درج حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

غنچے ہو دل پر آتے ہیں اندوہ اب مدام
اسے کج روش تو نامہ نہ لکھ بھیج مست پیام
دل میں نہیں ہی قطرہ خون نکھیں ہیں گی تر
نا کامیوں سے کام رکھا میں تمام عمر
اسے رشک ماہِ عید نہ کر انتظار کش
زنجیر پا ہے اُس کی تری زلف غالباً
چلتا ہے تو تو جاتے ہیں کتنوں کے جی چلے
آوارگی سے دل ہی کی آسودگی کو بھوڑ
گر جاتا مرہ کو تری تیغ کیوں تو میں
رونے کا تار باندھ تفرج نہیں ہو خوب
اکدم تری گلی میں گیا تھا میں سیر کو
صیاد نے اسیر کیا مجھ کو پر عبث
آنکھوں سے اُسکی چشم وفا میرے غلط
چشم طمع کو سی لے ہما تو کہ جیتے جی
اسے طبع اتنی ہرزہ درائی جس کی طرز
یعنی امیر شاہ نجف کی صفت پر آ
وہ شاہ ہے کہ بعد نبی کے وہی ہے پھر
گر جا ہے دل گرفتہ جہاں تیرا ہو کوئی
ورنہ شگفتگی یہ بلائے عظیم ہے

پہونچے ہے تجکو داغ گل جنگ صبح و شام
قاصد کا میرے سیدھی طرح سے تو لے سلام
خالی پڑا ہے شیشہ مئے بھر رہے ہیں حجام
گو کام دل حصول نہ ہو تجکو کیا ہے کام
مکھڑا دیکھا ہے چاند سا ہنک کے شبت بام
مدت ہوئی نسیم نہیں کرتی ابتسام
آب کسوی مان لے موقوف کر خیرام
ناموس عاقبت کو اڑا کیسا تنگ و نام
دو چار جا میں اور بھی کر لاتا قرض و دام
ہے آنسوؤں کا سلکب گھر کا سا انتظام
بریزہ بوئے خوں سے ہے اب تک مرا شام
میں ہمک جیانہ فرطِ پلیدن سے زریہ رام
دستی ہیں یہ غزال نہ ہونگے کسی سے رام
سُرمہ ہوئے ہیں بسکے الم سے مرے عظام
اس گفتگو کا فائدہ کہ حاصل کلام
وہ شاہ جس پر سارے کمالات ہیں تمام
وہ شاہ ہے کہ حق ہے وہی اولین نام
کر دے یہ ننگ غنچہ پیکار کو ابتسام
پھوڑے نہ زخم سینہ عاشق تیرا التیام

مطالع ثنائی

شاہان سرفراز ہیں سب اُسکے پائے نام

شاہ ترے گدا کا ہے مشہور احث نام

قطعہ

میدانِ کارزار میں اوسنے ترا غلام

ہوا سپہ سوار کرے عزم جنگ اگر

اڑ جائے خاک اُدھر کی جدھر کو پھرے لگام
افراسیاب کون ہے رستم ہے یاں کد ام

جولاں کرے جدھر کو رہے اُس طرف نہ خاک
پامال اس قدر ہوں کہ محسوم بھی نہ ہوں

قطعہ

آدے گرا سکے ہاتھ میں یک لحظہ بے نیام
بے سر ہیں پھر تو مد نظر تک بدن تمام
گر آسماں پہ جائے تہ خاک ہے مدام
گو پہاڑاں نہرا روں لیے آئے اس پہ سام
افسانے اُسکے زور کے کرتے ہیں صوم و صام
تحت الشرے کو جائے مع اپنے اژدحام
چنداں عجب نہیں کہ ہوا ہووے تیرہ فام
جانتے ہیں کو چشم تماشا نی ہو عوام
تا ہو بخیر خوبی نصیدے کا اختتام

شمیر اس کے خرمن اعدائی ہے جو برق
ہل جائے اور تک سمٹ اعدائی اور کو
یہ بات میں کہوں ہوں نظر کر کے مایوں
شاہ تیرے غلام کے تھے کی لس کو تاب
وہ سام بن نہریاں کہ اب تک جہاں کے بیچ
اک ایک کو زمین میں دے گا رُخ سمیت
طبقتہ زمین کا جائے اُٹھ اُسکے زور سے
از اس اُڑے ہے خاک جدھر دیکھو تس طرف
مطلع کروں ہوں اور بھی موزوں میں اس جگہ

مطلع ثالث

وے اولیں امام و نہراوار استرام
رسم کھینچے نخت اگر چاہے ارتسام
گنتی نہیں ہے باز شکاری کی اعتصام
تو ہے کہ سار بھی خلق پہ تیرا ہے فیض عام
محفوظ آفتاب قیامت سے ہوں نام
مشکل یہ ہے کہ ہووے فلک کا نہ انہدام
ایک ہی ہوا ہے پھر تو جہاں میں علی لدوم
تہ کر کے شب اُٹھا ہی رکھے پردہ ظلام

اے بعد فوت ختم رسل صاحب اہتمام
از بسکہ تیرے نقش سے گم ہیں مستمات
عصفور کس شمار میں پر تیرے عدل سے
تو ہے کہ تجھ کو ذات خدا سے ہے ربط خاص
تو ہے کہ تیرے ہر کے سائیں روز حشر
ہیں سہل تیرے چشم کے آگے خرابیاں
چاہے تو اعتدال زانیہ تک ایک اگر
چاہے اگر تو یہ کہ نہ رو پوش ہووے روز

قطعہ

آجائے بختگی پہ مرا یہ خیال خام
معلوم ہے سوائے تیرے حاصل کلام
ہووے تمام تیرے محبوبوں پر غم ظلام

گرمی کرے تنک بھی اعانت تری تو پھر
یعنی کہ دیکھوں حضرت دہلی کی جان و اح
ہرگز نہ ہو حلال عدو پر تیرے خوشی

قصیدہ درمچ حضرت امام حسین علیہ السلام

فلک کے جو رد جھانے کیا ہے محکوشکار
 خراب کوہ و سیا بان بگیسی ہوں میں
 بغیر خوردن خوں کب نہار ٹوٹے ہے
 لگنیں داغ سو کیوں پھیکے میرے سینے پر
 سودہ بھی دیکھنا ملتا نہیں ہے گھر بیٹھے
 سوائے نالہ جانسوز کون ہے ولسوز
 جنوں میں جب سے خوش آیا لباس غریابی
 ہمیشہ ساتھ ہے دامن سوار لڑکوں کے
 عجب ہے محکوجو تو دیکھنے نہیں آتا
 ہوا ہوں جو رفلک سے بٹ ہی زار و زار
 شہا غلام کو تیرے پیروں پر بازو ہے
 اگر مہاڑ ہو دشمن تو اُسکے سینے میں
 لگا دے پھر وہیں دو چار ایسی پے در پے
 کرے ہے فخر بہت اور جہر فلک شام
 کہ انفعال ہولات و گزشتہ سے اُس کو
 گھرے ہے جو ہر اول نگاہ جس ساعت
 امام ہر دو جہاں جس کی آستان کی خاک
 زہے وہ روغنہ جہاں دیدہ ملک ہیں فرش
 اگر طہور ہو خورشید سامنے اُس کے
 کوئی کہے کہ یہ کیا شوخ چشم شیر ہے
 لیا ہے روزیہ نے بہت اُسے گھبرا
 شاع ردھنے کے تھے کی ہے گی عالمگیر
 بھانے کہ یہ انتا شیاں ہیں سب اُس کی

ہزار کوس پہ ہے جائے اک تپیدیں وار
 برنگ صوت جبریں ہر طرف سے میرا گزار
 سوائے گریہ صبح اب کہاں ہے آبِ خمار
 نہک نہیں نظر آتا بجسز مدح و دلدار
 مگر ہوں ہند میں سوائے کوچہ و بازار
 بغیر آہ سحر گاہ کون ہے غمخوار
 نہیں ہے دامن صحرا میں تب سے محکوق قرار
 مگر کہ خاک و فاسے بنا ہے میرا غبار
 رہا ہوں ایک تری آنکھ پوں کا میں بیمار
 پہو بچو یا خلعت الصدق حمید پر گزار
 کہ وقت جنگ جو لیکر کہاں کو ہوئے سوار
 کہاں سے چھوٹے ہی تیر بند ہو سوار
 کہ ایک کا ہونشاں دوسرے کی جائے قرار
 رضا جو ہو تو کروں تیرے روغنہ کا بشار
 زمیں ہے صحن کی جسکے یہ گنبد و دار
 تو ایک ہاتھ سے تھانے ہے سر اوپر دستار
 رکھے ہے رتبہ کحل جواہر الالبصار
 قدم کو رکھتے ہوئے اُنہی آتے ہیں زوار
 ہر ایک ڈرے کو داں کے ہے یہ لب گفتار
 کوئی کہے کہ یہ ہے موش کو رہا ہوار
 چلی ہے چھوڑ کے حیراں ہو رخنہ دیوار
 پھر بکا سایہ شباب جہاں میں ہوتا خوار
 زمیں ہو یا ہو فلک یا حجر ہوں یا اشجار

با حمد سے کہ نبوت ہوئی ہے اس پر ختم
 ہر نفسے کہ ولایت مستخرآن نے کی
 ہاں امام کہ کشتہ ہے زہر قاتل کا
 ہاں شہید کہ تشذب و شکتہ دل
 کہ جب ہلال محرم نمود ہوتا ہے
 بسینہ سوزی داغ و زخاں ہجران
 بسر دھری شیریں کبینہ خسرو
 بعشق و پر بطوف حرم بسعی تمام
 آب و رنگ گلستاں بہ بیکسی اسیر
 بساغیرے گلگون بہ توبہ سنگیں
 بہ شگری چاک و بہ بے قراری جیب
 بحیرت رخ جاناں بحشیم و اماندہ
 بہ قلقل و بہ سب و بلغزش ہر دم
 بہ پوچ گوئی بیتابی و بہ بے خوابی
 بہ دیر و برہمن و کفر و یاسم گوئی
 بسیل خانہ خراب و بودی مجنون
 بخوشہ خوشہ سرشک و بداریست مرہ
 بضعت جسم نزار و بہ طاقت سرکش
 بخاک عاشق بے خائناں کہ باد صبا
 باضطراب چراغ و بدشمنی نسیم
 بدور گردی رنگ قبول و یاس دعا
 بخیل خیل خرابی بگوشہ صحرا
 بشوق و صل نگار و بجان مایوسی
 بسینہ کوئی زخمی جگر ماتم مستر
 قسم ہے میرے تئیں ان تمام قسموں کی

بغا طمہ کہ وہ ہے جنت سید مختار
 بہادری ہے غلاموں کی جسکے فن و شعار
 گرے ہیں نخت دل کے زیں پہ کنگے ہزار
 موا ہے دشتِ بلا میں ہیں اب تلک آثار
 جہاں میں کرتے قیامت ہیں سکے ماتم دار
 باہ و سر و سحر گاہی و ہنالہ زار
 بگرم جوشی فریاد و سختی کسار
 بلوچ مشہد عاشق بسوزِ شمع مزار
 کہ اسکو کچ نفیس میں رہے ہے باد بہار
 بدلتوا ز می ساقی با بر و دریا بار
 بسینہ کا دی و شتہ زخم دامن دار
 بسعی باطل ناخن بعقدہ دل کار
 بہ مستی مے ناب و بخاطر ہشیار
 بکم زبانی صبر و بدیدہ بیدار
 بشیخ و مسجد و تسبیح و رشتہ زئار
 بچگرہ جگرہ غنرالال بدیدہ خونبار
 بقطرہ قطرہ شراب و بجام دست یار
 بجان عاشق مسکین کہ یار پر ہے نثار
 بنہیں دکھاتی اسے بعد مرگ کوچہ یار
 بخاطر دم آخسر کہ اس سکے ہے ہزار
 باعث نزار اجابت بجلتہ اذکار
 بخوش سواد می شہر و بقصر و بدیار
 باز و سے ہم آغوشی و بہ نخت کتار
 بجاں کتنی گلو گیسر و حسرت و دیدار
 کہ تجھ کو علم ہے ان سب کالیا کروں ہر شمار

یہ آرزو ہے مرے دل میں مدلوں سے شہا اڑا دے اسکو صبا یا تلک کہ لے ہو بچے	رہے نہ بعد مرے ہند میں میشت غبار تجھ آستان کے آگے کہ ہے فلک کردار
رہے ہمیشہ ترے دوستوں کے ساتھ اقبال	غدر کو تیرے نہ دے فرصت یکدم اوبار

مسدس در منقبت

چیدہ خواروں میں شہ روم ترے صبح و شام جستی ہندی صفا اپنی بخارائی تمام	رہزہ چینی سے تری بادشہ چیں کا قیام ہیں ترے دست نگر بیجے کس کس کا نام
---	---

یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	تو جو دعوت کرے تو آویں فرشتے تصف صفت ہر دمہ دیکھتے میں تیرے ہی ہاتھوں کی طن
---	--

یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	
---	--

سایہ گستر و جہاں کا ہے ترالطف عظیم تجھ سے مامول عطا سب تو کریم ابن کریم	دے تو جنت کی نعیم اور تو ہی نور عظیم ہو دے یعقوب کہ اسحاق کہ ہو ابراہیم
--	--

یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	
---	--

مردی کا ترے دریا نہیں رکھتا ہے کنار کاڑھے طوفان بلا سے تری مہمت نے بار	ایک موجے میں ترے سیکڑ دن ٹپے ہوئے بار نوح ممنون ہے یونس ہے ترا شکر گزار
---	--

یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	
---	--

اہل عالم متمتع رہیں ہیں تجھ سے مدام من دسلوی تھا فرستادہ کنہو بہر انام	ماندہ طور پہونچتا تھا ترے ان سے طعام قول عینی بھی نہیں تھا ہی موسیٰ کا کلام
---	--

یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	
---	--

جسہ مہمان ہے ہر شام و سحر خلق جہان	ہے بچھا شرق سے تا غرب ترادستر خوان
ماہ و خورشید کو ملتی ہیں یہاں سے دو تان	آسمان یاں کی گدائی سے بھرے ہر بنان
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست	یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست
بچ رکھیں تیرے بھروسے پہ فقیر اپنی کلاہ	سر شاہان زمانہ ترے خاک در گاہ
نقشے سب پہونچے ہیں مقصود کو قصہ تو ماہ	منہ تراکتے رہیں عارف و کائنات گاہ
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست	یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست
معن زائد کا ترے نرم میں زائد مشہور	نام حاتم کا خاک جیسے لطیفہ مستور
کیا خداوندی ہے اللہ خدا کی مشکور	رنگ رنگ اطعمہ میں بدل پھر اس درجہ نور
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست	یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست
تیری دولت ہے جو یہ شاہ و گدگداتے ہیں	لطف ہے عام تر اسب بھی سے پاتے ہیں
اس جہاں سے بھی یہی کہتے ہوئے جاتے ہیں	شکر نعمت یہ نہیں تیرا جال سے ہیں
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست	یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست
جسکا گھر چاہے تو گرد دیوے اُسے مالا مال	ارض میں اور سموات میں سب تیرا مال
اپنی خوبی کو ز میں رات کرے تجھے سوال	روز بہبود کا تجھ سے سرگردن میں خیال
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست	یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست
تیرے دروازے سے محروم کوئی آوے ہو کب	فی الحقیقت تیری مہمان خلایق سے سب
جاؤں ناکام اگر میں تو نہایت ہے عجب	رتبہ جسے ہی کی ہو گویا تیری مروت کا ہر طبقہ
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست	یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست
ہاتھ پھیلائے رہے آگے ترے جم غفیر	کا سہ کیسی ترے مطیع کی کریں خور و کبیر

ظرف ہیں جن کے بڑے سبب ہیں کہ ہیں فقیر آدم جن و ملک شاہ و گدا میر و وزیر

یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

مسدس و منقبت

درویش جو ہیں مقصد دلخواہ کہیں ہیں سالک جو ہیں وسے راہ راہ کہیں ہیں
اک واقف اسرار دل آگاہ کہیں ہیں اک چرخ حقیقت کا تجھے ماہ کہیں ہیں

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

مذکور کہیں نام ترا کام روا ہے مشہور لقب ایک جگہ راستا ہے
ہر ایک نے کچھ حسب خرد اپنی کہا ہے سمجھانہ کوئی یہ کہ حقیقت میں تو کیا ہے

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

من بعد نبی باعث بہود تو ہی ہے نزدیک خرد مندوں کے مسجود تو ہی ہے
کچھ کوئی کو خلق سے مقصود تو ہی ہے پہونچیں جو حقیقت کو تو مسجود تو ہی ہے

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

جس روز سے تو تھانہ کوئی غرضے میں آیا فتنے کو ترے شور نے تاحشر سلایا
بالفرض ملک سے بھی اگر ہاتھ ملایا اک روز میں کر خاک برابر ہی دکھایا

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

اس بات کو جانتیں ہیں سب آگاہ تہ کار ایوب نے جب نالہ کیا کھینچ کے آزار
قدرت نے کیا حق کی ترے پرے میں ظہار صورت سے شفا کی تو ہوا آ کے نمودار

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

آدم کی انابت تھی شب و روز تری اور قابل ہیں ترے لے کے سلیمان سے نامور	جیتے ہیں ملک نام ترا چرخ پہ کر شور اللہ ہی تری شوکت و احسنت ترا زور
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں	مہستی ترا جلوہ ہے ترا شور عدم میں ہوتا نہ ترا دست حمایت کا جو ہم میں
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں	پر دے میں صدا تھی ترے داؤد کا الحان جاں بخش دم عیسوی میں تو ہی تھا نہان
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں	یعقوب کا تھا کابلہ احزاں میں تو غمخوار رحمت کا فرشتہ ہو ترے لطف نے پر بار
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں	اٹا ہے دوا گشت سے دروازہ خیر کیا ہاتھ تھا جس سے کہ گیا جان سے غتر
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں	ثانی ترا پاتے نہیں تسلیم و رضا میں مشہور سخاوت ہے تری شاہ و گدا میں
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں	اے وہ کہ تو ہے جان و جہاں سارا ہر طالب در پر ترے اکٹھے ہیں ترے سیکڑوں طالب

اک بل میں رو کر دے تو ان کے مطالب ہم عاجز و عاجز ہیں تو ہے غالب و غالب

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

ہے میسر پریشاں دل و آوارہ و مضطر
ہے رصف ترا جیتر امکان سے باہر
کیا تیری صفت کر سکے یا حیدر صفدر
کہتے ہیں خرد و رتری قدرت کو نظر کر

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

مسدس و منقبت

جاتی ہے شب بے گنتے دن کو پھر تاہو خراب
دل تڑپتا ہے حیدر جی کو جدا ہے اضطراب
کتلک اس خاکدان میں جوں بگو لا بیچ و تاب
ہر گھڑی تازہ قلب ہر دم نیلے اک عذاب

یا علی یا ایلیا یا بوا الحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

اب گر آجا ہوں حشم خلق سے لے تک بنحال
مرحمت کر کمر مت کر رنج سے محب کو نکال
دیکھ مت اس سے زیادہ غوار زار و خستہ حال
کتلک محزون رہوں میں تا کجا کھینچوں ملال

یا علی یا ایلیا یا بوا الحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

کیا لکھے اعجاز تیرے خامہ جاد و شوار
وقت جب ہوتا ہے تنگ سے قدرت پروردگار
تو وہی ہے ایک لیکن نام تیرے ہیں ہزار
نام لے لے کر ترے کہتا ہے ہر اک یوں پکار

یا علی یا ایلیا یا بوا الحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

حاجت اہل جہاں وابستہ تجھے ہے مدام
عارف و عامی بھوں کا ہے وظیفہ تیرا نام
سہل ہیں یاں شکلیں آسان ہیں دشوار کام
زیر لب ہر اک کے رہتا ہے یہی ہر صبح و شام

یا علی یا ایلیا یا بوا الحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

تنگ ہے عرصہ نہایت دم رکھا جاتا ہے آہ
لیتے ہیں آنکھیں پھپھائے جن پر جاتی ہو نگاہ
یاس سے جانا بھی نہیں آتا ہے بن لے خضرہ
آستان بن تیرے دکھلائی نہیں دیتا نیاہ

یا علی یا ایلیا یا ہوا حسن یا بوترا ب

حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

حرف زن ہوتا ہوں سب میں تنگی نوال سے
لطف بن تیرے چھوڑا دے کون تن جنال سے
صفحہ صفحہ در در کرتا ہے تراوش قال سے
آئی ہے سر پر قیامت شامت اعمال سے

یا علی یا ایلیا یا ہوا حسن یا بوترا ب

حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

آسمان بے تیز و بے تہ و دشمن کمال
یعنی سر سہلا کے بھیجا کھانگیا کیسز نکال
دوستی کے پردے میں کرتا ہو تجھ کو پا کمال
اب تک جیتے تو ہیں پر زندگانی ہو وبال

یا علی یا ایلیا یا ہوا حسن یا بوترا ب

حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

خاک سے کیساں ہوا ہوں ہو کرم سے ہستیار
دل کو میرے جس گھڑی ہوتا ہے شاہ نظر آرا
ہوں گدا اس آستان کا کر ٹیک اک امداد کار
بار بار آوے ہے ٹھنڈے پر اس گھڑی بے اختیار

یا علی یا ایلیا یا ہوا حسن یا بوترا ب

حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

سارے عالم سے کرے ہے بخودی چرخ ترند
غم فرد کن کچھ نہیں میرا ہے یہ سحر بلند
خافہ ہے تنگ از بس امن کی راہیں ہیں بند
پر پڑھتے ہیں سب شیخ و شاہ ناتوان و درند

یا علی یا ایلیا یا ہوا حسن یا بوترا ب

حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

غائب ہوئے ہم اب میر کو بھی بگڑ ساز
شام کہتا ہے یہی رکھ خاک پر روئے نیا سر
آبلہ یک بن گیا ہے جملہ تن ہو کر گدا ز
ان پڑھتا ہے یہی جلتے دعا بعد از نماز

یا علی یا ایلیا یا ہوا حسن یا بوترا ب

حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

مخمس منقبت

بادری علی رفیق علی رہنما علی
مرشد علی کفیل علی پیشوا علی

یادری علی رفیق علی رہنما علی
مرشد علی کفیل علی پیشوا علی

جو کچھ کہو سوا اپنے تو ہاں مرقضی علیؑ

ایمان کی علیؑ کی ولایت اس سے
بیگاہ و گاہ ناد علیؑ اپنے پاس ہے

نور قیاس علیؑ سے ہمیں اقتباس ہے
یوم التنادین بھی علیؑ ہی کی اس سے

قبلہ علیؑ امام علیؑ مقتدا علیؑ

انہم اس کا تب ہو روح قدس جب کے مد
کہ احمد اس کو سہتے ہیں نگاہ سے اسے احد

دیوانگان شوق کا مت پوچھو معتقد
ظاہر اس ایک شان سے شائیں ہیں لا تعد

اشایان حمد و قابل صل علیؑ علیؑ

نے اعتقاد شیخ سے نے کچھ فقیر سے
ہے لاگ اپنے جی کو اسی اک امیر سے

لے شہ سے کچھ غرض ہے ہیں نے ذریعہ سے
رکھتے نہیں ہیں کام صغیر و کبیر سے

امول علیؑ و کیل علیؑ بادشاہ علیؑ

کیا تھجے شیخ حال کو فطرت ہے اسکی بہت
ستین علیؑ نگر ہے مرا میں علیؑ پرست

پہونچے ہے تیرے ہاتھ تک کب کس کو کا دست
ہوں جوں نصیری ساتی کو شر کا محو و مست

پیغمبر اس جگہ کا علیؑ ہے خدا علیؑ

پر اس کو سن رکھ اے کہ تو کچھ درد مند ہے
دل جمع کر کہ ہمت مولے لایبند ہے

شیوہ اگر چہ اپنا نہ یہ و غلط و پند ہے
کیا ہے جو عرصہ تنگ ہو اکام بند ہے

یعنی گرم شعار ہے مشکلا علیؑ

کس طور جیتے رہتے نہ ہوتا جودہ کریم
ہاں کا وہی ہے شافی و کافی وہی حکیم

اپنی بساط تو ہے علیؑ ہے وہی علیم
ہو نکھیں ہیں اس کے اور جو ہم ہوتے ہیں تقیم

اعراض ہو کوئی درد نہیں ہے دوا علیؑ

بے لطف اس بے خبر ہے کیا موت کیا حیات
کیا ان موالیوں کے تئیں ہے غم نجات

ہے دوستی علیؑ کی تمنا ہے کائنات
یعنی کہ ذات پاک ہے اسکی خدا کی ذات

مرتے ہوئے جنھوں کے دلوں میں رہا علیؑ	
یہ کس طرح سے راز کھوں میں زبان سے ایک شب نبی جو نکلے زباں لامکان سے	حالات اس ریش کے پرے ہیں بیان سے ذات مبارک آئی نظر اور شان سے
تھا بزم لامکان میں بھی رونق فرا علیؑ	
خواہش مردگی غیر سے یہ ہے خیال خام کافی ہے دو جہان میں مومنے کا میرے نام	گرتا ہے کب قبول اُسے عاقل تمام لا ریب اُس پہ آتش و دوزخ ہوئی حرام
اک بار بھی زبان سے جن نے کہا علیؑ	
سزا قدم ثبات دل و بسبکی ادب ظاہر ہوئے تھوڑ جہاں میں عجب عجب	صورت پکڑ کے سامنے آیا تھا لطف رب محراب میں نہ گرم بکا تھا کد ام شب
سنتا رہا نہ کون سے روز غزا علیؑ	
عنتر کو مار چشم نے اُس کی جلا دیا خورشید کو نکال دو بارہ دکھا دیا	اثر در کو چیر ایک ہی دم میں دکھا دیا ہنگامہ کفر و شرک کا اگر مٹا دیا
تھا جانشین ختم رسل کا بجا علیؑ	
گو چشم دل کھلے نہ کسی رو سیاہ کی اللہ رسی بلند تری قدر و جہاہ کی	اُس تک مجال کب ہے کسو کی نگاہ کی مر مر کے جبرئیل نے درباں سے راہ کی
شاہا ملک سپاہ جہان صفاء علیؑ	
دشمن کو آگئی ہے کب شیعہ کہاں زور آوری مزاج میں آوے تو الاماں	قدرت سے اُسکی قدرت حق ہوئی ہے عیاں کچھ بھی نہیں ہے پھر یہ جو سب کچھ ہر دنیاں
ارض و سما کے دیوے قلابے ملا علیؑ	
دی تیغ ایسی کس کو کہ جیسی ہو ذوالفقار گزرے ہیں گرچہ مردم خوب آگے بھی ہزار	مرکب کہاں ہیں سکے سے ویسے کہاں سوار پر یہ شرف خدا کی طرف سے ہے یہ وفار
خلق تو دیکھ کبے میں پیدا ہوا علیؑ	
نہی حق کے ہاں سے احمد رسل کو سروری نسبت بنیہر موتے ہیں بے اتحاد بھی	کہتی تھی ساری خلق خدا کی اُسے ولی لطف و سخا و ہمت و حلم و حیا نبی
جود و عطا و جرات و مہر و وفا علیؑ	

نزدیک سب کے اُسکو ہے درجہ قبول کا
کب معتبر ہے حشر کسود الفضول کا
ایک غدیہ ہے سید و شیخ و مفلول کا
باطن علیؑ ہے ظاہر خوب رسول کا

خاک اُس کے فرق پر جو کسے تھا جلد علیؑ
ہر فرد کی زباں پہ علیؑ کی ہے گفتگو
عالم کو ہے علیؑ کی تو لاسے آرزو
اپنا ہی کچھ علیؑ کی طرف کو نہیں ہے رو

مقصود خلق و مطلب ارض و سما علیؑ

اک شوق ہے علیؑ کا مرے قلب میں نہاں
اب زیر لب ہے زسیت میں جو میر ہنزاں
شاید یہی غبات کا باعث بھی ہو وہاں
اُسوقت میں کہ جان ہو یکدم کی میہاں
اُمید ہے کہ یو نہیں لبوں پر ہو با علیؑ

منقبت

ہر اس روزِ شکر کیا محمد مصطفیٰ بس ہے
شفیع جرم سوزِ سینہ خیر اندھا بس ہے
مکرم نصرت و فاسیرت علیؑ مرتضیٰ بس ہے
نہ لکڑے دل کے کمرِ مہموم امامِ مجتبیٰ بس ہے

لہو مست و رو شہید نشہ کام کر بلا بس ہے
رنگے کوئی توقع تو رکھے آلِ پیمبر سے
طلب ہو دے تھی کو کچھ تو ہو وادِ حیدر سے
دن اپنا جمع کر دو رقر کے شور و رشر سے
بہت ہے گرچہ ہنگامہ دے زینِ جباب سے

ولا با قرکی فرضِ عین ہے حیدر پرستی میں
غرض رہ جو اس کا دشت میں ہو تو تہی میں
جیا کر نام کو اُسکے تو ہشیاری و مستی میں
عجب ہے نو نہاں اک سایہ ایں باغِ حسی میں
کرم اُسکا ہے ہر شخص بے برگ و نو بس ہے

محبت چاہیے صادق جناب پاک جعفر میں
وہ دم بیاں بھی نشان ہی تھا جو کچھ سانی کوثر میں
اسی کا شوق دس میں ہو اسی کا شور و جوش میں
غنایت کی اُسی سے چشم رکھا شوبِ محشر میں
بلا قصد رنگ ہو دے کیوں ایک سگی و ما بس ہے

رکھے کاظم کو بوسہ پر غم و غصہ ت کیا اُس کو
بیک چشمک زدن حاصل ہو ایسا مرتبہ اُس کو
ندیشیہ امام دیں بلا میں مبتلا اُس کو
کہ رکھے نقش اُس کے سر پہ دکھو بادشاہ اُس کو
توجہ گوئے موئے بے ہر مدعا بس ہے

اُسے اک بندگی خاص ہے شاہِ فراساں سے
گزر جاتے ہیں اُسکے نام پر جنسِ خوش جاں سے

جو سیرا اس سے بجائے تو ہوا رضی رضا ہے

موکل درمیاں لاویں سخنِ جنتِ جہنم سے
مخاطب ہم کسوں سے ہوں نہ یارب کوئی ہم سے

تقی متقی ہم کو امامِ اقیابس ہے

الہی ہم سبہ کاروں کی اُسکے سلے میں جاہو
وگر نہ زشتی اعمال سے کیا جانے کیا ہو

دو میں ہوتے تو بس کھلا اور یوں ہو تو کیا بس ہے

کر چکا عسکری انبوہ اس اندوہ کا برہم
رہیں گے ناامید رشتگاری اس سے کیونکر ہم

وسیلہ ہم گنہگاروں کا وہ روز جزا بس ہے

وے مستغنیانہ ہر گم و بیگاہ رستے ہیں
کرم پر مہدی ہادی کے ہم گمراہ رستے ہیں

ہیں اس وادیِ یزوت میں وہ رہتا بس ہے

کہا تک آنکھ سے رخسار پر ہر دم اہو ہوتا
دے تشقہ صغخانے میں کب تک روزِ یوب رہتا

گیا دقت ہوں کعبہ کو چلیے اب خدا بس ہے

نہ اچھے فرش کے طالب نہ پاکیزہ کسوٹھر کے
ہمارا خشر ہووے مرگئے پر ساتھ حیدر کے

یہی کہ میر تو بھی حق میں اپنے یہ دعا بس ہے

مختص و متقبت علی ابن ابی طالب

امید گاہِ خورد و کلاں مرتضیٰ علی
ذکر روان و در زبان مرتضیٰ علی

جسے اے مجلسِ آریاں دیں بہرہِ ایماں سے
نگہ سال چشم سے آتی ہے خلقِ ایران و تو اں سے

جو وہ دن ہو کہ نکلے آفتاب اُس روزِ کھیم سے
کریں پرسش بد و نیک عمل کی خلقِ عالم سے

تقی پاک کا اگر علم بس وقتِ برپا ہو
وہ حامیِ لطف سے ہو تو کچھ اپنا کام بچا ہو

نہو لشکر کشی سے غم کی ایدل اس قدر درہم
عدو مجروح ہے اس کا استبا کا ہے وہ درہم

اگر چہ اشک آنکھوں میں بول پڑا رہتے ہیں
کبھو ہیں شہر میں جا کر کبھو درگاہِ شہتے ہیں

کہا تک بت پستی میں جفا و جور کا سہنا
کہن سالی میں کس کا چاہیے جو کچھ گہنا

نہیں مشتاق ہم کچھ مال کے اسباب کے زر کے
تجھے درویش سب کہتے ہیں لوگ پھر کے ادھر کے

زرد و ثبات و تاب و تو اں مرتضیٰ علی
مقصود خلق و خواہش جاں مرتضیٰ علی

جو کچھ کو سواپنے ہیں ہاں مرتضیٰ علیؑ	
اسکی ولاہی شرط پڑی ہے پئے نجات واہو جو چشم دل تو نماشا ہے اسکی ذات	اس کی ولاہی باعث بہبود کائنات کیا کیا نمود کرتے ہیں اتنے عجائبات
یکسا ہے عرصہ دو جہاں مرتضیٰ علیؑ	
اس راز کو سمجھ بوسکے توارے سمجھ عقل غنست سے بھی اسے کچھ پرے سمجھ	ہر چند کام ایسی جگہ کیا کرے سمجھ یعنی نہ ذات پاک سے اتنا ورے سمجھ
ہے آنسوئے خیال دگماں مرتضیٰ علیؑ	
اس پردے میں جو تھاپس پردہ عیاں ہوا پیر زمانہ دیدہ عالم جواں ہوا	موجود اس کے ہونے سے روشن جہاں ہوا فرمان شاہ بحر بران پر رواں ہوا
اس قدر سا تھا کون بغیر از شہ نجف دریائے موج خیز تھا اسکے کرم نکافت	شخصیت ایسی کسی تھی کسکو تھا یہ شرف الہی سے زور کوئی نہ اُسکا ہوا طرف
ابن علم رسول زماں مرتضیٰ علیؑ	
یاران رفتہ کے بھی تردد میں یادگار نکلی نہ ویسی تیغ کہ جیسی تھی ذوالفقار	ہر چند ہے یہ عرصہ ہمیشہ سے پُر غبار لیکن کہاں یہ حربے کہاں ایسے مردگار
دیکھا نہ کھا وہ جیسا جواں مرتضیٰ علیؑ	
انزدیک اہل عقل کے رتبہ ہے اسکا دور ہے جملہ تن منزہ و مستراقدم ہے نور	پاں راہ اُس کے ہیں سراپائے پر غور شائستہ سجود سمجھتے ہیں ذی شعور
اس بے نشان سے دے ہیں نشان مرتضیٰ علیؑ	
لایا ہے اُسکو شوق ہی اس کا وجود میں کہ سر فردنہ لادے گئے ہو سجود میں	آیا ہے یہ جو شاہ غیبی شہود میں انداز کیسے کیسے ہیں اُس کی نوید میں
ہے خلوتی راز نہاں مرتضیٰ علیؑ	
کاہیکو اس طریق پہ ہیں محو گمراہی قربان اُس کے در کے گدا پرست کی سہی	کب گفتگو انھوں سے ہے جہیں ہے بے تہی ختم رسل کو قدر سے ہے اس کی آنکھی
خورشید چرخ عزت دشاں مرتضیٰ علیؑ	

بارے چپا ہو کوئی تو اُس کو جتا کیے	جو بے بصر ہیں اُن کے تئیں کچھ سمجھائیے
خورشید کو اشارہ دل سے کبتک بتائیے	روشن ہے سب یہ باتیں عبث کیا پنائیے
حاجت نہیں بیاں ہے عیاں مر قننی علیؑ	
وہ جانے جسکو اور کسو سے کچھ ہووے کام	شام و سحر یہاں تو وظیفہ اُسی کا نام
سیلان دل ہے میر غرض اس طرف تمام	سرمایہ دو جہاں کا ہے اپنا یہی امام
یاں مر قننی علیؑ ہے وہاں مر قننی علیؑ	
محشم و منقبت حضرت علیؑ	
یا علی شاہ ادب ہے تو	محرم راز انسا ہے تو
زور بازو ہے مصطفیٰ ہے تو	منظر قدرت خدا ہے تو
علم کس کو ہے یہ کہ کیا ہے تو	
گر جہ آخر کیا ہے تو نے ظہور	پر ترے قرب کا ہے رتبہ و نور
ہے تو اللہ کا مجسم نور	جانے ہیں جن کو کچھ ہو عقل و شعور
اگلے پھلوں کا پیشوا ہے تو	
تیرے پردے میں حق ہوا موجود	تجھ سے کیا کیا عجب ہوئے مشہود
جانتے ہیں تجھی کو سب معبود	تھا زمین و زماں سے تو مقصود
آرزو تو ہے مدعا ہے تو	
اس زمانہ میں آہ دکھ ہے عظیم	ہے مری جان پر عذاب الیم
مستحق کرم ہوں میں تو کریم	ملفت ہو بہت ہے حال تقیم
تیرے ہر درد کی دوا ہے تو	
فرصت وقت جوں جواب ہو کم	حال مانند موج ہے درہم
دوب جاتا ہے جی مرا ہر دم	جوش زن گو کہ ہو محیط غم
انہم نہیں کچھ جو آشنائے تو	
تجھ سے ظاہر ہوئے چھپے سب بھید	جلوہ تیرے ظہور کا جاوید
درے درے کو تجھ سے ہے امید	ون ہو طالع ہوا جہاں خورشید

سب پہ روشن ہے کیا چھپا ہے تو
میر کو کب تک یہ رنج و غم
اس بھی اندوہیں کو کر خستہ
نسب ہے ترا حساب کرم
یعنی سایے میں ہے ترے عالم
سارے عالم میں چھایا ہے تو

مخمس در منقبت

ہے حقیقت سے تو اگر ہم آگ
یاد میں روز و شب علی کی رہ
کعبہ اُس کا ہی در ہے لے بلہ
میرے موٹے کی ذات پاک ہر وہ
جسکو کہتے ہیں لا شریک لہ
اک تطف میں خاک ساری رہ
اک تو جہ میں قطرہ آب گہر
اک نظر میں نہال خشک ہو تر
اک سخن میں تمام یہ بہتر
عسجد داعی ابرص داکہ
ہاتھ پکڑے دم مصائب یہ
یار ہو دے گم نواب یہ
ہے غرض منظر عجائب یہ
مستقل ہے نبی کا نائب یہ

جو کہے یہ سو کچھ کرے سو یہ
ہر نفس لب پہ گفت گو اُس کی
برزیاں جی کو جستجو اُس کی
پوچھ مت کچھ ولا سے تو اُس کی
نواہش اُس کی آواز دوسکی
مطلب و مدعا و مقصد وہ

شان ارفع تری فلک کردار
ایک ہے تو برابر و خسار
اللہ اللہ ترا ثبات و سرار
حلم سے تیرے کہتے تھے کہسار
میکے کیمک درنی بنے اقیقہ

دیکھے لوگ پھر کے چاروں نام
مردنی یاں کی جو عجائب سوانگ
شخص مہمت کی اُنکے ہاتھ نہانگ
بانگے ہے تو کچھ خدا سے مانگ
جو کہے سے سو تو علی سے کہہ

نشا داس نام سے جو خو گر ہے
اسم اعظم ہی مقرر ہے

انس کرنا اسی سے بہتر ہے	یہی جنت ہی تو کوثر ہے
اس میں تو پھر بگاہ یا بیگہ	
خلق سب دیکھے اسکے ہاتھ کی اور	لے سلیمیاں سے منقہ تانور
کھن مہت کی اسکے دھوم ہے دور	ظرف ہوتا تو یوں نہ کرتے شور
بہر و عمارت نکل گئے بے تہ	
ہے وہ امید گاہ خلاق خدا	روز محشر اسی سے سب کو رجا
وہ مروت شمار و جملہ حیا	بحر و خار جو دو کان عطا
اس سے نفع گدا تنع شبہ	
مرتبہ کچھ نہ پوچھو اس گھر کا	بندگی یاں کی فخر قیصر کا
شاہ چین پیش دست قنبر کا	آسمان ہے گدا اسی در کا
دیکھتے ہیں ادھر ہی مہر دم	
اسکی مہت اُسی کو بن آوے	دولت اُسکی جہاں سے بکھاوے
بار اس در پہ جو گدا پاوے	ایک آواز کر کے لے جاوے
مال و اسباب و ملک و تاج و کلمہ	
میر عازم ہوئے ہو کیدھر کے	جو تلاشی ہو یا رد یا در کے
رنگر ادوستی حسد ر کے	نہیں محتاج ہوتے رہبر کے
ہے اسی راہ میں خدا ہمراہ	
مخمس و رنقبت	
قدر کو میری بہت ہے برتری	کلب مری خورشید سے ہو ہمیری
حکم بزرگ ہے یاں شیر مری	کر مخالف سوچ کر ملک اژدہ مری
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
منقبت خوانی سے میری سب ہی شن	اس سوا مجھ میں نہیں ہے کوئی گن
ساتھ سر کے ہے علی گولی کی دھن	مدعی اس کان یا اس کان شن
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	

ستوں کامل سے تعجب ہے یہ کیا	جو بدن ہو خاک سب بعد فنا
اور اُس سے نے اُنکے ہنرے کی جا	برگ برگ اُسکا کرے پھر یہ جدا
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
تھا کبھو عاقل مجب طعنا کبھو	گاہ کرتا گفت گو گم جستجو
اب اخیر عمر ہے یہ آرزو	ایک دودن ترک کر میں اور تو
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
کل منافق ہو کے آیا بہہہا	پھاڑے اپنے منہ کو جیسے اڑوا
غار سا منہ کھولے بھیجکت رہا	محرکہ میں میں نے جو آکر کہا
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
دل میں میرے ہے تنائے کہن	ہو میرا ہے خدائے ذوالمنن
جنگھڑی ہوویں جدا جان اور تن	ہو میرے ہو ٹھکوں کے اوپر یہ سخن
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
ہے دلائے اہلبیت اپنا شعار	جانے ہے اسکے تئیں سارا دیار
زیر لب کہتا ہوں میں پر ابکی بار	تو نے جو میں کہوں سب میں پکار
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
رشت ہستی جائے رستم بار کر	ماروں اک جی اگر تیرا کر
چپ رہیں موزی دلوں کو مار کر	روزی سداں گر کہوں لکار کر
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
اے مخالفت بحث مت کرنا بکار	بات ایسی سے ہے جگو ننگ عار
بس کہا اس آستان کا ہوں غبار	کیا کہا تجھ سے کروں میں بار بار
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
شیخ کو نسبت نہیں تجھ سے	ہے یہ خر جگڑا ہوا تقید سے
یہ عقائد ہوتے ہیں تائید سے	گو کہا اُن نے مری تقید سے
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
اس عقیدے ہی پر اپنے میں رہوں	گو خوارج کے ستم اس میں سہوں

بے ولا حیدر کے ہوں میں تو نہ ہوں	لب لہیں جب تک یہی تب تک کہوں
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری
اب ہوا پیری سے ملک میں مصحل	در نہ تھا یہ شور تاپسین و چگل
شوق میرا کچھ نہ تھا بے حد دل	رات دن رہتا تھا کہتا متصل
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری
اے مرے سر پایہ ہر دو جہاں	عشق تیرا ہے مرے ہمراہ جاں
ہو اگر تن پر مرے ہر موزہاں	بیگماں سرزد ہو اس سے ہزیاں
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری
ہوں اگر یار گدا و شاہ میں	پر ہوں سرکار سے آگاہ میں
دل وہیں ہے گو چلوں سوراہ میں	میر جی باور کرو و اللہ میں
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری
پنجم در مقبت	
عقل ہے تو مرا کہا کرتو	محو یا د علی رہا کرتو
اک طرح یہ بھی ہے رہا کرتو	اشک رخسار پر بہا کرتو
یا علی یا علی کہا کرتو	یا علی یا علی کہا کرتو
نہیں ورد و وظیفہ کچھ درکار	سمجھ کر دانی سے کر استغفار
اسکو چپنا ہے عاقلوں کا شمار	چپکے چپکے ہو یا پکار پکار
یا علی یا علی کہا کرتو	یا علی یا علی کہا کرتو
مستحق اس پہ ہیں خواص و عوام	کہ ولا اسکی معرفت ہے تمام
ہو نماز سحر کہ طاعت شام	سرفرد کر پس از ورد و سلام
یا علی یا علی کہا کرتو	یا علی یا علی کہا کرتو
لحظہ لحظہ جدا ہے اسکی شان	اسکی عادت مروت و احسان
دوستی اسکی عین ہے ایمان	چلے جب تک زبان غنیمت جان
یا علی یا علی کہا کرتو	یا علی یا علی کہا کرتو

ایسے منظر کا فہم ہے دشوار
گرم قبیح اُس کے ہیں ابرار
ہے یہ وہ ایک جسکے نام نہارا
اللہ اللہ کی جا بھی سو سوار

یا علی یا علی کہا کرتا تو

وہی احیا کن عظامِ رحیم
دمِ بخشش وہی رسولِ کریم
وہی رحماں وہی رؤفِ رحیم
گہ جرات وہی علیِ عظیم

یا علی یا علی کہا کرتا تو

جو انواعِ دشمنوں کے سہ
دوستی میں علی کی بیخود رہ
وہ نہ کر یا رگفت گو بے تہ
بات یہ ہے گی اور کچھ مست کہہ

یا علی یا علی کہا کرتا تو

اسم یہ ایک جو مکرم ہے
یہ سب اوراد پر مقدم ہے
سب کے نزدیک اسمِ عظم ہے
غرض اسے تنہا جو آدم ہے

یا علی یا علی کہا کرتا تو

رہ دلائے علی کا خواہشمند
دب کے ہرگز نہ رکھ زباں بند
ہے یہ شیوہ خدا رسول پسند
پست کرنے کو تدعی کے بلند

یا علی یا علی کہا کرتا تو

بدر آسا علی تمام ہے نور
بھول مت اسکو گرتھے ہر شعور
ذات پاک اسکی ہے علیمِ صدور
باو خاطر رب ضرور ضرور

یا علی یا علی کہا کرتا تو

سو پ رکھا اسکو نبی موت و حیات
بس ہے اسکی دلا برائے نجات
رحمت صرف ہے علی کی ذات
باتیں یوں سوتیں پر یہی ہر بات

یا علی یا علی کہا کرتا تو

مشوق تیرے تنہا نہیں ہی سنونڈ
اس طرح جیسے طفلِ نو آموز
ورنہ سینہ رہا کرے بر سوز
یکے جو حرف دہ کے شہد و زور

یا علی یا علی کہا کرتا تو

ورد اوراد کا نہ لے تو نام
شغل و اشتغال چھوڑ بیچہ تمام

ذکر از کار سے تجھے کیا کام	ایک دودم ہمیشہ صبح و شام
یا علی یا علی کہا کرتا تو	
خوف عشرے میر حال ہے کیا	یہ حواسوں کا احتمال ہے کیا
اُس سے محذورہ مال ہے کیا	ہے علی تو یہ پھر خیال ہے کیا
یا علی یا علی کہا کرتا تو	
محسّس در نقبت	
اے نائب مصاحب ذی القوۃ المستیں	دے دست زور خلوتی قدرت آستیں
چاہے تو ایک کر دے ابھی آسمان میں	ٹھوکر لگے تری تو اڑے کوہ آہنیں
پایانہ جائے جیسے پر کاہ پھر سہیں	
تو ہے کہ تیری قدر نہ آئے بیان میں	قدرت تری نہ گزرے کسو کے گمان میں
شانیں ہزار قسم ہیں اک تیری شان میں	شہرت ہے تیرے زور کی دونوں جہان میں
نکلا نہ شہر بند عدم سے ترا قدریں	
غیب و شہود دونوں میں مشہود ہے تو تو	ہستی ہماری وہم ہے موجود ہے تو تو
حاصل کہ وہ جہان کا مقصود ہے تو تو	موجود تجھ کو جانے ہیں مہبود ہے تو تو
ناجی ہیں دے ہی لوگ جنھوں کا جوہ نقین	
احوال خوش انھوں کا جنھیں تجھے ہے دلا	اعدائو آسمان نے دیے خاک میں ملا
آئینہ ہے کہ دین کو تجھ سے ہوئی جلا	برباد ہی رہے گا جو تجھ تک ہے سلسلا
یاروں نے جتنی رہیں بھائیں ٹھیں ٹھیلیں	
فتنے کو تیرے عہد میں سوتے گزر گئی	آشوب کی خطر سے تری سدھ بسر گئی
آفت کہاں کہ کب کی کنارہ بھی کر گئی	آوازہ تیرا نکلے بلا جیسے مر گئی
یوں مٹ گئے فساد کہ مذکور بھی نہیں	
داؤد ہوا جو تو تو ملی بیسیوں کی داد	تلوار مارنے سے ترے مٹ گئے فساد
اٹھے نہ گرد زندہ و کفر پر عباد	زار ٹوٹے مہرے جلے مٹ گئے بباد
برہم ہوئے گھڑی میں ہزاروں برس کے دیں	

سہنگائے گرم یاروں کے سب سرد ہو گئے
چہرے منافقوں کے وہاں زرد ہو گئے
سر در نقاب خاک پڑے مرد ہو گئے
جن سے تھا پر غبار جہاں گر دہو گئے

گلوں میں بکریوں کے چھپے شیر ختم گئیں
بھاگے پھرے پتنگ مڑا پنے لگے
روکش جو ہونے کو تھے سوٹھ دھانپنے لگے
رستم ہو بجو اس زمیں ناپنے لگے
لہنے لگے ہسٹ فلک کا نپنے لگے

رکھا گیا ہے پیٹھ پر مرکب کے تیرے زین
لہو ا تیری برق تھی آنکھیں بھیک گئیں
گھوڑوں کی باگیاں ہاتھ سے سب اچک گئیں
بھاگیں جو اضطراب سے فوجیں بھیک گئیں
لاشوں کی سیر کرتے ہوئے آنکھیں تھک گئیں

لو ہوئی ہر چار طرف ندیاں مہیں
نفرہ کیا ہے تو جو کچھو ہاتھ بھاڑ کر
نکلا ہے پردہ گوش فلک کا بھی بھاڑ کر
قوت جو تو نے کی ہے کچھو پاؤں گاڑ کر
کوہ گراں کو بھینک دیا ہے اکھاڑ کر

ہو بچا ہے ملک تیرے تلک شور آفریں
رکھتا ہے پائمال حوادث یہ آسماں
جاگہ نہیں رہی کہ کریں داد جائے اں
ہو دستگیر لطف ترا تو ملے اماں
تیری طرف نہ آویں تو پھر جاویں ہم کہاں

اے عرش تحت داد گر لامکاں کہیں
تو ہے کہ تجھ کو کہتے ہیں حلال شکلات
تو ہے کہ تجھ سے دید میں آئے عجائبات
تو ہے کہ حلقہ زن ہے ترے در پہ کائنات
اسنت تیری قدرت و رحمت ترا ثبات

ہو گئے سے تیرے سیکڑوں بھیڑیں سر گئیں
قدغن ہوا جورج کا بدعت کی ایک بار
بردوں میں مطربوں نے رکھی دف طمانچہ مار
نغمہ یہ سن کے یاروں نے چھیڑ اکھو نہ تار
نالہ ہوا نہ لبس طنبیر سے دو چار

آواز نے کی بند ہوئی ہو گئی حسرتیں
ترو امنوں کے دیکھے تو لب خشک ہو گئے
احوال میکہ سے یہ بہت بررو ہو گئے
معتادے جنہوں کی تھی سب جان کھو گئے
مخمر بکھینچ بکھینچ کے خمیازہ سو گئے

کیا کیا حسرتیں یہ خرابات پر رہیں
لاشکل اس کی دل میں وہی منطفے کو دیکھ
اُس رخ کا کہ تصور تو یہ خدا کو دیکھ

سکشن میں دلیروں نے تہ پھرا انکھڑیاں ملیں

حاکم یک آسمان ہے یا زمین و آسمان

سبحو دعو جو صبح سعادتی کی وہ حبیبیں

رونق فزائے کتبہ محمدؐ کا جانشین

ہے چشم شوق عینک شفاف دور میں

تیری ولایت سے داخل ایمان مویشیں

خوش منت کراہ اس سے زیادہ نہ کریں

بر سے اُٹھو! یہ اوس کی جاگہ در تھیں

پنجمں در منقبت

پارساہیں جو جواں پیر ہدی کہتے ہیں
ساکب مسلک دل را ہنما کہتے ہیں
جو ولایت رکھے ہیں شاہ ولا کہتے ہیں
ایک مولا کہیں ہیں ایک خدا کہتے ہیں
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

آفتاب فلک عز و علا تو ہی تھا
جانشینی ہمیشہ کے سزا تو ہی تھا
چہرہ آراے زمیں اور سما تو ہی تھا
قالب خاکی کے پردے میں خدا تو ہی تھا
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

ہے تری قدر سے بے ختم رسل کون آگاہ
زور سے تیرے اڑے کوہ بساں پر گاہ
عجۂ اشان تری صل علی تیری عباد
وہ ثبات اس قد و قامت پر یہ قدرت ہو باہ
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

مجھ کو وہ خلو تو راز نہاں پاتے ہیں
افسرو تخت ترے در سے شہاں پاتے ہیں
بسکوا بخلق میں سر جائے عیاں پاتے ہیں
مستترے سجدے کا شائستہ کہاں پاتے ہیں
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

پاشکستوں کی ہوئی کام روائی تجھ سے
گھٹتی آئیں کی گئی ملک نہ اٹھائی تجھ سے
بستہ کاروں کی ہوئی عقدہ کشائی تجھ سے
رہ گئی دین محمد کی بڑائی تجھ سے
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

خشمگینی تری دشمن کے سر آفت لالی
روکشی ہمدیں از در سے نہ ملک بن آئی
عمر و عنتر نے سنبھلنے کی نہ فرصت پائی
زور قدرت نے تری قدرت حق دکھائی
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

مشور و ہنگامہ تھا کیا ہی مٹایا تو نے
در خیبہ کو دوا نگشت سے ڈھایا تو نے
صنچ عشرتیں فتنے کو سلا یا تو نے
کارٹھ خورشید کو دوبار دکھایا تو نے
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

عالم کون و فساد آکے کیا تو نے پاک
زیور سرکش ہوئے آوازہ تراشے ہلاک
دہر گلزار ہوا جھڑ گئے خار و خاشاک
پردہ قاف ملک پہونچی تیرے زور کی ہلاک

یاعلیٰ جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں	تجھے تو یٰ نبیؐ ترے زور شجاعت سے شیر
بھیڑ بکری کی طرح خون سے رہتے تھے دیر	ہرزبردست زمانے کا رہا تیرا زبیر
تو نے سلاں کے لیے توڑ دیا پنجہ شیر	یاعلیٰ جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
ہے فضیلت تیری قرآن سے ثابت سب پر	تجھ سے پایا نہ گیا بعد نبیؐ فاضل تر
جس جگہ تو ہے تو وہاں جلتے ہیں جبریل کے پر	قرب کیا تیرا بیاں کیجئے اسے خیر بشر
یاعلیٰ جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں	دوش پر رحمت عالم کے رکھا تو نے پا
فائدہ حق سے دیا شرک کی صورت کو مٹا	عالم خاکی میں تھا مصلحتاً جلوہ بنا
عرش اعظم سے بھی تھی ورنہ پرے تیری جا	یاعلیٰ جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
ایک سب سے تئیں پہونچی ترے جلو سے خاک	اسے ترا مرتبہ بالا تر فہم و ادراک
پر کہاں عالم خاک اور کہاں عالم پاک	ہیں ترے شوق میں سرگشتہ شب روز افلاک
یاعلیٰ جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں	اپنے اسرار کا تو آپ ہی کچھ دانا ہے
ورنہ کن نے تجھے جوں چاہیے پہچانا ہے	ایک فرقے نے تجھے روح خدا مانا ہے
ایک نے ذات مقدس تجھی کو جانا ہے	یاعلیٰ جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
یعنی مداح ترا کیونکہ ہوا کن ہے میر	شان و شوکت تیری کیا کر سکے عابد فقیر
تین فقیروں کے تئیں بخش دیے تلج و میر	زیب ریتی ہے تجھی کو شہی کل امیر
یاعلیٰ جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں	

محش و دیگر

ذی عزاسو اسے خدا خویش مصطفیٰ	اسے مرتفع نشین علی العرش استوا
بُت توڑ توڑ شرک کی صورت دیے مٹا	تو تھا کہ تو نے دوش نبیؐ پر قدم رکھا
الایا بزور عرصے میں کیتا لی خدا	رکتے ہیں تجھ سے چشم کرم صاحب نظر
افضل ہوئی سب سے ترے خلقت بشر	

تو جس کمال ہے تو مصداقِ تیرے
ہے مورد قبول دعا تیرے گھر کا در

ہے مولدِ شریف ترا خانہ خدا

ہر موزبان ہو تو کریں وصف ہم ترا
اگر تار با ہمیشہ مسجائی دم ترا
رونی ہوئی جہان میں آیا قدم ترا
بر پائے ہوئے روزِ حشر اگر علم ترا

انور شید حشر سایے میں کسکے ہو پھر کھڑا

تو وہ ہے نام لیتے ترا بھیجتے درود
گزرے اگر تو دل میں تو گریں بیٹھے سجود
شخص کرم کے وقت دہش تیرے کیا نمود
تو گرم جود ہوئے تو پھر کیا بلا ہے جود

تیری سخا کے روبرو کیا چیز ہے سخا

آگہ ہیں تیری قدر سے کاسے کو بے تہاں
جائیں ہیں فخریاں کی گدالی کے تیں نہاں
تجھ سا کریم عرصہ میں آفاق کے کہاں
ہے در ترا وہ کان عطا و کرم جہاں

ہوتی ہے سیر آن کے حرص شہ دگدا

مقدور والے عہد کی گھٹی سہاگے
افسانے تیری جود کے ہر دم کھساگے
دور یا گھر کے ہاتھ سے تیرے بھاسگے
احساں پہ تیوسے سیکڑوں احساں رہاگے

ہمت نے تیری ہمت عالی سے کچھ بیا

دکھلاوے چند چرخ نشیب و فراز کو
پیوند کر زمین کا غم جہاں گداز کو
کرناز ایک لطف سے میرے نیاز کو
تو وہ امام ہے کہ جب آوے نماز کو

پیشینیاں تمام کریں تجھ سے اقتدا

ہر اک کو اس تقدس ذاتی سے کیا خبر
پہچانیں تجھ کو کیونکہ عسریہ ان بے خبر
نہ نقصیہ دلوں کو نہ یاری کرے نظر
پر علم ہو رہے گا کہ تھا حق ہی جلوہ گر

پردہ یہ بیخ سے بشریت کا جب اٹھا

جاگہ ہر ایک دل میں تیری ہی ولا کی تھی
تیرا ظہور آرزو ارض و سما کی تھی
تجھ سے شہانِ عہد کو نسبت گدا کی تھی
قدرت جو دیکھی تیری سو قدرت خدا کی تھی

اگر آسماں حریف ہو خاک میں ملا

زور آوری جہاں میں تری داستاں ہوئی
عرصہ کے پہلو اویں کی قدرت عیاں ہوئی
تجھ سے شہانِ عہد کو نسبت گدا کی تھی
کتنوں کی جان سانسے تیرے داس ہوئی

سیر تری کماں کی نہ کوئی اٹھا سکا	
دشمن سب آئے سامنے ہر ایک جوں بہاڑ جس کی کمر میں ہاتھ چلایا لیا اٹھڑ	فرضا ہوا غلام سے تیرے اگر بگاڑ مارا نہ ایک دوسری کو میدان میں کھپاڑ
جس کی طرف کو آن جھکا بھر جھکا دیا خرگوش تھے بہیر کے گویا جوان و پیر اُسکی کماں کے ساتھ تھا پیغام مرگ تیر	آیا ڈپٹ کے گھوڑے کو جوت بھڑچیر سرگرم و زرم جب کہ ہو اکہ کے گیر گیر
تلوار اُسکے ہاتھ میں تھا نامہ فنا بہترے کوہ و دشت کو بھاگے کڑھب گئے جوڑا دھر سے تیرا دھر سہم سب گئے	تھکے برج سے جوان سوا سٹ سے دب گئے چمکی ادھر سے تیج او دھر سر جدا ہوا
جو زفلک سے پھاتی میں سب پر گئے ہیں چھید کم بخت بھی پھر نہ ترے در سے نا اُمید	ہے کون داد رس جو کہوں اس سے اپنا بھید اُمید ہے کہ پہونچے ترے لطف کی نوید
از بسکہ وقف کرتے ہیں دن طالع رسا ہر روز اکب جفا ہے یونہیں عمر ہو گئی ہر شام غم غذا ہے یونہیں عمر ہو گئی	ہر شب یہ دل خفا ہے یونہیں عمر ہو گئی جی پر غرض بلا ہے یونہیں عمر ہو گئی
ہر صبح خون دل ہے جھپے آب و ناشا آوارہ گرد بادیر استلا ہوں میں یعنی برہنگی سے تو طک پنج رہا ہوں میں	آشفہ کوہ و دشت میں مدت پھر ہوں میں چوں گرد باد خاک میں کیسے ملا ہوں میں
تہ گرد کی جو بیٹھے ہے تن پر سو ہے قبا مرنا بتا نہ اُس سے کہ پیدا نہ تھا کفن احوال میرا تجھ پہ ہویدا ہے من و عن	اس شہر میں ہوں دیر سے آوارہ بے وطن القصہ حال بد سے کروں تا کجا سخن
اظہار اس پہ پھر ہے طبیعت کا مقتضا پھوڑا سا یک رہا ہوں سبھی در زناک ہوں یہ جی میں آرزو ہے کہ جب مر کے خاک ہوں	ہوں مبتلا کئے رنج و بلا سینہ چاک ہوں دور آستان سے تیرے کہاں تک ہلاک ہوں
لاوے بخت کی اور اڑاتی ہوئی صبا	

امداد کر کہ پہونچوں ترے آستانِ ملک
ہر در پہ اضطراب پھر اوسے کہاں ملک
لے جاوے اشتیاق مجھے کھینچ واں ملک
یوں اتفاق پیدا کروں صرف جاں ملک

مقصد یہی ہے دل کا یہی جی کا مدعا

یوں کشتہ چند مرتبہ و صباہ کار ہوں
جی چاہتا ہے خاک ہو اس راہ کار ہوں
اب تک ہلاک مطلب دلخواہ کار ہوں
پامال ترے زائر درگاہ کار ہوں

الحاج شرف ہو سر پہ مرے عاقبت کوتاہ

بے اختیار روؤں ہوں ہر صبح اور شام
مقصد اسی کو جانوں ہوں سمجھا یہی ہوں کام
یعنی کہ شوق در کا ترے دل کو ہے تمام
اے جد پاک حضرت موسیٰ رضا امام

اپنی تو آرزو ہے یہ آگے تری رضا

سیتہ سیتہ سیتہ سیتہ سیتہ سیتہ

ہفت بند

السلام اے رازدارِ داورِ جان آفریں
ذاتِ تیری جوں خدا کی ذات ہے والا صفات
یہ شرافت یہ سیادت یہ تقدس یہ کمال
تو ولی ہے تو وحی ہے تو علی ہے تو وہ ہے
کیا تعقل کیا تحمل کیا تجتہ کیا دثار
سید برحق شریف النفس خسر روزگار
پیشوائے پیشوایاں سجدہ گاہ مومنوں
منظرِ سدا عجائب مسدِ رطقت و کرم
مقصدِ دلِ اختیایاں مدعا ہے عاشقان
دارتِ دینِ داورِ عاقل شفیعِ روزِ حشر
الملک ملکِ ولایت ساکیم عالم پسند

السلام اے لامکاں کے حاکمِ سند نشین
بے شریک و بے عدیل و بے نظیر بے قرین
یہ تنزہ یہ تعالیٰ یہ تفوق ہے کہیں
جس سے بالا تر تصور کیجئے تو کچھ نہیں
طفلِ کتب درس گم کا تیرے عقلِ اولیں
باعثِ عزتِ سپہرِ موجبِ دستِ یزین
زمینتِ بطنِ ادیبِ ربِ رونقِ اسلام و دین
زیبِ منبرِ جانشینِ رحمتِ للعالمین
آرزو ہے اہلِ عرفانِ مطلبِ اہلِ یقین
حافظِ عرشِ برین و حامیِ شریعِ کتبین
ارشاہِ صاحبِ استقلالِ امیرِ المومنین

حمد تیرا عدل ہے سب ملک تیرا ہے سرور

بحرمِ داندہ گئیں ہوں ملقت ہونا ضرور

بند دوم

اے مرے مرے موئے مرے صاحب دھر بھی کر
 لکھت یک گونہ کر یہ خاک ہو جاتی ہے زر
 نے مجھے کچھ لکراوے ہے نہ مجھ میں کچھ ہنر
 ہے داغ بے داغ ان محبت عرش پر
 میل کلی دل کا ہوتا ہے تری جانب مگر
 گوش زد تیرے ہو فریاد تو ہے بے اثر
 دیکھنے کو بھی نہ آتی تھی میر حشیم تر
 اپنی پلوں سے سیں عشاق کے زخم جگر
 قدر تیری ایسی والا حاجت اپنی کس قدر
 خاک بر سر زندگانی کب تلک کرے پسر
 یک شاخ آرزو انہی نہیں لاتی شمر

اے مرے سرمایہ دنیا و عقبی لطف کر
 لطف تیرا میں سے میری کمی سازی کرے
 رحم پر موقوف ہیں سب کام اس ناکام کے
 سرفرد لانے کو جی کب چاہتا ہے سبک پاں
 وقت جب ہوتا ہے خاص سے خاص العین
 تو نہ پہونچے داد کو تو ہائے کیا بیداد ہے
 وقت خوش وہ تھا مسرت بخش کتنا خلق کا
 شاہ عدل آنکھ میلی گر کرے تو خو برو
 کیا بیاں اب کرے شرم آتی ہو عرض حال سے
 بتو وحشت ہے طبیعت میں بساں گرد باد
 آبیاری تیری یہ اور باغ سب سرسبز ہے

بارے برگی گراں ہے اور میں ہوں توان
 بے نسیم فیض تیرے اس چمن میں میں کہاں

بند سوم

جہل تن عزت سراپا و قدر و کسیر اعتبار
 رتھجھنے کی جائے حشمت سیر قابل اقتدار
 نوع انسان کا تمامی تیرے اوپر افتخار
 میں فسانے زور کے تیرے جہاں میں باہکار
 لا فتی الا علی لا سیف الا ذو انفقار
 جسکے نکلے نے خس و خاشاک نے گرد و غبار
 تو ہوا ہے اُس روش اس بادِ پیا کا گزار
 پھر کھلے پر آنکھ کے رہ جائے میں حیران کار
 روز میدان سایہ شمشیر میں ہنسنا شعار
 بر ترے اوصاف سے ہیں قریب و شہر و دیار

اے شہ خوبی نسب والا حسب عالی تبار
 اللہ زور بازو قدر و قدرت دیدنی
 قدس کے باشند گاہ کا ناز تیری ذات پر
 قلع خیمہ مرگ اژدر کھینچنا خورشید کا
 جھک گئے گردن کشوں کے جہاں میں نے کہا
 تو کے جاروب ہتی میدان کیں کی تیری تیغ
 تو نے چھڑا ہے اگر مرکب کو اپنے کہے ماں
 جوں کوئی بجلی چمک جاتی ہے گاہے پیش چشم
 گوشتہ محراب میں راتوں کے ٹپکے سے کام
 کیا چھپی ہے کچھ یہ شخصیت جو نیاں طہ کروں

ہے گہر بخشی سے تیری ابر نیساں بیکٹشہ

مہر باں ہو یک نظر اس چشم نیم کی اور دیکھ
دیکھ مت میری طرف اپنے کرم کی اور دیکھ

بند چہارم

کیا گد کیا شاہ دونوں تیرے در سے کامیاب
کوئی بیگانہ تری تقلید کیوں نہ کر کر سکے
حیف وہ بے تہ نہ رکھے جو کہ تیری دوستی
عقل کا معقولہ تو ہے خلق کا مقبول تو
بچھ سے روئے بخت کس کو غیر علام الغیوب
جب کوئی ساقی کہیں تجھ سا ہستی روئے
غیر کی گیسو ترے اوہوں تو کھلیا تا ہے جی
تو تو قن کی جگہ سب کی بھی سے چشم داشت
لطف بے پایاں ہے تیرا سایہ گستر خلق کا
ہے جہاں تیری سخاواں بحر و بر کا کیا شمار
شرح وسعت دامن دلت کی تیرے کیا کروں

تیری ہمت تیری جرات تیری طاقت تیرا زور
تو ہی رہے تو ہی ہو جھے تو ہی دیکھے اپنی اور

بند پنجم

اے بسان کو تیرے طوف میں دو جانبیاں
جوش بارے فیض کا چشمہ ترا تو بحر ہے
آب شرم رشک سے تیرے ستارہ صبح کا
کیا بلندی قدر کی اللہ کیا شان رفیع
زور ایسا کا ہے کو بالقوۃ انسان ہے
گرچہ عالم دیدہ حضرت خضر بھی ہیں آدمی
تجھ پہ نطل اللہ کا اطلاق شاہراست ہے

نام تیرا حلالان عرش کا دروز باں
زمزم تنیم پھر میں ایک دو حقیر کہاں
خاک تیرے آستانے کی جبین راستاں
جس جگہ تو ہے نہیں ہرگز رہ وہم کیاں
بے مزہ ہو تو ملا دیو سے زمین آسمان
پر نہیں ہو ان کو مطلق یاں کی صحبت کا دھیاں
چتر ہے خورشید تیرا چرخ تیرا ساں باں

شیر پرے میں سدا رہتا ہے یاں بریاں
حاصل کون و مکان تو واقفِ راز نہاں
حسب تیرا کوہ تیرا علم حیرت گیراں
توہاں ہو ایک ڈال گویا کہ ہیں دونوں جہاں

شیر ہونا تیرا کیا سمجھ بڑا حش ہے شیخ
سُن طلسمات جہاں کے سبیاں ہیں بچہ پر از
نور سے تو راہ کا بل قدر سے حیرت بریں
کیا تسلط کیا تحمل کیا تمول کیا شکوہ

یہ طرح پاتے ہیں تجھ میں سب رسول اللہ کی
رشتہ ہے نام خدا تو اب رسول اللہ کی

بند ششم

اے مرے والی مرے مقصود ہم نام خدا
دیکھ کر اندیشہ تجھ کو عرش پر جاتا رہا
قدر تیری ہے جہاں واں گفتگو کو قدر کیا
ہرزواں میں ہر مکان میں شان تھی تیری جدا
تو ہماری آرزو ہے تو ہمارا اندعا
عشق تیرا دوستی تیری فقط تیری ولا
تو ہی یاں حاجت روا ہو تو ہی یاں مشکل کشا
کس سے کہئے کس گئے لیجائیے بھر التجا
اپنے ہاں جو ہے سو تو اسے شافعِ روز جزا
ہوں زباں و دل موافق جگہ می ہوئے قضا
ہے رضا مندی تو اپنی اسمیں آگئے جو رضا

اے چراغِ جہلہ نور خدا ندان مصطفیٰ
ہے تو تو مخلوق لیکن عقل میں آتا نہیں
تو جہاں ہے اُس جگہ کیا آسمان کی قدر سے
کاہ احمد گہ احمد کا ہے علی پایا تجھے
قرط عشق اپنے سے کیا حرف سخن کی کام جہاں
مطلب اپنا مقصد اپنا حاصل اپنی رست کا
تجھ سے ہم خوابانِ مطلب تجھ سے ہم جوئے کام
تجھ سے احکم تجھ ساد اور تجھ سایا اور چھوڑ کر
تو ہے وارث تو ہے مالک تو ہی صاحب تجھ سے ہم
عقدا د اپنا یہی یارب ہے ہنگام مرگ
وم بدم ہو نہ ٹھوں کے اوپر یا علی ہو یا علی

ہم ہی فردوس سمجھ ہی اسی کے تیں نجات
رزق گان شوق سے بس اور کیا بوجھو بوبات

بند ہفتم

اے نزلِ عزت و مسجدِ انبوہ امام
تیری قدر و منزلت میں ہر کسی کو کیا کلام
شہر گرد ایسے بہت دیکھے ہیں پھرتے نام
قیصر و فقور رواں ہوں بندگی میں جوں غلام

اے امام واجبِ تعظیم و بابِ احترام
تیری قدر و منزلت ختمِ رسل سے پوچھیے
تجھ نسخ پر نور سے نسبت نہیں ہی بدر کو
دے جہاں عرضِ تکرارِ حشمت و شوکت تیری

سام کو تب پوچھتا ہے کون رستم ہے کلام
تو لیک مقتدر ہے تو عزیز ذی انتقام
تو ہی اپنا پیشوا ہے تو ہی اپنا پیش امام
لیک حسانِ عرب سے کم نہیں کچھ میرا نام
اس فصاحت سے عبارت اس بلاغت سے کلام
یہیں رحمت سے ترے پڑھتا ہر عالم صبح و شام
یعنی ہووے جس کا مد کا قبول خالص عام

جب تری زور آوری کی معرکے میں دھوم ہو
تجھ سوا جو رنک کا کس سے بدلا چاہیے
دست بستہ اقدام سے کس کی کب ہوئی
گرچہ کہتا ہے زبان ہند میں یہ منقبت
اس ادا سے گفتگو اس حسن سے طرز سخن
ہیں متاع نیک یاں اشعار مولانا حسن
تو خریداری کرے ٹکد بھی تو قیمت ہو و چند

سو خدا ناکر وہ ہمیشہ نہیں کرتا فقیر
آزاد ہوتی نہیں ہے غیبت ایمان میر

ترجیع بند و منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ

باب لعظیم ہے علی کا گھر
ہے علی افتخار نوع بشر
نزالت ہے علی کی بالا تر
مصدر صد ہزار فضل و ہنر
کر دیے خاکوں میں بھوسے سر
زور اپنہا عجیب زور آور
یہ جو کہتے ہیں پاس ظاہر کر

قابل سجدہ ہے علی کا در
ہے علی ہی کا نام موجودات
فرش رہ عرش ہو نہیں سکتا
نبیج لطف و مظهر احسان
تھا پر آشوب جسکے شور سے دہر
قدرت اُس کی خدا کی قدرت
اعتقاد اپنے کو چھپا یا ہے

ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

جان بھی اپنی ہے علی کی نیاز
حرمت کعبہ آبرو سے حجاز
ہوویں یا در جو طالع ناساز

ہے علی بجلل عزت و اعزاز
غم شریک محمدؐ عربی
خاک دروازہ علیؑ رہے

۱۱۔ حسانِ عربیہ ادب و حسان بن ثابت انصاریؓ تہا حضرت علیؑ علیہ وآلہ وسلم کی منظر کرتے تھے ۱۲
۱۳۔ انہی کا شیخی انکی تصنیفات سے بہت ہند کا شی منقبت حضرت علیؑ میں مشہور و معروف نظم ہے ۱۴

یہ اس ترجمہ بند و منقبت حضرت علیؑ کا ایک حصہ ہے جو کہ شریعت و فہم سے ۱۱۲ ص

<p>در فردوس منہ پہ ہو گایا ز تو میرِ اسلامیوں میں تو جھٹایا ز اس کی قدرت پہ سب کہیں ناپا ز نے سر سجدہ نئے دماغ نما ز دوستی کشتگانِ قلب گدا ز گفتگو شوق کی بہت ہو دراز</p>	<p>رو علی کی طرف ہی رکھ اس میں ہو سکے تو علی پرستی کمر ہے علی وہ کہ چرخِ دہاہ و ہر محو یاد علی ہیں جو اُن کو ہے علی سے علی طلبِ شوق و ز قبلہ کعبہ خدا رسولِ علی</p>
<p>ہم علی کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>زیب مسجد ہے حسنِ منبر کا ہے زباں زود فسانہ خیمبر کا چیز نا کو دکی میں اُردو کا وقت کم تھا نماز و نیکی کا سن کے احوال عمر و عنتر کا کٹ گیا جس سے رنگ اکثر کا رفع کیا ہو غبارِ دل پر کا مرتبہ اس سبھوں سے بزرگ کا فرق ظاہر سے ایسے منظر کا</p>	<p>ہے علی جافیشِ پیہر کا زور بازو سے اُسکے کیا کہئے کر گیا گم ٹبروں ٹبروں کے حواس جذبِ نور شید کس طرح سے کیا سرکشانِ جہاں نے جھٹکے کان تیغ اُس کی تھی برقِ ابرہار بارشِ ابرِ طوفانِ اُس کے کیا ہمارا شعور جو سمجھیں عقل کل پر بھی کرنا شکل ہے</p>
<p>ہم علی کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>جمع واجب کے اسمیں سب ہیں صفات دمِ زردن یہ نہ جانے علم و ثبات کیسے ہم تم کہاں کے موجودات نہ ستارے نمود کرتے سات رہتی تاریکی عدم سے رات سو جھٹاکس کو ہاتھ سے پھرات</p>	<p>ذاتِ پاک اُسکی ہے خدا کی ذات علم و قدرت نہ بابت مذکور وہ نہ ہوتا سب تو پھر کیا تھا نہ تو دس عقل و نہ فلک ہوتے حال روشن نہ روز کا ہوتا اُس کے مقدم سے نور ہے و نہ</p>

وہ مقوم سمجھوں کا وہ سب کچھ
یہی کہنے کی ایک ہنگی بات

ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

ہے سبب کہیں کہیں ہے سبب
ہے علی قابل پرستیدن
عشق ہے ہم جو لیتے ہیں یوں نام
دم الطاف سبز روئے زمین
دب یکبار کے لیے دشمن
تو بنا پائے خاک میدان پر
بار ہا اسے سوار شایستہ
تو ہے بندہ تو اسے مرے معبود
ہے تقفن کے طور پر یہ شعر

ہے وہی لطف بے نہایت اب
ہے علی مظہر ہزار عجیب
ورنہ سجدہ بھی یاں ہو ترک اب
جگر چرخ چاک وقت غضب
دب کیا تو نے جگہ ہی مرکب
استخوان ہزار کار طلب
الیق چرخ نکلا نقشے رب
پر خدا کے سے میں تے ٹھہر
اشنا است اب سے روز شب

ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

ہے علی حامی و مقوم دیں
ہے علی برگزیدہ عالم
اسکی بہت سے اس گلستاں میں
اسکی جرات سے شعر مرہ ہے
خولی انکی کہاں تلک کہنے
اللہ اللہ تیری عزت و قدر
جیتے جیتے ہمارے قلب پر اب
کبریا اسکی ہے ورائے قیاس
انویہ بات اسکی قدرت سے

ہے علی پیشوائے اہل یقین
ہے علی اشرف زبان و زمین
جیسے شبنم پڑے ہیں در شبن
ان کو جو ہیں گے شیشہ کیلین
خوب جاتے جسے رسول امین
مجلس انبیاء بعد انشیں
نام اس کا ہے جیسے نقش نگین
وہم اپنا گیا کہیں سے کہیں
تہیں بالقوۃ آدمی کا نہیں
پر خدا سے جدا نہیں جانا

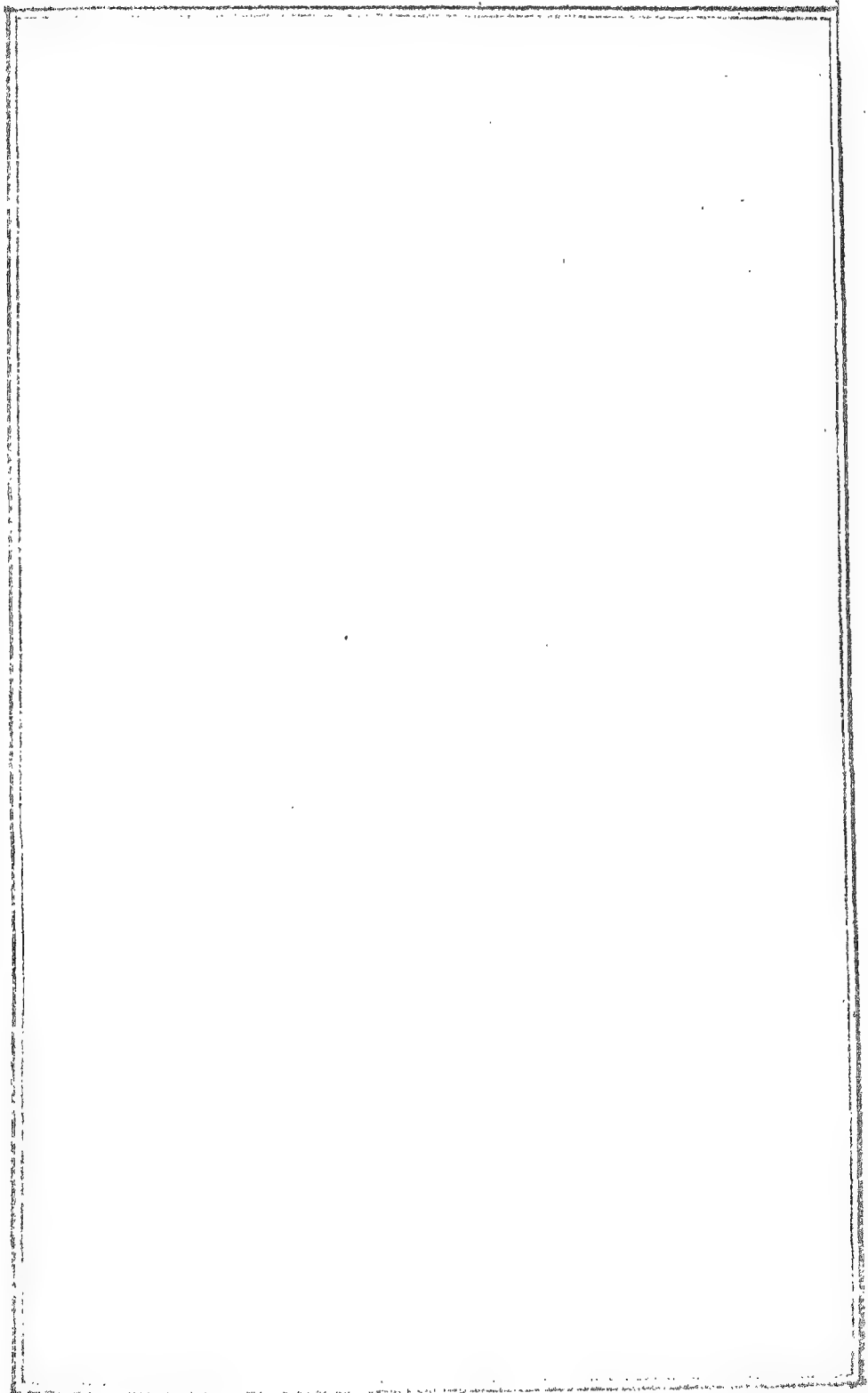
سجدہ کرنے کے ہے علی قابل
قبلہ اپنا ہے اس شرف زیل

<p>سبے والا اسکے زسیت کیا حاصل پیر عقل ایک کو رک جاپاں کہ مکر رہے لب سایل راہ مطلوب کو ہے یہ واصل کف ہمت محیط بے ساحل دیکھ کہ تیری قدرت کا بل عقل وادراک و فہم سب قایل کہتے ہیں سارے بالغ و عاقل</p>	<p>مرگ ہے مصلحت سے دشمن کو درس میں تیرے اے شہ علام تیری ہمت قبول یہ نہ کرے اصل مطلب کو دوستی تیری دست بخشش سحاب بارندہ سیر کر جمع کساں تجھے طفل و بڑا و پیر سارے مقرر یہ عقیدہ نہیں ہے اپنا ہی</p>
<p>ہم علی کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>دیوے خورشید حشر سے وہ اماں ہے علی خلوتی راز نہاں چھتے رہتے ہیں اہل عالم جاں نہیں ہے بے نہیں ہی ہمایاں کام کرتے نہیں قیاس گماں عقل کا درک وہاں ہو کیا کہاں حیف صد حیف وہ دہان و زباں ایسی شمشیر ہے نہ ایسا جواں قدر اسکی کہاں سپر کہاں</p>	<p>ہے علی سایہ گستر و دجھاں صورت ظاہر علی پہ نہ جا وہ علی کی ہے ذات پاک جسے کیا کر بھی کی ہے صفت اللہ شان ارفع ہے اپنے صاحب کی ہے جہاں رتبہ و جوب اس کا خوگر اس نام لینے سے جو نہیں دونوں کیتا ہیں و الفقار و علی سب ہیں حیران منزلت اس کے</p>
<p>ہم علی کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>وہی مشہور ہے وہی موجود لینے نام اسکا بھیجتے ہیں درود کی علی کے لیے بھوں نے نمود کیا ہے اسباب اگر ہوئے مفقود</p>	<p>ہے علی مدعا علی مقصود ہے علی وہ کہ سارے صاحب دل کیا زمین کیا سپر کیا مہر و مہر جمع رکھ دل علی سبب ہوگا</p>

<p>ہے یہ صاحب ہمارا تو معبود لیک آگاہ راز ہیں مسدود یعنی سب اُسکو جاتے ہیں مسجود کیا ہے واں کا ہمیں غم بہبود گوش کر اُسکو تو اچھل یا کود</p>	<p>بندگی کے مقام ہیں معلوم مصطفیٰ مرتضیٰ خدا ہے ایک جھک ہی جاتے ہیں سر سرنگا نام حشر ہو گا علی گئے ساتھ اپنا عند یہ اپنا اپنا ہے اے شیخ</p>
<p>ہم علی کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>ہے علی دانی ہی خدا دانی ہے دوائے غلی مسلمانانی پوں بچھا تو بساط ایمانی کہ جہاں میں کرے سلیمانی تا کہیں بچھو کو باہ کفانی ہے وہی شاہ سلیمانی چہرہ پرداز نور یزدانی بات اُس کی کلام ربانی گو برامانے کو کی مروانی</p>	<p>گاہ بیکہا کر علیؑ خوانی مہر کا اس کی رہ سر اشفا فرش راہ علیؑ کر آنکھوں مور بے زور ہو علیؑ کا تو چاہ میں اُسکی آپ کو گم کر ہے وہی مہر چرخ عرفاں کا قامت آرائے کبریا حق کا با تھ اُسکا وہی خدا کا با تھ شوق مفرط سے ہے طرز سخن</p>
<p>ہم علی کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>آگہ کار واقف اسرار کچھ چھپا ہو تو کیجیے انظار ہے علی غویش سید ابرار اُسکی تبرا ت کا کسکو ہے انکار اشرف و دُرود سید و دربار خوبی بزم و گرمی مضار وہی قنار ہے وہی جبار</p>	<p>ہے علی یوں کا الگ و مختار ہے علی آفتاب سار و شن ہے علی بہتر من خلق خدا کون اُس کا مقرر جو نہیں یہ شرف کس میں جمع ہوتے ہیں عہد کا فخر وقت کا سلطان تیغ برکت اگر نمود کرے</p>

<p>پر وہ پوش و غفور ہے شارب کہتے ہیں اور پھر کہیں سوار</p>	<p>حکم کے مرتبے میں ہو تو وہی عشق پیشوں کو اُسکے کیا و سوس</p>
<p>ہم علی کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>دے دے ڈالے ہیں جسے تاج و تیر جسکا نکلا نہیں عدم سے نظیر شاہیاں لے گئے ہیں یاں فقیر جیسے بر سے ہے کوئی ابر مٹیر گنہ آمرز اور عذر پذیر و مبدم جن سے ہوتی ہو تقصیر ہو علی ہی کو انسانی کبیر قدر سے قادر و خدا سے قدیر چاہے سو ہو کہ لے ابے میر</p>	<p>ہے علی وہ بلند قدر امیر اُسکی کیتائی میں تر و در کب خاک در ہوشہر ولایت کا یوں ہے در ریز دست جو اُسکا صاحب ایسا ہی ہو تو صاحب سم سے بندوں کی ورنہ کیونکہ بچے کچھ محبتوں کا معتقد مت پوچھ شان سے کہتے ہیں محیط کل تو مولیٰ علی پرست نصیر</p>
<p>ہم علی کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>— — — — —</p>	

244



مدحیات

میر تقی میر دہلوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قصیدہ در مدح نواب آصف الدولہ بہادر

سیہ ہے کاغذِ مشقی کے رنگ لعلِ ضمیر
مری خرابی میں اُن نے نہ کی کچھو نقصیر
دل شکستہ کو میرے کیا نہ تھک تعمیر
تو رو سیاہ نے اُس کام میں بھی کی تاخیر
حکومِ نون دیا اُن نے جائے کا سہ شیر
کہ اس چمن میں رکھا اُن نے فنجہ ساں دگر
پھر ایا عرش سے نائے کو میرے بے تاثیر
ہمیشہ اپنا ہی حیران کار جوں تصویر
مال دار کیا سارے شہر میں تشہیر
کہ اسے جو ان ستم کشتہ پہر پہر
مُنی نہ ہم نے کوئی آشیانہ سوزِ صفیر

ہوا کیے ہیں زبس شکوہ فلکِ تحریر
کروں نہ شکوہ جفا ہائے آسماں کیونکر
دیا ہزاروں کو دست اُن نے خانہ سازی کا
جو میں نے چاہا کہ جلد اپنا کام کرے تمام
سیا تھا چشمِ طمع کو میں اک سحر اس پر
داغِ رفتہ شگفتن سے آشنا نہ ہوا
در قبول سے ناسید پہونچی میری دعا
نہ دیکھا صفحہ عالم کو میں کہ اُن نے رکھا
برائے یک لبناں مجھِ ضعیف کو اُن نے
فلک کے شکوہ میں تھا میں کہ ہمیشہ بدلا
غزل نہ لطف کی اک تو نے میر صاحب کی

یہ سن کے فکر نے کی مطلع غزل کی فکر
فلک نے صفحہ کاغذ پہ جو کیا تحریر

مطلع ثانی

ہماری یار سے صحبت ہو کس طرح و گریہ
گرہ میں نالاک آتشِ فشاں سو بے تاثیر

سمجھ کے زلف کے کوچہ میں پاؤں کھنکھوڑا
ہزار قافلے یوں مصر سے چلے لیکن
کھلا نہ منہ پہ ہمارے کہ سپہ زباں پر آہ
جگر ہے رشک کی جا اس شکار کا تیرے
جہاں میں اہل جہاں کو پوکشمکش بن گیا
سفر ہے دور کا درپیش آنکھ اکینہ رو
نہیں تو دیر محبت کی رسم سے آگاہ
تمام نالہ ہوں اُس بن گور کہ روزِ نخست
غزل کو سن کے کہا ہنشیں نے تجھساخص
وہ آستانہ کہ گویا ہے راستوں کی جبین
شرف ہے جس سے یہ اس آستان کو کیا ہو

کہ نکلی ہے یہیں سے راہ خانہ بن خبیر
کیا نہ ایک نے گناں کی سمت کو شبگیر
بزرگ خامہ بخوف خوچکاں تفتیر
کہ صید گاہ میں پہلے ہی آگیا سستیر
کہ ایک تنگ قفس اور جس میں اتنے اسیر
کہ زار راہ عدم ہو نگاہ وقتِ اخیر
کرے ہیں کعبے کے عسکوں کی بھی یہاں تکفیر
کیا تھا تن کا مرے سودہ جگر سے خمیر
بجا ہو خاک ہو گر پیش آستان وزیر
کرے ہے سجدہ جسے آن کر صغیر و کبیر
وزیر کہے کہ فرماں روا ہے کوئی امیر

غرض جلیس سے شکو کہ غم شریک جو تھا
ہر شن کے اے گنہ آمر زار و عذر پذیر

مطلع ثالث

خل پذیر ہوا ہے و ماغ خامہ مسیر
تمام قدرت و آصف صفت سلیمان جاہ
فلک شکوہ ستارہ چشم خدیو جہاں
ز ہے یہ حشمت و جاہ و جلال و قدرت و زور
ترے تحریر و فقر کا ہے سد احتاج
ز ہے علو مراتب کہ در پہ بار نہ پاسے
شریک مشورہ کا رخسانہ عالم
رواں ہو صبح کا گر مرکب ظفر پیکر
کف سخا کی تیری ریزش کرم کے حضور
ہم کو تیری بیاں کیا کروں کہ اے مدوح
کروں میں عرض سو کیا بفت گنج خسرو کو

کہ تیری مدح میں کھو لا زبان کو کفر فقیر
سوار دولت و گنجینہ بخش و دشمن گیسر
ترے جلال کو کن لفظوں میں کروں تعبیر
کہ تیرے حکم کے آگے ہے سہل مخطیر
جہاں میں شہرہ عطار و جو ہے فلک کا مسیر
ہزار بار اگر چرخ مارے چرخ آشیر
کیا ہے تجھ کو قضا و قدر میں تیرے مشیر
تو تا بشام کرے روم و شام تنگ تنخیر
کیا ہے قطرہ زناں شریکیں ہو مبطیر
ہوئے ہیں خلق ترے بخشے کو تاج و سریر
کہ تیرے بخش دیے کے نہیں ہیں عشر عشر

الکھوں سو کیا ترے خدام کی سخاوت کو
ثبات حرف کو تیرے قلم کی کیا سمجھے
برات روزی کسوی شرف کو دستخط کے
نہیں ہے شہر میں نام و نشان منہیات
مزانج رنج پہ بدعت کے یہ تو پھر نہ اُٹھے
نسق کو کام تو فرما دے ایک آن اگر
کیا ہے شور تیرے عدل کا جو گردوں تک
بغیر غزہ خوباں رہا نہیں اب ایک
جو چاہے تو کہ رے فرش چاندنی دن کو
کرنے ہے قطع امید آپ سے وہیں دشمن
جو نکلے میان سے تو نامہ فنا کہئے
رہے تو زخم لگا اس کا بہ نہ ہو دے مگر
نہیں ہے فیکل کہ زرقعت پوش کو ہر وہ
رواں رکاب میں ہے آسمان زر گویا
کمیت خامہ مرے ہاتھ کے ہے ران سے
کسوی آنکھ نہ پڑ سکتی تھی چھلا دے میں
نظر جو ایک مصور کی آگیا جاتے
خیال دور سے دوڑا کے رہ گیا آخر
سُن اس تماش کی محنت کو مت سمجھو یہ
غرض یہ ہے کہ تری خاک آستان زہے
دہ آستان کہ گداوغنی کا ہے مسجد

نہ پاوے وقت دہش رتبہ قلیل و کشید
کہے تو خامہ فولاد سے کیا تحسیر
پہنچتی ہے تو نہیں مٹی جوں خط نفدیر
رہی ہے نے کوئی جگہ میں سو برائے صیر
صدائے نے کا تو کیا ذکر ہے قلم کی صریر
تو پھر زمانہ قیامت تلک نہ پاوے تغیر
کٹاں سے آنکھ جھپکتا رہے ہے بدرمیر
جہاں کے پردے پہ ادب باش خانہ جنگ شریہ
اُٹھا کے تہ کرے پردے غلام کے شبیر
سُنے ہے مجھ سے تری جبکہ مہولت کشیر
کہ پونچے جسکو اُسے مٹنے سے نہیں ہو گریہ
فلک زمیں سے ملے تب ہوا اندال پذیر
گردوں شکوہ کو اُسکے سوکس روش تبشیر
ستارے جھول کے ایک ایک آفتاب نظیر
صفت کردوں میں سمند و زیر کی تحسیر
پھرے قفا سطح زمیں پر وہ یوں سپر میر
یہ ان نے رکھ کے جا آئے کھینچے نقسیر
ہو انہ گرد میں گردا بھی اُس کا شکل پذیر
کہ ہے غرض خرد و بیا و پر نیاں و حریر
کہ اُسکے رتبے کو ہرگز نہ ہو۔ بچے پھر کہیر
بقیہ عمر کرے صرف اُس پر یہ بھی فقیر

ہمیشہ ساتھ ترے دوستوں کے ہواقبال
ترے عدد کی سدا بد تری کیے تدبیر

قصیدہ درج آصف الدولہ بہادر

رات کو مطلق نہ تھی یاں جی کو تاب
 ٹوٹتا تھا سوزِ غم سے تم آگ میں
 ہرزماں تھی ساتھ اپنے گفتگو
 تھا کرم شیوا جنھوں کا اٹھ گئے
 جانیے کس کے در اوپر کون ہے
 لے جانی سے پھرے پیری ملک
 ناگماں مجھ سے لگا کہنے سروش
 ہے کریم اب بھی وزیر ابن وزیر
 آسمان رتبہ ہے جس کا آستان
 اُس کی بہت سے سخن کیا سرکروں
 اُسکے دستِ دول کے رشکِ شرم سے
 جم شرم انجسم سپہ گردوں شکوہ
 دستِ بہت اُسکا گر مور بار ہو
 مال کیا ہے ہفت گنج خسرو می
 فخر سام و رستم اُس کی بندگی
 جس سحرِ جرات سے پھینچی اُن نے تیغ
 رزم کے عرصہ میں ہل چل پر گئی

آشنا ہوتا نہ تھا آنکھوں سے خواب
 دل جگر نکلتے تھے دونوں جوں کباب
 کیا کروں شہرِ ادب میں دونوں خراب
 بیٹھے بیٹھے کھینچے کب تک غدا
 لیے کس سے کون ملنے کا ہی باب
 امتحاں میں آگئے سب شیخ و شاب
 رنگد ر سے لطف کی کر کر خطاب
 آصف الدولہ فلکِ قدر و جناب
 ناز کر طالع پہ جو ہو بارِ یاب
 بات کہتے دے دو ویا تو ت تاب
 خون ہے دل کا کج دریا ہے آب
 مرجعِ خرو و کلاں عالم ماب
 پانی پانی شرم سے ہوئے سیلاب
 اک ہی کو نواب بخشے ہے شباب
 داخلِ خدام یاں انفراسیاب
 ڈھال رکھے مُنہ پہ نکلا آفتاب
 آسمان کے نیچے کی کا پنی طناب

۱۔ نواب آصف الدولہ یحییٰ علیخان ہنر جنگ نواب شجاع الدولہ کے بیٹے تھے۔ نواب امیر الزہرا بہوگیم بنت نواب محمد اسحاق خاں شوشتری ان کی والدہ تھیں۔ ۱۰۸۰ھ میں نواب شجاع الدولہ کی وفات کے بعد رونق بخش مسند وزارت ہوئے۔ سات برس تک فیض آباد میں اور اُسکے بعد لکھنؤ کو آباد دار الحکومت بنایا۔
 نواب موصوف خورشید اور شہزاد کے نہایت قدردان تھے۔ میر سوز و بلوی اُنکے استاد تھے۔ میرزا رفیع سودا اور میر تقی میر بھی ان کے وابستگان دربار اور مرہ مصاحبان خاص میں سے تھے۔ میرزا رفیع سودا کو چھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر مرحمت کی تھی اور میر تقی میر کو تین سو روپیہ ماہوار دیے جاتے تھے۔ اس دربار کے علاوہ اکرام و انعام کی کوئی حد نہ تھی۔ ۱۱۰۰ھ میں بغاوتِ استقلال کیا۔ لکھنؤ کی ایک مشہور عمارت امام بارہ آصف الدولہ کی بہترین دکان تھی۔

۱۔ گروہِ دل و دستِ بحر و کلاں ہندوستان و دارِ دستِ خدائے اعلیٰ (اورنگزی)

در زمین تھاپے سکوں پایا شتاب
چل پڑی جو اسکی تیغ برش تاب
ایک اٹھرا ہو متا بل کیا حساب
راجا پر جا آن کر واپس رکاب
ملک داروں سے کہیں ان سر حساب
کفر ہے حرف و سخن سے اعتبار

مدعی گر کوہ تھا مارا اکھاڑ
خرمن آسا جل گیا انبوہ خصم
دیو تھے گو معرکے میں بے شمار
زین رکھا جائے مرکب پر اگر
تر لزم پڑ جائے سارے ملک میں
مطلع ثانی کی اب مائل ہے طبع

مطلع ثانی

دشمنوں کو رو بہا نہ اضطراب
لشکر ہی اس فوج کا ہر ایک عقاب
بستیاں اس سمت کی جیسے حباب
پھر زمین و آسماں میں ہے عجاب
وقت گرگ و میش لے منہ پر نقاب
چھوڑ دیں عشاق پر کرنا عتاب
اُدھ سکے جو نعمت چنگ درباب
جو نکلے سے شیشے کے اترے شراب
کوہ تیرے حلم کا کیا دے جواب
تب کیا صانع نے تجھ کو انتخاب
یا لکھوں پاکیزہ اس صحبت کا داب
چاندنی کی جائے بھتی ماستاب
پر نہیں ہوتی ہے یہ رائے صواب
حرف ہر یک تیرے منہ کا کتاب
تو کہے جو کچھ کرے حق مستجاب
تا قیامت وہ رہے الگ رقاب

اسے ترے دُور سے جگر شیردں کے آب
مدعی کی صفت ہے کو نجوں کی قطار
موج زن جید صحر ہو وہ دریا سے فوج
گرد اس لشکر کی گر ہو دے بلند
جاوے دشمن جوں سبک پا سوختہ
داوری و منصفی سن دلبر راں
رفع بدعت چاہے تو پھر کیا محال
منع مے ہو دے تو پھر قدرت ہے کیا
بحر کیا ہے جو کرے تہ سے سوال
خوبیاں ہی خوبیاں سرتاقدم
لطف طبع صاحب محاسن کہوں
نکلی ستمل نہایت ورنہ شب
گر نہ ہو ممدوح علم ظاہری
جو کہے تو چاہے وہ بیکہ رکھیں
سر و عا پر مسیاب ختم سخن
زیر دست اسکے رہیں گرد نکشاں

دوست اُسکے جوش زن جیسے محیط
خاک پر مہر مدعی جیسے مراب

قصیدہ رحیمہ شاہ وقت

مرے ہاتھ میں دامن آسماں ہے
ہمیشہ مرے حال پر ہر باں ہے
یہ دل گرو گلفت کا یک کارواں ہے
تو آنسو کا سیلاب رنگ رواں ہے
زباں میری دل کی مگر تر جاں ہے
حوادث کے تیروں کا سینہ نشاں ہے
یہ مفلوک ایسے کے گھر میہاں ہے
اسے قصداً تک مرا امتحاں ہے
جو دل میں ہے میرے ٹونڈ پر عیاں ہے
ہکاری خرد ہوش تیرا کہاں ہے
کہ اندوہ و غم آفت ناگہاں ہے
کہ اُنکی زباں بیخ سحر بیاں ہے
کہ ہر طرف سے جسکے لوہور واں ہے

جو پہونچی قیامت تو آہ و فغاں ہے
کوئی آج سے بے فلک مدعی کیا
کہ ورت بیاں کیا کروں میں کسے تو
جو روتا بھی ہوں میں غبار دلی سے
جو دل میں ہے آتا ہے کہنے میں بھی وہ
عجب شخصے میں ہوں جو ز فلک سے
سحر جام خوں ہو جو منہ دھو چکوں ہوں
وقت ایک جی ہے سو ایک آدھ دم کا
اس احوال کا رنگ رو بس ہے شاہد
یہ شکوہ تھا در پیش مجھ کو کہ ناگہ
تو مرجا گیا یوں تو رکتے ہی رکتے
غزل لطف کر میر صاحب کی کوئی
کہا میں نے مطلع غزل کا یہ سن کر

مطلع ثانی

عسکار زبوں کی بھی خاطر نشاں ہے
مرا جسم اس لطف سے ناتواں ہے
مرا نامہ تنوشتہ ہر امتحاں ہے
کہ اس آشکارا میں کیا کیا نہاں ہے
کہیں مشت پر ہے کہیں اشیاں ہے
نہ اس بوئے خوش ساہ گل کا وہاں ہے
جو تر سا بچہ ہے سو پیر مٹاں ہے
خرابہ ہی ہے جب تک یہ جہاں ہے
ہماری گرہ میں تو اک نیجاں ہے

ترے ہاتھ جب تک کہ تیرو کہاں ہے
کسے تو کہ مشکل مشا لی ہوں اپنی
ترے اور اے سادہ رو بعد میرے
نہ پوچھ اس طلسمات عالم کی صنعت
خوشا مرگ بلبیل کہ سائے میں گل کے
لگے ہے نہ اب عطر واں اُسکے منہ کو
غرور خرابات چل شیخ دیکھیں
نہ کہ خانوادے تھے یاں کیسے کسے
یوم امتحاں میر ہم کیا کر سکتے

کہ غم انکا دل میں مرے یک جہاں ہے
 کہ ذکر خدا سے کہ وصف بتاں ہے
 زباں غنچہ گل کے زیر زباں ہے
 تری محنت اسے کو بہن را بگاہاں ہے
 کہے تو کہ یہ آتش کا دواں ہے
 کہ مجھ پاس کیلئے دل سوڑ پھلاں ہے
 مگر خاک مرغ چمن پر فتاں ہے
 دل شب سے ہر دم صدا لاناں ہے
 یہ گویا خزاں دیدہ اک گلستاں ہے
 ادھر بھی اک ابر بہاری سماں ہے
 نہ سمجھائیہ ناداں کہ ہندوستان ہے
 دل اس بے ثباتی پہ خندہ زناں ہے
 ہزار آئی ایدھر کہ فصل خزاں ہے
 کہ ہر اک فلاں بن فلاں بن فلاں ہے
 مری جاں تر اوہم ہے یا گماں ہے
 خرابی مسجد یہ جو ہے ازاں ہے
 مری خاک کے گمبوں دا من کشاں ہے
 تو کتاب کیا یاں سخن درمیاں ہے
 رہے شاد وہ غمزدہ دل جہاں ہے
 گل اس غم سے اپنا گریباں دراں ہے
 وظیفہ ترا کیا یہ ذکر بتاں ہے
 فراغت کا عرصہ یہی اک زماں ہے
 یہ مطلع کہ مطلب سے جو تو اماں ہے

چل اسے طبع مشتاق و صفت بتاں پر
 یہی شغل ہیں خوب پیش فقیراں
 نہ جا سکے خاموش رہنے پہ بلبل
 نہ دے جان شیریں کو تلخی سے ناحق
 میں پس ماندہ قافلہ دل صلا ہوں
 جو ہو راہ گم گشتہاں ہو کے جاؤں
 سموم آوے ہے سایہ برگ گل میں
 مری آہ کیا بر چھیاں مارتی ہے
 جگر پر جو ہیں داغ ہجراں پریشاں
 رنج زرد پر اشک سرخ آگئے ہیں
 خط و رلف و کاکل میں ل جا کے اٹھا
 چمن زار عالم کی خوبی پہ مت جا
 کہ یک رنگ یاں کا نہیں ہے تفری
 حقارت سے مت دیکھ یہ پھولی گوریں
 خیال اور مت کر کہ مجھ میں نہیں کچھ
 اٹھی رسم صوم و صلوٰۃ اسکے دیکھے
 گرہ بیاں کفن کا تو رہنے دے ثابت
 رگ گل رگ جاں کر سے نہیں ہو
 خط کینچ لب گوشہ چشم و کاکل
 نہیں فرصت و اخدن اس جن میں
 بہت ہرزہ خواں ہے گالے میر تو بھی
 جو مکرز خاطر ہے سیر بھی آج
 سن اسے ہنشیں شخص غائب کی خاطر

مطلع ثانی

کہ پھر بات کہنے کی فرصت کہاں ہے

قلم چل ابھی چلتی تیری زباں ہے

کہ ممدوح اب شاہ ہندوستان ہے
 کہ کل رات ہے اور یہ داستان ہے
 ترے شکر نعمت میں قاصر زبان ہے
 گنگا رسا ایک غسم موشاں ہے
 مگر اصدق سچ کا یہ خاندان ہے
 ترا جہہ راستاں آستان ہے
 جہاں صبح اس خوان پر میاں ہے
 کہ مشرق سے تا غربتار خواں ہے
 فلک پاس کیا ہی میں ایک ناں ہے
 خجالت سے یہ ابر قطرہ زناں ہے
 ترا دست ہے فرق خرد و کلاں ہے
 کتاں تھا سو بہی جو بہ تھا کتاں ہے
 اگر چہ یہ نیر خرد کارواں ہے
 کہ ممدوح کے زور کا اب بیاں ہے

لیکن تجا ورنہ ہووے ادب سے
 و باغ اب نہیں ہے جو تہمید کرے
 اٹھئی تیری سبجے یہ دل چاہتا ہے
 ترا عہد نکیر خوشی ہے جو ہے بھی
 ترے یاں ہے سب راستی و درستی
 زیارت کیے صدق آتا ہے جس کی
 لکھے کیا شہا کوئی بہت کو تیری
 زیادہ ہو یہ وسعت رزق تیری
 کرے ہمہ سہری کیا وہ خورشید اوپر
 ترے ہاتھ کی ریزش جو آگے
 تجھے مزج کل کیا ہے جہاں کا
 ولی نعمتا عدل سے ترے اب یاں
 ترے ہوش کے آگے ہے طفل ناداں
 سن اے خانہ آ مطلع جاری لکھ

مطلع رابع

کہ بزرگسبکی قوت سے شیر زباں ہے
 گل اشرفی غنچہ دہر و کاں ہے

ترے زور بار کی طاقت عیاں ہے
 ترے زور کا سک ہے اس جہن میں

قطعہ

جہاں میں وہ مشہور کیا پہلوں ہے
 وہ اس عرصے میں یک تنگ گراں ہے
 جہاں جا کے گر جائے سنگ نشاں ہے
 یہ افسانہ ہر شہر کا امناں ہے
 کمیت قلم ہاتھ کے زبیراں ہے
 یہ نام خدا سپ کیا خوش عنان ہے
 پھر اس فرہی پر تخت رواں ہے

ترا ہاتھ پڑ جائے مگر رستم اوپر
 اٹھاتا نہیں اسکو سن کوئی گردن
 تو یوں پھینک دے جیسے سنگ فلاخن
 کہ جو کوئی اس راہ نکلے سو دیکھے
 ننا کے ترے عرصے میں کرے جولاں
 چپک لے جہاں باگ کیا کیا فرے ہیں
 سب سیر کی تیرے کیا کہیے جلدی

قدم ایک یاں کہ قدم اُسکاواں ہے
ارادے میں اُسکے ابھی حرف ہاں ہے
کہ یہ باد پیا کہاں کا کہاں ہے
تو ٹھوڑا نہ کہیو کہ پیل دماں ہے
فلک صد سے اُسوئے لامکاں ہے
کہاں تک کہوں تو چین ہے چاں ہے
کہ جو دوست تیرا ہے تو شادماں ہے

ازل سے اب تک ہی جولاں کہ اُسکی
جو اس میں سوار اُسکا چاہے کہ دے
نہ پہونچے وہ ہونٹھوں تلک اُسکے ہرگز
جو میدان میں جنگ کے ہو یہ اُسب
لگی گر کہیں اُپ طبق زمیں پر
دعا پر کردن ختم اب یہ قصیدہ
رہے وقت ایسا ہی روز جزا تک

میری عمر ہو میرے طول اہل می
کرم کا سرشتہ اک تیری ہاں ہے

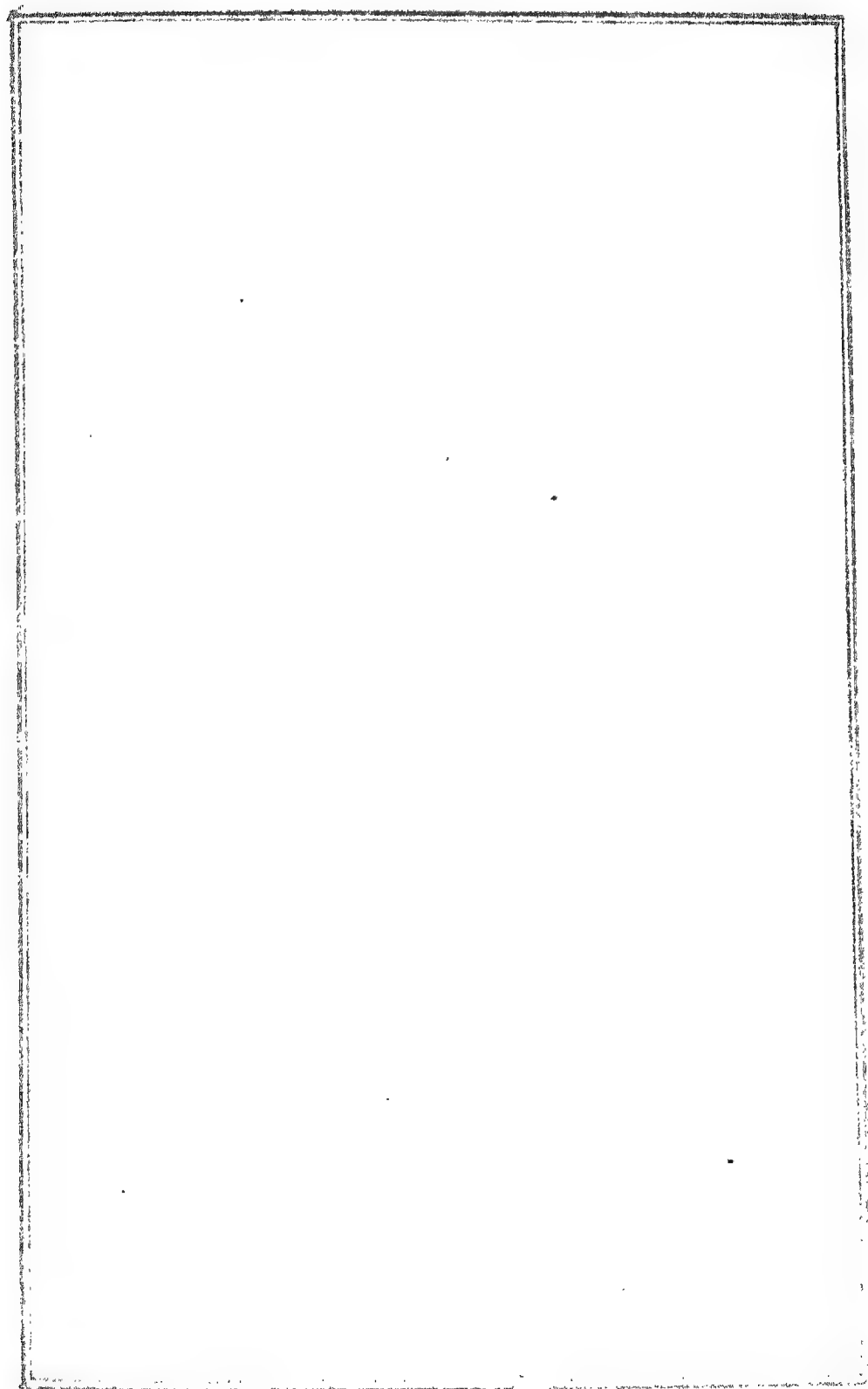
دعوتِ غارِ شید کہ خطاط بوبقرایش میاں عزالدین کہ فقیہ خوشنویس بوند

لیکن آغا سے لوگ کم دیکھے
خوشنویسی کی جن نے دی ہو داد
صفوہ روزگار یہ ہے رنگ
شکل نقاش رنگ بھرتا ہے
مشقی اُسکی ہے قطعہ تصویر
ہم جلالت بہت اٹھاتے ہیں
مہر جہاں ہے کسو کی ابرو ہے
خط ہے خواب کی پشت نگاہ
ہے جلی بھی تو ایک بابت ہے
اُس کا کب نقطہ مقابل ہو
کون ایسی صفا سے لکھتا ہے
لام ہے زلف سلسلہ مویاں
جیسے تھکتے ہیں مست ہو محبوب
دہن تنگ موشال کب ہی

میر خطاط ایک فلم دیکھے
یعنی عبدالرشید تھا استاد
خط کی خوبی کا اُسکی اتک جھنگ
وہ تصرف کہیں جو کرتا ہے
حیرت افزا ہے شن ہر کسیر
خط شیریں جو اُسکا پاتے ہیں
لگ گئی ہے فلم تو جادو ہے
سطر لکھتا نہیں خفی کی وہ
ایسا لکھنا کسو کی طاقت ہے
خط میں کیسا ہی کوئی کامل ہو
حرف کس کس ادا سے لکھتا ہے
ہے الف قاست لکھو رویاں
داں کا خم رہے ہے ایسا خوب
میم جس لطف سے لبالب ہی

دائرہ دور دامن خواباں کہ خط دلیراں پہ خط کھینچا	سے کشش فائزہ تن خواباں دائرہ نون اس نمط کھینچا
مدعی کو جو خط دکھا دیں ہم جیسے حزن غلط اٹھا دیں ہم	
قطعہ در تہنیت صحت	
مہاجو فضل آئی سے تندرست و چیت دل شکستہ جہاں تھا وہ خود بخود ہو درست	مزاج شخص جہاں تھا ترے مرض سے خبر جو گرم ہے اب تیرے غسل صحت کی
رہے جہاں میں بہت تاب جہاں صحیح رہے سلامت ہمہ آفاق در سلامت تست	

44A



ستائشہائے گوناگون

میر تقی میر دہلوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مثنوی در بیان کدخدائی نواب آصف الدولہ بہار

ہے جہان کمن تاشا گاہ
اُو ساقی کہ کدخدائی ہے
دل خوش احباب شاد بہر دہر
نئے سر سے جواں ہوا ہر جہاں
ہر طرف شہر میں ہے آرائش
شیشہ باز فلک ہے آتش باز
ماہ سے ماہتاب کی ہے طرح
نہیں رستوں میں روشنی کے دیے
کیا ستاروں کا چھوٹنا کہیے
شب شادی کی دھوم کی کیا پاتا
دو طرف چھوٹتے جو سینکے آثار
اُو ساقی کہ جمع ہیں احباب
لاوہ جوں آفتاب ساغسر زر
آج جھوماسے ابرخیش زور
دست و ستور ابر نیماں ہے

آصف الدولہ کا رچا ہے بیاہ
طبع نواب ادھر کو آئی ہے
بستہ آئیں دور راستہ سے شہر
عیش و عشرت کے مخور دکھاں
رہرواں کی نہیں ہے گنجائش
کھکشاں سے ہوا ہوائی سباز
کس سے بولطف روشنی کی شرح
نجم ہے چشم روشنی کے لئے
آسماں کی طرف ہی تہک رہیے
روزیر روشن تھی روشنی سے رات
راہ درست ہوئے ہیں باغ و بہار
سب مہیا ہیں عیش کے اسباب
آب گل رنگ سے لبالب کر
کچھ نظر ہے تجھے ہوا کی اور
یعنی یک دست گو ہرافشاں ہے

کر حین زار دست و دل کی سیر
 گل نمظ دل شگفتہ سب کے کیے
 لاکھاں ہے وہ لالہ رنگ شراب
 آہو مطرب لیے رباب و چنگ
 ہر طرف رقص میں ہیں گل دیاں
 شاو مانی سے ہو نوا پر داز
 گل و لالہ سے چشم باز کرے
 چھٹر ساز طرب نوا کے تیں
 وجد میں لاوے پرستوں کو
 آہو ساقی کہ روشنی ہے خوب
 کاغذیں باغ کیا تماشا ہے
 بکے سی مشعلوں کا ہوں بندہ
 شیشہ شیشہ شراب ہو درکار
 لالہ رنگ رخ نکو یاں کو
 اس پر ہی کو نکال شیشے سے
 ہوئے سُرست ہوتا شائی
 چھوڑ آئین بردباری کا
 چل گلابی کو ہاتھ میں لے لے
 ہے سواری کے فیل کی وہ دھوم
 آئے دولت سلسلے ہو کے سوار
 اک مہابت کے ساتھ فیل نشان
 اور ہاتھی ہیں جھومتے جاتے
 جل زر بفت کی ہر ساری شب
 پلٹیں جاتی ہیں براہیوں
 بال بستہ رکاب ہیں سُرنگ

ہیں نہال آج آشنا و غمیر
 خلعتِ فاخرہ سبھوں کو دیے
 جس سے مست گزارہ ہوں اجبا
 کاڑھو منہ سے نوائے سیر رنگ
 پائے گواہ ہیں سلسلہ مویاں
 وے بہار گزشتہ کو آواز
 رنگ صحبت کو دیکھ ناز کرے
 باندھ آواز سے ہوا کے تیں
 یاد دے ٹھک سرور مستوں کو
 محو آرائش آج ہیں محبوب
 پھول کترا کہ گل تراشا ہے
 نور کا ماہ نے کیا چندا
 صحبت عیش کو چھکا ٹیکار
 مایہ ناز خود پرویاں کو
 رنگ مجلس میں ڈال شیشے سے
 حکم کش ہے سپرینائی
 سیر کرے ترک سواری کا
 ایک دم جام متصل دے لے
 جیسے ابر بہار آوے جھوم
 نعل ناب و گہر میں صرف نشان
 آگے مانند کوہ زرخے رواں
 جیسے آویں جوان بڑھاتے
 روکش انجم فلک ہیں سب
 صف ہو مژگان لبروں کی جوں
 جگہ دیکھے کمیت چرخ ہے رنگ

<p>خوش سواری و خوش جلو خوش راہ گردنوں میں پڑی حائل گل تھا بہت تیز کام اسب خیال تھے پری زاد چھیرے اڑ جاویں کسمسانے میں باد سے آگے نوبتی اب طبیعتوں کو رخصاؤ چوب نقارے پر لگا اس صعب ایک دو دم بجائے جاؤ یونہی پھینکتے ہیں جو دستہ دستہ گل وہ جو دیوے تو کیا لیا جاوے ساقیا دے وہ مے جو باقی ہے مہو مبارک یہ جشن خوش انجام آ مغنی غزل سدرالی کمر</p>	<p>باگ اچکی تو پھر نہ ٹھہری نگاہ ہے جلو میں بعد شائل گل رہ گیا دیکھ کر انھوں کی حیاں آنکھ پھیرو تو گل سے مڑ جاویں ہاں کسے جیسے وہم جالائے چل سواری کا ٹھک صول بجائے کہ رکھیں گوش اس صدا سب دکشاں آواز گائے جاؤ یونہی رہ گزریں ہیں رستہ رستہ گل خوشہ خوشہ گھر دیا جاوے شادی ایسی بھی اتفاقی ہے دور گردوں بکاغمیش بدام کچھ مزے سے بھی آشنا لی کر</p>
--	--

پڑھ غزل میر کی جو ہوئے یاد
ان کو تو اس میں کہتے ہیں شاد

غزل

<p>موسم ابر ہو سب ہو بھی ہو کہنک آئینے کا یہ حسن قبول ہو جو تیرا سار رنگ گل لگا ہے ہے غرض عشق صرف ہو لیکن سرکشی گل کی خوش نہیں آتی کسکو بلبل ہے دم کشی کا داغ</p>	<p>گل ہو گلشن ہو اور تو بھی ہو منہ ترا اس طرف کبھو بھی ہو تھیں ہم تب جب لسی ہو بھی ہو شرط یہ ہے کہ جستو بھی ہو ناز کرنے کو ویا رو بھی ہو ہو تو گل ہی کی گفتگو بھی ہو</p>
---	--

دل مٹا کدہ تو ہے پر میر
ہو تو اس کی ہی آرزو بھی ہو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شہنوی درشن ہولی و تختائی

شور سا ہے جہاں میں گونش کریں
 ہولی میں کتنی شادیاں لائی
 کوچے سو شہر کے برابر ہیں
 پھر جہاں کہن ہوا ہے جواں
 تازہ کاری شہر و گمش ہے
 سارے رنگیں ستوں لگائے ہیں
 شہر ہے یا کوئی تماشا ہے
 یہی مقصد ہے ملکستی سے
 کہ کسودل کی لاگ ایدھر ہے
 کاغذیں گل سے گلستاں ہے دہر
 راہ رستے ہوئے ہیں باغ و بہار
 جن میں سستی متاع نعل و گہر
 گل خوش رنگ بوے چیدہ بہت
 لیں صغیر و کبیر بہر نثار
 چنے رستوں میں بے چین چنیاں
 تو کہے آئی ہے بہار اے یار
 سارے لوگوں میں جامے کو بھرا
 وردہ شیشے کی شیشے میں رکھنے
 کون دیکھے گا لطف آرائش

آؤ ساقی شراب نوش کریں
 آؤ ساقی بہار پھر آئی
 شادیاں بے شگوں سرسریں
 دست دستور ہے جوز افشاں
 دونوں رستے عمارت خوش ہے
 اور بازاری رنگ لائے ہیں
 جس طرف دیکھو مگرہ سا ہے
 چشم بد دور ایسی بستی سے
 لکھنؤ دلی سے بھی بہتر ہے
 آئیں بستہ ہوا ہے سارا شہر
 ایسے گل بھول ہیں جو صرف کار
 بستہ آئیں دکانیں ہیں یکسر
 میوہ نورس و رسیدہ بہت
 شب شادی کو لڑکے ہوں جو سوار
 تخت بہر زنان قص کنناں
 گل کا عقد سے شہر ہے گلزار
 ساقیا عیش کا ہونہم آرا
 جس میں تہ پاوے اس بری کو
 ہوگی مجلس جو مست آسائش

آؤ ساقی قرار ہے باہم
 زن رقا ص پر ہنگا ہ کریں
 کسو دبر کے پھینچ لیویں ہاتھ
 کسو خوش رو کے منہ پھنکھ رکھیں
 خوش تنوں سے کریں ہم اغوشی
 کہیں دو جام سے سے ہوں مست
 چلے بن جائینگے کسو کو دیکھ
 اب گلابی کو لیں گے بھر بھر ہم
 کہیں آرائش آکے دکھیں گے
 کسو ہوش سے ہو دینگے گلزار
 آؤ ساقی تے دو آتشہ دے
 گرم ہو جو داغ انساں کا
 جس طرف دیکھیے چاہاں ہے
 داغ سے روشنی ہوئی ہے زیاد
 شمع و فانوس کا بہت ہو ہجوم
 بوٹے اُن گلوں کی اب تو بہار
 اتوار و صوم ہی مح گیا ہر سو
 تارے سے ہیں چراغ چار طرف
 غنچہ غنچہ دیوں کو دیکھیں جہاں
 کہیں نوبت کو پلکے سننے لگا
 نوبتی خوش سلیقے سارے ہیں
 آج نوبت کے بچنے پر ہے رنگ
 جھانکھ کے سننے کی رہی ہو جھانکھ
 بیچ میں ہوئی آئی ہے ساقی
 شیشہ شیشہ شراب اب پیجے

کہ تماشا گناں پھر میں خسرو
 کسو ساوے سے چل کے راہ کریں
 کسو محبوب کو اٹھالیں ساتھ
 کچھ لب کا کہیں مزا چکھ لیں
 کسو نازک بدن سے ہمدوشی
 جائینگے ٹھوڑی دور دست بدست
 پھر سنینگے کسو کے رو کو دیکھ
 باقی ساقی نہیں گے پھر کر ہم
 کاغذیں باغ جا کے دکھیں گے
 کھینچینگے ایک دو دم اُس کے تار
 اسی سے کاغذ میں شیشہ لے
 لطف آدے نظر حیراں کا
 شیشہ شیشہ ہی نمایاں ہے
 ہے یہ ہنگامہ تاجاں آباد
 شمشاد رنگوں نے کر رکھی ہو ہجوم
 گو کسو کے گلے کا ہو جیسے ہار
 دار و پی کر پھریں چلیں ہم تو
 آسماں پر زمیں رکھے ہو شرف
 کسو نوگل سے رکھیں صحبت وال
 نے کے بچنے پر سر کو دھنیے لگا
 نے نوازوں نے جان لے ہیں
 عقل ہوتی ہو سن ٹکوری رنگ
 صبح جوں توں کے ہم کریں ساچھ
 پھر سے سرخوش ہو تائے باقی
 بلکہ خم منہ لگا کے سب پیجے

سیر کرے کنارہ سرگشت
 اُنھیں پھولوں کے انکاس سے آب
 سب گل ہوئی ہے ہر کیا ری
 درمیاں یک شجر نہیں بد برگ
 جوش لالہ سے تا اولہ لہج و سنگ
 تخت کیونکر نہ ہو دماغ خاک
 پھر لبالب ہیں آب گیر رنگ
 پاس آتے ہیں مرغ گلشن بھول
 زعفرانی لباس تھے سب سے
 گپڑیاں جامہ بھگی سو سو ہیں
 چھڑیاں پھولوں کی دہروں ہاتھ
 نغمے جو گال کے مارے
 خوان بھر بھر عبیر لاتے ہیں
 جشن نوروز ہند ہونی ہے
 عشق ہے اے گردہ آتش زرن
 ٹھاٹھ کیا روشنی کے ماندھ دیے
 دور دو تھے خیال سو اُنک لے
 روشنی وار سے ہی پار تلک
 در دولت سے لے کے تاسر آب
 پھر سرسبز سے تا عمارت نو
 ہاتھی رنگے گئے پڑی ہے دھوم
 خیمہ استادہ کر چکے شب باز
 یاں کی صحبت کا تھا نمونہ سب
 آئے شکلیں بنا کے صورت باز
 نقل معقول کی سو حاجی بنے

لالہ و گل کھلے ہیں تاسر دشت
 تو کے لالہ رنگ سب ہر شراب
 ایک ہے گل زمین زمین ساری
 ہے ہزارہ کہ لالہ صد برگ
 شفق ہو گیا ہو اکا رنگ
 دشت در دشت ہو گل تر یک
 اور اڑے ہے گال کس کس ہنگ
 تھے دے دہر گلاب سے پھول
 رسم سے آئے صبح کو شب کے
 ان کو گلہائے ترکیں تو ہیں
 سیکڑوں پھولوں کی چھڑی ساتھ
 ہوشاں لالہ رخ ہوئے سائے
 گل کی پتی ملا اڑاتے ہیں
 راگ رنگ اور بولی ٹھولی ہے
 دونوں رستے چراغ ہیں روشن
 شہر میں نام روشن اپنے کیے
 گھوڑے دامن سوار کیا لائے
 گل کا کاغذ ہے فرق خاتلک
 ہے چراغ ادر شمع ہی کی تاب
 جلتے ہیں مجمع دیے سو سو
 جیسے ابر سیاہ آئے جھوم
 تیلیوں نے کیا خرام ناز
 شاہ دستور حکم و کار ادب
 دھوم دھاڑی بنے بجا کر ساز
 سچ کے عملے سر پہ کتے جنے

کوئی جوگی کوئی فقیر بنا
کوئی بنیا کوئی اوباش
کوئی شاعر بنا نہ جس کی نظیر
کچھ سپاہی بنے تھے کچھ خبار
جس کی تقلید کی سو وسی طرح
کر کے سہی و تلاش چاروں انگ
آؤ ساقی نہ رکھ خراب احوال
چل سواری کا سیر بھی ہے بڑا
جھل زرقعت پوش فیل نشان
کہ خدا ہونے کو چلا دو طہہ
گل کی پاکھر پڑی ہوئی کیبار
زری پوشوں کا پیش پس نبوہ
توریں کتنے سونے کتے سے نہاڑ
موتی کرتے تھے ہر طرف سے نثار
ہیں جلو میں زمینیاں حاضر
عمدہ سب ساتھ ہیں وزیریت
تازی ترکی عراقی و عسری
رہیں رکھ لو جہاں کہ منہ کے نرم
آؤ ساقی بلا شراب نہیں
روشنی بھی ہے کوئی ہنگامہ
گرمی سے مشعلوں کے آئے تنگ
دو طرف سیم بندی کر دی ہے
شمعیں لاکھوں کنول میں ہیں روشن
دہ آتش زناں آتش و ست
تو میں کیا ڈھالیں ہیں تارو کی

کوئی داڑھی لگا کے پیر بنا
نقل کرتی تھی ان سبھوں کی مثال
جیسے مستغرق خیال تھا میر
کوئی زاہد ہو کوئی خسار
اصل ہوتی نہیں ہے اسی طرح
خوب دیکھا تو ہے عالم سوانگ
دیسے حاجام بادہ مالا مال
ایک عالم ہے دونوں رستہ کھڑا
کوہ زرسا ہے پیش پیش رواں
بال و گو پاں عظم سے جوں شہ
ہاتھی آیا برنگ ابر بہار
اللہ اندری انکی شان و شکوہ
آگے روپے کی روشنی کے جھاڑ
تھا مگر فیصل ابر گو عسریار
جاہ کے آسمانیاں حاضر
شاعراں مع خواں ہیں میسریت
کوئل آگے تھے خوش جلو میں بھی
چھیرے باد سموم سے ہوں گرم
روشنی کی نہیں ہے تاب ہمیں
سیر میں گرم ہو گیا حجامہ
دو و مشعل ہے جائے کاہنی ہے
سونے روپے سے راہ بھر دی
زور پھولا ہے کاغذی گلشن
داروئی کر پھر ہو کیسے مست
کھوئی رونق فلک کے تاؤں کی

تارے موتوف کچھ سما پہ نہیں
 ماہ بھی چشم روشنی کے لیے
 گنج چھو لے ہیں یا کہ باڑ چھڑی
 گل نشاں ہیں پڑی جو پھل پھریاں
 چھوٹے ہیں انار و مستابی
 باؤ سے دوویے ہوئے گر ماند
 آو اے مطربان سیر ہنگ
 بوغز لخواں نرم عیش و طرب
 منعقد مجلس شہانہ ہے
 آو ساقی مجھے قرابہ دے
 بحر بخشش کی لہریں اب آئیں
 ہے بلند اس کرم کا کیا پایہ
 طرہ ہائے زری و بادلتاں
 بہت اُن میں سے بہت نہ سے
 خاص بلبوس نوع نورع تمام
 کیا بچھا ہے فراخ دسترخوان
 تورہ بندی ہوئی کسکلف سے
 لطف کے ساتھ نعمتوں کا وفور
 عام تھا ان لطافتوں سے طعام
 کس کو اسباب یہ میسر ہیں
 ہیں جو مہمان بادشاہ و گدا
 عمر و دولت ہو اُسکی حد سے زیاد
 آو ساقی غزل سرا بھی ہو

تو میں چھو میں مگر ہوا پہ نہیں
 ہے چراغاں تاراں سے سکے
 یا ہوا لئی ہے جگنیوں کی چھڑی
 گھلتیاں ہیں دلوں کی کلچھڑیاں
 رنگ ہیں دبروں کے مہتابی
 و غیں مہتابیاں کہ نکلے چاند
 ساتھ اپنے لیے رباب و چنگ
 پر نہ کر پو خیال ترک ادب
 ادب آصف زمانہ ہے
 ورنہ شیشہ ساتھ اپنے لے
 زر و گوہر کی کشتیاں لائیں
 دیتے ہیں خلعت گیر انما یہ
 تختہ ہائے دوشالہ تحفہ لباس
 ایک دم میں سبھو کو بخشہ لے
 لے گئے شاد و بھر کے مردم عام
 جس پہ ہے نطق یک جہاں مہماں
 کھانے نکلے نئے تہفہ سے
 زیر پر جبہ قاب ہے پر نور
 دیتے لیتے تھے ہر سحر سر شام
 ظرف سین جعبہ زر ہیں
 حرص دونوں کی سیر سے کجا
 ہے اُسی سے جہاں نشاط آباد
 لذت شعر سے مزا بھی ہو

غزل

بہار کیا کیا دریا پہ رنگ لائی
 اک شہر نکلے لالہ پھراس میں ہونی آئی

کوئی جوگی آواز غیب آئی
کوئی بندھی اپنی ہوئی دو جہاں
کوئی تنہا نہیں ادھر ہیں اُنکی
کچھ ہم بلبل کے آہ و تالے
گل تہہ جسے بلبل نہ بولی ہمد گز
ہم بھی رہے ہوا وہ جہنک جوان حباہل
انہوں زمانہ کے تو کیا جانیں دل لگی کو
ہے دامگاہ دنیا ہر جا فریب اس میں

گزر رہی جو کچھ سو گزری یاری میں دلبروں کی
میسرا ب کسو سے تم تو کر یونہی آشنا

قطعہ در تعریف اسپ نیر ز مال صفت و اواب صفت لدولہ بہار

وزیر زماں نے لیا ایک اسپ
نظر پست اُسکے آتا ہے خون
اُڑا کر اُسے بار باسیہ کی
کروں اُسکی کیا تیز گامی کی شرح
ہلک اک کسمساوے جو راکب تو پھر
جہاں باگ اُچک جائے محبوب کی
کرے عزم ابد کا ازل سے اگر
کئے اُسکو ملک چھڑے کر کہ ہاں
کہ پہلے قدم گرد جو اُٹھ چلے

کہ ہے رشک گلگوں باد بہار
کیا جلد پر اُسکے گل کو نثار
نہ نکلا کچھو ابلق روزگار
ہر اُسپہ شمشیر سے ہو شکار
نہیں اُسکوراںوں میں ہرگز قرار
حنان دل اُسکے ہے پھر اختیار
وہ جاننا ز جو اُس نہ ہو دسوار
تو یہ باد پیماکر سے یوں گزار
تہ پھرنے تک اُسکے وہ بیٹھے غبار

عرض اسپ ہے یا چنبھا جو میر
رہیں زیر زماں اُسکے ایسے ہزار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مثنوی در بیان ہولی

ہولی کھیلا آصف الدولہ وزیر
جشن نوروزی اہل ہند سب
شیشہ شیشہ رنگ صرف دوستان
اس حین میں باغ پر گل سرخ درخشاں
پھول گل آویں نظر دیکھو جہر
دستہ دستہ رنگ میں بھیکے جوان
زعفرانی رنگ سے رنگیں لباس
رنگ فشانے سے پڑتی ہو پھمار
پرغ گلشن گلخان کو جان پھول
قمقمے جو مارتے بھر کر گلال
برگ گل ملواں اڑاتے تھے عبیر
روشن الدولہ نے کی تھی روشنی
وہ چراغاں گرہ تھے درگاہ تک
راہ میں ترپوئیے مینار تھے
گرم کچھ ہنگامہ یہ بھی کم نہ تھا
اتبوقت اقلیم کا عالم ہے یاں
ٹٹیاں دریا کے بانہیں دو طرف
تھا جہاں تک آب دریا کا بہاؤ
ایک عالم دیکھتا تھا دور سے
کوچہ و بازار و بام و دربنے

رنگ صحبت سے عجب ہیں خرد و پیر
ہے یہی شبِ محوِ عشرت سینکے اب
صحرا و تنخانہ رشک بوستان
نکمت گل جھاڑینگے واں کے گنہ
لالہ و صد برگ سب باغ نظر
جیسے گلستانہ تھے جوؤں پرواں
عطر مانی سے سبھوں میں گل کی با
رنگ باراں تھا مگر ابر بہار
بیٹھتے ہیں پاس کر پھول پھول
جسکے گلتا آن کر پھر منہ بولال
تھی ہوا میں گرد و تاجرخ اشیر
کب ہوئی تھی لیکن انسی روشنی
تھے تماشائی گداؤ شاہ تاک
روشنی کے کوچہ و بازار تھے
اس روش کی دھوم کا اوج نہ تھا
دیکھو تو جنس کا آدم ہے یاں
کیا چراغاں آسمان کی موطن
واں ملک تھا اس چراغاں کا پھول
رات دن تھی روشنی کے نور سے
روشنی کے دونوں رستہ گھر بنے

سوانگ کیا کیا کیے آئے دریاں
آئے کس کس رنگ سے دریاں
ہاتھی آئے کوہ پیکر کیا ہے
کبھی کبھی دکھی شکلیں تازیاں
اُن دیوں کے عکس سے دریا کا آب
کشتیوں میں جو دیے بھر کر چلے
منکس تھے جو چراغاں تہ تلک
کیا ہوائی چھوٹنے کا ہے بیاں
جہاں جو ہی چھوڑا ہے یاد بود
گنج چھوٹے ایک سے روشن چھوڑ
اس روشن سے تھے تارے چھوٹے
دیکھ جاتے تھے چراغاں اب میں
ہر دو جانب جن گئے ناری ازار
ماہتابی لک طرف سے جو دغی
آفریں صنائع لوگو آفریں
گل کتر کر پھول گل ہی کر دیے
مستقل تو ہیں ستاروں کی دغیں
دیکھیاں کیا کیا نہ شعلہ خیمیاں
نذر کو ذاب کی اہل فزنگ
عرصہ گلریزی سے گلشن ہو گیا
داغیاں تو ہیں ہوائی ایک بار
کیا ہوائی باد میں لہر لگی
کیا ہی آتش دستیاب دگر گئے
جہت سے آتش زناں کیا لاک ہے
لکھ غزل اب میر رنگیں تو کوئی

پکھنے کا سوانگ تھا سارا جہاں
باد کے رنگوں جنھوں کا تھا گزار
جیسے مدہ ماتے جواں ہوں انھنے
سحر کرتے تھے نہ صورت بازیاں
آئینہ کے سطح کی رکھتا تھا تاب
یانی میں شعلوں کے بیٹے ہی چلے
آب کی وسعت تھی برجم فلک
ذو ذنب جیسے تارے ہوتے عیاں
روشان ذو ذواب تھے نمود
و طرف جسطرح سے جھرتی ہو باڑ
تا کہاں جو ہر دین تارے ٹوٹتے
شعلے تھے لہروں کی بیج و تاب میں
گلفشانی سے انھوں کی تھی بہار
چاند سنا نکلا ہوئے حیراں سبھی
کیا لگایا باغ آکر کاغذیں
رنگ تارے کاغذوں میں بھر دیے
لوگوں کی آنکھیں فلک سے چاچیں
تھیں ہوا میں سے ستارہ زبیاں
لیکے آتش بازی آئے رنگ رنگ
چرخ اُن تاروں کے روشن ہو گیا
پھیلے تارے آسمان پر بے شمار
ناری ساہو کے سے من پھیلائی
شعلوں سے پانی کی لہریں بھر گئے
تہ بساط آب دریا آگ ہے
سُنکے ہو محفوظ جبکو ہر کوئی

غزل

اُٹھتی نہیں ہیں آنکھیں دیکھو دگر کہیں سے
ہو وائے تورنگ پٹکے حبیب اور آستین سے
صدیگ وائے طرف ہو خورشید کی جبین سے
کب ہاتھ کھینچتے ہیں معشوق کی نہیں سے
اس قطعہ چین کے محبوب خوش نشین سے
اُچھے ہیں ہاتھ کیسویں گیسوئے نازین سے

لالہ کنار دریا نکلا ہے کیا زمیں سے
بالیدگی سے پونچے گل آدمی کے سترنگ
خوش رنگ تر ہے ہر گل رخسار سے پری کے
منہ پر عبیر عاشق اصرار سے ملے ہیں
صندل بھری جبین سے کیا صبح چہرہ ہونے
کیسو گلال منہ پر خوباں کے مل رہے ہیں

جب میر جان دینا بوسے کے بدلے ٹھہرا
تب خوف کیجئے کیا پیشانیوں کی چہل سے

مثنوی دیگر

باش و بود اُس کی بھی مجھ دریش پاس
نیچے اُس کو نکالا لا عسلاج
مول ٹھہرا تھا جو کچھ سو لا دیا
عزت افزا بند ابن شہر کا
شوخی اُسکی ہر کمیں مذکور ہے
قابل وصفت اسکے حضرت بوحمید
اسکی جد مادری تھی بوالعجب
ایک دم لالہ میں لٹکا پھونک دی
ہاتھ رہ جائے تو پاس گرم کار
پست اُس کی جست کا لنگور ہے
ہو معلق زن تو آدم تک رہے
محرکوں میں چوک کے اک دھوم ہے
چیلی اس کی رہے ہے یاد دیر
پر ضروری ہے کہ ہاتھوں میں ہو چوب

تھپا پکی کا بچہ اک درویش پاس
اس قلندر نے بحسب احتیاج
میں نے اُس کو ایک حب و لودیا
بوز نہ یا کوئی تحفہ دھڑکا
نام منوا اس کا اب مشہور ہے
ہے ہنومانی نسب یہ باب دید
ہے جو کچھ بندری مشہور اب
اُس کے پردادانے ہی یہ حرف دی
ایک چنچل ہے بلائے روزگار
ہے تو نیچے ساو لیکن دور ہے
کیا کوئی انداز شوخی کا کہے
اچھا ہٹ اسکی سب معلوم ہے
ہوتے ہیں ترادکب دیکھے سے میر
حزرتیں دلکش ہیں سب انداز خوب

کٹھنٹا پٹھا ہے کٹرے پھاڑ ہے
ڈر سے اکثر لی بیوں کے دل گداز
رسی ڈوری لو ہے کی زنجیر کیا
مار کھانے پر بھی اُس کو ضبط ہے
بٹو چھوٹا بٹو چھوٹا سب کہیں
بند روں سے ناچتے پھرتے ہیں لوگ
آدم و حیواں میں یہ برزخ ہیں بند
جو کرے انسان تو بوزینہ بھی
سارے اُسکے آدمی کے سے میں دل
عکس سے اپنے اسے ہے گفتگو
آرسی بند رکنا ہے مشہور ربط
گاہ آگاہیں موند ناگسہ کھولنا
چال سے اُس کی نکلتا امتیاز
یہ اسی فتان کا داماد ہے
رہتے ہیں چانول پڑے اُسکے کئے
ہے یہ اپنے نوع کا خرد و شرف
نام اس ونگش کا منوایاں سے ہے
ورنہ آدم ہے جوانی میں بھی پیر

ورنہ پوتا سا جو قد ہے بھاڑ ہے
نوٹری باندی سب کو اس سے احتراز
یہ جو چاہے چھوٹے تو تدبیر کیا
ربط اسے جس سے تو اُس سے ربط ہی
جب وہ چھوٹے شور و ہنگامے میں
چھوٹتا ہے گر پڑے کوئی بچوگ
ہوتے ہیں اس غش میں بھی ذی خرد
ظن ہے یہ بات اگر چہ ہے کہی
لیکن اس جاگہ تو صادق ہے یہ قول
ہے تماشا آئینہ کے ردبرہ
دیکھنا جھک جھک کے اس کا ہونہ ضبط
گاہ بوسہ گاہ غبر غبر بولنا
آگے تھا اک بوزنہ شطرنج باز
کہنہ قراروں سے ہم کو یاد ہے
جان دیں بند اگر دیکھیں چنے
آنکھ کب دوڑے ہے اُسکی ہر طرف
الغرض منو عبارت جاں سے ہے
خوش رہے منو خوش احوال میر

وہر میں یارب نہ یہ محذوں رہے
جسکا منو ہے اُسے میموں رہے

مثنوی دیگر

آن نے میرے گھر کیا آکر مقام
کم بہت جانے لگی اُٹھ کر کہیں
دیکھتی رہنے لگی میرا ہی ہاتھ

ایک بلی موہنی تھا اُس کا نام
ایک دوسے ہو گئی الفت گزری
ربط پھر پیدا کیا میرے بھی ساتھ

آئے ہے مجھ پاس یہ اٹھ کر سویر
 یعنی وقت گرگ ویش آئے ہی پاس
 چھپ چھپ اٹکڑا جو کچھ پایا کرے
 بختوں سے ٹوٹا ہے پھینکا بھی اگر
 دخل کیا ہے جھانکے یہ پھینکے کی اور
 اس مردت پیشہ سے کیا ہے گلا
 ایک بلی کچھ گئی تھی آ کے چکھ
 برسوں یاد آدے گی یہ پاکیزہ خو
 لانگھے ہو جو گھر سے جاتے تریوں
 تھی جو ظاہر جو کڑا ہی تیرہ رنگ
 شوق میں ہمسائیاں اُس کے رہیں
 پھرنے کو تو پھرتی کیا دلی نہ تھی
 رفتہ رفتہ کو ٹھوں پر جانے لگی
 حاملہ ہو کر کئی بچے دیے
 متصل ایسا ہوا جو اتفاق
 حفظ اس کی کو کھ کا لازم ہوا
 نذرین بانیں نقش لائے ڈھونڈ کر
 پھپھڑوں پر بعضوں نے افسوں لکھے
 لی بلانی سے بہت کی التجا
 گوشت کی چیلوں کو پھینکیں بڑیاں
 لڑکیاں بٹھلائیاں کھاؤں تنے
 دیتے ٹکڑا منہ کو ہراک کھولتے
 صدقے اترے چھپ چھپے جو ڈھیر
 کیں مناجاتیں دل شب لاقد
 بدہریرہ کے تئیں مانا بہت

گریب زرد فلک نکلے ہے دیر
 پھر مراہروں کیا ہے اُن نے پاس
 فقر میرا دیکھ کر کھایا کرے
 اُن نے اودھر کی نہیں مطلق نظر
 ٹکڑے کو دیکھے نہ گو بھوکی ہو زور
 خوف سے آپھی تگے چوما ملا
 یہ لڑھی تو منہ پہ پنجہ اپنے رکھ
 آگے آئی ہی نہیں چلتے کھو
 چلتے پھینکا ہو کھو تو کچھ کہوں
 پر تماشا کر دنی تھے اُس کے ڈھنگ
 جو گئی بھی ٹک تو مانگے سے کہیں
 پر جلے پانوں کی یہ بلی نہ تھی
 بہروں بہروں میں یہ پھر آنے لگی
 ایک دو بھی سو نہ ان میں سے جیے
 مرگ ان بچوں کی گزری سب شاق
 جھاڑے پھونکے کا ہراک عازم ہوا
 نیل کے ڈوروں میں باندھے پیٹ پر
 بعضوں نے تویرے کر خوں لکھے
 گریب محراب سے چاہی دعا
 ماش کی موٹی پکائیں روٹیاں
 اس طرح جوں دیکھی بلی کم ہے
 اور بولی بلیوں کی بولتے
 گریب لاوہ نے کھائے ہو کے سیر
 گریب تراہر سے بھی چاہی مدد
 بلیوں کو بھی دیا کھانا بہت

صبح جس بلی کی کرتا تھا عیب سے
 خواجہ عصمت کرتے تھے طاعت جہاں
 صبح دم ہوتی وہی گرم سجود
 چاہی بہت اس سے اٹھ کر ہر سحر
 پانچ بجے اُس نے اس نوبت دیے
 کیوں نہ ایسی ہو دے امداد ترگ
 اک توجہ رکھے تھے ظاہر کی اور
 اپنی ماں کے رات دن سینے لگے
 دودھ کتنا جو کہ بس ہو سب کے تئیں
 دودھ پی کر گائے بکری کا چیلے
 دیر میں میں نے جو یہ تک غور کی
 دو پہلے تک بہت تھی احتیاط
 کوئی کٹ آگیا اچھر اگر
 در سے نکلیں سب ہوئے بازی کے گرم
 کچھ ریشم کے سے چندیں رنگ خال
 آنکلی تھیں جدھر یہ پانچ چار
 ایک عالم عاشق دیتا تھا
 لے گئے ایک ایک کر سب تین تو
 مٹی کی پھر ایک صاحب نے پسند
 مالی کچھ بھاری تھی نکلی بردبار
 پورے پر میرے اُس کی خواجگاہ
 میں نہ ہوں تو راہ دیکھے کچھ نہ کھائے
 سب سے آگے آن ہوئے ورنہ تک
 آنکھ سے معلوم ہو مشتاق ہے
 بنیاں ہوتی میں ابھی ہر کسیں

تھی دعا گوئی میں وہ بے کرد و شد
 ایک بلی بیٹھی تھی آ کر وہاں
 کہ قیام اُس کے تئیں تھا کہ قیود
 کچھ تو باطن نے کیا اُس کے اثر
 بارے سب شے قدرت حق سے جیسے
 بی بلانی بوہرہ سب بزرگ
 آرزو بر لائے یہ باطن کی زور
 پانچوں بجے دودھ کچھ پینے لگے
 میں بھی منگوانے لگا کچھ شب تئیں
 روز دشب لوگوں کی آنکھوں کے تے
 بتیاں پانچوں میں یہ اک طور کی
 کتے بلی سب سے موقوف احتیاط
 لوگ دوڑے شیر سے ٹھنڈ بھار کر
 زرد زرد آن کی دھیں منہ نرم نرم
 کچھ سفید و کچھ سیاہ زرد و لال
 وہ طرف ہو جاتی تھی بارغ و بہار
 اُن کی خاطر بے خور و بے خواب تھا
 مٹی مانی رہ گئیں مجھ پاس دو
 تھی بھی نازک ایسی ہی طالع بلند
 رہ گئی یاں فقیر کو کراختیار
 دل سے میرے خاص سکو ایک راہ
 جان پاوے سن مری آواز پائے
 دیکھے میرے پانوں سے لے ترنگ
 ملی یا اعجبہ آفاق ہے
 یہ تماشا سا ہے بلی تو نہیں

لہ مار و معیہ زاکا کی جس کی نصیحت اسی قسم کی ہو جس سے جو کچھ میانی
 عید زاکا کی ایک غرضت اور زلال شاعر تھا ۱۲

گرد رو باندھے تو چہرہ حور کا
گرم شوخی ہو اگر یہ مثل برق
پری اس پردے میں ہے جلوہ گر
کیسی ہی بلی ولایت کی ہو زور
رہے اپنے بھی جی کو اُسکے ساتھ
ایک دن جا کر کہیں ٹنک سو گئی
بلی کا ہوتا نہیں اسلوب یہ
دیکھے حسد یک ذرا کوئی اسکو گھور
حسن کیا کیا مانی کے کرے بیاں
خوبی مٹی کی نہ کوئی کہہ سکے
داغ گلزاری سے اُسکے تازہ باغ
کیا داغ اعلیٰ طبیعت کیا نفیس
یہ نفاست یہ لطافت یہ تمیز
اسکو گر کعبے میں یہ ہو شوخ و چست
چو باجڑیاں اُن نے کچھ کھا یا نہیں
محبِ نیرہ جو کہ ہے ایمان میں
تھا بہت مٹی کا جستا آرزو
خال ہیں ان پر بھی اس کے سے عیاں
موسمی اور سوسنی ہے ان کا نام
نیلے دھاگے گردنوں میں ہیں پڑے
حفظ ابھی بلوں سے اُنکا ہے ضرور
دیکھے اُن کی اور جو ٹنک کر کے چشم
قصہ کوتاہ موہنی آگے موئی
صبر بن چارہ نہ تھا آخر کیا
شاد وہ جسکے رہیں قائم مقام

چاندنی میں ہو تو مہکا نور کا
بجلی میں اُس میں کچھ کر سکے فرق
اٹھتی اودھر سے نہیں ہرگز نظر
خوب دیکھو تو ہے اُسکے صدقے حور
بیٹھے ہی تو پیٹھ پر میرا ہے ہاتھ
مانی مانی سارے گھر میں ہو گئی
ہے کبودی چشم یک محبوب یہ
چشم شور آفتاب اس دم ہو کور
ہو جہاں جتنک یہ ہووے درمیاں
دیکھے اُس کو تو نہ اُس بن رہ سکے
س زمان تیرہ کی چشم و چراغ
کیا مصاحب بے بدل کیسے جلس
آنکھ دوڑے ہو نہ ہو کیسی ہی حسد
ہے کبوتر مارنا وال کا درست
جج کو جانا اُسکے تئیں آ یا نہیں
ہے اسی بلی کی شاید شان میں
سو جہی دو بلیاں یہ ماہر و
پر وہ خوبی اور محبوبی کہاں
پھرتی ہیں بھند ناسی دونوں صبح شام
لوگ آنکھوں میں ہی رہتے ہیں کھڑے
رہو ان دونوں سے چشم شور دور
کاڑھ کر دیں بلیوں کو اُسکی چشم
یک قیامت جان پر اس بن ہوئی
بلی ماروں میں اُسے گڑ داویا
وائے اسپر جس کو کالین نام

مثنوی در تعریف سنگ و گریہ در نہ فقیر بود نہ باہم ربط داشتند

سنگ و گریہ ہیں دو ہمارے ہاں
 رنگ گریہ سے تیر نہ ہے داغ
 کھائے نہ جو نہ ہو وہ مادہ سنگ
 کب مر دت سے چلے کھانا چکھ
 سارے ہمایوں پر ہے یہ سلوم
 جو ہا کیا ہے جو سامنے آوے
 اُن نے جو ماریاں ہیں گھونٹیں صونس
 گھونس جب فکر ہی میں مرقی ہو
 کوئی پھیند رجو بستی میں یاں ہے
 ایک دن گھر میں ایک گھونس لئی
 گھونس کیسی تباؤں غیرت سونس
 یا کوئی مادہ خاک آستین
 پھرتی پھرتی جو صحن میں نوحہ شحال
 کہیں اودھر یہ شیر جاتا تھا
 پڑ گئی اس کی اس پر چشم کہود
 پنچہ جھنچھلا کے اُن نے گزرانا
 پر اُسے خوب جاں نہ آیا کچھ
 ٹھک ٹھکا یا پھر اُن نے جانا تو
 پھر تو بگڑی ہے دونوں میں آکر
 غصہ خر موش کو بھی آن چڑھا
 دونوں رتے ہوئے گرے اُسہیں
 ناخن اُس شیر کا کچھ ایک گڑا
 شور کیا اٹھے چوتک اٹھے

دو ہیں قالب اور اُن کی ایک ہی جا
 آنکھیں سکی اندھیرے گھر کا چراغ
 بھوکھا بیٹھا رہے قیامت لگ
 لڑے بھی ہے تو منہ پہ پنجہ رکھ
 موش کی نسل ہو گئی مفرد دم
 گھونسوں سے بھی یہ شیر بھڑ جاوے
 موش دشتی ہوا ہے کوئے کھونس
 موش دشتی یہ کیا گزرتی ہو
 سو وہ جو ہوں کی مرثیہ خواں ہے
 اپنے پاؤں اجل سے بلائی
 طاق ہے جسکے آگے طاقت سوس
 یا کسو کچھوے کی برادر زن
 پائے دیوار بیٹھی سر کو نکال
 پھیرتا منہ یہ نیچے آتا تھا
 نیلا پیلہ ہوتاؤ کھا جوں دود
 بارے کچھ گھونس نے اُسے جانا
 غالب آیا نہ اُس کا سایہ کچھ
 کیونکہ تھا یہ تو شیر کا خالو
 چوٹ ہوتی تھی داؤ پا پا کر
 اتفاق اُس جگہ تھا ایک گڑھا
 کیچ کا گاستے پھرے اُس میں
 شور محشر گڑھے کے بیچ پڑا
 سگ بازاری بھونکتا تھا اٹھے

<p>گھونس بی نے چھوڑے کر دی شیر نکلا گر ٹھہرے گھبرا تا کیونکہ سر سے بلا بڑی مٹالی کہ قدم کو رکھیں وہ حتی الباب کہ تری لاش خوار ہوتی ہے سو اٹھایا ہے زخم دامن دار بل کے بل اب خراب ہو دینگے جن نے گھونسوں کے گرد کھائے دھیر وہ جو ہے گا عبید کا حصہ لگتی تھی اسکی وہ سگی نانی صدید او یک بدے بسالانا کہ شدہ مومن و مسلانا</p>	<p>یاں تو گھر بیچ کیا ہے کیا ہے پری کھڑے موچھوں کے بال اٹھاتا لیک جی سے تھا سب بدن خالی گھونس کے وارثوں کی کیا تواب کوئی پچھو نہ راباس پر روتی ہو تو جو بھی ساری قوم کی سردار ہم بہت غم میں ترے روئیں گے فخر ہے اپنی نسل کا یہ شیر سنا ہے موش گر بہ کا قصہ جسکو باندھا عبید زاکانی گر بہ تا بود فاسق و فاحس ایں زماں بیخ بیخ می گیرد</p>
---	--

در تعریف مادہ سگ

<p>دوڑ پڑنے کے وقت باشا ہے سگ اصحاب کھف کی خالا ہے سگوں میں عزیز خاں کے یہ ہے گایاں سگ لونہ کیا گتا استخوان سگ شکاری ہے اسکے مارے ہوئے ہیں ہاے سب طرفہ دم لا بہ کرتی ہے چیل سگ لیلے کے ہے قبیلے سے کوئی دیکھ نہ ہوئے اس سے ضبط لگی رہتی ہو اسکی چھت سے نظر اسکی یہ باؤلی دوانی ہے سگ گر بہ کی چال رہتے ہیں</p>	<p>ہے جو وہ مادہ سگ تماشا ہے کسی کے لقمے پہ نہ منہ ڈالا منہیں کتوں سی خواریاں کے یہ دے ہرن کو بھی جلدی میں بتا اُڑتی چڑیا انھیں نے ماری ہو یہ جو غصے میں دے تو ہے غضب منہ میں تپتے ہیں سکے جب مشعل منہ میں اپنے لیے فتیلے سے باہم اس کتے بلی کا یہ ربط کبھو جاتا جو ہے یہ کوٹھے پر اور سے دشمنی جانی ہے دونوں شوخی سے مار رہتے ہیں</p>
--	--

مترخسہ روس کہ درخانہ فقیر بود

کئی برس سے ہمارے کئے تھا ایک مہم
 پھرا جو اُس سے یکایک زمانہ کچ باز
 دیا کرے وہ اذال دونوں وقت صبح و شام
 نہیں ہے مرغ چمن میں جہاں کے ایسا آج
 جو بیٹھے چھاٹھ میں پرواز پر سے مرغ خیال
 کبھو جو صحن میں گھر کے وہ اشرف الطیار
 نہ لہجہ میں ثنا گسری میں اُس کے دم
 رہا ہمیشہ سے وہ مرغ مستعد جنگ
 جہاں نے گناٹھ کے اگلات حلق پر پاری
 نہ اُس کے سامنے کوئی کھڑا رہا مرغ
 بجز کنارا نہ سیم مرغ کو بنا چار
 ہمیشہ گریہ و سنگ سے تھی روک ٹوک اسے
 خصوصیت اُسکی تھی ایک مادہ سنگ سے شام و صبح
 قضا جو پہونچی تھی نزدیک وہ بھی بھلاں
 یہ بھبھاٹھا نہ سمجھا ادا کو کہنے کی
 بلالی اُن نے بھی گردن لگی کہیں تیکل
 جھٹکا جو خاک کی جانب کو کیس بجاں کا
 ہوا کے مرغ ہوئے داغ اس کے نام سے
 وہاں جو نوخیز مرغان قد کہیں بازو
 قفس کے مرغ نے سن ترک ب دو نہ کیا
 مو از بس کہ پر اگندہ یہ غسم جانسوز
 مردس عرش ہی اس بن نہیں دینہ نگار
 زمانہ جب تئیں ہے اُس کے درد کے مارے

خروس عرش کی اولاد سے دے افسوس
 قضا نے اُس کو کیا ایک بار مرغ انداز
 بجائے مرغ مصلی رکھیں گراں کا نام
 بزم کلمہ تاج خروس سر پر تاج
 گھڑا ہو دھوپ میں رشک مرغ زیریں بال
 پھرا ہے کیس کو ڈالے تو مرغ آتش خوار
 بزم گدا منت کریں مرغ سبز دار تمام
 طرت نہ اُس کے ہوئے بنگی میں قاز و کلنگ
 شتر دل کی شتر مرغ نے کئی باری
 حواصل اس سے بگڑتا تو تھا وہ کیا مرغ
 کہ فیل مرغ کو کبری کی طرح سے مارا
 جہاں سے لے گئی آخر یہ نوک جھوک اسے
 کبھو وہ لات اسے مارتا کبھو شہر
 حریف ہو کے دیرانہ سامنے آئی
 لگائی سامنے ہوتے ہی ایک سینے کی
 کہ ایک دم میں گئی وہ اُس کی گردن وصل
 تریں یہ تاج گراں بد سلیمان کا
 سیاہ پوش رہے ظاہر خرم غم سے
 کہ مرغ قبلہ نما کا بھی دل گداز ہوا
 طور سے بھی نہ پھر قصد آشیانہ کیا
 ہوا اس رہنے کے سارے مرغ دست آموز
 ہزار مرغ کا اب گھر خروس پر سے بار
 رہنے کے خاک نشان مرغ خانگی سارے

خجوش میر تھی کو نہیں یہ رنج و تعب
کباب آتش غم میں ہیں مرغ و ماہی سب

شہنوی در بیان نر

کہتے ہیں جو غم نداری نر خنجر
شعر زورِ طبع سے کہتا ہوں چار
دزد ہے شایستہ خونریزی کا یاں
میں پڑھوں ہوں اُسکے آگے شکر گہ
بکروں کی داڑھی کے تئیں جانے سب
رنگ سر سے پاؤں تک اُس کا سیاہ
چار پستاں اُس کے آئے وید میں
ایک میں اُن میں سے تھا مطلق تہ
اسہ کالے بکرے دو خیدا جئے
چارہ بیٹھے کھاتے اک انداز سے
دودھ ہو جو جی میں تو بچا پئے
بھوک سے گرم تظلم دے ہوئے
دودھ منگوایا اسکے بازار سے
گھاس دانہ بارے کچھ کھانے لگے
پرورش سے حق کی بائے جی گئے
اب جوانی پر جو ہیں وہ شیرست
ستی اپنی ماں پہ کرتے شاد ہیں
زور و قوت سے حرفیوں کے ہیں صہنگ
مکران کی کیا جگر منڈھا اٹھائے
سر زنی میں شہرہ آفاق ہیں

سو ہی لی میں ایک بکری ڈھونڈھ کر
دزدی بڑگیری نہیں اپنا شعار
بلکہ بابت ہے نر آونری کا یاں
اپنے ماں کو یا نر اخفش ہے یہ
تک زبانی بکری کی ہے بواجب
چکنی ایسی جس پہ کم پھرے نگاہ
دو جہاں ہوتے ہیں دو ہیں جید میں
ایک کو کہتے ہیں اندھو خرد و پیر
ناز خرے سے رہے پھر اٹھنے
دیتی بیٹھے تو ہوتے خوش اس ناز سے
بیٹھا دیکھے اس طرف منہ کو کئے
اپنی شایان ترحم دے ہوئے
پھو ہوں سے دینا کیا انفار سے
گرتے پرتے پاس بھی آنے لگے
آب دانہ دوڑ کر کھاپی گئے
کو دتے ہیں ہرزماں ہر دم میں جیت
عاقبت بکرے ہی کی اولاد ہیں
آہوئے جنگی کو دکھائے ہیں سہنگ
قوج سرزن سامنے ہرگز نہ آئے
لوگ نر گدھی کے سب مشتاق ہیں

دیتے ہی میداں کا عرصہ تنگ ہے
کیا بزرگوں ہی سے ہو میداں کشی
عسم گوزنوں کو انھوں کا چر گیا
بزدلی سے گرگ بھی جتا رہا
لکھنؤ سے غل ہے تاکرے کی جھیل
ذبح کرنے کو ہر اک موجود ہے

رنگ کو اس جنگ کا کیا ڈھنگ ہے
ہوتے ہی استادہ طاری ہو غشی
شیس اُن کی دھاک سن کر مر گیا
گو وہ ٹکڑ کھا جو ڈکراتا رہا
مارے پانی پانی کر بکرے اکیل
پاس جانا اُن کے اب مسدود ہے

اس ادا سے جائیں گے چھروں تلے
کا شکے ہوتے نہ ہاتھوں میں پلے



مجموعات

میر تقی میر دہلوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہجویات

مختصر

کام لینا ہے اُس سے امر محال	سنو یا رو بھلا سہ کا حال
پیر کو اپنے دے نہ کا بال	سور بھی جا اڑیں تو دیوے ٹال
لے جو کچھ اُس سے ایسا ویسا ہو	اور نہ کیا دخل کوئی کیسا ہو
کہتا ہے دوں جو پاس پیسا ہو	ہوتے جو دے نہ ایسا تیا ہو
ایک عکدہ کے ہاں ہے اہل کار	فوج کے لوگوں کا سب اس پہ مدار
طرح سوید بڑ چہ ایسا خوش قرار	کے ہر اک کو دینے سو سو بار
یامینوں تلک رہے رو پوش	یا ملے ہے تو بے حواس و ہوش
لوگ کرتے پھر دنہ جوش و خروش	یہ چھری میں بیٹھا ہے خاموش
جب سے یہ ہے محروم و بے نوا	تباہ ہے ہنگامہ ہی رہا اکشر
ہو دے پر چھا جو دے کسو کو زر	سو یہ پی پڑھا نہیں ہے لچر

سب سے اُس کو ہے ایک جنگِ خیال	
لات مکی ہے گہر سیلوں سے	دھول چھوڑ ہے گاہ چیلوں سے
کم نہیں ہے پچھری سیلوں سے	آتے جاتے ہیں لوگ ریلوں سے
ہلکے ہو تیغ کھڑکے ہے وال ڈھال	
دن دلوں آگیا ہے اڑیں ویش	آج کم بھی ہے اُس کا سببیش
شان میں اپنی گوہر بدیش	بوریا پوش گر سنہ درویش
ایٹم جانے ہے یہ قبا و شال	
کیا کوئی جھاڑ جی کی خوبی کے	اس زیادہ سری کو کون ہے
چاٹے اُس کے نہیں درخت رہے	بردباری زہے وقار ہے
آیات کہتے ہیں تو کریں ہیں نہال	
لو کیہو سنہ تو خدا ہی خیر کرے	یاک ہو شہر جو کہیں یہ مرے
مکب تک ایسے غص سے کوئی بھرے	انہنی ٹیکے پہ اسکو دیکھے دھرے
جن نے دیکھے نہ ہو دیں خرس جوال	
ایک صف خاک دھول اڑاتی ہے	سنگ وحشت ایک صف چلاتی ہے
لو ہے پتھر کی اُسکی چھاتی ہے	اک قیامت جلو میں آتی ہے
ہلکے ہے گھر سے جبکہ یہ دھال	
مردہ شو خصم جان اہل سیر	جس کسو دن رہے ہے اپنے گھر
پڑتے ہیں سیر زانی پر پتھر	یوں بھرے ہے کمر میں رکھ کے تبر
جوں کفن چور کوئی رکھے کدال	
نے حیا ہے نہ کچھ مروت ہے	نے کچھ اس خریں آدمیت ہے
کیا خدا جانے بھڑوے کی مروت ہے	گالی ہے دھول ہے یہ عزت ہے
کہیں غشیر کا سر میں کچھ ہے خیال	
جور و گھر میں رکھے ہے اک ستارہ	کہیں چشمک کرے کہیں وہ نگاہ
آتے جاتے ہر ایک اُس سے راہ	واہ رے راہے جی کی غیرت واہ
طرفہ دیوت زخبل چنڈال	

یہ مکر باندھ کر گئے دربار
آنے دروازہ پر لگی سو بار
وہ ہوئی گرم جستجوئے یار
سر پہ رکھ بانگی پگڑی کھڑکی دار

پھر ہوئی چہرہ بند بوڑھی پھنال
کچھ حمیت نہ زنجلب کے تنیں
ساتھ لیجائے گھر میں سبکے تنیں
نہ رسے پاس چور و شب کے تنیں
نہ تو پاتے ہیں اُسکے ڈھب کے تنیں

نہ سمجھتے ہیں اس پھنال کی چال
قصہ کوتاہ بعد چند میں ماہ
میری اس بھڑوے پر ہوئی تنخواہ
جالے آدم لگا نگہ دبے گاہ
یہ تو مغرور بے تہ و گمراہ

منفردی کاذب و سفیہ و سنلال
سہل سا مجھ کو بھی سمجھ کے فقیر
رکھنے وعدوں ہی میں لگا بے پیر
یہ نہ جانا نہیں ہے اُس کی نظیر
اسکو جانے ہے بادشاہ دوزیر

دور تک پہنچے گی یہ قبل و قال
اُسکی خاطر کہیں گے خورد و کلاں
سسی اس میں کرینگے عمدے بجاں
دوست اُسکو رکھیں ہیں پیر و جواں
لے گا منت علی محمد خاں

رکھنا ان پیسوں کا ہے کس کی مال
آپ نواب سن کے اُس کا نام
کے گا دو یہ پیسے جلد تمام
یاں نہ زہنہار کیجو صبح و شام
ہو نہ ایسا کہ پاوے طول کلام

ایک سے دس روپے ہیں کچھ بھی مال
ہوتا اشرف تو یہ تہہ پاتا
کنا ہے کو اپنے پر دے اٹھواتا
سو جلا ہوں سے اُسکے تنیں ناتا
کبھو نیچے تھا بڑھیا کا کاتا

کبھو ہوتا تھا سوت کا دلال
اب ترقی ہوئی وکیل ہوا
ایک عمدہ کے گھر دخیل ہوا
فوج کے لوگوں کا کفیل ہوا
مجھ سے اڑ کر عبث وکیل ہوا

جہل پر اُس کے ہے یہ صحبت دال
جو گیا آدمی سو داغ آیا
تک نہ یہ کس کباب شرمایا

جب تقاضے سے اُس کو گھبرا یا	پھر منہ لب پہ یہ سخن لایا
تم تو کاٹو ہو پہلے جو مے گال	
یوں تو سو بار آؤ عباؤ گے	پیسے تدریج ہی سے پاؤ گے
اور اُس پر بھی جو ستاؤ گے	اپنے پیسوں سے ہاتھ اٹھاؤ گے
بو جھ میں اپنے سر سے دنگاٹاں	
یاں کھڑا دو دو دن رہے دوا ب	مطمنی خاص کوٹے سے جواب
منہ کا دیر کرتے ہیں نواب	کس کا اللہ میاں کمان کا ثواب
بے زری سے ہے زیست نیک و نکال	
کام جوں توں کے میں چلاتا ہوں	سو بھی سو سود کاں پہ جاتا ہوں
قرض کچھ بنگیا تو لاتا ہوں	جیسا میں نے کیا ہے پاتا ہوں
منتصدی گری ہے یا بنگیاں	
باز آتا نہیں ہے نفس شوم	در نہ کس سے اٹھے ہے اسی دھوم
ہر سحر روز والوں کا ہے ہجوم	ہے نکھیں حال یاں کا کیا معلوم
تم تو سوٹا لیے کرو ہو سوال	
ایک دن جا کیا لفر نے شور	اُن نے دیکھا نہ مطلق اُسکے اور
ہے غرض صحبت اپنی اُسکے زور	وہ تو چھپر کی جھول کا ہے چور
میں بھی کھینچوں گا خوب اُسکی کھال	
اس پہ تنخواہ جو کہ سر لا دے	سودہ اپنا کیا ہی پھر پاوے
پاشکستوں کو برسوں دوڑا دے	ایسے سے ہاتھ خاک کیا آوے
جس سے دل ہوں تہ غبار ملال	
بزر بانی نہیں ہے اتنی خوب	بات اچھی نہیں ہے بے اسلوب
گفتگو اس طرح کی ہے معیوب	مل رہے گا جو کچھ کہ ہے مطلوب
بس قلم اب زبان اپنی سنبھال	

محنت و نگریر و ہجو و شکر

جس کسو کو خدا کرے گمراہ
یاں نہ کوئی وزیر ہے نے شاہ
اُسے شکر میں رکھ اُمید زناہ
جسکو دیکھو سو ہے بحال تباہ

طرفہ مردم ہوئے اکھٹے آہ

جائیے جسکے یہاں وہ روتا ہے
جو مقدر ہے سو تو ہوتا ہے
یا کسے چو مدار سوتا ہے
کون وقت عزیز کھوتا ہے

میں تو تھو کوں نہ ایسوں پر اللہ

فوج میں جس کو دیکھو سو ہے اُداس
بچ کھا یا ہے سب نے ساز و لباس
بھوکھ سے عقل گم نہیں ہیں حواس
چیتھڑوں بن نہیں کسو کے پاس

یعنی حاضر ریاقت ہینگے سیاہ

خاک اُڑتی ہے صبح سے تا شام
رحم کی جا ہے حال تنگ ا نام
شام سے صبح تک ہے فکر طعام
ایک دو ہوں تو لوں کسو کا نام

سیکڑوں کے نہیں جگر میں آہ

مفلسی سے رہا ہے کس میں حال
چارون عمر کے ہوئے ہیں ویاں
خورش و خواب ہینگے خواب و نیاں
زندگی اپنے طور پر ہے محال

مرگ ملتی نہیں ہے خاطر خواہ

جاؤ کرنے تلاش جس کے گھر
راہ مطلق نہیں نکلتی اودھس
پہونچنا اُس تلک بہت دودھس
باعث صد فساد و شور و دھس

دس تلنگے ہیں در پہ بے گہ و گام

دیکھے میں نے مصاحبان شب
ٹھہری آخر کو اُن سے کچھ تک
نیکے سب بے حقیقت و بے تہ
رہ سکے ہے کسی طرح تو رہ

ورنہ لشکر سے جاؤ اہمراہ

فقروفاقہ کی ہر طرف ہے وھوم
شکر اک ہے خسر ابہ مردم بوم
دو تلنگے جہاں ہیں ویاں ہے ہجوم
زندگی کرنے کی طرح معلوم

کہ رہے جو خدا ہی ہے آگاہ

قصہ گو تم کہاں نہ رو گزرا
کوئی مثل میں نہ ہو گزرا
آبر و رفتہ رفتہ کھو گزرا
یاں گزرتا تھا ظلم جو گزرا
اس پہ جبکو ہو قصہ بسم اللہ

قطعہ در ہجو خواجہ سرا کے

ایک جو خوجے سے ملا ایک حکیم
خوجے نے یوں اُس سے کہا تجھے سی
کتنے دنوں سے ہے تجھے درویش
میں نہیں رات کو نے دن کو چلین
تیری توجہ ہے ضروری ادھر
کہنے لگا سن کے وہ عاذق طبیب
تیرے تعلق کی نہیں احتیاج
تسخیر میں پاشوئے کالکھڈن مجھے
مجھے تعجب سے کہا خوجے نے
کچھ بھی ہے سراپاؤں تیری بات کا
پاؤں کہاں سرکہاں داں کہ ہیں
سخت تر آشفقت ہو بولا طبیب
نقل ہے اک یاد چننا مجھے
آلت جنبش تو منی کی نہ تھی
اُسکو کہا زعم نے لوطی کوئی
صبح کو اٹھ قینچی کھڑی گھڑی کی
ٹھہرے امین آسے کئی معتبر
بانس تلک ٹوٹ چکے نفروں پر
نسبت پاسر سے ہے کیا پوچھ مت

دونوں دے آپس میں ہوئے ہنگام
مردے حکیموں کا ہوا زندہ نام
اسکی میں پامالی میں ہوں صبح شام
خواب و خورش مجھ پہ ہوئی ہے حرام
کیونکہ یہ ناکام کا ہے اتنا کام
مجکو یہی کام رہے ہے مدام
اور نہ دے در دسراے تلخ کام
کر تو اسے جا کے اذیت تمام
پختہ تجھے جانا تھا نکلا تو خام
چپ نہ ہنسیں سن کے کہیں حاضر عام
تجھ سے تو دانا بمراتب عوام
خوجوں میں ہوتا نہیں ہوش یکدم
رات کو خوجے کو ہوا اختلام
بہ کے گئی اُسکی دُہر پر تمام
دے گیا تکلیف ہی یہی لاکلام
کیا کہوں میں کیسی ہوئی دھوم دھام
ایک حویلی میں ہوا ارد حسام
پوچھ چکے لوگوں کالے لے کے نام
اپنی طرف دیکھ تو ملک تیرہ نام

خوجے کے اپنے ہی سے کر لے تیاں ریش کب کجا اسے غلام

سمجھنے نہ سمجھے تو مرے سے
میں تو نظیر اسکی کہی والسلام

مثنوی در بیان مرغ بازاں

گرم بر خاش مرغ یاں پائے
مرغ قصوید کا بھی حیدراں ہے
قاز و سارس سے جنگ جبکاننگ
ذکر کیا کر گس شتر دل کا
نسیر طائر کا رنگ اڑ جاوے
شب نہ سووے ہراس سے شراب
کب شتر مرغ سے ہوا چارا
مرغ بارے بغل میں آتے ہیں
ہیں ثنا گستر ایسے تھے کب مرغ
مت سن اس ہرزہ چاگلی کے تئیں
حیدر آباد تک پڑی ہے دھوم
نسر واقع کا واقعہ ہووے
مرغ عیسیٰ ہیں مدح خواں ہر شب
اس کے آگے سنیل بھیکا ہے
ہوں پر افشاں تو ہو خروس غش
کی صدا مرغ دوست نے ہی دوست
جوں گلستاں میں ہو دین تاج خروس
کبک کا گھر خروس پر ہے بار
حسن لاکھے کا سمجھے مرغ خیال
مرغ آمین کو دعا گوئی

دلی سے ہم جو کھنڈ آئے
پر و پرزاد درست یکساں ہے
مرغ ہے ایک ایک جیسے کلنگ
حوصلہ گس قدر حواصل کا
لات کی گھات کر جو مڑ جاوے
زہرہ قفس کا اس خطر سے آب
بکری سافیل مرغ کو مارا
آدمی جو بڑے کہاتے ہیں
سرخ و سبز وار کے سب مرغ
ہو جو کیں مرغ خانگی کے تئیں
لات ماری جو کاٹ کر حلقوم
کھا کے سینے کی مدعی سووے
نے ثنا سے بطیں ہی ہیں تر لب
ٹینی کے سر پہ آج ٹینکا ہے
کیا عجب ان کی رہنمرا کا فرش
اڑ گیا خلق کا جو بڑتے پوست
کیس اس رنگ ہوئے ہیں محسوس
شور جنگ آوری کا تا کہسار
کب ہیں پہلے سے مرغ زین بال
کر سکے وصف مرغ کیا کوئی

دسر اتنا کہ دیر نہ گئے لیں
 مرغ بازوں سے ساز کر دیکھا
 ربط رکھا بہت اُنھوں کے ساتھ
 مرغ کا مرغ ہو دے مرغ انداز
 یعنی اپنا حریف جب پاوے
 سینہ کیا سینہ بال کیا پرو بال
 باز می بند بند کے جب ٹراتے ہیں
 آ یا حلقوم کے کہ حلق کے پار
 ہاتھ جس مرغ باز کے ہٹا وہ
 کچھ تو ٹھہرا تو دم دیا اُن نے
 اور جو سست ہو ہو اٹھایا
 دم سے کیا ہو یہ بیدم و مجروح
 ہو چکا ہو چکا ہوا یہ شور
 پھیلا پانی میں وہ غم جانسوز
 جانور رنگ باختہ سب ہیں
 مرغ قبلہ نما کو وحشت ہے
 ورنہ اڑ کر کہیں چلا جاتا
 جسے شگل کو پالی کی ہے دھوم
 مرغ بازوں کو ہے قیامت جوش
 مرغ لڑتے ہیں ایک دولا میں
 اُن نے پر جھاڑے یہ پھر کہنے لگے
 وہ جو سیدھا ہوا تو یہ نہیں کج
 مرغ کی ایک پر فشانی ہے
 ایک بولے کہ کاری آئی چوٹ
 جھٹکتے ہیں آپ کو تراتے ہیں

جان دے کوئی تخم مرغ نہ دیں
 درالطاف باز کر دیکھا
 ایک پر مرغ کا نہ آیا ہاتھ
 مرغ ایسا ہو تو بجا ہے ناز
 پر ملائے نہ دیوے کھا جاوے
 جسے چشم خرو س آنکھیں لال
 کانٹے لپٹے کے باندھ لاتے ہیں
 پھوٹا چھاتی میں ایک لگ کے سار
 پانی گرنے لگا تر آ کر وہ
 تنبیہ کر کے رکھ لیا اُن نے
 دو دنوں بازو کے پر دیے پھیلا
 قصد پرواز میں تھا مرغ روح
 ڈھلکی گردن گیا وہ سارا زور
 دل زدہ پھر ہیں مرغ دست آموز
 یعنی حیدر ان فاختہ سب ہیں
 بال کھولے ہیں پر نہ طاقت ہے
 دیر اپنے مقام پر آتا
 گلیوں میں روز حشر کا ہے ہجوم
 جس کو دیکھو تو مرغ در اغوش
 سیکڑوں ان سفیدوں کی باتیں
 اُن نے کی نوک یہ کٹر کہنے لگے
 ساتھ اس کے بدلتے ہیں سب درج
 ان کی صدر رنگ بد زبانی ہے
 ایک کہتا ہے بس گیا اب لوٹ
 لائیں گویا کہ یہ ہی نکھاتے ہیں

ایک کے لب پہ اسرار گفتار
 تیکھی نظروں سے سب کو مکنے لگے
 بعد نصف النہار رخصت ہے
 لے گئے جیتے ہارے سارے مرغ
 نالہ مرغ سحر سناوے گا
 گرم شگامہ ہو گا ایسا ہی

ایک کے منہ میں مرغ کی منقار
 منہ پہ آیا جو کچھ وہ کہنے لگے
 طر فہ شگامہ طرفہ صحبت ہے
 کھانچے سر برقیل میں مارے مرغ
 پھر جو روز معین آوے گا
 عالم آوے گا گرد و سیاہی

میر ان کا نہ ہووے گو قائل
 مرغ معنی پہ وہ بھی ہر اہل

شعوی در رجوخاتہ خود

اس خراے میں میں ہوا یا مال
 سخت دلتنگ یوسف جاں ہے
 کو ٹھہری کے حباب کے ٹپے ہنگ
 تر تنگ ہو تو سو کھتے ہیں ہم
 آہ کیا عمر بے مزہ کا ٹی
 چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں ام
 راکھ سے کب تلک گر ٹھے بھرے
 ہے چکش سے تمام ایوان کیج
 کیونکہ پر دار ہے گایا رب اب
 ٹھہری دیواریں منگی جیسے بات
 ان پہ رڈار کئے کوئی کیونکر
 چھو یا کا ہے کو بلکہ ٹھو یا کر
 ٹوٹا اک بوریا سا ڈالو کہیں
 یا ہمارے لیے بھیا ر ٹھو
 سو شکستہ تر اند دل عاشق

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال
 گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
 کو چہ ہونج سے بھی آنکھیں تنگ
 چار دیواری سو جگہ سے خسم
 لونی لگ لگ کے جھڑتی ہو مٹی
 کیا تھے مینہ مستف جھلنی تمام
 اس چکش کا علاج کیا کرے
 جانیں بیٹھنے کو مینہ کے بیج
 آنکھیں بھر لا کے یہ کہیں ہیں بے
 جھاڑ ہاندھا ہے مینہ نے ذرت
 باؤ میں کا پتی ہیں جو ٹھہر ٹھہر
 کیچے لے لے کے جوں توں چھو یا کر
 تس کو پھر پہ چھتی بھی ہی نہیں
 ڈھانکو دیوار یا اٹھٹھا ر ٹھو
 ایک حجرہ جو گھر میں ہر دانت

کہیں سورخ ہے کہیں ہے چاک
 کہیں گھونٹوں نے کھوڑا ہے
 کہیں گھر ہے کسو چھوڑا
 کہیں مٹری کے ٹکے ہیں جالے
 کونے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں
 اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے
 رکھ کے دیوار ایدھر اودھر سے
 چار پالی باب اس میں بچھوالی
 سام ابرس کہ ہے دوڑے خراج
 یکا اپنی نہ انے رکھی ہے
 آگے اس تجربے کے سواک ایوان
 کڑی تختے بکھی دھوئیں سے سیاہ
 کبھو کوئی سپو لیا ہے پھرے
 کوئی تینتہ کہیں سے ٹوٹا ہے
 دیکے مرنا ہمیشہ مد نظر
 مٹی تودہ جو ڈالی چھت پر ہم
 مضطرب ہو کے جو بچھائی بہت
 پر سے اس مینھ میں کڑختی ہے
 ہو میں اڑاڑ میں پھر جو جد سے زیادہ
 اینٹ مٹی کا در کے آگے ڈھیر
 جیتے ہیں جب تک نہیں پہونچے
 گنگنی دیوار کی نیٹ بے حال
 طوطا مینا تو ایک بابت ہے
 کیونکہ سامن کٹے گا اب کی بار
 ہو گیا ہے جو اتفاق ایسا

کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک
 کہیں جو ہے نے سر بکا لایا ہے
 شور ہر کونے میں ہے مچھڑ کا
 کہیں جھینگ کے بے مزہ نالے
 پتھر اپنی جگہ سے پھوٹے ہیں
 جی اسی حجرے ہی میں پھرتا ہے
 لاکے یارب بناؤں کس گھر سے
 پہلے چلیا سہ ہی نظر آئی
 ہر جگہ یاں سے ہے نمایاں آج
 ڈانس ایک ایک جیسے لکھی ہے
 وہی اس تنگ تعلق کا ہے مکان
 اُس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
 کبھی چھت سے ہزار پائے گرے
 کوئی داسا کہیں سے چھوٹا ہے
 پھر کہاں صاف موت ہی کا گھر
 تھے جو شتیر جوں کہاں ہیں ختم
 ہر کڑی نے کڑی اٹھائی بہت
 تختے تختہ ہوئے یہ سختی سے
 چل ستوں سے مکان دے ہے یاد
 گرتی جاتی ہے ہوئے ہوئے منڈیر
 ورنہ کیا بس ہے جو نہیں پہونچے
 پڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال
 پودنا پھد کے تو قیامت ہے
 تھر تھرا دے بھنبھیر سی دیوار
 شاق گزرے ہے کیا کہوں کیسا

ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب
تیری یاں جو کوئی آتی ہے
نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ
ایک دن ایک کو آ بیٹھا
چیل سے لوگ دوڑے کرتے شور
ہو نہ ایسا کہ اپنی چال چلے
نہیں وہ زراغ چار یا توں پھرا
مٹی اُس کی کہیں کہیں بھسکی
سان کر خاک لگ گئے دو چار
اچھے ہوئے کھنڈ بھی اس گھر سے
اکھڑے پکڑے کوڑھ لٹوٹی وید
خاک لوہے کو جیسے کھاوے پاک
بند رکھتا ہوں درجو گھر میں رہوں
گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے نہ گور
جس سے پوچھو اُسے بتا دے شباب
ایک چھپر ہے شہرہ دلی کا
بانس کی جادیے تھے سرکندے
گل کے بندھن ہوئے ہیں ہیلے سب
مینہ میں کیوں نہ بھگتے یکسر
مٹی ہو کر گرا ہے سب والا
واں پہ پیکا تو یاں سرک بیٹھا
حال کس کو ہے اولتی کا یاد
کہیں صحیح زکھوں کہیں پیلا
ٹپکے دو چار جا تو بند کروں
یاں تو جھانکے ہزار میں تنہا

اور پھنپھری کہ ساون آیا اب
جان مخروں نکل ہی جاتی ہے
کہیں کھسکی تو ہے قیامت نگ
بیگماں جیسے ہوا آ بیٹھا
کہ نہ خایط میں کچھ رہا تھا زور
دوڑے اچھلے کہ ہاں ہاں چلے
ایک کالا پہاڑ آن گرا
جی ڈھا اور چھاتی بھی دھسکی
بارے جلدی درست کی دیوار
بر سے ہے اک خرابی گھر در سے
زلفے زنجیر ایک کہنہ حدید
چھپر لیجے تو پھر نہ رہی ہے خاک
قدر کیا گھر کی جبکہ میں ہی نہ ہوں
ہے خرابی سے شہر میں مشہور
ساری بستی میں ہے ہی تو خراب
جیسے روغنہ ہو شیخ چلی کا
سووے مینہوں میں سب کھنڈے
پاکھے رہنے لگے ہیں گیلے سب
پھونس تو بھی نہیں ہے چھپر پر
وہ رہے ہاں جو ہو ڈھب والا
یاں جو بھیگا تو داں تنک بیٹھا
گرمی اس جھگڑے میں گئی برباد
کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لالا
بیچ کوئی لڑاؤں فند کروں
کچھ نہیں ہائے مجھ سے ہو سکتا

بسکہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی
 کوئی جانے کہ ہولی کھیلنا ہوں
 مجھ سے کیا واقعی ہوا چار
 بان بھینگر تمام جاٹ گئے
 تینکر جاندار میں جو بیش و کم
 ایک کھینچے ہے چوتھ سے کر زور
 پوچھتے رہتے زندگانی کیسی ہے
 کیا کہوں جو جفا چکش سے سہی
 بوری پھیل کر بچھا نہ بکھو
 ڈیڑھی کی ہے یہ خوبی در ایسا
 جنس اعلیٰ کوئی کھٹو لا کھاٹ
 کھٹلوں سے سیاہ ہے سو بھی
 شب بکھونا جو میں بچھاتا ہوں
 کیڑا ایک ایک پھر کوڑا ہے
 ایک چٹکی میں ایک چھٹکی پر
 گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
 ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں
 ہاتھ تکیے پہ گہ بکھونے پر
 سسلایا جو پاننتی کے اور
 تو شک ان رگڑوں ہی میں بچھاٹی
 جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان
 نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو
 جب نہ تب پنڈے پر لیے پائے
 سو یہ تنہا نہ بان میں کھٹمل
 کہیں پھر کا کہتی بیسے تاب گئی

کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی
 کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلنا ہوں
 آسمان جو بھٹے تو کیا حبار
 بھینگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے
 تن پہ چڑیوں کو جنگ ہے یا ہم
 ایک مگری پہ کر رہی ہے شور
 ایسے چھپر کی ایسی تیزی ہے
 چار پائی ہمیشہ سر پہ رہی
 کونے ہی میں کھڑا رہا یکسو
 چھپر اس چو نچلے کا کھڑا ایسا
 پائے پٹی رہے ہیں جتکے پھاٹ
 چین پڑتا نہیں ہے شکو بھی
 سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں
 سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے
 ایک انگوٹھا دکھاوے انگلی پر
 پر مجھے کھٹلوں نے مل مارا
 ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں
 کبھو چادر کے کونے کونے پر
 وہیں مسلا کر ایڑیوں کا زور
 ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی
 ساری کھاٹوں کی چو لین کلی ندان
 پائے پٹی لگائے کونے کو
 سیتلا کے سے دانے مرجھائے
 آنکھ منہ ناک کان میں کھٹمل
 آنکھ سے تا پگاہ خواب گئی

ایک بتیلی پہ ایک گھائی میں
ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہئے
یہ جو بارش ہوئی تو آخر کار
آہ پھینچی خسرو کی کیا کیا نہ
ایسے ہوتے ہیں گھر میں تو بیٹھے
دو طرف سے تھا کتوں کا رستا
ہو گھڑی دو گھڑی تو دھنکاروں
چار جاتے ہیں چار آتے ہیں
کس سے کتا پھروں یہ صحبت نغز
وہ جو ایوان تھا حجرے کے آگے
کوٹھا بوجھل ہوا تھا بیٹھ گیا
کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا
میں تو حیران کار تھا اپنا
اینٹ پتھر تھے مٹی تھی یکسر
چرخ کی کجروی نے پیسا تھا
لگنے اک لوگ اس طرف دھائے
مٹی لے لے گئے وہ ہاتھوں میں
صورت اس طرح کی نظر آتی
آکھ کھولی ادھر ادھر دیکھا
قدرت حق دکھائی دی آکر
داشت کی کوٹھری میں لا رکھا
موسمی کی کھلائی کچھ ہلدی
غم ہوا سن گئے دوستداروں کو
کہ مری بود و باش یاں نہ رہے
شہر میں جاہم نہ پہونچی کہیں

سیکڑوں ایک چار پائی میں
کب تلک یوں ٹٹولتے رہے
اس میں سی سالہ وہ گری دیوار
تھے جو ہسارے دے ہیں پہچان
جیسے رستے میں کوئی ہو نیٹھے
کاش جنگل میں جا کے میں بستا
ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں
چار عفت عفت سے مغز کھاتے ہیں
کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز
اسکے اجڑا بکھرے سب لاگے
پانی جڑ جڑ میں اُس کے پیٹھ گیا
ناگساں آسمان ٹوٹ پڑا
کوئی اس دم نہ یار تھا اپنا
خاک میں مل گیا تھا گھر کا گھر
پر خدا میرا مجھ سے سیدھا تھا
یا ملک آسمان سے آئے
کام نے شکل پکڑی باتوں میں
ہم جو مردے تھے جان سی پائی
اس خسرو کی کو بھر نظر دیکھا
یعنی نکلا درست وہ گوہر
گھر کا غم طاق پر اٹھا رکھا
فرصت اُس کو خدا نے دی جلدی
پھر بندھا یہ خیال یاروں کو
گو تصرف میں یہ کہاں نہ رہے
چار چار پھر رہا میں وہیں

اور میں ہوں وہی قزو مسایہ
خواب راحت ہے یاں سو کو س
رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

بہاؤی گھر ہے بے سرو سایہ
دن کو ہے دھوپ رات کو ہواؤں
قصہ کو تر دن اپنے کھوتا ہوں

لہ اثر بام کا نہ کچھ در کا
گھر ہے کا ہے کا نام ہے گھر کا

مثنوی در بھوجا خانہ خود کہ بہ سبب شدت باران خراب شدہ بود

اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے
زندہ در گور ہم کمی تن ہیں
واں سے بھاٹکو تو ہے اندھیرا غار
اس کے معار نے اُدھر ڈھالے
دن کو ہے اپنے ہاں اندھیری رات
گو چہ موج ہے کہ نالا ہے
ہم غریبوں کے ہوتے ہیں سر پہ
سو دے چڑیوں کے گھونسلوں کو گئے
کہ جنھوں نے کیے ہیں جھانکے بند
بانس کو جھینگروں نے چاٹا ہے
ہے جو بندھن سو کڑھی کا جالا
ہم پہ گویا وہ بانس ٹوٹا ہے
بندھتا ہوں مچان رہنے کو
یاں تو اک آسمان ٹوٹا ہے
سر پہ ٹھٹھریے کھڑے ہیں ہم
بہتی پھرتی ہیں صحن میں گھر کے
خاک سے ابھی زندہ گانی میں
سر پہ گٹھری ہے تسپہ ہے چھپر

جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے
غلمتیں اسکی سب پہ روشن ہیں
ہے جو سر کو ب اک بڑھی دیوار
یخت بد و کچھ سارے پر ناے
اب جو آیا ہے موسم برسات
صحن میں آب نیزہ بالا ہے
ہینھ میں گھر کے پانچ چھ چھپر
پر تلک تینکے تھے کچھ ایک نئے
دل سے کچھ کڑیوں کا احساں مند
بھوس کچھ ہے کہیں سو آٹا ہے
اڑ گئی گھاس مٹی ہے والا
اپنے بندھن سے جو کہ بھوٹا ہے
کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو
بندھتا ہوں کو کیٹھے تاکے
ٹھٹھریے دینے کو جاڑے ہیں ہم
مٹیاں تھیں جو آگے چھپر کے
تاگے سب کھڑے ہیں بانی میں
اتو اپنا بھی حال ہے بہتر

پانی بہ کر جھکا جو ہے دالان
چاک اس ڈول سے ہے ہر دیوار
متصل ٹپکے ہے نہ باراں ہے
گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے
مینہ یکبارگی جو ٹوٹ پڑا
واسے پانیان کار ٹوٹ گئے
بہ گئے گولے تختے ڈوب گئے
سوج خشتی ستون میں بیٹھی
لے گیا تیج و تاب پانی کا
یوں دھنسا گھر کہ بارہ خاطر تھا
آٹھڑی دہلیز سب منڈیر گری
ساری بنیاد پانی نے کائی
جھک گئے سب ستون در بیٹھا
جب اجارے پہ آکے چھٹ پھری
آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں
دیکے مرنے سے ڈوب مرنے خوب
سکے ہرک کے جی میں در آیا
گٹھری کپڑوں کی میں اٹھالی تھی
جو جھک پڑوں کا جن نے باز دھا تھا
ساتھ کوئی حیران لے نکلا
چھانج کی کر کے کوئی اوٹ چلا
ٹنہ پہ چھلنے کو ایک نے روپا
ایک نے پھینکے حال حال لئے
ایک نے بوریا لپیٹ لیا
بنا اسباب گھر سے ہم لے کر

۸۱۷

سر پہ رہتا ہے طسروہ ایوان
جیسے چھائی ہو عاشقوں کی نگار
گر یہ زار سوگواراں ہے
چھٹ بھی بے اختیار روتی ہے
کڑمی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا
طاقتی بھر رہے تھے پھوٹ گئے
غرض اجزائے سقف خوب گئے
جان غناک خون میں بیٹھی
گوٹھری تھی حباب پانی کا
آہ کس کا غبار خاطر تھا
ہر پانی کی جھاڑ و دیتی پھری
اینٹ کے گھر کو کر دیا مانی
وہی چھپر گھڑا ہے گھر بیٹھا
ہم سبھوں میں یہ مصلحت پھری
کسوٹ پی پہ بیٹھ کر نکلیں
ہے کنار اہاں سے کرنا خوب
خاطروں میں یہ حسرت ٹھہرایا
سر پہ بھائی کے حبار پائی تھی
اس کا سارا نگار کا نہ تھا تھا
کوئی سر پہ اجاغ لے نکلا
مینہ کے ارے کوئی لوٹ چلا
ایک نے سر کی کا کسیا گھوپا
پائے بٹی گلے میں ڈال لے
ور پایا جو کچھ سمیٹ لیا
تشنی سب کے ہاتھ میں دے کر

<p>صفت کی صفت نکلی اس خرابی سے میر جی اس طرح سے آتے ہیں جن نے اس وقت آنکھ کو کھولا نہتے اس بات کو نہایت ہم تب سے رہتے کو اب تک ہیں اب</p>	<p>تاکہ پونچیں کہیں شتابی سے جسے کنجہ کہیں کو جاتے ہیں نہتے بے اختیار وہ بولا بارے اک بھائی کے گھر آئے ہم نہیں ملتا ہے گھر بقدر حجاب</p>
<p>جس میں خوش کیف سحرش کریں طور پر اپنے بود و باش کریں</p>	

ثنوی در مذمت برشکال کہ باراں دراں سال بسیار شدہ بود

<p>کیا کہوں ابکی کیسی ہے برسات بوند بھتی نہیں ہے اب کی سال وہی یکساں اندھیر برے ہے ماہ و خورشید اب نہ نکلتے نہیں اب میں کوئی بولتا ہی نہیں چرخ تک ہو گیا ہے پانی جو لے زمین سے ہے تافلک غرقاب خشک بن اب کی بار سبز ہوئے بر کس کس سیاہ مستی سے لڑکوں نے کی زمانہ سازی ہے ابر کرتا ہے قطرہ افشانی شک آبی سے جان مت اغراق عقل مینہوں نے سب کی کھوئی ہے کیسا طوفان مینہ چھایا ہے یٹھے اٹھے نہیں ہیں بام و در سقف آماج بوند پیکاں ہے</p>	<p>جوش باراں سے بہہ گئی ہے بات چرخ گویا ہے آب در غربال آسماں چشم واکو تر سے ہے تارے ڈوبے ہوئے اچھلے نہیں آسماں دیدہ کھوتا ہی نہیں ماہ و ماہی ہیں ایک جہاں و چشمہ آفتاب ہیں گرداب موش دشتی کے خار سبز ہوئے ہوتے جا ہیں بلند وستی سے خاک بازی اب آب بازی ہے پانی پانی رہے ہے بارانی ڈوبے پر ہے کشتی آفاق بات باراں نے یاں ڈوبی ہے زخم دل نے بھی آب اٹھایا ہے یہ خرابی ہے شہر کے اندر مینہ ہے یا کہ تیر باراں ہے</p>
---	---

جیسے دریا ابلتے دیکھے ہیں
ابر رحمت ہے یا کہ زحمت ہے
لے گئے ہیں جہان کو سیلاب
نہ ہے جلسہ نہ ربط باراں ہے
روز و شب یاں ہمیشہ جھمکا ہے
ٹہری بوندوں کی چوٹ سے ڈریے
پڑھتے ہیں یار و رس حیرانی
آدمی ہیں سو گب نکلتے ہیں
کتے ڈوبے گئے کہاں ہیں اب
وسعت آب بوجھ مت سمجھ یار
معبد اب سارے گرتے آتے ہیں
تھا ٹھہرنا برا بر ان کے شاق
ہنہ تو یاں اب لگے ہی رہتے ہیں
غرق ہے چڑیا اور گھسری ہے
ہنہ از بسکہ بہہا ہے گا
شعر کی بحر میں بھی ہے پانی
مائی پارندگی کی چالاسی
ہے زراعت جو پانی نے ماری
آب ہے گا جہاں کے سرتا سر
مست ہو ہو گئے ہیں مست شراب
مستی ہے اب جو چاہیں سیرابی
دست غم اس قدر بے طغیاں ہے
سیل دیکھے ہے کوہ ساراں کی
جزر و مد جس کا تا فلک جا ہے
ہر طرف ہیں نظر میں ابر سیاہ

یاں سو پرناے چلتے دیکھے ہیں
ایک عالم غرق رحمت ہے
نقشہ عالم کا نقش تھا پر آب
شہر میں ہے تو باد و باراں ہے
اندنوں رنگ برق چمکا ہے
سنگباراں جہاں ہواں مرے
آر سی کے بھی گھر میں ہے پانی
مردم آبی پھرتے چلتے ہیں
سگ آبی ہی ہیں جہاں ہیں اب
کو چے موجوں کے ہو گئے بازار
زاہد خشک ڈوبے جاتے ہیں
سجدوں میں کیا ہے استغراق
سارے عالم کے کان بہتے ہیں
خشکی کا جانور بھی بحسری ہے
اک جہاں کو ڈوب رہا ہے گا
ہستی بھرتی ہے اب غزل خوانی
آب خشک گھر پہ منت کی
ہو گئی آنجست ترکاری
خوف سے سوکھتا ہے میوہ تر
غوطے کھاتے پھرے ہیں عالم آب
بطے تو ہوئی ہے مرغابی
کہ ہر اک گوشہ بیچ طوفاں ہے
یہ کشتی گداہیں باران کی
جو ہے تالاب قفسہ دریا ہے
ابی ہے جس طرف کو کرے نگاہ

لہذا شریاں سے صدف کیے گئے

چشم تا کار میکند دریاست
خشک مغزوں کا مغز تر ہے گا
آب حیاں میں پانی مڑتا ہے

سیلہا در رکاب دیدہ ماست
پانی عالم کے تاب سر ہے گا
حضر کیونکر کے زیست کرتا ہے

لکھ کیا سیرینہ کی طغیاں
ہو گئی ہے سیاہی بھی پانی

شعوی در ہجو نا اہل مسمی بہ زبان زد عالم

چھپتا ہے مجھ کو اک تخم احرام
دہم میں شہباز کا ہم سیر ہے
بلکہ اس بھی طرز سے اس طور سے
نم چنانچہ سب مجھے ہو مانتے
کن دنوں تھا ہجو کا کرنا شعار
ہجو اس کی ہو گئی اس کا کہ
پڑتی ہے اُن سب کے منہ پر دین پاک
مدعی بے بیج ہے یہ رو سیاہ
درد مند و عاشق و دلریش تھا
غصے کے مارے چڑھی ہی مج کو تب
مذتوں یہ لونڈے آئے مجھ کئے
اک نظر سے شہرہ عالم ہوا
اس دوانے کی کنھوں نے عقل لی
دوسرا پیر و مرا رہنے لگا
مستند ہے سیرا فرمایا ہوا
کوئی سر کھینچو ہے میرا مستفید
پائیں ہے پائیں آخر صدر صدر
ہاتھ کب آوے بزرگی زور سے

سنیوا سے اہل سخن بعد از سلام
پر تہیں مرغی کا گرم طیسر ہے
نکام مجھ کو کچھ نہیں ہے اور سے
شاعری کو میری ہو گئے جانتے
میں ہمیشہ سے رہا ہوں باوقار
گر کنھوں نے کچھ کہا میں چپ رہا
کیا ہو اگر چاند پر پھینکے ہیں خاک
رہو شاہ کچھ نہیں میرا گناہ
تھا تحمل مجھ کو میں درویش تھا
پر کروں کیا لا علاجی سی ہوا
ایسے کتنے ہیں جواب شاعر بنے
ایک باتوں سے مری آدم ہوا
ایک نے دیواں کی میر نے نقل لی
ایک میرے طرز پر کہنے لگا
سارے عالم میں ہو نہیں چھا یا ہوا
دور سے کرتا ہوں بیٹھا سبکی دید
کوئی بے تہ گو نہ جانے میری قدر
ہے گی شخصیت خدا کی اور سے

ایک مچا دے جو اک عمدہ کو بھوگ
جو بڑے ہیں مے ہی آخر میں بڑے
شہر میں آیا میں بعد از بست سال
کسب جو کرتے تھے یہ فن شریف
کتنے اک نو مشق تھے گرم سخن
مدعی میرا ہوا یہ بے ہنر
کاسہ لیس نایہ خبث و حسود
آتے اچھا ہے جو اس کو روک دو
باپ اس کا سخت ناداں نادارست
ایک جا آیا شتر قد گھر گیا
رہ گیا میں پی کے لوہو کا سا گھوٹ
اس نخل پر نہ کی مطلق نظر
جب لگا ہے ناچنے مستی سے خوب
مستی اسکی ساری اب چھڑ جائیگی
جب بڑوں سے مارنا ہوا رکھائیں
راہ سیدھا ہو کے چلتا ہے بے
اونٹ کی خلقت پہ ہے قدرت کو ناز
ہست اسکی مضحکہ ہے سوانگ ہو
سر کے تیل اس کے جو دیکھوں کر گاہ
تیرہ رو مضحک سرا پا زور ہے
شکل و صورت دیکھ کر حیراں رہو
بیٹھے تو بیٹھا ہے گویا بوتیمار
چال جب چلنے لگے سر جھباڑ کر
بال و پر رکھتا نہیں بے پاؤ سر
ایک دن بیٹھے تھے یاں ات شریف

تو اسے کیا کچھ طرف چاہیے لوگ
ایسے لکے بہت پھرتے ہیں بڑے
گم تھایاں سر رشتہ اقبال و مقال
ان میں سے کوئی نہ تھا میرا حریف
سو بچارے آپ ہی نا آگاہ فن
مردہ صد سال سا بے نور تر
قلیہ وہ روز سے بھی بد نمود
ورنہ منھ دیکھو تو وہاں وک و
کوڑی کی سی گندی ملی فاق دست
واں شتر غمزہ سامجھ سے کر گیا
یعنی دیکھوں بیٹھے ہو کس مل اونٹ
خار پہلو کا ہوا ہر جا کچر
تب لیا میں نے قلم کے زیر حجب
دھوم ساری گلیوں میں پڑ جائیگی
کج خرامی سے تب اپنی باز آئیں
اونٹ جب آیا پہاڑوں کے تلے
اسکی خلقت کم ہے کیا لے بے نیاز
جید عوج بن عنق کی ٹانگ ہے
بائس پر ایک ذمہ بانڈی سیاہ
رم اگر ہو دے تو پھر لنگور ہے
بیگیاں سب ملے لگ لگ ہی کہو
آتے جاتے جاویں اسکو جوئے مار
پانوں کو پہلے رکھے منھ بھاڑ کر
ورنہ تھا یہ بھی عجائب جانور
دار داسن ہو گئے کتنے ظریف

ایک بولا دیکھ کر حیدر ان ہو
یاں تو ایسا جانور دیکھا نہیں
ایک کے آیا کوڑا و ہسم میں
ایک نے ہنس کر دیا اسکو دھکیل
کیسا عجوبہ نیا ہو بچا ہے یاں
ایک بولا کر کے چٹھک میری اور
ایک دن باہر تو ہو لیکر کھڑے
جائے اُس وحشی کا ٹک ہوس بھی
(اسکو یاروں نے غرض کیا کیا کہا
یہ جو ہے مو شک ددان ہنور چشم
بے سبب سرگرم کیں مجھے ہوا
چل قلم اب ہے ارادہ جنگ کا
یاں زبردستوں کو دعویٰ کھا گیا
ناقباحت فہم کو دعویٰ نے بڑا
ہاتھی کی ٹکڑ کو ہاتھی ہی اٹھائے
جنگ ہاتھی کی ہو گو اُس کو ہوس
ایک دھکے میں کہاں وہ کامنی
میں نے پاس اس کا کیا حد سے زیاد
قید کہتے کہتے باجی ہو گیا
ریشک شہرت سے مری مرنے لگا
لگ گئی چپ اس کو میرے ثور سے
یہ قبول خاطر لطف مستحق
ایک دو ہی ہوتے ہیں خوش طرز و طور
خصمی وہ کرے کہ ہو مقول خلق
شمنی تھی اُس کو ٹھوسے کیا ضرور

یہ جندائے کا کوئی حیوان ہو
سر کہیں ہے پانوں اسکے پس کہیں
ایک کے مور سواری قسم میں
اور بولا اسے ترمی قدرت کے کھیل
چوچ ہو تو ہے شتر مرغ کلاں
واہ صاحب جانور پالا ہے زور
یہ اچھے یوں نہیں رہتے پڑے
جوک بھی ہے پاس یہ نسان بھی
لیک یہ حسد نا شخص ہی رہا
موشی شہی چہرہ و شبکو ر چشم
مستحق لعنت عالم ہو ا
پاس کتک کیجے نام و ننگ کا
یہ چھپا رستم کہاں سے آگیا
ہو کے تنکا سا پہاڑوں سے اڑا
چیونٹی کا کیا جگر جو منہ پہ آئے
پر اسے ہے موت کا ریلہ ہی بس
پودنے کی سی ہے اُس کی ضامنی
پہر کمی کرتا ہے یہ ابن زیاد
پاس ظاہر چھوڑ باجی ہو گیا
میری عزت کا حسد کرنے لگا
یہ نہ سمجھا ہے خدا کی اور سے
دے ہے کب سیکو خدائے ذوالنن
اب چنا چہ سیر و مرزا کا ہے دور
نے اُنہوں سے جو کہ ہو مقبول خلق
حیف ایسی عقل لعنت یہ شعور

ہوں جو میں پر تو فگن تو ہے یہ کیا
خون دل آشام ہیں جو صبح و شام
یہ مری رہ کا نہ حاصل ہو سکے
میں نے اُلٹی اجگروں کی دم میں صفت
رکھتی ہے میری شرافت اشتہار
ہجو کی جو اُن نے میں کیا دب گیا
ننگ ہے میری توجہ اس طرف
دار دوستی سے ہے اُسکے مجھ کو شرم
ان عزیزوں کا نہایت پاس ہے
جو نہ سمجھا تیغ خاے کی ہے پاس
جب سے لے آیا قدم اپنا یہ شوم
ایک بدیمنی ہی ہے مگر یوم میں
ویدنی ہے قدرت رب و دود
کیا کمی ہے یہ جو عزت کم کرے
کرتی ہے تعظیم میری کائنات
یا بلا ہے یہ سچ گزرت
میری ہیبت سے بکل جاتا ہو موت
بیت کہنا چاہتا ہے سو ہنر
نامبارک ہی نہیں سادہ بھی ہے
عقل سے کس طرح ہووے بہرہ ور
پروہ حافظ جو ہو قرآن خوان قبر
چھڑ گیا ہو دے داغ اُس کا تمام
وہ خیرت جو رو سے جا یک جا ہوا
دیکھ کر اُن کے خرامی ہائے مرد
کو دگر چلنے لگا آخسر کو راہ

خور کے اُسکے ذرہ کب ٹھہرا رہا
دے بھی لیتے ہیں ادب میرا نام
یہ مولیٰ جوں کیا مقابل ہو سکے
ادھ مولیٰ سی پھیل گیا ہو طرف
گو یہ ناسید کسے ہے کیا ہمار
بھونکنے پر سنگ کے ہاتھی کب گیا
حیف ہے میلان و ریاسوئے کف
تب تو میں باتیں کروں ہوں نرم نرم
ورنہ یہ ملعون کیا کتا سس ہے
کاٹوں گایوں جسطرح کشتی ہر تھاس
تب سے ویراں ہو گئی یہ مرز بوم
لطف وہ پاتے ہیں ہم اس شوم میں
ایسی اچسچ کم ہی ہوتی ہو نمود
گو نہ شیطان سجدہ آدم کرے
لعنت اس پر ہوتی ہے دن و رات
میرے دیکارے گئے چھیرے دیک
دشمنی کی اُن نے اپنی ما.....
شاعری سمجھا تھا کیا خالہ کا گھر
اٹو ہے اور اٹو کی مادہ بھی ہے
ہے کسو حافظ کا لطفہ پاچہ خمر
اس سے لیں کار ملاوت گو بہ جبر
ٹڑھٹے پڑھتے شور سے ہر صبح و شام
ایسا اٹو ماخسر اسید اہوا
ایک کڑے نے کی تقلید تورو
اپنی بھی رفتار بھولا رو سیاہ

چھوٹے سے منہ جو پارے کیا ہر باب
آگے میرے کا سا بال ہے
ایسی سیکڑوں ڈالی ہیں بھار
کیا ہے یاں پیش بچہ انداختہ
کیا بلا ہے مادہ خوک حاصلہ
غول صحرائی کا بچہ ہے مگر
اس فن مشکل کا ماہر ہو گیا
ہیں کہاں ایسے سعادتمند پوت
جانتا ہے اس کو پیری کا عصا
تب تو بھڑایا ہے اسکو رازدار
پہلے ماں کا راز ہی رسوا کیا
یار ماں کے باپ کو دکھلا دیے
اس مجازی کا کیا اس سے کلا
یاں کسی تقریب آ پیدا ہوا
اس حرف کی وارہی اُسکے ہاتھ ہی
ہے داغ بحث پاچی اب کسے

کا شکے ہوویں مخدر شیخ و شاب
گو کہ یہ لچھن کرے کیا مال ہے
چاہوں گا جب پھینک ہی دنگا کھا
بدنمائی اُس کی ہے بیاختہ
دیکھ اسے یاد آوے قدرت کاملہ
گرگ گردن خوک چشم و غوک سر
چار سکھیاں کہہ کے شاعر ہو گیا
باپ کو اُن نے بنا رکھا ہے اوت
کم ہوا ہے گا جو اُس کا زور پا
کچھ نہیں معلوم اس کو سرکار
اس زنا زادے نے جوب واکیا
ایک ہی شب کے تئیں جلوادیے
پھر حقیقی باپ سے جبا کر ملا
پیسے اُسکے کھا کے جب کٹا ہوا
تب سے روز و شب اسی کے ساتھ ہی
بس قلم نفریں ہے میری بس اُس سے

رکھ زباں سید ہر گیا تیرا مزاج
پوچ گو بہترے پھرتے ہیں پواج

ہجو عاقل نام نا کسے کہ بسگاں ان سے تمام دشت

شنگی کی حوصلے نے تو رجعت سی ہو گئی
چھڑی کی طرح شام دسھرتوں کی تلاش
کتا بغل میں بارے لگا پھرنے ہر طرف
ہے اُس کی استخاں شنگی کتوں کے لیے
یا کتوں سے چٹایا ہے اب اپنے منہ کو بھی

اک جو لچر کو رزق کی دست سی ہو گئی
کتوں کے ساتھ کھانے لگا کتوں سے کماش
یا کیزگی طبع و لطافت وہ برطرف
دیکار و کتے کو تو لہو اپتا وہ پیے
یا جھوٹے ہاتھ کتے کو مارا نہ تھا کبھی

کہتے ہیں پاس کہتے ہیں جیب دکنا میں
 آیا جو ایک روز وہ بے تہ حیلہ ہوا
 ایک سنگ گزیدہ کی سی طرح جھوٹے لگا
 ایسی بھی ہم نے دیکھی نہیں کتوں کی ہو
 ٹکڑا ہو جس کے ہاتھ میں یہ اُسکا یا رہے
 کتوں کی جستجو میں ہوا روڑا پاٹ کا
 تھکتا ہے پھر جو کرتے ہوئے دوڑا اور دھیار
 جو ہڈیوں پہ لڑتا رہا ہو بیان سنگ
 انسان کو اس کتے سے اتنا ہوا ہے کب
 اصحاب کہف کا بھی جو سنگ ہو تو یہ وہ سنگ
 کہ سنگ تخلص اپنا جو آیا بروئے کار
 رہتے نہیں نفور تو سنگیان بے شعور
 کیا جانیے کہ یہ گہرے سنگ کیا متاع ہے
 آدم گری اڑا رکھی حرف و سخن گیا
 دم لایہ جو دے تو لگے کرنے بے حصال
 کج بخت یہ غریب جو مردہ سا پائے یہ
 در مدعی ہو ملک بھی تو ی دل تو ی نصیب
 رہتا ہے سخت شفیقہ کتوں کے بال کا
 کتوں کی لے کے زرد و سیاہ و سپید شیم
 کتوں کے شوق میں جو یہ آتش جو زیر پا
 اسکی پلیدی شہرہ ہر شہر ہی رہی
 دلی میں تین کتیاں کہیں لے کے پالیاں
 وہ مرگئیں تو دیر رہا روتا غم مند وہ
 لونکی کا گرم خم جو رہا سوکھ نہج ہوا
 ملی جو پالتا تو بھلا ایک بات بھی

کہتے ہیں آستینوں میں کتے ازار میں
 کتا ازار اُسکے سے نکلا بندھا ہوا
 پھر کھول اُسکے مُنہ کے تئیں جو بنے لگا
 گردن میں اپنے ڈالے پھر سے روز و شب
 جیسے سگ سرائے سگ بہ سوار سے
 دھوبی کا کتا ہے کہ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا
 لیتا ہے بے دماغ ہو لوگوں کے کپڑے پھا
 ہوا دمیت اسکو بھلا کس مقام لگ
 ناپاک اس کو جانیں ہیں یا کینہ لوگ سب
 نجم الدین کے بھی کتے کو کتا کہے ہے جگ
 اکراہ سنگ لوند سے کرنے لگا دیار
 کھاتے میں وہ بھی کہتے ہیں کتے کو دُور
 بازار میں جو دیکھے ہے سگ کو سلع ہے
 دیکھا جو خوب تو سگ دیوانہ بن گیا
 دوڑے و گرنے کاٹنے کو کتے کی مثال
 مر گھٹ کے کتے کی سی طرح پھاڑ کھائے یہ
 پھر آگے اُسکے سوکھی سی ملی ہے یہ غریب
 پلا یہ ہے کہے تو کسی کتے و ایل کا
 کس کس طرح سے دیکھتا ہو دب و انجم
 کہتا ہے اس کو اب سگ یا سوختہ بنا
 کتے کے کاٹے کی سی اسے لہری سی
 ہمسایوں کی جھجھوں کے لیے کھائیں گائیاں
 پشتی کے پیچھے پھر نہ ہنسا تاک ستمزدہ
 برنی کی تعزیت میں سگ روئے نہج ہوا
 آئیں میں اسکی درستی ایسا ساتھ ہی

کتا تو کشتی ہے سب اسلامیوں کے ہاں
کیونکہ زبان نکالے نہ جوں سگ پھر کرے
مر جائے گا یہ بھونکتے ہی بھونکتے ندان
تو شے میں اسکے ہو گا نہ کچھ غیر سگ سنی
یہ سب ہے اسلئے کہ ہر اک جائے شہر ہو
بہرہ ہے جنگو عقل سے دے کیوں ہوں شہنشاہ
بہتیرے ایسے کتے بچاتے پھرے ہیں یاں

توراں کے لوگ ہوویں کہ ہوں اہل صفہاں
جبکو خدا خراب کرے پھر وہ کیا کرے
آواز دے دے کتوں کو توڑے ہر اپنی جان
ہے بسکہ سگ پرست مرے گا جو یہ دنی
کتوں کے پیچھے پھرتا ہے گلیوں میں وہ ہو
اس وضع ساختہ کے ہوں احمق فریفتہ
ہے اس طرح کے معرکہ گیروں سے ہر جہاں

مشوی مسمیٰ بہ تنبیہ الجہال

کسب کرتے جنگی طبعیں تھیں لطیف
خار و خس سے کیا یہ عرصہ صاف تھا
کچھ بتاتے تھے بھی سوا شراف کو
ناگسوں سے دے نہ کرتے تھے سخن
کوئی حاجت اُس سے وابستہ نہیں
ٹوٹے بھوتے کو کہاں لے کر پھر دو
کوڑیاں دے جوتی گٹھو ڈاٹیرے
جونہ ہو شاعر تو کچھ نقصاں نہیں
دین کا اس فرتے کے پوچھو نہ حال
واں کی دینداری رکھو اور در لکھو جمع
کو یقین ایمان کیسا دیں کہاں
یعنی جن کے ہوتے تھے ذہن سلیم
ان کے ہوتے رہ سیر راہ سخن
شاعری کا ہے کو تھی ان کا شمار
شعر سے ہزاروں ندا فوں کو کیا
جو کوئی آیا اُسے دی پاس جا

صحبتیں جب تھیں تو یہ فن شریف
تھے میز درمیاں انصاف تھا
دخل اس فن میں نہ تھا اجلاف کو
تھے جو اس ایام میں استاد فن
پھر حصول اس سے نہ دنیا پر نہ دین
گر چہ اس کا رخا نہ میں نہ ہو
چار و ناچار اس کئے جانا پڑے
حاجت اس فرتے سے مطلق یاں نہیں
یہ تو دنیا میں ہے اس فن کا کمال
کذب ہو جس جائے رونق بخش سمع
جھوٹ آوے اس قدر جب درمیاں
سم تلک تھی بھی وہی رسم قدیم
پیار کرتے تھے انھیں استاد فن
بلطف واں زہن ہار پاتے تھے نہ بار
نکتہ پردازی سے اجلا فوں کو کیا
الغرض یاروں نے قیدیں دیں اٹھا

ملک نہ استعداد سے کی گفتگو
چار سکھیاں کہہ کے دینا کس کے ہاتھ
آپ بیٹھے صدر میں وہ دست چپ
بولے ان کو آج کل سے ہے خیال
ہو رہیں گے کچھ اگر صحبت زمی
جب ہوا ثابت وہ ان کا مستفید
کی اشارت تاکہ وہ کھولے دہن
ان کے ایسا سے وہ کچھ پڑھنے لگا
نیم قد اٹھ اٹھ کے یہ سننے لگے
وہ سراپا جسل ناگہ وقت کار
سر میں رکھ کر دعویٰ طبع لطیف
کیسی کیسی یوں گئیں طبعیں بیاد
جب تلک یہاں تھی تیز زشت و نیک
اہل فن کی رستی بھی سب کو تلاش
جو کہ خود سر رکھے استادوں سے عار
زندگی بلکہ انھوں پر شاق تھی

کچھ نہ رکھی شاعری کی آبرو
پھر اسے مجلس میں لائے اپنے ساتھ
کرنے لائے شاعری سے حرف گپ
دہن ان کا تیزی رکھتا ہے کمال
اور ہم سے بھی اُنھیں الفت رہی
سب نے جانا اسکو شاگرد رشید
آگے استادوں کے ہو گرم سخن
صاحبان فن کے منہ چڑھنے لگا
جاؤ بیجا سر کے تین ڈھنکے
ہم سے تم سے کرنے لگا اعتذار
میر و مرزا کا ہوا آخر حریف
آفریں شاعر و رحمت استاد
کا ہے کو یوں شعر مکتا تھا ہر ایک
ان کے ہاں کرتے تھے جاکر بوداں
ان کے تئیں ہرگز نہ ہوتا اعتبار
ہاتھ گر لگ جاتے تھے شلاق تھی

حکایت

شائق فن تھا وزیر اصغر خان
حاجیان در سے ہو آگاہ کار
عزت و تقسیم کی حد سے زیاد
ان نے کھینچی اس کی مرزائی بہت
شعر کی تقریب لاکر درمیاں
شعر خوانی کی پڑھا سو تھا غلط
غصہ ہو بولا کہ ہاں فراموش و چوب

ایک دن آیا پلائی اس کے ہاں
کی اشارت تا اسے دیں گھر میں بار
پاس لے مسند پہ بیٹھا شاد شاد
نیٹھے بیٹھے رات جب آئی بہت
کرنے لگا شاعری کا امتحاں
سننے ہی بھر کا وہ شعلہ کی نمط
کھینچ لا میدان میں کی شلاق خوب

۹۳۶ ہجری استرآبادی کا کلام فصیح و چمکداری میں خراسان چلے گئے تھے عبداللہ خان ازبک کے زمانہ تسلط میں
سنہ ۹۳۶ ہجری میں قتل کیے گئے ۱۲

اسقدر مارا کہ بے دم ہو گیا
 کھینچ کر ڈلوادیاہ ریبار میں
 درت اس کے لے گئے آرات کو
 یعنی دستور زماں دشمن نہ تھا
 غالباً پایا غلط اشار کو
 ورنہ شیوہ اس کا ہے لطف و کرم
 مجھ کو کیوں شلاق کرتا اتنی شب
 پس مجھے ہے تربیت اپنی ضرور
 صحبت اکثر رکھوں اس استاد سے
 پہونچے اک رتبہ کو میری قیل و قال
 اٹھ کے آیا سولوی جامی کئے
 جب ہوا کچھ شہر کا رتبہ بلند
 پھر گیا اک دن در دستور پر
 کاے امیر اس روز کا شلاق حواری
 کی اشارت سدرہ کوئی نہ ہو
 سامنے آیا تو کی نیچی نظر
 بردازاں ایماے ابرو کی کہ ہاں
 پھر وہیں سے دے صلہ نصرت کیا
 اگلی صحبت کی تھی عزت اسقدر
 ابکی اس کو جائزہ دیکر گراں
 میں نہ سمجھایا کہ وہ کیا تھا یہ کیا
 ایسی ہی ہوتی ہیں تصحیک سلف
 اسقدر اس کا تائب تھا ضرور
 جوئے سو خود سری سے باز آئے
 ورنہ کرتا پوچھ گوئی ہر و تنگ

سوچ دست و پا ہر اک تھم ہو گیا
 یہ خبر پہونچی جو ہر بازار میں
 جب بخود آیا تو پایا بات کو
 یا وہ کچھ نا آشنائے فن نہ تھا
 خوش نہ آیا اس کرم کردار کو
 جائزے میں دے ہے دینار و درم
 کا ہے کو بدنام ہوتا بے سبب
 جا کے بیٹھوں اک سر آمد کے حضور
 شاید اس کی دولت ارشاد سے
 ہو مجھے اس فن میں یک گونہ کمال
 مشق کی یک چند اس نامی کئے
 اور مولانا لگے کرنے پسند
 حاجب درگاہ نے کی جا خبر
 آج در اوپر ہے پھر خواہاں بار
 قصد ہے بر خورد کا تو آنے دو
 دھوپ میں جلتا رہا تو اک پہر
 صحن ہی میں سے ہوا وہ مدح خواں
 اک مصاحب نے جگر کر کر کہا
 سو ہوئی شلاق حد سے بیشتر
 تو نے فرمایا مرخص واں سے واں
 در جواب اس برگزیدہ نے کہا
 دست ہو تو ان کے تئیں کرے تلف
 تاکہ پہونچے یہ خبر نزدیک و دور
 تربیت ہونے کو استادوں کی جا
 رفته رفته شاعری ہو جاتی تنگ

تب جو میں شلاق کی یہ خام تھا
قصہ کو تاہ تھی مینر درمیاں
بے تمیزی سے ہے رائج ابتری
نے بیاں کا ہے سلیقہ نے زباں
بس قلم و قوت زباں بازی نہیں
کون حرف خوب کو کرتا ہے گوش
بے تمیزوں سے بھرا ہے سب جہاں

اب جو آیا لائق انعام تھا
تنگ ہے گرم مزابیل پر بھی بھاں
جبکو دیکھو خود نمائی خود سری
اسپہ ہے ہر ایک سہاں بیان
چپ کہ دوران سخن ساز ہیں
بات کی نغمہ گاہے کسکو ہوش
ہے دماغ حرف ہمو بھی کہان

مثنوی اثر و زمانہ

یہ مودی کئی ناخبردار فن
نہیں جانتی ہوں میں ماریاہ
نفس ہے مرا فعی پیچیدار
جدھر بھر نظر دیکھوں گجائے آگ
جہاں میں ہوں چلے پر شور و شور
مری آنکھ سے نہ ہر ٹپکا کب
سُن اس ماجرے کو بھوں نے کہا
نہ خصمی مری اثر دروں سے ہوئی
اگر شور زافاں سے ڈر جائے مار
نہ کس طور اثر در کو تلو اسہ ہو
کہاں چھپکلی اثر ہے سے لڑی
ہزار اجگر اندوہ سے جائے لٹ
جہاں شور اثر در سے ہے دھوم دھام
بہ نظر ہر یہ لائے تو ہیں پر نکال
حریفی انھوں سے ہو اثر در کی کب
حکایت بعینہ یہ دل سے ہے میر

نئی ناگنیں جنکے ٹیکوں پہ پھن
زبانہ ہے آتش کا سیہ سی نگاہ
گیا جس سے خضم قوی من کو بار
دم دم کشی لب پھیلیں ہیں ناگ
عصا سے چلے راہ واں مار و مار
جلا آگے میرے کبھو کب دیا
کہاں کیچو سے یہ کہاں اثر دیا
طشہ مجھ سے ہو جو تک کیا ادھڑی
تو کیا اجگر وں کا رہے اعتبار
حریف اُسکے سوکھی سی چلباسہ ہو
کس اثر در یہ ایسی قیامت پڑی
وے ایسے کیڑے کوڑے ہیں جٹ
کوئی کنڈلائی سے نکلے سے کام
وے ہوں گے انکے بیوں کے وبال
وہ سینگے ہو کیدم تو پھینکا ہیں ہا
سر راہ کتا تھا جو اک فقیر

کہ تھا دشت میں ایک اثر درمقیم
 نکلتے تھے اُس طرف ہو کے شیر
 جہاں شیر کا زہرہ ہوتا ہو آب
 وہ صحرا تھا اس کے سبب ہونا نک
 نکلتا تھا جب بہر برگ و نوا
 کہاں سایہ اس جا د سبزہ کہاں
 صدا جب مہیب اُس کی ہوتی بلند
 درندوں کے ہو جانہ رہتے جو اُس
 وحوش اُس بیاباں میں جاتے نہ تھے
 کبھو اُس کی رہ میں جو اٹھا غبار
 پہونچتا تھا گردوں تلک شور و شر
 رہا کرتی کو سوں تلک اسکی دھوم
 ہوئے ساکنان بیاباں بتنگ
 گئے جان لے لے وحوش و طیور
 گئی کوٹری ایک سوکھی ہوئی
 گلی میں جو یاں کے کھلے اُسکے لب
 تحراطین و خر موش و موش و خال
 رواں ساتھ اُسکے شبانہ ہوئے
 رعونت سے میڈھک اُچھلتے چلے
 قریب اُس بیاباں کے جدم گئے
 قضا راوہ آفت تھی سرگرم سیر
 اُس آشوب سے دست دپا کم گئے
 لگا ڈرنے خر موش سا پسو ان
 وہ گرگٹ کہ جس کو تھی گردن ششی
 قدم غوک سے گرد کا جسل گیا

درندوں کے بھی دل تھے اُس سے نیم
 پلنگ و مرواں نہ رہتے تھے دیر
 شغال اور روبہ کا واں کیا حساب
 دم اس کے نے واں کی اڑادی تھی
 شجر کے شجر ہوتے تھے تب ہوا
 درخت اُسکے چائے رہے تھے واں
 جگر چاک گرتے ہوا سے پرند
 چرندے مکاؤں سے ہوتے اُداس
 طیور آشیانوں میں آتے نہ تھے
 تو وہ دشت تھا ایک تاریک غار
 ہوا صاف ہوتی نہ دور و پسر
 نہ اُس راہ آتا کوئی جُزِ سموم
 اُٹھے کوہ و وادی سے شیر و پلنگ
 کوئی رہ گیا موش و میڈھک ساو
 کسو اور جنگل میں بھوکی ہوئی
 ہوئی واں کی اعیان گرم غضب
 اس اثر در کو کر جنس اپنی خیال
 کسی گرگٹ آگے روانہ ہوئے
 بلوں میں سے چوہے نکلتے چلے
 اُنھوں میں سے آگے بہت کم گئے
 چلے آتے تھے بھاگتے وحش و طیر
 فراموش سب نے سر و دم گئے
 ہوا مضطرب کیچو اساجوان
 ہوئی خوف سے اُس سپہ طاری غشی
 بھروسہ تھا گیدڑ پہ سول گیا

<p>لگا کرنے سید ان میں بل تلاش یہ تشویش یکدم فراموش ہو کہ ہو خوف جاں سے کوئی متروی کہ گو بجی بلائے سید کوہ میں جو ثابت قدم تھے بیل ہی گئے ہوئے مدعی جان سے نا اُمید کہ پایا اس انبوہ کو نیم جہاں وہی دشت خالی وہی اُرد ہا ہو اگر م ویسی ہی ویسا ہی شور اُسی ہولناکی سے وہ دشت ددر رہی سدھ نہ کچھ داں کے سگان میں نہ پھر نام اس اُرد ہے کا لیا طرف ہوں مری اُنکی طاقت ہے یہ تو یہ مارگیری کریں کیا محال ہوں اپنی جگہ شاد و سرور میں جو رتبہ ہے میرا مرے ساتھ ہی گیا سانپ پیاسا کریں اب لکیر</p>	<p>جہاں پہلوں موش رستم معاش کہ سوراخ پاوے تو رہ پوش ہو وے چھوڑ تا کب ہے خصم قوی پر گندگی تھی انس انبوہ میں اس آواز سے جی نکل ہی گئے سید جب ہوا ہو گئے کُٹھ سفید بھرا ایک دم اُن نے وا کر دہاں دم دیگر اُن سے نہ کوئی ربا زبانہ وہی آگ کا چار اور وہی دم کشی شام سے تاحسہ گئی یہ خبر جس بیابان میں کنھوں نے کبھی مُٹھ نہ ایدھر کیا مری ان گزندوں کی صحبت ہے ہم جو مجھ کو ہو کچھ بھی اُنھوں کا خیال تو کیا ہوا اُنھوں سے بہت دوریں مری قدر کیا اُن کے کچھ ہاتھ ہی کہاں ہو نہیں مجھ تک یہ کڑے حقیر</p>
--	---

نشوی در مذمت اُمینہ دار

<p>جب سے نکلے بال تب سے ہے یہ حال مدعی شعر میں محبام اب جلفت اشراقوں کے ہمسر بھی نہیں دو دو ہو جانے لگے سوئے داغ در نہ یوں بیوہ کب نکلا ہے دم ہے حجامت اس بھی فرقہ کی ضرور</p>	<p>آج سے مجکو نہیں رنج و ملال موشگانوں کا نہیں ہے نام اب ان سے کین اک مویرا بھی نہیں پر ہوئے سر چڑھ کے یہ ہوئے داغ ہوئے گرم سخن تب تو قلم ایسے منڈے میں نے کتنے بے شعور</p>
--	---

ہاں نہ سید کچھ ہے نے نائی ہے شرط
 سنگ کو نجم الدین کے سرداری ہوئی
 میر و مرزا میں حکم ہو دے خود
 سمجھے مرزا میر کو مرزا کو میر
 مجھ میں مرزا میں تفادیت ہے بہت
 جس جگہ میں نے رکھی منہ میں زباں
 اترے کانوں میں اپنے باندھ کر
 ان کینوں کا گلہ کیا کیجئے
 کہتے ہیں سرگرم بیباکی ہے یہ
 لکھئے اس فرقہ کے اب تاجند دم
 مگر چہ ان کو کہتے ہیں آئینہ دار
 صاف قینچی پر اُغھیں چڑھو ایسے
 بھا ہو ہواں قوم کی کیا شرح حال
 اک سفید اُن کو نہیں چننے کی تک
 کیا کہوں کیسے ہیں اوندھے یہ پھر
 کھر چیں ایسا سرکہ کر دیں بانہاں
 معتبر اُنکے جو حجابی ہیں اب
 کوئی لے جائے جو حاجت غسل کی
 لعنتیں کرتے ہی گزرے اُسکو واں
 بیٹھے جائے خانے میں کیا غسل کر
 ایک پھر اجرت کے اوپر جنگ ہے
 اس مفادے میں گیا تھا اک حرف
 دھوکے پا جامہ مہانے بھی گیا
 غسل کے نیچے جو منہ کھر کو کیا
 ہانے نے یو مچا کہ پیا یا طکا

ہو کسو کسوت میں دانائی ہے شرط
 نوح کے بیٹے کی وہ خوار ہی ہوئی
 نے کی نائی جن پہ سب دست رد
 نے وہ رگ زن جو نہ سمجھے سیر شیر
 یاں تباہی واں عجالت ہے بہت
 ہوتے اُس جاگہ جو مرزا بیگماں
 کب کے اب تک ٹھسٹے ہوتے دھڑ
 ایسے دس پیدا ہوں گے نہ لیجئے
 ہوں تو ہوں ناپاک کیا پاک ہے یہ
 خط بناویں ایسا کرے کھٹ فہم
 لیک انکا منہ نہ دیکھیں کاش یار
 گر نمد ہواں میں پھر ہو جائے
 آگے ہی آویں گے جتنے ہونگے ہاں
 ہوتے ہیں دشمن یہ کالے ہاں تک
 کیجئے اصلاح عاید ہو دے شر
 سیدھیاں جب اُس تب لیں لے ہاں
 ہند میں وہ تیرہ روشامی ہیں اب
 چلو چلو پانی پر دیتے ہیں جی
 غسل میں فرصت تشدد کی کہاں
 جیب شاگردوں نے واں رکھی کتر
 لات ہے گالی ہے پھر سر جٹک ہے
 اسکی فی الجملہ طبیعت بھی ظریف
 کی طرف پھر پانچنا نہ بھی گیا
 ہاتھ نائی کے سوا پسیا دیا
 وٹری یہ کیسی ہے میں قرباں گیا

سکے بولے تو نہ بدلے جا سکے
چوڑے نائی ہیں سارے ایکذات
آیا اک نائی زانا سا نظر
میں کہا آتا ہے تلوا کام کیا
..... اس میں لوطیوں کی ڈال کر
ہاتھ میں رکھتے تو ہوا نہیں
عذر اگرچہ دانتک بھی یاں نہیں
وہکے چڑھ جاویں نہ جانے کیسے کے
سکے اس سے ایسی اجرج بات کو
کاٹے اُن کے تئیں منسل گزیر
بعضے بعضے ان میں سے جالچ ہیں
نہ وہ زنگاری کوئی ڈبا ہے ساتھ
موم ڈالیں تیل میں مرہم کریں
پھیر پگڑی بیچیں ایسی شان سے
باپ سے اپنے اگر پیسے نہ پائیں
بعضے بعضے ان میں رعنا ہیں اگر
زبڑ ہی گت ناچے یہ اُسکا منہ دکھائیں
روشنی لے دوڑتے ہیں وقت شام
تیل کی کپی لیے خوش ہیں کھڑے
لگ چلیں تو تنگے جیسے موچنے
چھیڑ لیو تو مغز بھی لے جائیں گے

یاں ہنگا بھی ہے اُسے اُٹھوا سکے
ان میں ہے بذات جو ہونیکذات
ہاتھ میں تلوا لیے بے پا و سر
بولتا ہے آگے سے بدنام کیا
مونڈتے ہیں اک اک بال کر
ضبط کی شاید نہ طاقت ہوا نہیں
لیک اک دن اس میں پی جاں نہیں
جی بھی جاوے واسطے دو پیسے کے
میں کہا لعنت تری اوقات کو
پنڈے کے لگے ہیں اکثر پاچہ خر
بحر خون و ریم کے ملاح ہیں
حیف کے سے ایک دولتے ہیں ہاتھ
پھر مسجانی کا دم اس پر بھریں
آئے ہیں گویا ابھی ایران سے
واغ کو اُس کے جراحت کر دکھائیں
سو مشعلی ہیں بھگت کے بیشتر
بابا مشعل لیے مجلس میں جائیں
گھورتے ہیں کر کے اندھارا دام
ایک بھڑوے ہوتے ہیں چلنے گھرے
کھائیں جب سر میں لگیں تھوچنے
سر کے تئیں سہلا کے بھیجا کھائینگے

بے حقیقت ہیں نہیں نمایان کار

صحبت ان سے بگڑی ہے پایاں کار

.....

مثنوی درمچو اکول

ایک ہے پر غور آشنا بے پیر
صد منی دیک ہے شکم اُس کا
آنت شیطان کی ہے اُسکی آنت
خستہ جو غ وہ جو آوے نہار
شکل مست پوچھ کھانے کا ہے بلی
کمال کچے سے پھر توڑے سے سیاہ
توند کالی جو کھول جائے لیٹ
راہ مطبخ میں پاوے ہے جو کبھی
کھینچے باور چوں کے کیا کیا ناز
کھانا نکلے پر آوے ہے کیسے
وقت کھانے کے ہاتھ سے اسکا
کیا وہ دو بیازہ کھا کے ہوتا زہ
گوشت ہانڈی بھرا ہے خشک میں
خام طعمی سے اک کرے ہے آہ
نہ ملے دیکھ کر وہ قاب پلاؤ
کھانے پر جب وہ جی چلاتا ہے
نہیں پہنچے جو کھانا کھانے لگ
بھوکھ کا باؤ لا جو آتا ہے
دہوں میں دشمنوں سے بھی وہ لیم
آش بفرایہ مار بھی کھاوے
کسی مفلس کے گھر جو جاتا ہے
بھوکھ سے جب کہ غصے میں آوے
ٹھڈیوں کو نگہ نیم کھا جاوے

سینہ سوراخ جس سے ہو کف گیر
نفس اڑوا ہے دم اُس کا
دانت اُس کا ہے ہاتھی کا سادانت
منہ ہے گو یا کہ زخم دامن دار
منہ ہے چھپیوں سے جیسے ٹی جلی
کاسے سر ہے جیسے اوندھا کڑا ہ
آہنیں ہے تنور اُس کا پیٹ
چاٹ جاتا ہے دیکھوں تک بھی
کتری گئی اُس کے چوڑوں پر بیازہ
چیل ٹوٹے ہے گوشت پر جیسے
قاب پر نان پنچہ کش گویا
اک نوالا ملا ہے دو بیازہ
ہنڈیاں گویا تھیں اُسکی خشک میں
دیکھ کر شبکو نان ہالہ ماہ
منہ ہے منہ بیٹھا کر چکھائے گھاؤ
لاکھی پاٹھی بھی کھائے جاتا ہے
ٹریوں پر پڑے ہے جیسے سگ
لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ہے
جائے گھل بل اگر سنے ہے حلیم
اس میں گو بوغسرا نکل جاوے
کچھ نہیں خفتیں ہی کھاتا ہے
نہر گوہی کی طرح بھینجھلاوے
چنے لوہے کے بھی چبا جاوے

بھوک اُسکی جے تو میں مہانوں
 سرس پھوڑے ہے دیکھ کر تر بوز
 تاشکر پر وہ بانس کھاتا ہے
 کرتے ہیں سودوں کی خسریاری
 کوئی لاوے بلا گزرباں کو
 تکتے ہیں بنیے داؤ گھات اپنا
 سودے یکسو ہیں نہ کھا جاوے
 الغرض پیٹ اپنا بھر جاوے
 لیک پیٹ اُس کو مارے رکھتا ہے
 گوہ تک کا بھی جیف کھاتا ہے
 کھا گئی اس کی میزبانی جان
 کھانا اُس کے لیے میں پکوا یا
 جس پہ سو میہاں کروں بچھ سے
 خوب کھانا تو تجھ پہ ہے روشن
 وہ منی دیگ بیج دلیہ تھا
 جس کو دو چار سال کھاؤں میں
 دو روح اشنک طاع
 میں رہا کتا کھا گیا وہ سمیٹ
 سارے منہ دیکھتے رہے اُسکا
 روح توشے کی روٹی میں ہوگی
 مر گیا ہووے تو بھی اٹھ بیٹھے
 وہ مرے بھوک اُسکی مرتی نہیں

دھر کا جلنا آگ سے مانوں
 نکلے بازار میں وہ جب حیر بوز
 کھاس پات اور کانس کھاتا ہے
 اُسکے آنے کی سن کے بازاری
 کوئی تختہ کرے ہے دوکان کو
 کنجڑے ڈھانکے ہیں ساگ پات اپنا
 کہ مبادا دھبر کو آ جاوے
 اینٹ پتھر بھی کھا گزرجاوے
 کیا کیا جینے کی کہیے چکھتا ہے
 پیٹ اپنا بڑا جو پاتا ہے
 وہ قصارا ہوا مرا مہاں
 گھر میں جو کچھ تھا بیچ منگوا یا
 کتنا کھانا بیاں کروں تجھ سے
 مجھ سے تھی روزگار سے ان بن
 چار من گاجروں کا قلیہ تھا
 روٹیاں کس قدر بتاؤں میں
 چاہ کر کے گرا جو وہ بلاع
 تھی ابھی روٹیوں کی جیٹ کی جیٹ
 کھانا کوئی اور کیا کہے اُس کا
 جب مر گیا وہ بھوکھ کا روگی
 کھانے کی بوجو ناک میں بیٹھے
 عقل باور اگر چہ کرتی نہیں

بھوکے اس کا جو حی نکل جاوے
 گور میں بھی کفن نکل جاوے



مشوخی دیگر بیان کتب

اے جھوٹے آج شہر میں تیرا ہی دور ہے
 اے جھوٹے تو شعار ہوا ساری خلق کا
 اے جھوٹے تجھ سے ایک خرابی میں شہر ہے
 اے جھوٹے رفتہ رفتہ تیرا ہونگیا رواج
 اے جھوٹے کیا کہوں کہ بلا ریزہ سر ہے تو
 اے جھوٹے کب ہے عرصہ میں تجھسا حریف
 اے جھوٹے تیرے شہر میں ہیں تائیں بھی
 کہنے سے آج اُن کے کوئی دل نہ شاد ہو
 وعدے گھڑی کے پہروں کے سب تائے چکے
 اے جھوٹے رنگ تیرے کرے کوئی کیا بیاں
 یوسف کہ تھا نبی و صداقت شعار تھا
 پایاں کا تیرے سبب چاک پیر بہن
 اے جھوٹے تو تو ایک دلاؤ نہر ہے بلا
 کس جانکنی سے کو کہنی کو کہن نے کی
 نزدیک جب ہوا کہ وہ مطلوب سے ملے
 دلالہ کے تو پردے میں آ کام کر گیا
 اے جھوٹے تجھ سے فتنے نہرا روں اٹھا کے
 اے جھوٹے راستی سے نہیں گفتگو کہیں
 اے جھوٹے اس طرح ہیں بہت جی سے چاچکے
 اے جھوٹے اس زمانے میں کیونکر چلے سکیں
 سردار جس سے سب متعلق ہے کار بار
 پھر سب مدار کار دروغی و مفتدی
 جھوٹا سوار دولت ابھی کا ہے یہ امیر
 مشکل حصول کام ہے یا حاصل کلام

شیوہ یہی سمجھوں کا یہی سب کا طور ہے
 کیا شہ کا کیا وزیر کا کیا اہل و لق کا
 اے جھوٹے تو غضب ہی قیامت ہی قہر ہے
 تیری متاع باب ہے ہر چار سو مل ج
 اے جھوٹے سچ یہ ہے کہ عجب فتنہ گر ہی تو
 تیرے ہی حکم کش ہیں وضع و شریف اب
 مر جائے کیوں کوئی وے سچ بولیں گے بھی
 فروا کہیں تو اس سے قیامت مراد ہو
 برسوں تک انتظار کیا جی ہی جا چکے
 رکھتا ہے جیسے غنچہ زباں تو تیرے زباں
 پھر حسن ظاہری سے بھی باغ و بہار تھا
 زنداں میں جا کے برسوں رہا چھوڑ کر وطن
 آشوب گاہ تجھ سے زمانہ رہا سدا
 تصویر رکھو و شیریں کی پیش نظر رکھی
 اب صبح و شام غنچہ مقصود دل کھلے
 دو باتوں میں وہ عاشق دل خستہ مر گیا
 ہنگامہ و فساد ہی ہر سو رہا کیسے
 کہنے کو ہاں کہیں ہیں حقیقت میں ہے نہیں
 وعدوں میں آہ لوگوں کے وعدے ہی آچکے
 ہے تنگ جھوٹے بولنے سے عرصہ تلاش
 سچ بولنا ہے اُسکے تئیں سخت تنگ و عار
 صدق و صفا و راستی کے عیب سے بری
 ورنہ قسم کسو کی بھی تھی حرف بار گیر
 باتوں ہی باتوں کام ہوا خلق کا تمام

اے جھوٹے دل مرا بھی بہت دردناک ہے
 اک فرد ستخطی تھی مری ایک شخص پاس
 تھا میں فقیر پر نہ گیا شاہ کے حضور
 آداب سلطنت سے نہیں محکورا بطہ
 مرزائی مجھ سے کھینچتی نہیں ہر سہنہ کی
 صحبت خدا ہی جانے بڑے کیسی اتفاق
 میں مضطرب گھر اُس کے گیا اٹھ کے پانچ بار
 نقصیر میری اس میں نہ کر گیا کچھ خیال
 لیکن یہ حرف اس بھی سہ رو کا رکھیے یاد
 بہتیری ایسی فردیں یہ رکھتے ہیں حبیب میں
 دکھلاؤں گا چلا ہوں سوال آپ کا لیے
 بولانہ ہو گا سستی میں ایدھر سے سمجھ تصور
 اک آدمی ایسی بات بنا کر کھسک گیا
 یہ عرضیاں حضور کو بھیجیں میں صبح و شام
 یعنی وہ انہی آن کے کچھ دیو یگا شتاب
 دو چار بار آیا بھی وہ پر نہ سمجھ ہوا
 مدت مدید گزری مجھے کرتے انتظار
 اس فرد ستخطی کو ہے یہ ماہ ہفتہ میں
 آیا جو وہ لطیفہ فیبی اب اپنے گھر
 بارے نہ اتفاق ہوا یہ کہ ہو ملاپ
 گھر آ کے ایک بھائی کو بھیجا پیام دے
 حضرت سے کہو پہلے بہت بندگی مری
 دو چار دن میں بھیج گیا کچھ گھر ہی آپ کے
 سب سے بھائی جاتے ہیں ہر روز صبح و شام
 دن دیکھتے ہیں وعدے کے بھی ہیں بہت قریب
 برسوں ہو مہینوں کے وعدے ہوئے عہد

ان کا قیوں سے صبح نہ طحیب چاک ہے
 دیکھا جو خوب اُسکو تو مطلق نہیں جو اس
 اتنے لیے کہ رتبہ عزت مرا ہے دور
 حرکت نہ ہوئے مجھ سے کوئی غیر ضابطہ
 پھر شعر و شاعری بھی نہیں ہے تیز کی
 کیا بات آوے پنج میں بے رنگی ہر شاق
 کہنے لگا زباں سے یہ ہوتے ہی وہ دو چار
 صاحب کہیں خوشی کروں میں کیا مجال
 انداز سے یہ لوگ سخن کرتے ہیں زیاد
 رکھتے ہیں یہ لوگوں کو برسوں قریب میں
 میں نے کہا نقصیر کہو کس طرح بھیجے
 پھر دیکھیے کہ پردے سے کرتا ہی کیا ظہور
 دل اس خبر کے سننے سے میرا دھڑک گیا
 دستخط جو ہو کے آئے کوئی سوسلی کے نام
 دل جمع رکھیں کا مہیکو کرتے ہیں اضطراب
 مجھ کو جو اضطراب تھا میں بے اجل موا
 نچلت ہوئی جو حال لکھا میں نے بار بار
 سخاوت کا نہیں ہے ٹھکانا ابھی کہیں
 میں مضطرب ہوا آپ گیا ملنے اُسکے گھر
 لکھو یا تھا اضطراب سے عز و وقار آپ
 آئے دے اُسکے پاس سے جو کچھ جواب دے
 پھر کہیواں اترتی ہے شرمندگی مری
 درپے نہ اتنے ہو جئے میرے ملاپ کے
 اب تک تو ملتوی ہے زمانے زوے کا کام
 پھر ترک شہر کیجئے گا کہہ کے بالفیہ
 سچ کہتے ہیں کچھ نہیں ان جھوٹوں کے بید

واسوخت

میر تقی میر دہلوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاسْفُحْتُ

<p>سازا تھ غیروں کے مرے حق میں سخن بازی ہو ہدی اُن سے انھیں سب ہم آوازی ہو گوش کر میرے بھی تسکون کی طرف گل کے برگ رکتے رکتے روش غنچہ ہوا ہوں ل تنگ</p>	<p>طرز اسے رشک چین اب تری کچھ تازی ہو دماغ رکھنے کو مرے اُن ہی سے گل بازی ہو گوش کر میرے بھی تسکون کی طرف گل کے برگ رکتے رکتے روش غنچہ ہوا ہوں ل تنگ</p>
<p>ایکسی بیدل درویشی و تنہائی ہے ابتدا سے مری ذلت کچھ خوش آئی ہے خلق کیا کیا تری بیطور یوں سے کہتی نہیں میں بھی ناچار ہوں اب تمہیں زباں سنی نہیں</p>	<p>یک مدت ہوئی بدنامی و رسوائی ہے صبح جب دی ہے دعا گالی تری ٹھائی ہے خلق کیا کیا تری بیطور یوں سے کہتی نہیں میں بھی ناچار ہوں اب تمہیں زباں سنی نہیں</p>
<p>بات گردن کو کوئی ہو گئی تو شب موقوف مہر و الطاف و عنایات و کرم سب موقوف مہربانی سے کبھو کوئی کی ایدھر کی نگاہ سو بھی اسطور کہ کیا جانتے کیدھر کی نگاہ</p>	<p>متنت حال پر رہتا ہے مرے اب موقوف سے فریبندہ سخن رابطے کے سب موقوف مہربانی سے کبھو کوئی کی ایدھر کی نگاہ سو بھی اسطور کہ کیا جانتے کیدھر کی نگاہ</p>
<p>آئینہ میں ایدھر سے جو نمود و ہوس کم نکلو ہو</p>	<p>میں جو صحبت میں ہوں بیٹھا تو رکے پوچھا ہو</p>

نام لیتے ہو کراہت سے مراجو لو ہو	لگ چلے غیر تو تابع اسی کے ہو لو ہو
روئے حوت اسکی طرف چشم حمایت او دھر	ابر و او دھر کو جھکے لطف و عنایت او دھر
پیار تجھ کو نہ کیا کرتے اگر جانتے ہم	کاشکے تیری روش پہلے ہی پہچانتے ہم
جھوٹے جھوٹے ترے وعدے نہ کھواتے ہم	جی میں اب ٹھانی ہو جو کچھ سو بھی ٹھانتے ہم
اسقدر تجھ سے نہ لگ چلتے نہ آتے اس راہ	تو پری ہوتا تو کرتے نہ تری اور نگاہ
یہ فریبندہ سخن گوش نہ کرتے ہرگز	خواہش کنج دہن دل پہ نہ دھرتے ہرگز
بے شب وصل دن اس طور نہ بھرتے ہرگز	لعل جاں بخش پیوں تیرے نہ مرتے ہرگز
اتفاقات سے ہو جاتی ملاقات تو خیر	دل تجھ پر رکھا جب نہ کوئی یار نہ غمیر
عشوہ و ناز و داد سے کسو کو پھر کیا کام	جی نہ بچیں رہا کرتا نہ دل بے آرام
ہو گیا یوں تو کبھو ہو گیا آپس میں کلام	بے رخ و زلف رکن کا ہے کوہ صبح و شام
جس اچھی تری پر گری بازار کہاں	سرگر اں تو تو بہت ہو یہ خریدار کہاں
تجھ سے بے ہر و فاد دل کا لگانا تھا غلط	آپ کو حوت غلط رنگ مٹانا تھا غلط
خط و دے قاصد کو ترے اور جلانا تھا غلط	آتش غم سے مرے جی کا جلانا تھا غلط
اپنی نادانی نہ سمجھ کہ تو کیا نسخہ ہے	آدمی بھی کسو دانا کا لکھا نسخہ ہے
غم نہیں تجھ کو مری یاری و فاداری کا	نہ خیال آوے ہے بندے کی گرفتاری کا
طور چھوڑا نہ تنک تو نے شمگاری کا	وہی عشوہ ہے شب و روز و آل زاری کا
پرسش حال کا بھی مجھ کو نہ ممنون رکھا	ہے یہ خاطر کہ حزیں دل کے تیں خون رکھا
ترک اخلاص کیا سب سے تجھے پیار کیا	رحم دل پر نہ کیا جان کو آزار کیا
چاہ سے اپنی عیث تجھ کو خبردار کیا	کیا کیا ہم نے کہ اس معنی کا اظہار کیا

جو کہ الفاظ نہ نمایاں تھے سو تو کہنے لگا وجہ بیوجہ تو درپوش ہی اب رہنے لگا	
طرز یہ سرمہ کشی کی نہ سمجھاتے تجھ کو کیوں بگڑتا تو جو ایسا نہ بنا تے تجھ کو	اُرسی کی کبھی صورت نہ دکھاتے تجھ کو دلربائی کے نہ انداز بتاتے تجھ کو
مستی چشم سے ہوتی نہ اگر تجھ کو خبہ ایسی ہشاری سے کرتا نہ تو ایدھر کو نظر	
محسکی محبوبی وغبی ہی کا مذکور ہے اب صرت اسپر کردوں گا اپنا جو مقدر ہے اب	اور میرے پارہ بھی اس شہر میں مشہور ہے اب دیکھنا کچھ ہو اسی کا مجھے منظور ہے اب
اس کئے ضد سے تری شام و سحر جاؤنگا گھر سے جدم اٹھوں گا اُسکے ہی گھر جاؤنگا	
مختلط لطف و عنایت سے ہوا چاہے ہے کام دل لوں ہوں ہی سے جو خدا چاہے ہے	وہ بھی سن شور و فاجح سے ملا چاہے ہے کوئی دن راتوں کو مجھ پاس رہا چاہے ہے
باؤ کا رخ تجھے بتاؤں دم اُس مہ کا بھروں خط تری بندگی کا کاغذ باؤ اُس کا کروں	
قصہ رکھتا ہوں کہ اس شہر میں ہرگز نہ رہوں خوبیاں اور تیرے حسن و سلوک اس سے کہوں	میں بھی ناچار ہوں تا چند حقائق یہ سہوں یا اُسی ماہ گئے جا رہوں گو اس میں نہ ہوں
اکیں تیرا جہرمی دونوں ہیں اسپر معلوم اسکے معلوم ہوئے رد سے دل و دم معلوم	
راہ و منزل میں پھروں گا اُسی کے کوسٹ افشاں اس قدر جھکو و ماغ اب ہے کہاں لہر کہاں	پھر توجہ کی کو میں کروں گا اُسی مہ پر قرباں بس بگولا سا ہوا تیرے لیے سرگرداں
کہ رہوں بیخود و بیخواب شبوں کو روتا کاشش مشتاق تیرے منہ کا نہ اتنا ہوتا	
اسکے دروازے پہ درویش ہو جا بیٹھوں گا اُدوں گا بھی تو تیرے پاس نہ آ بیٹھوں گا	اب تو جو کچھ ہو دل اس ساتھ لگا بیٹھوں گا باتھ و اسوختہ ہو تجھ سے لگا بیٹھوں گا
دور سے ایک نظر کر کے چلا جاؤں گا	

سو بھی سکتے دنوں پھر کا ہے کو میں آؤں گا	
دلنشیں اُسکے کروں خوب طرح کہنہ مقال بعد ازاں ترک کروں کھا کے قسم تیرا خیال	لاگ ہے جس سے نئی اُس سے رکھوں لقاں ساری مجلس کے تئیں اُسکی کروں وقت حال
پھر کبھو دہم میں بھی گزرے نہ ملنا تیرا جب نہ تب در پہ اُسی کے رہے ماتھا میرا	
اُسکے پاؤں تلے کی خاک کروں کل بصر چکے اُسکے لب شیریں سے رہیں دیدہ تر	لگ چلوں اس سے صبا کی سی طرح شام و صبح روئے گل رنگ سے اُسکے نہ اٹھے میری نظر
درہی حال کی اُس کیسوئے برہم سے رہے جی کو بیٹا تھی اُس قدر کے چم و خم سے رہے	
بات یہ تیری فریبندہ نہ بھاوے ہرگز آنکھ خوبی کی طرف تیری نہ جاوے ہرگز	ناز بجا ترے دل پھر نہ اٹھاوے ہرگز طرز رفتار تری جی میں نہ آوے ہرگز
وہ جو سادہ ہے تو پر کار بھی ہو جاوے گا اب جو بیگانہ سا ہے یار بھی ہو جاوے گا	
شانہ و آئینہ سے یار کروں گا اُس کو ہند سے میں تیری بہت پیار کروں گا اُس کو	فن مشق میں تیار کروں گا اُس کو حسن سے اُسکے خسر دار کروں گا اُس کو
فرش رہ دیدہ نمناک کروں گا واں کے پلکوں سے خار و خشک پاک کروں گا واں کے	
پوشش تنگ کا مصروف مہیا ہو گا لیٹے بندوں کا برو دوش پہ بچھا ہو گا	ہو گیا مجھ سے جو مالوس تو مرزا ہو گا گھیر جائے گا نہ سو گز سے کم اُسکا ہو گا
جلتے دامن کے تئیں لگتی رہے گی ٹھوکر ہو گا ہنگامہ ادھر نکلے گا جیدھر ہو کر	
ایسی سیج سے تو اُسے دیکھ کے مخروں ہو گا دل نازک تر ادھر کے گا جگر خوں ہو گا	کس و ناکس اُسی مہ پارے کا مفتوں ہو گا رشتک سے اُسکے ترا حال دگرگوں ہو گا
شرم سے ہو گا نہ اک آنکھ اٹھانا مشکل بلکہ ہو جاوے گا اس کو چے میں آنا مشکل	

ناز کا طور فراسوش ہی ہو جاوے گا	ظن و تعرین و کنائے سے بہ تنگ آویگا
یہ سخن یاد رہے دل میں تو پھتاوے گا	رابطہ و اخلاص میں ویسا نہ مجھے پاویگا
آشنا جتنے ہیں بیگانہ بیکل جاویں گے	سر جھکانے اُسی کے اور چلے آویں گے
چھپر کا رنگ نہیں تیری نہ کالی کا ہے عام	اب بھی گھر سمجھے تو مجھ کو ہے وہی تجھے پار
بندگی گیش و فاشیوہ و اخلاص شعار	وہی مخلص ہوں قدیمی وہی میں تیرا یار
چوٹ مجھ کو بھی تو غیروں کی ملاقات کی ہے	چھوڑے یہ تو پھر آزدگی کس بات کی ہے
دل نہ سینے میں مرے شام و سحر کوئی لے	جی نہ تڑپے گا مرا پھر نہ مری چھپاتی جلے
آنکھ چلتے کہیں سے تو لے لگ تیرے گلے	شکوہ ناکی سے زباں منہ میں نہ نہار ہے
زور سے بازو پہ اپنے ترے سر کو رکھا	دست گستاخ پہ لے تیری کمر کو رکھا
بسکہ راتوں کو رہا شہرہ آتام ہوا	لبس ہو س کیوں سے دل کے تو ہزام ہوا
شوخی و شلتاقی و بد وضع دئے انعام ہوا	کاسہ لیسوں کے گئے مرکب حجام ہوا
طور پر میرے معیشت کوئی دن اچھی ہے	ایسے بدکار سے صحبت کوئی دن اچھی ہے
میر بھی حرف و درشتانہ سے شرماتا ہے	آگر غییر کے ملنے کی قسم کھاتا ہے
دل کی واسوسے ٹھہ پر یہ سخن لاتا ہے	ذوق ویسا ہی ہے اُسکا تو اسے بھالتا ہے
در نہ مشتاق ہے سو جی سے جگر خستہ ترا	گشتہ و مردہ ترا رفتہ و دل بستہ ترا

منسک و گیکر

سچ کہو شہر میں صحرائیں کہاں رہتے ہو
یاں بہت رہتے ہو خوش باش کہ واپ رہتے ہو
ان دنوں یاروں کی آنکھوں سے نہاں رہتے ہو
خوش رہو میری جان جہاں رہتے ہو

اک طرف نیٹھے ہوئے ہم بھی لہو پیٹے ہیں
عشق کی جان کو دیتے ہیں دعا جیتے ہیں

بول خوشی ہوتا نہیں برے سے یاہنبل سے
ہمنشیں آئے کھلے دل پر مرے سب گل سے
یعنی اب عشق نہیں مجکو خط کا کل سے
اچھن زار میں گل بازی کروں بلبل سے

شاخ گل پر تو وہ ہوا اور لب جو پر میں
داغ کو دل پر وہ لے گل کے تیل رو میں

ہے زمیں خشک مرے دیدہ تر سے نایاب
ہر طرف اشک سے میرے ہیں دل صد کیا
شہر و کسار و بیابان سبھی ہیں شاداب
کام کرتی ہی جہاں تک کہ نظر اب ہے آب

ہے عبث جیتے جی میرے تجھے بارش کا خیال
میں تو روتا ہوں ترے غم میں علی قدر حال

زیرے الماس کے ہیں مشت نمک شکر کی بو
لذت درد سے مقدور ہو جب تک کر خو
کس کو یہ سارے ہم پہونچے ہیں ان سے مل تو
دیکھو زہنہار نہ دے مریم بد رو کو رو

ننگ و ناموس کو مجروحوں کی رکھ مد نظر
منہ بھرائی میں مری جان لے لے زخم نظر

تہ تیغ گزریں کہ لے شوخ یہ خواری ہی مجھے
رزد و شب درد و غم و نالہ و زاری ہی مجھے
تجھ سے ہر دم سنگار سے یاری ہے مجھے
بلکہ ہر روز کی شب ہجر میں بھاری ہے مجھے

اہل دل جان سے رکھتا ہے تجھے عشق بہ تنگ
کاشکے دل کے عوض کوئی ملا ہوا سنگ

عاقبت کا نظر آیا نہ یک آئنا رہیں
حیف صد حیف میرے نہ ہوا یار ہمیں
دل کی بیباکی نے ہر چند رکھا خوار ہمیں
تیرے کوچے میں کہیں سایہ دیوار ہمیں

تاکہ واں نالہ و فریاد کیا کرتے ہم

کب تک ہاتھ سے خوابان جفاکاری دیں	اک طرف بیٹھ سمجھے یاد کیا کرتے ہیں
تم کہو کب تمیں یہ داد وفاداری دیں	اس وفاداری کے بدلے یہ ہمیں خواریں
	عشق بے جرم جو کچھ ہو تو گنہ گاریں
	قصہ فریاد ہے گریا تک انصاف کریں
	پھر شے گوشت کے کدورت سے ہمیں ن کریں
موت برس خاک پہ عشاق کی ہم کیا کم تھے	حرف دیر درہ ہے یہ دیدے ہمارے ہم تھے
موج سیلاب پہ آنسو کے گئے عالم تھے	یعنی اسے اب کسی عہد میں ہم بھی ہم تھے
	عزم کر رونے کا آبادی سے گڑھ تھے
	بیٹھ کر دشت میں طوفان ہی کر اٹھتے تھے
کون تھایاں کہ مجھے دیکھ نہ امت رکھے	یا مرے سر پہ نصیحت سے قیامت رکھے
میر صد سال خدا تجھ کو سلامت رکھے	تو نہ ہووے نہ مجھے کہہ کے ملامت رکھے
	ورنہ اب تک تو مری خاک بھی ہو جاتی ہوا
	لیگنی ہوتی تبرک کی طرح باد صبا

مسدس بطر زو اسو

یاد ایام کہ خوبی سے خبر تجھ کو نہ تھی	سُرمہ و آئینہ کی اور نظر تجھ کو نہ تھی
نکدہ راشگی شام و سحر تجھ کو نہ تھی	زلف آشتی کی سدھ دو پہر تجھ کو نہ تھی
	شانہ تھا نا بلد کو پہ گیسو سیرا
	آئینہ کا ہے کو تھا حیرتی رو تیرا
آگہی محسن سے اپنے تجھے زہار نہ تھی	اپنی سستی سے تری آنکھ خبر دار نہ تھی
پانوں بیڈول نہ پڑتا تھا یہ قرار نہ تھی	ہر دم اس طور کر میں ترے تلوار نہ تھی
	خون یوں کا ہے کو کو پے میں ترے ہونے تھے
	دل زدے کب تری دیواروں تلے رونے تھے
خدا ہنس دل کی ملا کرتی تھی ہر ساعت واد	طبع میں تیرے تصرف تھا ہمیں حد سے زیاد
مطلقاً تجھ سے نہ مربوط تھے ارباب عناد	کاہیکو رہتے تھے کو پھیں ترے ثور و نساد

طور پر اپنے ترے پاس ہم آ جاتے تھے
 حسب خواہش مجھے ہر شام سہمرا پاتے تھے
 بند جاے کا جو داہوتا تھا وارہتا تھا
 ٹھوڑی ریش میں گلے ہی سے لگا رہتا تھا
 بے تکلف مرے گھبرات کو آ رہتا تھا
 ٹٹک جدار تھے تو دیر آنکھ ملا رہتا تھا
 اس قدر قدر نہ تھی اپنی تری آنکھوں میں
 حسب و بازی میں بھی رہتا تھا مری آنکھوں میں
 آستینوں میں نہ تھے چاک نہ زہ دامن میں
 یہ طرح کب تھی دوسپے کے تلے جہنم میں
 بھرتے کس روز تھے یوں کپڑے بہتی لگن میں
 بند سلبتے ہوئے ہر دم نہ ٹھٹھرتے رہتے تھے
 ہج بگڑی کے گلے میں نہ پڑے رہتے تھے
 کس دن اتنا تھا پر اگندھی مو کا خیال
 لعل جاں کش نہ رہتے تھے کبھو اتنے لال
 دو دو دن چہرے پہ کبھو ہی رہا کرتے تھے بال
 خوبی خندہ نہ لوگوں کی جیوں کی تھی وبال
 یان سے شوق نہ تھا کیسا سسی کا نذر کو
 غصے ہو جاتے تھے سن ایسی کسی کا نذر کو
 تنگ جاے جو یہ جاتے تو جھگرتے تھے
 لپٹے دامن سے اٹھ ٹھہری میں پھرتے تھے
 یا تو اب کہنی پھٹی مونڈھے چسے رہتے ہیں
 باہر اندر ہو کہیں بند کسے رہتے ہیں
 شوق زینت سے نہ تھا ربط نہ عنائی سے
 اب سو بار کمر بند تھی ہے اکالی سے
 دل نہ اتنا تھا لگا خوبی مرزائی سے
 دیکھتے رہتے ہو ترکیب ہے خود رائی سے
 رو سیہ آئینہ سے تم کو فراغت ہی نہیں
 سر نہ تیرہ دروں سے کہیں فرصت ہی نہیں
 نشانہ اب ہاتھ میں ہو زلف بنا کرتی ہے
 پاس سر سے کی سلائی بھی رہا کرتی ہے
 مستی دانتوں میں کئی بار لگا کرتی ہے
 آنکھ رعنائی بہ اپنی ہی پڑا کرتی ہے
 جان آنکھوں میں کسی کی ہو نظر کو نہیں

غش کرے کوئی مستمیدہ خبر تم کو نہیں
 کب گلی کو چوں میں پھرتے تھے لیے تم تلوار
 پر تلا کا سپکورتا تھا گلے کا یوں بار
 ساتھ خوشخوار نہ پھرتے تھے نہ تم تھے خوشخوار
 دم میں ناحق کبھویں جان نہ رکھتے تھے مار
 مایہ فتنہ و پر خاش ہوئے ہو اب تو
 شوخ و شلتا قی و ادب باش ہوئے ہو اب تو
 پیشتر ہم سے کوئی تیرا طلبکار نہ تھا
 جنس اچھی تھی تیرے ہی لیک خریدار نہ تھا
 ایک بھی نرگس بیمار کا بیار نہ تھا
 ہم سو کوئی ترا رونق بازار نہ تھا
 تکتے سوداؤں جو تھے دل نہ لگا سکتے تھے
 آنکھیں یوں موند کے شے جی نہ چلا سکتے تھے
 یا تو ہم ہی تھے کہ اب ہم سے نہیں کچھ یاری
 بار خاطر ہے اب ہم کو بھی ہے بیزاری
 مفت بر باد گئی عزت و حرمت ساری
 یعنی اس شہر سے اٹھ جانے کی جوتیاری
 رتبہ غیر نہیں آنکھوں سے دیکھا جاتا
 طاقت اب یہ دل بتیاب نہیں ٹک لاتا
 کوئی نادیدہ محب سادہ لگا لینگے ہم
 بوس آغوش کا آمادہ لگا لینگے ہم
 سادہ نامرتکب بادہ لگالیں گے ہم
 بند خود رانی سے آزادہ لگالیں گے ہم
 اُس کو آغوش تمنائیں اب اپنی لینگے
 اُس سے داد دل ناکام سب انہی لینگے
 اُسکی کلینچیں گے علی الرغم ترے مرزائی
 مجلسوں میں اُسے لادیں گے بھندریائی
 اُسکو کھلائیں گے طرز و روش رعنائی
 صحبت اسے دشمن جان سے اگر برائی
 تو تجھے دیکھو کس طور پر کھاتے ہیں ہم
 چھڑیں کیا رکھتے ہیں کس عجب ستاتے ہیں ہم
 چہرے کو اُسکے کمر آراستہ و خواہ کریں
 راہ خوبی کی بتا کر اُسے گمراہ کریں
 آرسی اُسکو دکھا حسن سے آگاہ کریں
 تو سہی ضد سے ترسی ایسا ہی شاہ کریں
 کہ تجھے سدھ نہ رہے خوبی و رعنائی کی
 دھجیاں لے تھی اس جامہ زیبائی کی

دست افشاں ہو تو عزت تری ب ہاتھ سے جا بار ٹھو کر چلے دامن کو تو تو سر نہ ہلائے	چشم کھول کو دکھلائے تو تو آنکھ چھپائے حبس طرف اسکا گزر ہووے تو او دھر کو نہ جائے
چھپرے گالی دے اشارت کرے چمکائے عشوہ و غمزہ و انداز بھلا دے سارے	
زندگانی ہو تجھے ہاتھ سے اُسکے دشوار پہونچیں ہر آن میں اُن سے تجھے سو سوار	کوئی دن تو بھی پھر سے جان سے اپنی ہزار ظن و تعریض کنائے کی رہی اک بو چھار
جا کے تلمک سامنے اُسکے تو بہت تر آوے عشق شرم میں ڈوبا ہو اسب گھر آوے	
دل داسوختہ کو اپنے لیے جاتے ہیں اپنی جاغیروں کو ناچار دیے جاتے ہیں	غصے سے خون جگر اپنا پیسے جاتے ہیں اکے یوں جاتے نہیں عہد کیسے جاتے ہیں
آوے گا تو بھی منانے کو نہ آوینگے ہم جان سے جاوینگے پیاں سے نہ جاوینگے ہم	
باز گشت ابکی کسو طرح نہیں ہے منظور جانا ٹھکانا تو پھر آنے کا یہاں کیا مذکور	گو کہ درپیش ہمیں آوے رہ دور از دور جی سے اپنے بھی گزر جائیے پر تا مقدور
منہ ادھر کر لیے نہ جس جاسے بنے اُٹھ جانا قدر رکھو دیوے ہے ہر بار کا آنا جانا	
میں اعراض بھی لوگوں نے کیا ہی آگے خلق عالم سے کنارہ بھی کیا ہے آگے	دل کے داسوز سے لو ہو بھی پیاسے آگے عزت و وقرب بھی برباد دیا ہے آگے
پرکھوں نے نہیں اس صفت زبان بازی کی یہ بھی ظالم ہے کوئی طرز سخن سازی کی	

مسدس بطرز واسخت

ایک دن دے تھے کہ تم کو نہ فریب تے تھے
ادنی سونی بھی مرے آگے اٹھا جاتے تھے
بدعی کا ہے کو مجلس میں جگہ پاتے تھے
چھوڑتے تھے بانوں تو پھر سر میں بٹھاتے تھے

یا تو اب شام و عصر پاس لگے رہتے ہیں
کر کے سرگوشی جو کچھ چاہتے ہیں کہتے ہیں
شکو بھی آٹھ پہر حرف و حکایت اُن سے
شکر اُن کا ہے جو ہے بھی تو شکایت اُن سے
بازو جانو ہوا انھیں چشم حمایت اُن سے
ہر طرح کوئی چلی جا ہے رعایت اُن سے

باتھ کا نہ تھے پر کبھو کدھ کے کھڑے ہوتے ہو
کبھی منت کرو ہو ملک جو کھڑے ہوتے ہو
پاس ان کا ہے تمھیں خاطر انھیں کی منظور
ان سے اک دن میں کسی بار ملاقات ضرور
ان سے ملنے میں نہیں کرتے کسی طور قصور
ان سے لگ بھیتے ہو بجا گئے ہو ہم سے دور

جن کا شیوہ ہے حر مزدگی انھیں سے صحبت
بندگی کیشوں سے پر خاش خدا کی قدرت

دے جو آرزو ہوں ملک بھی تو منانے جاؤ
الغرض کر کے اودھر سو سو بہانے جاؤ
ملکت کر بیٹھ رہیں گھر تو بلانے جاؤ
اُن کو دریا یہ جو سن پاؤ نہانے جاؤ

سہم اگر خاک ملیں ٹھہر یہ نہ بولو چالو
سہم اگر لو ہو لگیں روئے تو نہیں کر ٹالو

ان سے آزار دہی کی مری کنکائیش ہے
ان کی دلجوئی ہے یا چہرہ کی آرائیش ہے
ہر دم اُن سے مری خونریزی کی فرمائیش ہے
فارغ ان دنوں سے ہوتے ہو تو آسائیش ہے

دو دو دن مست سے تاب پڑے سوتے ہو
رہتے ہو بے مزہ بیدار اگر ہوتے ہو

خوبی رعنائی سے کم تجکو بہت فرست ہو
چہرہ آرائی شب و روز ہے یہ صورت ہے
اپنی ترکیب بنانے سے کہاں ہمت ہے
شانہ و زلف گتھی رہتی ہیں یہ صحبت ہے

سر سے آنکھ اٹھاوے تو مار دو کیچے

آرسی چھوڑے تجھے ٹمک تو ادھر دیکھے تو
 محو کس روز تجھے پاتے تھے رعنائی کا
 ذوق رہتا تھا تجھے کاہیکو خود رانی کا
 کب کب آنکل رہے تھا ہاتھ میں کلانی کا
 اتنا دل بستہ نہ تھا جاہلہ زریبی کا
 سُرخ سجاوت نہ لگتی تھی نہ ہوتے تھے جاک
 خون سے عشق کے ماروں کے دامن تھا پاک
 ایسے اوباشوں کی تقلید میں کب تھی تک دو
 پٹ دامن کے نہوتے تھے ترسے ساٹھ کے سو
 تنگٹ چولی کے نہ رہتا تھا کبھی اتنا گرو
 اتنوسے قبر جو ڈھیلی ہو کر ایک بھی جو
 درزی کا نیا ہی کرے ٹھیکٹ جبک سی لے
 کاڑھے ناکے میں سوئی کے کرے ٹانگے ڈھیلے
 خط بھی آیا یہ مری تیری سفائی نہ ہوئی
 اپنی سچ دیکھنے سے تیسکورائی نہ ہوئی
 کس گھڑی آن کے بیٹھے کہ لڑائی نہ ہوئی
 اک بلا جی کی ہوئی تنگ قبا ئی نہ ہوئی
 رک گئے دیکھتے دس جاتے تھے نوڈھے جیسے
 چولی مسکی ہوئی سب مہربون ہیں بونچے چھینے
 بند لنبے نہ سمجھواتنے سے جاتے تھے
 زہ سراسر نہ گریبان میں لگواتے تھے
 اب تو پوشاک ہے کچھ تازہ نکالی تم نے
 طرح داری کی طرح اور ہی ڈالی تم نے
 کن دنوں ساتھ کسی یار رکھا کرتے تھے
 کس گھڑی ہاتھ میں تلوار رکھا کرتے تھے
 کن شبوں غیر سے یہ پیار رکھا کرتے تھے
 کسکویوں میری طرح مار رکھا کرتے تھے
 میان سے اب تو بے آٹھ پہر رہتے ہو
 گھر سے جب نکلو ہو تب خون ہی کرتے ہو
 بال واں سنو ریں ترے یاں تجھے جی چنجال
 ہو جگر داغ مرا منہ پہ بنے تیرے خال
 میں لوں خاک میں منظور تجھے اپنی چال
 ہندی بانوں سے لگے گھل کے ربوں میں پال
 سر نہ آنکھوں میں جگہ تیری کرے شام و سحر
 مطلق احوال مرا تجھ کو نہ ہو مد نظر

<p>دامن و جب پٹے یاد میں ان کی سارے چھاتیاں کوٹتے ہی کوٹتے آخر بارے</p>	<p>تھیں فریب انگلی نگاہیں وہ تھاری بارے شوق کے ہاتھ شب و روز سروں پر بارے</p>
<p>رہے اتنا کہ جگر میں نہ رہی لومہ کی بوند اب سماں وہ ہے کہ دیکھو گے میان کبھی نہ</p>	<p>تنگ اب حد سے زیادہ ہوئے ہیں یاد رہے کب تک اس طور کوئی اسے تم ایجاد رہے</p>
<p>بس بہت ہی ترے اطوار سے ناشاد ہے ون کو بیدار رہے رات کو فسر یاد رہے</p>	<p>ہے قریب اب کہ ترے کوچے سے اٹھ کر جاؤں بے حمیت ہی ہمیں کہیو اگر پھر آؤں</p>
<p>ہز زباں ہر کسو سے حال کہا کیا کریے میر کے طور ترا شکوہ لکھا کیا کریے</p>	<p>اک طرف مرد ہیں گے جا کے بھلا کیا کریے سرگرد بیان میں یوں ڈال رہا کیا کریے</p>
<p>جی نہ نکلا اگر اس میں تو کڑھاکریے گا مرثیہ اپنا کہیں بیٹھے کہا کریے گا</p>	<p></p>

ثنویات شکارنامہ

میر تقی میر دہلوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شکار نامہ اول

نہاد بیاباں سے اٹھا غبار
لگا کاٹنے ڈر سے شیر و پلنگ
وحوش اپنی جانیں چھپانے لگے
پلنگ و نمرخوت سے مر گئے
بیاباں اُسی پہن سے قید تھا
ویسے پنجہ شیر نلیوں سے توڑ
کہ بکری سا ہاتھی کو لیتے ہیں مار
نہنگان دریا ہوئے مرجے
لگے بکریوں کو پکڑتے بھی دیر
مقتد ہوئے مست فیضانِ دشت
بیابان چھاڑے گئے تو کہے
کہ چورنگ ہاتھی ہوئے بید رنگ
ہوئے گولیاں کھا کے یک ٹوٹ پھیر
نہ شیر شیان و نہ پسیل دماں
نہ یوں بھیر بکری سے پکڑے گئے

چلا آصف الدولہ ہیر شکار
روانہ ہوئی فوج دریائے رنگ
ظہور آشیانوں سے جانے لگے
سن آواز شیرانِ ترور گئے
جہاں بر آیا نظیرِ صید تھا
گئے مست ہاتھی مکانون کو چھوڑ
نہ دیکھا نہ ہم نے سنایہ شکار
پلنگان صحرا کے دل خوں کے
کہاں سہل مارے گئے نہ شیر
ہوئے لشکر ہی جبکہ سرگرم گشت
گئے جانور دشت خالی رہے
عجب تر ہے یہ صید کر نیکاؤ ہنگ
نہ چیتل نہ پاڑھا نہ ارتانہ شیر
دزدوں کا پیدا نہ نام و نشان
کبھو فیل دشتی نہ جکڑے گئے

چنانچہ طرف فیل دشتی کا میل
 اگر ٹھک بھی اٹکا تو مارا گیا
 مگر سرکشی سے کی استادگی
 پہاڑ ایک ہاتھی مقابل ہوا
 جے دونوں دے دیو میدان میں
 یہاں دونوں فیلوں کی بھی سرزنی
 جو اس مار کھانے پہ اکڑا رہا
 رہے کس طرح پھٹ گیا تھا جگر
 مگر سرکشی سے نہ اپنی مہٹا
 اشارہ ہوا اُس کے چورنگ کا
 برسنے لگا مینہ تیروں کا زور
 لگی پڑنے بجلی سی تیغ سپاہ
 نہایت وہ ہاتھی ہوا تخت لخت
 رکھا لاکے لشکر میں اٹائے راہ
 رہے کہتے اس دن عجب سب ہو یہ
 اگر دیو ہیں سرگراںی کے ساتھ
 وہاں خشکیں جیسے آتش یہ تھا
 گوزن اور ہرنوں کی کیا دیجے شرح
 گیا دشت در دشت شور و تکار
 ہرن جھکیوں میں رہے گھومتے
 برابر رہے گور و شیر زیاں
 گئے بیشتر چھوڑے پھر گے
 اس اوقات سے جو کہ بیہوش تھے
 اگر کچھ نکلا تو تھا سو سو
 قلندر سپاہی پے جاں ہوئے

رواں فوج اُوھر کو ہوئی سیل سیل
 بڑے سیکڑوں پھانڈ چار اگیا
 تو پیش آئی اک طرفہ افتادگی
 بزور آمد و شد کا حائل ہوا
 اٹھا شور محشر بیابان میں
 شتر مرغ سے واں نہ ہو پر زنی
 کسی روز رسوں سے جکڑا رہا
 مواد و پیر میں نہو موت کمر
 نہ میدان میں ٹھک دیا ٹک گھٹا
 سمجھوں کو ارادہ ہوا جنگ کا
 ہوا فیل باران جنگل میں شور
 پر نشان ہو جیسے ابر سیاہ
 گرا یوں کہ جیوں پارہ کوہ سخت
 سر اُس کا کٹا جیسے برج سیاہ
 نفیل ہے یا سرشب ہے یہ
 نہ اس تیرگی و کلانی کے ساتھ
 مگر نفیل سر دیو سرکش یہ تھا
 گئے شیر مارے سوکتوں کی طرح
 ہوئے گرگ آہو کے اوپر سوار
 کچھے فیل بیلوں ہی میں جھومتے
 برابر تھا دونوں کو و سو اس جاں
 شفالوں کی رو باہ بازی تھی یہ
 بہیر و بہنہ نجا کہ خسرو گوش تھے
 بہت مضطرب تھا وہ آشفقہ مو
 لیے اسکو سرور گر گیاں ہوئے

غلت آب گوں تیخ کا پھر ہوا
 موئے اس طرح حضرت بوحمید
 گرے پشت سوئے فلک خاک پر
 گئے لادنے فیل پر لشکری
 کروں صید ماہی کا کیا میں بیاں
 پڑے سیکڑوں دام تالاب میں
 نہ تیر نہ طاؤس صحرا کے بیچ
 رہے گوشت ہی پکتے ہر صبح و شام
 ہوا حائل راہ بحسب عمیق
 قریب آئے اُترتی یہ خائف تھی فوج
 مہیب اور آلودہ خاک آب
 غضب لہجہ خیزی بلا جوش پر
 چلے بس تو کچھ کوئی چارہ کرے
 ترد میں ہر اک کہ ہوں کیونکہ پار
 رواں آب ایسی روانی کے ساتھ
 لگے پانوں چلنے جہاں شور تھا
 تامل سے اقبال نواب دیکھ
 پھر اُس پار جا کر اشارہ کیا
 شباشب اُترنے لگے لشکری
 وہ سوتا جگاتا تھا جس کا خطر
 نشہ اُسکے سر سے اتر سا گیا
 کچھ اک ناویں لے کچھ شجر کاٹ کر
 اُترنے لگا لشکر بیگراں
 سلامت ہوا پار سپا اُتر دام
 شکار اُس کنارے بھی تھا بیشتر

کہیں پانوں اس کے کہیں سر ہوا
 کہ جوں ہوتے ہیں گئے بڑے سے پید
 اک انہوہ تھا جسم ناپاک پر
 یہی ذات تھی لائق برتری
 کہ فیلوں پر تھے تودہ تودہ رواں
 نہ چھوٹی تنک خاک اُس ب میں
 نہ ماہی نہ مرغابی دریا کے بیچ
 جواں کھا گئے مرغ و ماہی تمام
 کہ ہو وہم ساساں پہ جسکے غرق
 کہ بیڈول اٹھتی تھی ہر ایک موج
 بینہ چھٹی آنکھ تھا ہر حجاب
 تلام قیامت لیے دوش پر
 مگر دیکھ ہی کر کنارہ کرے
 کنارے پہ سرگشتہ گرداب وار
 کہ جوں رفتگی ہو جوانی کے ساتھ
 کہ کم آب میں بھی بڑا زور تھا
 توقف کیا پہلے تو آب دیکھ
 کہ لشکر نے دوہیں گزارا کیا
 نہ جوش آب کا وہ نہ ویسی تری
 اُٹھا شور سے فوج کے چونک کر
 چڑھائی سے لشکر کے ڈر سا گیا
 شبابی سے دریا کے تین پاٹ کر
 کراں تاکراں تھی یہ منتشر عیاں
 رستہ وانگ خضر علیہ السلام
 ہوئے صیدیاں کے جاریش تر

<p>ہوا خون جنگل میں ان کا سبیل گئے ببر کو سوں تلک بھاگتے عصا سے چلے راہ یاں مارو مور شکار ایسے دستور سے تھا کہاں پہ میرا بھی ہوا ہے یہاں یادگار رہے آصف الدولہ اقبال مند شکار اُسکے دشمن رہیں صبح و شام</p>	<p>گئے ارنے مارے سو ماتم قسیل رہے گور راتوں کے تئیں جاگتے پکڑ لائے چیتے گوزن اور گور بہت ہم نے دیکھے وزیر و شہاں شکوہ اور عجز سے تو ہیں گئے ہزار غرض میرا دور چسپخ بلند کرے اُس کا اقبال ہر نخلہ کام</p>
<p>غزل میر کوئی کہا چاہیے ٹلک اس بھی زمیں پر رہا چاہیے</p>	<p>غزل</p>
<p>اے ترک صید پیشہ کس کا شکار ہے تو جوں صید خوں گرفتہ دل بیکار ہے تو عسر العیور کیسے دریا کے پار ہے تو اے آہوئے بیاباں اچھا گنوار ہے تو اے گل دم تبسم باغ و بہار ہے تو اے راہ عشق ستنی مشکل گزار ہے تو</p>	<p>ہم دہشیوں پر کچھ ہو کا ہے کو یا رہے تو ہو نیچی قریب شاہدِ تجر گاہ اُس کی دل تجھ تلک سالی ششگل سے چشم تر ہے شہری ہیں اُسکی آنکھیں کیا تجھ کو اُسے نسبت کیا صبح جلوہ گر ہو خوبی کے آگے تیری یہاں دو قدم بھی چلنا بن سرویئے نہ ہوئے</p>
<p>لیتا ہے تجھ سے عبرت جو کوئی دیکھتا ہے کیا میرا اس گلی میں بے اعتبار ہے تو</p>	<p>باز قدم رنجہ فرمودن آصف الدولہ بہادر روز دیگر برائے شکار</p>
<p>اسد باؤ کے گھوڑے پر ہو سوار ننگوں کی ابھینچی جاو گی کھال ہوئی گرو افواج گرو دوں قریں فلک کو گئے دیکھنے شیر نر اُتر ہاتھیوں کی گئیں مستیاں</p>	<p>پلا پھر بھی نواب گردوں شکار روانہ ہوئی فوج دریا مشال گیا شور تا آسمان برس زمین ہو گئی جائے خوف و خطر چڑھا بسکہ دریائے فوج گراں</p>

دبی چپ لگا چلنے بھڑوں کی چال
پلنگوں نے کسار سے راہ ملی
بھیرے جو تھے دام سے بھاگے
دزدے پرندے چرندے کھپے
تلف جانور ہیں جہاں کے تہاں
رہے گور یک شاخ و یک سوغزاں
شمال اور رو باہ و خرگوش سے
کوئی شور سن سن کے گھبرائے ہے
کوئی ڈھونڈھتا ہے بیاباں میں بھاڑ
کہ شاید یہ اودھرن ہو کل متکل
پھرے مضطرب ہو کے شیر غریں
نکلتا ہے گھار پر بے حواس
کیا کام ڈرتے تھے پھٹ جگر
اگر خرس تھا مفترو بد معاش
وگرہ پر ہے پیش دس ہے نگاہ
مبادا شکاری سگان رکاب
ہو آب زہرہ وہ سیری گئی
ہوئی صید بندی کی جنگل میں دھوم
بیاباں میں چھایا ہے کیا ابر مرگ
لڑائی نہیں ہوں جو مہر و جنگ
جو آتا ہے پلٹن کو کچھسہ ولولہ
اگر جائے تھی اس کی کوہ گراں
نہ دل مرد ہے ہر و گرم شباب
نہ رنجک کے اڑنے کا چھاپہ طور
ہوئی گرم آتش زنی سے ہوا

پریشاں ہے گرگ بغل زن کا حال
نہنگوں نے دریا کی جاتھساہ لی
کشف نیچے ڈھالوں کے گھبرائے
گزندوں کے منہ گرد نیچے ڈھے
گوزن اور گور اور آہو کھان
تزلزل میں ہیں کیا شجر کیا نہال
نہیں بحث کچھ یہ ہیں بیہوش سے
کوئی کان ڈالے پلا جائے ہے
کوئی چاہے ہے پھاند جاؤں بہاڑ
کوئی دن جیسے اس بلا سے نکل
کہ بیٹوں میں تھے یاکاں یا کیوں
نہر بر جگر نوار سب ہیں اوداس
بن آئی ہی مر مر میں ہیں نمر
لگا موش خانے کی کرنے تلاش
نہیں سو جھتی جو اسی سے راہ
گرہیں آکے مجھ تک بھی پوچھ شباب
جگر ڈر سے ہے خون دیری گئی
گرے فیل جیسے ٹھٹھا آدے جھوم
برستی ہے گولی بیان مگر گ
اڑیں رنجک اڑنے دشمن کے رنگ
چلے ہے کوئی توپ سے زلزلہ
گیا شیر پھٹکے بھی جاگتے ہیں
دل شیر برنی بھی ڈر سے ہر آب
ہو آن ہی میں زمانہ کچھ اور
رکھا آب میں جا کے تک تک نے پا

موسے مالک الحزن چندیں ہزار
کھڑے رہ گئے رو دیا کیا رکے
مگر مجھ نہ جانے کدھر بہ گئے
تمام ان کے لوہو سے سُرخ اب ہے
کہ تازون کو لیتے ہوا میں سے مار
سودہ چربی اب پھینک دیں میں حریف
نہ آوے قسم کھائے بن اعتبار
کہ یوں مچھلیاں سب نکالیں ایلچ
کوئی بدوی کیا کھا دے پروردگار
ہوئے بیچ میں قرقرے بھی تلف
نبرے ویسے ہی گئے کھیتوں میں کھیت
کہ باز آگئے جبرے کرتے شکار
نمد مو ہوا گرد سے شانہ سر
دبا یوں پھرے جیسے دتا ہے چور
بنوں میں جو دوں تھی گیا جل کوئی

محیط آگبیروں کے تھے مرد کار
بہت دامن پانی کی جانب جھکے
ٹھٹھک سونس گھڑیاں رہ رہ گئے
نہ تشقل نہ سلی نہ سرخاب ہے
محب روغن تازلتے تھے یار
منگاتے تھے بطح کی چربی طریف
ہوئے کتنے اقسام ماہی شکار
مگر مرگ ماہی بھی جالوں کے بیچ
نہ ارنب ہے تنگل میں نے سہماڑ
کھنگوں کی اٹھی گئی صفت کی صفت
نہ جب سے گئے سبز کھا کھا کے جیت
بمیر اور تیر کا ہے کیا شمار
ہوا زرد و سبز بہت دل میں ڈر
خطر ناک تھا دشت کیا کہئے مور
نہ پاڑھانہ نیلا نہ چپٹل کوئی

کوئی میر صاحب غزل یاں کہو
پراپسی کہ ویسی کسی سے نہ ہو

غزل

ہر جائے پوچھتا ہے کہ یاں کچھ شکار ہے
صید اجل رسیدہ ہے دل بقرار ہے
اس ترک صید بند کا یہ انتظار ہے
جب جائیے تو ختم ہے گالی ہے مار ہے
تو رہ کے جا کہ راہ ابھی پُر غبار ہے
یہ وجہ ہے کہ شعر مرا پیچیدار ہے
کس کشتہ و فاسے بہت اسکو پیار ہے

کیا کشت و خوں پہ اندوں میلان یار ہے
جاتا ہے اس کشندے کی جانب چلا ہوا
آنکھیں جو میری باز ہیں جوں صید سبلی
عزت جو اس گلی میں ہے اپنی نہ پوچھیے
جانبیں چلی گئیں ہیں بہت قلب گاہ سے
بے زلف و دروے یار سے ہر خطہ بحث یہاں
کم آزملاطی کا ہے گلہ یار سے نصبت

گل گل شگفتگی ہے ترے چہرے سے عیاں | کچھ آج میری جان قیامت بہار ہے

کیا میری تم کو گریہ شب سے ہے گفتگو

طوفان میری پلکوں کا سرور کنار ہے

جو ذی ہوش ہیں سے تو توتے ہیں سن
بھرا تر تو وقت انہی سی کو جاؤ
کہ در پیش ہے اور عالم کی سیر
نہ پھیلا سکا پائوں گز پاتنگ
کہ چلنے لگے یاں سے تیر و تنگ
لگے جسکے پھر تھا وہیں لوٹ پوٹ
ہوا کا ہوا اور اکدم میں رنگ
کنھوں نے بھی پوچھا نہ یوں تھا یہ کیا
نکا لاسے لوگوں نے پانی سے دو
نہ سارس کی وہ سرفرازی رہی
کسو کھیت پر مفت مارا گیا
وہیں مٹ گیا اُس کی سستی گئی
وہ کوہ گراں سنگ سب بچھٹ گیا
لگی تودں بہت جل گئے مر گئے
کرے قصد داں کا تو کیونکر ٹھسے
بہت رنج کھینچے سے چلتا ہے کام
زمین پر رکھو پائوں کاٹوں کو چن
پھر اُس واگم سے ٹکنا پڑے
کہیں جھاڑ بوٹا کہیں غار ہے
کنارہ پہ اس کے یہ چڑھ کر گیا
چہرے مضطرب اور سیراں بہت
کناروں کے سر چڑھ اترنا ہوا

نشیب و فرا تر سیاہاں کو سن
چڑھو آسماں پر جو آوے چڑھاؤ
جو اس میں کہیں ہووے لغزش تو خیر
زمین ضیق از بس ہوئی یک بیک
لے پر سے پر تھے ہوا میں کلنگ
قیامت تھی آفت تھی ہر ایک چوٹ
ہوئے خون اُس جمیع کے بید رنگ
نہ پر تھا نہ پرزائے بازو نہ پا
تیر زردی کو دیکھا نہ پایا کبود
سی کی بلا ترک تازی رہی
کماندار مردم سے چارہ گیا
نہ جو فیل دشتی کی مستی گشتی
سنانوں کی نوکوں پہ پھر بٹ گیا
بہت جانور چھوڑ آئے تھک گئے
اگر بن ہے گویا بنا ہے اُسے
مگر نہ در سے کچھ نکلتا ہے کام
خیر یاد دستار سرخسار بن
کئی گام یوں راہ چلنا پڑے
تو آگے بیا بان پر رخسار ہے
اگر اس میں پانی نظر پڑ گیا
ہوا حال اپنا پریشاں بہت
ترائی جو داں سے گزرنا ہوا

بیابان وحشت اثرِ مہرِ خطِ سر
جہاں تک نظر جائے سوکھی جو کانس
کہیں دل رُکے بند ہو جائے دم
چلے باوَدن کو تو ہو سائیں سائیں
نہ سبز نہ کھیتی نہ آبِ رواں
سو وہ شیر مارا گیا مثلِ سگ
کوئی دشت ایسا کہ تھا سبز زار
اگر آہو گیری کا ہوتا نہ عیب
سطحِ زمیں میل درمیل تھی
اگر آگیا رودخانہ کہیں
بڑا لطف تھا سیر میں گشت میں
ہوا اک جبل سامنے سے سیاہ
عجب لطف کا تھا وہ کوہِ گراں
شجرِ سبز و پتھر بہت صاف تھے
ہوا ایک ابر اس جبل سے بلند
پہرِ دن سے بارش لگی ہونے زور
ہوئے خیمے پانی کے اوپر حباب
نہ پوچھ اور اسبابِ مردم کا حال
قنات اور تپو بسر سب گئے
بھرا پانی لشکر میں پھیلا ہوا
ہوا سرد از بس ہوئی ایک بار
پھرے باد سے لوگ سُخڑ دھانپتے
رہا ایسی سردی میں کیدھ شکار
بہت پر جب جی کو تنجے لگے
تہِ منج خورشید نہاں ہوا

یہی دُرس ہے ڈر کیا دھر کیا دھر
اگر سبزہ بھی تھا تو تھوڑا بانس
لکھوں کیا نیساں ہی تھے یک قلم
پڑے رات تو پھر کرے بھائیں بھائیں
کوئی شیر غراں کہ پلِ دیاں
وہ باقی پکڑ لائے بے تاز و تگ
ہوا دلکش و جگرہ جگرہ شکار
تو وہ ہم بھی رکھ لیتے بیشک و ریب
نہ دریا چہ تھا کوئی نہ بھیل تھی
نہ دلخواہ تھا واں سے جانا کہیں
نہ تھی دختِ رزحین اس دشت میں
اسی کی طرف کو پڑی سب کی راہ
کہ صد چشمہ کا اُس میں پانی رواں
سبھی جیسے اداس شفات تھے
ہوا بزمِ کچھی اسکی نیرودی پرند
رہا ساری وہ رات طوفاں کا شور
سب اسبابِ لوگوں کا تھا زیرِ آب
نہ چادر رہی خشک نے کوئی پال
کھڑے تھے جو کندھے اتر سب گئے
اگر فرشِ بستر تھا تھپلا ہوا
کلیجوں کے ہوتی تھی بر بھی ہی بار
جگر چھاتیوں میں رہے کمانپتے
ہوئے لوگ خیموں کے اندر شکار
جوانوں کے بھی دانت بجنے لگے
نہ دیکھا مگر روئے جاناں ہوا

لکلا انھیں خیمہ گہ سے گھسیٹ
تاس کرو دل جگر خوں کرو

بہت اسپ و اشتر موئے پاؤں سیٹ
غزل میریاں کوئی موزوں کرد

غزل

انداز یک نگاہ سے مارا ہزار کو
کس ڈھب سے کا میں اس رہ شکل گرا کو
خجلت ہی اس کی زلف سے ہے تیرا کو
یہ بات کیا چڑھو ہو کے اپنی بار کو
کیا تھام تھام رکھے دل بقیہ ار کو
بر نیل گل سے دیکھیں گے جیب و کنار کو
اس کام کو دیکھا کسی استاد کار کو
ہلک مضمفی سے دیکھو پھر انصاف یار کو

وہ دل شکار آن جو نکلا ستکار کو
چلنا پڑے ہے رکھ کے قدم تیغ تیز پہ
اڑنے لگے ہے باد میں تو جانگر ہے پھر
سو بار مٹھ چڑھاتے ہو کچھ بولتے نہیں
آتا نہیں نظر کہ حصول اُمید ہو
جیتے رہے تو اس سے سم آغوش ہو گئے ہم
کیا سمجھے غولی میری خراش جبین کی تو
یسے ستم کیے کہ گیا جی سے میں ندان

بولاکہ مجھ کو کمرتی ہے بزم گور میر
ہے خوب اگر مٹاؤں کوئی اس مزار کو

لگی جانے ہر صبح فوج گراں
اگر فیل تھا تو ہوا اسکا پست
اگر اسپا شتر ہے تو لوٹ پوٹ
نہ شیر اس کی جانب کرے بے نگاہ
لیا زیر بندوق آخسر گرا
لگے قیمہ کرنے جو انان کار
نظر کر کے ہیئت جگر بھٹ گئے
پھر اس پر جو ایسی ادائی گئی
بیابان سے کر گدن ہٹ گئے
نہ چیتوں کو جاگہ نہ گوروں کو گور
پھاڑوں کو راہوں سے ڈالا کھاڑ
ہوار رکھے توپ کا وال مگر نہ ار

کسبون میں اڑوں کا پا کر نشان
مقابل ہوا آکے جوں فیل مست
غضب ہے خدا کا کوئی اسکے چوٹ
نہ خوک اس کی جنگل میں گھیرے چراہ
بڑی دیر جنگل میں دوڑا بھرا
لگی بہنے ششیر جد دل شعار
بہت ایسے مارے بہت کٹ گئے
کسبون میں رونق نہ پائی گئی
جگر وال کے شیروں کے بچھٹ پٹے
نہ فیلوں میں سدھ بدھ نہ شیروں میں دور
نہ بولی کو چھوڑا نہ باقی ہے جھاڑ
پرندہ جہاں پر نہ سکتا تھا مار

مکل شیر جنگل سے حیراں ہوئے
 جہاں چلتے پھرتے نہ تھے مار دہور
 شغال اور خرگوش و ہم روہاں
 ہوا پر جو تھے مرغ پر واز میں
 بہت جانور کھا گئے کمر کباب
 حوصلہ تھا کیا جو کہوں تھا کہیں
 بہت مضطرب تھکیتوں میں پھرے
 انھوں ہی میں سیر مرغ بھی تھا مگر
 نہیں فیل مرغ اور شتر مرغ اب
 کسو بن میں تھے نیساں اور کانس
 برس بیٹھ دو دن میں کھل بھی گیا
 کہ اندھیر تھا جیسے ظاہر ہو دود
 بلا دھوم سے کوئی گھبرا پڑے
 ہوا سرد ہو کر گئی حبان مار
 دل اُس دود تیرہ سے گھبرا گیا
 یہی چال تھی ایک دو چار کوس
 کسو کو دے پاس نکلی جو راہ
 بلند ہی تھی اُس کوہ کی تان فلک
 نہ اس رنگ سے صید ہونگے کہیں
 جہاں دام اور دود کی تھی بود و باش
 ہوا ایک جنگل میں آ کر گزر
 تراکم قیامت تھا اشجار کا
 کہ اس مرتبہ بار دوسر دھکی
 کوئی خار بن صایل رہ ہوا
 درختان بے برگ و برہنہ

اڑا ہے جو تھے صاف میاں ہوئے
 چلے پہروں واں تیر بند و ق زور
 شکاری سگوں نے کیے نوش جاں
 گر سے سیکڑوں ایک آواز میں
 ہوئے آشیانے ہزاروں خراب
 کہ تعداد کشتوں کی پاتے نہیں
 سلامت نہ آخر گئے ہر سر سے
 کہ پر مارتا ہی نہیں رکوہ پر
 کہ بعضوں کے طعموں کے کام لے سب
 چلے راہ واں لے نہ سکتے تھے سانس
 و لیکن ہے کمر الطیف نہا
 ہوئے ہونٹھ سردی سے سب کے کبود
 جھنجھیں دیکھو دے کانپتے ہیں ٹھڑے
 اٹھایا بڑا لطف سیر و شکار
 کہیں آگ دیکھی توجی آگیا
 ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی پڑی اسی اوس
 گئی کوہ کی تیغ تک کم نگاہ
 نگہ جاتے ہی جاتے جاتی تھی تھک
 ہوئی خون کے رنگ رنگیں زمیں
 لگے چوک لوگوں نے کی واں معاش
 کسو کو نہ تھی واں کسو کی خبر
 ستم پھر ہوا اے ستمگار کا
 ہوئے سن مگر بہت پرورد تھی
 چٹے پیر بن ہو عش سب تہ ہوا
 نہ اک شاخ پر مرغ رنگیں نوا

بہت سر ملائے مہم تھے شجر
نہ قمری ہوئی نالہ پر دازنک
یہی کل مکمل تھی یہی کشمکش
درختوں کے انبوہ سے رُک گئے
اگر شاخ جاگہ سے اپنی ہلی
جو اس دشت میں تھا کوئی صید بھی
رہائی ہی مقصود تھی واں سے یار
کہوں کیا کہ یکسر تھے اس میں قلم
نہ چھوٹی تھی جاگہ قدم داغ بھی
کہ دل کو کسو کے لگے جوں فزنگ
نکلتا ہوا پھینچ کر یہ عذاب
رواں تھا کسو کی طرف تند و تیز
حاب اسکا چشمک زناں موج پر
طلبکار کرتے نہیں سا دگی
کنارے پہ اُس کے اُترنا ہوا
نہ رکھتے تھے جوں زلفلس لباس
غزل کہنے کی یہ بھی جا خوب ہے

ولیکن نہ پایا کھنوں نے ثمر
نہ بلبل کی واں آئی آواز تنک
پھرے مارتے سر کو دیوانہ دوش
بچے اتنے جھک کے کہ ہم جھک گئے
تو کانٹے سی ہم رہروں پر پلی
سو آگے ہی وہ ہو گیا قید بھی
پڑی اپنی سب کو کہاں کا شکار
چلے رو سیہ اور سو سو ہسم
نہ اٹھتا تھا اک الہ زنا بھی
ہوئے ایسے سنان جنہل میں تنگ
لا بیشتر ایک تہ دار آب
ہوا اس کے چلنے کی تھی پیش خیز
کہ یوں گرم جاتے ہیں اہل نظر
نہ ہو جوں گہرا سی استاد گ
دو بالا ہوئی تھنڈ مرنا ہوا
نہ اُن سے ہوا اپنے جامہ کا پاس
جو ابھی ہو موزوں تو کیا خوب ہے

غزل

ہم ہیں شکارِ خستہ ہمارے جگر نہیں
افسوس ہے کہ روئے دل یار ادھر نہیں
تو بھی ہمارے حال پہ اُسکو نظر نہیں
گلزار کے تو قابلِ پرواز پر نہیں
لاگ اُس کی تیغ تیز کو ہم سے اگر نہیں
یاں پانوں پیٹ پیٹ کے مزا نہر نہیں
پر میرا کچھ سوچو میرے سفر نہیں

جیف اس شکارِ پیشہ کو ہم سے خبر نہیں
ہم خاکِ منہ سے لگے پھرے جیسے اُرسی
اُنکھیں نکال اُسکے قدم کے تلے رکھیں
کیا تیجے جو نہ تیجئے اندازِ دام کا
سکلی پڑے ہے میان سے کاہیکو گڑھی
سر رکھ کے اُسکی تیغ تلے مرجو شتاب
آنکھیں ملانے کی راہ پر جوں ہمتش پائے

لیے کتنے زوروں میں ہاتھ دبے پٹے
 منگ اسطرت کے بنجاروں کے سن
 غریب اشکم جنگلوں میں رہا
 گیا سیکڑوں کو س شور شکار
 چلا باز چھاتی کو کھولے جہاں
 زمیں گرد جڑ ہے کیا تیز پاں
 فلک سیر شاہیں کی پرواز دیکھ
 نہ جھاڑا گیا نسر طائر سے ستر
 رواں جس گھڑی ہوتی فوج گراں
 زمیں پر قدم کوئی کیوں نہ دھرے
 کوئی شعبہ آیا اگر درمیاں
 بلندی و بستی تھی اتنی کدھب
 کوئی نالہ کھولا اگر آگیا
 گرے یاں رہے یاں ہی چال تھی
 ہوا دن تو یوں کھینچتے رنج شام
 کے بے کوئی کون آتا ہے یہ
 لگے آنکھ سپروں کے تئیں زور ہو
 ہوا خیمہ گہ دامن کوہ سب
 قریب ایک ٹپا پہاڑی تھی واں
 پہاڑی کہ قوداموں خاک کا
 محاذی تھا اُس کوہ کے ایک دشت
 ہوا بہت اور پانی لگے
 چلے باؤ تو ایک موش ہو شور
 نقطہ خار بن گیا کپڑ بھاڑ تھا
 پلو ہی چلو ہے یہ چلتے نہیں

جواں اس سے آگے بھی جا کر ڈٹے
 پلنگ ان بنوں سے چلے سر کو دھن
 نہ جھانکا ادھر کوہ سے اڑ رہا
 رہے ٹھور حیدان یکجا ہزار
 پرندہ رہا و سیم کا بے گماں
 رکھا جنے اٹھتے ہی مرغ خیال
 لگے جوں نگہ جا کے انداز دیکھ
 گھٹا کر گس چرخ چھوٹا نہ پر
 بہیرو بنہ ہر طرف سے عیاں
 بیاباں فراخی سے تنگی کرے
 ہوا شور لشکر سے محشر عیاں
 کہ گاہے زمیں گہ فلک پر ہے سب
 تو اپنا کیا پھر کوئی پا گیا
 جہاں در جہاں خلق پاں تھی
 گئی رات چوروں کے در میں تمام
 پکارے کوئی کون جاتا ہے یہ
 پھر آرام سے رات کو سو رہو
 رہا آ کے نواب واں تین شب
 لگا اُس سے کم کم تھا آب رواں
 کہ انبار تھا خار و خاشاک کا
 کہ دشوار تھا اُس میں آدم کا گشت
 قدم راہ چلتے ہوئے دنگے
 رکھے بانوں دامن کو کھینچے زور
 کہ بڑا بھی واں جھاڑ جھنکار تھا
 کہ استجار آگے سے ٹپتے نہیں

نہ ٹوٹیں نہ سرکیں نہ کاٹے کشیں
کہیں ہاتھی آیا ہے بھڑکا ہے اڈٹ
کہیں ہیں گے الفار سرگرم جنگ
قیامت نمودار ہر ہر قدم
کہیں بج کے نکلے کہیں ٹھہک چلے
اسی طور منسرد کو کر قطع راہ
شجر جمیع تھے کچھ تہ کوہ بھی
زمین اونچی نیچی خشونت بہت
لیکن وہی خاک زشت و پلشت
ہوئی بیلچوں سے برابر زمیں
وہ پانی جو چلتا تھا ڈھنگ سے
صفا اور خوبی میں کچھ بڑھ گیا
غزل سن نہیں پر بھی کہنی ہے میر

گھر بچھلے پائوں ہی رہو ہمشیں
کھڑے لوگ پیتے ہیں بوجھ کے گھونٹ
کرے ٹوپیل کا عرصہ ہے تنگ
چپے کوئی کیا رکھ کے سر پر قدم
کہیں مضطرب تھے کہیں گک چلے
بہنچتے رہے ہم بحال تباہ
فرود آیا اس بابہ انبوہ بھی
اسی سے تھی دال کم سکونت بہت
ہوئی بود آدم سے رشتہ بہشت
چمن سے بھی شاداب نہ سرزمین
کہ تھا رہگرا سرزناں تنگ سے
کئی ہاتھ مقدار سے بڑھ گیا
دل اپنا ہے لطف سخن کا اسیر

غزل

وہ کمان ابرو اگر درپے ہوا ہے میر کے
یونہی کہتا ہے گلے کا تو مرے تعویذ ہے
میں بھی نہ خمیری رہا ہوں دیر گلشن کے قریب
خون ہی دست خانی سے کیا کرتے ہو تم
بندہ و عاصب میں نسبت ہے دے نازک تپ
ور بھی وہ رشتہ خور کچھ اب خنک ملنے لگا

ترکش ان پلوں کا ہے بالائے ترکش تر کے
پر نہیں آنا ز ظاہر بار کی تخیل کے
ہوئے بچے ہونگے دور تکٹے مری زخیر کے
لو کھوٹک ہاتھ میں دل کو کسو دلیگر کے
معترف رہتے ہیں عاشق اپنی ہی تعمیر کے
مستقد ہم کیا ہوں آہ صبح کی تاثیر کے

روئے دلکش وہ خدا جانے کہس سے بھنچ گیا
میر ہم عاشق رہے ہیں ایسی ہی تصویر کے

چلے بس تو کرے سیدہ روئے کوہ
کہیں آب میں تھے کہیں کیرج میں
پیسے سے عرصہ نہایت ہے تنگ

بیاضی سے شکر چلا سوئے کوہ
پڑی وادی سوختہ نرج میں
نیستان سے ہے خدرا بہ نژدہ تنگ

کہ ان میں سے جانا ہوا ندوہ سے
کہیں پانہ رکھنے دیں سر نیز خار
نہ آئے نظر دور تک راہ صاف
کہ دشوار تھا دو قدم کا بھی گشت
کنارے پہ دو دو گھڑی تھے کھڑے
چلے دو قدم راہ پائی اگر
بہت اسپ و اشتر عدم کو گئے
ولے ڈرنہ ہو فیل کوئی سیاہ
ہوئی خیر گولے ہوئی راہ دیر
جو دیکھوں تو گڑھی سنبھالے ہوں
سفیدار رکھتے تھے حکم نہال
تو لوگوں کے روندوں ہوتا ہے کچ
گیا آمد و شد میں ہوار ہو
کہ عالم نے ادھر لگائی نظر
کہیں سرسوں بھولے دلوں کو ٹھکے
سہی رنگ تھا ناگرمیاب کوہ
شجر خوشنارم نرمک ہوا
دورستہ بکا گوشت بازار میں
پھر آگے بیا باں وہ ہے اور کوہ
وگر نہ ہی سنگ بے رتبہ ریت
نہ دامن میں اُسکے چکارا دواں
سیاہی پکڑتے تھے چشم غزال
مقام اس طرح کے بھی ہیں یاد بود
نہ ظاہر ہیں اُسکے کہیں لالہ زار

شجر جنگل ایسے تھے انہوہ سے
کہیں بید کے برگ، خنجر گزار
تینک دو درختوں کے ادھر ہوئے
اگر بید آئے تو بن بید باف
اگر بانس تھے واں تو تھے دشت دشت
ہمیں چار ناے اترنے پڑے
راہ ہر قدم گرنے ہی کا خطر
بہت لوگ دشت قلم کو گئے
لگے ہاتھ فیلان دشتی کی راہ
نہ باہی ملا کوئی بارے نہ شیر
شجر سرکشیدہ بہت کیا کہوں
چار آن درختوں کے تھے پائمال
اگر کوئی دریا چہ آتا ہے پنج
تل کوہ رفعت نمودار ہو
کوئی گل زمین آئے ایسی نظر
کہیں سبز ترے جی جا لگے
نہ تھا برگل زرد دامن کوہ
فضا دلکش آب کیسر صفا
چکارے بہت مارے کسار میں
یہ انہوہ اشجار تاشش کردہ
کناروں میں اُسکے کہیں کوئی ٹھٹ
نہ سبز کہیں تھا نہ آب رواں
دکھائی نہ دیتا تھا خوش قد نہال
وہی جنگلہ دو طرف بد نمود
نہ پھولی تھی سرسوں نہ کچھ تھی بہار

نہ چٹک زناں دور نزدیک پھول
 چلے باد ایسے کہ جھکڑ رہے
 او دھڑ باد کا شور او دھڑ آب کا
 او دھڑ کے تئیں ایک تھا آبشار
 وہیں ایک دم تھا دلوں کا نکاد
 سوائے تئیں تو نہ تھا کچھ داغ
 بہت شعبہ کوہ مشہور تھا
 قدم رکھ جو نواب و ہاشک گیا
 کوٹھب وہ جگہ سیرگم ہو گئی
 ہوا خیمہ استادہ ایسی جگہ
 رواں دو طرف اسکے ایک بکم
 جہاں تک نظر کیجئے مد نظر
 نظر والوں کے جی بھی ڈھلنے لگے
 وہ پانی چلاواں سے دریا ہوا
 بہاوا من کوہ میں سنگ پر
 کہ لوگ اُن کو ہاتھوں میں کھنے لگے
 کراڑوں کا کیا عظم کیجئے بیاں
 انھیں میں سے تھی راہ اس آب کی
 ہوئے دامن کوہ میں کچھ مقام
 کوئی روز گھاٹی گی بھی سیر ہے
 جو اس میں کسو سیر کا دیں نشان
 تو اور ایک دودن کی ہوتی ہے دیر
 شکار ایسا دیکھا ہے اس بار کا
 کوئی دیکھے کب تک پہاڑ اور جھاڑ
 غرض ہے وزیر جہاں از جہت

نہ نرمی سے آتی تھی باد قبول
 ہوا اور پانی میں پھسک رہے
 شب و روز نہ کو رگیا خواب کا
 وہ البتہ شایان سیر و شکار
 اڑانے نہ دے جو حواسوں کو باد
 کہ حال اپنا تھا جیسا بھٹا چراغ
 زبانوں پہ لوگوں کے مذکور تھا
 سر اس شعبہ کا آسمان تک گیا
 حضور اس کے فردوس تہ ہو گئی
 کہ آنے لگی دیر واد سے نگہ
 کہ دل کا لیے جائے سنگ نگ غم
 ہوا سوچ زن کوہ کے تا کر
 گرفتہ دل اس جائے کھلنے لگے
 رواں گرم تر سوئے مھرا ہوا
 کیا سنگیروں کو بھی رنگ پر
 جواہر کے رنگوں پر کھنے لگے
 برابر کھڑے تھے دو کوہ گراں
 وہیں بیٹھ رہتی تھی اجاب کی
 سفر کی بھی مدت ہو شاہ تمام
 سمجھوں کی ہے معلوم پھر خبر ہے
 نظر آئے یا کوئی پسیل ویاں
 وہ ہاتھی بندھے کیسے گا یا وہ شیر
 کہ جھاڑا ہوا دشت و کسار کا
 لٹے پھاتی پر سے کہیں یہ پہاڑ
 رئیس کلاں کا رعالم پسند

در اُس کا ہے یاب سجود سراں
سدا وہ رہے یوں ہی دشمن شکار
جہاں میں سخن ہے مرا یادگار
غزل کہ زمیں گو کہ ہی سنگلاخ

در اُس کا ہے یاب سجود سراں
سدا وہ رہے یوں ہی دشمن شکار
جہاں میں سخن ہے مرا یادگار
غزل کہ زمیں گو کہ ہی سنگلاخ

غزل

جراحت نے کیے ہیں چشم پر بند
پڑا ہے ایک مدت سے یہ نظر بند
اسیران شکستہ بال و پر بند
اب آنکھیں رہتی ہیں دود پر بند
نہیں چنداں ہم ان باتوں کے در بند
کسو کے منہ پر دروازہ نہ کر بند
نہ کھلوا یا کھجوا اُسکا کر بند
ہم اُسکے اندوں میں ہیں نظر بند
لکھوں کیا مدتوں سے ہے خبر بند

نہیں خوں بنگی سے چشم تر بند
گیا ہے وہ سوزل کھلتا نہیں ہے
کریں ہیں شوق گل خوں ل میں ناچار
گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے
بہت ہے یار کا کم بولنا بھی
بھول سے آرسی کے مثل دا ہو
ہمارے ہاتھ خنجر سے کرو قطع
رکے ہے یار آنکھیں سی دکھا کر
نہ خط آتا ہے اودھر سے نہ قاصد

غزل کا قافیہ تغیر کر میر

ہنر کچھ اس زمیں میں میر کر بند

دل ان کے دست رنگیں کا ہی پابند
ہوا کیا آہ باغ و لکٹا بند
رکے ہے دل جو ہوتی ہے ہوا بند
کسو دشمن نے اُسکا منہ کیا بند
بہت خاشاک سے دریا پر پابند
گھلی ہو چشم جوں آئینہ پابند
سمند عمر ہوتا کاشش جابند
نیکا لا عشق زور آورنے کیا بند

جگر خوں کن میں خوابان حنا بند
گرہ بند قبا میں دسے ہمیں دیکھ
رکھ آہ سرد ہی سے گرم جوشی
ہمیں سے کیا وہ جادو گر نہ بولے
نہیں تھتا ہے اب پلوں سے رونا
ہمیں منظور ہر صورت میں ہے دید
نہیں کام آتی اتنی تیسرہ گامی
زیر دستوں کی کشتی ہو گئی پاک

یہی انداز باندھے ہیں یہی ناز
قیامت میر صاحب ہیں ادا بند

شکارنامہ دوم

بیابان پہنا وراپ ہو گئے قید
 گئی چشم خوردشید تک گرد فوج
 گریاں سرا سیمہ میں واں پنگ
 کریں لوگ شاید فقیری کا پاس
 دلوں میں ہراس کسان و کسند
 نظراید صہرا و دھڑ کرے شیر تیز
 بیابان وطن سارے گرم سفر
 نکل آکھروں سے پریشاں گئے
 نہ گفتار کو تاب رفتار ہے
 کہ ونگل سے جنگل میں کیا ہن پڑے
 صدائے تفنگ و صدائے تفنگ
 ہوا میں کھڑکتے ہی پتے کے سب
 ہوا ہی میں پتھری پکھیر و چلے
 کلنگوں کی صف باز نے دی اٹ
 رہے مرغ آبی جہاں کے تھاں
 بڑے صید حد سے زیادہ ہوئے
 جہاں دیکھے ہے قیامت ہجوم
 کہیں ہاتھ نکلا ہے اژدر کہیں
 سن اس شہر کو چھوڑ کر بن چلے
 کہ شیروں کو بھی قشعر پرہ ہے زور
 اسدوں کے ہتھ کو دک بے سوار
 ہوا میں سے بھانکا عقاب و لیر
 نہ تندر کی لاش اٹھائی گئی

مکر رہے نواب کو قصد صید
 رواں بحیر لشکر ہوا موج موج
 بحار و صحاری پہ ہے عرصہ تنگ
 پہن بیٹھے ہیں شیر ہری لباس
 چکارے ہرن دونوں اندیشہ مند
 کہیں گرگ وادی کو فکیر گریز
 بنوں میں ہے آشوب کو ہوں میں ڈر
 کہیں امن ہو تو کہوں واں گئے
 اسد کی نہ شیرانہ ہشکار ہے
 جہاں کے تھان فکر میں ہیں کھڑے
 ہوا و دباروت سے تیرہ رنگ
 وحوش و بیاباں کو وحشت غضب
 ہزاروں ہی بندوق ہر دم چلے
 گئے باوجو آسماں میں پلٹ
 اڑے ہاتھ دو چار جبرے کہاں
 پر تیر جس دم کشادہ ہوئے
 بنوں میں مچی دھوم سکا آکے دھوم
 کہیں ارٹے مارے غضنفر کہیں
 پڑے مست ہاتھی جو تھے من چلے
 نہ تیرہ ہے روز گو زناں و گور
 لب آب جا کر جو کھیلے شکار
 ہوئے قرقرے صید ہو ہو کے ڈیر
 زغن ان بنوں میں نہ پائی گئی

نفاذ
خاں

کہ ہو خاں آ کر سیہ یاں کہیں
یہ زبرہ نہیں رکھتے کہ ہی کلاغ
نہیں آتے کوہ شمالی کے پاس
بیابان خوش آئندہ و خوش نضا

ہوا ہے یہی تو یہ ہوتی نہیں
جگہ کیا کہ پرزن ہوا بنیں
شتر مرغ سیرغ از بس ہراس
غزل کہ ہے میر لطف ہوا

سرگرم جلوہ دیکھو پہلو میں یا رہی ہے
آنکھیں دکھاتے ہیں توجہ میں پیار بھی ہے
پر کم بغل ہے ببل آسکو قرار بھی ہے
کچھ اضطراب بھی ہے کچھ انتظار بھی ہے
دریا کی سیر بھی ہے بوس و کنار بھی ہے
کتنے کو کہتے ہیں تو کچھ اختیار بھی ہے
شمع و چراغ و شعلہ برق و شرار بھی ہے
شکل گزر ہے رستہ گرد و غبار بھی ہے

غزل
سبزہ ہے آج بھی ہے فصل بہار بھی ہے
یہ تو نہیں کہ ہم پر ہر دم ہے بیدار بھی
محل بہکنار ہوگا تنہا کر کبھی چین میں
ہوں وعدہ گاہ میں تو پر میں ہی جاتا ہوں
جوں موج ہم نفل ہوں نایاب اس گھر سے
ہم جبر یوں سے کیا ہو بیدار و پا و عاجز
کون اس بھبھو کے ساتھ دیکھو نہ کبھی تو
جانا مسلم آیا اس خاکداں سے گو بکھر

دل تنگ میر کیوں ہے ہمہ دیر کے تو
دریا نضا ہوا ہے سیر و شکار بھی ہے

کہ منہ پر تھا خورشید آئینہ دار
سماں شب کا رکھتا تھا ملک شہود
تحمل سے مطلق نہ رکھتی تھی تاب
جو رکھے قدم و اداں تو بھونچال تھا
ہوا مذہب شیعیان اعتزال
عجب مملکت سے نکلتا ہوا
ہنر بران خوشنوار بھاگے گئے
کہ جاتے ہیں کوہوں کے چھوڑ دے
نہ لیں راہ بر عرب کیا کریں

اٹھا فوج میں سے یہ گرد و غبار
فلک کمرے سے تھا دھواں سا نمود
زمین تھی سو تھی فرش بالائے آب
نہ پوچھو کہ لوگوں کا کیا حال تھا
رند سے گئے چلنے تیزی سے چال
کسی ڈھب سے جوں توں کے چلنا ہوا
اُتر لوگ دریا سے آگے گئے
پلنگان مردم در ایسے ڈرے
بیابان میں مرنا کہاں سر و دھریں

غزل میریاں کہ اگر ہو دماغ
رُکے دل ہمارے بھی ہوں باغ باغ

کھٹو

عزل

پہ کیجیے کیا گل کی صبا بھی ہے ہوادار
وہ صاحب ناخواہ ہے بندہ ہے وفادار
اس عرصہ میں آئینہ کو دیکھا ہے ہوادار
ہے گل کئے زربل بے برگ ہے نادار

تھی باد بھی آنے کی چن میں نہ روادار
شائستہ دیدن ہے مرے یار کی صحبت
کیا خوب ہو کیا زشت ہو رو دیو سے ہو سکو
کس طور سے یک رنگ ہوں بے عاشق و معشوق

کیا بگیسی سے میر نے رحلت کی جہاں سے
رویہ کوئی اُس پہ نہ کوئی ہے عزادار

نہیں بولتے ڈر سے غرزدہ شیر
گئے کجلی بن یاں سے ڈرمان کر
سو کٹھ بندوں سے ہوا قیل پا
پھراڑتے تھے داں جیسے پیلانست
بہے حدود تیز جس طور سے
بہت آئے لشکر میں ہو کر اسیر
ہوئیں بوجھ سے پشت فیلاں فگار
کھڑا ہو رہا آگے بھینسوں کے پاس
چلے جائیں صرصر منط سرسری
نہ وحشی کپی اور لنگور تنگ
پڑے بکریوں میں کہن گرگ جیوں
کہ کابل سے آگے گئے صدر کردہ
ہوئے قید یا صید کیا بید رنگ
اڑا کھا گئے خیل سرخاب کے
نہ غجوارک آیا نظر گشت میں
ہوئے صیدیوں جن پہ آیا ترس
تو گر تانہ کھیتوں میں ہو وہ دلہ
ادھر لوگ افسوس کرتے گئے

بنوں میں پھر کرتے ہیں ہم تو دیر
رہے تھے جو فیلانست آن کر
جو ان میں سے آکر لڑا پھر دیا
گر یوے کہیں تھے بلند اور پست
بھی تیغ نواب اس طور سے
بہت رہ گئے زیر شمشیر دیر
لڑے ہاتھیوں پر جو ہو کر شکار
کئے گم جو گنڈے نے اپنے حواس
کہ بھینس اُسکو بھی جان کر لشکری
نہ چھوڑا ہے طیار ایک عصفور تک
گئے جا کے شاہین دستوریوں
کلنگ ایسے بازوؤں سے آئے ستوہ
نہیں قوچ سرزن نہ ایل نہ رنگ
غضب کر گئے جبرے نواب کے
نہ لگ لگ نہ تیر رہا دشت میں
سبھوں میں جو تھے قاز و سارین برس
حوصل کو ہوتا اگر حوصلہ
کہیں سارے ہاؤس مرتے گئے

<p>نہاں اسکے خوش قد بسیار برگ نظر جائے جس جاتلک سبز تھے کہ سرسوں نے کی تھی قیامت ہمار کہ کہنے لگی بلبس خوش زباں خبر بھی ہے تم کو کہ آئی لبست جلگر کو غزل کہتے غول کیجھے</p>	<p>کہیں جی اٹھی تھی زمیں بعد مرگ نہ بستی سے صحرا تلک سبز تھے ہوا دلکش دہر طرف سبزہ زار کھڑے لوگ محو تماشا تھے واں کہ خاطر جنوں سے نہ رکھتے بخت ایہ عمد جنوں ہے جنوں کیجھے</p>
---	---

غزل

<p>کیا کہہ گئی کہ ہم کو سستے ہی غش سا آیا ہم تو توشوق مغرور واں کا لگا کے لایا پر سحر کے الم نے جنگا بہت بتایا مستی نے اس نگہ کی مجلس کے تیں چھپایا رحمت خدا کی تم نے اس رسم کو اٹھایا کس ناز سے زمیں پر پڑتا ہے اس کا سایا یوسف کے طور میں بھی سستا بہت بچایا وہ خود بخود ہی آوے کاش اس طرف خلیا</p>	<p>بلبل کے بولنے سے آزاروں نے پایا بچھیر گم میں اُس کے جاتا نہیں ہے کوئی انواع رنج ہم نے کھینچے تھے عاشقی میں صوفی صاف مشرب بیہوش و بھروسہ ہیں مہر و نفاذ الفت کرتے تھے لوگ باہم سرا رے تو پیری کو ایسی روش نہ آئے یہ جانتا تو ہرگز بازار میں نہ جاتا غیرت سے عاشقی کے جاتا نہیں ہوں میں تو</p>
---	---

مستوق تو ہے پر وہ ادب باش کجروش ہو
کیا کہیے میر جی سے دل کو کہاں لگایا

<p>کہ مشکل قدم کا اٹھانا ہوا نہ تھا واں کے ضعیف کو کچھ اور غم تو شاید کہ الحاج ہوتی قبول بہت اپنے زوروں پہ پھولے ہوئے نہ اوقات صلح و نہ ہنگام جنگ بن آئی نہ کچھ مفت مارا گیا نہ شیریں دیری نہ چہرے پر رنگ نہ جاگہ سے اگسا نہ تلک ہل سکا</p>	<p>کسو ایسے جنگل میں جانا ہوا نظر گرد لشکر پہ تھی دم بدم کوئی ارسلان بھیجتا اگر رسول سو دے خوں گرفتہ تو بھولے ہوئے پیلے ہر طرف اب جو آ کر تفنگ لگی آگ جنگل میں حیا را گیا بہر اپہرہ کوئی تو جوں شیر سنگ لگی گولی پڑنے نہ پھر چل سکا</p>
---	---

چہ ہم جو ہراج سے پشت
بھرے فرط ہی سے تو دیہات شہر
گھٹے گولیوں سے مگر بے شمار
جو کچھ زخم پانی میں لے کر گئے
لگا کہنے باخہ سراپنا جھکا
اگر جائیے تہ کو دھس جائیے
عجب مخضہ ہے بچے کیونکہ جان
جواب اس کا گھڑیاں نے یوں دیا
پڑی سر پہ بختی ہے فرصت نہیں
تھل ہو کچھ بھی تو تدبیر ہو
کوئی دشت یکدست نے زار تھا
میں سینک یا کاش پانی کی گھاس
کہیں دوں لگی ہے تمامی ہے دود
نہ پتا نہ شاخیں نہ کچھ اُن کو بار
نہ سائے سے ان کے کوئی بہرہ مند
سما ہی نہ سہروں کی ڈاروں نے کی
کہیں لپٹے آپس میں دو چار نے
کہیں سر پتا سر پہ تھا جیسے تیغ
نہ ببل غزلخواں نہ طردوں کا شور
سولن نے غزل سست سی یہ کی

مہوئے صید دریا کے داں بیشتر
کسے تو کہ سوتے رہے رود و نہر
رہے سونس گھڑیاں چندیں نہر
دہیں ہو کے ناسور مر گئے
کہ پانی تو جالوں سے سارا رکا
وگر گارٹے سر تو پھنس جائیے
یہی موت ہے سو جھتی ہو ندان
گھڑی ایک دو کا سے قصہ رہا
پہرا سکو کھینچتے ہیں اب کیا کہیں
کر دیں کیا اگر یو نہیں تقدیر ہو
رکھے داں قدم بانوں افکار تھا
زمین و ہوا آب و آتش اُداس
کہیں دو سحر ہیں سو کیا بد نمود
سراپا ہے خشک و زبوں زرد و زار
نہ دیکھا چرندہ نہ آیا پرند
نہ چشمک کہیں سے چکاروں نے کی
کہیں باقی آیا کہیں شیر نے
رودندوں کے بانوں پہ آیا دریغ
سبھی دیکھتے میر کے منہ کی اور
دے دل کو لوگوں کے لگتی رہی

غزل

کس اسکی تیغ کش پہ ملک کو حسد نہیں
رہے دود و وحش و طیر کو اب ام و دود نہیں
تم کہ دست دیکھو ہو کہ ہیں اسکی کہ نہیں
ہر چند گل بھی تازہ کھلا اتنا بہ نہیں

ذوق تکار اُسکو ہے اتنا کہ حد نہیں
خالی پڑے ہیں صید سے دادی و کوہار
بے جد و کد جو اس سے ملاقات ہو تو ہو
کچھ اور شے ہو خوب جو دیکھو نہ تکار

<p>اس بکیسی سے کون جہاں میں موکہ میں کیا سروگل سے ہووے تسلی کہ اہل شوق بے سزیدل کنھوں نے کہا رنجیتہ تو کیا سوار مست کیسے میں کپڑے گئے ہیں</p>	<p>جز داغ سینہ آج چراغ لحد نہیں گل مو نہیں ہے یار کا سرو اسکا قد نہیں گفتار خام پیش عزیزاں سند نہیں رسوالی کے طریق کے کچھ نابلد نہیں</p>
---	--

لطف سخن بھی پیری میں رہتا نہیں بچہ میر
اب شعر ہم پڑھیں ہیں تو وہ شد و مد نہیں

<p>کسو ایسے بن سے نکلتا ہوا کشیدہ قد اس بن کے سائے درخت برابر برابر کھڑے سر بسر پرے چل کر آیا ترا کم بہت کہیں راہ نکلی تو چلتے پڑے کہ شاخوں نے جھک جھک لے کھے وہی راہ درپیش و کثرت ہوئی سروں پر ادھر تو پائی چلی کہیں اسپ داشت کہیں قیل مست گزر جس طرح اس طرح سے کیا وہیں بیچ آیا سبانا مرا سواری سے جھکودامت ہوئی لگے کہنے آ یا فرنگی کہاں جسے دیکھو چار اُن نے رکھ کر کہا چلو ہی چلو ہے کہ بیچ حسابو روندے ادھر کے ادھر ہیں خراب چڑھے چار کے کا ندھے جیتے ہی جی کہ گھوڑے دیے چھوڑ کی بارگی نہ اس حال سے اہل دست و خبر</p>	<p>کہ کو سوں تلک اس میں چلنا ہوا چمن کے سے نوبادگاں سبز بخت پھرے دیر او دھر کو جا کر نظر حواس اس میں جا کر ہوئے کم بہت رہے بال و پیر بہت واں کھڑے بہت آگے جا جا کے آئے تھے پھر قیامت کے اوپر قیامت ہوئی پڑی تھی او دھر توگوں میں کھلبلی زمیں ہر سرگام بالا و پست روندوں نے خون جگر ہی پیا کوئی دیکھتا رنج اٹھانا مرا کہ چاروں طرف سے ملامت ہوئی کہ چو پانی کی رسم چھوڑے ہے یاں لگا ہونے ہر صبح اسپر سوار کہ چو پالے کے پاس تم آئیو یہ جاتے ہیں مجھے کو بھاگے کتاب لیا اٹکل اس سوے میں تقع بھی میا توں میں کرتے ہیں آوارگی تو جہ نہ عہدوں کی کچھ ہے ادھر</p>
---	---

چو پالے

وگر نہ ہو قدغن کہ اب اہل کار نہ مانیں تو جو پالے دیویں اُلٹ	نہ رہنے دیں لشکر میں ڈوئی سوار ابھی گھوڑے لیں ڈپٹیں ایک ہی ڈپٹ
اگر دمیر بجر اور اب اختیار جو جو ظلم کئے ہیں تم نے سو سو ہم نے اُٹھائے ہیں	مگر اس سے نکلیں در آب دار
داغ جگر پہ جلانے ہیں چھاتی پہ جراثیم کھائے ہیں	بیخ در یغ نہیں ہے اُس کی بیل گہ میں کسو سے بھی
ہیں تو شکار لا غرہم پر ایک اُمید پر آئے ہیں	ہم نے فکر سامنے یوں بھی اب جو تیر تر از وہ ہو اُس کا
کیا کیا لو ہوئی کردل کو اس پلے پر لائے ہیں	ختم سے لگی میخانہ کے دیوار بھی اپنے گھر کی ہے
شوق ہے غم میں بے صبری ہے آہ کسو کو کیا کہیے	لطف پیر منان سے عجب کیا ہم آخر مہاسے ہیں
اچھے اپنے جی کو نہیے آپ ہی روگ لگائے ہیں	عمر سخن ہم فکر سخن میں رفتہ ہی بیٹھے رہتے ہیں
دیکھیں طرف ہے کون سی جس سے تیغ ناز بلند کرے	آپ کو جب کھو یا ہے ہم نے تب یہ گوہر پائے ہیں
ہم نے بھی تو اس ہی جہت سے فرق نیاز جھکائے ہیں	اب تھے سپاہی اب ہیں جو گی آہ برانی یوں کاٹی
کس کو ایسی بیخری تھی جس کے بولے تو جو نکلا	ایسی تھوڑی رات میں ہم نے کیا کیا سوانگ بنائے ہیں
سو ٹھو کرنے ان پلکوں کی کتنے نکتے جگائے ہیں	کون وہ ایسا ظالم تھا اُستاد فن عساری کا
استنہ سن میں جن نے تھکوا ایسے فریب تنکھائے ہیں	سیر مقدس آدمی ہیں تھے سجدہ کعبت میخانے میں
	بیخ جو ہم بھی بانٹے تو دیکھ کے کیا شرانے ہیں

کیا ایک نالے سے ہم نے گزر
گرے گاڑی چھکڑے پیادے سوار
گزارا جو فیلوں کا پہلا ہوا
کمر تک لگے پھنسنے دلدل کے بیچ
پھنسے گاؤ اشتر گرے باز سر
اگر چند باندھے تھے وہ جسر خام
نہ دیکھے تھے آگے کبھو یہ سمیں
سلامت رہا اپنا اسباب سب
چلے واں سے آگے بند پلا ملا
عجب راہ پر خوف مشکل گزار
خطر شیر کا شور بگاہ کا
کہ جاؤ زمین کچھ ہو یہ نہ تھی
گرڑھے غار پانوں کے نفزش بلا
صدائے برگ نے کی نہایت مہیب
جنوں پیشہ وہ دشت وحشت شعار
کہیں پانی آیا سو حالت خراب
نہ ہاتھی نہ اسباب اپنے کئے
چنانچہ گئے راہی کے کنار
کھڑے ہم رہے ہاتھ پر رکھکے ہاتھ
کہار اک میانے میں اپنے دیئے
چڑھ ان کے سر آندوئے دریا ہوئے
نہ جانا کہ آتا ہے کس کا قدم
گوزن ایک دو مار لائے کبھو

ہوئی قائم اس جا پہ حشر و گھر
کہ مقصد تھا سب کا عبور ایک بار
ملا خاک میں آب چسلا ہوا
کہ نالے کا پانی تھا یکدمست کیچ
ہوئے اسب و اشتر بھی زیر و زبر
ہوئے ایک ریے میں دونوں تمام
ولیکن خدا نے اتارا ہمیں
رہے لوگ لشکر کے کرتے عجب
کیا ان نے ایک ایک کو وہ دلا
نہ ہوتے تھے معلوم ہاتھی سوار
تعب واں کے جانے کا غم راہ کا
کہیں اس میں پگڈنڈی پیدا نہ تھی
جلی باؤ تو نے کی لرزش بلا
طریق عجیب و مسافر غریب
کہ فیل اس کے طفلان بازی مدار
کہ تھا زبرد کاہ اس میں ہر جائے آب
یہی اک میانہ بنے سو بنے
نہ ربط آشنائی کسو سے نہ پیار
کہ میں بار جانے کی کس منہ سے بات
بھرا سکے جو تھے چاروں ہم نے پلے
ہوئے پانی پانی کہ رسوا ہوئے
کہ صید بیاہاں گئے گھر کے رم
اڑے باز جڑے کہیں ایک سو

نہ صید ایک دیکھا بھرے لاکھ رنگ
غزل میر نے بھی کسی اور ڈھنگ

عزل

یوسف نہ راجف کہ سستا بکا گیا
کیا دقت رہ گیا تھا کہ وہ مُنہ چھپا گیا
بیٹھا کہاں چمن میں کہ فتنہ اٹھا گیا
کیا کیا سپیں نہ گریہِ غوین دکھا گیا
قاصد کے پیچھے دور ملک میں لگا گیا
جول ابریر سے دل پہ غم عشق چھپا گیا
صورت پذیر پھر نہیں ہوتا مٹا گیا
اس شرم سے ندان زمیں میں سا گیا

ایک درج موتیوں کے عوض ہاتھ آ گیا
جانا نہ تھا سرھانے سے مجھ مخمّر کے ہائے
آشفقہ سر میں سرود گریباں دریدہ گل
گلبرگ سے بھرے تھے کہے تو کیا روپ
خط بھیج کے بھی شوق کی باتیں چلی گئیں
روتا ہوں یوں کہ برس سے شدت سے جیتے
جو نقش روزگار کے صفحے سے محو ہو
ہستی مری کہ ہیچ تھی میں متفصل رہا

داغ دل خراب شبوں کو جلے ہے میر
عشق اس خرابے میں بھی چراغ اک جلا گیا

تاما کناں فوج دانسبہ کو
وے راستہ بھی قدم وار تھا
پٹیلے پہ شنگا مہ آرا تھی اورس
اگر ہو تو واں شیر کا ہوشکار
نہ ہاتھی کے پاؤں کا پایا نشان
پھر آگر وہیں یہ جو دنگل ملا
بھیراک بلا تھی جہاں آگئی
سروں پر کھڑے اسپنیل سپاہ
گئے شیر کے ہر قدم پر قدم
ہوئے دامن کوہ میں کچھ مقام
کہ نواب واں سیر کرنے کو جائے
نخے رود کوہ و زہے انکے بخت
کہ تھے پیر ہم واں ہوا خوب تھی
نہ ہو کچھ تو کیونکر ہو یہ دلکی لاگ

چلے صبح کہ دامن کوہ کو
درختوں میں چلتا تو دشوار تھا
گزارا ہوا یوں ہی اک آدھ کوس
نیساں میں پھپھتا تھا ٹھوڑے سوار
نہ رہتے تھے سو شیر شرزہ بھی واں
پٹیلے سے کیلے کا جنگل ملا
عجب کشمکش درمیاں آگئی
نہ ہلنے کی جاگہ نہ چلنے کو راہ
خطر نیل و ششی کا ہر ہر قدم
کنا را آب کے لوگ اُترے تمام
سر کوہ کیونکر نہ ہو چرخ سائے
رہے آب پر فرش چوکی و تخت
ہمارا تو جانے کو چاہا نہ جی
رہی منعقد نرم تھا تاج راک

کسی اور ہی جبر میں یہ غنم
مگر میر کو ہے داغی خسل

غزل

سر لطف عارض مت چھپا عاشق سے اسے یار اس قدر
یک جان کو یہ عارضے یک دل کو افکار اس قدر

جو کچھ ہے سودل کے سبب غم غصہ و رنج و تعب
تھے چاہنے سے پیشتر کا ہے کو بیمار اس قدر

ہر دم جو اس کے ابروؤں جنبش میں ہیں کانپے ہے جاں
یعنی ہیں آنکھیں جھپتیاں چلتی ہے تلوار اس قدر

شب نالہ دزاری رہے دن حتیٰ خواری رہے
وہ دل نہیں باقی رہا کھینچے جو آزار اس قدر

دے دل زدے ہیں خستہ جاں مر جاتے ہیں جواگماں
در نہ تضاکس شخص کی پہونچی ہے کبیر اس قدر

طرے سے طراری کرے مستی میں ہشیاری کرے
ایا نظراب تک نہیں طرار و عیار اس قدر

الفت کہاں کلفت ہے یاں یہ بھی عجب صحبت ہے میاں
بیزار وہ اس مرتبہ جس سے ہمیں بیمار اس قدر

تم آگے کب تھے بدگماں سب محبت و یکسر زباں
اب اک سخن پر مہرباں کرتے ہو تکرار اس قدر

آنکھیں کھلی ہیں میر کی جب دیکھو تب آئینہ ساں
آدم نہیں ہوتے کہیں مشتاق ویدار اس قدر

کہ قدر ان کی جوں قدر باقوت ناب
کہ ہر شے کا ہے وقت لیل و نہار
ہمیں ساتھ اسکے ہے ربط تمام
چلے جاتے ہیں جو نہ ہو دے پناہ

بہا سنگ ریزوں پہ اس رنگ آب
لیے عمدے ہاتھوں میں دکھیں بہار
اسی آب کارا بتی یاں ہے نام
کنارے کنارے اسی کے ہے راہ

جہاں تک ہے آب و خراب جائینگے
جبل سے ہوئے ظاہر آنا ر آب
ہمیں پر نہیں کچھ ہوا کا ستم
کہیں ایسے سکرے ہیں حیوان دشت
نہ نکلے ہے ہاتھی نہ بولے ہے تیر
اسد بکطرف یوز کیسو رہے
نہ پوچھو ٹھنچا دور کار شکار
شکار افغاناں راہ کرتے تھے طے
نہ بیروں کو جنگل میں طاقت رہی
اسد بارے جاتے تھے سنگ کی سال
ملا ایک چقتر اگر یا گرٹھا
بہت شکلوں سے کیا ہے عبور

سب دیکھیں گے جو نظر آئیں گے
برسنے لگا قطرہ قطرہ سحاب
کہیں گرگ وادی کو بھی جو یہ غم
کہ ٹکڑے کرو تو نہ ہوں گرم گشت
کوئی یوز بکڑا ہے سو بعد ویر
عجب یہ ہے باندھے گئے اڑ رہے
تہ اب دشت و در میں نمر ہے نہ مار
لے جاتے تھے خاک میں دشت نے
نہ گمروں کو پانی میں نصرت رہی
بندھے آتے تھے یوز و گرگ و غزال
تو کثرت سے نو نیزہ پانی چڑھا
کہ یک گام راہ اور سو سو فقور

غزل بحر کامل میں تہ دار کہ
کہ اڑ جائے میرا سن بھرے کی تہ

غزل

نہ دماغ ہے کہ کسو سے ہم کریں گفتگو غم یار میں
نہ فراغ ہے کہ فقیروں سے لیں جائے دلی دیار میں
نہ چین میں جاتے رہا ہے دل نبوں میں پھرنے لگا ہوا
وہی بیکلی رہی جان کو رہے سیر میں نہ شکار میں
کہے کون صید رمیدہ سے کہ ادھر بھی پھر کے نظر کرے
کہ نقاب اٹے سوار ہے ترے پیچھے کوئی غبار میں
ترے شام خط کے قریب کی جو صفائیں کہیں میں خوبیاں
نہ سب میں یہ گل میں نظر پڑے نہ یہ رنگ صبح بہار میں
کوئی شعلہ ہے کہ شرارہ ہے کہ ہوا ہے یہ کہ تار ہے
یہی دل جو ہے کہ گریٹیکہ ہم تو گئے گلی آگ میں

جھکی کچھ کہ جی میں چھپی سبھی ملی ملک کہ دل میں چھپی سبھی
یہ جو لاک پلکوں میں اُسکے ہے نہ پھری میں نہ کٹا میں

مرے ایک دل میں جو غم یہ ہی سو فزون ہی میرے شمار سے
نہ تو دس میں یہ نہ پچاس میں نہ تو سو میں یہ نہ ہزار میں

بند تھے پائے فیلاں سے رو ہونے
بجیروں سے رو ہونکالے گئے
کہ ہاتھی پہ چڑھنے کی رخصت ہوئی
کہ جھینگوں نے کی شرح کشاف
دیے باز ہروں کو سارے کھلا
کہ بیچوں میں بے صیدا دھرا گئے
کہ بازوؤں نے چڑیا سے مار کھنگ
کہے تو بیا باں میں ہاتھی پڑے
تو وہ ایک دو کہ ہی لاتے شکار
قریب اسکے جان بہت دور تھا
نہ سو فیل دو چار رکھتے ہیں گھیر
پکڑ لاتے تھے لوگ تب زندہ فیل
اٹھا کرتے تھے لچے لٹھے ہم
کنارے پہ گرداب غرقاب تھیں
درختوں کا انبوہ نے کا اگاس
اسی بن میں گورو گورن اور رنگ
وہیں قوچ سرزن اسی میں ہرن
وہیں ایک دو ہم قلندر بھی تھے
اسی بن میں یہ صید بندی کا چاؤ
اسی بن میں نسائی اُن کے مرید
کیا اس سور بن نے لوگوں کو تنگ

بڑے جاؤر خوار کیا کیا ہوئے
بہت نالے کھولے پکھالے گئے
مگر کی پس از مرگ عزت ہوئی
کشف کا ہوا ہے یہ اوصاف اب
نہ تیر بٹسیر اور کہو تر ملا
کہیں بحری پانی میں یوں جا گئے
ہو این سے یوں کرتا رہے کلنگ
گسو اور ارنوں کو دیکھا کھڑے
جگر کر کے جاتے تھے مردان کار
وگر نہ بشر کا نہ مقدر تھا
نہ ان چار شاخوں کا روکش ہے شیر
مدو کار تھے حضرت زندہ فیل
بجیرہ نہ دریائے اعظم سے کم
ہر اک موج اس کی سمندر کی لہر
یہی جنگل اُس تھیل کے آس پاس
اسی بن میں شیر اور یوز و پلنگ
اسی بن میں ہاتھی وہیں کرگدن
اسی بن میں لنگر بندر بھی تھے
اسی بن میں پاڑھا وہیں نیل کاؤ
اسی بن میں تھے حضرت بوحمید
اسی بن میں تھے خوک جاموش رنگ

وہیں شام کا ٹخن لطف چکاہ
ہوئے صید بوی و بھری بہت
رہنیکن نہ کھاتا تھا ہو کوئی سیر
کہ جوں آب شمشیر دم دار تھا
شکاری سگ ان کو اچک لگے

اسی بن میں رہنا اسی بن میں راہ
اسی بن میں وہ بھیل گہری بہت
وہیں پھلی بکتی تھی دمڑی کی سیر
کہ اس آب کا ہضم دشوار تھا
شغال اور خرگوش جی سے لگے

غزل سے لگا ہے بہت میر دل
کہ اس شنوی میں کہیں متصل

غزل

بیٹھے نہیں بنتی میاں کچھ تو کیا چاہیے
گر یہ دشور و فغاں کچھ تو کیا چاہیے
چلنے کو ہے کار داں کچھ تو کیا چاہیے
وہ بھی لگا کہنے ہاں کچھ تو کیا چاہیے
لطف و غقب مہرباں کچھ تو کیا چاہیے
کیا کریں ہم نا تو اں کچھ تو کیا چاہیے
چلتی ہے اب تک زباں کچھ تو کیا چاہیے
وقت گیا پھر کہاں کچھ تو کیا چاہیے
نفع ہو پھر یا زیاں کچھ تو کیا چاہیے
کچھ نہ کیا ہائے میاں کچھ تو کیا چاہیے
پاس دل دوستاں کچھ تو کیا چاہیے
میری بھی خاطر نشاں کچھ تو کیا چاہیے

ہے گی طلب شرط یاں کچھ تو کیا چاہیے
عشق میں اسے سہراں کچھ تو کیا چاہیے
ہاتھ رکھے ہاتھ پر بیٹھے ہو کیا بیخبر
میں جو کہا تنگ ہوں مار مردوں کیا کروں
سون کسے رہنے کی کس نے بدی ہے بھلا
کام اب اپنا ہے یاں کس دن جاں ہزراں
کیا کروں دل غول کروں شہر ہی مزدوں
ہو نہ سکے گر نماز دل کی طرف کر نیاز
چاہوں کسو سے دعا دل کی کروں اب دوا
عمر گئی لنو سب وقت بہت کم ہے اب
یہ تو نہیں دوستی ہم سے جو تم کو رہی
تو نے کہاں کی ہے زہ پر ہوش یوں صید میں

میر نہیں پیر تم کا ہلی اندر سے
نام خدا ہو جو اں کچھ تو کیا چاہیے

سراسر ہری جوں زمر زنگیں
کہ یک دست واقع لب آب تھی
وہیں دام رستہ تھے اکثر پڑے

کنارے پہ تھی اسکے اک گل زمین
جہاں تک نظر چائے شاہ آب تھی
وہیں خیمے سب کے ہوئے تھے ٹھٹھے

وہی سیرگاہ وہی دام گہ
مقام ایسے ہو دیں تو کرے مقام
فلک مسائے تھا فرق اس آب کا
ہوئے جیسے شائستہ سیر نر
کہ دیں چھوڑنا دین دیے بھر کے سب
لے جیسے عاشق کی جھاتی کے داغ
پرے سطح پانی کا آئینہ وار
چراغوں سے مروجوں کے کوچے بھر
حبابی تھا آئینہ سب سطح آب
دلوں سے وہ پھیلاؤ پانی کا سب
لگا دی ہے گویا کہ پانی میں آگ

نواڑوں کی سیر اس میں ہر شام گہ
وہیں صید ہوں مرغ و ماہی تمام
ہوا تھیمہ آکر جو نواب کا
ہوا ہوتاواں کاش و دواب نہ
عجب ڈھب سے کی روشنی عجب
جدا ہو دیں تو غنچہ غنچہ حیدر غ
درے روشنی سلسلہ انگیز نار
ہوئیں کشتیاں کچھ درے سے پرے
حبابوں میں تھی جو چراغوں کی تاب
نمودار چرخ پر انجم تھی شب
غرض روشنی کی عجب کچھ تھی لاگ

غزل میر کوئی کہا چاہئے
کسو تو زمیں پر رہا چاہئے

غزل

ہمارے تو سر پہ بھی ہے قیامت
کہ تھوڑا بہت یاں ہے وقت اقامت
نہیں اب تو بندے سے صاحب امت
کھلے رکھ گلستان میں بند قیامت
غزال حرم نے اٹھائی ملامت
کسو بونفا سے دل اپنا لگامت
رہے گی یہیں دیر اس کی ندامت
کہ چہرے کی زردی بڑی ہو علامت

کب آدے نکا کیا جانے وہ سرفقت
نماز سفر ہے اشارت اسی سے
رہا رابطہ غارت دل ملک بس
گر بیاں کو گل چاک کرنے لگیں گے
اٹھا کر نہ یک زخم شعیر اس کا
بگڑتی ہے صورت علاقے سے دل کے
کوئی فصل گل میں بھی تو بکرے ہر
کہیں دل کی لاگیں لگی چھتیاں ہیں

گئی سو گئی پیشتر تھی جوانی
رہ عشق میں میرا کتہہ جامت

امید اس سے ہے نام رہنے کی کچھ

زبانے میں ہے رسم کہنے کی کچھ

کہ محمود کا لوگ کرتے ہیں ذکر
دل شاعراں رشک سے ہے دوزیم
ہوا کوئی کھانے سے ہم داستان
کے صید نامے بہت بے نظیر
گئے پر بھی لوگوں میں مذکور ہو
سغنور نواز اور عاشق ہنر
وزیر ابن دستور ابن وزیر
کھن جو رخورشید ساز و نشان
ہمہ تن مروت سرا سر گرم
یہ حرف و حکایت بھی بربادگار
سخن آگے موقوف چکے رہو
کہ اللہ بس اور باقی ہو بس
خدیو ار لمیکن نہ پایا گیا

کسو سے ہوئی شاہ نامے کی فکر
گیا شبہ جہاں نامہ کہہ کر کلیم
کنھوں نے کسی عشق کی داستان
پے آصف الدولہ میں نے بھی میر
مگر نام نامی یہ مشہور ہو
زہے آصف الدولہ وادگر
دش سے جہاں اُسکے رونق پذیر
گر بھی کرے تو جہاں در جہاں
سرا پائے احساں تامی ہضم
ہمیشہ رہے گرم سیر و شکار
قفائے غزل اک رباعی کو
بہت کچھ کہا ہے کرد میر بس
جو اہر تو کیا کیا دکھایا گیا

متاع ہنر پھر لیکر چلو
بہت لکھنویں رہے مگر حلو

غزل

مگر و تامل کہ حال ہم میں رہا نہیں ہے غموں کے بلے
جو کچھ بھروسہ جنھوں پہ تھا سو شکست تاباں سدا ہے

ہوئے ہیں غائر قیامت اب تو گئے جگر تک گئے ہیں تک
جو تک بھی دیکھے وہ غور سے تو جرات اسکو دکھائیں سارے

ہماری آنکھیں نہیں ہیں اتنی کہ اب ہے دریا محیط عالم
کہیں کہیں جو رہیں ہیں مردم سو بیٹھے ہیں کیے کنارے

کریں نخل سوکا ہے پر ہم مدام بخود ہمیشہ غش ہے
کسی ہے طاقت دلوں سے شاید نہیں ہے آیا جگر تارے

<p>کبھو سروں پر ہے تیغ ناکہ کبھو سنانِ فغاں جب گھر پر کسو سے کہنے کا کچھ بھی حاصل گئے ہیں جوں توں کے قوت بائے</p>	
<p>بھری تھی آتش کہاں کی یارب دل و جگر میں کہ نصف شب کو لگا جو روئے تو جائے آنسو مری مژدہ سے گرے شرارے</p>	<p>قبول عشق و محبت اتنا ہوا ہے اے میر سیر قابل مراں جاتے دکھائی دوں ہوں کبھو نہ اُن نے کہا کہ آرسے</p>
<p>رباعی</p>	
<p>ل چلنے کے اتفاق بہتیرے پڑے آیا نہ رہے راہ میں ہم دیر کھڑے</p>	<p>چلنے کو ہوئے بادِ یے سے ہم جوڑے بجنوں نے کہا تھا میں بھی آتا ہوں میر</p>

مثنوی ساقی نامہ

جو سب میں ہوا ہے جلوہ پرداز
ہستی کا نشہ اسی سے پایا
طاری ہوئی اُس پہ زبردستی
خورشید ہے اُس کا لبِ پرورد
پھر جائے ہے جسکے ساتھ گردوں
آخر ہے وہی وہی ہے اول
ہے دور سپہر گردشِ جام
بے نشہ جو ہو دے تو ستم ہے
وہ رفتہ ناز ہے صنم میں
روشن ہے تمام خانہ اُس سے
صبا میں جو دل خوشی ہے وہ ہے
گل دیدہ نیم باز اس سے
وہ ہے کہ جسے ہمیشگی ہے
آتی ہے صدا اُسی کی نے میں
وہ مست گزارہ و سر انداز
ہر جلوہ سے دل کو شاد رکھ تو
ہر لحظہ اُسے سجد میں ہے
جیتا رہے کوئی دن تو خوش جی
مینائے دل اورے سے بھرے
چو لے ہیں چمن میں گل خراں

ہے قابلِ حمد وہ سر انداز
اُسکوئے حسن نے چھکایا
پی اُن نے شراب خود پرستی
وہ مست شراب ناز ہے فرد
ہے گردشِ چشم اس سے افسوں
ظلمت ہے دلی کی تجھ سے احوں
عالم ہے قرائے سے فام
مشہور جہاں جو کیفیت و کم ہے
وہ مست نیاز ہے حرم میں
ہے آبِ رخ زمانہ اُس سے
مینا میں جو سرکشی ہے وہ ہے
شمشاد ہے سرفراز اس سے
خوگر اسے ناز پیشگی ہے
جو عکس پڑا ہے جامِ مے میں
ہے جلوہ گری میں یاں بعد ناز
سورنگ ہیں اُس کے یاد رکھ تو
عالم میں جو کچھ نمود میں ہے
کر یاد اُسی کو اورے پی
اب روئے سخن چمن کو کرے
آئی ہے بہار سے گساراں

ہے لطف ہوا سے گل بداماں
ہے توبہ بادہ دل پریشاں
کرتا ہے لوائے سینہ افکار
مجھ کو بھی ہراسے سیرلالہ
معدور رکھ اب ہمارا آئی
دامان بلند ابر تر ہے
تکلیف کی منتظر دھری ہیں
اک جہرہ شراب دے ہوا ہے
چمکے ہے ہوا سے رنگ مئے کا
ہر پھول شراب کا ہے پیالہ
آب رخ کار سبز پوشاں
تکلیف ہوائے گل شمع ہے
اٹھتے ہیں بصد سیاہ مستی
رنگ گل ولالہ زور چمکا
بلبل کا دماغ بوکشی میں
نرگس ہے کسوی نرگس مست
بھو میں ہیں نہال جوں شرابی
لوٹے ہے روش پہ سبز تر
یعنی کہ ہے دور اب سیو کا

آئی ہے ہمارو ہر خیاں
آئی ہے ہمارو ہر تکیشاں
آئی ہے ہمارو مرغ گلزار
لایا ہے بندو اس کا نالہ
ساتی جو کروں میں بے ادائی
گل باد صبا کے تاکر ہے
غنجی کی گلابیاں بھری ہیں
ظالم مئے ناب دے ہوا ہے
ہر سر میں ہے شور فصل دے کا
اطراف چمن کھلا ہے لالہ
اتما ہے چمن پہ ابر جوشاں
تحریک نسیم دمبدم ہے
ابروں نے بھی کی ہے پریشی
بوندوں کا جو لگ رہا ہے جھمکا
ہے گل کی ہوا سبو کشی میں
ہر شاخ ہے شوح جام دردست
ہے رنگ ہوا کا آفتابی
ہے سرو جوان نشہ در سر
چشمک کرے ہے حباب جو کا

ساتی تدھے کہ ذوق مل ہے
مطرب غزلے کہ فصل گل ہے

غزل

جانا یہ کہ آفتاب نکلا
جس سے کہ ترا حجاب نکلا
آنکھوں سے ہو خون ناب نکلا

شب وہ جو پیے شراب نکلا
قربان پیالہ مئے ناب
تجھ بن جو پیا تھا قریطے کا

مستی میں شراب کے جو دکھا
شیخ آنے تو میکہ سے میں آیا
ایک جرعه شراب ہی میں واعظ
عالم یہ تمام خواب نکلا
پر ہو کے بہت خراب نکلا
ہر مسخرگی کا باب نکلا
تھا غیرت بادہ عکس گل سے
جس جوئے چین سے آب نکلا

ہو صرف شراب کاش ساقی
بے ساغرے خنک ہے جینا
لا بادہ کہنہ سال تو ہے
دروازہ میکہ کھلا ہے
اینڈ ہے ہر ایک مست جو تاک
ہر منہجہ حجام زیر سر ہے
مستی بنگاہ غفلت دشمن
کہتے تھے صاحب کرامات
جو لوگ کہ اس جگہ سے اٹھے
یاں پیتے ہیں جام بخودی کا
مستی سے ہر ایک صبح صد بار
ہے قابل سیر خسرتہ پوشاں
ان لوگوں کی ہر کینہ صف میں
ہر کو چہ میں رہتی تھی منادی
از خود شدن اک مقام ہیگا
گو پر ہے یہ دور پر کہاں تک
بخود ہو کہ یہ حجاب اٹھے
پوچھیں ہیں فنا کو بخودی سے
پی جبرعہ و ہوش کو دعا کہہ
جوشش میں ہے بادہ کہن سال

یہ شیشہ عمر ہے جو باقی
رکھتا ہے شگول شراب پینا
ستجادہ بھی بابت گرو ہے
ہر پرو جواں کو القلا ہے
لیتے نہیں نام داسن پاک
ہر گوشے میں عالم دگر ہے
خوبی خدام مردانگن
ہم ہی نہیں قابل خرابات
کب حلقہ و خانقہ سے اٹھے
ہے دور تمام بخودی کا
خورشید کا سر ہے اور دیوار
دریادلی شراب نوشاں
کشتی ہے شہ و گدا کی کف میں
تاریم خردوری اٹھا دی
وہ مرتبہ یاں مدام ہے گا
اک لغزش پا ہے یاں سے دان تک
دل یاں سے کہیں شتاب اٹھے
پاتے ہیں خدا کو بخودی سے
ہر بادہ فروش کو دعا کہہ
عبرت ہو جسے خوش سکا احوال

اب دل میں مرے بھی جوش آیا
 کھینچوں میں کہاں تلک دم سرد
 وہ داروے درد بے حضوراں
 سرمایہ عمر حبا ودانی
 وہ میوہ خوش رسیدہ بارے
 آئینہ حسن خود پسنداں
 وہ رنگ رخ بہار یعنی
 یا قوت گداز دادہ عشق
 وہ لطف ہوا وہ سیر مستاب
 وہ کام دل سپو بدوشاں
 وہ موجب دل خوشی کہاں ہے
 وہ جس کی طرف سے تہ دل
 وہ آتش تیز آب آمینہ
 وہ مقصد جان نامیداں
 وہ رونق کار گاہ شیشہ
 وہ جس سے ہے تو بہ موریشاں
 وہ دامن خشک جس سے چل جائے
 وہ سرخی چشم خوب رویاں
 وہ دہر خود سرد شراب میں
 وہ جس سے غبار دل سے دھو لے
 مستی کی مجھے بھی خواہشیں ہیں
 لا اُس کو جو آستین جھاڑوں
 بیہوش شراب ناب رہیے
 ہے مستی بخودی ضروری
 دل غم سے بھرا ہے زور میرا

اب وقت وداع ہوش آیا
 ساقی وہ شراب شعلہ پرورد
 وہ مایہ نور چشم کو راں
 یعنی ہے وہ آب زندگانی
 وہ عیش دل گزیدہ بارے
 زمیت وہ عنبرین کنداں
 وہ بادہ خوشگوار یعنی
 یعنی وہ ہے جام بادہ عشق
 وہ شعلہ غوطہ خوردہ در آب
 یعنی کہ وہ ہے شراب جوشاں
 وہ داروے بے ہشی کہاں ہے
 یعنی وہ ہے ماہ شیشہ منزل
 وہ عریضہ جو وہ فتنہ انگیز
 وہ رو سیہی رؤسیداں
 وہ شوکت بارگاہ شیشہ
 وہ جس سے ہو گفتگو پریشاں
 ثابت قدموں کا پاؤں چل جائے
 اسباب خوابی منکویاں
 وہ رہ زن راہ دین وائیں
 مینا کے گلے سے لگ کے روؤں
 اس عقل سے دل کو کاہشیں ہیں
 پھر ہاتھ چلے تو جیب پھاڑوں
 یوں تا بہ کجا کباب رہیے
 کھل جائے مقام بے شعوری
 تاعرش گیا ہے شور میرا

<p>ہے دل میں کہ گل کی اور رو ہو ہر گام پہ لغزش قدم ہو جب سجدہ کناں ہوں صبح خیزاں جب نکلے ستارہ سحر گہ ہے ذوق شراب صبح گاہی جب ہووے نشہ ترنگ آئے شیشہ مرے منہ کو تو لگا دے جب بخود ہی تمام آوے رخصت ہے تجھ کہ میں نہ ہوں گاہ بیٹھا تو کر دوں گناہ شکر تیرا</p>	<p>شیشہ ہو نعل میں اور تو ہو تکلیف شراب دس دم ہو جب کا کل صبح ہو پریشاں گر نعرہ الصبح یک رہ بے لطف نہیں ہے رو سیاہی مستی مجھے باغ میں ٹاؤے گر ایسی نگاہ جو چھکاوے سر پر مرے ہوش روکے جائے بیہوش دُخرو ہی پھر رہوں گاہ ہو ورنہ قبول عذر میرا</p>
--	--

مقولہ شاعر

<p>کیا میر شراب تو نے پی ہے یا اب سیہ ترے قلم نے تو کا ہے کو اتنا ہرزہ گواہ تھا بس نے سے زبان اب نہ تر کر</p>	<p>بیہودہ یہ گفت گو جو کی ہے یہ تجھے عجب کیا ہے تم نے کب در گرد شراب تو اٹھا مستی سخن یہ ملک نظر کر</p>
--	--

ہے نشہ سامعہ دو بالا
پھر حرف نہ جائے گاہ سنبھالا

مثنویات جذبات عشق

میر تقی میر دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مثنوی شعلہ شوق

نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور
محبت سے آتے ہیں کارِ عجب
محبت سے خالی نہ پایا کوئی
محبت سے سب کچھ زمانے میں ہے
محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں ارغ
دلوں کے تیں سوز سے ساز ہو
محبت ہے گری آزارِ دل
محبت بلائے دل آویز ہے
کہ عاشق سے ہوتی ہیں جانبازیاں
محبت نہ ہو دے تو پھر ہے دل
کلی کے دل تنگ میں بھی ہر جاہ
محبت میں جی نعت کھو بیٹھے
محبت سے ہے تیغ و گردن میں لاگ
محبت سے گردش میں ہر آسماں
محبت سے ہو ہو گیا ہے جنوں

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہر نور
محبت سبب محبت سبب
محبت بن اس جانہ آیا کوئی
محبت ہی اس کارخانے میں ہے
محبت سے کس کو ہوا ہے فراغ
محبت اگر کار پر داز ہو
محبت ہے آبِ زرخ کارِ دل
محبت عجب خوابِ خوریز ہے
محبت کی ہیں کار پر دازیاں
محبت کی آتش سے اٹھ رہے دل
محبت کو ہے اس گلستاں میں راہ
محبت ہی سے دل کو رو بیٹھے
محبت لگاتی ہے پانی میں آگ
محبت سے ہے انتظامِ جہاں
محبت سے روتے گئے یارِ خون

محبت سے ہو جو وہ ہرگز نہ ہو
 محبت سے بلبل ہے گرم فغاں
 اسی کے لیے گل ہے سرگرم ناز
 زمین آسمان سب میں ہر نیشہ فوق
 دلوں میں محبت سے اٹھتے ہیں درد
 کھپی جان فریاد اس عشق میں
 کیا اس سے لیلیٰ نے خیمہ سیاہ
 تل اس عشق میں کس طرح سے ہوا
 دمن کا بھی احوال مذکور ہے
 سب اس عشق کو عشق کہتے تھے
 یہی درد کی جان نو مید میں
 کتاں کا جگر ہے سرا سر نگار
 گمے شکر کا ہے شکایت سنی
 اسی فتنہ گر کا ہے عالم میں شور
 نہ ہو اُس سے آشوبِ معشیاں
 کہاں خون سے غارہ کاری نہ کی
 غرض ہے یہ اعجوبہ روزگار

محبت سے آتا ہے جو کچھ کہو
 محبت سے پروانہ آتش بجاں
 اسی آگ سے شمع کو ہے گداز
 محبت ہی ہے تخت سے تابع فوق
 محبت سے یاروں کے ہیں رنگ زرد
 گیا قیس ناشاد اس عشق میں
 ہوئی اس سے شیریں کی حالت تباہ
 مٹا ہو گا دامن پہ جو کچھ ہوا
 جو عذرا پہ گزرا سو مشہور ہے
 ستم اس بلا کے ہی سہتے تھے
 اس آتش سے گرمی ہو خوشیدیں
 اسی سے دل ماہ ہے داغدار
 نئے اسکے چرچے حکایت سنی
 اسی سے قیامت ہے ہر چارادر
 کوئی شہر ایسا نہ دیکھا کہ داں
 کب اس عشق لے تازہ کاری کی
 زمانے میں ایسا نہیں تازہ کار

آغاز قصہ

عجب اہل عالم کو جس سے ہوا
 خوش اندام و خوش قامت خوش خرام
 گلستاں پہ کام اُسکی خوبی سے تنگ
 چلے جائیں جی خوش نمائی کے ساتھ
 قد بوس کو آتی عمر دراز
 قیامت اُدھر سے نمودار ہو
 کہے تو کہ اودھر کو بجلی پڑی

عجب کام پٹنے میں اس سے ہوا
 کہ داں اک جواں تھا پر سرام نام
 جوانی کے گلشن کا وہ آب و رنگ
 جدھر نکلے رنگیں ادائی کے ساتھ
 کھلے بال چلتا تھا وہ مردانہ
 جدھر کو وہ ٹپک گرم رفتار ہو
 کچھ گرم اُس کی جدھر جا لڑی

وے کافر بھویں ہودیں بال جہاں
 نگہ تیغ مجروح جس کے پڑے
 سیہ چشم اُسکے دو بدست تھے
 رخ اُسکا کساں اور مہ و خور کماں
 دلب لعل کو جن سے شرمندگی
 دہن کی جو تنگی نظر کیجیے
 نہ ہم تم زرخ دیکھ حیراں رہیں
 سراپا میں اُس کے جہاں دیکھیے
 خراں نکلتا وہ جس راہ سے
 فدا اُس پہ جی جان ہر ایک کا
 کئی گرد و پیش اُسکے وارفتگاں
 بہت رفتگاں اداے کلام
 کوئی کشتہ شوق رفتار کا
 کوئی والہ خندہ برق دیش
 کسو کی نظر میں کمر کی لچک
 کئی حیرتی طرز گفتار کے
 کوئی زلف سے اُسکی مجنوں رہے
 کوئی دل شمشاد اک نگاہ
 کسو پر فسون گردش چشم کا
 کوئی دست بردل کوئی بقرار
 انھوں میں سے اک عاشق زار تھا
 محبت میں تھا جذب کامل اُسے
 شب و روز ہم بستر کام دل
 دم اُسکے میں بھاں تک تاثیر تھی
 ہم ربط چسپاں ہم اختلاط

کمر میں سجدہ اس جا پہ اسلامیات
 بگ ٹیل جوں دل میں جا کر گرے
 نگاہوں سے شمشیر دروست تھے
 تفاوت زمین آسماں کا ہے یاں
 دم حرف سرمایہ زر اندرگی
 تو آگے سخن مختصر کیجیے
 بھی دست زید ز غذاں رہیں
 وہیں ردے مقصود جاں دیکھیے
 قیامت تھی واں نالہ و آہ سے
 کہ مقصود دل تھا بد و نیک کا
 کئی ایدھر اودھر سب گرفتگاں
 بہت مبتلائے بلائے خرام
 کوئی نیماں ذوق ویدار کا
 کسو کے تین جنبش لب سے غش
 کسو کے جگر میں بگ کی کسک
 کئی آرزو کش تہ پر کار کے
 کسو کا بہم سے دل خوں رہے
 کوئی جاں ہو تھو پہ موت آہ
 کسو پر غضب غمزہ و خشم کا
 کوئی بے جبر کوئی بے اختیار
 اُس آفت کو اُس سے مرد کا رہا
 مراد دل اپنی تھی حاصل اُسے
 ہمیشہ ہم آغوش آرام دل
 کہ صحبت اس آتش سے دگر تھی
 نہ کم ہوتی گرمی نہ کم اختلاط

مرد کوئی غم سے کوئی ہو ملک
کہاں حسن میں تھا وفا کا یہ پاس
بہت سے بہت اُسکا مالوف تھا
کہ ناگہ وہ دبیر ہوا کہ خدا
زن و شو سے اخلاص باہم ہوا
بگاہیں بہم دل میں کاوش کریں
ہوا ربط چسپاں بہم اس قید ر
رہیں دونوں دست و بغل روز و
وفا نے جو تکلیف سہی ایک روز
کسی دن میں جا کر جو اس سے ملا
کہ اسے ناز نہیں آہ کن نے کہا
مگر سذرہ تھا کہو کا قریب
کوئی زلف زنجیر یا ہو گئی
طرح کس کی چٹون کی دل میں تھپی
کسو چشم نے تجھ کو حباد کیا
کہا اُن نے تھی کہ خدائی مری
رکھ اب مجھ کو مزدور ناچار ہوں
نہ فرصت مجھے صبح ہے اب نہ شام
اُسے بھی مرے ساتھ اخلاص ہے
اُسے مجھ سے ہے نسبت عاشقی
نہیں اُس کو یک لحظہ تپ فراق
تکلتا ہوں گھر سے جو میں ایک آن
نہ دیکھے جو مجھ کو تو مر جاوے وہ
جو پہونچے مری جھوٹھ اُسے بد خبر
غرض اُس کو تاب و تحمل نہیں

وہ شعلہ اُسی خس سے رکھتا تپاک
یہ سُننے کہ ہے گلا خلاف قیاس
اُسی کی تسلی سے مصروف تھا
ربا اپنے عاشق سے چندے جدا
اُس آشفہ سے رابطہ کم ہوا
سخن سے وفا میں تراوش کریں
کہ دشوار اُٹھے ہمد گہ سے نظر
کبھو مٹھ پہ مٹھ ہو کبھو لب لب
گیا اپنے عاشق کے وہ دل فروز
کیا اُس نے حد سے زیادہ گلا
کہ تو حال سے میرے غافل رہا
ملا کوئی تجھ سے بھی دشمن شکیب
کہ مسدود راہ وفا ہو گئی
جگر میں ملک شوخ کس کی چبھی
مرے جامِ عشرت کو لو ہو کیا
نہ تھی بے سبب یہ جدائی مری
محبت کا میں لو گرفتار ہوں
طرف اُس کے ہے دل کو میل تمام
دلوں کو بہم رابطہ خاص ہے
وہ رہتی ہے بے طاقت عاشقی
جدائی مری اُس پر گزرے ہر شاق
تو پاتا ہوں جا کر اُسے نیجان
وہیں جی سے اپنے گزر جاوے وہ
تو کر بیٹھے بیچ اپنے جی کا ضرر
شکیبائی عجز بالکل نہیں

یہ سن کر کہا اُس دل افکار نے
 کہ مجھ کو نہیں تیری باتیں قبول
 وفاقن نے ان ناقصوں میں سے کی
 یہ ظاہر میں ہر چند ہوں رشکِ ماہ
 خدا مکر سے ان کے دے ہے خبر
 جہاں میں فریب ان کا مشہور ہے
 بے امتحاں عاقبت یک نفر
 مجھے غرق دریا ہوا پر سرام
 گیا تھا منہانے کو وقتِ سحر
 کیا موج دریا نے سر سے گزار
 وہ گیسو جو بکھرے تھے بالائے آب
 پھر میں تھیں جو دے آنکھریاں بیٹیں
 تمنا میں تھے جبکہ سب دل افکار
 نہ سمجھا وہ ناختم اسرارِ عشق
 کہا غرق دریا ہوا پر سرام
 کے تو کہ موجوں کو تھا انتظار
 گیا بیٹھ پانی میں ایسا شتاب
 کنارے پہ دریا کے اک شور ہے
 گرے ہیں کبھی آشنا آب میں
 کوئی سر پر اس غم سے ڈالے ہے خاک
 ہمیں داغ وہ در تر دے گیا
 سنا اُس کی ہمسرنے جب یہ سخن
 نگہ اک طرف در کے ایوس کی
 وہی بخود ہی رخصتِ جان تھی
 گری ہو کے بجان وہ درد مند

ستم کشتہ دوری یار نے
 یہ مکر زناں میں تو ان پر نہ بھول
 مواشوسے کسکا کہ وہ پھر نہ جی
 ولیکن ہیں باطن میں مارِ سیاہ
 نہیں اُن سے کوئی فریبندہ تر
 زبانون پہ مکر اُن کا مذکور ہے
 مقرر ہوا تاکہ جا اُس کے گھر
 ہوئی زندگانی کی صبح اُسکی شام
 سو ڈوبا وہ غور شید روشن گہر
 اٹھا طبع نازک سے اُس کے غبار
 سواب موج دریا کو ہے پیچ تاب
 سو دے گردِ شیل ب ہیں گردِ آب میں
 سو دریا کو آب ہے وہ یوس و کنار
 نہ سوچا وہ ناخبر بہ کارِ عشق
 ہوا کام اُس رشک بہ کا تمام
 کہ دست و بغل ہو گئیں ایک بار
 کہ گویا آب کا تھا حباب
 بحالِ خراب ایک جھور ہے
 کئی آتشِ غم سے میں تاب میں
 کسی نے کیا ہے گریباں کو چاک
 بہت آب یہ نا جبرائے شیا
 ہوا موج زن بھر رنج و محن
 دم سر دیکھینجا گیا ڈوب جی
 وہ اک دم کی تگویا کہ بہان بھی
 ہوا شور نوے کا گھر سے بلند

مولیٰ غم میں اس جلد تن ناز کے
 وہ آیا جو تھا دل پریشاں گیا
 خبر سے گیا اُس کئے زود تر
 کہ وہ رشک مہ امتحاں سے گئی
 مواسن پر سرام کے تیں مولیٰ
 اگرچہ نہ کچھ اُن نے مُنہ سے کہا
 یہ سن کر وہ نافہم حیراں ہوا
 گیا ہوش سنکر پر سرام کا
 اٹھا خود دے خود بے حواس
 لگا کئے اے مایہ زندگی
 کیا جلد رخت سفر تو نے بار
 نہ میری سنی کچھ نہ اپنی کہی
 زمیں پر سے آخر اٹھایا اُسے
 جب اُس کے پیکر پہ چھائی
 یہ سرگرم فریاد و زاری ہوا
 جگر غم میں یک نخت غوں ہو گیا
 گئے ہوش و صبر اسکے اکیبارگی
 سرا سبگی سے بگولا ہوا
 نہ جی کو تسلی نہ دل کو قرار
 کبھو یاد کر اُس کو نالاں رہے
 کبھو یاں کبھو داں بجاں خراب
 رہے گھر تو آشوب گہ وہ گلی
 کبھو متصل ہو ٹٹھ پیراہ سرد
 ہوئی رفتہ رفتہ جو وحشت زیاد
 کچھ اپنے بد و نیک کی سدھ نہیں

گئی جان ہمہ سخن ساز کے
 کہ اس واقعے سے پشیاں گیا
 جو تھا درپے امتحاں بے خبر
 محبت کے ناموس کو سے گئی
 مرے اک سخن میں قیامت ہوئی
 دیا جی و لے جی اسی میں رہا
 خجالت سے سرور گریباں ہوا
 دوانہ ہو عشق کے کام کا
 گرا اُس کے اس پیکر مردہ پاس
 مجھے مُنہ سے تیرے ہے شرمندگی
 نہ میرا کیا آہ ٹک انتظار
 مرے تیرے دونوں کے جی میں ہی
 لب آب جا کر حبلا یا اُسے
 محبت عجب داغ دکھلا گئی
 ہو اُس کی آنکھوں سے جاری ہوا
 رکا دل کہ آخر جنوں ہو گیا
 طبیعت میں آئی اک آوارگی
 پھرے اس طرح جیسے بھولا ہوا
 کف غم میں سر رشتہ اختیار
 کبھو ٹک جو بھولے توجیراں ہے
 وہی بقراری وہی اضطراب
 چمن میں جو لیجائیں تو بے کلی
 کبھو دست برد کہ دل میں ہر درد
 لگا بھانے سب سے وہ نامراد
 نکل جائے تنہا کہیں کا کہیں

کبھو جا کے صحرا سے لاویں اُسے
کبھو خاک ملتا ہے منہ پر کھڑا
سر شام اک روز دریا گیا
کنارے پہ رہتا تھا ایک دام دار
کہا اُسکی عورت نے اُس رات کو
تجھے فکر کچھ اب ہمار ہی نہیں
تراشبکو دریا میں پڑتا تھا دام
تو جاتا نہیں شب کو جس روز سے
نہیں طاقت صبر ہم کو تنک
وہ بولا کہ میں بھی پریشان ہوں
کہوں کیا کئی روز سے شام کو
کہ یک شعلہ تند پر بیج و تاب
کوئی دم تو رہتا ہے سر گرم گشت
ٹھہرتا جو ہے پھر کنارے پہ واں
یہ آتش مرے دل کی کیونکر بجھے
کیا عشق نے مجھ کو آتش کا باب
گیا وہ یہ کہہ سوئے آسماں
سنا حال شعلہ کا صیاد سے
ہوا شعلہ شوق دل سے بلند
گئی رات جوں توں ہوئی صبح
محبت نے کی اشتعال کہ وہ
جہان سے اُٹھتی تھی یہ آتش سلگ
بستم کناں واں یہ اُن نے کہا
چلو سیر گشتی کو ہنگام شب
ہوا سو ہوا یو نہیں تقدیر تھی

کبھو روتے دریا پہ پاویں اُسے
کہیں ہے خرابی میں بے سُدھر پڑا
ہوئی رات واں سے نہ آیا گیا
رہا رات اُسکے یہ قرب و جوار
نہیں تجھے جی چاہتا بات کو
تو جاتا نہیں شام سے اب کہیں
تو چلتا تھا یارے معیشت کا کام
معیشت ہے اندوہ جاں سوز سے
بہت دیر ملتا ہے نان و نمک
بہت تنگ دستی سے حیران ہوں
اُٹھاتا ہوں میں اس سب کا دم کو
فلک سے اُترتا ہے ترویکاب
کبھی سوئے دریا کبھی سوئے دشت
کہے ہے پر سرام تو ہے کہاں
عدم میں بھی میں نے نہ پایا تجھے
نہ چھڑکا مری آگ پر تو نے آب
رہے ہے تجھے رات دن خوب جاں
دھواں ایک اُٹھا جانِ ناشاد سے
رہا لوٹتا آگ میں جوں سپند
زیادہ ہوئی عشق کی تاب و تب
سراسیمہ آیا چلا اس جنگ
پھر اُسکے جگر کو لگی گھر کو گنگ
کہ کلفت میں غم کی بہت میں رہا
لب آب خالی کریں دل کو سب
جہاں سوز اُلفت کی تاثیر تھی

نہ ہوتے جو دیگر یاں متصل
 کیاں عقل کی اُن نے باتیں جو داں
 لگا کہنے یہ آرزو تھی مجھے
 سو یہ دن خدا نے دکھایا مجھے
 لذت سے ہوں تنگ شاہ ہیں سب
 نہ غفلت سے رو ہے جو کچھ میں کہوں
 نہ تقدیر کا میں نے سمجھا فریب
 ہوا اک سخن میں مرے یہ عجب
 کروں گا زبانہ میں جب تک عاش
 مقرر کیا ہے کئی دن سے یہ
 ہو اس میں ہے خوش تو ہوں میری رات
 دل پر کو خالی کریں گے ہمس
 ہوئے عاقبت سوئے دریا رواں
 کہ اک آگ سگی ہے واں یک کنار
 کسو اشتعالک کی ہے منتظر
 ہوئے ناؤ پر شام گہ جب سوار
 جہاں قفل ہو راہ دریا تو واں
 اسے سات لو تو بڑی بات ہے
 لیا آخر لا مرہمہ اُسے
 تنگ دور چلن کر کیا یہ سوال
 کہاں شعلہ سرکش آتا ہے یاں
 کہاں لے ہے دریا یہ اکدم قرار
 ٹھہرتا ہے کس جاوہ آتش افکن
 یہ صیاد سے تھا ہی محور سراغ
 کہ ہو کر فروغ اک سوئے آسمان

نہ ہوتی یہ آتش کبھو مشتعل
 وہ عاشق جو تھا در پئے امتحان
 کہ اک روز ہشیار دیکھوں مجھے
 سخن تیرے منہ کا سُنا یا مجھے
 گر قرار ہوں میں بحال عجب
 نہ قدرت اجل پر کہ مر بھی رہوں
 نہ جانا کہ اتنی ہے وہ ناشکیب
 خرابی کا تیری ہوا میں سبب
 رہوں گا اسی درد سے دلخراش
 کہ اُمندہ رہے تیری خاک رہ
 رہینگے لب ب ہی آج رات
 پھرینگے ترے ساتھ خوش کوئی دم
 نہ پیدا کسو پر یہ راز نہال
 محبت کیں میں ہے سرگرم کار
 جہاں سر کو کھینچا قیامت ہے پھر
 کہا اُن نے یاں ایک ہے دام دار
 کفایت ہے اُس گلبدن کی زباں
 کہ دریا میں پھرتا ہے اور رات ہے
 بٹھایا قریب اپنے یہ کہ اُسے
 مجھے ہے ترے حرف شب کا خیال
 کہ ہر بیچ و تاب آکے کھاتا ہیاں
 کہ ہر منتظر ہو کر ہے ہو گزار
 طرف کون سے ہو ہے گرم سخن
 جگمگ آتش شوق رکھتی تھی داغ
 نہڑنے لگا جیسے آتش بحال

کوئی دم میں دریا پہ آیا فرو و
 لب آب دو شعلہ جاں گداز
 پکار اکھاں ہے پر سرام تو
 کہ میں جہلہ تن آتش تیز ہوں
 بھڑکتی ہے جب آگ ل کی مرے
 مگر سوزش دل ہو کم آب سے
 سو یہ آب رکھتا ہے روغن کا کام
 یہ بیتاب سن کہ ہوا بقیہ راز
 ہوا ہندم اس آتش انگیز سے
 کہ میں ہوں پر سرام خانہ خراب
 مرے بھی جگہ میں یہی سوز ہے
 محبت تری برق خسر من ہوئی
 سخن مختصر کچھ وہ شعلہ چلا
 بہم گر محوشی سے یک جا ہوئے
 وہ شعلہ رہا ایک جا مشتعل
 یکا یک بھڑک کر وہ جلنے لگا
 کیا پاس پانی کے آ کر صعود
 پھر آگے نسو بہہ پیدا ہوا
 نصیر دار ہوا اہل کشتی تمام
 اٹھے ڈھونڈتے ہوئے ناصب و
 مجھسا یا کہیں اُس کو حیراں ہوئے
 جان ساد بولا کہ دوں میں نشان
 بستم کناں گ دو نوں ہوئے ہم سخن
 جلو سیر گشتی تو یاں سے بھی مد نظر
 ہوا سو ہوا یو غم سے پہلے ہی داغ

ہوا نیزہ بالا سبھوں کا نمود
 تڑپ کر بہت بازبان و راز
 محبت کا ٹنک و کیکہ انعام تو
 دل گرم سے شعلہ انگیز ہوا
 لب آب اتروں ہوں غم میں تم سے
 نکجے جی مرا اس تپ و تاب سے
 کیا عشق نے آہ دشمن کا کام
 سفینے سے اُتر ابد اضطرار
 کہا اُس بلائے دل آؤں سے
 مراد دل بھی اس آگ سے ہو کتاب
 یہی مجھ کو جلتا شب دروڑ ہے
 تری دوستی جی کی دشمن ہوئی
 کچھ اک اپنی جاگہ سے یہ دل جلا
 کہ گزری بھی مدت بھی تنہا ہوئے
 کہ تو تسلی ہوئے حبان و دل
 پھر ایدھر اُدھر پھرنے چلنے لگا
 رہی روشنی سبھی کوئی دم نمود
 نجانا کہ وہ شعلہ پھر کیا ہوا
 لگے کہنے باہم نہیں پر سرام
 کنارے پہ دریا کے نزدیک دور
 نہایت ہی خاطر پریشاں ہوئے
 گیا تھا سوئے شعلہ یہ نوجواں
 وہ شعلہ ہوا اس پہ آتش نکلن
 پھر آگے نہیں اُسکی مجھ کو خبر
 جلو اُس طرف کو جو نکلے سراغ

سڑ پتا تھا وہ شعلہ آکر جہاں
 بکارے بہت پر کہاں پر سرام
 کہ ہر گز کنھوں نے نہ پایا اسے
 اسی نیم کشتہ سے رکھتی تھی لاگ
 حجب طور کا وارغ یہ دے گیا
 کسی کو تحیر کسی کو عجب
 کوئی بر لب آب جانے سے تھا
 ندامت ہوئی یہ جسے متصل
 ہوا دوسرا اجرائے شگرف
 کنارے پہ بیٹھا تھا روتا ہوا
 تو یہ واقعہ کیا کردوں گابیاں
 کھ خاک ہو خاک میں مل گیا
 ہوئی شہر میں روسیا ہی مری
 لیے ساتھ جاتا مجھے کاشکے

سجئے مضطرب حال سارے رواں
 تلاش اُسکی کی اور لے لے کے نام
 محبت نے ایسا کھپا یا اُسے
 یقینی ہوا یہ کہ وہ تیز آگ
 لپٹ اُسکو شعلہ ہی وہ لے گیا
 پھرے خوار ہو ہو کے ناچار سب
 کوئی منفصل ساتھ آنے سے تھا
 خصوصاً وہ عاشق ہوا پر محفل
 نہ تھا اگلی بخت ہی سے روئے حرف
 تفکر کے دریا میں ڈوبا ہوا
 کہ پوچھیں گے جو اسکے والاندگاں
 کہوں کیونکہ کیا روہ جل گیا
 کھنچی جرم کو بے گنا ہی مری
 وہ شعلہ جلاتا مجھے کاشکے

مقولہ شاعر

وے میر یہ عشق ہے بد بلا
 بہت گھر لٹائے ہیں اس عشق نے
 جلانے ہیں اس تند آتش نے شہر

اگر ہے یہ قصہ بھی حیرت فزا
 بہت جی جلانے ہیں اس عشق نے
 فسانوں سے اسکے لبالب ہے دہر

محبت نہ ہو کاش مخلوق کو
 نہ چھوڑے یہ عاشق نہ معشوق کو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مثنوی دریاۓ عشق

ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال
کہیں سینے میں آہ سرد ہوا
کہیں سر میں جنون ہو کے رہا
کہیں ہنسنا ہوا جرات کا
گہہ پنگا چسپاں کا پایا
یاں تبسم ہے زخم تر کے بیچ
کہیں یہ خوشچال شکایت ہے
ہے کس لب پہ ناتواں اک آہ
ہے کس خاطر دہ کی غمناک
کہیں موجب شکستہ رنگی کا
سوزش سینہ ایک جاگہ تھا
کہیں اندوہ جاں گزار ہوا
تھا کس مضطرب کی بیخوابی
کس محل کی رہ کی گروہ ہوا
بیتوں میں شرارت پیشہ رہا
کہیں تیغ و گلو میں رکھی لاگ
کبھو قمری کا طوق گردن تھا
کوئی دل ہو کے پارہ پارہ ہوا

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال
دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا
کہیں آنکھوں سے خون ہو کے بہا
کہیں رونا ہوا ندامت کا
گہہ نمک اُس کو داغ کا پایا
واں طہیدن ہوا جگر کے پیچ
کہیں آنسو کی یہ سرایت ہے
تھا کسی دل میں نالہ حب اکاہ
تھا کس کی پلک کی غمناکی
کہیں باعث ہے دل کی تنگی کا
کہیں اندوہ جان آگہ تھا
کہیں عشاق کی نیاز ہوا
ہے کہیں دل جگر کی بیابانی
کس چہرے کا رنگ زرد ہوا
طہر پر جا کے شعلہ پیشہ رہا
کہیں نے بست کو لگا لی آگ
کبھو افغان مرغ گلشن تھا
کس مسلخ میں جاقنارہ ہوا

ایک محفل میں جاسپندی کی
ایک لب پر سخن سے خون آلود
اک سہیں میں جگر کی کاہش تھا
کہیں رہتا ہے قتل تک ہمراہ
انتظارِ بلا نصیبیاں ہے
کہیں نوحہ ہے جان پر غم کا
درد مندی جگر نگاروں کی
بلکہ یاس مہر کشیاں ہے
شوق کی یک نگاہ تھا یہ کہیں
ڈوبا عاشق تو یار بھی ڈوبا
کہ نہ یار اُس کا پھر جہاں سے گیا
اں یہ نیرنگ ساز بکا ہے
ہے وہ مہمان چند روزہ غریب
کہ وہ ناچار جی سے جاتا ہے

ایک عالم میں درد مندی کی
ایک دل سے اُٹھے ہے ہو کر درد
اک زمانے میں دل کی خواہش تھا
کہیں بیٹھے ہے جی میں ہو کر چاہ
خار خارِ دل غسریاں ہے
کہیں شیون ہے اہل ماتم کا
آرزو تھا اُسیداروں کی
نہک زخم سینہ ریشاں ہے
حسرت آلود آہ تھا یہ کہیں
کشش اس کی ہے ایک اعجب
کون محروم وصل پاں سے گیا
کام میں اپنے عشق بکا ہے
جسکو ہو اُس کی التفات نصیب
ایسی تقریب ڈھونڈھ لاتا ہے

آغاز قصہ جانگداز

لالہ رخسار و سرو بالا تھا
دل وہ رکھتا تھا موم سے بھی نرم
اُس رکھتا تھا وضع دلکش سے
رہ نہ سکتا تھا اچھی صورت بن
صورتِ حال اور ہو جاتی
رہتا خمیازہ کش ہی لیل و نہار
دیکھتے اُس کے حال کو درہم
دل سے بے اختیار کرتا آہ
عشق ہی اُسکے آبِ دگل میں تھا
داشکیا رہے تھا بے محبوب

ایک جا اک جوان رعنا تھا
عشق رکھتا تھا اُس کی بھاتی گرم
شوق تھا اُسکو صورتِ خوش سے
تھا طرحدار آپ بھی لیکن
کوئی ترکیب اگر نظر آتی
دیکھتا گردہ کوئی خوش پر کار
زلف ہوتی کسو کی گر برہم
دیکھتا گر کہیں وہ چشم سیاہ
سریں تھا شورِ شوقِ دل میں تھا
الغرض وہ جو ان خوش اسلوب

سیر کرنے کو باغ میں آیا
 کہیں سبزے میں ایک دم ٹھہرا
 ایک سائے تلے سے رو نکلا
 نہ تھا چشم تر سے خون ناب
 ہر شجر کے تلے بہت سارو
 ٹھنڈے کیا اُن نے جانب خانہ
 راہ چلنے میں خیال درہم تھا
 آفت تازہ سے دوچار ہوا
 تھی طرف اُسکے گرم نظارہ
 پھر نہ آئی اُسے خبر اُس کی
 وہ نظر ہی و دایع طاقت تھی
 صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ
 تاب و طاقت نے بے وفائی کی
 مضطرب ہو کے خاک پر یہ گرا
 بی طرح ہووے گو کہ حال اُس کا
 اُٹھ گئی سانے سے یکبارہ
 خاک میں مل گئی وہ رعنائی
 رنگ چہرے سے کمر چلا پرواز
 چاک کے پھیلے پاؤں دامن تک
 اشک نے رنگِ خوں کیا پیدا
 داغ نے آجگر کو آتش دی
 درد کا گھر ہوا دل بیمار
 جاں تننا کش ہنگام ہوئی
 تا اُسید ہی کے ساتھ ہی سر کی
 رابطہ آہ آتشیں کے ساتھ

ایک دن بے کلی سے گھبرا یا
 کسو گل پاس وہ صنم ٹھہرا
 اک خیابان میں سے ہو نکلا
 نہ تسلی ہوا دل بیتاب
 دل کی واشد سے بے توقع ہو
 دیکھ گلشن کو نا اُمیدانہ
 دل کے رکنے کا اُسکو اک غم تھا
 ناگہ اُس کو چہ سے گزار ہوا
 ایک غرنے سے ایک مہ بارہ
 پڑ گئی اُس پہ اک نظر اُس کی
 تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی
 ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
 بے قراری نے کج ادائی کی
 ٹھنڈے جو اُس کا طرف سے اسکے پھرا
 وہ تو رکھتی نہ تھی خیال اُس کا
 بھاڑ دامن کے تئیں وہ مہ بارہ
 وہ گئی اُس کے سر بلا آئی
 دل پہ کرنے لگا طعید ناز
 ہاتھ جانے لگا گریباں تک
 طبع نے اک جنوں کیا پیدا
 سوزش دل نے جی میں جاگہ کی
 بستر خاک پر گر اوہ زار
 خاطر افکار خار خار ہوئی
 اُسکے ٹھنڈے پر پڑی جو اسکی نگاہ
 ہو ہوئی نا اُمید حسریں کے ساتھ

ہونٹھ سوکھے تو خون تاب ملا
 خلق اُس کی ہوئی تماشا
 کچھ کہا اگر کسو نے شفقت سے
 جا کے اُس کے قریب در بیٹھا
 دل نہ سمجھا کہ اضطراب کیا
 جو کہ سمجھے تھے اُس کو دیوانہ
 عاشق اُس کو کسو کا جان گئے
 کیونکہ باہم معاش تھی سب کی
 وارث اُس کے بھی بد گمان ہوئے
 مشورت تھی کہ مار ہی ڈالیں
 پھر یہ ٹھہری کہ ہونگے ہم بدنام
 کیا گنہ تھا کہ یہ جواں مارا
 ہووے یہ خون خضہ گر بیدار
 کیجیے ایک ڈھب سے اسکو تنگ
 قسمت ضبط رکھیے اُس کے سر
 دے کے دیوانہ اُس جواں کو قرار
 ایک نے سخت کہہ کے تنگ کیا
 ایک آیا تو ہاتھ میں شمشیر
 کی اشارت کہ کو دکان شہر
 گر چہ ہنگامہ اُس کے سر پر تھا
 موٹھا اُس کے یہ خیال کئے بیچ
 ہونٹھ پر محسن کا بیان اُس کا
 ایک دم آہ سر و بھر اٹھنا
 جی میں کہتا کہ آہ مشکل ہے
 دوست کو میرے نام سے ہر تنگ

خواب و خور و دونوں کو جواب ملا
 پر نہ وہ دیکھنے کہہو آئی
 رو دیا اُن نے ایک حسرت سے
 قصد مرنے کا اپنے کر بیٹھا
 شوق نے کام کو خراب کیا
 رحم کرتے تھے آشنا یا نہ
 سب بڑا اس ادا کو مان گئے
 ایک جا بود و باش تھی سب کی
 درپے دشمنی جان ہوئے
 دفعتاً اُس بلا کے تئیں ٹالیں
 سن کے آخر کہیں گے خالص عام
 کن نے مارا اُسے کہاں مارا
 کھینچنی ہوئے خفت بسیار
 تانہ عاید ہو اپنی جانب تنگ
 کیجیے سنگسار اُس کو پھر
 ہو گئے سارے درپے آزار
 ایک نے آ کے زیر تنگ کیا
 ایک بولا کہ اب ہے کیا تاخیر
 آئے بر زیر غصہ و پر تہر
 لیک روئے دل اُسکا اودھر تھا
 تھا گر قمار اپنے حال کے بیچ
 تھا سرو تنگ آستان اُس کا
 نالہ گرم گاہ کر اٹھنا
 اس طرف ایک نگاہ مشکل ہے
 دشمنوں سے ہے جی پر عرصہ تنگ

چشم تر سے لہو بہا کرنا
 کاسے نسیم سحر یہ اس سے کہ
 ان بلاؤں میں کوئی کیونکہ جیسے
 جان دوں تیرے واسطے سو تو
 رفتہ رفتہ ہوا ہوں سودا کی
 نام کو بھی ترے نہ جانا آہ
 ناامیدانہ گرہ کروں ہوں نگاہ
 سخت مشکل ہے سخت ہے بیدار
 کوئی شفق نہیں کہ ہو دے شفق
 نالہ ہوتا ہے گہرے دل جو
 آہ جو ہمدی سی کرتی ہے
 چشم رکھتا ہے وصل کی یہ دل
 در نہ ترکیب یہ کہاں ہوتی
 اب ٹھہرتا نہیں ہے پائے ثبات
 سنگباراں سے سخت ہوں دلنگ
 محرم یک نگاہ بیش نہیں
 کیونکہ کہیے کہ تو نہیں آگاہ
 کچھ چھپا تو نہیں رہا یہ راز
 بس توافل ہوا ترسم کر
 کون کتا ہے رہ نہ مجھ تازہ
 ان بلاؤں پہ ان نے صبر کیا
 اس طرف کانہ دیکھنا چھوڑا
 اور یہ ماجرا ہوا مشہور
 دیکھ کر اُس کو بخور و بخواب
 منہ پر اُس کے جو رنگ خونیں

صبح کے باد سے کسا کرنا
 مت توافل کرا اور فافل رہ
 جان پہ آہنی ہے تیرے لیے
 آنکھ اٹھا کر ادھر نہ دیکھے کبھو
 دور پہونچی ہے میری رسوائی
 بچھے کیونکہ سخن کی نکلے راہ
 دیکھتا ہوں ہزار روز سیاہ
 ایک میں خوں گرفتہ سو حلاوت
 بیکسی بن نہیں ہے کوئی رفیق
 گریہ آنسو سے پونچتا ہے کبھو
 اب تو وہ بھی کئی سی کرتی ہر
 جی ہے اس سے اسیر اب دل
 صورت اک معنی نہاں ہوتی
 ایک میں اور کتنے تصدیقات
 شیشہ دل نہیں ہے پارہ سنگ
 کم ہے سینے میں جا کر ریش نہیں
 اک قیامت پاپا ہے یاں سراہ
 اک جہاں اس سے ہے خبر راز
 گوش دل جانب نظم کمر
 پر نہ اتنا کہ جی سے جائے نیاز
 اختیار اپنے جی پہ جبر کیا
 اس کے اندوہ سے نہ منہ مورا
 شور رسوائیوں کا پہونچا دور
 جانا ہر اک نے عاشق بیتاب
 عشق ہے اسکو یہ جنون نہیں

ہے نگہ اُس کی جس طرف اُٹل
 جب ہوا ذکر اقل و اکثر میں
 عشق بے پردہ جب فسانہ ہوا
 گھر میں جا بہر و نفع رسوائی
 یاں سے یہ غیرت مہتاباں
 شب محافے میں اُسکو کر کے سوار
 یار دریا کے جہلہ رخصت کی
 گھر تھا اک آشنا کا مدد نگاہ
 ہووے جب اس بلا سے خاطر جمع
 گھر سے باہر محافہ جو نکلا
 طیش دل سے ہو کے یہ آگاہ
 واں کے رہنے سے اُسکو کام نہ تھا
 جس سے ہی کو کمال ہو الفت
 جنبش اُس کی پلک کو گرداں ہو
 واں اگر مو شکست کا ہو باب
 واں اگر پاؤں میں لگے ہے خار
 یار کو درد چشم اگر ہووے
 چاک دامن ہیں واں پے زینت
 واں دہن تنگ یاں ہے دلتکی
 دست انشاں وہ پائے کو باں یہ
 قطرہ زن اشک سا وہ راہ تمام
 ہر قدم تھا زبان پر حباری
 ہمسری اُس کی تھی میسر کب
 شوق مفرط نے بے تہی کی سخت
 رفتہ رفتہ سخن ہوئے نالے

اُس طرف ہی گیا ہے اسکا دل
 چاہ ثابت ہوئی اُسے گھر میں
 مضطرب کہ خدا نے حنائہ ہوا
 پیٹھ کر مشورت یہ ٹھہرائی
 جا کے چندے کہیں رہے نہاں
 ساتھ دے ایک دایہ غمزار
 اس طرح فکر رفع قسمت کی
 واں ہو رو پوش تابیہ غیرت ماہ
 نور افزائے فسانہ ہو جوں شمع
 اس جواں ہی کے پاس ہو نکلا
 ہو لیا ساتھ اُس کے بھر کر آہ
 وہ گلی اس کا کچھ مقام نہ تھا
 جس سے دل کی درست ہو نسبت
 دل میں یاں کا دوش نمایاں ہو
 یاں رگ جاں کو ہوئے بیج و تاب
 دل سے یاں سر نکالے ہو یکبار
 چشم عاشق لہو میں تر ہووے
 یاں اگر بیاں ہے چاک گل کی
 حسن اور عشق میں ہے بیکرنگی
 تھا محافے کے ساتھ گرم رہ
 درپے یار تھا یہ بے آرام
 خواب ہے پاکہ ہے یہ بیداری
 ہے مجھے نجات واں گوں سے عجب
 نوشکیبی نے دل سے باندھا خست
 اُڑنے لائے جگر کے پر کالے

اضطراب ولی نے زور کیا
 دل کے غم کو زبان پر لایا
 کاے جفا پیشہ و توافل کیش
 منہ چھپایا ہے تو نے اسپر بھی
 صبر کس کس بلا سے گر گزروں
 منزل وصل دور میں کم پا
 ہے تو نزدیک دل سے لے طناز
 ناز نے یک نفس نہ رخصت دی
 تو تو واں زلفت کو بنایا کی
 تجھ کو تھی اپنے خال رخ پہ نگاہ
 تجھ کو مد نظر تھی اپنی چال
 بستر خواب پر تجھے آرام
 واں لب لعل تیرے خداں تھے
 ناز و خوبی نے دل دیا نہ تجھے
 اب توافل نہ کرے مصطف کر
 گوش زد دایہ کیے ہوئے یہ سخن
 پس اُس کو بلا نسی کی
 کاے ستم دیدہ غم دوری
 زار نالی نہ کرے شکیب ہو
 دل قومی رکھ نہ جی کو کاہش سے
 سخت و لنگ تھی یہ غیبت ماہ
 گر چہ یہ حُسن اتفاق سے ہے
 تیرے آنے سے دل کشادہ ہوا
 بزم عشرت کریں گے ہام ساز
 دے کر اُس کو فریب ساکھ لیا

ان نے بے اختیار شور کیا
 آفت تازہ حبان پر لایا
 اک نظر سے زیاں نہیں کچھ پیش
 نگہ التفات ایدھسہ بھی
 چارہ اس بن نہیں کہ مر گزروں
 تجھ کو اس مرتبے میں استغنا
 لیک تجھ تک سفر ہے دور واز
 آئینے نے تجھے نہ فرصت دی
 جان یاں بیچ و تاب کھایا کی
 دل مرا مبتلائے داغ سیاہ
 میں شکش ہوا کیا پا مال
 محب کو خمیازہ کھینچنے سے کام
 یاں نشر وہ جگر پہ دنداں تھے
 رحم سے آشنا کیا نہ تجھے
 حال پر میرے ملک تاسف کر
 تھی وہ اُستاد کار حیلہ و فن
 وعدہ وصل سے تشفی کی
 ہو چکا اب زمان مجھوری
 عشق کا راز تانا رسوا ہو
 چل کوئی دم کو داد خواہش سے
 قطع تجھ بن نہ ہو سکی تھی راہ
 اُسکی بھی جذب اشتیاق سے ہے
 نشہ دوستی زیادہ ہوا
 ہو جواب اپنے دوست کا ساز
 دل عاشق کو اپنے ہاتھ لیا

لیک در پردہ آن نے یہ ٹھانی
 یہ تو دل تفتہ محبت تھا
 وقت نزدیک تھا جو آپہونچا
 آب کیسا کلاخسر تھا ذخار
 موج کا ہر کنارہ طوفاں پر
 ہلکتا رہا ہر اک گرد آب
 گزیر موج جب نہ تب دیکھا
 کشتی اک آن کر ہوئی موجود
 کی کنارے پہ لاکے استادہ
 اس سفینے میں جہلہ جا پہونچا
 بیچ دریا میں دایہ نے جا کر
 پھینکی پانی کی سطح پر اکبار
 حیف تیرے نگار کی پاپوش
 غیرت عشق ہے تو لا افس کو
 اُس طرف آب کے اترنا ہے
 پاؤں اُس کے جو ہیں نگار آلود
 جس کھ پا کو رنگ محل ہو بار
 ان پہ نرمی میں گل سے ہوں جھکے
 یہ روا ہے تو اپنے حال پہ رو
 جی اگر تھا عزت نیرائے ناکام
 سُنکے یہ حرف دایہ مکار
 بے خبر کاو عشق کی تہ سے
 تھا سفینے میں یا کہ دریا میں
 کھینچ گیا قمر کو یہ گوہر ناب
 کہتے ہیں ڈوبتے اچھلنے ہیں

کیجیے اس سے خصمی جانی
 سخت وارفستہ محبت تھا
 تا سر آب پابا پہونچا
 تند و موج و تیرہ و تہ دار
 مارے چشمک حباب عیاں پر
 لچہ سرماہ بخش تیرہ سیاب
 ساحل اُس کا نہ خشک لب دیکھا
 ہو فلک سے ہلال جیسے نمود
 تھا محاذ رکوب آمادہ
 یہ بھی واں ساتھ ہی لگا پہونچا
 کفش اس گل کی اسکو دکھلا کر
 اور بولی کہ او جگر انگار
 موج دریا سے ہووے ہم غوش
 چھوڑ مت یوں بر سہنہ پا اُسکو
 اس نواحی کی سیر کرنا ہے
 ظلم ہے ہو دیں گر غبار آلود
 منصفی ہے کہ خار سے ہو نگار
 بلکہ چشم کو سیاہ کرے
 مفت ناموس عشق کو مت کھو
 کیوں عبث عشق کو کیا بدنام
 دل سے اُسکے گیا شکیب و قرار
 جست کی اُن نے اپنی جاگہ سے
 موج زنجیر ہو گئی پابا میں
 تھی کشش عشق کی مگر تہ آب
 لیکن ایسے کوئی نہ کھلتے ہیں

ڈوبے جو یوں کہیں وہ جانکے
 عشق نے آہ کھو دیا اُس کو
 جبکہ دریا میں ڈوب کر وہ جوان
 رانیہ حیلہ گر ہوئی دل شاد
 خار خار دلی سے فارغ ہو
 یہ نہ سمجھی کہ عشق آفت ہے
 خاک ہو کیوں نہ عاشق بیدل
 وصل جیتے نہ ہو میسر اگر
 یاں سے عاشق اگر گئے نا شاد
 قصہ کوتاہ بسد یک ہفتہ
 کہنے لاگی کہ اب تو اسے واپس
 اب تو وہ ننگ درمیاں سے گیا
 تھے جو ہنگامے اسکے حد سے زیاد
 شور فتنے تھے اس تلک سارے
 دل تو پتا ہے متصل میرا
 و حشہ طبع اب تو افزوں ہے
 بید ماغی کمال ہوتی ہے
 دل کوئی دم میں خون ہو بیگا
 بیکی جی کو تاب دیتی ہے
 جی میں آتا ہے ہوں بیابانی
 مصلحت ہے کہ مجھ کو لے چل گھر
 گاہ باشد کہ دل مرا وا ہو
 واپس بولی کہ اسے سراپا ناز
 اب تو میں فتنے کو سلا یا ہے
 کون مانع ہے گھر کے چلنے کا

غرق دریا لے عشق کیا تھکے
 مغممہ آخند ڈبو دیا اُس کو
 کھو گیا گوہر گرامی جان
 واں سے کشتی چلی بربک باد
 لے گئی پار اُس محل نو کو
 فتنہ سازی میں اک قیامت ہو
 کام سے اپنے یہ نہیں غافل
 لاوے مشوق کو یہ تربت پر
 خاک خواں بھی اُن نے دی براہ
 آئی وہ رشک مہ ز خود رفتہ
 ہو گیا غرق وہ فسر واپس
 آرزو مند اس جہاں سے گیا
 ساتھ اُسکے گئے دے شور و فساد
 اب تو بدنامیاں نہیں بارے
 مرغ بیل ہے یا کہ دل میرا
 حال جی کا مرے دگرگوں ہے
 جان تن کے وبال ہوتی ہے
 آج کل میں جنون ہو دے گا
 طاقت دل جو اب دیتی ہے
 پر کہوں ہوں کہ ہے یہ نادانی
 ایک دو دم رہیں گے دریا پر
 ورنہ کیا جانئے کہ پھر کیا ہو
 حُسن کا در پہ تیرے روئے نیاز
 اس بلا کے تئیں بٹھایا ہے
 سدرہ کون ہے نہ کہنے کا

ہو محسانے میں دلخوشی سے سوار
 دل سے اپنے پدر کے غم کم کر
 کر ملاقات ہمدیوں سے تو
 یہ نہ سوچی کہ بد بلا ہے عشق
 جس کو سے یہ پیار رکھتا ہے
 جذب سے اپنے جب کرے ہر کام
 صبح گاہاں وہ غمیرت خورشید
 پہونچی نصف النہار دریا پر
 حد سے انزروں جو بقیہ رہی ہوئی
 حریف زن یوں ہوئی کہ لے دایہ
 موج سے تھا کہ ہر کو ہم آغوش
 تجھ کو آیا نظر کہاں آکر
 بھٹکو دیجو نشان اُس جا کا
 ہوں میں نا آشنائے سیراب
 لہجہ کیا لفظ کس کو کہتے ہیں
 ہیں میر کہاں یہ سیر عبور
 کمر میں گر چہ دایہ تھی کا بل
 یہ نہ سمجھی کہ ہے فریب عشق
 بیچ دریا کے جا کہ سایہ حسد
 یاں وہ بیٹھا حباب کے مانند
 سنتے ہی یہ کہاں کہاں گر کر
 موج ہراک کند شوق تھی آہ
 دام گسترده عشق تھا تہ آب
 من موجوں میں یوں نظر آوے
 تھیں وہ اُس کی حنائی انگشاں

شاد شاداں کر آب سے تو گزار
 مادرِ مہرباں کو خسر م کر
 گرم بازی ہو محروم سے تو
 گھٹات میں اپنی لگ رہا ہے عشق
 عاقبت اُس کو مار رکھتا ہے
 عاشق مردہ سے بھی لے ہر کام
 اس جگہ سے رواں ہوئی نوید
 روئی بے اختیار دریا پر
 دایہ کشتی میں لے سوار ہوئی
 یاں گر اتھا کہاں وہ کم ہایہ
 تھا تلاطم سے کس طرف ہمدوش
 پھر جو ڈوبا تو کس جگہ جا کر
 میں بھی دیکھوں خروش دریا کا
 ناشنا سائے موج و گرداب
 گھر میں ہم نام سنتے رہتے ہیں
 اتفاقی ہیں اس طرح کے امور
 لیک تہ سے سخن کے تھی غافل
 ہے یہ بہ پارہ ناشکیب عشق
 یاں ہوا تھا وہ ماجرائے شگرت
 پھر نہ تھا کچھ سراب کے مانند
 گر پڑی قصد ترک جاں کر کر
 لپٹی اُس کو برنگ مار سیاہ
 جس کے حلقے تمام تھے گرداب
 نورِ مہتاب جیسے ہر او سے
 غمیرت انزوائے پنجہ مرجاں

<p>سطح پانی کا آئینہ سا رہا لے گئی کھینچتی ہوئی تیر کو تا بقدر دست و پا مار سے نہ لگا ہاتھ وہ دیر نایاب تیر میں دریا کے ہمکنار ہوئی ہو کے دست و بغل کی آغوش آفت اک لے گئی نئی دایہ خاک افشاں بس روانہ بلب ترک آئین کر تجھ تل کا آتش غم سے دل جگر بریاں حشر بر پا ہوئی کنارے پر آخسر آن کو اسیر دام کیا دونوں دست و بغل ہوئے نکلے مر گئے پر بھی شوق پیدا تھا ایک کے لب سے ایک کو تسکین ایک قالب گمان کرتے تھے ہمد گری سے جدا ہوئے دشوار جان دید سے ہوا ہو جنگا وصل شکل تصویر آپ میں تھے گم</p>	<p>سیر پہ جہنم کہ آب ہو کے مہا کشش عشق آخسر اُس مہر کو کو دے خواص و آشنا سارے کھینچ کر کوفت سب ہوئے بیتاب جاہم آغوش مردہ یار ہوئی پاک کی زندگی کی آلالیش سر ٹپکتی جو گھر گئی دایہ اب و غم مادر و برادر سب دار و دستہ تمام اُس گل کا سوئے دریا رواں ہوئے گریاں خلق یکجا ہوئی کنارے پر دام داروں سے سب نے کام لیا نکلے جاہم وے ہوئے نکلے ربط چسپاں بہم ہویدا تھا ایک کا ہاتھ ایک کی بالین جو نظر ان کو آن کرتے تھے کیا لکھوں مل رہے وہ وصلی دار کیوں نہ دشوار ہووے اکا فصل حیرت کار عشق سے مردم</p>
---	---

مقولہ شاعر

<p>عشق ہے ایک فتنہ معروف اس سے جو تو کہے سو آتا ہے کتنی طاقت تری زباں میں ہے</p>	<p>سیر اب شاعری کو کر موقوف قدرت اپنی جہاں دکھاتا ہے کتنی وسعت ترے بیان میں ہے</p>
--	--

لب پہ اب بھر خامشی بہتر
یاں سخن کی فسر مٹی بہتر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مثنوی عشقیہ

الہی زباں دے مجھے مغز دار
 رہوں عشق کہنے سے میں تر زباں
 جہاں دونوں اسکے ہیں برہنہ
 صدف اُلٹی جہاں ایک مارا پڑا
 دے فتح اس کی ہے یہ طرفہ تر
 تہ تیغ اس کے تلف ہو گیا
 وہیں اُس کے تا قتل ہمراہ ہے
 درونے میں اسکے لگی آگ سی
 تو نام و نشان اسکا پھروا نہیں
 پڑا عاشقوں میں عجب اتفاق
 بہت گھر خرابے ہوئے عشق میں
 بہت خاک مل مسخ پہ جوگی ہوئے
 کچھ اک شہر میں پھر کے کیسو ہوئے
 گئے داغ کسار سے لالہ زار
 کسو کوہ کن کو جنون ہو گیا
 کوئی برق ساجل بجھا ہو چکا
 نئی روز شہروں میں اک گور ہے

چمن سے عنایت کے بادام دار
 صفت عشق کی تاکروں میں ہیاں
 عجب عشق ہے مرد کار آمدہ
 جہاں جنگ صفت کی یہ ظالم لڑا
 اگر لوگ مارے گئے سرسبز
 کوئی کشتنی جو طسرت ہو گیا
 جہاں جس کسو سے اسے چاہ ہے
 کسو سے اگر ہو گئی لاگ سی
 ہوا ملتفت یہ کسو سے کہیں
 وفاق اس کا نکلا سرا سر نفاق
 جواں کیسے کیسے ہوئے عشق میں
 بہت عشق میں لوگ روگی ہوئے
 گئے دشت میں کچھ ندمو ہوئے
 نہ مرغ چمن ہی ہے نالان و زار
 کسو کا جگر غم سے خوں ہو گیا
 کوئی زار باراں بہت رو چکا
 غرض عشق کا ہر طرف شور ہے

بہت جان ناکام دیتے گئے
 بہت اہل اسلام کا فرہم ہوئے
 بہت جرم الفت پہ مارے گئے
 ہوئے خاندان کیسے کیسے غراب
 کیا عشق جس دن سے مرتے ہے
 کسے عشق نے جی سے ارا نہیں
 دوا عشق کی سخت نایاب ہے
 جو ہو عشق عارض تو پھر یاس ہے
 محبت ہے نیزنگ سائید عجیب
 کوئی عشق کرنا دھرا تھا ورے
 نہ واں کمر دے شید و طامات ہے
 کہیں عشق نے آرزو کش کیے
 کہیں سہل تر پار مرنے لگے
 کہیں کام آن لے کیے ہیں عجب
 کہیں بادشہ اس سے درویش ہیں
 لیا کاہ کا کوہ سے کیں کہیں
 کہیں پڑ گئے اس سے قفنہ فساد
 یہ عالم کا آشوب ہے دہر سے
 ہوئے عشق میں زہد کیشاں خراب
 اٹھا عشق کا شور عزالت گزریں
 ہوا عشق سے مجلس حال دہر
 کیا عشق میں ترک صوم و صلوات
 مسلمان ہوئے عشق میں برہمن
 نہ سبچہ نزار نہ کفر و دیں
 محبت کے ساغر کش اہل صلاح

تنہائے دل ساتھ لیتے گئے
 بہت ادل عشق آخسر ہوئے
 جو عشق بازی کا مارے گئے
 جواں جوں جوانی گئے کیا شباب
 جیون ہی کا اندیشہ کرتے رہے
 یہی درد ہے درد چارہ نہیں
 سر عاشقاں سنگ کا باب ہے
 عبت کوئی دن جینے کا پاس ہے
 فسانے ہیں اسکے عجیب غریب
 گئے میکد سے بھی صوفی پرے
 خرابات جانا کرات ہے
 گئے خوش جو عاشق خوش گئے
 کہیں لوگ دشوار مرنے لگے
 فسانہ ہوئی بزم عیش و طرب
 کہیں اس سے درویش دریش ہیں
 ملائے کہیں آسمان وزین
 رہے زیر شمشیر حد سے زیاد
 مراد خطر گہ ہے اس شہر سے
 رہے دل شکستہ پریشاں خراب
 گئے دشت گردی کو ترک دیں
 تو اجد گئے کرنے شیخان شہر
 گئے اہل مسجد سوئے سومات
 گئے کعبہ کو چھوڑ دیں کہن
 جہاں رہے عشق اور کچھ بھی نہیں
 یہ بیوش وارو ہے ان کی فلاح

کوئی ہوش میں نہ رہتا نہیں
 رباطی میں خانہ سیمہ عشق میں
 ہمہ خاندان تفاوت خراب
 یہی عشق جس سے کہ حاصل ہو کام
 اسی عشق سے رو سیہ رو سفید
 یہی عشق ہے عقدہ دل ہے یہ
 کہیں اس کو لڑنے سے پایا مانت
 کہیں مومنانہ اسے درد دین
 غرض عشق ہے طرفہ نازک ساز

ہر اک چپ ہے کچھ کوئی کہتا نہیں
 مصلے ہوئے ان کے تہ عشق میں
 خرابے سے ہیں بے تفاوت خراب
 یہی عشق ہے جس سے نکلا ہے نام
 رکھیں عشق سے نا اُمیداں اُمید
 یہی عشق حلال شکل ہے یہ
 کہیں ان نے میدان ارے میں صاف
 کہیں کا فسرانہ ہوا بے یقین
 کہیں ناز یکسر کہیں ہے نیاز

حکایت

حکایت ہے عشقی حکایات میں
 جواں خوش تھا پر کار و پر سبز کار
 یہ صورت یہ طاعت یہ دامن پاک
 اگر ہووے حور بہشتی دو چار
 وگر آگے سے ہو پری کا غزر
 رہے محو پاکیزگی و صلوات
 تناسب بہت اُسکے اعضا سے خوب
 زباں نرم طالع وری و صلاح
 خوش اندام و خوش رو و پاکیزہ خو
 جوانی کا ہنگام طاعت کا صرف
 حیا کو سیاہی سے پلکوں کی راہ
 بہت پاک دامن معیشت ہوئی
 کہ ناگاہ اس راہ یک زن گئی
 جواں کی نظر شرعیں جا لڑی
 نہ دل مستقل نہ شکلیا ہوا

کہ انفاں پسرا ایک ہجرات میں
 بہت حسن کا اُسکے واں اشتہار
 نہ دامن یہ مانند گل گرد خاک
 وہ دریا کے حسن اس سے ڈھونڈھے
 حیا سے نہ اُس پر کمرے ٹک نظر
 نہ ہوں ترک سہواً کبھی واجبات
 سراپا میں دیکھو تو ہر جا سے خوب
 نہ طنز و کنایہ نہ ریز و مزاح
 کسو وقت رہتا نہ تھا بے وضو
 لب سرخ پر و برون کا نہ حرف
 نکلتی تھی باہر نہ گا ہے نگاہ
 لطافت نہرا بہت میں دلت ہوئی
 جیوں پر خدا جانے کیا بن گئی
 وہ شرابی آنکھ اُسکے اوپر پڑی
 دل طرف ثانی بھی بیجا ہوا

حیا دار تھی زن گئی اپنے گھر
کیا چند شرط وفا ہی کا پاس
کئی دن میں ہندو دن آنے لگی
نگاہیں ہوئیں سہرگر آشنا
یہی مدتوں دیکھا دیکھی رہی
جیون میں شب و روز مرتے رہے
رہے دیر تک دونوں ناکام عشق
یہ کیا دخل اظہار الفت کریں
گھروں میں نگاہیں تھیں کلفت بھری
لبوں پر نہ آیا کبھو حسرت عشق
بجایا کیسے پردے میں ساز دل
دوانوں میں تو گر محوشی رہی
کریں حسرت آگیں نگہ چار اور
کسی سے نہ حرف و حکایت انہیں
کہیں درد دل سو کبھو زیر لب
شب و روز دونوں سے صورت مثال
پئے جائیں آنکھیں بھری ہر ضبط
کبھو آہ اُٹھتی تو دم سرد ہو
دلوں میں جو تھی چاؤ خوں ہو گئے
بیاباں کی جانب گھنچے دل بہت
ارادے ہوئے یہ دلوں میں ہی خون
صلہ سے رہے دو طرف کے پیام
خیالات ملنے کے جاتے نہیں
شب روز رہتا ہے یاں اضطراب
کوئی طور ملنے کا ایسا دکر

وفادار تھا یہ ربا دیکھ اُدھر
لگے رہنے دونوں گھروں میں اس
یہ پانی اس راہ جانے لگی
محبت کا دونوں نے پانی بھرا
دلوں کی کسو سے نہ ہرگز کہی
وے پاس نظر ہر کا کرتے رہے
نہ آیا لبوں پر کبھو نام عشق
یہی بستہ لب شق حیرت کریں
درد بام پر پڑتیں حسرت بھری
اگرچہ سہہ تن رہے حرف عشق
نہ نکلا کوئی نغمہ راز دل
دہانوں پر مہر خوشی رہی
لب اُن کے یہ ساکت سر نہیں ہو
محبت سے شکر و شکایت انہیں
وگر نہ سکوت اُن کو تھا جب تب
ہم محو خوبی و صرف خیال
کہ جانا نہ جاوے یہ آپس کا ربط
کہیں منکشف نہ یہ درد ہو
گرفتہ رہے سو جنوں ہو گئے
کہ تھا شہر میں کام مشکل بہت
کیا پھر بھی دونوں نے صبر و سکون
کہ اے باد کہی تو یہ لہذا سلام
قرار و سکون دل تک آتے نہیں
کیا شوق نے کام کو کیا خراب
نہ جو رحم سے ہو تو بیداد کر

پیام ایک کا یہ کہ اسے باور نہ م
 ترن زار بجان کیونکر جیسے
 ملاقات کا رکھے کیونکر خیال
 اگر دیکھیں آنکھیں میں اس طرف
 اسے دیکھنا ہی ہے ارمان بھی
 کہ اس سے کہ مرتے ہیں تیرے لیے
 نہیں صبر آتا ترے بن سنے
 کسو سے کسو کو نہ ہو جائے لاگ
 کسو کا کسو سے نہ لگ جائے دل
 کسو کی نہ اچھی لگے کوئی آن
 کسو کے بعد نہ کھل جائیں بال
 کسو لالہ رخ کا نہ آٹھے نقاب
 قد آرا نہ ہو فتشہ در سر کوئی
 کسو کے نہ چاہ نہ رخ میں گریں
 کسو کے نہ انداز پر جا سے جا
 کسو کی نہ آنکھوں کو دیکھا کریں
 کسو کے نہ ایمائے ابرو پہ جائیں
 صبا چلتے اس سے یہ کہ آئیو
 دل زار تجھ بن ہے بے کل بہت
 لگے ہم سے پھر باتھ آتے نہیں
 انھیں کا نہیں رہتا نام و نشان
 کہیں یوں فراموش ہوتے ہیں یار
 ترحم کہ اب بھی گیا کچھ نہیں
 نہ کریں کہ افسوس باقی رہے
 گھٹی جان جاتی ہے یوں ہزیاں

کہ اسکو محبت سے کچھ بھی ہے شرم
 جگر میں نہ ہو خوں تو کیا خوں پیے
 رہے کیونکہ جان نا اُسید وصال
 دگر منہ ہمارا ہے سوا اس طرف
 ادھر ہی چلی جائے ہے جان بھی
 کیا عشق باحسب دم ہم نے کیے
 لبوں سے جگر تک بھرے ہیں گلے
 کہے تو لگائی ہے سینے میں آگ
 کہ کہنا پڑے ہائے دل وائے دل
 کہ جان المناک و شبجہ ندان
 کہ ہو دل کے عقدوں کی اشغال
 کہ ہوں داغ دونوں مہ و آفتاب
 کہ سر پر قیامت رکھے ہر کوئی
 مباد کہ واں سے نہ جیتے پھر میں
 صبا ہوئے کیا جانیے کیا سے کیا
 کہ لوگ اس کا آخر پر کیا کریں
 فریب فریبندگان تا نہ کھائیں
 کہ غافل ہی ہم سے نہ ہو جائیو
 نہ جی کو مرے بن ملے مل بہت
 یہ گم گشتہ پھر پائے جاتے نہیں
 کوئی ان کو ڈھونڈھے تو پھر کہاں
 ہمارا تر عشق ہے یاد دگا کہ
 تلطف کہ ہم میں رہا کچھ نہیں
 گل تر پہ چند اوس باقی رہے
 تلف جیسے ہر دم ہو آب رواں

نہ ہو جاتی اسے کاش الفت ہمیں
نہ آنکھیں لگی ہوتیں ناگاہ کاش
نہ دل کو ہوئی ہوتی حسپدگی
نہ پڑتی مری آنکھ گر اسکی اور
ہوئی آتش عشق آخر بلند
زبانے تھے اس آگ کے کیا دراز
پڑی آگ وہ دل جگر جل گئے
ہوا ناگہاں شوہر زن مریض
تشت ہوا تپ کا دل کے تئیں
نزاری سے دل ہو گیا زار تر
بدن کاہ سارنگ کا ہی ہوا
دھوں پر بھی وہ رفتنی کم رہا
فنا یعنی طاری ہوئی ہو چکا
جلانے کی تیاری کرنے چلے
کھلی دعویٰ سوختن میں زبان
لگی جیلے چھوڑا نہ اصرار کو
اٹھاواں سے بیتاب آیا چلا
جھنکا آگ کی اور کر اضطراب
کہا ہم کو کیا کہتی ہو اس گھڑی
کہا آئے ہو تو چلے آؤ تم
یہ بیتاب تھا آگ پر پھر پڑا
لگے آئے تھے کتنے انفار ساتھ
چلے ادھ جلا لے کے سب کو مگر
کیا لوگوں نے اس کے سر پر جھوم
قدم کتنے چل کر وہ آتش بجاں

اٹھانی نہ پڑتی یہ کلفت ہمیں
کہ چھاتی کی دل تکت جاتی خراش
کہ داغوں کو ہوتی نہ بالیدگی
تو اٹھتا نہ سر سے جنوں کا یہ شور
جگر دل ہوئے دونوں اسکے سپند
ہوئی دونوں بیتابوں کی جاں گداز
جگر دل نہ بل دونوں گھر جل گئے
نہایت ہوئی تپ طویل و عریض
کھینچی رفتہ رفتہ دق وصل کے تئیں
ہوا خشک ہو کر وہ ہمیں رتر
بہت حال اس کا تب ہی ہوا
کھڑ کر گئے دم ہوا ہو گیا
اسے دار و دستہ بہت رو چکا
جلی زن بھی تاسا تھا اسکے جلے
کیا پاس ظاہر سے نقصان جان
خبر ہو نچی اس نو گرفتار کو
اسے دیکھ جلتے بہت جی جلا
کہ جی میں نہ طاقت تھی مطلق نہ تاب
نظر اسکی جلتے جو اس پر پڑی
شتابی کر وجوہیں پاؤ تم
پتنگا سا اس شعلے پر گر پڑا
وہیں کھینچ لائے آئے ہاتھوں ہاتھ
ہو اگر ہم ہنگامہ اک یہ ادھر
ہوئی شہر میں شور عسکر کی دھوم
ہو ایوں سخن زن کہ اسے دوستان

لعب کش ہوں میں آتش تیز کا
لے آئے مجھے گرمی سے تم نکال
نہیں متصل راہ چلنے کی تاب
کہیں جھکو سائے میں ٹھہرایے
کوئی دم مرا کھینچے انتظار
تو قف کیا سب نے زیر درخت
نہ جانا کہ ہے مانع راہ عشق
نہ آتش نہ گرمی نہ بے طاقتی
عجب تر نظر آتے ہیں کار عشق
اٹھانے کو کہنے تو کہلائے تھا
اگر آنکھیں کھلتیں تو ادھر نظر
گیا منتظر اس کو وہ دن تمام
خراں چاں آتی ہے وہ پر سی
وہی صورت اسکی ہے جلوہ نما
اسی طرز و انداز و خوبی کے ساتھ
گئی اس طرف لے بدھ تھی جلی
وے انیت کا کس کو جگر
ہوئے جاتے جاتے نظر سے نہاں
بہت سے ہوئے لوگ گرم سراغ

اُسے قصد تھا میرے خوریز کا
کیا گھر بھی لے چلنے کا اب خیال
کہ ہوں نیم سوز آگ کا میں کیا باب
جو دم ٹھہرے تو آگ لے جائیے
کہ گرمی سے ہوں بخود و بقرار
کہا واقعی رنج کھینچا ہے سخت
رکھے ہے عجب جذب جا بجا عشق
بہانے ہیں سب جذب ہے افق
نہیں سمجھے جاتے ہیں اسرار عشق
دل اسکا ادھر ہی چلا جائے تھا
ہوئی خاک مشوقہ جل کر جدھر
نظر کر کے کیا دیکھتا ہے کہ شام
وہی ناز عشوہ وہی دلبری
وہی رنگ رو گل کا غیرت فزا
اٹھایا اُسے ہاتھ میں لے کے ہاتھ
نظر کرتے تھے واقعی یہ سہی
کہ حیران سب رہ گئے دیکھ کر
گیا عشق کیا جانے لے کر کہاں
کنھوں نے نہ پایا نشان غیر داغ

نہ گرمی مراب عشق کی گفتگو

قلم اور کاغذ کو رکھ دے بھی تو

یہی کشت و خوں کا ہے یہ گرم کار
رو عشق میں جی بہت کھوئے

فسانے ہیں اسکے ہزاروں ہزار
بہت خاک جل جل کے یاں ہو گئے

غرض ایک ہے عشق بخود ہاک

کے دونوں عشق عاشق ہاک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مثنوی معاملاتِ عشق

کچھ حقیقت نہ پوچھو کیا ہے عشق
عشق ہی عشق ہے نہیں ہے کچھ
عشق تھا جو رسول ہو آیا
عشق حق ہے کہیں نبی ہے کہیں
عشق عالیجناب رکھتا ہے
عشق حاضر ہے عشق غائب ہر
عشق کیا مصیبتیں لا یا
عشق میں لوگ زہر کھاتے ہیں
عشق سرتاقدم اُمید ہوا
مجھ سے مت پوچھ یہ کہیں ہے عشق
عشق سے رنگ زرد ہوتا ہے
رہتے ہیں عشق ہی میں مڑگاں تر
عشق ہی کا خراب ہے کناں
عشق لا یا ہے آفتیں کیا کیا
قیس کیا رنج کھینچ کھینچ ہوا
عشق نے چھاتیاں جلائی ہیں

حق اگر سمجھو تو خدا ہے عشق
عشق بن تم کہو کہیں ہے کچھ
اُن نے پیغام عشق پہنچا یا
ہے محمدؐ کہیں علیؑ ہے کہیں
جبریل دکناب رکھتا ہے
عشق ہی منظرِ عجائب ہے
روز کو رات کر کے دکھلایا
عشق سے رنگ سبز پاتے ہیں
زہر تیغ ستم شہید ہوا
عشق ہے ان ہی کو چھین کر عشق
عشق سے دل میں درد ہوتا ہے
ہیں دیکھی ہیں آنکھیں کے بھر
عشق ہے ایک خاندانِ آباں
اس سے آئیں قیاستیں کیا کیا
سر پہ فرار کے سنا جو ہوا
آگیں کس کس جگہ لگائی ہیں

عشق میں ایک جی کو کھو بیٹھے
 اکیوں کا جیب تا بدمن چاک
 شان ارفع ہے جنگل خوار ہیں یاں
 خستہ عشق کچھ نہ میسر ہوئے
 کوئی دلتنگ ہو کنوئیں میں گرا
 جب تنکا ہوا تھا اس سے داغ
 عشق کی فاختہ شکش ہے
 عشق باعث ہوا وطن چھوٹے
 مایہ درد و رنج سب ہے عشق
 پڑ گئے دل جگر میں آخر چھپید
 اپنی تیغ ستم جو ایچے عشق
 عشق سے قمری ہے حریت سرد
 عشق کے دل نگار سارے ہیں
 کہیں حق ناحق ان نے خون کئے
 کوئی عمو گزاف ہیں اس سے
 اس سے یک جمیع نے لیا ہی جوگ
 ایک کے لب پہ آہ ہے اس سے
 ایک کا شیروہ اس سے نالہ کشی
 ایک نہشت و زنجیر گانی سے
 ایک کے پھول گل پناے ہیں
 ایک نے کوہ اس سے توڑ دیے
 چپ لگی ہے کسو کو اس کے سبب
 کوئی باتیں کرے ہے شوق کیسا تھ
 ہے تواجہ کسو کو حال کہیں
 ایک مولا میں عسر یا نی

ایک آنکھوں کو روکے رو بیٹھے
 ایک ڈالے ہے سر کے ادھر خاک
 عقل والے جنوں شمار ہیں یاں
 بادِ غم عشق میں فقیر ہوئے
 کوئی ڈوبا کوئی گیا نہ پھرا
 تب دیا جی کو ان نے پیش چراغ
 عشق سے عندلیب بکشت ہے
 مرغ پکڑے گئے جن چھوٹے
 متصل روئے کا سبب ہے عشق
 کچھ نہ پایا آنکھوں نے عشق کا بھید
 جاے بہتوں کے خو نہیں کھینچے عشق
 مہر سے آنکھیں لڑا رہا ہے درد
 ان نے کیا کیا جو ان مارے ہیں
 کہیں سر پر کھڑا ہے تیغ لئے
 کہیں میدان صاف ہیں اس سے
 ایک فرقہ کا ہے یہ جی کا روگ
 ایک کا دن سیاہ ہے اس سے
 ایک کو بید می ہے جیسے غشی
 اکیوں کے دل گداز پانی سے
 ایک کی جان ہی کے لالے ہیں
 ایک تنکا گرا ان نے چھوڑ دیے
 بندر تے نہیں کسو کے لب
 کوئی چپکا ہوا ہے ذوق کے ساتھ
 کہیں نقصان ہے کمال کہیں
 ایک سرگرم دامن افشانی

کوئی صابر ہے کوئی شاکر ہے
عشق کے چیلے مختلف حالات
سننے کے گوں ہیں ان کے افسانے
فصل ہو تو اُنھوں کا حال ہو کیا
عاشق زار میرا نام ہوا
کس پہ گزرا ہے یہ ستم یہ غضب

کسو کو فکّر کوئی ذکر ہے
کہیں وسعت کہیں ہے تنگ اوقات
سیر قابل ہیں اس کے دیوانے
وصل میں جن کے دل رہیں بیجا
اس بلا سے مجھے بھی کام ہوا
قصہ میرا بھی سانحہ ہے عجب

معاملہ اول

اُن کے عشقوں نے دل لگا لیا
نام سے اُن کے حق مجھے اُلفت
گوش میرے اُدھر رہا کرتے
اک طرح مجھ سے دے در پار ہو
دل جگر سے گزر گئی وہ نگاہ
جی میں کیا کیا یہ کچھ نہ کہتا میں
پر تصرف میں ایک اور کے تھے
مجھ سے بھی رکتے امتیاط بہت
میری آرزو کی نہ خوش آتی
دیکھنا دل کو میرے لئے لگا

ایک صاحب سے جی لگا میرا
ابتدا میں تو یہ رہی صحبت
غولی اُن کی جو سب کہا کرتے
نخت ہر گشت پھر جو پار ہوئے
کیا کہوں طرز و تیجھے کی آہ
چپکے ٹٹھ اُن کا دیکھ رہتا میں
دے تو ہر چند اپنے طور کے تھے
کرتے ظاہر میں احتیاط بہت
بات کی طرز میری ہی نصیاتی
پیار چتون سے پھر نکلنے لگا
کہیں دیکھوں تو بات دیر کہیں
کچھ کچھ آزار محب کو دینے لگے
میں جو بھٹا تقسم تو ہو ہر دم
ایک دودن میں بعد رف مال
جو گزرتی تھی مجھ پہ میں کہتا

دیکھ کر روتے آپ بھی روتے
دل دہی کرتے جب تک سوتے
سنا جو ہوا
جگہ لگائی ہیں

معاملہ دوم

ایک مدت تک یہ صحبت تھی
رفتہ رفتہ سلوک بیچ آیا
گاہ بیگاہ پانوں پھیلانے
چلکر آتے تھے جب کبھو ایدھر
دیکھنے میں تو پائسالی تھی
جلتی چھاتی تو ہوتا میں سائل
کھٹ پار کھینے یاں تو احساں ہو
سینکے سینے پہ پانوں رکھ دیتے
کیا کہوں کیسا قد بالا ہے
ایک جاگہ سے ایک جاگہ خوب
موتے سر پہ جی بھی کرے نیاز
اس کے کاکل سے حرف نہ کر
کچھ بھی نسبت ہے تمکو سوا ہے
اسکی زلفوں کے دل گئے نہ بھرے
اُس جبین سے ہے دل کی کجاذب
ویسی بھو میں کشیدہ بھی میں نہیں
پھری پلکوں کی اور سب کی نگاہ
کہوں چتوں کے دیکھنے کے طور
سطح رخسار آئینے سے صاف
لطف بینی کا فہم ہے دشوار
کیا جھمکتا ہے اُنکے رنگ قبول
ہے وہن تنگی سے سخن کو تلام
اس سے گل کیا چنے کوئی بہدم
برگ گل سے زباں ہے نازک تر

کبھو آفت کبھو یہ کلفت تھی
ہاتھ پانوں کو اپنے لگوا یا
میری آنکھوں سے تلوے ملواتے
پانوں رکھتے تھے میری آنکھوں پر
حسن سے چاں یہ نہ خالی تھی
کہ تک اسے سرو ہو ادھر مائل
تیرے پانوں تلے مری جاں ہو
دل مرا یوں بھی ہاتھ میں لیتے
قالب آرزو میں ڈھالا ہے
پیکر نازک اسکے سب محبوب
بل ہی کھایا کرے یہ عمر دراز
کاکل صبح پر نظر نہ کرو
کالے کوسوں کی بات کا کیا ہے
رہے سنبل کے بیج پانچ دھرے
صبح صادق کے دعوے ہیں کاذب
یہ کمانیں کسو سے کھینچتی نہیں
چشم پر میری تیری چشم سیاہ
اس قیامت پہ وہ قیامت اور
جو نہ ٹھہرے نگہ تو رکھے معاف
ایک بار یک بینی ہے درکار
جیسے کھڑا گلاب کا پھول
کچھ نکلتی نہیں سخن کی راہ
غنیجہ ناشگفتہ سے بھی کم
پھول جھڑتے ہیں بات بات اور

کیا کہوں کم ہیں ایسے شیریں گو
دہم دم سوکے گوش اشارہ صبح
جب بنا گوش ان نے دکھلایا
ان لبوں کا مزا لیا سو بھانت
تم نہ گلبرگ و نعل تاب کو
کوئی جاں بخش یوں کہے سوکے
کنج لب آرزو سے جان و دل
ان لبوں سے جو کوئی کام رکھے
جو حلاوت انھوں کی کیے اب
جب وے کھاتے ہیں بیڑہ پاں کو
ایسی ہوتی نہیں ہے سرخ بی
ہو تبسم سے نعل کا دل خون
نہیں دیکھے مہی سے دنیاں
کیسے کیسے چمکتی ہے بے تہ
بو اگر کیجے اُس رخ کا سیب
رہے گردن میں ان کی ہر بات
بس چلے تو گلے لگا ہی رہوں
اس میں ہر چند جی کا نقصاں ہو
خوش و پرکار کب پری ان سی
دیکھے از بس ہر آمدہ سینے
کیا نظر گاہ کی کردوں خوبی
شانہ و دست و ساعد و بازو
اس کے تو پہلو سے میں ہو کے جدا
ہائے اُس سے خدا جدا نہ کرے
نہیں سرخ اس کی ہر آنکشت

جو

وہ زباں کا ش میرے منہ میں ہو
گو ہر گوش یا ستارہ صبح
صبح کا سا سماں نظر آیا
تکے اوپر ہارا بھی ہے دانت
بات جب تک نہ ٹھہرے چپکے رہو
ہم تو مرتے ہی ان لبوں پر رہے
آگے چلنا نگاہ کو مشکل
قند و مصری کو کیوں نہ نام رکھے
ہمد گھر سے جدا نہ ہو دیں لب
رو نہیں دیتے نعل و درجاں کو
رنگ گو یا ٹپک پڑے گا ابھی
نہتے دیکھا تھا سو گئے ہر نبوں
برق ابرسیہ ہے تب خداں
جگ ہنسائی کرے ہے اپنی یہ
جائے سر سے جنوں کا آسیب
یہ تو یارب ہے میرے جی کے ساتھ
تیغ سے پھر جدا کریں تو نہ ہوں
مدعا احتلاط چسپاں ہے
اور ہو تو کہاں ہے ہم جنسی
ایسا معلوم دل جو یوں چھینے
نظریں اٹھتی نہیں یہ محبوبی
دل کشی میں تمام یک پہلو
ورد پہلو سے تنگ دل سی رہا
دور اس سے جیوں خدا نہ کرے
دوبلی ہیں میرے خون میں بکشت

وہ کعبت دستِ راحت جاں ہے
 کیا بیاں خوبی شکم کو کرے
 صدر کے تاجے سے لے تانان
 اس سے پھر آگے غنچہ گل ہے
 پردے میں بھی جو کچھ کہا جاوے
 حُکمی نظروں سے وہ کمر باریک
 اور کیا دل زدے کو بات آوے
 ناز کی اس میاں کی کیا سکینے
 تلک اگر چکے تو قیامت ہے
 کیوں پڑی ران پر نظر تاساق
 پائے جاناں سے گفتگو ہے اب
 وہ قدم کاشش فرق سر پر ہو
 وہ کعبت پا قریب ہو میرے
 پنڈلی نازک ہے شاخِ سنبل کی
 یوں نصیبوں سے ہو خاکا نانوا
 ناخن پامنائی ہیں ایسے
 ہو خراں تو اس طرف نگہیں
 گل و مہبل بھی تماشاں
 رنگ رفتار و کچھ عجبوں ہو
 سر سے پاؤں تلک وہ مجھ پر
 کہ بہت دل ہے آستانے رحم
 اب جو ثابت ہوئی ہے میری چاہ
 طعن و تعریض بیچ میں آئے
 راستے میں اک طرف وفا کے لئے
 نہیں آزار کی رواداری

کاش سینے پر رکھ دے غم یاں ہے
 دیکھنے سے کبھو نہ پیٹ بھرے
 چپ کی جاگہ ہے کیونکہ کیئے صاف
 پاں سخنِ بابتِ تامل ہے
 آپ سے تو نہ تلک رہا جاوے
 ہونہ آنکھوں میں کیوں جہاں ریک
 کہیں یارب شتاب ہاتھ آوے
 بنے تو ہاتھوں میں لیے رہیے
 پھر قیامت تلک ندامت ہے
 اس بن اب زندگی ہوئی ہو شاق
 خاک میں ملنے کا یہی ہو مصعب
 ساقِ سیمیں مری کمر پر ہو
 ٹھوکر اس کی نصیب ہو میرے
 پشت پانچکھڑی سی ہے گل کی
 در نہ ڈوبے ہیں میرے نول پانوا
 برگ گل پاسے سر وہوں ایسے
 گل کفش اسکی لوگ دیکھ رہیں
 آگئے جسطرف بہار آئی
 طرزِ گفتار جیسے افسوں ہو
 ساتھ ان خوبیوں کے یہ خوبی
 درد مندوں کو جانے جانے رحم
 اس کو نہ نظر ہے مجھ سے نباہ
 کچھ نہ خاطر میں دے مجھے لائے
 چلے جاتے ہیں مجھ پہ لطف کے
 ہر روزی ہے یا وفاداری

پر جو مشوقی آب و گل میں ہے میں کروں تو کہیں خوش آتا ہے خواہ تا خواہ وہ نہیں منظور یہ بھی شوخی سے ہے گئے گئے	چھپر رکھنے کا شوق دل میں ہے تیرا آزار جی سے بھاتا ہے کہ رہے دل شدہ مرا رنجور پراس انداز سے کہ جی چاہے
--	--

معاملہ سوم

ایک دن فرش پر تھا میرا ہاتھ پانوں سے ایک انگلی مل ڈالی درو سے کی جو میں نے بیتابی یاد آتے ہیں ایسے لطف جواب تن بدن دیکھ جی نہ رہتا تھا کہ یہ جاگہ تم اس فقیر کو دو یہ بھی کیا کیا خیال رکھتے ہیں پھر گڑھی بھر میں کہتے ہو نہ لول جب سلوک ان کو یاد آتا ہے	باتیں کرتے تھے وہ بھی میرے ساتھ لطف سے درود نہ تھا خالی دست نازک سے دیر تک دالی گزر رہے ہیں جان غم زدہ پٹھان میں جو گستاخ ہو کے کہتا تھا متبسم ہو کہتے رہے یہ لہو آرزوئے محال رکھتے ہیں مار کھانے کی باتیں سب میں قبول کیا کہوں جی ہی بھول جاتا ہوں
---	---

معاملہ چہارم

ایک دن پان وے چہاتے تھے کہ اٹھائیں اگر اُگال مجھے بولے یونہی ہے میں کہا ہاں سوچ ہنسکے اُس وقت مجھ کو ہال دیا ایسی صدر رنگ مسد بانی تھی اُکے سے رنگ گر فلک لاتا	سُرخ لب اُن کے مجھ کو بھاتے تھے سُفد سے دو تو کرو نہال مجھے جھوٹا کھاتے ہیں تھکے کی لالچ پھر اُسی رنگ سے اُگال دیا تب سہ رو کی زندگانی تھی خاک کے رنگ میں مجھے پاتا
---	--

معاملہ پنجم

منقبت ایک مجھ سے کہو ایا	جس کا میں نے صلہ انھیں پایا
--------------------------	-----------------------------

ایک پردہ سانچ میں رست
ساتھ میرے تھا اُن کو رابطہ حاصل
مخلط ہونے کو سد اکنت
آپ بھی کرتے ملنے کا مذکور
آج کل رات دن کہا کرتے
کڑھتے تھے جان کر مجھے سکیں
سید خستہ خاک اُفتادہ
کہتے اسے میرے کچھ نہیں حاصل
جانے دے اب بھی یہ خیال ہی کیا
کب تک گھٹ کے اس طرح مزا
شفقت پیچدار ہو کا تھا
اب جدائی جو ہے کٹھن اُن کی
دعدہ بن ہی ہلاک ہوتا ہوں

پھر وہی کرتے میں جو کچھ کہتا
رہتی رابطہ و فاصل
میں تقاضائی ملنے کا رستا
میری تسکین تھی ہر زماں منظور
وصل کے وعدے ہی رہا کرتے
دل تو فقار رسم آشنا از بس
جانتے تھے کہ ہے یہ دل دادہ
دیکھتے مجھ کو جو پریشاں دل
دیکھ ہمک تو ہی تیرا حال ہے کیا
آفت جاں سے دوستی کرنا
میں جو دیوانہ اُن کے روکا تھا
کچھ نہ سمجھی گئی کس اُن کی
یاد کرتا ہوں اور روتا ہوں

معاملہ ششم

گیسوں بن ہے جی کو بیچ و باب
خواب میں جو ہوں وہ مژدہ باہم
چاند سا منہ اُنھوں کا تکیے پاس
ایک پیکر پر ہی کا سا ہوا باب
ان میں دے دونوں بانگزار آلود
باز و میرے کسو کی بالمش ناز
جس پہ کچھ کچھ مٹے غنبر بار
دست گشتار پر سمر نازک
پھول میں نے بچائے تھے گویا
دن کو ہوں میں شکستہ حالی سے

مگر دوں بن جگر ت داغ کباب
صورت اُن کی خیال میں ہر دم
میں تو بستر پہ دل شکستہ آواں
میں بچھونے پہ بخود ہی خواب
فرش پر پانوں یہ غبار آلود
میں تو آنتادہ نحو عجز و تمیاز
جلتی آنکھوں کے گل رخسار
پاس منہ کے دے لال تر نازک
فرش اُس گھبن سے سب بویا
شب کٹی صورت خیالی سے

گرچہ روزانہ بھی تصور تھا
کہیں تصویر سی نظر آئی
کبھی دل اُن کے روو میں ہے
صورتِ حال اور کچھ ہسروم
میں بھی مقدور تک وفا کی ہے
برسوں تک میں پھرا ہوں سرگرداں
نے فقط جان سے جہاں سے گیا
کیچ پانی ہو مینھ ہو یا برسات
اُن تلک میرے تئیں پہونچ رہنا
آشنا یا ر سارے بیگانے
رشتہ رلہ اُنھوں نے توڑ دیا
نظر آتے نہیں ہیں مدت سے
صبح ہوتے ہی گھر سے چلتے ہیں
چلے جاتے ہیں دیکھتے ہی راہ
مل گیا جو کوئی تو بچ نکلتے
شوق سے اُن کے حال دیگرگوں
رنگ ہر دم مزاج کا کچھ اور
کیا بیاں کرے بقراری کا
جی بڑا تر سے ساتھ سونے کو
پاس اُن کے رہوں تو دل کو قرار
گئی برباد عزت اُن کے لیے
گھوڑے پرست جو اُٹھ نہ سکے تھے
سفر آیا جو اُن کے تئیں درپیش
کیا کہوں جو اذیتیں دیکھیں
جو پڑھے گا بنگ نامہ یاں

لیکن اندوہ سے کمزور تھا
کہیں مُنھ پھیر جیسے شرابی
کبھی ملنے کی آرزو میں رہے
گاہ لب خشک گاہ مرگاہاں ہم
جان غناک پر جنا کی ہے
روز و شب دونوں تھے مجھے کیاں
زن و فرزند و خانماں سے گیا
روز روشن ہو یا اندھیری رات
نیتھے مُنھ دیکھنا نہ کچھ کہنا
کہ ہوئے میری تو دیوانے
ملنا جلتا سبھوں نے جھوڑ دیا
اُنس پیدا کیا سے دشت سے
جیسے کھوئے گئے نکلتے ہیں
پر کہیں کی کہیں بڑے سے نگاہ
بٹری جھپٹی دوانے سے نکلتے
پارہ پارہ دل و سگرستوں
نکل کا کچھ اور سچ کا کچھ اور
ذکر کیا حال اضطرابی کا
دل پریشان جمع ہونے کو
پھر نہ ٹھہرے تک ایک کرے ہزار
جنت لوگوں نے مُنھ پہ ہنسنے دیے
پست بھی کنس پوچھتے تھے
ساتھ اس بچ میں بھی تھا درویش
ہر قدم پر قیامتیں دیکھیں
ہوگی ساری حقیقت اس پر عیاں

یاں نہ تفصیل کرنے کا تھا مقام کہ محبت سے یاں ہے حرف کلام

معاملہ منقسم

بارے کچھ بڑھ گیا ہمارا ربط
تب ہوا بیچ سے یہ رفع حجاب
ایک دن ہم دے متقل نیٹھے
شوق کا سب کہا قبول ہوا
واسطے جبکہ تھا میں آوارہ
گم گئے دست دی ہم آغوشی
پندر روز اس طرح رہی صحبت
کچھ کہوں جو انہوں کی ہو تقصیر
ہو گئے بخت اپنے برعکستہ
بات ایسی ہی اتفاق پڑی
لگی کہنے کہ مصلحت ہے یہ
یوں بھی آتا ہے عشق میں دریش
میں اٹھا یا نہیں ہے تجھ سے ہاتھ
اس جدائی کا مجھ کو بھی غم ہے
میں کہوں کیا مجھے نہ اپنا ہوش
آنسو آنکھوں میں پر پئے جاؤں
ان سے رخصت ہوئے جو بعد شام
دل ٹھہرتا نہ تھا ملالت تھی
یوں ہوا ان کے کو چہرے سے آنا
اب جو گھر میں ہوں تو سزدہ سا
جی اٹھوں میں فسدہ قالبیاں
حال دل کا کہوں جو مہدم ہو

ہو سکا پھر نہ دو طرف سے ضبط
جب بدن میں رہی نہ مطلق تاب
اپنے دلخواہ دونوں مل بیٹھے
یعنی مقصود دل حصول ہوا
ہاتھ آئی مرے وہ مہ پارہ
بہسری ہمکناری ہمدوشی
پیارا خلاص رابطہ الفت
مار سائی تھی طالبوں کی میر
بکھر کیا آسمان نے سرگشتہ
کہ ہوئی سر بہ فرقت آن کھڑی
کتنے روزوں جدا تو مجھ سے رہ
کہ نشان بلا ہوں اُلفت کشش
کڑھیدوست تو ہے میر جی ان ساتھ
کیا کروں آہر و مقدم ہے
جیسے تصویر سامنے خاموش
دے کہیں کچھ تو ہاں کیے جاؤں
تیرہ دیکھا جہان کو ہر گام
جان کو رفتگی کی حالت تھی
جیسے ہووے جہان سے جانا
چار پائی پہ ہوں تو مردہ سا
متحسک ہو کیا تن پنجباں
کروں پیغام کچھ جو محسوس ہو

<p> دل زدہ چکا ہو کے بیٹھ رہا سو نہ آیا کبھی کبھی آیا چاہے ہے کیا ہمارے حق میں خدا رنگ یہ ہے تو کیا نہیں گے ہم دل دہی مال پرسی محسبوی ملتفت حال زار پر رہنا تازہ ہر دم مروت و احسان لطف سے پوچھنا کہ خوش ہے تو کس طرح کاٹوں ہجر کے اوقات آئے جیتوں میں جائیے ہم بھی </p>	<p> جی میں کچھ آیا رو کے بیٹھ رہا کوئی آیا جو واں سے جی آیا دیکھیے چند یوں رہیں گے جدا خون دل کب تلک نہیں گے ہم آہ کیا کیا بیاں کروں غیبی تند ہو کر نہ بات کو کہت لطف مبذول حال پر ہر آن لب سے جان بخش حرف سے دلو یاد کر روؤں اُن کی کون سی بات ملنا اُن سے ہو پھر گھٹے غم بھی </p>
---	--

مدت ہجر اگر متام ہوئی

ورنہ اپنی تو صبح شام ہوئی

~~~~~

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### شہنوی جوش عشق

چل اے خاے بسم اللہ اب  
 ثبت جہریدہ سیری زبانی  
 سرتاپا اندوہ دالم تھا  
 بخود ہو گئی حبان آگہ  
 تاب نے دھونڈھی اکدم رخصت  
 رخصت اس سے ہو گئے بالکل  
 بیتابی نے طاقت پائی  
 کام جگر کا کرنے تباہی  
 پلوں ہی پر رہنے لاگے  
 ایک گھڑی آرام نہ پایا  
 آنسو کی جگہ حسرت پکی  
 اور پلک خوں ناپہ گویا  
 درد فقط تھا سارا سینا  
 شیون لب پر یاس نظر میں  
 مر گئے کتنے سر کو دھن کر

ضبط کروں میں کب تک آہ اب  
 کر تک دل کا راز نہ سانی  
 یعنی میرے کتنے غم تھا  
 آنکھ بڑی اُس کی اک جاگہ  
 صبر نے چاہی دل سے رخصت  
 تب دو ان و فکیب و تحمل  
 سینہ نگاری سامنے آئی  
 کرتے آئے داغ سیاہی  
 خون جگر ہو بہنے لاگے  
 خواب و غورش کا نام نہ آیا  
 چاک جگر سے محبت کی  
 سوز سے پھاتی تباہ گویا  
 آہ سے اُس کی شکل جینا  
 دل میں تمنا داغ جگر میں  
 نالے شکو اُس کے سن کر

روز ہے اب تک آفت سب پر  
 داغوں سے خوں کے قیامت گنیں  
 کوئی نہ اس گھاگل تک پہنچا  
 نواہ لوہو کا چھوٹا  
 بر میں تھا اک بکا پھوڑا  
 بخت نہ جاگے اسکے اک پل  
 تسکین بے آرامی ہی سے  
 دل میں ہو سو منہ پہ عیاں ہو  
 ناخن سے منہ سارا نو چا  
 اور نفس اک تیر خاکی  
 ضعف دلی لے مارا اس کو  
 خاطر میں غمگینی اس کے  
 تھا گو یا گل آخسر موسم  
 بی طاقت بے جان رہے وہ  
 کھٹے کو زندہ لیکن مردہ  
 خلق بسمل دیدہ پر خوں  
 گھوشتہ دامن و قف زنگاں  
 ساجل خشک بلی کے سائل  
 خوں باری سے سیل بہاری  
 لب چش جس کا ہودے نہ دیا  
 شور قیامت فوج گری سے  
 داغ جنوں دے جکو چراغی  
 چائے میں اک تار نہیں تھا  
 صحر صحر خاک اڑا دے  
 اشک کی جاگہ رنگ رواں ہو

آہ و فغاں ہے اس کے لب پر  
 روئے و جبین پر خراش ناخن  
 زخم سینہ دل تک پہنچا  
 آبلہ دل کا جب کوئی پھوٹا  
 غم نے تو دل میں کیا ہے پھوڑا  
 سو نہ گیا یکدم وہ بے کل  
 کام رہا نا کامی ہی سے  
 رخساروں پر خون رواں ہو  
 وشتہ غم سے سینہ کو جب  
 دل آماجگہ غمناکی  
 نے طاقت نے پارا اس کو  
 نالہ دل میں حسرتی اس کے  
 رنگ اڑے چہرے کا ہر دم  
 دست بدل ہر آن رہے وہ  
 رنگ شکستہ بس کہ فسرہ  
 خونباری سے چہرہ گلگوں  
 جد دل جاری جاگ گریباں  
 دیدہ تر کے دریا قائل  
 ہر دم ہو ہر سمت کو جاری  
 تشنہ بلی اک منہ پر پیدا  
 خاک پس آشفستہ سری سے  
 سرتا پا آشفستہ دماغی  
 غم سے گرچہ دم بھی کہیں تھا  
 دادی پر جب اپنے آدے  
 کلفت دل جب خاک نشاں ہو



گل اُن نے نرنگہ کھائے  
 دل کے غبار نے راہ جو پائی  
 سر پہ اُس کے سنگ ہمیشہ  
 آہ سرد کرے وہ عسریاں  
 گرد کی تہ اس کا پیرا ہن  
 بار دامن تار گر گیاں  
 پامالی میں مثل حبادہ  
 رشت تلک گئی آبلہ پائی  
 اُس کے جو پامال ہوئے سب  
 جن نے دیکھا اُس کو کیدم  
 چندے یہ ناشاد رہے گما  
 جلنا اُس سے کرے زکنا  
 کو ہو چکے آہ سحر سے  
 رکھتا سدا تھا وہ دیوانا  
 سرِ فواد می شقا شقا  
 ہوش خسرو ناشاد گئے سب  
 دردِ دل سے کچھ نہ کہے وہ  
 حسرت اُس کی ایک اعجو با  
 غیر سے بولے نہ یاروں ہی سے  
 سمجھ تو کوئی داد کو پہونچو  
 ورنہ رہے من مار کر اپنا  
 کیونکر غم سے ہو آزادی  
 کوئی نہ اس پر سایہ گستر  
 نے کہے نے دیر کے قابل  
 کیسا کہیے کیسا کچھ تھا

پھولوں کی چھڑیاں ہاتھ بنائے  
 شہر میں گویا آندھی آئی  
 جی پر عرصہ تنگ ہمیشہ  
 بید سا کانپے موئے پریشاں  
 دامن صحرا جس کا دامن  
 دامن قرب ہوار گر گیاں  
 نقش قدم سا خاک اُفتادہ  
 دور گھنچی اُس کی رسوائی  
 خار بیا باں لال ہوئے سب  
 اُن نے کہا یہ بھول کے سب غم  
 بہ مدت تک یاد رہے گما  
 جیسے چراغِ وقف ہمارا  
 لالہ گتھواں لختِ جگر سے  
 ورد زباں یہ شعر دانا  
 حقاً حقاً حقاً  
 دین و دل برباد گئے سب  
 ہر اک کا منہ دیکھ رہے وہ  
 آب و ہن کی موج میں ڈوبا  
 بات کہے تو اشاروں ہی سے  
 عاشق کی فریاد کو پہونچو  
 سر دے مارے مار کر اپنا  
 جان کے ساتھ اُسکی ناشادی  
 اپنا ہاتھ اپنے ہی سر پہ  
 مذہب اس کا سیر کے قابل  
 لقصہ وہ ایسا کچھ تھا

## در صفت لب کہ با او علاقه دل بود

جی سے تھا یہ عاشق صادق  
 نگہت گل گرورہ اُس کی  
 نقش قدم تھا یا سمن اُس کا  
 یہ رو گل نے کہاں سے پایا  
 سنبل اک زنجیری موکا  
 اوہ درخت شرمندہ ہو  
 کاکل صبح سے خوش آئندہ  
 شمع مجلس پانی پانی  
 اس چہرے کے ہو نہ مقابل  
 شمع دیکھو آئینہ مہ کا  
 لیکن اُس کی چشم نظر کر  
 ترس کی بھی آنکھیں کھل گئیں  
 فتنہ اک سوتا نہیں تب سے  
 بلکہ سراپا حبان مجسم  
 ہرگز اُس کو بات نہ آوے  
 چشم اُس کی تھی پشت پا پر  
 شکل تھی واں جائے سخن کی  
 پھیلاوے ہے غنبر سارا  
 شاید شکر تنگ ہو اب کے  
 دست حنائی پنجہ مراں  
 برق خسر من مہ پرے میں  
 خورشید اُس دم دوبا عبا  
 کاوش کم کم تنگ مرہ کا

وہ کیسا تھا جس پر عاشق  
 دیدہ گل میں جباگہ اُس کی  
 چشم برہ سارا چمن اُس کا  
 آگے اُس کے کبھو نہ آیا  
 گل آشفتنہ اُس کے روکا  
 جب وہ چہرہ تابندہ ہو  
 زلف اس چہرے پر تابندہ  
 دیکھ اس گل کی نور افشانی  
 ہو ہر چہرہ یہ بدو کا ریل  
 حوصلہ کتنا اُس بے تہ کا  
 رکھتی تھی و عوئی خوش خلی  
 بہتوں کی جب جانیں گل گئیں  
 دور چشم ہے اُس کا جب سے  
 رخ لب سے جاں بخش عالم  
 عیسیٰ کو گر لب دکھلائے  
 کوئی مرد اذاز حیا پر  
 کچھ مت پوچھو تنگی دین کی  
 گر کے شمیم زلف گزارا  
 خط آیا ہے گر داس لب کے  
 دونوں لب اُس کے گل پختاں  
 تھا دیکھا بکرہ پردے میں  
 جدم برقع شمع سے اٹھاتا  
 بار دلوں کے خدنگ مرہ کا

بھوں کی کشش کا دوانہ عالم  
 تیغ و تبر تھی ابرو اُس کی  
 تاز کی مے سے مست رہے وہ  
 زلفوں کے سب تار پریشان  
 سایہ سے اُسکے سرو بنایا  
 ہووے خراباں جب وہ کافر  
 چشم کرشمہ جان تغافل  
 کیا جانے وہ حال کس کا  
 پاتے ہی ابرو کا اشارا  
 جب وہ خسرو تاز کرے ہے  
 رخصت دے گر عشقہ گری کو  
 سننے میں وہ صفائے دنداں  
 رشک سحر کو صافی تن پر  
 وہ صفائی اُس سینے کی  
 شکل چیں میں یہ تاز کہاں ہے  
 ایسا خوب جہاں میں کہیں ہے  
 جب وہ شکل نظر آتی تھی  
 رنگیں اس کی اس کلف پا سے  
 چشم کرد انصاف کی گروا  
 کون ہوا اس محبوبی سے  
 بار نزلت کیونکہ کٹھاوے  
 ہے گی رگ گل یارگ جاں ہے  
 سعید ملک قربانی اُس کا  
 اور جو خوب پاویں اُس کو  
 جاویں اس پر جان بھوں کی

تیر نگہ کا نشانہ عالم  
 آتش کشش جو تھی اُس کی  
 اکشر دست بدست رہے وہ  
 سراو پہ دستار پریشاں  
 خاک رہی سے تہو رو بنایا  
 کبک کی ہووے جان مسافر  
 شایاں اُس کی شان تغافل  
 پتھر دل اُس آئینہ رو کا  
 غمڑے نے اک خنجر مارا  
 جی کو جو ریشا ز کرے ہے  
 ایک ہی جلوہ بس ہے پری کو  
 برق خسرو من عالم امکان  
 خون صراحی اُس گردن پر  
 غیرت افزا آئینے کی  
 صورت ہے انداز کہاں ہے  
 رحم ہے اسیراب جو نہیں ہے  
 کلفت دل کی شکل جاتی تھی  
 جائیں نہ کیوں یاں اپنی جا سے  
 یوسف و شیریں لیلیٰ عذرا  
 خوبی تھی یہ اس خوبی سے  
 شاخ گل سا لہکا جاوے  
 یہ نازک اسرار میاں ہے  
 یوسف اک زندانی اُس کا  
 ایک گیر و گھلاویں اُس کو  
 تیغ رہے درمیاں بھوں کی

غصے ہو تو پھر نہ سنے وہ  
کچھ ٹھہرے تو کہنے میں آدے  
آرزو اس کی سب کے دل میں  
ہندہ کون رہا ہے خدا کا  
رچھے نہ وہ بیمار کو اپنے  
دشمن حبالی اہل و ناس کا  
واں ہو چکے نہ دعا کے کعبہ  
اٹھ گئی واں سے رسم ترم  
سو دل نختے واں کے طائف

تھا بنا جائے کس کے کہنے وہ  
کیا کوئی شوخی اس کی بتا دے  
کیا ہے اس کے آب و گل میں  
سب کو میل اس بت کی ادا کا  
دیکھے نہ عاشق زار کو اپنے  
عاشق ظلم و جور و جفا کا  
کو چہ رفک فرا ہے کعبہ  
برشب اک فسدا و نظم  
آہیں جن کی درد و طائف

### رخصت شدہ رفتن یار و بیاب شدن عاشق بمقار

آوے زباں پر جو تقسیم یار  
سرتاپا اندوہ و الم کا  
حب و وطن کو جی سے دھو کر  
جلنے کے میں اور عباد  
سرتے آپ حسرت گزرا  
اس سے آگے آپ غیب وہ  
دیکھ اس گل کو لگا یہ کہنے  
جان گئے پر جیتے رہے  
اور نلک آنکھوں سے دعا وے  
آئیے پر پانی و آلا  
راہ دور سے آوے شالی

کراے خامہ وہ تحسیر یار  
یعنی میر اس خستہ غم کا  
بارے سفر کا مال ہو کر  
رخصت کو اس پاس بھی آیا  
وقت وداع قیامت گزرا  
اک دم بخود ہو کے راہ وہ  
آنکھیں لگیں ناسور ہو جئے  
ظلم ہے لو ہو پتے رہے  
عمر عزیز چلی یوں جاوے  
آنکھوں کے خدا کے حوالہ  
تاکہ رو دکھلاوے شالی

یار گئے پر میر جو ہے

جان سے خالی اک قلم ہے

راقم غم ہے وہ دل تفتہ نامہ بر اس کا رنگ رفتہ

قاصداشک ہمیشہ رواں ہے  
 تر ہو بال کبوتر خوں سے  
 جس سے کباب کبوتر ہووے  
 شعلہ خط میں لپیٹ دیا ہے  
 شعلہ اک جوں شمع زباں پر  
 یار کا اپنے شوق کفٹ پا  
 اور حنائی کا غم نامہ  
 دیکھے راہِ عمر گزشتہ  
 آہ وہ تازہ ظلم رسیدہ  
 ہر دم جی رخصت ہوتا ہے  
 مرنے قریب ہے وہ دوری سے  
 باتوں پر اُسکے رونا آدے  
 پر کالہ پر کالہ جب گر ہے  
 ہے یہ گرہ اک دل کی تمنا  
 گل یہ چنے وہ دامن دامن  
 دے پیغام ہمیشہ صبا کو  
 بھولوں ہوؤں کو یاد دلانا  
 شام سحر دن رات یہی ہے  
 پھر بھی ملیں گے جیتے جی ہم  
 تاب نہیں ہے اہل جہاں کو

تم سے فرصت اُس کو کہاں ہے  
 خط لکھتا ہے اس مضمون سے  
 خط سے اک آتش پر ہووے  
 جب درد دل اُن نے لکھا ہے  
 سوز کے آوے جب وہ بیاں پر  
 جب کرے خون جگر سے انشا  
 ہوا انگشت بڑیہ خامہ  
 راہ پر بیٹھا وہ سرگشتہ  
 آگے تھا کب جبریں دیدہ  
 کیا کیا بے طاقت ہوتا ہے  
 حال عجب ہے رنجوری سے  
 جب وہ درد دل کو جتاوے  
 دستہ دستہ داغ بسر ہے  
 اشک نہیں آنکھوں سے ٹپکتا  
 داغ دروں ہے گلشن گلشن  
 چھوڑے نہ راہ و رسم وفا کو  
 پس اس کے گھر تیرا ہو جانا  
 زہر لب اُس کے بات یہی ہے  
 تھینچیں گے کب تک یہ سختی ہم  
 بس اسے خامہ رکھ لے زباں کو

قصہ غم کو نہایت کبھی  
 اس سے خصوصی اب انس ہے

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

### ثنوی اعجازِ عشق

|                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                             |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                              |
|-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| <p>ذہن اس میں جنبش کرے کیا مجال<br/>         کرے کوئی مہر اسکی سو گیا بیاں<br/>         کہ ہے عقل کل یاں پریشاں خیال<br/>         گماں یاں پریشاں پشیمان ہے<br/>         سہ و خورہ ہیں اس سے ہی ہر خور<br/>         کف خاک کو آدمی گرد کھائے<br/>         سو رکھ جائے وہ اس کف خاکیں<br/>         منزہ ہے دو یکہ تنزیہ سے<br/>         کئے اُن نے دئے میں خرم نہاں<br/>         ورے ہے زمانے کی یل دہار</p> | <p>تھائے جہاں آفریں ہے محال<br/>         کمالات اُسکے ہیں سب پر عیاں<br/>         کہوں کیا میں اس کی صفات کمال<br/>         خرد کنہ میں اُس کی میران ہے<br/>         زمین و فلک سب ہیں اُسکے حضور<br/>         یہ صنعت گری اس ہی صناعت سے آئے<br/>         نہ آوے کسی کے جواہر اک میں<br/>         بری ہے گامتشیل و تشبیہ سے<br/>         وہی حاصل مزرع آسماں<br/>         سفید و سیہ کو نہیں اُس کی بار</p> |
|-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|

وَر توحید انشاظر از حسینے کہ فقرہ یکتائی او بجا الم و ویدہ

|                                                                                  |                                                                           |
|----------------------------------------------------------------------------------|---------------------------------------------------------------------------|
| <p>کماں اُسکے ہی ہیں جدِ عہد بچھے<br/>         وہ شب باز آن پیلوں کے ہر ساتھ</p> | <p>سوا اُس کے نقصاں ہے گرد بچھے<br/>         سرشتہ خلق کا اُس کے ہاتھ</p> |
|----------------------------------------------------------------------------------|---------------------------------------------------------------------------|

یہ قالب ہیں سارے وہی جان ہے  
یہ سب رنگ اللہ ہی کے ہیں یار  
یہ سب طرحیں ہیں ایک نام خدا  
جدھر دیکھو اللہ ہی اللہ ہے  
تہان و عیاں سب میں پیدا ہے وہ  
یہ سب عکس اُسکے ہی پڑتے ہیں یا  
جو اس بن ہیں توحیف ہے کائنات  
وہی ہے گا مبداء وہی ہے معاد  
ولیکن لبالب ہو اس میں رحق  
کہ درپیش ہے نعت احمد تجھے

سبھوں میں نمود اُسکی ہی شان ہے  
محل و خیمہ د رنگ و بود بہار  
اگرچہ سبھوں کی ہیں طرحیں جدا  
سما رنن و نور شید یا ماہ ہے  
نقر کر کے ٹہک دیکھو ہر جا ہے وہ  
بہر صورت آئینہ ہے گا جہاں  
ملک جن و میواں جہاد و نبات  
وجود عدم اس سے دونوں میں شاد  
مجھے ساتی و ست کوئی جام عقیق  
رکھے آپ میں جس کی آمد تجھے

### در نعت سید المرسلین

درود تحیات احمد کے تمکین  
زہے حشمت و جاہ وصل علی  
شرف و دودمان قضا کا ہے وہ  
پیر اس سے عبارت ہے نور خدا  
اڑے حشر تک تو پہونچنا نہیں  
کہ تھا قاب قوسین ادنیٰ مکاں  
کیا جس کی خلقت پر صانع نے ناز  
حقیقت کو پہونچو تو معبود ہے  
محمد بن اور آل بن اُسکے میر  
توقع شفاعت کی ایک اُس سے ہی  
وہ ہے شافع حشر و خیر الانام  
کہ ہو جائیں سرخ آنکھیں نازوں  
کرا ویرہ گوش گمچھ ہے ہوش

تھا جان پاک محمد کے تمکین  
رسول خدا و سیر انبیا  
دیا مجلس کعبہ اکا سے وہ  
سب اس صفحے میں ہیں ظہور خدا  
جہاں وہ ہے وال جبریل میں  
مروں اُس کی قربت کا کیا میں یاں  
مرا زیر پا اُس کے فرق نیاز  
بصورت اگر عبد مشہود ہے  
نہیں پاشکستوں کا اب دستگیر  
گنہگار بنوں چشم ایک اُس سے ہی  
درود آل پر اُسکے ہر صبح و شام  
پنا ساقیا بادۂ عمل گوں  
ہے اب حرف ستانہ کا میں خوش

## مناجات بطور عاشقان زار در بلائے جدائی گرفتار

پس از مرگ عدد سال خنداں ہے  
صبا و دست رکھے مری خاک کو  
غم دل بھی مجھ پر نوازش کرے  
مراد دل مجھ پہ عاشق رہے  
وہ آٹھوں پیر ہی رہے پیر پاس  
کہ سیلاب آتش پہ نازک ہو  
کہ فور رشید کی چوٹ جاوے پیر  
اڑے پر لگا کر مارا رنگ رو  
شگفتہ رہے یہ گل باغ دل  
مجھے دیکھ رہے کی فرست رہے  
مری ناتوانی قیامت کرے  
مردوں میں تو مرنے کو تیار ہو  
کہیں تو دل پر کہ خالی کروں  
وہ بود پوسے اشک نہ امت مجھے  
کہ تا جیب دامن ہو قرب و جوار  
بیاباں میں مجھ سے قیامت رہے  
بھلا دے خضر کو مری گر ہی  
تو ہو جائے سرو آتش قافلہ  
کہاں تک ہیں خون دل کی شراب  
محسوس ہمارا کبھو عید ہو

مرا زخم یارب نمایاں رہے  
رہے دشمنی جیب سے چاک کو  
شرہ اشک غنیمت سے سازش کرے  
جگر سے طہیدن موافق رہے  
جو نالہ ہو شہگیر کا روشناس  
شرہ گرم افسوس و ننگ ہو  
کرے نیزہ بازی یہ آہ سحر  
خوشی سے مجھ کو رہے گفتگو  
نہ مریم سے افسردہ ہو داغ دل  
سدا چشم حیرت سے نسبت رہے  
اگر ضعف ملک کسب قت کرے  
مری بیکسی ناز بردار ہو  
بیاباں میں آشفستہ حالی کڑوں  
کریں دونوں عالم ملامت مجھے  
مرا ہاتھ ہو چاک کا دستیار  
جنوں میرے سر پر سلامت رہے  
بہکنے سے مجھ کو نہ ہو دار ہی  
جو ہو گرم رہ پائے پیر آبلہ  
ارے باقی اسے غیرت آفتاب  
کبھو ساغسر بادہ کا دید ہو

## در تعریف عشق خانماں آبا و آزاوگاں بڑا نہاد

کہ ہے کھیلنا جی پہ بازی تری

رہے عشق نیزنگ سازی تری



تجھی سے مرے دلیں ٹھٹھا ہے درد  
 تجھے رشتہ نسج و زنا سے  
 تجھی پر ہے قمری بھی خاکستری  
 ترا شور صحر کو رہنے نہ ہے  
 تجھی سے مرا سینہ صد چاک ہے  
 تجھی سے نہ برائی میری امید  
 تجھی سے ہے فرا کو ہوں یہ مرد  
 تجھی سے ہے وابستہ دل بستی  
 تجھی سے ہے پروانہ آتش کا باب  
 تری ریچھ دیکھی ہیں ناکامیاں  
 تری تیغ سے قیمہ ہیں یار لوگ  
 تجھی پر ہیں موقوف جانبازاں  
 و لیکن تہرا راز رسوا رہا  
 ترے جرم پر جی دیا ہی کئے  
 کہ مرہم سے بیزار ہے زخم دل  
 کہ شکل ہوا ہے تجھے ضبط اشک  
 نہ نفز ش ہے تجھ بن کہ بہکا کلام  
 کوئی کیونکہ اس رنگ ظالم جیے

تجھی سے ہے آپ رینہ زرد زرد  
 تجھے ربط کنارہ دیندار سے  
 تجھی سے ہے بلبل کو فوج گری  
 ترا جذب دریا کو بہنے نہ دے  
 تجھی سے دل شاد و غمناک ہے  
 تمنا کو تو نے کیا ہے شہید  
 تجھی سے ہے بخون صحرا نورد  
 تجھی سے گلو بند ہے خستگی  
 تجھی سے دس عاشقاں ہے کباب  
 ترا کام دینا ہے بدنامیاں  
 تجھی سے سر سیمہ ہیں یار لوگ  
 تجھی میں ہیں یہ کار پردازیاں  
 تجھے اس کے چھپنے کا سودا رہا  
 ہوا پنا عاشق پیا ہی کیے  
 ترا ہی نمک خوار ہے زخم دل  
 تجھی اک ہی شرکاء سے یہ بظا شک  
 کہ ہرے تو اسے ساتی لالہ نام  
 کہاں تک کوئی خون دل کو پیے

### زبانی درویش جگر ریش کہ اس بلا در سر آمد

کہ درویش سے یہ حکایت ہی اک  
 جواں ایک وال مفت مارا گیا  
 تعجب میں اسکے کہاں تک ہوں  
 مصیبت زدہ بن اجل ہی ہوا  
 پشیمانی اس کی ہے مجھ کو ہونوز

کہ سو مستبر سے روایت ہی اک  
 کہ اک ملک میں قضا را گیا  
 وہ جطور مارا گیا اب کہوں  
 سن اب آجو کچھ اسکے جی پر ہوا  
 اٹھا سیر کرنے کو میں ایک روز

نظر جا پڑی جو مری ایک سو  
 فقیروں کی سی بھولی ایک سکہ پاس  
 سراو پر تھا ہنگامہ اک اُسکے جمع  
 لقب اُس کا دیوانہ عشق تھا  
 جوانی کے گلشن کا وہ تازہ گل  
 اُسی کی سی مقدور تک سب کہیں  
 وہ اک دو دماں کا تھار دشن چراغ  
 ولے اُسکے دل میں اک آتش تھا  
 سب آرام چاہیں اسے نظر  
 نہ کچھ ہوش نگر جانے کا اُسکو تھا  
 نہ طاقت تھی تن میں کچھ جی میں  
 سراہ دل تیرہ قہر سے  
 سن اُبیہ نو محل عشق کی بیگلی  
 دل دھرو ہوش و توان و جو اس  
 نہ ناموس کا ننگ نے نام کا  
 شب دروز فریاد کرنا اُسے  
 تماشے کا دیوانہ پیدا ہو  
 جو دم لے طیش تو شتابی کرے  
 کرے طرح دانعوں سے وہ بانگ  
 دل غمزدہ سے نصبت اُسے  
 وہ بیتابیوں سے بہت کہ فراغ  
 اُٹھی اُس کے جی سے نغال کی تر  
 وہ ہر چند ہر صبح کو ہو بول  
 نہ اُسکو اُس کے تھی اس پر نظر  
 سکے رنگ رو کیوں مراد و ب

سراہ بیٹھا تھا اک خوب رو  
 بدن میں نہایت مکلف لباس  
 بیٹھے اکٹھے ہوں جوں گرد و شمع  
 کہ شہریت میں افسانہ عشق تھا  
 کرے جس کی خاک قد مراد و گل  
 سدا اُس کا نقد دیکھتے ہی رہیں  
 جلاتے تھے سارے اُسی پر دماغ  
 کہ دتے جنا اُس سے سارا جہاں  
 سر پتنگ یک دل بقیدار  
 قشت نام جانے کا اُس کو تھا  
 نہ دلی پاس نے خبر و آرام و خوب  
 یہ کہتا تھا مری سے بس ایسے  
 نہ مگر تی نام نہ ہر دوں  
 رہیں اُسکی دخت سے سدا بول  
 مولا دوست دشمن تھا آرام کا  
 کئی بار اک دم میں مرنا اُسے  
 زمانے کو چہندے تاشا ہوا  
 تسلی دل کی خبر ہی کرے  
 روانی اُسی سے نہ داغ کو  
 قیامت نوشی سے عداوت اُسے  
 کہیں سیر کرے گا اُس کو داغ  
 وہی برہید سستی آو تھر  
 دیکھیں سدا سکی کب ہو قبول  
 نہ آہ تھر میں تھا اُس کے اثر  
 رکھے ہاتھ دن پر کہ کچھ درد ہے

بدبخت دل رونے کی کچھ تیار  
کمرے تعزیت خانہ دنیا کے تئیں  
بیاں اُس کا کچھ گو گو ہی رہے  
سیہ مستی کا ہم کو بھی ذوق ہے  
کہ پروے میں کب تک بچے ساز عشق

کمرے دیدہ اشک افشاں پہ ناز  
وہ کاندھے پہ نقش تما کے تئیں  
کئے نہ کسو کی نہ اپنی کے  
ے آسانی مگر بادہ کا شوق ہے  
کھلا چاہتا ہے گل راز عشق

### رفتن درویش پیشانِ حیران از خوش و دلہی کردن و پیشانِ ریش

مجھے بھی سخن کا بہانہ ہوا  
کئی بتیں پڑھتا تھا وہ سینہ سوز  
چلے ہیگی تقدیر کرتے زباں  
جگر کیوں نہ چلجائے آتش ہریاں  
کہ آنکھوں میں اب آ رہا ہے یہ جی  
ہوا ہوں میں سارے قبیلے کا تنگ  
کہ آہ بلب تار رسیدہ ہوں میں  
وداع دم واپس بھی قریب  
یہ دم بھی ہوا ہے کوئی دم کے بیچ  
کس امید پہ میں ہوا ہوں بلاک  
رہیں آفتیں میرے سر پہ نمی  
یو نہیں ہوتی جاتی ہے حالت تباہ  
تماشا ئی مجھ پہ بہت رو گئے  
کہاں ہے تو اسے گل ہوا پھر گئی  
تصویر ترا جی سے جاتا نہیں  
کہ جس سے ہوا جائے ہے رنگ رو  
دل شب سے گزرے ہے فریا دیاں  
کہ ہے نقش پا کی طرح پامال

یہ قصہ جہاں میں فسانہ ہوا  
دے گاہ وہ شمع مجلسِ سرور  
کہ جن کا یہ مضمون تھا دوستاں  
بڑی آتش عشق سرکش ہریاں  
نظر آ کہیں جا رہا ہے یہ جی  
زن و مرد کی ہوں زباں سے تنگ  
سدا خون دل میں پلیدہ ہوں میں  
ترسی دوری میں پہونگی ہوائے حبیب  
جگر تو ہو پانی بہا غم کے بیچ  
سمجھنا یہ بھی اسے مرے سر پہ خاک  
تو جب سے ورا د پر نظر آ گئی  
نہ نامہ نہ پیغام نے رسم ورا د  
دل و دیدہ سب تدعی ہو گئے  
کئی بار جاں لب پر آ پھر گئی  
یہ حیران ہوں صبر آتا نہیں  
خراش جگر سے ہے چھاتی میں درد  
رہا کرتی ہے واد بیدادیاں  
سرور تک آدیکھ یہ خستہ حال

ترے دورِ غم میں تو جوں کہیا  
 نہ آنا نظر ہی ادا ہے ولیک  
 ترے غم میں اسے آفتِ روزگار  
 کہاں ہے تو محلِ نشین حیا  
 کہہ اس طرز سے حالِ دل کا تمام  
 کہاں ہے تو اسے ساقیِ گلزار  
 لکھوں قصۂ عشق بے کیف و کم  
 مجھے آہ اک اس کے دل کی لگی  
 گیا زہرِ تابِ دل آب ہو  
 کہ اسے نازِ پردہِ مرد و وف  
 مثل ہے کہ جی ہے تو ہے گاہِ جا  
 تلف یوں نہیں جان کرتا کوئی  
 تہِ دل ہو معلوم تا بولِ نامک  
 سخنِ حسرت آلود کہنے یہ آ  
 وگر نہ توڑک ٹوک کے مر جائیگا  
 تو ہے صر صر غم سے آتشِ بجان  
 تو اسے شمعِ فاش زباں نامک  
 تو کس آتشِ تند پر ہے سپند  
 جلاتی ہے آتشِ تری میرے نہیں  
 گھٹنا پائے ہیں تجھ کو ہر صبح و شام  
 ترا دردِ پناہ ہے گو آشکار  
 کہیں دل لگا ہو تو یہ مجھ سے کہ  
 جہاں کو تو بھیجے وہاں جاؤں میں  
 جو حورِ بہشتی بھی ہو تیری بار  
 خدا جانے کیا جی میں بات آگئی

سنا ہی گیا نامِ ہمدون  
 نہ اتنا کہ جاتا رہے جی سے ایک  
 ہزاروں باتیں میں یاں ردِ بکار  
 سہراہِ نالاں تھا مثلِ در  
 خوشی کو پھر اس نے فرمایا کام  
 کہ دے مجھ کو جامِ نئے خوشگوار  
 قلمِ بخودانہ کرے کچھ رسم  
 کہے تو کہنے میں بر بھی لگی  
 کہا آگے جا کر میں بیتاب ہو  
 کوئی اپنے جی پر کرے سے جفا  
 وگر نہ ہوئے پر ہے کیا میری جان  
 نہیں اس سیلے سے مرنا کوئی  
 تو مر مکانِ غمِ بستہ کو کھوں ملک  
 کچھ کدِ دل کی باتیں زباں پر بھی نا  
 یہ ہے عشق کا مہ اپنا کر جانے مجھ  
 دیا سنا مجھ جیسا تو اسے جوان  
 کہ کس مجلسِ فردوس سے تو جلا  
 تیرا دو دہل یہ ہو اسے بلند  
 کیا داغِ کس شعلے نے تیرے نہیں  
 نہ کاہیدہ ہو تو ہے ادا تمام  
 یہ مجھ سے کیا کہہوں رازِ در  
 کہوں اس سے جا کر نہیں تو نہ رہ  
 کہے کام جو تو عجب لاؤں میں  
 کہوں میں ملک کی حرج واز گرا  
 کہ یہ میری دہلوی ہی جی جی

یہ شکر جو این ز خود رفتہ نے  
 کیا سوزِ دل کہ لبوں پر نمود  
 سخن ہونے مانگے نمودار کچھ  
 کہ جس سے یہ معنی ہوئے مستفاد  
 جو دلجوئی میری ہے مگر نظر  
 نہیں اُسکو درکار کچھ جستجو  
 زبانی مرسی در پہ یہ جا کے کہ  
 ترے واسطے خوب رسوا ہوا  
 تسلی شکیبائی مطلق نہیں  
 رہی جب تلک تن میں تاب و توان  
 شبانی سے دے ساقیا جامِ عشق  
 ہوا خراب دل کا سب خونِ ناب  
 لکھے سے جواں کے غرضِ قصد کر  
 کن آوازِ دستک کی اک ترکِ حور  
 دو چار آ کے مجھ سے ہوئی ایک بار  
 ہوئی دیکھے سے جب حقیقتِ علیا  
 بشر کیا کہ دیکھ ایسی آفت کے نہیں  
 کہا میں نے پیغامِ جو آ یا بن  
 مرہ نخت عاشق کی برکشنگی  
 قد و قامت اس کا کروں کیا بیاں  
 وہ نازاں جدِ صرا آتی تھی اچلی  
 میں سودائی اس زلفِ تاریک کا  
 شکن اُس کی کاسل کا دام بلا  
 جھوٹوں کی کمانوں سے لگنے لگا  
 اگر ابرو اُس کی جھک جاتی تھی

جگر سوختہ اور دل تفتہ نے  
 زباں تاب کھانے لگی جیسے دود  
 لگا کرنے پیچیدہ گفتار کچھ  
 کہ اسے ٹھکسارِ دل نامراد  
 تریاں اک غلہ ہے تک قصد کر  
 سرا ایک ترسا کی ہے قبلہ رو  
 کہ احوال سے میرے غافل رہ  
 مرے سر پہ ہنگامہ برپا ہوا  
 پر اب تابِ تنہائی مطلق نہیں  
 اٹھایا تھمیل کا بارِ گراں  
 کہ لکھنے لگا ہوں میں پیغامِ عشق  
 پیوں کب تلک اک گلابی شراب  
 گھیا بندہ ترسا کے دروازے پر  
 مہ چاروہ سی نپٹ باشعور  
 گیا جسکے دیکھے سے صبر و قرار  
 کہا میں کہ تاجِ سر پہ تھا جہاں  
 فرشتہ بھی رو بیٹھے عصمت کے تکیں  
 یہ غولی سے اس کی کروں کیا سخن  
 منگہ ایک عالم کی سرکشنگی  
 قیامت کا ٹکڑا ہوا تھا عیاں  
 قیامت بھی آتی جلو میں چلی  
 ہر اک موسیبِ رنج باریک کا  
 ہر اک حلقہ زلف کا دم بلا  
 اٹھتے تھے اڑ اڑ کے جوں تیز مار  
 مہ نو کی گردن ڈھلک جاتی تھی

ہے اُس کے ابرو جدھر کر کے ناز  
 کمان اُسکے ابرو کی عاشق کمیں  
 نہ آنکھوں کی مستی کی اُس کو خبر  
 نگہدار تھی سُرخ چشم کی  
 شہید اُس کی چشم کے دل خنک  
 مرثہ موجب قتل جمع کشیر  
 چھپیں اسکے غمزے میں کتنی سناں  
 جبین کھول دی اس پر نیراد نے  
 رواں اس شب افروز سے اشک شمع  
 وہ مردوں کو زندہ دوبار کرے  
 پیری منقل رنگ رخسار سے  
 فخر تشنہ اُسکے ہے دیار کا  
 سوا اُس کی باتوں کے سب باتیں ہیں  
 غرض اور سب یونہیں کہنے کو ہیں  
 لب سُرخ اُس کے وہ گلبرگ تر  
 بٹسم میں اپنے وہ برق ہزار  
 دہن غنچہ ناشگفتہ سے کم  
 تبسم تنک گر وہ دلکش کرے  
 نہ دیکھا کسی نے جون اُس کا صاف  
 کمر اُس کی ممکن نہیں ہاتھ آئے  
 نہ رنگ صفا ہی فقط تن پہ تھا  
 کیا اُن نے پامال فتوں کا خون  
 ادا اُس کی عاشق کے جی کی بلا  
 اگر جلوہ گر ہو وہ معشر خیرام  
 خراماں خراماں جدھر آگئی

کرے اُس طرف ایک عالم نسا  
 خدنگ اُسکے ترگاں کی سب دلنشین  
 خرابی نہ عاشق کی تہ نظر  
 طرندار تھی اپنے ہی چشم کی  
 نشانے نگاہوں کے دل بستگان  
 غرض سب سے یہ ایک ترکش کے تیر  
 نمایاں ہوئے سب پر مرگ جہاں  
 کہ چیں مانی خوبان نوا دہنے  
 یہیں سے ہے روشن کہ تھی بک شمع  
 سیما جہاں سے کتنا کرے  
 غل کبک انداز رفتار سے  
 سیما شہید اُس کے بیمار کا  
 جسے نکلے مردے بھی جی جاتے ہیں  
 سیما کے لب یونہیں کہنے کو ہیں  
 پھپھیں جن میں دندان کے سنگ گر  
 دم شہر ہوتے گئے آبدار  
 سخن رہبر و راہ تنگ عدم  
 دلکش میں گل صد عین غش کرے  
 نظر گر نہ ٹھہرتے تو کیجئے معاف  
 مگر صاحب دست غیب اُسکو پائے  
 کہ مینا کا خون اُس کی گردن پہ تھا  
 حنا اُسکے ہاتھوں میں کتنوں کا خون  
 نہ میری تمھاری سبھی کی بلا  
 تو معلوم ہے پھر جہاں کا قیام  
 قیامت ہی گو یا او شہر آگئی

اے لڑکھن پائے تازے  
 نہ ہو دے وہ دن جس میں ہو نقاب  
 اسی بت کا ہر اک تئیں ذکر ہے  
 چڑھا دے اگر ہاتھ سے آتیں  
 ہو میں طرح اس سے بھکاریاں  
 تیرم کو پاؤں تلے وہ سنے  
 جو آمد ہو اس کی نصیب چمن  
 گل کی اس کی فردوس کا بھی شرف  
 زمین اس کی پیدست گلزار بھی  
 گل اس کی وہ منت لگا و عجیب  
 وہی جائے باش و عاشقان  
 صبا اگر آوے تنک ل کی خاک  
 کئی نذر کش داں کئی نصیب و دن  
 کئی بے دھن داں سفر کر گئے  
 ہر اک جان ہر شخص بکام کی  
 پھر دل گرد ساقی نشے میں ترے  
 مجھے مست آپ سیدہ کیے کر  
 شاد وہ بگر سوز پیغام جب  
 پڑھی اک رباعی یہ کہ اعتبار  
 کہ جبر میں جو بھڑائی کرت  
 نہ سونے دے ناوں سے ہمایہ کو  
 محبت کی رہ میں یہ پہلے کام  
 نہیں شرط الفت میں چین چین  
 جو چھوڑیں پڑنا ہو جوں آہ  
 نہ ہو جو سکے جب کا پاؤں

وہ مست سر انداز انداز سے  
 چلا جائے پردے ہی میں آفتاب  
 خدا کو خدائی کی اب فکر ہے  
 تو پھر دست موسیٰ بھی کچھ ہے نہیں  
 بجائی میں اُن نے دل آزاریاں  
 ستم اس کے کوچے سے بکھر چلے  
 کرے ترک محل حند لب چمن  
 بہشت اک گنہگار سی اک طرف  
 نسیم چمن داں گرفتار بھی  
 شہادت جہاں خضر کو ہو نصیب  
 اسی پر معاش دل عاشقان  
 تو بکھے زمین سے دل چاک چاک  
 کئی خوں گرفتہ کئی بے کفن  
 سسکتے ہیں کتنے کئی مر گئے  
 ہوا دار اس کے لب بام کی  
 گلابی ہی سمجھ کو لگا دے مرے  
 چلوں جوں قلم پھر بھی مطلب پر  
 کئے آشنا حرف سے محل لب  
 کہ مضمون جس کا یہ موزوں ہے بار  
 سر راہ فساد و زاری کرے  
 بھلی مرگ ایسے فرد مایہ کو  
 کہ سر سے گزر جائے شاد کام  
 اگر تیش آوے دم دا پس  
 وہ ہے دم میں دامندہ قافلہ  
 تو بہتر ہی ہونا ہی اُسکا وصال

گیا میں جواب اس سے لیکر ادھر  
حقیقت بیاں کی سب اس جانے کی  
گئی ساتھ اس جانے کے اسکی جان  
تکے تھا مگر رہ سفسد کر گیا  
نہ دیر اس کو ہوتے ہوئے ہی سے پیر  
مری بات میں خون بلسل ہوا  
میں یہ واقعہ دیکھ گھبرا گیا  
نہ سو جھانچے اور کچھ اس سوا  
ملاست کروں اسکو میں اک جہاں  
ترسے ناز بجا کا تو کیا گیا  
رہی گھر میں خوبی پہ تجھ کو نظر  
کھٹ خاک اس کی بوزلت کا باب  
یہ ٹھہرا ادھر میں رونا ہوا  
پلا ساقی ماہ و شش ایک جام  
کہاں ہے وہ خون کیوترسی تے  
غرض جوں توں کر قطع میں رہ کی  
کی آواز دستک کہ بارہ دگر  
درخانہ پر آئی ایک پیرزن  
کہ کیوں دوسری بار آیا ہے تو  
کوئی رہ گیا تھا سپام جوں  
بیاں کہ جو کہنا ہو تجھ کو شتاب  
کہا میں نے اسے پیرزن کیا کہوں  
پیام اس کا لایا تھا میں اسلئے  
سویاں سے گیا ایسا ہے کہ جواب  
نہ تھی تاب حرف و درشت اس کے نہیں

سیر رہ تھا پا پاں غم وہ حسد ہر  
جوں نے یہ سنتے ہی اک ہائے کی  
مگر خاک پر ہو کے بیدم جوں  
کہ اک بات کی بات میں مر گیا  
تجھے بات کے کہنے رگی بھی دیر  
دیا سا وہ جلتا جو تھا گل ہوا  
کہ یوں یہ گل تازہ مر چکا گیا  
کہ کر یے بیاں طرف ثانی سے جا  
کہ سے لے حقیقت گئی اسکی بیاں  
پر اک بے گنہ اس میں مارا گیا  
سیر رہ گیا ایک ہی سے گزر  
ترسی آستان جن یہ بے گی خواب  
ادھر مرنا اس کا فسانہ ہوا  
گیا کاستن ہی میں ماہ تمام  
کہ پی کر فغاں کیجیے مثل نے  
گیا تھی جہاں ستریں اس ماہ کی  
ہوئی گھر میں نقصہ میری خبر  
گئی کرنے عشق جوں سے سخن  
شکو نہ مگر اور لایا ہے تو  
جو تو پھر شتابی سے آیا بیاں  
کہ ہے منتظر غیبت آفتاب  
عز و دار اس نو جوان کا میں ہوں  
کہ وہ بے اجل مرتا ہے ملک جیے  
کہ جس سے نکلتا تھا ناز و عتاب  
سیا غم نے تھن نیم کشتہ کے تیل



وہ بیتاب بے اختیاری سے تھا  
دکھائی دی عشوہ گری سکتیں  
کہا ہیزہ ہو سکے یوں ناز سے  
شابی سے مرزا ہے اسکا مواب  
یہ اُسکی زباں سے کہا میں سخن  
سفر کر گیا جان سے بھر کر آہ  
خبر اُسکے مرنے کی لایا ہوں یاں  
گیا آخسہ الامرجی سے جوان  
کہ اک شور کانوں میں میرے پڑا  
لگا ہونے آنکھوں میں عالم سیاہ  
کہ بیتابی وہ دختر ٹھکانے لگی  
کہ ان دونوں مہلوں کو چور کیا  
کہ میرے سبب دونوں کا جی گیا  
کہ بدے گزرک کے ہے یاں لٹھنا  
برنگ گل اب لوٹے خاک میں

نہ مشغول یونہی وہ زاری سے تھا  
نہ سمجھی یہ رنگ پر سی سکتیں  
چڑھا اُن نے تیوری اک نواز سے  
کہ جس کو نہ ہوتا اب مانے کی تاب  
ہو مانا شے اُسکے میں حوت زن  
جوں سنتے ہی کر کے ایدھر نگاہ  
ہی ماجر کہنے آیا ہوں یاں  
کہ اس سے کہے کشتہ غم کی بین  
یہ کہ دین قدموں سے میں آج چلا  
گزر نے گئی دل سے آواز آہ  
صد ایک نوے کی آنے لگی  
محبت نے کام اپنا پورا کیا  
فقیر آن کر سخت ناموس ہوا  
یہ بھی جائے مگر یہ برساتی شہ  
تھوڑی دیر دے نہ یہ پاک میں

### مقولہ شاعر

یہ میراب جو ہے عشق خانہ خراب  
پھر اس عشق نے شیریں سے کیا کیا  
سیہ نیمہ بلی کا بھی ہے کھڑا  
ہوا خاک عذرا کا سرسنگ سے  
دمن سے گبولہ زمیں کے اوپر  
بہت اُٹھتے جاتے ہیں شعلے نئے  
چراغوں سے اک دو ددل ہے کشاں  
جلے ہے اسی آگ میں آفتاب

عجب کی نہیں جانے کچھ بیتاب  
سنا ہے کہ فریاد پڑ گیا ہو  
عز کا ہے مجنوں کی نومہ چہ  
مگنی جون و عشق کی کس رنگ سے  
گئی آہ ناک کی ناک سے اوپر  
بہت عشق کی آگ میں جلی گئے  
گئی جل کے آنکھوں کی جاں  
بے بیتاب فرہ سی سے کہا

|                                |                                 |
|--------------------------------|---------------------------------|
| دل اس داغ سے مہ کا بھنٹا ہی ہے | لکڑیاں کا صگر چاک سُستا ہی ہے   |
| سید رنگ اُگتا ہے سر و سہی      | وہی رنگ قمری ہے خاکستری         |
| بھنڈر کے بھی جی پر پڑے گل گہمی | کنول کی ٹھلی آئیکہ پھر سند گہمی |
| کوئی نالہ بلبل سے ہے یادگار    | خزاں اس ہمیں میں ہر گل کی بہار  |
| کہیں ساتی دے اب گل رنگ کو      | کشاوہ بھی کر اس دل تلک کو       |

گلے لگ کے مینا کے دمک رو پیئے  
فسانہ بھی آخر ہے اب سو پیئے

# بعض سوانحات میر

میر تقی میر دہلوی

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### مختصر شہر کا محاسبہ خود

|                                      |                                       |
|--------------------------------------|---------------------------------------|
| قابل ہے میری سیر کے اطوار روزگار     | چالیں عجب طرح کی پھلے ہیں عجب شمار    |
| کرتا ہے بدسلوکی سمجھوں سے یہ بہدار   | لاتا ہے روزِ فتنہ تازہ ہر دے کار      |
| دل داغ داغ رہتے ہیں اس سے جگر نگار   |                                       |
| کام سے تلخ کام اٹھایا مرے تئیں       | دلی میں بید لائے پھر یا مرے تئیں      |
| ہچکچاہٹوں کی نظر سے گرایا مرے تئیں   | حاصل کہ پیس سرمہ بنایا مرے تئیں       |
| میں مشت خاک مجھ سے لے اس قدر غبار    |                                       |
| لشکر میں مجھ کو شہر سے لایا پے تلاش  | یاں آگے گزری میری عجب طور سے پیش      |
| پانی کسو سے مانگ پایا کسو سے آتش     | اس واقعہ سے آگے اجل پہنچی ہوتی کاش    |
| ناموس رہتی فقر کی جاتا نہ اعتبار     |                                       |
| موت رہا تھا ساتھ سمجھوں کے خراب حال  | دانستہ ان سمجھوں نے کیا مجھ کو پائمال |
| آخر کو آیا مجھ میں اٹھوں میں نیٹ لال | یہ زندگی سہل ہوئی جان کی وبال         |
| اس جمع میں کسو کو میں پایا نہ دستیار |                                       |
| جانا تھا جہاں مجھے سو بار داں گیا    | ضعفِ قوی سے دست برپا رواں گیا         |
| محتاج ہو کے ناں کا طلبگار داں گیا    | چارہ نہ دیکھا مضطرب و ناچار داں گیا   |
| اس جانِ ناتوان پہ کیا صبر اختیار     |                                       |

|                                        |                                       |
|----------------------------------------|---------------------------------------|
| در پیر ہر اک دنی کے سہا جت مری گئی     | نالایقوں سے ملے لیاقت مری گئی         |
| کیا مفت ہائے شان شرافت مری گئی         | ایسا پھرایا اُس نے کہ طاقت مری گئی    |
| مشہور شہراب ہوں سبکسار و ہوتار         |                                       |
| عرصہ تھا مجھ پہ تنگ اٹھا ہو کے بچاں    | بوجھانہ بھگو یک لبناں سے کنھوں نے یاں |
| کم پائی پر بھی سیر کیا میں نے سبیاں    | نہ شفقت خاطر ہی نے پھرایا کہاں کہاں   |
| برسوں کا راز مجھ سے ہوا کے آشکار       |                                       |
| پرداخت میری ہونہ سکی اک امیر سے        | عقدہ گھلا نہ دل کا دعائے فقیر سے      |
| رہنے ہمیشہ آتے رہے سر پہ تیر سے        | ہر چند التجا کی صغیر و کبیر سے        |
| لیکن ہوا نہ رفیع مرے دل کا اضطدار      |                                       |
| کہن نے کی اپنے حال پہ شفقت سے بیکار    | بیکے ہے کس سے طور پر اپنے سخن کی راہ  |
| بولانہ کوئی ہم سے کہ تم کیوں ہوئے تباہ | اسلوب اپنے جینے کا ہو کس طرح سے آہ    |
| ہم ایک ناتوان و ضعیف اور غم ہزار       |                                       |
| حاجت مری رد اول پر درد نے نہ کی        | تاثر اشک سرج درخ زرد نے نہ کی         |
| تذمیر ایک دم بھی دم سرد نے نہ کی       | دلجوئی میری حیف کسی فرد نے نہ کی      |
| طاقت رہی نہ دل میں گیا جان سے قرار     |                                       |
| ہر ترک شوخ چشم کرے مجھ پہ کب نظر       | ہر چند بند باندھے مرے خوں پہ کیا کمر  |
| ہر دادر قصد کرے یہ کہاں خبر            | یہ منہ نہیں کسی کا جو منہ کو کرے ادھر |
| ہر کوئی جانتا ہے کسی ممکا ہوں میں شکار |                                       |
| دل سر بسر خراب ہے تعمیر کیا کروں       | نہ شفقتی حال کی تعمیر کیا کروں        |
| خوننا بہائے چشم کی تعمیر کیا کروں      | زردی رنگ چہرہ کی تعمیر کیا کروں       |
| ایا جو میں چین میں خزاں ہو گئی بہار    |                                       |
| حالت تو یہ کہ مجھ کو غموں سے نہیں فراغ | دل سوزش و زنی سے جلتا ہی جوں فراغ     |
| سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہو داغ       | ہے نام مجلسوں میں مرا میر بید داغ     |
| از بسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار     |                                       |



## مخمس و حال لشکر

|                                                             |                                                                |
|-------------------------------------------------------------|----------------------------------------------------------------|
| مشکل اپنی ہوئی جو بود و باش<br>آن کے دیکھی یاں کی طرفہ معاش | آئے لشکر میں ہم برائے تلاش<br>ہے لب ناں پہ سو جگہ پر خاش       |
| مرنے کے مرتبے میں ہیں احباب<br>تنگدستی سے سب بجال خراب      | لے دم آب ہے نہ چچھہ آتش<br>جوشنا سا ملا سو بے اسباب            |
| زندگانی ہوئی ہے سب پہ وبال<br>پوچھ مت کچھ سپاہیوں کا حال    | جسکے ہے فرش تو نہیں چھڑا شش<br>کنجڑے جھینگیں ہیں روتے ہیں بقال |
| جیتے والے جو تھے ہوئے ہیں فقیر<br>ہیں معذب غرض صغیر و کبیر  | بادشاہ و وزیر سب تلاش<br>تن سے ظاہر رکیں ہیں جیسے لکیر         |
| شور مطلق نہیں کسو سر میں<br>بھوکھ کا ذکر اقل و اکثر میں     | دیکھیں محکوم اگر برابر ہاش<br>کھیاں سی گزریں ہزاروں فقیر       |
| نہ کوئی زند ہے نہ کوئی او باش<br>لعل خمیہ جو ہے سپہر اس     | زور پاتی نہ اسب و اشتد میں<br>خانہ جنگی سے امن لشکر میں        |
| جتنے پاں ہیں امیر بے دستور<br>قصہ کو تہ زمیں ہے عیاش        | پالیں ہیں زندیوں کی اسکے پاس<br>رعب کر لیجیے یہیں سے قیاس      |
| پھر جسین سکوں سب مشہور                                      |                                                                |

|                               |                               |
|-------------------------------|-------------------------------|
| ہو پنہا ان تلک بہت ہے دور     | بات کہنے کا واں کسے مقدور     |
| حاصل ان سے نہ دل کو غیر خراش  |                               |
| چار کچے ہیں مستعد کار         | دس تلنگے جو ہوں تو ہے دربار   |
| ہیں دطیع و شریف سارے خوار     | لوٹ سے کچھ ہے گرمی بازار      |
| سو بھی قند سیاہ ہے یا ماش     |                               |
| در پہ عمدوں کے روز و شب شرور  | صرف یکسر قریب و رشوت خور      |
| بے لیے دیکھیں نے کسو کی اور   | مردہ شوہر وہ سب کفن کے چور    |
| رحمتہ اللہ بر او لیں نباش     |                               |
| یک بہ یک گر کسو کی موت آئی    | اُسکے مردے کی پھر ہے رسوائی   |
| کیونکہ پہونچی ہے جن کو امرائی | سب وہ اولاد حاتم طائی         |
| کون دیکر کفن اٹھاوے لاش       |                               |
| بالضرورت گمانیں جس کے گھر     | آمدی کی نہ جنس تھا وہ خر      |
| بات کرنے لگا تو نیچے نظر      | بیمروت سفید نظر               |
| اقابل صد ہزار شاش و تراش      |                               |
| ہے جنھیں کچھ بھی رویت دربار   | سو فریبندہ مگرمی و غدار       |
| کاذب و مفت بر ہے دل آزار      | ڈول انکا ہے یہ کہہ کر یے خوار |
| کام انکا ہے یہ خراش و تراش    |                               |
| جس پہ ٹھہرے ہے آکے سرداری     | اُن سے ہمو تھی چشم و لداری    |
| معرفت اُن کے بعد صد خواری     | فرد و سخط ہوئی جو اکباری      |
| جیسے کھینچے لکیریں کوئی نقاش  |                               |
| اس لکھے کا نہیں ٹھکانا کچھ    | وہم میں بھی نہیں ہے پانا کچھ  |
| جس پہ دستخط نہ آنے جانا کچھ   | بن نہ آیا مجھے ہرانا کچھ      |
| غیر اس کے کہ لے اٹھوں بپاش    |                               |
| واں سے اٹھ کر میں پال میں آیا | سخت تغیر حال میں آیا          |
| بارہا یہ خیال میں آیا         | کہ زیاں شہ کے مال میں آیا     |

|                               |                               |                                                               |
|-------------------------------|-------------------------------|---------------------------------------------------------------|
|                               | واسطے میرے سو مرا بہ قماش     |                                                               |
| آٹھوں آنے ہیں خرچ کی ساعت     | منقضی ہووے کب مر ہی سمیت      | بخشدوں جامہ تک جو ہو قدرت<br>دس روپیہ دوں گد اکو بے مہلت      |
|                               | صاحبان کرم کے تئیں شاباش      |                                                               |
| سہم رہ جائیں سب دیکھیں ادھر   | شاہ جی لے خدا بسھوں کی خبر    | ہو جوان لوگوں میں گد اکا گزور<br>میر کے بعد یہ کہیں ہل کر     |
|                               | سو بھی یہ بات ہے پس از نگاش   |                                                               |
| وہم میں ان کے بھی جہاں کیا ہے | دیکھتے ہیں کہیں کہ یاں کیا ہے | یاروں کی جو دکابیاں کیا ہے<br>آشکارا ہے سب نہاں کیا ہے        |
|                               | ایسی صحبت میں ہم نہ ہوتے کاش  |                                                               |
| خوشنما کب ہے ایسی قال و مقال  | مصلحت ہے کہ رہیے ہو کر لال    | بس قلم اب زباں کو اپنی نہ بھال<br>ہے کد مہب چرخ رو سیہ کی چال |
|                               | فائدہ کیا جو راز کرے فاش      |                                                               |

—\*—

|                               |                              |                                                           |
|-------------------------------|------------------------------|-----------------------------------------------------------|
|                               | منجس و نیک                   |                                                           |
| بید ماغی ہی میں تو وی تھی ڈال | مہربانی سے اُن نے کھوج نکال  | سختی فرد کا سنو احوال<br>ایک مشفق کو تھا ادھر کا خیال     |
|                               | شیخ جی گارٹھے سو عجائب مال   |                                                           |
| تنگ پوشی سے جولی جاوے پس      | دانت ٹوٹے گیا ہے گلہ و حسن   | شیخ کو اس بھی سن میں سگی ہوس<br>ہو یگانہ شریف سا ٹھہرے بس |
|                               | دیکھ زندگی کو یہ چلے سے رال  |                                                           |
| خال رخسار پر بناتے ہیں        | ناز کرتے قدم اٹھاتے ہیں      | جائے کو خوب سا چھاتے ہیں<br>متحدی بھی پتلی سی لگاتے ہیں   |
|                               | دیکھا کرتے ہیں اُرسی میں جال |                                                           |



|                                |                              |
|--------------------------------|------------------------------|
| دل میں دھن جو جو عیش و عشرت کی | پوچھتے ہیں دوائی شہوت کی     |
| باتیں ہیں زندگیوں کی صحبت کی   | دیکھتے ہے کوئی کتاب حکمت کی  |
| کرتے ہیں بہنیں استقبال         |                              |
| غور عنائی کتنے ہیں اللہ        | مسی سے کرتے ہیں مسوئے سیاہ   |
| رکھتے ہیں سر پہ اب ہمیشہ کلاہ  | شانہ سے کام ہے گہ وہ گاہ     |
| کپڑے نارنجی سر پہ اودھی شال    |                              |
| غیر و چرکیں لباس تنگ ساش       | ساتھ رکھتے ہیں ایک موئے تراش |
| یقینی لیتے ہیں گاہ و گہ نقاش   | ہر سر مو یہ اس سے ہے پر خاش  |
| لوگ کہتے ہیں شیخ ہیں چند ال    |                              |
| آشنا میر سے بھی پرانے تھے      | میں دے اک عمر اک ٹھکانے تھے  |
| یار تھے دوست تھے یگانے تھے     | صحبتیں تھیں بہم زمانے تھے    |
| روز و شب ہمدگر تھی قال و مقال  |                              |
| اب دے مختار کے ہوئے مختار      | ان پہ ٹھہرا ہے سلطنت کا مدار |
| وہی اس عہد میں ہیں کار برآر    | اس طرف سے مرا ہوا جو گزار    |
| انکے سن نام بہر استقبال        |                              |
| جب ملاقات درمیاں آئی           | دستخطی فرمیں نے دکھلائی      |
| نے کے میری تسلی فرمائی         | پھر نفر پاس اپنے رکھوائی     |
| اور گئے کہنے رکھے استقلال      |                              |
| فسر و نواب کو دکھاؤں گا        | حال صاحب کا سب جتاؤں گا      |
| ہے مقتدر تو کر ہی لاؤں گا      | لے کے دفتر میں آپ جاؤں گا    |
| آگے میرے کسے سخن کی مجال       |                              |
| قدر والا ہمارے ہے معلوم        | خلق خادم ہے اور تو مخدوم     |
| اس سعادت سے جو ہے محروم        | ہے یقینی کہ وہ اللغ ہے شوم   |
| حشر کو ہو گا مرکب و حبال       |                              |
| تم بنی فاطمہ ہو ہم ہیں غلام    | ہے غلامی تمھاری اپنا کام     |

|                                   |                                |
|-----------------------------------|--------------------------------|
| تم کو مسجود جانتے ہیں انا م       | تم سمجھوں کے ہو پیشواؤ انا م   |
| تم سے سب کو نجات کا ہی سوال       |                                |
| بارے رخصت کیا بعد اعزاز           | اور کہا تم ہو خلق میں ممتاز    |
| ہے تمنا کہ تم سے ہوں و مساز       | دل بہارا سو کاش محو نیاز       |
| کر دیے تم پر تار حیاں و مال       |                                |
| شیخ نے کر سلوک حد سے زیاد         | قید اندوہ سے کیا آزاد          |
| دہی بھلا روزگار کی بیداد          | جان غمکش ہوئی نہایت شاد        |
| گم ہوا کوئی روز میر سے وہاں       |                                |
| پھر جو دونوں میں گیا اُن پاس      | شیخ جی نکلے ایک اشارتاس        |
| نے وہ تعظیم و تعلق نے وہ پاس      | بولے کچھ زیر لب اُداس          |
| رہ گیا چپ میں دیکھ کر یہ حال      |                                |
| میرے تئیں بیدار غ جو پایا         | سر کیا تیجے یعنی شہ پایا       |
| جب خجالت سے کچھ نہ بن آیا         | تب بہانا صدراع کا لایا         |
| پھر یہ بولا کہ کیوں ہے چہرہ لال   |                                |
| میں کہا وجہ ہے کس کسے             | میں کہا جو رکب تلک سسے         |
| چند پال چرخ کج رسیے               | جی میں ہے اب لگائیے پھیے       |
| تا کہ گھر دوں کی کچھ ہو سیدھی چال |                                |
| تھی جو تم سے توقع یاری            | سو تو آئی ظہور میں ساری        |
| ہوتی جو فرد دستخطی جاری           | تو بھی یہ دن جو ایسے ہیں بھاری |
| کائنات ایک طرف فقیر مثال          |                                |
| دستخطی فسر و کا سنا جب نام        | کہنے لگا کہ اب قریب ہی شام     |
| بیٹھنے کا ہوا ہے وقت تمام         | پھر گئی روز کیجئے گا کلام      |
| اب تو میرے نہیں حواس بجال         |                                |
| تھا جو سختی سے فسر کی ناچار       | گھر گیا شیخ جی کے سو سو بار    |
| نہ رہا کوئی فوج شہ میں یار        | نہ کہا جن نے میرا حال زار      |

|                                   |                               |
|-----------------------------------|-------------------------------|
| تنگ آیا میں مفلسی سے کہاں         |                               |
| کچھ طرح اور جب نہ بن آئی          | میں ہوا شیخ جی سے مجھراہی     |
| کھینچی کیا کیا انھوں کی مرزائی    | پر تسلی مری نہ فرماہی         |
| مفت عزت گئی ہوا یا مال            |                               |
| ایک مدت بھی آج کل پرہات           | اب تو ہے صبح اب ہوئی ہرات     |
| ہے بہت شیخ کی غنیمت ذات           | جمع آدم میں اتنے کب ہیں صفات  |
| مقتری دور و غی و محنت ال          |                               |
| ایک دن میں کہا جو ہنر             | کہئے اس در سے جاؤں بکیر       |
| ہنس کے بولے بہت نلطف کر           | سر منڈائے ہو تم بھی اس گھر پر |
| آگے آویں گے جتنے ہونگے بال        |                               |
| راتوں کے تئیں مصیبتیں گزریں       | اور دنوں کو قیامتیں گزریں     |
| کچھ نہ پوچھو جو حالتیں گزریں      | باتوں باتوں میں بدیں گزریں    |
| وعدہ دو چار دن نہ ماہ و سال       |                               |
| پھر جو اُس فرد کا ہوا مذکور       | کہنے لائے کہ نائب دستور       |
| جانتا ہے تمھیں کہ ہوشہور          | پر کہے ہے رکھو مجھے معذور     |
| جاری کرنا ہے اس کا امر محال       |                               |
| آٹھ آنے ہیں شاہ پر بھاری          | اس کی لوگوں نے کی سیاب خوری   |
| آپ ہے تو یہ ہے فقر فتاری          | فوج ہے گی تو قحط کی ماری      |
| اکیوں نہ جس جا رہے ہیں اں تھا کال |                               |
| عمدے جو ہیں دنوں کو بھرتے ہیں     | سو بھی اسباب گروہی دھرتے ہیں  |
| ہیں سپاہی سو بھوکے مرتے ہیں       | لو ہو پی پی کے زسیت کرتے ہیں  |
| ایک تلوار نیچے ہے اک ڈھال         |                               |
| رگیا میں سوچی چلاتا ہوں           | کچھ کہے کوئی سر ہلاتا ہوں     |
| یعنی ہر اک سسکتیں بلاتا ہوں       | کام سرکار کا چلاتا ہوں        |
| کار پیدا ز ہیں سفیہ و ضلال        |                               |

|                                   |                                    |
|-----------------------------------|------------------------------------|
| بادشہ بھیک مانگتا آیا             | روزِ ریفینہ بند فرمایا             |
| مستد اپنا مجھ کو ٹھہرایا          | سو پڑا بیچ میں میں گسلا یا         |
| [جس کو دیکھو رکھے ہے مجھ سے ملال] |                                    |
| ملکی اور سارے صاحبانِ قبول        | پھرتے ہیں مجھ سے خوار و زار و قبول |
| کیئے حضرت سے کچھ بھی ہو حصول      | کوڑی دینا انھیں نہیں ہی قبول       |
| [آپ ہی مرتے ہیں اُنکے اہل و عیال] |                                    |
| یاں مرے در پہ یاروں کا ہے ہجوم    | صبح سے شام تک رہے ہے ہجوم          |
| جو یہی ڈول ہے تو ہے معلوم         | ایک دن با قدمِ فرح لڑوم            |
| [بچلے گایاں سے شہِ بجاہ و جلال]   |                                    |
| حاجت اک عالم اپنی لاتا ہے         | جو ہے سو جان کھائے جاتا ہے         |
| کون یاں راہِ حرف پاتا ہے          | اور جسے کوئی مُنہ لگاتا ہے         |
| [کاٹتا ہے وہ پہلے جو ہے گال]      |                                    |
| اُنکے اوپر ہے شہِ تماشائی         | اور چاہے ہے خرچِ بالائی            |
| ہر طرف پھیلی ہے یہ رسوائی         | کل چنانچہ ہمیں نظر آئی             |
| [لال خیمے کے گرد دوسرا پال]       |                                    |
| دینے کا ہو کہیں ٹھکانا بھی        | جو د کو چاہیے زانا بھی             |
| یاں نہیں شہ کے گھر میں دانا بھی   | کبھو ہوتا ہے پینا کھانا بھی        |
| [ورنہ بھوکے رہے ہیں بیٹھے بڑھال]  |                                    |
| حال یہ ہے جو اسپہ ہو منظور        | پھر بھی نواب سے کردں مذکور         |
| گاہ باشد کہ ہو انھیں مقدور        | سپر سماجت ہے اب خرد سے دور         |
| [لطف کیا میں کہوں مے دیویں طال]   |                                    |
| میں کہا بن بہت خراب ہوا           | پردے میں وال سے بھی جواب ہوا       |
| دل ہوا داغ جی کباب ہوا            | بارے ہونا جو تھا شتاب ہوا          |
| [کٹ رہے گا مرا بھی یہ جنجال]      |                                    |
| دل سے اپنے بھی اب بھلا دیجے       | فرد میری مجھے منگا دیجے            |

|                               |                              |
|-------------------------------|------------------------------|
| ان خیالات کو اڑا دے           | بند چڑیا کی سی چھڑا دے       |
| بس نکھایا بہت فریب کا جال     |                              |
| ہنس کے بولے کہ فرد ہے حاضر    | اور سمجھے نہ مجھ کو بھی قاصر |
| جان کا ہوں تمھاری میں ناظر    | جمع فرماؤ خاطر عاظر          |
| اب نہیں پھر یہ کام لوگا سنھال |                              |
| تب سے اب تک وہ فردا ناموں     | لگا ہ بیکہ ان کے جاتا ہوں    |
| دقت پاتا ہوں تو جہتا ہوں      | پر جواب ان سے صاف پاتا ہوں   |
| ابکی باری کا ہے یہ قیل و مقال |                              |
| نشومی نسیگ نامہ               |                              |

پاؤ تو فیتھک تو سر کو دھنو  
 ہم کو درپیش تب سفر آیا  
 ابر ہونے لگے سپید و سیاہ  
 بیچ میں ہوتے کچھ اگر اسباب  
 سو تو مکمل نہ پہنچو نہ لوئی  
 ابر ہی بیکسی پہ روتا تھا  
 کچھ پانی میں کپڑے خوار ہوئے  
 رہروئی کا کیا جو ہم نے میل  
 آسمان آب سب زمیں سب کیچ  
 شب کہ دریا یہ ہوئے راہ پڑی  
 بچے لٹھے کا کیا کہوں میں اوج  
 واسن ابر پاٹ دریا کا  
 ہوش جاتا تھا دیکھ جوش آب  
 آب تہ دار اور تیرہ بہت  
 پانی پانی تھا شور سے طوفان

یہ بھی اک سانحہ ہے میر سنو  
 جبکہ برسات سر ہی پر آیا  
 پانی رستوں میں کیچ ساری راہ  
 منہ اٹھانے کی جی میں ہوتی تاب  
 سایہ گستر نہ ابر بن کوئی  
 ابر ہی سر کا سایہ ہوتا تھا  
 وہیں گاڑی میں جا سوار ہوئے  
 بھینس چلے کر تھے مہل کے مہل  
 خاک ہے ایسی زندگی کے بیچ  
 پانی کے سطح پر بنگاہ پڑی  
 باتیں کرتی ہے آسمان سے موج  
 دسے گرہ تو کہنے کہ بانڈھا تھا  
 گوش کرتا تھا کر خمدوش آب  
 لہر اٹھتی جو تھی سو خیر بہت  
 دیکھ دریا کو سو کھتی تھی جان

ہمراہ موج سیکڑوں گرواب  
 ناؤں میں پاؤں ہم نے بارے رکھا  
 جزر و مدب حواس کھوتا تھا  
 جبکہ کشتی رواں ہوئی رواں سے  
 موج اٹھنے لگا جو طوفاں زرا  
 کیا کہیں ڈوب ہی چلے تھے ہم  
 بلی لگتی نہ تھی نہ کچھ تھی کٹاہ  
 ریلا پانی کا جبکہ آتا تھا  
 خطر غرق سے تھی طاقت طاق  
 بہتا پھرتا تھا خضر کشتی پاس  
 بد بلا سے تھے بہکنا رہوئے  
 کسو درویش کا تھا یمن قدم  
 ورنہ اعمال نے ڈبو یا تھا  
 اس کنارے کا جو اثر پایا  
 اس طرف اترے آب کے جاگر  
 شکر لب پر دلوں سے محو گلا  
 پار کا گنج تھا جو شاہ درا  
 فاصلہ ایک کوس کا تھا بیچ  
 تھے بہت بیچ میں نشیب و فراز  
 سو نہ جاگہ تھی نہ مکان مہیت  
 جا کے حیراں ہوئے گردھر خاویں  
 تنگ و دوسر طرف لگے کر سنے  
 کوئی میدان میں کوئی چھپر میں  
 گھر ملا صاحبوں کو ایسا تنگ  
 بیٹھتے دیں نہ جب کہ صاحب کو

ساتھ تھی حد تری کے چشم حباب  
 خوف کو جان کے کنارے رکھا  
 خضر کا رنگ سبز ہوتا تھا  
 جسم گو یا کہ تھا نہ تھی جاں سے  
 لہجہ آ یا نظرسو عمتاں ترا  
 تا خدائی خدا نے کی اس دم  
 عقل گم کردہ لوگ تھے ہمراہ  
 خوف سے جی بھی ڈوبا جاتا تھا  
 بخود می سے ہوا تھا استغراق  
 غوطے کھاتے تھے حضرت الیاس  
 تھا خدا ہی تو پلّی پار ہوئے  
 جا کے پہونچے جو اس کنارے ہم  
 گو ہر جاں سے ہاتھ دھویا تھا  
 ہم تلاطم کشوں میں جی آیا  
 میر اور پیر صاحب و چپا کر  
 کس و ناکس سمجھوں سے خضر ملا  
 سب رہنا وہیں کا جی میں دھرا  
 راہ یاں سے تھی واں ملک سب کیج  
 پہونچے واں شام بکھینچ رنج دراز  
 چارو و کانیں ایک پھولی سہیت  
 سر گھسیڑیں جو تنگ جبکہ پاویں  
 تسبیح پر تے تھے ہیند کے بھرنے  
 کوئی در میں کوئی کسو گھر میں  
 جس سے بیت الخلاء کو آئے تنگ  
 کون پوچھے نفر مصاحب کو

۷۲  
 ڈھونڈتے ڈھونڈتے سرابائی  
 رہنا بھٹیاری کے غنیمت جان  
 کچھ پکانے کا جب سوال کیا  
 یاں جو لائے ہیں بھکواپنے ساتھ  
 پونچے ہے انکے روہرو سے طعام  
 ور پکوائیے تو زاید ہو  
 جو کچھ آیا سو کھا لیا میں نے  
 سن کے اک دل سے کھینچی ان آہ  
 ہم تو صیانا کھا آدمی ہو بڑے  
 کچھ یہ کھا دیں گے کچھ کھلا دیں گے  
 سو تو نکلے ہو کورے بالم تم  
 کھانے پینے کی کچھ نہیں ہی بات  
 صدقے ہیں ایسے بھی آتے کے  
 میں کہا ہست رانی جی کچھ لو  
 بعضے کھاتے ہیں کچھ کھلاتے ہیں  
 بارے جوں توں ہوئی وہ رات تمام  
 یہ بھی دن شب ہو اسحر تھا کوچ  
 راہ طے کر سرائیں جا اترے  
 صاحب اترے حویلی میں آ کر  
 بارور تھے درخت سب یہ بھی  
 اس بھی منزل میں ایک روز ہے  
 لوگ جسد م سوار ہونے لگے  
 سوہنی اس ردا روی میں گئی  
 وحشت اسکو زبیں کہ طاری ہوئی  
 لایہ مراد و صر تالاش کر دیکھا

وایسے گھر چھوٹے ویسی جاپائی  
 جو کہا ان نے ہم گئے سب مان  
 میں نے اظہار اپنا حال کیا  
 زندگانی مری ہے ان کے ہاتھ  
 صبح کا صبح مجھ کو شام کا شام  
 خاے سے اپنے اور عاید ہو  
 کچھ رہا سو اٹھا دیا میں نے  
 اور بولی کہ واہ صاحب واہ  
 چارپانچ آدمی ہیں پاس گھر ہے  
 ہم کچھ ان کے سبب سے پاؤں گے  
 ہو گئے جیسے شاہ عالم تم  
 دیکھے کس طرح سے گزرتے رات  
 سو گئے بخت گھر ہمارے کے  
 مجھ سے آزرہ دل نہ اتنی ہو  
 بعضے مجھ سے بھی آتے جاتے ہیں  
 صبح کو صاحبوں کا کھنہ مقام  
 غازی آباد کو گئے سب پوچ  
 کچھ ستم دیدہ پاس آتے  
 باغ میں اُسکے سب نفر چا کر  
 پھل و لیکن کنھوں نے پایا بھی  
 گزرے جس طہر کوئی کس سے گئے  
 اور اسباب بار ہونے لگے  
 لوگ تھے مضطرب جگہ تھی تھی  
 سرٹیک کر کسی طرف کو موئی  
 گم شدہ کو نہ بھر نظر دیکھا

ساری بستی میں جست و جو کو گلیا  
جن کی آتی ہے ایسے جاتے ہیں  
مرگ تھی اس کی اس جگہ تقدیر  
رنگ جیسے کہ وقت گرگ و میش  
جن سے الموت تھی وہیں رہتی  
کیا نفاست مزاج کی کہیے  
خال جوں پھول گل کترتے ہیں  
جو ہے چڑیا یہ اُن نے کب کی نظر  
موسنی بھی تو تھی مہن اُس کی  
پاوے جو کچھ سوار کھاوے یہ  
جانور مارنا تو ہے یک سو  
یہ نزاکت اسی کو بن آوے  
ان نے مارے ہیں ایسے کتے ڈھونس  
یہ چھو نہ رکے بولتے بھاگے  
چھپکلی سے یہ پھیر مٹھ کو لے  
یہ بری سی تھی جو خرام کرے  
کبک اس کی خرام کے عاشق  
غرض افسوس کی صگہ بلی  
ایسی بیگم مزاج بلی کھو  
واں سے میرٹھ سمجھوں نے کی منزل  
گرتے پڑتے پہونچ گئے سارے  
واں سے لاڈر سنگ پھرواں سے  
اک گرٹھی بود و باش کو پائی  
پھوٹی پھاٹی سی چار دیواری  
پھر نہ میدان بھی برابر تھا

دیر تک یہ خیال سب کو رہا  
کہ نہ پھر کھوج ان کا پاتے ہیں  
بلی تھی یا کہ گر بہ تصور  
یعنی سُرخ تھی کم سیاہی بیش  
ان سے کچھ کچھ نگاہوں میں کہتی  
ستھری اتھی کہ دیکھ ہی رہیے  
یا کہ نقشوں میں رنگ بھرتے ہیں  
ج کا کہنا نہ فرض تھا اُس پر  
نسبت اس کی بھی وہ بہت ٹھسکی  
ایک کیا چار چار کھاوے یہ  
تیر پنجہ کیا نہ اُن نے کھو  
موش دشتی کو دیکھ ڈر جاوے  
گھونس دیکھی تو ہووے کوئی گھونس  
وہ پڑی سوتی بھی ہو تو جاگے  
وہ جفا کار جیفہ پر جی دے  
وہ جو اُچھلے تو دھوم دھام کرے  
جانور اس کے نام کے عاشق  
اب کہاں گو کہ چھانپے دلی  
بیگم آباد ہم گئے یارو  
کیچ پانی اگر چہ تھا حائل  
ہم جھائے سپہر کے مارے  
جائے واں تنگ آگئے جاں سے  
کچھ نہ کھانے کو جس میں نے کھائی  
اور میدان تھی گرٹھی ساری  
ہر قدم ایک غار و چقتر تھا



کھنڈر سے اس میں تین چار مکان  
وہ گڑھی ساری کھتے ناج کے تھے  
خاک مٹی سے ان گڑھوں کو بھرا  
خشتی پائے اگر نہ بنو اتنے  
باؤ جنگل کی تنہا کچھ نہ رکاو  
اک گڑھی جس کی سیکڑوں لڑہیں  
وہ رہے جو رکھے موت سے لوگ  
ورنہ مشکل بہت ثبات قدم  
باؤسی دن کو سائیں سائیں کرے  
مگر شکستہ ہوئی کمیں دیوار  
ہفتہ ہفتہ تک پڑی ہے خراب  
کار پردازوں کو تفتد ہے  
وے بچارے بہانے کرتے ہیں  
کہتے اُن سے تو یہ ملے ہے جواب  
ہم کو کھانے ہی کا ترود ہے  
بنیا مٹھ کو چھپائے جاتا ہے  
حال کب پوچھنے کے ہے قابل  
سوچیں ہیں جب تو جھول جاتے ہیں  
تم کو دیوار پا کھے ہیں گے یاد  
کس کو موسیں کہاں سے کچھ لاویں  
تم کو دال ہمش کی ہے زبوں  
تم کو آٹا کر کر ا کھایا  
اور دو چار روز یہ بھی ہے  
فصل ہونے ابھی نہیں پائی  
جس سے جھوٹے ہوئے ہیں ہم دونوں

جنگا گرنے پہ سخت ہے میان  
برسوں سے تھے پڑے راج کے تھے  
بنگلا اک لاکے اسکے بیچ دھرا  
باؤ میں اس سمیت اُڑ جاتے  
مینھ میں چل پڑے تو کانپے جاؤ  
واں ٹھہرنے کو چاہیے باہیں  
یا کوئی جوگی جو کرے واں جوگ  
دل میں اک ہول ہی رہے ہر دم  
رات ہووے تو بھائیں بھائیں گے  
بے زری سے بنانا ہے دشوار  
پر وہ کا ہے کا پھر ہے رفع حجاب  
شور ہے گالی ہے تشدد ہے  
رات دن لوگ چوکی بھرتے ہیں  
کس کے گھر سے بنا دیں گے شباب  
صبح بقیال کا تشدد ہے  
روٹی کا فکڑ کھائے جاتا ہے  
ہم فقروں کے رنگ ہیں سائل  
بات کہتے ہیں بھول جاتے ہیں  
ہم کو کرتا نہیں خدا آزاد  
واں آٹا جو تم کو ہونچا دیں  
یاں ہم ہو چکے ہے جگر ہونوں  
یاں کیجھ چھٹا تو ہاتھ آیا  
ایک غم سینہ سوز یہ بھی ہے  
پیشگی سب سے قرض لے کھائی  
چوٹا وہ کہے ہے سا ہو کار

ماش کی دال کا نہ کرے گلا  
 چاہتے ہو تو مول لوراک ہنر  
 بکری لینے کو پیسے ہیں کس پاس  
 ۷۱  
 جی اگر چاہے کوئی ترکاری  
 بھنڈی بیگن کے نانوں ٹھینڈس تھ  
 جز کدو پائے کلو مڈھو کیا  
 دارو گولی کے کچھ نہ تھے اسباب  
 جو گڑھی میں نہ چھوڑتے یوں گوز  
 گھاس ہی گھاس اسکاں میں تمام  
 جیسے زنبور زر و ایسے ڈانس  
 پشہ و کیک اور کنتی تھی  
 ہاتھ بندوں پہ سب چلے جاتے  
 ان کے کانٹے بدن پہ دانا ہے  
 ایک دو دن جلا فساغ ہوا  
 نہ کھجائے کھجائے سارے گھسے  
 دن کو وہ صورت طعام ہوئی  
 ۷۲  
 گتوں کے چاروں اور رستے تھے  
 دو کہیں تھے کھڑے کہیں بیٹھے  
 ایک نے پھوڑے باسن ایک نے  
 کوئی گھوڑا گھرے کوئی بھونکے  
 سانجھ ہوتے قیامت آئی ایک  
 گلہ گلہ گھروں میں پھرنے لگے  
 ایک نے آکے دیگچ چاٹا  
 ایک نے دوڑ کر دیا پھوڑا  
 گھورنے اک لگا اندھیرا کر

گوشت پاں ہے کبھو کسو کو ملا  
 ورنہ بیٹھے رہو بنے جز ہز  
 کھاؤ دال اور پادوبے و سوس  
 گول کدو سے بصد خوار سی  
 ابروی تو رہی بغیر جی بس تھا  
 یعنی کچھ اوروں تھا کدو کیا  
 ماش کی دال کھاتے تھے اسباب  
 بجتی رہتی تیک کہاں سے روز  
 تس میں ساع حب انور اقسام  
 کاٹ کھاویں تو اچھلو رو دو پاس  
 جن کے کانٹے اچھلتی پتی تھی  
 شب گزروں سے بدن چلے جاتے  
 مریح جدوار پھر لگانا ہے  
 اس کی جاگہ سیاہ داغ ہوا  
 چھٹے چھٹے ہوئے جو دانے پسے  
 رات کو نیند یوں حرام ہوئی  
 کتے ہی داں کے تو بستے تھے  
 چار لوگوں کے گھر میں ہیں بیٹھے  
 کھو دمارے گھروں کے سب کو نے  
 خفتہ خفتہ بھی شور سے چونکے  
 شور عفت عفت سے آفت آئی ایک  
 روٹی ٹکڑے کی بو پگرنے لگے  
 ایک آیا سوکھا گیا آٹا  
 پھر پیا آکے تیل اگر چھوڑا  
 ایک نے اور ایک پھیرا کر

ہانڈی ہانڈی گرا کے بھوڑ دیے  
 لڑتے ہیں دوڑتے ہیں گرتے ہیں  
 گوشت پر بھیڑیے سے دوڑیں  
 لینڈی سی واں نہ بندھ رہی تھی شب  
 دو گئے بھی تو چار رہتے ہیں  
 سو کر اٹھو تو رو برو کئے  
 کتا ایک آدھ گھر میں جا ہی رہے  
 حال بیجاں شور کرنے سے  
 باؤ لے کتے نے اُسے کاٹا  
 چھڑی سے رات دن لگے ہی ہیں  
 بام و در چھت جہاں تہاں کتے  
 رووے ہے اپنی جان کو کوئی  
 بیٹے کتا ہے چکی چاٹ رہا  
 ایک چوٹھے کو کھو دتا پایا  
 ایک نے چلنی چاٹ ہی ڈالی  
 ایک چکنے گھڑے سے جالاگا  
 جاں بلب ہوں نہ کس طرح سے لوگ  
 سکتوں میں بودو بکش ہو کیونکر  
 کہ بیا بان سخت سے دے یاد  
 سو بھی ٹوٹے گرے بچاروں کے  
 دھنڈھ سا اور جو کہیں ہے کچھ  
 سو بھی میدان میں اکیلی ہے  
 زرد ہو ہو گئے ہیں بے لب ناں  
 ایسی جاگہ سے اچٹیں مل کیسے  
 ان کی خوبی کھلے وہیں جائے

گھر میں چھینکے اگر تھے توڑ دیے  
 لوگ سوتے ہیں کتے پھرتے ہیں  
 جبکہ تہی پہ چار حصار لڑیں  
 ایک کے پیچھے ایک روز و شب  
 کتے ہی واں دو چار رہتے ہیں  
 جاگتے ہو تو دو برو کتے  
 سر پہ دربان کے بلا ہی رہے  
 منہ میں کتے دو رو کر کرنے سے  
 تو کتے کتے وہ گلا پھساٹا  
 کتوں کی کیا ساجتوں کو کہیں  
 باہر اندر کسان کسان کتے  
 جھڑ جھڑاوے ہے کان کو کوئی  
 ایک طرف ہے چپڑ چپڑ کی صدا  
 ایک چھنے کو منہ میں لے آیا  
 ایک کے منہ میں ہانڈی ہو کالی  
 تیل کی کپڑی ایک لے بھاگا  
 کتے یارو کہ جان کا تھاروگ  
 آدمی کی مٹاش ہو کیونکر  
 بستی دیکھی سو ایسی تھی آباد  
 چار چھپڑ کہیں چاروں کے  
 پھر جلو آگے تو نہیں ہے کچھ  
 بھوٹی ٹوٹی کوئی جو ملی ہے  
 ایک دو مردے سے پڑے ہیں  
 لوگ ایسے مکان سب ایسے  
 اور جو چار گھر نظر آئے

وہ بھی کوئی چار سٹھے کوئی  
 صورتیں کالی سوکھے سوکھے سے  
 چار دانوں کے واسطے جی دیں  
 اس سے آگے بڑھے تو دھینور تھے  
 اور آگے گئے تو تھا بازار  
 ایک کے پاس وال کچھ آٹا  
 ایک کے ساندواں اور تھوڑے چنے  
 جو تھا باقی رہا سو تھا کنکال  
 اس کا عامل کے یاں اٹھیا مایا  
 ایک کنجڑے کے چار گھٹی پیاز  
 کیا کہوں مریج تھی نہ ادراک تھی  
 ایک دوکان تھی پساری کی  
 اس سے جا کر جو مانگے ہلدی  
 دیکھ کر کچھ کہو تو وہ یہ کہے  
 یاں جو کچھ ہے چلن سودیتا ہوں  
 مانگو اس سے جو مریج یا دھنیا  
 ان میں دو دانے اور سب ککھر  
 لونگ چورا نفر سے منگوا یا  
 اور اشیاء ہیں سے کر یہ قیاس  
 اور دس بیس محمد گنواروں کے  
 چھوٹی مسجد خطیب تھا نہ ازاں  
 نہ تھی قید صلوٰۃ و رسم صوم  
 بندے سب جن کا تھا خدا نہ کوئی  
 راہ و رسم و طریق سب بیڑھب  
 کوسوں پھاگا اگر ملا کوئی

فاقوں کے زیر بار تھے کوئی  
 سارے کنکال اور بھوکھے سے  
 جان کھا جائیں کچھ نہ جنگ لیں  
 اُجڑے پجڑے اُنھوں کے کچھ گھر تھے  
 اس میں بیویں کی تھیں دوکانیں چار  
 تس کو بھی لکھیوں نے تھا چائنا  
 چھبڑوں میں خاک دھول ایک کئے  
 نانوں کو کہتے تھے اُسے بقال  
 اُن لے جیسا کیا تھا سو پایا  
 تس پر اُس کو ہزار غصہ و تازہ  
 اُس پھندہ میں کچھ بھی بھیدرگ تھی  
 اُن نے ہم لوگوں سے بھی یاری کی  
 زرد مٹی کو باندھ دے جلدی  
 بس تم اس بستی میں سیاں جی سے  
 میں بھی پیسے لگا کے لیتا ہوں  
 دیو سے لجا وہی ستادھنیا  
 دیے کا قد میں ہاتھ لنب کر  
 لال مریج گٹھی ہوئی لایا  
 آگے جاتا نہیں کہا مجھ پاس  
 اور دو چار فاقہ ماروں کے  
 یہی خانہ خطیب کا تھا واں  
 اس پہ سید امام واں کی قوم  
 اس طریقے سے آشنا نہ کوئی  
 پہلے گالی تھی نیچے حرف بہ لب  
 صحبت ایسوں سے رکھے کیا کوئی

ایک تکیہ نہ جس میں فرشتہ سکاہ  
 ٹکڑے ٹکڑے کی احتیاج اسکو  
 برسوں چلا کے نا اُمید ہوا  
 آتے جاتے سے اُن نے جو پایا  
 گردہ جو چار خاک کے سے پھیر  
 اپنا تو اعتقاد تھا ہی کسم  
 کچھ نہ دیکھا ہم اُن بھی گوروں  
 کی توجہ جو ٹھک دروں کی اور  
 جس سے چھاتی میں دروہ نے لگا  
 پھر زمینداروں میں لُناق ہوا  
 دونوں کا اک جدا ہی مطلب ہے  
 اُس پاس اُس گڑھی کے آئی تھیل  
 ایدھر اودھر اتر کے پانی جباؤ  
 اُس سے دان کی ہوا بہت مرطوب  
 کتنے روزوں میں ہوتی ہے کھانسی  
 پھر وہ درجہ ہے جس میں ہوسے دق  
 پڑی آفت خطر تھا سکھوں کا  
 اس میں آجاتے تو قیامت تھی  
 نہ کوئی دادرس نہ وقت داد  
 کیا کڑھب چرخ کج نے پھینکا تھا  
 جس نے قدرت نمائی کی اپنی  
 بس قلم ہے صریح تیری تند  
 بد زبانی کا مجھ کو کب ہے داغ  
 ہو چکی صابوں کی فسمائش

حال درویش قابل صد آہ  
 مرض جوع لاعلاج اُس کو  
 چمکی سا دھبی جگر میں چھید ہوا  
 اُسی پر رگیا وہی کھایا  
 جن کو کہتے تھے لیٹے ہیں یا شیر  
 پر کبھو بلی بھی نہ دیکھی ہم  
 کام نکلا سوا اپنے زوروں سے  
 دل جگر پر مرے پڑا کچھ زور  
 رنگ چہرے کا زرد ہونے لگا  
 یہ عجب اور اتفاق ہوا  
 یہ کسے روز وہ کسے شب ہے  
 گم تھے برسات میں طریق سبیل  
 قمر ہے پھر جو ٹھک بھی ہو پڑھاؤ  
 ہووے نزلہ زکام بے اسلوب  
 ایسی جیسے گلے میں دیں بھانسی  
 یہ کوئی تنگی ایک ثالث شش  
 کیونکہ وہ ٹک ٹک تھا سکھوں کا  
 مال و جاں عرض سبکی رخصت تھی  
 مفت ہی ہم گئے تھے سب بر باد  
 پر خدا کچھ ہمارا سیدھا تھا  
 اس بلا سے رہائی کی اپنی  
 شور سے تو پڑا جہاں میں ڈنڈ  
 ایسی باتوں سے میں کیا ہوا فراغ  
 چپ رہ اب ہے زمان آسائش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مثنوی خواب خیال میر

خوشحال اس کا جو معدوم ہے  
رہیں جان غمناک کو کاہشیں  
زبانے نے رکھا مجھے متصل  
گئی کب پریشانی روزگار  
وطن میں نہ اک صبح میں شام کی  
اٹھاتے ہی سر پہ پڑ اتفاق  
جلاتے تھے مجھ پر پھو اپنا داغ  
زبانے نے آوارہ چاہا مجھے  
رفیقوں سے دیکھی بہت کو نہی  
مجھے یہ زمانہ جدھر لے گیا  
بندھا اس طرح آہ بار سفر  
دل اک بار سو بقیہ اربتاں  
گر قرار رنج و مصیبت رہا

کہ احوال اپنا تو معلوم ہے  
گئیں دل سے نوید سو غماہشیں  
پراگندہ روزی پر اگندہ دل  
رہا میں تو ہم طالع زلف یار  
نہ پہونچی خبر مجھ کو آرام سکی  
کہ دشمن ہوئے کسائے اہل وفاق  
دکھانے لگے داغ بالائے داغ  
مری بکسی نے نباہا مجھے  
غریبی نے اک عمر سکی ہم سہری  
غریبانہ چندے بسر لے گیا  
کہ نے زاد رہ کچھ نہ بار سفر  
غبار سیرہ گزرا رستاں  
غریب دیار محبت رہا

چلا اکبر آباد سے میں گھڑی  
 کہ ترک وطن چلے کیونکر کروں  
 دل مضطرب اشک حسرت ہوا  
 کھنچا ساری رہ دامن چاک دل  
 پس از قطع رہ لائے دلی میں نعت  
 جگر جو رگروں سے خوں ہو گیا  
 ہوا خبط سے مجھ کو ربط تمام  
 کبھو کھنچ بلب مست رہنے لگا  
 کبھو غرق بحیرہ تختیر رہوں  
 یہ وہم غلط کاریاں تک کھنچا  
 نظرات کو حساند پر گر پڑی  
 مہ چارہ کا ز آتش کرے  
 تو ہم کا بیٹھا جو نقش درست  
 نظر آئی اک شکل مستاب میں  
 اگر چند پر تو سے مہ کے ڈروں  
 ڈروں دیکھ مائل اسے اسطوت  
 رہی فکر جاں میرے احباب کو  
 ہوئے پاس کوئی تفاوت سے ہو  
 کوئی قنط اندزہ سے گریہ ناک  
 جو دیکھوں تو آنکھوں سے پوچھ  
 کے چشم بندی کو ہر بار غیب  
 وہی جلوہ ہر آن کے ساتھ تھا  
 اکسہ ہوش میں ہوں ولے بے خبر  
 اسے دیکھوں جید صرکروں میں نگہ  
 نگہ گردش چشم سے فتنہ ساز

دو روام پر چشم حسرت پڑی  
 مگر ہر قدم دل کو پھر کروں  
 جگر رخصتانے میں رخصت ہوا  
 رہا بر قفاروے غمناک دل  
 بہت کھینچے یاں میں نے آزار سخت  
 مجھے رکتے رکتے جنوں ہو گیا  
 لگی رہنے وحشت مجھے صبح و شام  
 کبھو سنگ دروست رہنے لگا  
 کبھو سر بجیب تفکر رہوں  
 کہ کار جنوں آسمان تک کھنچا  
 تو گو یا کہ بجلی سی دل پر پڑی  
 ڈروں یاں تلک میں کہ جی غش سے  
 لگی ہونے دسواس سے جانست  
 کئی آئی جس سے خور و خواب میں  
 ولیکن نظر اس طرف ہی کروں  
 بحدے کہ آجائیں ہنڈھوں پہ کف  
 اڑا دیوں سب گھر کے اسباب کو  
 سر اسیمہ کوئی محبت سے ہو  
 گر بیاں کسو کامرے غم سے چاک  
 نہ دیکھوں تو جی پر قیامت رہے  
 دے منزل دل میں اس مہ کی سیر  
 تصور میری جان کے ساتھ تھا  
 وہ صورت رہے میرے پیش نظر  
 وہی ایک صورت تیرا دل جبکہ  
 مرہ آفت روزگار دراز

عجب رنگ پر سطح رخسار کا  
 جو آنکھ اُس کی بینی سے جا کر ٹپے  
 مکاں کچ لب خواہش جان کا  
 دہن دیکھ کر کچھ نہ کہیے کہ آہ  
 سنا ہے جگر اُس کسو کے لیے  
 گل تازہ شرمندہ اس رو سے ہو  
 سراپاں جس جانظر کیجے  
 کہیں مہ کا آنکھیں در دست ہی  
 کہیں نقش دیوار دیکھا اُسے  
 کہیں دلبری اُس کو درپیش ہے  
 کہیں جملہ تن مہر صرف سلیک  
 لطافت سے یک جان ہووے کینر  
 کہیں جلوہ پرداز وہ عشوہ ساز  
 ہر اک جائے ناز سے وہ سبق  
 رہے سامنے اک طرح پر کبھو  
 بغل میں کبھو آرمیدہ رہے  
 کبھو صورت و لکش اپنی دکھائے  
 کبھو گرم کینہ کبھو مہراں  
 کبھو یک بیک یار ہو جائے وہ  
 گلے میں مرے ہاتھ ڈالے کبھو  
 کبھو چپیں بہا بر و کبھو سنسکے بات  
 جو میں ہاتھ ڈالوں وہاں کچھ نہیں  
 ہر اک رات چندے یہ صورت رہی  
 دم صبح ہو گرم رہ سوئے ماہ  
 کہ چھو ماکروں بید مجنوں کی طرز

مگر وہ تھا آنکھیں گلزار کا  
 دم تیغ پر راہ چلنی پڑے  
 تبسم سبب کا ہش جان کا  
 سخن کی بکلتی تھی شکل سے راہ  
 جو سبب ذوق اس کا ہو کر جیے  
 نجل مشکناں اس کے گیسو سے ہو  
 وہیں عمر اپنی بسر کیجے  
 کہیں بادۂ حُسن سے مست ہے  
 کہیں گرم رفتار دیکھا اُسے  
 کہیں مائل خوبی خویش ہے  
 کہیں مجھ سے سرگرم حرف سلوک  
 سبک سیر مانند نمبر عزیز  
 کہیں ایسا وہ بعد رنگ تاز  
 درو باہم تصویر کا سا ورق  
 رکھے وضع سے پانوں باہر کبھو  
 کبھو اپنے بر خویش چیدہ رہے  
 کبھو اپنے بالوں میں گنہ کو چھپائے  
 کبھو دوست نکلے کبھو خصم جاں  
 کبھو دست بردار ہو جائے وہ  
 طرح دشمنی کی نکالے کبھو  
 کبھو بے وفائی کبھو التفات  
 بجز شکل وہی عیاں کچھ نہیں  
 اُسی شکل وہی سے صحبت رہی  
 کہ درپیش آوے یہ روز سیاہ  
 رہے یاد اس سر و موزوں کی طرز



رہوں زرد میں گاہ بیمار سا  
 پری خوان کو لا کوئی افسوں پر  
 جلیبوں کو آخبر دکھایا مجھے  
 دوا جو لکھی سو خلات مزاج  
 کہ سر رشتہ تدبیر کا گم ہوا  
 دروں خود بخود بخود اسی رہی  
 سروں بیکلی جاؤں تا ہر کہیں  
 قیامت جنوں کا رہے سر میں شور  
 رہے شوق سرور گریبان دل  
 سرا شفتہ زلف گرہ گیر کا  
 جنوں آہ درپے ہوا جان کے  
 کیا بند اک کو ٹھہری میں مجھے  
 لب نان اک بار دینے لگے  
 کہاں علم کا کسب فرصت نہ آہ  
 نہ آدے کوئی ڈر سے میرے کئے  
 وہ آ شفتہ سر ہوشمندی سے دور  
 وہ عجبہ جو تھا گور سے تنگ تر  
 جو اس میں کبھو میں سنبھل بیٹھتا  
 سر شام بیٹھا تھا میں ایک روز  
 کہ یاروں نے ہر جستہ تدبیر کی  
 اگر چند کہنے کو خوں کم کیا  
 بڑی دیر تک خون جاری رہا  
 چکا یا سحر مجھ کو اک شور سے  
 وہی دست فساد میں نیشتر  
 وہی لو ہو لینے کا ہنگامہ پھر

پریشاں سخن گم پریدار سا  
 کسو سے کوئی جا کے تعویذ لائے  
 نہ پنا جو کچھ تھا پلایا مجھے  
 کھنچا اس خدابی سے کار علاج  
 دل اوپر ہجوم تو ہم ہوا  
 پریشاں دلی اور ادا سی رہی  
 نہ گھر میں گئے جی نہ باہر کہیں  
 کھنچا جائے دل کوہ و صحر کی اور  
 ہوا کھینچے صحر کو دایان دل  
 قدم حلقہ در گوش زنجیر کا  
 مجوز ہوئے یار زندان کے  
 کہ آتش جنوں کی گہر داں مجھے  
 دم آب و شوار دینے لگے  
 ہوا کا بھی واں گشت روزن کی راہ  
 کہ کیا جانے کیسی صحبت بنے  
 نہیں رابطہ مقتضائے شعور  
 در اس کا نہ کھلتا تھا دو دو پہر  
 تو باہر بھی اک دم نکل بیٹھتا  
 افاقہ نہ آئی تھی مجھ کو ہنوز  
 مرے خون میں کچھ نہ تقصیر کی  
 لیا لو ہو اتنا کہ بیدم کیا  
 میں بیوش وہ رات ساری رہا  
 کھلی آنکھ میری بڑے زور سے  
 وہی رنگ صحبت کا پیش نظر  
 وہی تر لو میں مرا حبابہ پھر

لگے نشتر ایسے کہ لگتے نہیں  
 ہوا خون سے دامن و جیب تر  
 ٹپکتا راہ دیر تک خون ناب  
 سخن ضعف سے سخت دشوار تھا  
 کئی روز بالیں پہ یہ سر رہا  
 کھڑا ہوں اگر پاؤں لڑاں ہے  
 چلا جائے سر پاؤں تھر تھر کرے  
 جفا ضعف سے مجھ کو کیا کیا تھی  
 پس از چند آنکھیں ٹھہرنے لگیں  
 بندھانا توانی کا رخت سفر  
 کسے تھا مری زندگانی کا دھیان  
 لگی جان سی آنے اعضا کے بیچ  
 پھرانا توں میں بہت دور سے  
 غلط کاری و ہم کچھ کم ہوتی  
 وہ صورت کا وہم اور دیوانگی  
 پس از دیر آنکھوں میں آنے لگی  
 نہ دیکھے مری اور اس پیار سے  
 کہیں تک تسلی کہیں بقیدار  
 کہیں واسطے میرے روتی ہو خون  
 کہیں دل کو اپنے دکھائے مجھے  
 کہیں دست بردل وہ رشک قمر  
 کہیں بیدار خانہ سرد گرم تاز  
 کہیں چشم گریاں سے دامن پاک  
 کہیں کام دل کی شکایت سے ہے  
 کہیں مجھے کہتی ہے رخت مجھے

چھجے جیسے مڑکاں کسو کے تیل  
 رگ جاں تلک زخم پہونچا مگر  
 مجھے لے گئی بخودی کی شراب  
 پلک کا اٹھانا بھی اک بار تھا  
 خار ایک مدت تلک پھر رہا  
 بدن بید کی طرح لڑاں رہے  
 نسیم سحر کار صرصر کرے  
 افات گئی یوں کہ گویا نہ تھی  
 بنگا ہیں بھی کچھ کام کرنے لگیں  
 کیا طاقت رفتہ نے منہ ادھر  
 ولیکن نہایت تھا میں سخت جاں  
 کوئی روز رہنا تھا دنیا کے بیچ  
 کہ نزدیک تھا عالم گور سے  
 وہ صحبت جو رہتی تھی برہم ہوئی  
 لگی کرنے درپردہ بیگانگی  
 نہ دو دو پہر منہ لگانے لگی  
 غریبانہ سراسر دیوار سے  
 کہیں شوق سے میرے بے اختیار  
 کہیں دست زیر زرخ ہے ستون  
 مری بیوفائی جتاوے مجھے  
 کہیں حسرت آلودہ مجھ پر نظر  
 کہیں آتش شوق سے جا نگداڑ  
 کہیں سو جگہ سے گریبان چاک  
 کہیں نقش دیوار حسرت سے ہے  
 کہ مطلق نہیں ہم کی طاقت مجھے

کہیں بے وہ شکوہ خوں چکاں  
 کہیں وہ بنگم جس سے یہ پائے  
 کہیں وہ روش جس کے نکلے عقاب  
 کہیں حرف زن اس طرح از سے  
 کہیں وہ ادا جس سے معلوم ہو  
 کہیں وہ سخن جو صبرِ غول کرے  
 کہیں وضع ایسی کہ بیگانہ ہے  
 کہسو جا ہے بلوے میں اس آن سے  
 کہسو وقت اس کا یہ اسلوب ہے  
 کہکھو بقراری ہے اس رنگ سے  
 کہکھو بے ادائی و دشنام ہے  
 کہ اسے بیوفا آہ دل نرم کر  
 کہکھو وہ تیغِ تر کہ پروا نہیں  
 کہکھو یہ سخن جس سے سو استفاد  
 کہ نظاں میں میراب تو انا گیا  
 غرض نا اُمیدانہ کر اک نگاہ  
 نہ آیا کہکھو پھر نظر اس طرح  
 مگر گاہ سایا سا متاب میں  
 دل خود پذیر وصال و وام  
 اگر وصل خواب فراموش تھا  
 پلک سے پلک آشنا ہے وہی  
 کھڑا ہوں تو سوتا ہوں کفِ نوح میں  
 جو بیٹھا ہوں خواب گراں ہو مجھے  
 خیال اس کا آوے کہ سن ہو رہوں  
 تجھے آپ کو نہیں کھوتے گئی

کہ ٹپکا کرے جس سے آزار جان  
 کہ یہ درد دل ہے تو مٹ جائے  
 کہیں وہ طرح جس سے رہنے خوب  
 کہ دیکھا گیا دل کس انداز سے  
 کہ جیسے وہ عاشق کہ خروم ہو  
 کہیں طرز ایسی کہ مفتوں کرے  
 کہیں آشنا ہے تو دیوانہ ہے  
 کہے تو کہ بزار ہے جان سے  
 کہ شرم محبت سے مجھوب ہے  
 کہ پھرتی ہے سر مارتی سنگ سے  
 کہکھو بار کے ہاتھ پیغام ہے  
 محبت کی بھی منھ سے کچھ شرم کر  
 کہکھو کیونکہ کہیے کہ سودا نہیں  
 کہ اسے بیوفا حرف من یا و باد  
 کہ وہ دوستی کا زمانہ گیا  
 وہ نقش تو ہم کیا سوے ماہ  
 نہ دیکھا اسے جلوہ گر اس طرح  
 کہکھو وہم سا عالم خواب میں  
 رہے خواب میں روز و شب و صبح و شام  
 و لیکن وہی خواب کا جوش تھا  
 زخو و رفتگی کی ادا ہے وہی  
 رگ خواب دل ہے کفِ شوق میں  
 وہ غفلت جہاں در جہاں ہو مجھے  
 تلے سر کے پتھر رکھوں سو رہوں  
 جوانی تمام اپنی سوتے گئی

|                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                               |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                        |
|-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| <p>نہ دیکھا پھر اُس کو کبھو خواب میں<br/>ہم آغوش طالع بہت ہو چکا</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                          | <p>دکھایا نہ اُس نے رو خواب میں<br/>بہت بخود و بجنبہ ہو چکا</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                        |
| <p>نہ دیکھا کبھو میر پھر وہ جمال<br/>وہ صحبت تھی گویا کہ خواب و خیال</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                      |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                        |
| <p>— ❦ —</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                  |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                        |
| <p>بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                 |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                        |
| <p>مثنوی درندستِ دنیا</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                     |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                        |
| <p>کہ اس کارواں گہ سے کرنا ہے نقل<br/>سبھوں کو یہی راہ درپیش ہے<br/>نہیں اس سراپنج رستہ کوئی<br/>کنھوں نے نہ بچتا سنایاں مقام<br/>جہاں جملہ ہے ایک بنرم رواں<br/>یہ منزل نہیں جائے بود اور باش<br/>تہ خاک سب کا ہے دارالقرار<br/>وہ رنگینی باغ کیا ہو گئی<br/>پریشاں ہوئے مرغ گلشن کے پر<br/>چراغوں نے بھی خانہ روشن کیا<br/>رہا آب سو بھی روانی کے ساتھ<br/>رکن ہے جہاں باد کی لاگ تھی<br/>گلستاں کو پاویں گے ہو کا مکان<br/>لیٹ جائیں گے آسمان جیسے تاؤ<br/>چلے جاتے ہیں کوہ جیسے سحاب<br/>نہیں جائے تابش اور جا ہے عجب</p> | <p>سُنو اے عزیزانِ ذی ہوش و عقل<br/>پیمبر ہے شہ ہے کہ درویش ہے<br/>کہو گے کہ آگے تھا کت کوئی<br/>بجا ہی کیا کوس رحلتِ مدام<br/>یہ نیٹھے جو ہیں سامنے ہیں کہاں<br/>جسے دیکھو چلنے کا گرم تلاش<br/>گدا ہو کہ ہو شاہِ عالی تبار<br/>نہ یک بوئے خوش ہی ہوا ہو گئی<br/>لے خاک میں جھڑ کے کھائے تر<br/>تینگوں نے گر خاک مسکن کیا<br/>گئی خاک دامنِ فشانے کے ساتھ<br/>رہی راکھ ہو کر اگر آگ تھی<br/>نہ جدول رہے گی نہ سرد رواں<br/>زمین کا رہے گا یہی کیا سبھاؤ<br/>سکوں یاں کا دیکھا سرشتاب<br/>جہاں ایک ماتم سرا ہے عجب</p> |

بھلا جی کے جانے کا کیا ہے بیاں  
 جوانی گئی موسمِ شیب ہے  
 ہنسوں کیونکہ ہستی میں دنداں نما  
 گیا شور سر سے جھکا ہے بہت  
 نہ وہ ذائقہ ہے نہ وہ ہے مشام  
 کہ میں لمس کیا ہر گھڑی ہو صدرِ ع  
 بلا ارتعاشِ تن زار ہے  
 ہوا حافظہ بسکہ نسیاں کا صرف  
 ہوئے شعر کیا کیا فراموش ہائے  
 نہ پوچھو لب و لہجہ بے طور ہے  
 نہیں گور کے کام سے کچھ فراغ  
 نہ کچھ یو نہیں عینک نظر چڑھ گئی  
 نہ رکھے جو عینک نہ آوتے نظر  
 رہیں دیکھ بھو حرف زن ہو حریف  
 صدا فوس لطفِ ساعت نہیں  
 شباب آہ داغِ حب گدے گیا  
 نہ کچھ زور بازو بہت کم ہوا  
 جوانی کی شب کیا بسر ہو گئی  
 بدن زار اعضا بھی ریشہ دار  
 جو یہ چال ہی جا رہے ہیں ہم اب  
 ٹھٹھے ہوں تو تھڑے ان دراق  
 جویوں پاؤں چلتے بچکتے رہے  
 اگر ضعف سے چپ ہی رہتے ہیں ہم  
 کہے میں نہیں اپنے ٹھک پاؤ دست  
 جو بازو ہیں اپنے وہ بازو نہیں

عیاں ہے کہ کتے ہیں جاں کورواں  
 شہود ایک دو روز کو غیب ہے  
 کہ ہے جاے دنداں ہی دنداں نما  
 گئی داسد اب دل رکا ہے بہت  
 مزا کچھ نہیں ہو چکی صبح و شام  
 نہیں لذتِ اکل و شرب و وقاع  
 ہر اک عضو چلنے کو تیار ہے  
 نہیں یاد آتا ہے دوشینہ حرف  
 کہوں کیا گزرتی ہو خاموش ہائے  
 سخن کرنے کا ڈھنگ ہی اور ہے  
 کسے ذوقِ صحبت کہاں ہے داغ  
 بصارت کی بیطاعتی بڑھ گئی  
 کہے تو کہ اعمیٰ ہیں ہم بے بصر  
 رہا سننے کے گوں نہ سنج شریف  
 صدا دور سے جیسے آوے کہیں  
 قدِ خمِ زمیں کی طرف لے گیا  
 جھکا سر سوزانہ کا ہمد ہوا  
 سفیدی ہو سے سحر ہو گئی  
 کرے کون خواباں سے بوس کنار  
 دموں پر غرض آ رہے ہیں ہم اب  
 جئیں بیٹھے کیونکر کہ جینا ہو شاق  
 تو دیکھو گے ہم یاں سے چلتے رہے  
 یہ سوچو تو کیا کیا نہ کہتے ہیں ہم  
 کیا خاک میں مجھ کو پیری نے سخت  
 اگر منہ کو دیکھو تو وہ رو نہیں

دے آنکھیں نہیں دے نہ چتون کے طور  
سخن منہ پہ آدے وداعی کے رنگ  
درو بام پر حسرتوں سے نکلا  
غریزی حرارت میں افسردگی  
مزاجی تھی گرمی سوٹھٹھرا گئی  
کہ ہوتا رہے روح کا انتعاش  
پھر اٹھ بیٹھوں تو جی چلا جائے  
لکھوں کیا کہ میں جیتے جی مر گیا

بدن کی ہوئی میر جی صورت ہی اور  
جسد ناتواں جائے مہمان تنگ  
بیوں پر نہایت ضعیف ایک آہ  
شکن جلد میں دل کو پڑ مردگی  
برودت بہت جسم میں آگئی  
چھڑکتا رہوں منہ پہ پیکاش  
وگر نہ دیا سا بکھا جائے ہے  
سیہ روئے شیب اک ستم کر گیا

قلم رکھ دے کر میر ختم کلام  
تھام اپنی صحبت ہوئی والسلام

## خاتمہ

ہزاراں ہزار حمد اس مبدع کائنات کو کہ جس نے ایک لفظ کن سے تمام کائنات کو  
ہویدا کیا اور درود سلام نازل ہو اُس ہادی اُمی لقب پر جس نے نصحاء عرب و عجم کو  
پنے کلام معجز نظام سے متحیر و مسحور کیا۔ اما بعد کلام سرآمد شہر اے نامدار  
یعنی کلیات میر تقی میر بطرز جدید و اسلوب مرغوب مطبع منشی نو لکشور  
واقع لکھنؤ میں حسب الارشاد فیض بنیاد آقائے نامدار عالیجناب  
منشی رام کمار و منشی تیج کمار صاحبان مالکان مطبع۔ باہتمام سکسیریداس  
سیٹھ پرنٹنگ ہاؤس لاہور ۱۹۵۷ء چھپ کر نصارت بخش دیدہ ناظرینِ الٰہمکین ہوا۔

# فرہنگ کلیات

(از مصور درد مولانا عبد الباقی آسی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف الف

|                                                                                                                                                                                                                            |                                                                                                                                                                                      |                                                                                                                                                                             |
|----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| <p>آفتابہ ایک خاص طرح کا ٹوا جس سے ہاتھ منہ وغیرہ دھوتے ہیں۔</p>                                                                                                                                                           | <p>آغا۔ بعض نے خوارزم کا بادشاہ بتایا ہے۔ اس کے بنانے کی ترکیب یہ بتائی گئی ہے کہ کاغذی بیو کے برابر یا اس سے کچھ چھوٹی بین کی گولیاں بناتے ہیں اور اس کو شور بادے کر پکاتے ہیں۔</p> | <p>آنکھت ترکیاری وہ ترکیاری یا پھل جو اندر سے خواب اور ترش ہو گئے ہوں۔ یا پانی کی وجہ سے خراب ہوں۔</p>                                                                      |
| <p>آفتابی عالی شان مکانوں میں ایک جگہ ماہتابی کی طرح بناتے ہیں جو دھوپ میں بیٹھنے کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔</p>                                                                                                                | <p>آئین اکبری میں لکھا ہے کہ ایک قسم کا بلاؤ ہے جو گوشت بین لگی۔ شکر۔ سرکہ۔ گاجر وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے۔</p>                                                                      | <p>آجکل بتانا بھوٹے وعدے کرنا۔ روز چلے حوالے کرنا۔ آدمی گری آدمی بنادینا جازا تمیز سکھانا۔ فارسی لغت میں معنی ایجاد کردن آدم لکھا ہے۔ یہ لفظ اکثر طنزاً مستعمل ہوتا ہے۔</p> |
| <p>۲۔ ماہی مراتب میں چاندی سونے کا ایک دائرہ ہوتا ہے جس میں ایک ڈنڈی لگی ہوتی ہے بادشاہوں کے جلوس میں ساتھ ہوتا ہے اور اسی کا سایہ چتر کی طرح سر پر ہوتا ہے۔ (نور اللغات) ایک قسم کی آتشبازی۔ ایک قسم کی جھوٹی نپکیما۔</p> | <p>آتشمال خوشامدی۔ آشنائی خوشامد جو اکثر شکم پرست اپنے پیٹ بھرنے اور کھانا ملنے کے لیے کرتے ہیں۔</p>                                                                                 | <p>آتش بھرا۔ آتش ہر رقیق غذا کو کھا جاتا ہے نیز کھا جاتا ہے کہ آتش بھرا بغیر اٹاں کی ایجاد ہے جو ترکستان کے سرداروں میں سے</p>                                              |

|                                                                                                                                                                  |                                                                                                            |                                                                                                                          |
|------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|------------------------------------------------------------------------------------------------------------|--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| آلا - ہرا - تازہ - نرم آسے ہیں                                                                                                                                   | غور کرنا -                                                                                                 | آگے ڈالتے ہیں -                                                                                                          |
| یعنی زخم ہرے ہیں - اکثر جمع کے ساتھ متعل ہے -                                                                                                                    | آٹا مارا - وریا سے عبور منسل -                                                                             | استحاله - ایک حال اور صورت میں تبدیل ہونا -                                                                              |
| آنکھ چکنا - آنکھ لگنا - بیدار ہونا - آنکھوں سے کاجل خیرا -                                                                                                       | بھاٹ -                                                                                                     | استغراق - کسی خیال یا نگاہ میں ڈوب جانا -                                                                                |
| انتہائی چالاکی اور صفائی سے چوری کرنا - آنکھوں کے سامنے کی چیز خیرا لینا -                                                                                       | بست فریادہ -                                                                                               | استخوان شکنی - محنت برداشت کرنا -                                                                                        |
| آنکھوں میں رکھنا - خط میں مبالغہ کرنا -                                                                                                                          | بیت - ایک قسم کے ہندو فقیر گشتائیں -                                                                       | اُسکے چائے درخت بھی نہیں رہے - کسی چالاک شخص کی نسبت کہا جاتا ہے -                                                       |
| آنکھیں موندنا - آنکھیں بند کرنا - آواز کی رسن - گھبرہٹ سے آواز کاڑھنا -                                                                                          | اجارا - ٹھیکہ - کرایہ -                                                                                    | اسلامی - مسلم - مسلمان -                                                                                                 |
| آب گیری - عیب جوئی - آئی - مجاز موت -                                                                                                                            | آج غارت ہوٹا - آتش دان -                                                                                   | استعلاک و نپا - اگسا نا کسی بات پر بھڑکانا -                                                                             |
| ابشام - بستم - ملکی منسی - ایرام - کسی کو عاجز کرنا - ضد کرنا ہٹ کرنا - مستحکم کرنا -                                                                            | اچیل - اردو میں شوخ کے معنے میں مستعل ہے لیکن ہندی میں الف تفری کی وجہ سے اس کے معنے یہ ہیں جو شوخ نہ ہو - | اشلم - تندی - غلبہ - زور ظلم -                                                                                           |
| اینٹی لکی جانا - اپنے کام کالنے کی کوشش کرنا - اپنا رنگ جمانا - اپنی وادی پر آنا - اپنی بات پر زعم جانا - اپنی بات پر اصرار - اب اپنی والی پر نا بھی بولتے ہیں - | اچیلی - شوخی -                                                                                             | اشب - ایک لالچی آدمی کا نام -                                                                                            |
| اچھڑنا - ریاح وغیرہ سے پیٹ پھولنا - مجازاً تھوڑی حیثیت پر                                                                                                        | اوتھم - سیاہ رنگ کا گھوڑا -                                                                                | اصحاب قبیل - ابراہیم بادشاہ اور اُس کے ساتھی جو کعبہ دھانے کے لیے کعبہ پر چڑھے جن کا قصہ کتب تفاسیر وغیرہ میں مندرج ہے - |
|                                                                                                                                                                  | اڑاٹا - بھاڑ جھکاڑ - کوڑا کبار -                                                                           | اخرج - لنگڑا -                                                                                                           |
|                                                                                                                                                                  | اڑواٹ - وہ لکڑی جو پرانی پھٹ کے تھے رہنے کے لیے اُسکے نیچے لگا دیتے ہیں - ٹیکن -                           | اٹھی - اندھا -                                                                                                           |
|                                                                                                                                                                  | اڑنا - جنگلی بھینسا -                                                                                      | اٹھال - غل کی جھج طوق -                                                                                                  |
|                                                                                                                                                                  | اڑنپ - خرگوش -                                                                                             | اٹھاض - چشم پوشی کرنا -                                                                                                  |
|                                                                                                                                                                  | اڑا - پھیر جوہ الاں وغیرہ کے                                                                               | اٹھان - کسی بات                                                                                                          |



|                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                          |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                           |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                  |
|------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| <p>انگڑا نا۔ انگڑائی لینا۔<br/> انگڑا۔ اُداس۔<br/> اُن نے۔ اُس نے۔<br/> اَنوٹھا۔ اَنوٹھا۔ وہ کھانے<br/> کی چیز جس میں سے کسی نے<br/> کچھ کھا یا نہ ہو۔<br/> اُور۔ بر وزن مور۔ طرف۔ جانب۔<br/> اوک وینا۔ تے کرنا۔<br/> اِبحاز۔ اختصار۔<br/> اِتیاقیسا۔ ایک کلمہ جو تحقیق<br/> کے لیے۔ غصہ اور آزر دی<br/> کی حالت میں کہتے ہیں۔<br/> ایک اور ایک گیارہ۔<br/> چونکہ ایک کے ہند سے پر<br/> ایک اور بڑھانے سے گیارہ<br/> کا ہندسہ بن جاتا ہے۔ اس لیے یہ<br/> فقہ اس جگہ بولتے ہیں جہاں<br/> دیکھنا مقصود ہوتا ہے کہ ایک<br/> سے دو کی طاقت زیادہ ہوتی ہے<br/> ایکوں بجائے ایک استعمال<br/> کیا ہے۔<br/> اِیل۔ بزرگوں۔ گوزن۔ بارہینگا۔<br/> اِینٹ کا گڑھی ہونا۔ کناٹہ<br/> تباہی۔ بربادی۔ کیا کرنا سب<br/> خاک میں لچا نا گھر برباد ہونا۔</p> | <p>سبزہ زار کے معنی میں ہے۔<br/> اور یہ یہاں موزوں اور<br/> درست ہے۔ اسی طرح<br/> اویج اور رنگ کا بدل ہے۔<br/> نیز انگ اس دیوار کے معنی<br/> میں ہے جو لشکر کی محافظت<br/> کو بناتے ہیں۔<br/> اُوٹا۔ بھڑکا۔ بھڑکا۔<br/> اُلیختا۔ کوئی رقیق شے<br/> یا پانی کسی جگہ سے نکال کر<br/> پھینکنا۔<br/> اُناہت۔ برے کاموں سے<br/> باز آنا۔ خدا کی طرف متوجہ ہونا<br/> کسی کو نائب بنانا۔<br/> اُنتعاش۔ بھڑک۔ صحت<br/> اُنتہا لینا۔ تھکا لینا۔<br/> اُندرونہ۔ مجاز آدل۔<br/> اُندھیرا یا کھ۔ ہر<br/> قسمی مہینے کے دو پا کھ<br/> ہوتے ہیں۔ پہلا اندھیرا<br/> پاکھ اور دوسرا جالا پاکھ<br/> کہلاتا ہے۔<br/> اُنکھ۔ اُن جیم کا دان۔ جیم<br/> کی زکوٰۃ اور صدقہ۔</p> | <p>اُکراہ۔ زبردستی۔ فارسی بولے<br/> کراہت کے معنی میں بھی استعمال<br/> کرتے ہیں۔<br/> اُکلائی۔ وہ اوڑھنے کا کپڑا<br/> جو اکرا ہو۔ دولائی۔ روہرا۔<br/> اُلمہ۔ تادریز زادہ۔<br/> اُگاس۔ اُگنا۔ اُگنے کی<br/> حالت۔<br/> اُلبٹ پلٹ۔ پتیرہ بازی۔<br/> اُلوینج۔<br/> اُنجھاؤ۔ جھگڑا۔ بھڑکاؤ۔<br/> اُشکل۔ اُجھنا۔<br/> اُخاح۔ رونادھونا۔ عاجزی<br/> کرنا۔ گر کر آنا۔<br/> اُلقاض۔ اَلْجَبِیْبُ الْقَامِصُ۔<br/> قصہ گو قصہ گو کو دست نہیں رکھنا<br/> مراد یہ کہ دوہم پیشہ باہم صاف<br/> نہیں رہتے ہیں۔<br/> اُلیخ۔ کلام تیر میں یہ لفظ ایک<br/> سانی نامہ میں آیا ہے۔<br/> جوش لالہ سے تالنج و سنگ۔<br/> شفقی ہو گیا ہوا کا رنگ۔<br/> لیکن اُلیخ لغت میں مجھے نہیں<br/> لا۔ غالباً یہ الگ بیرون کلنگ<br/> کا بدل ہے۔ جو مرغزار اور</p> |
|------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|

## باے موحده

ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک بلی کے برابر کا ایک جانور جس کے دم نہیں ہوتی۔

سیری لباس۔ مراد برکی کھال کا لباس۔ ایسے لباس اکثر نفرا پہنتے ہیں۔

بھینرنا۔ جوش میں بھرا غصہ ہونا۔ جھلنا۔

بھلنا۔ خراب ہونا۔ بگڑنا۔ جیسے کام بھلنا۔ لغزش ہونا۔ ڈگھلانا۔ بکیرہ۔ بھڑکی تصنیف چھوٹا سمندر جو چاروں طرف خشکی سے گھرا ہوا۔

بدامیت۔ شروع کرنا۔ بدیر۔ شریر۔ بدباطن۔

بدشراب۔ وہ شرابی جو شراب پینے کے بعد بدست ہو جائے اور اپنے قابو میں نہ رہے۔ بدومی۔ جنگل کا رہنے والا۔

بیرات۔ حصہ۔ فرمان۔ حکماء۔ وہ حکماء جس کے ذریعہ سے تنخواہ دیا نید کرائی جائے۔

برات ہوا پر لکھی جاتا۔ کنایت محروم ہونا۔ کچھ حاصل نہ ہونا۔

لباس کرنا۔ سوگھنا۔

لباسن۔ برتن۔ ظرف۔

لباس و پود۔ رہنا۔ سہنا۔

لباسہ۔ باز سے چھوٹا ایک کاری پرندہ جس کی آنکھیں زرد ہوتی ہیں۔

بالا۔ کس۔ کم عمر۔

بان۔ آلات جنگ میں سے ایک آتشیں ہتھیار جو راتہ قدیم میں مستعمل تھا۔ اور مولیٰ جو ایک آتش بازی ہوتی ہے اس سے مشابہ تھا۔

باندھن۔ وہ بند جو گرہ زنجیر پر مختلف رنگ دینے کے لیے باندھتے ہیں۔ یہ بندش بعض کپڑوں، صافے یا دوسرے وغیرہ میں بھی ہوتی ہے۔

باندھن باندھنا۔ افستہ۔ شمت لگانا۔ منصوبہ باندھنا۔ پاؤں ہٹا۔ ہوا چلنا۔

بیر۔ ایک قسم کا شیر۔ بعض کے نزدیک ایک اور جانور جو شیر کا دشمن ہوتا ہے اور شیر سے مشابہ

باب۔ حق۔ بارہ معاملہ متعلق

لابق۔ قابل۔ دروازہ۔

بابیت۔ نسبت۔ بارہ حق معاملہ جیسے سیری بابت۔ لابق۔

باب دید۔ لابق دید۔

باب ہونا۔ کسی امر کے لائق ہونا۔

باٹ کاروڑا۔ اینٹ وغیرہ کا وہ ٹکڑا جس سے راہ چلنے میں رکاوٹ پیدا ہو۔ وہ شخص جس کی وجہ سے کسی کام میں رکاوٹ ہو۔

باوی چور۔ زبردست چور۔ شاق چور۔

بار۔ دیر۔

بار پانا۔ رسائی ہونا۔ داخل ہونا۔

بار ختر۔ گدھے بھر کا بوجھ۔

بازار مند ہونا۔ بازار میں اجناس کا سستا ہونا۔ مجازاً بیدری۔

باز خواہ خون۔ خون کا دعویدار۔ خونہا کا خواستگار۔

باس۔ بو۔ عموماً بدبو کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

بھدرک۔ لطف۔ نرو۔ خوبی۔ کت۔  
بھرنے بھرنے۔ منہ کا تیری اور  
بڑی بڑی بوندوں کے ساتھ برنا۔  
اسی کو بھرن کہتے ہیں۔

بھڑ۔ دلدل کی زمین۔  
بھڑ۔ چلی ہوئی چیز جو خاک ہو جائے  
بھڑ۔ جگہ پر رکھ ہوئی چیز۔  
بھڑ۔ مقدس آدمی امور  
بھڑ۔ کا پابند۔ ایک فرقہ جو اپنے  
گانے والے کو کو تعلیم دیتا ہے  
بھڑاوا۔ دھوکا۔ معاملہ۔

بھڑ۔ شادی کی خوشی  
بھڑا۔ شادی کے سامان ہونا۔  
بھڑ۔ بچوں کا شر خوانی  
میں باہمی مقابلہ۔  
بھڑ۔ بیل۔ بیل بہت زیادہ کڑھ  
بھڑ۔ بے اصل بے حوصلہ  
بھڑ۔ بات کی  
اصل کو نہ پہنچنے والا۔  
بھڑ۔ بات کی تہ کو نہ پہنچنا  
بھڑ۔ ایک قسم میڈی  
بھڑ۔ کم مایہ۔ فردا یہ۔ بھڑ۔

بھڑ۔ طوفان۔ وہ  
جس نے طوفان میں آنکھ کھولی ہو  
جس نصیب میں پرورش پائی ہو۔  
بھڑا۔ بکنا۔

بھڑ۔ بکری کی اولاد۔ غیر صحیح نسب  
جو حلالی نہ ہو۔  
بھڑ۔ بکری کی بھیل۔ لکھنؤ کے  
کسی محلہ یا مقام کا نام تھا۔  
بھڑ۔ پرگندہ کرنا۔ پریشان کرنا۔  
بھڑ۔ بہت زیادہ نکلنے والا۔  
بھڑ۔ مراد ہے پر غور سے۔

بھڑ۔ دہی کو تھانی یا رہی سے  
بھڑا۔ مجازاً گھنگھولنا۔  
بھڑ۔ طاقتور۔ زوردار۔  
بھڑا۔ گوش۔ کان کی کو۔  
بھڑا۔ ایک مقام کا نام  
جو تھڑکے قریب ہے۔  
بھڑا۔ جھکی سورا۔

بھڑا۔ منزل مکان۔ نقد جنس  
و اسباب رکھنے کی جگہ۔  
بھڑا۔ بھلا۔  
بھڑا۔ بھڑا۔ بھڑا۔  
بھڑا۔ بھڑا۔ بھڑا۔  
بھڑا۔ بھڑا۔ بھڑا۔  
بھڑا۔ بھڑا۔ بھڑا۔

بھڑا۔ دور ہونا۔ محو ہونا  
ناپید ہونا۔

بھڑا۔ ملاقات۔

بھڑا۔ نہایت چکدار۔  
بھڑا۔ وہ شخص  
جسکی وضع اپنی حیثیت و مقدور  
سے زیادہ ہو۔ مغرور و متکبر۔

بھڑا۔ مراد وہی نجد سے۔  
بھڑا۔ اٹا لٹکانا۔ مراد  
سنرا سے۔

بھڑا۔ انخس جو علم صرف  
خو کا ایک عالم تھا اس نے ایک  
بکرا پال رکھا تھا جب انخس دیر تک  
سبق حفظ کرتا رہتا تو وہ بکرا بولت  
تھا۔ انخس اس کو اپنے حفظ کی تصدیق  
سمجھ کر اس وقت خاموش ہو جاتا تھا  
بھڑا۔ کنا تیا چوری۔

بھڑا۔ قتل گاہ۔  
بھڑا۔ ایک پرند آبی۔  
بھڑا۔ مول لینا۔ خریدنا۔ لگانا  
جیسے روگ سا ہونا۔

بھڑا۔ پھیلاؤ۔  
بھڑا۔ آرام۔  
بھڑا۔ بھڑا۔ بھڑا۔  
بھڑا۔ بھڑا۔ بھڑا۔



## مائے فوقانی

تنگہ ریشی - تنگہ ریشی - تنگہ ریشی - ریش  
داڑھی - بکرے کی داڑھی -  
تنگہ ریشی - اولہ -

تنگہ ریشی - پو - دوڑ - دھوپ -  
تنگہ ریشی - ریت - وغیرہ کا ٹیلہ -

تنگہ ریشی - وہ سپاہی جو انگریزی  
دردی پہنے ہو - چونکہ ابتدا و عہد  
سلطنت میں انگریزوں نے تلنگانہ  
میں فوج بھرتی کر کے اُس کو  
انگریزی لباس پہنایا تھا اسی واسطے

سپاہی کے معنی میں لفظ مشہور ہوا  
اب مجازاً سپاہی کے معنی میں استعمال ہے  
تلوار کرنا - بجائے تلوار چلانا -  
تلوار اسے - اضطراب بقراری -  
تلوار کے معنی میں کے وقت

ہیں - پریشان حال ہو - کہا جاتا  
ہے کہ کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ  
تھارے منہ میں کے دانت ہیں -  
تنگہ ریشی - تھوڑا سا ذرا سا -

تنگہ ریشی - کم حوصلہ - کم حوصلہ -  
تنگہ ریشی - وہ شخص جو تھوڑی  
شراب پینے کے بعد ہلک جاتے  
تنگہ ریشی - گون - ایک قسم کی بوری

صفحہ کا ابتدائی کلمہ جو اس سے  
پہلے صفحے کے آخر میں گوشہ پر  
اس غرض سے لکھے ہیں کہ اُن کے  
بعد کے صفحے کا پتہ چل سکے کہ با  
تشیع سلیمانی - تنگ سلیمانی  
کی تسبیح - تنگ سلیمانی میں باریک  
خط سے ہوتے ہیں -

تسبیح بھی - بجائے اسپر بھی -  
تسبیح - پریشانی - پرگندہ  
مونا - فکر -

تظلم - فریاد ظلم کی فریاد - ادخو ہی  
تقریب - کنایہ کوئی بات کرنا  
کسی چیز کو پھیلانا - اسباب سے  
اسباب بدلنا - بیمار ہونا -

تخلل - کسی کام میں مشغول ہونا  
کوئی علت پیدا کرنا - مجازاً  
برہانہ بازی - حجت کرنا -  
تقدیر - ایک قوی الجبہ پرند  
جسے تنگہ بھی کہتے ہیں -

تقصیر - کاوش کرنا کسی امر میں -  
تقصیر - کشائش یا اتنگی سے  
دور ہونا - مجازاً سیر و تفریح -  
تنگہ ریشی - موقع کا انتظار -

تاج - تاج -  
تاج خروس - مرغ کیس  
ایک بٹا جس پر مرغ کے  
کیس کی طرح پھول آتا ہے -  
تاجی - دیر - ڈھیل -

تاجی - ناز و غرور کے ساتھ چلنا  
تاجی - پھوڑے کے درو کی میں  
تاجی - چھوڑنا مجازاً اُترنا کر دینا  
تاجی - ایک قسم کی چھوٹی  
تاجی -

تخلل - کسی چیز کا گزر جانا کسی  
چیز میں خلل پیدا ہونا -

تخلل - بجائے تب -  
تخلل - انبوه - ہجوم - ایک جگہ  
مجمع ہونا -

تخلل - گناہگار فاقہ - ناجور  
تخلل - چاکدستی چستی - چالاکی  
تخلل - قوم نصاریٰ کا عابد - راسب  
تخلل - مکتوب - وہ کاغذ جس

میں بہت سے خط جوڑے جاتے  
ہیں اور شکستہ خط پڑھنے کی  
مشق کے لیے بچوں پڑھاتے ہیں  
تخلل - چھوڑنا - کسی کتاب کے



## حرف جیم عربی

|                                    |                                   |                                   |
|------------------------------------|-----------------------------------|-----------------------------------|
| جاذبہ - جذبہ -                     | جرگہ - حلقہ - گھیرا - صف - وہ     | جوں جوں - جیسے جیسے -             |
| جاگہ - جگہ -                       | گھیرا جو شکاری اسلئے باندھتے      | جوہر اول - حضرت جبریل علیہ السلام |
| جام داری - ساتی گری                | ہیں کہ شکار باہر نہ جائے - اکھاڑا | جھاڑا ہونا - جھڑ جھڑ کرنا         |
| جامہ خانہ - وہ جگہ جس میں          | خبر دیدہ - دفتر - تنہا -          | ہونا - خالی ہونا - صفایا ہونا     |
| نئے ہوئے اور بے سے                 | جسد - جسم - بدن -                 | جھاڑ جھنکار - اُلجھے - لُجھے      |
| کپڑے رکھے جاتے ہیں اور             | جسم رنج فرسا - وہ جسم جسے         | درخت جھاڑیاں وغیرہ                |
| جہاں لباس بدلتے ہیں -              | رنجوں نے لاع کر دیا ہو -          | لے ہوئے اُگے ہوں -                |
| جامہ کبریتی - زرد رنگ کپڑا -       | جلاب لگ جانا - دست آنا -          | جھا جھجھ - ایک قسم کا باجھ        |
| جان پر آنا - جان پر مٹنا -         | جلف - بیوقوف - حق بُرا دہی        | بڑے بھرے کی قسم کا ہونا           |
| جاہی جوہی - ایک تباہی              | جما ہنا - جاہی لینا -             | اور ڈھول کے ساتھ بجا جاتا         |
| کا نام -                           | جمل - نراوٹ -                     | ہے غصہ - جھجھا ہٹ -               |
| جاسے گور وار - گور کے              | جناح - زناخ مرغ یا کوتر کے        | جھانکا - سوراخ - رخنہ -           |
| قابل جگہ -                         | سینے کی ہڈی جو دو شاخ ہوتی        | جھپکا - پھرتی تیزی جلدی           |
| جہاں - جبل کی جمع بہت              | ہے - اسی سے زناخ توڑنا            | جھڑ ٹوٹ مارنا - پڑے سے سر         |
| سے پہاڑ -                          | بولا جاتا ہے - دو عورتیں سینہ     | سے پاؤں تک جسم کو چھینا -         |
| جہاد - جہد کی جمع - پیشانیاں -     | مرغ کی ہڈی کو باہم مل کر          | جھمک - مینہ کا بھاری پھینکا       |
| جسبہ - تپ - وقتاً فوقتاً -         | توڑتی ہیں - اور وہ دونوں          | چمک دمک - زور کی روشنی            |
| وقت بیوقت - مراد زمانے کے          | ایک دوسری کو زناخی کہتی           | جھم جھما ہٹ -                     |
| غیر متعین ہونے سے -                | ہیں - زناخی سے مراد ہزار          | جھو جھرا - بال پر ہوا برتن -      |
| جتن - تدبیر - ترکیب -              | ہم نوالہ و ہم پیالہ سہیلی ہوتی    | جھوک - دھچکا یا چپکولہ ہونے       |
| چٹنا - بھڑنا - گھٹنا - باہم لڑنا - | جنگل - جنگل -                     | میں جو ایک خمیدگی یا چمک کی       |
| چک - بجائے جب -                    | جواو - حیدر - دلیر -              | سی صورت پیدا ہوتی ہے - جھکنا      |
| چندول - نوی - خط -                 | جوگا - لائق - قابل -              |                                   |

چھینکا۔ چھوٹی مچھلی کی ایک قسم۔  
 جھیرٹ۔ شے اوپر رکھی ہوئی  
 بہت سی روٹیاں۔ روٹیوں  
 کی تھنی۔  
 جی جامہ مراد جان مال اسباب۔  
 جی رندھا جانا۔ جی پا مال  
 ہوا جانا۔  
 جھیر۔ گردن کی درازی۔ گردن  
 کی جگہ۔ مجازاً گردن  
 شام کچھ۔  
 جی رندھا جانا۔ جی پا مال  
 ہوا جانا۔  
 جھیر۔ گردن کی درازی۔ گردن  
 کی جگہ۔ مجازاً گردن  
 شام کچھ۔

## جیم فارسی

چارول دانگ۔ چارول  
 چارول۔ آرزو۔ ارمان شوق لاٹھی  
 چھیا چھیا کے باتیں کرنا۔  
 صاف صاف بات نہ کرنا۔  
 چپ۔ چاپ۔ قدم کی آہٹ  
 پاؤں اٹھانے اور چلنے کی  
 آواز۔  
 چرخ زان۔ کسی مخدوش جگہ  
 سے بچ کر نکل جانا۔  
 چت چٹھنا۔ دل نشین ہونا  
 دل میں بیٹھنا۔  
 چیر استانبے پیل چاندی وغیرہ  
 کے برتن ل کر صاف کرنا۔  
 چٹ۔ چوٹ کا مخفف۔  
 چٹھا۔ خون کی گرمی اور جوش  
 سے بدن پر ابھار پیدا ہو کر  
 داغ سا پڑ جانا۔  
 چڑاچی۔ کسی مزار کی کسی قبر  
 کے یہاں جو نذرانہ چسراغ  
 کے شے رکھ دیا جاتا ہے مجازاً  
 نذرانہ جو نذرگوں کو دیا جاتا ہو  
 چرخ ایتھر۔ کرہ آتشیں  
 جو عناصر اربعہ میں سے اعلیٰ  
 کرہ ہے۔ بعض نے کہا ہے  
 کہ فلک الافلاک کو کہتے ہیں۔  
 چرخ زن۔ چکر مارنے والا۔  
 چیر پوز۔ پھر۔ نو۔ کینہ۔ سفلہ۔  
 چیر کیں لباس میلے لباس والا۔  
 حسیاں اختلاط۔ محبت میں  
 چکر بخوسی دکھانے والا۔  
 چشم خروس۔ گھنگلی۔  
 چشمداشت۔ امید۔  
 چشمک زنی۔ آنکھ سے  
 اشارہ کرنا۔ سین مارنا۔  
 چشم کم سے دیکھنا۔  
 حقارت سے دیکھنا۔  
 جھیر۔ گردن کی درازی۔ گردن  
 کی جگہ۔ مجازاً گردن  
 شام کچھ۔  
 جی رندھا جانا۔ جی پا مال  
 ہوا جانا۔  
 جھیر۔ گردن کی درازی۔ گردن  
 کی جگہ۔ مجازاً گردن  
 شام کچھ۔



چھلا واگیا بیتاں - غول بتائی  
چھل دل - شوخی - طسری  
چالکی - حیلہ گری -  
چھلنا - فریب دینا -  
چھو بتا - مٹی گارا وغیرہ دیوار  
پر تھو پنا -  
چپت - بڑے قسم کا سانپ  
جو اڑدے کے قریب ہوتا ہے -  
چھپتا - ہوشیار ہونا -  
چھوہ بند - وہ بازاری عورت  
جس کی تھو نہ اُتری ہو -  
چپس مائی - ہار مانی -

چو کی بھڑا - اپنی اپنی باری  
چو کی پراوینا - ایک قسم کی نذر و نیاز -  
چوستے ہی گال کاٹنا ابتدا  
کار ہی میں نقصان پہونچانا -  
چوٹا - ٹوکرا - جھوٹا -  
چھپاؤ - پردہ -  
چال - فریب بکر - حیلہ -  
چھوٹا - اکیلا - تنہا -  
چال - ایک میلہ جو مدار کی  
پھروں کے نام سے مشہور ہے -  
چھلا سیچڑ -

## حائے حلی

ہوستان میں کچھ دیر نہ بیٹھے ہو -  
حلیم - ایک قسم کا کھجور -  
حلی - ایک بروج آسانی کا نام -  
کعبہ آفتاب میں داخل ہو کر  
تو وہی دن نوروز کا ہوتا ہے -  
حواس خلی - دماغی خلل -  
حوصلہ - ایک پرنڈ جو اکثر دوائوں  
وغیرہ کے کنارے پر پایا جاتا ہے -  
حوصلہ - الگ اور نقصان بعد  
فردنی - مجازاً دشواری بعد آسانی  
حیدر آباد - کھنڈ کے ایک محلہ کا نام -

حکایت - بوجی بوجی کیے ہوئے  
جانور کی تڑپ - چونکہ یہ حرکت خفہ  
ہوڑا پانڈر ہوتی ہے اسلئے مجازاً اسکے  
یہ معنی لیے جاتے ہیں کسی کام کے  
تمام ہونے پر حالت اضطراب میں  
کچھ ایسے کام کرے کہ جن سے  
فائدہ متصور نہ ہو -  
حسن عمل - اچھے کام -  
حسن - بویا -  
حضرت - درگاہ - آستانہ - بارگاہ -  
حظیہ - قبرستان جسکے چاروں طرف دیوار

کے آگے آگے چلتے ہیں میسوں  
کے محل کا دربان مجازاً سپاہی -  
چو والا - ایک قسم کی سواری جسے  
کہاڑ اٹھاتے ہیں - اور اکثر  
چو پہلا کہتے ہیں -  
چوٹوں پر سیاہ کتری جال  
مجازاً فریب کھانا - جو ناگنا -  
چوڑا - بڑا -  
مطلب یہ کہ ابھی موقع محل قتی ہے -  
یا بد آدمی موقع پا کر بھڑکی کڑا ہے -  
چونگ - تلواریں کے خاص  
قسم کے وار سے مارا جانا -

سال - طاقت زور - صوفیانہ وجہ  
جو کسی نعمت وغیرہ سے ہو -  
حال مال چلنا - بہتہ بہتہ  
چلنا -  
حالیہ - دیوار -  
حاشیہ - ایک کلمہ تحسین -  
حاشیہ - فقیروں و درویشوں  
کا ایک محل - جسے پرانا یا مٹی  
کہتے ہیں -  
حاشیہ - دروازے کے  
حاشیہ - باغ -

## خا کے معجم

خاصی قاطبہ پوری دشمنی۔  
خط اعتدال منقطہ اعتدال  
خلطہ میل لاپ۔  
خلع بدن اپنی روح دوسرے  
کے جسم میں ڈالنا۔  
خلع العذار آزاد۔ بے پردہ۔  
خلف الصدق۔ لائق بیٹا۔  
باب کا مجمع جانشین بیٹا۔  
خمیار کشت بکار اشتاق آرزو  
خور آفتاب۔  
خوش ظاہر۔ ظاہر پرست۔  
دنیا دار آدمی۔  
خیل اعرابی میں غرور اور اردو میں  
پھوہر اور بے شوری عورت کو کہتے ہیں

خیر آہ۔ ویرانہ۔  
خیراج۔ دہل۔ پھوڑا۔ زخم۔  
خیرس۔ ریچھ۔ بھالو۔  
خیرس جوال۔ گون جو ریچھ  
کے بالوں سے بنی گئی ہو۔  
خیر موش۔ گھونس۔  
خیر و س عرش۔ مشہور ہے  
کہ آسمان پر ایک مرغ ہے  
کہ پہلے صبح کو وہ بانگ دیتا  
ہے اور اس کے بعد دنیا  
کے مرغ اذان دیتے ہیں۔  
خشتک۔ پا جامہ کارو مال۔  
خصمی۔ دشمنی۔

خار لشت۔ یہ سبھی ایک اور جنک  
بدن پر کٹتے ہوتے ہیں۔  
خار خار۔ دغذغہ۔ خواہش۔  
خاطر نشان۔ دشین۔  
خاکدان۔ عالم دنیا۔ زمین۔  
خانہ باغ۔ وہ باغ جو گھر  
میں لگا ہو۔  
خانوادہ۔ خاندان۔ بزرگ  
خاندان کے بطن میں اکشر  
ستعل ہے۔  
خایہ گزک۔ چٹری۔ کیلی۔ کلی۔  
خیر عطر۔ خیر خبر۔  
خدمت نالکی۔ رونے اور  
اتم کرنے کی خدمت۔

## وال مہمل

ور انداز۔ گکائی بھائی مکرے  
والا۔ دو آدمیوں میں لڑائی  
کرانے والا۔  
ور لست۔ تمام وکال۔ بالکل  
دروازے کی مٹی لیجانا  
بار بار پھیرے کرنا۔  
دروغہ۔ باطن۔ دل۔

جسے دیوار پر رکھ کر اس پر کڑیاں  
رکھتے ہیں۔  
واعیہ۔ خواہش۔ سبب  
وال۔ ولالت کرنے والا۔  
وانتوں زمین بیکر پڑنا زبرد  
اور مہمبوط گرفت کرنا۔  
وب۔ دباؤ۔

داب۔ ادب۔  
دار نسبت۔ نگور وغیرہ کی  
بیل چڑھانے کے لیے جو  
مٹیاں باندھتے ہیں۔ کڑی کی  
پاڑ جس پر مہار کام کرتے ہیں۔  
داڑھ مارنا۔ چیخ کر رونا۔  
داسا۔ وہ کڑی یا پتھر کا ٹکڑا

دست بیچ - بکا ہوا - یا بکنے کی  
ہکریں ہونا -

دست و خیل - ملا ہوا - ایک سرے  
کی من میں ہاتھ ڈالے ہوئے -

دست یا گم کرنا - گھبرا جانا -

دریا چہ تھوڑا دریا - بڑا عوض -

دریا سے لنگر وار - وہ دریا  
جس کا پانی ٹھہرا ہوا ہو -

دکھنا دکھائی دینا -

دل بٹائی وضاحت - بھیرنا -

دل بجا ہونا - مجازاً مضطرب ہونا -

دلزدہ - وہ شخص جس کا دل  
مر گیا ہو - رنجیدہ - ہل - ممکن -

دل شب نصف شب -

دل گزیدہ پسند -

دم لا بہ تعلق - چالوسی - دم لانا -

دموں پر آنا - لب دم ہونا -

دندان - دانت - دقیر - وغیرہ کو کھانا  
کھلانے کے بعد کچھ نقد بطور خیرات دینا -

دند پڑنا - شور مچنا -

دو آب - وہ جگہ جہاں دو دریا  
ہوں یا دو دریا کسی جگہ کی زمین -

دو آب - چو پائے -

دوار میں چکر آنے کا مرض -

دوڑ دھماڑ - دوڑ دھوپ -

دوس - انزام - قصور -

دوکان تختہ کرنا - دوکان بند کرنا -

دول گنا - آگ لگنا - درختوں  
کی رگڑ سے جنوں اور جنگلوں میں

آگ لگنا - پیادہ وغیرہ میں جھاگ  
لگاتے ہیں کہ وہ اور نہ پائے -

دو - محرم کا مشرو -

دھانا - دوڑ پڑنا - دھل پڑنا -

دھانہ - نمہ - دریا کے گرنے یا  
ختم ہونے کی جگہ - شک

وغیرہ کا منہ -

دھبہ - نہایت ہارنا - صبر کرنا -

دھبہ کر کے بیٹھ رہنا -

دھولہ - کنایا متلون مزاج -

دھیر دھیر جیلنا - شعلہ زنی کے

## وال ہندی

دھور ہونا - فریفتہ ہونا -

دھول - دھنگ - ہلوب - طور طریقہ

دھیر - دیر - دھیر - دھیر -

ساتھ جانا -

دھم - دم بخود - گرم -

دھماک - قلندر قیروں کی اچھل کود

قلندروں کا ایک خاص وضع  
کے ساتھ کودنا - شور و غل -

دھما چو کڑی - غل شور کرنا -

قلندروں کا آگ میں کودنا -

دھولانا - چیتنا -

دھیر بندھنا - آس بندھنا

امید ہونا -

دھیری ہی ہے بے دھیری ہی -

رٹ کے پتنگ بازی میں شکست  
دینے والے کیلئے یہ خط کہتے ہیں -

دھینگ - ہٹاٹا - ہٹاٹا -

دھینور - دھیر - ہماروں کی ایک قسم  
و یا چراغ -

دھیر خواہی - دیر تک سونا -

دھوٹ - وہ شخص جو اپنی ہوی  
سے کب کرائے - بھڑوا -

دھوی - جسم - بدن -

دھینڈھ - سکڑی قسم کی ایک

تیکڑی کنایتاً - عضو مخصوص -

دھیر - اینٹ کی مسجد بنانا -

جداً طور طریقہ ایجاد کرنا -

ڈاگ - مگریری میں ٹٹا - اُردو

میں بھوؤں کی قسم کی ایک

بعض وقت چیز پر نظر

ڈالیں - بڑا بھڑ -

## رائے محلہ

راتا ماما۔ رات کا جاگا ہوا۔  
 راکب۔ سوار۔  
 رامنا۔ چکی یا سل وغیرہ میں  
 دندنے نکالنا۔  
 رباط۔ مسافر خانہ۔ مہاسرے۔  
 رجبوار۔ قدروان۔  
 رسام۔ نقش بنانے والا  
 نقاش۔ المصوّر۔  
 رسالتے آنا۔ سر میں بھرے آنا۔  
 رستم۔ خلاف۔ برعکس۔  
 رفع۔ اٹھا دینا۔ روک دینا۔  
 روکن۔ روکنا۔  
 رجب۔ بارود جو بندوق یا  
 توپ کے پیالے میں آگ دینے  
 کے لیے رکھی جاتی ہے۔  
 رند باغاتی۔ باغات صفہاں کا  
 ایک محلہ ہے وہاں کے اکثر  
 لوگ رند وادباش ہوتے ہیں  
 میر نے بھی اپنے دیوان میں  
 ایک جگہ بلبل کو رند باغاتی  
 بطریق ایہام کہا ہے۔  
 رنگ۔ بڑ کوہی۔ پہاڑی بکر۔  
 رواق۔ مکان کا چھایا مکان  
 دیوان۔  
 روٹ مار کے حال تیز چلانا  
 لہو دینا۔ متوجہ ہونا۔  
 روز بازار گمری بازار۔ رواج  
 روضہ خوان۔ وہ لوگ جو  
 محرم کے زمانے میں نعت الشہد  
 پڑھتے ہیں۔  
 روم روم۔ رواں رواں۔  
 رویاں رویاں۔  
 روندن۔ پامالی۔  
 روہت۔ پھرے کی نازگی

## زائے مجھ

زبان سرخ زبان جرب۔  
 زبان کرنا۔ زبان درازی  
 کرنا وعدہ کرنا۔  
 زرا۔ دو سوئے کا طع کیا ہوا۔  
 زخماں۔ جیل۔  
 زلف۔ زلفین۔ دروازے کا  
 کندہ جہیں کٹدی کو اکاتے ہیں۔  
 زمین دیکھنا۔ تے کرنا۔  
 زخماں۔ بھڑوا۔ اپنی عورت  
 سے کسب کرانے والا۔ دلوٹ۔  
 زخیر کرنا۔ زخیر میں مقید کرنا  
 زخیرہ دامن۔ دہ زخیرہ جو

ساتھ کھینچی جائے۔  
زہ گریساں۔ گریبان کا دور  
گریبان پر ٹکی ہوئی ڈوہری۔  
زیادہ سری۔ خود پسندی عروہ

زخ زن۔ شرمندہ۔  
زندیق۔ کافر۔ مرتد۔  
زوار۔ زائر کی جمع۔  
زوریں کش۔ جو چیز زور کے

دامن میں کاڑھا جاتا ہے۔ یا  
حلقہ دار لکیر کاڑھتے ہیں۔ یا  
کوئی بنا ہوا گاگا کاتے ہیں۔  
زنجیری۔ بستہ زنجیر۔ دیوانہ۔

## سین مملہ

سہبان۔ عرب کے ایک  
فاضل کا نام۔  
سحری۔ سحری کھانا۔ سگری  
(سحر گئی)۔  
سخن رس۔ بات کو سمجھنے والا  
سُدھ لبرنا۔ سُدھ جاتی ترنا  
عقل خراب ہو جانا۔  
سہر اپنا۔ تعریف کرنا۔  
سہر پنا۔ سینٹھا۔ سر کر ایتا در۔  
سہر جوڑنا۔ جمع ہونا۔ مشورے  
کے لیے اکٹھا ہونا۔  
سہر جوڑ کر بٹھنا۔ مشورے  
کے لیے جمع ہونا۔  
سہر۔ ایک پرند کا نام۔  
ایک جگہ کا نام۔  
سہر دوبا۔ غرقاب۔ سر  
سے پاؤں تک بھیکا ہوا۔  
سہر زوہ آنا۔ بے طلب۔  
بے اجازت۔ ناگاہ آنا۔

کے نزدیک ایک دوسری  
چڑیا ہے۔ بعض کا خیال ہے  
کہ وہ نیل کنٹھ ہے۔  
سہرہ۔ ایک پرند کا نام۔ بعض  
کے نزدیک ہریل بعض کے  
نزدیک ہریوا۔  
سہرہ بیگانہ۔ سہرہ خود رو۔  
سہرہ۔ بھنگ۔  
سہرہ وحی۔ لطافت۔ شگفتگی۔  
بے شکلفی۔ سادہ مزاجی۔  
سب کو چار منہا۔ سب کو  
دھوکا دینا۔ سب سے غور  
کے ساتھ پیش آنا۔  
سہاؤ۔ عادت۔ ڈھنگ۔ قاعدہ  
ستارہ۔ ایک آتش بازی۔  
ستارہ۔ نیک ستارہ۔  
سج۔ بناؤ۔ زینت۔  
سجادہ محرابی۔ وہ جانا ساز  
جس پر محرابی شکل بنی ہو۔

سارا۔ اعتبار۔ بھروسہ۔ ساکھ۔  
ساگا کرنا۔ ساکھ کرنا۔ چند  
آدمیوں کا یکدل اور متفق ہو کر  
کوئی کام کرنا۔ کوئی بڑا کام کرنا  
سال۔ سانا کا حاصل۔ مصداق  
رنج۔ تکلیف۔  
سالنا۔ لکڑی میں چھید کرنا۔  
مجازاً تکلیف دینا۔  
سام۔ رستم کے دادا کا نام۔  
سام ابرص۔ چھپکلی۔  
سانچہ۔ شام۔  
سانشا۔ فکر۔ اندیشہ۔ خوف  
جھمکنا۔  
سانشا شہم کرنا۔  
سانواں۔ ایک باریک د  
کا غلہ۔  
سبز باغ دکھانا۔ کوئی امید  
دلا کر دھوکا دینا۔  
سبزک۔ جنگلی کوٹا۔ اور بعض

|                               |                               |                              |
|-------------------------------|-------------------------------|------------------------------|
| سرسے گزر جائے۔ یعنی           | سنگ دم۔ خون بہانا۔            | رفتہ بودی۔                   |
| سر کی پروانہ کرے۔             | سرفیدار۔ ایک درخت کا          | سلی۔ ایک آبی پرند۔           |
| سرفر ولانا۔ سر بھکانا۔        | نام جس پر پھل نہیں آتا۔       | ایک قسم کی مرغابی۔           |
| سر کنڈا۔ سینٹھا۔ سر پتا۔      | سقیہ۔ بیوقوف۔                 | سما۔ وقت۔ سمے جمع۔           |
| سکھی۔ کمال عنت۔               | سقاوہ۔ وضو وغیرہ کے لیے       | سمج۔ زشت۔ بُرا۔              |
| سر کی تسووں۔ سر کی قسم۔       | پانی رکھنے کی جگہ جو مسجدوں   | سمن۔ کالا کے ایک ٹکے         |
| سر گوشتی۔ کانا پھوسی۔         | درسوں وغیرہ میں بنا دیتے      | دانہ کا نام۔ مجازاً کالا۔    |
| سرسین۔ جو شخص قافلے           | ہیں۔                          | سمن۔ ایک قسم                 |
| میں چمچر یا اونٹ پر سوار ہو   | سکر۔ نشہ۔                     | کی مرغابی۔                   |
| خواہ مرد ہو یا عورت۔ میر نے   | سکھیاں۔ سکھی کی جمع۔          | سنا ہٹا۔ دیرانی۔ خاموشی۔     |
| اس شعر میں اس لفظ کا          | ایک قسم کی پہیلیاں جس میں     | ۲۔ سہناک آواز۔ دھڑکن         |
| استعمال کیا ہے۔ سرشین         | بات کہہ کر گرتے جاتے ہیں۔     | خون۔ غشی۔                    |
| رو میخانہ ہوں میں کیا جانوں   | سنگات۔ میر نے اس شعر          | سنا ہٹا گزرتا۔ جسم میں       |
| رسم مسجد کے تسلیں شیخ کو      | میں بطور عربی ازراہ تفسیر     | سشنی پیدا ہوا۔               |
| آیا نہ گیا + یہاں یہ معنی بھی | طلع سنگ کی جمع لکھی ہے۔       | سنبولیا۔ سانپ کا بچہ۔        |
| صحیح ہیں۔ یا یہ معنی ہو سکتے  | بھونکا کریں رقیب              | سندان۔ سنا۔                  |
| ہیں کہ میں میخانے کے سر راہ   | پڑے کوئے یا میں بکس کے        | سنگارنا۔ اشارے سے            |
| نیتھنے والا ہوں۔ مگر اس       | تیس داغ عفت ہے سنگات          | بلانا۔ اشارہ کر کے کسی کے    |
| صورت میں تعقید ہوگی۔          | کا + اور اسی طریقہ سے عفت     | سر کر دینا۔ اکسا دینا۔       |
| چراغ ہدایت میں پیچھے چلنے     | کو عفت لکھا ہے۔               | سنگارنا۔ پتھروں کی           |
| وائے کے معنی بھی لکھے ہیں۔    | سنگ کوئلہ۔ عبد صفویہ          | بارش۔                        |
| بے محل و کجاہ سوار ہونے والا  | کے ایک شاعر کا مخلص           | سنگسار۔ جہاں بہت             |
| سر راہ۔ درد سر۔               | جس کا یہ شعر ہے۔              | سے تھ ہوں۔                   |
| سر ویش۔ غیبی فرشتہ۔           | آدم بہ کویت بے سکار رفتہ بودی | سمن گن۔ اڑتی سی              |
| سفر می۔ مسافر۔                | تو کہ سنگ نہ بردہ بودی بچہ کا | خبر۔ کوئی خفیہ خبر۔ لینا اور |

سیدھیاں سنانا - سخت

کلامی کرنا -

سیدھ - مکان کا وہ فیتہ جس میں

تیر رکھ کر پھینکتے ہیں -

سیلی - بالوں یا سیاہ ریشم کی

ڈوری جو ہندو فقیر گلے میں

ڈالتے اور اکثر حسین بھی ہم

پر پہنتے یا گلے میں ڈالتے ہیں

سیم بندی - چراغاں

کہ شمعوں اور چراغوں کو

تار میں باندھ کر لٹکایا جائے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیم

کے مجازی معنی یہاں تار

کے لیے گئے ہیں -

سیمہ کاسہ - کنایتاً

مسک - مخمل -

شیر دل - کنایتاً بزدل

ڈر پوک -

شرف مکہ - مکہ کے حکمران

کا خطاب -

شقیہ - شاخ - اور وہ چنیر جو

دو شاخوں کے درمیان ہو

بفتح گھائی ہیاڑ وغیرہ کی -

شوہمار - گوج ایک جانور ہوتا

ہے اور زمین کے سوراخوں

میں رہتا ہے -

سوں - قسم کی جگہ بولتے ہیں

سوں کٹنا - جان بوجھ کر

غافل اور سوتا ہوا بچانا -

سنانا - بے خبری سانس

لے لے کر سونا -

سوکھنا - خشک ہونا - مجازاً

ڈرنا -

سوئی کا ناکا - سوئی میں ناگ

ڈالنے کی جگہ -

سہل - بے وقوف - بیکار -

معمولی - آسان - نرم خو -

سہو القلم - کتابت کی غلطی

سیان - ہوشیاری -

شین معجبہ

شب پوتہ -

شبگیر - ہوام اور وہ کیر

چرات کو ستاتے ہیں کھیل -

شبگیر کرنا - آخر شب اور قبل

صبح سفر کرنا -

ششہ - (عربی میں شطاح)

بیجا - بے شرم - بدچلن عورت -

بانہ کے ساتھ بولا جاتا ہے -

شکھ - مقابلہ و پروا آتے سانے

سواو - سیاہی - وہ نقطہ

سیاہ جو دل پر ہوتا ہے سیاہ

شہر وہ سیاہی جو کسی باہر سے

آنے والے کو قریب شہر

نظر آتی ہے اور فضا تاریک

سی معلوم ہوتی ہے -

سوچنا - انتظام مینا -

سورہ - دلیر - بہادر -

سوس - ایک آبی جانور جسے

خوک آبی بھی کہتے ہیں -

سوسر کا ہو کر آنا - ترمذ

اور سرکشی پر آمادہ ہو کر آنا

پہلے سے بہت زیادہ تیار

ہو کر آنا -

شان - شہد کا چھتہ -

شانہ میں - ایک قسم کے

فال دیکھنے والے چونکہ یہ

استخوان شانہ ہڈ کے ساتھ

مخصوص ہے اس واسطے مجازاً

شانہ میں نام ہوا -

شانہ نمر - ہڈ -

شقائق - ایک قسم کا لالہ -  
 شکل مثالی - ایسی شکل  
 جس کا خارج میں وجود نہ ہو -  
 شکل - گنج -  
 شقائق - تھڑے سرچنگ سیلی -  
 شقائق کرنا - ترکی زبان  
 پیش میں بیدارنا -  
 شقی زنگ - کنیا سرخ  
 زنگ -  
 شور شرابا - شور شغب -  
 شہر غریب - مسافر -  
 شہزادہ سہاں - وہ شہر  
 جس میں کوئی کسی کا پرسان  
 حال نہ ہو اور نہ کوئی کسی کی  
 دادر یا دہنے -  
 شیر برقی - ولایت فارس  
 اور اُن جھوں میں جہاں برف  
 گرتی ہے اور جم جاتی ہے -  
 لڑکے اُس سے شیر اور دوسرے  
 جانوروں کی شکل بنا دیتے  
 ہیں کہ آنے جانے والے  
 اُس کو دیکھ کر ڈر جائیں -  
 شیرہ خانہ - شراب خانہ -  
 شیشہ چان - نازک مزاج

### صا و مہملہ

صاحبی کرنا - تمکنت اور  
 غرور اسیان سے پیش آنا -  
 صار وادی شقا شقا -  
 میرا دل چاک چاک ہو گیا -  
 صافی شست جبکی چٹکی  
 تیر جلانے میں صاف ہو -  
 صبح شام بتاتا - مال موٹل  
 کرنا - اور چھوٹے وعدے کرنا -  
 صحابی می - صحرا کی جج -  
 صحبت برابر ہونا - صحبت  
 درگیر اور موافق ہونا -  
 صحبت بگڑنا - دوستی کے  
 بعد بد مزگی پیدا ہونا -  
 صحنک - رکابی چھوٹا طبق  
 صداع - درد سر -  
 صرفہ - فائدہ - مضائقہ -  
 صعب - سخت -  
 صغورہ - ممو لا -  
 صفایا - صفائی -  
 صفت فعال - محفل کی وہ  
 جگہ جہاں جو تہ اُتاراجائے -  
 صورت بازار - سوانگ بھرنے  
 والے لوگ جو مختلف شکلیں بنا کر  
 محفلوں میں تماشے دکھاتے ہیں -

### ضاد و معجمہ

ضامینی - ضمانت -  
 ضربت - ضرب - وار -  
 ضعیف آنا - بیوش ہوا غش آنا -

### طا و مہملہ

طارم - بلند مکان - بالا خانہ -  
 طاوچہ - چھوٹا طاق -  
 طائر سدرہ - کنیا حضرت جبریل  
 طرح - بنیاد -  
 طرف - مقابل -  
 طرہ - زلفت - پیشانی کے



طیر نو پیر۔ وہ پرند جس کے  
نئے نئے پر نکلے ہوں۔

بازاری لڑکے جن کے گھردہ  
نہ ہو۔

بال۔ چھو۔  
طفلان تہ بازار۔ آوارہ اور

## عین مملہ

عقل۔ دل۔ کنایتاً حضرت جبریل  
عقدہ۔ مالا۔ نخل۔ دہتی  
جو سلجھ نہ سکے۔

غلف۔ گھاس۔

علی اللہ وام۔ ہمیشہ۔

عمدہ۔ اعلیٰ عمدہ دار۔  
معتد۔

عور۔ تنگا۔

عہدے سے پر آنا۔

کسی ذمہ داری سے  
سبکدوش ہونا اور اُس کو  
انجام تک پہنچانا۔

عجول۔ جلد باز۔  
غذرا۔ ایک حسینہ کا نام جس پر  
واسق عاشق تھا۔ ڈھیر  
لڑکی۔

غرابہ۔ گھڑی۔

عرض۔ عزت۔ آبرو۔

عشق اللہ عشق ہے۔

آزاد فیروں کا سلام۔

عصفور۔ چڑیا۔

عقدہ نایل۔ ایک قسم کی

منون گنتی جو انگلیوں پر  
گنی جاتی ہے۔

عالم جان۔ عالم ارواح۔  
عالم دنیا۔ فاضل ربیعہ۔

عالم کون و قساو۔ دنیا۔

عامل۔ کارندہ۔ ہلکار سرکاری۔

عقید۔ عقیدہ۔ کافی فارسی

کا ایک مشہور شاعر جو آخر میں

ظرافت اور نہرل کہنے لگا تھا

اور اس کی ایک کتاب ش

وگرہ کے متعلق بھی ہے۔

عبیر۔ ایک خوشبو خشک جو

کپڑوں پر چھڑکتے ہیں ایک

پوڈر جو ہولی میں منہ پر لپٹے ہیں

## عین معجمہ

غنجی پشانی۔ بیدار بزرگ  
غنجہ خاطر۔ افسردہ دل  
تنگدین۔

غضنفر۔ شیر۔

غل۔ طوق۔

غمنوارک۔ بجلا۔

غربال کرنا۔ چھانتا۔

غصلا۔ غصہ ور۔

جھلے مزاج والا۔

## حرفا

فسانہ اصحاب فیل الی گون کا قصہ  
اصحاب فیل وہ لوگ جنہوں

یا اور سامان کے باندھنے کے  
لیے لگا ہوتا ہے۔

فتاک۔ شکار بند۔ وہ قسم  
جو زمین کے ادا صحر اور شکار

نے خانہ کعبہ پر حکم ابرہہ  
بادشاہ حملہ کیا تھا۔  
فقیر اللہ کا آزاد فقیر آزاد  
فقیروں کی بولی۔

فقیروں کی اللہ ہی اللہ  
یعنی فقیر اللہ ہی اللہ  
کہہ سکتے ہیں۔  
فلاخن۔ وہ آلہ جس میں تھمر

یا ڈھیلار کھ کر پھینکتے ہیں  
گوبھن۔  
فندہ۔ کمر۔  
قبلیا قبیل کر نیوالا۔ بکار۔

## حرف قاف

قاق۔ تپلا دھلا سوکھا آدمی۔  
قاقم۔ ایک جانور کی بالدار  
کھال۔ اور اُس کی کھال  
کا پوستین۔  
قبر پوش۔ وہ چادر جو قبر پر  
بڑی رہتی ہے۔  
قوانہ۔ بڑا شیشہ۔  
قراؤ۔ بندر بنانے یا بندر  
کا تماشہ کرنے والا۔  
قدغن۔ تاکید۔ روک۔ ٹوک  
مانعت۔  
قرآن کا جامہ پہن کر آنا  
مراد یقین دلانے کی بہتر سے

بہتر تدبیر کرنا۔  
قرا۔ ایک آبی پرند۔  
قشعریرہ۔ پھر پھر بھری  
قشون۔ فوج۔ لشکر۔ فوج  
کا دستہ۔ چھاؤنی۔ کیمپ۔  
قشقل۔ ایک آبی پرند۔  
قصیدہ۔ غزل۔ قصیدہ روشن  
یعنی عمدہ اور اعلیٰ قصیدہ۔  
قطرہ افشانی۔ تردد کرنا۔  
دور دھوپ۔ برسا برساتیز جلنا۔  
ققش۔ ایک جانور کا نام۔  
جس کی آواز سے علم موسیقی کا  
استخراج کیا ہے۔ اسکو آتش ن

بھی کہتے ہیں۔  
قلعہ۔ قلعہ کا کہنے والا قلعہ دار۔  
قمار۔ جواری۔  
قنارہ۔ وہ میخ جو قصائیوں  
کی دکانوں کی دیواروں یا  
سرخ کی دیواروں میں گاڑ دیتے  
ہیں اور ذبیحہ کو اس میں لٹکاتے ہیں۔  
قوچ۔ بوندھا۔  
قور۔ ناخن کی کور۔ ہتھیار۔  
۳۔ قتیہ جو کپڑوں کے حاشیہ  
پر لگاتے ہیں خاصے کا ہتھی۔  
ق۔ ایک قسم کا سیاہ روغن جو  
پائش وغیرہ کے کام آتا ہے۔

## کاف تازی

کارگہ۔ کام کرنے کی جگہ۔  
کار خانہ۔  
کاسہ۔ لیس۔ جھوٹے برتن  
چانے والا۔ لالچی خوشامدی۔

کاغذ افشانی۔ وہ کاغذ  
جس پر افشاں چھڑکی ہو۔  
کاغذ باد۔ کنکوا۔ تنگ۔  
کاغذ کا تاؤ۔ کاغذ کا تختہ۔

کاغذ میں باغ۔ وہ پھول  
پتیاں اور سہکی جو کاغذ سے  
تیار کرتے اور باراتوں وغیرہ  
کے ساتھ لیجاتے ہیں۔

کسی چیز کی محبت میں اُس کا خواہشمند ہونا۔  
 کشتی - کشتی - کشتی - کشتی  
 کشتی پاک ہونا - کشتی ختم ہو جانا۔  
 کشتی لگ جانا - کشتی بندہ جانا۔ جوڑ بدی جانا۔  
 کشتارہ - ایک جانور جو بچہ کو کھا جاتا ہے۔  
 کفیل - مسرین - چوڑے۔  
 کل - مسرین - جس کے سر میں سنج ہو۔  
 کلال - بھاری کلوار۔  
 کلبہ - چھوٹا سا تنگ دھار۔  
 کل مکمل - بے چینی کشیش۔  
 شور و غوغا۔  
 کلول - مصیبت پریشانی۔  
 کلید تہج - رقعہ یا خط کو اس طرح پھیلانے ہیں کہ وہ بصورت کلید معلوم ہو۔  
 کمان پاک - بھاری اور زوردار کمان۔  
 کما پٹنی - جیسا چاہئے۔  
 کما حقہ -

کٹکھنا - کاٹنے والا۔  
 کٹ مست - سخت مست۔ یہ لفظ کٹ ملا کے طرز پر ہے۔  
 کٹیل - کاٹنے والا۔  
 کجدار و مرئز - ناممکن کام۔  
 کجلی بن - وہ جنگل جس میں ہاتھی رہتے ہوں۔  
 کچی نرو - وہ نرد جو کچی کے خانوں میں گھوم کر ہنوز اپنے اصلی گھر تک نہ پہنچے ہو اور اس کے پٹنے کا ہنوز اندیشہ ہو۔  
 کدر - کب۔  
 کراڑا - دریا کا کنارہ۔ دریا کے کنارے کا بلند ٹیلا۔  
 کمر بندھنا - کسی کام کا سر پڑنا کہ خواہ مخواہ وہ کرنا ہی پڑے۔  
 کمر جانا - کسی دھار دار آلہ کی دھار گر جانا۔  
 کمرس - خراب رس والا۔  
 کمرل - ایک خاردار اچھاڑی (درخت) کا نام۔  
 کسالا - محنت مشقت تکلیف۔  
 کسکسا - کرکرا۔  
 کسی پر دانت ہونا۔

کاکا - باپ کا چھوٹا بھائی۔  
 چچا - بڑا بھائی۔  
 کال - قحط۔  
 کالا چور - زبردست چور۔  
 نامی چور۔  
 کالے بال - بونے زیران۔  
 کانٹا سا بھل جانا۔  
 کھٹکا جانا رہنا۔  
 کانس - ایک گھاس جس سے بان وغیرہ بٹے جاتے ہیں۔  
 کان طلق - ابرک کی کان۔  
 کان ہونا - ہوشیار ہو جانا۔  
 متنبہ ہو جانا۔  
 کانوں میں آسترے۔  
 ماندھ کر گھس جانا گالی کے مقام پر متعل ہے اور اس کے ساتھ ایک غیر منہ جملہ بھی ہے۔  
 کاؤ کاؤ - کاوش محنت تلاش۔  
 کبد - جگر۔  
 کبشت - گندھک۔  
 کپڑا بھار کپڑا بھارنے والا۔  
 کپڑا بندر۔  
 کتابت - تحریر۔  
 کتے وال - کتے پالتے والا۔

کولا۔ دروازے کے ادھر

ادھر کی دیوار۔

گولی۔ دونوں ہاتھوں سے

کسی چیز کو دبانا۔ بھرتا گے سا

ستھل ہے۔

کوہ کی کمر۔ درمیان کوہ۔

کھیا بچا۔ ایک قسم کا ٹاپا۔

کھتا۔ ایک قسم کا کنواں

جس میں غلہ بھرا جاتا ہے۔

کھولا۔ غار۔ گرٹھا۔ نالہ۔

کیکیر۔ بول کا درخت۔

کین لینا۔ مخاصمانہ بدلہ

لینا۔

بانوں ہوتے ہیں۔

کنکاش۔ مشورہ۔ شور۔

کنگنی۔ دیوار کی منڈیر پر

جو اینٹیں باہر کو نکال کر

رکھتے ہیں۔

کنیل۔ مرغ کی ایک قسم۔

کوچک دل۔ خوش خلق۔

وہ شخص جو کہ ہر شخص سے ہمدردی

برتنے۔ درد مند دل والا۔

کو چہ زخم۔ زخم کو کوچے سے

استعارہ کیا ہے۔

کو دن۔ کنز دین۔ حق چاہنے

کو رے باکم۔ مراد بیکار

اور از کار رفتہ۔

کو کتا۔ افیون کی بوڑھی۔

## کاف فارسی (گ)

سو اکڑنا۔

گڈمی۔ ایک قسم کی کنکلیا۔

گر نبر۔ مکار۔ حیلہ گر۔

گر یوہ۔ ٹیلہ۔ پشتہ۔

گر آڑ۔ گزیر۔

کر دان کبوتر۔ وہ کبوتر

جو تہ کا سچا ہو۔

گر و باد۔ گولا۔

کے لیے بیلوں کو پھرانا۔

گڈمڈم۔

گڈمڈم۔ دو چیزوں

میں تعلق ہونا۔

گڈمڈم۔ پیاز لسن وغیرہ

کی مجموعی ہیئت کو گڈمڈم کہتے

ہیں۔

گڈمڈم۔ کنایتاً بدنام و

کم بجل۔ کم ایہ۔ فرومایہ

آدمی۔

کم پاپ۔ دیر میں چلنے والا۔

کو تہ قدم۔ کم ٹھہرنے والا۔

کم پائی۔ کم فرصتی۔

کمیت۔ کتنا۔ مقدار ہونا

کس قدر۔

کن۔ کس کی بجائے۔

کنارہ دھونڈھنا۔ علی گ

اختیار کرنا۔

کناس۔ ہتھ بھنگی۔

کن رس۔ آواز کے کن کو

بچانے والا۔

کنسلائی۔ ایک برساتی

کیڑا جس کے بہت سے

گاتی۔ کندھے پر پڑا ہوا

دو پٹہ یا چادر جو سینے پر

بندھا ہو۔

گاوزمین۔ وہ گائے جو

زمین کے نیچے بتائی جاتی ہے

اور ساری دنیا کا بوجھ وہ اپنے

سینگ پر اٹھائے ہے۔

گاہنا۔ کھلیان پر دانہ کالنے

گھر۔ خانے جو بساط اور پی  
و غیرہ میں ہوتے ہیں۔  
گھر گیا۔ خانہ برباد۔  
گھر ہونا۔ گھر آباد ہونا۔  
گھسکی۔ جھٹکے یا جھسکی  
قسم کا ایک اڑنے اور کٹنے  
والا کٹر۔ اس کو کٹکی بھی  
کہتے ہیں۔ بھولی۔ بیل ڈرپوک  
گھل گیا۔ عاجزی کرنا۔  
گڑ گڑ آنا۔

گھویا۔ ایک قسم کا جھوپڑا  
جو بھونش وغیرہ سے  
بانگوں اور کھیتوں میں بناتے  
ہیں۔ کٹی۔  
گٹی گریا۔ درگزر کرنا۔  
گڈی۔ مکار۔ فیلیا۔ لالچی  
بے عزت۔ فسادی۔ جھگڑا

پر ڈالتے اور ملتے ہیں۔  
گل تریاک۔ پوسے کا  
پھول۔  
گلا توڑنا۔ گلا پھاڑنا کی جگہ  
چلاتا۔  
گڑھی۔ گتھی۔ گرہ۔  
گنڈین۔ سرسبز و شاداب زمین  
گلستانہ۔ کسی جگہ کا نام۔  
گنجائی۔ گنجائش۔  
گور۔ گور خرو ایک پل جانور۔  
ہوتا ہے۔  
گور گڑھا۔ کفن دفن تجنیر  
و تحفین۔  
گوزن۔ پاڑھا۔  
گوں۔ قابل۔ لائق۔ کام کا۔  
گھٹیا۔ وہ شخص جو گھٹات  
میں گزار ہے۔

گرگ آشتی۔ وہ صلح جو  
دکھا دے کی ہو اور دراصل  
دل میں بغض و نفاق ہو۔  
گریانی۔ رونا۔  
گریبان کوہ۔ پہاڑ کا  
درمیانی حصہ جس کو کمر کوہ بھی  
کہتے ہیں۔  
گڑھی۔ جھوٹا قلعہ۔  
گڑیا۔ ایک لمبی مانگوں والا  
پرند۔  
گلانی۔ ایک طرف جس میں  
کلاب یا شراب وغیرہ بھرتے ہیں  
گل اشرفی۔ ایک پھول  
جو زرد رنگ ہوتا ہے۔  
گل افشاں کرنا۔ پھول کھینچنا  
کال۔ ایک سرخ پودہ جو  
ہولی میں اہل ہندو ایک دوسرے

## حرام

کٹ جانا۔ کمزور ہو جانا۔ دُولا  
لاغر ہو جانا۔  
کچا۔ دریا کا دھارا۔  
کڑا کا۔ فسادی۔ لڑاک۔  
کٹا۔ دھمک مارنے والے  
کیڑے کوڑے۔

لب حبش۔ ذائقہ وغیرہ معلوم  
کرنے کے لیے کسی چمید  
کو چکنا۔  
لب گزنی۔ ہونٹ چھانا۔  
غٹے۔ شرم۔ جیا۔ یا کسی امر  
کے افسوس یا مانعیت کے لیے

لاکھی۔ لاکھ کے رنگ کا۔  
لاگا۔ لگا۔  
لاگو۔ آرزو مند۔ مشتاق۔  
لاچھے پڑنے والا دشمن۔ وہ  
جانور جسے خون کا چمکا کر گیا ہو  
لاٹھ۔ پٹ بٹلہ۔

لہر وہ اعضا کی جنبش جو سانپ  
یا گتے کے زہر چڑھنے سے  
جسم میں پیدا ہوتی ہے۔  
**لیٹ و لعل**۔ بہانہ۔ وعدہ  
وعید۔ امروز و فردا۔

اطراف میں فصل زریع میں  
پایا جاتا ہے۔ لق لق۔  
لگو۔ لگو۔ آرزو مند۔ شاق۔  
لوٹھ۔ لاش۔  
لوٹی۔ منعم۔ غلام کرنیوالا۔

مطبہ۔ بانی کا تھپڑا۔ طمانچہ۔  
**لعل**۔ خوش۔ لب خائوش۔  
**لگ**۔ جانا۔ بک جانا۔  
**لگ لگ**۔ یہ ایک  
قوی الجشہ پرند ہے۔ جو ان

## حرف مہم

پڑنے کی جگہ۔ گھوڑا۔ کوڑی۔  
**مٹا**۔ جیل۔ جڑ سے اکھاڑا ہوا  
مستجاب۔ مقبول۔  
مست طافح۔ برست۔  
مسلخ۔ ندج۔ جہاں جانور  
ذبح کیے جاتے ہیں۔  
مسیت۔ مسجد کا بگڑا ہوا لفظ۔  
مسیں۔ بھینسا۔ ہنٹوں  
پر روئیں کا سیاہ ہو کر بچھوٹ  
سکا آغاز ہونا۔

مچھند۔ بڑی بڑی بوچھوں  
والا۔ مجازاً یہودہ۔ بدعاش۔  
مخاڑی۔ المقابل۔ روبرو۔  
مدھ۔ ماتا۔ مست شیرابی۔  
مہرب۔ گناہگار۔  
مہش۔ رعشہ دار۔  
مرجیا۔ مرنے کے زندگی بسر  
۲۔ جو مرنے کا مرنے لگا ہو۔  
مزرانی۔ مجازاً۔ تکر۔ تمکنت۔  
مرس۔ رسی۔

ماب۔ جائے بازگشت۔  
مائیگری۔ حیلہ گری۔ بکاری۔  
مالک الحزن۔ بگلا۔  
مالک رقاب۔ گردنوں  
کا مالک۔  
مایول۔ انجام کار۔  
مبیت۔ رات گزارنے  
کی جگہ۔  
مصدی گری۔ پیشکاری  
ماب۔ گماشتہ۔ محاسب۔  
مہ۔ بھیر۔ آمناسانا۔  
مچھ۔ جوڑا بندھ ہوئے بال۔  
مچھلہ۔ بفتح اول و سوم۔ سبب  
نادانی۔ و بجز اول و دوم۔  
میں کسی کو راہ نہ ملے۔  
مچھل کی جھول کا چور۔  
ادنی چیزوں کا چرانوالا۔ کیا چور۔  
مچھلاپن۔ ڈھٹائی۔ گراپن۔

میشک۔ جالیدار۔  
مشقی۔ وہ کاغذ جس پر  
خوشنویس شق کرتے ہیں۔  
مشیر۔ صلاح کار۔  
مصطبہ۔ چوترہ۔ ٹھیا۔  
جس پر بیٹھ کر سودا بچیں۔  
مطبوع۔ پندیدہ۔  
مطلع۔ غزل یا قصیدہ

مرغ اندازہ کرنا۔ بغیر چائے  
بگل جانا۔  
مرغ شوق کش۔ وہ چیریا  
جسے شوق نے مارا ہو۔  
مرغ پکلیسی۔ چمکا ڈر شب پر  
مرغ مصلیٰ۔ بانگ دینے والا  
مرغ۔  
مزابیل۔ مزہ کی جمع۔ کورا

ماب۔ گماشتہ۔ محاسب۔  
مہ۔ بھیر۔ آمناسانا۔  
مچھ۔ جوڑا بندھ ہوئے بال۔  
مچھلہ۔ بفتح اول و سوم۔ سبب  
نادانی۔ و بجز اول و دوم۔  
میں کسی کو راہ نہ ملے۔  
مچھل کی جھول کا چور۔  
ادنی چیزوں کا چرانوالا۔ کیا چور۔  
مچھلاپن۔ ڈھٹائی۔ گراپن۔

نباش کفن چور۔

نیل مکڑی کم طاقت۔

نپٹ بہت زیادہ۔ بالکل۔

پوری طرح۔

نچوٹ۔ وہ جگہ جہاں حضرت

علی کرم اللہ وجہہ کا مزار ہے۔

واقع ہے۔

نچنا۔ نوچنے والا۔ نچ جانا۔

نچ۔ ایک قسم کی ڈوریں

سینم ہی شامل ہوتا ہے۔

نکسین۔ خرد کنایہ حضرت

جبریل سے۔ عقل اول۔

نہ ان۔ آخر کار۔

نہ اس۔ نا امید۔

نہی زن۔ خشک زن۔

نہم شانہ۔ جو جلد کنے

میں آجائے۔

نہیاں۔ ستم کا پردادا۔

نہی۔ سیونی۔ سیونی کا

پھول۔

نہار۔ ایک ستارہ جو

اڑتے ہوئے گدھ کی طرح ہے۔

نہی

نہی قابو۔

نہ واقع۔ ایک ستارہ جو گدھ

ہوئے گدھ کی طرح ہے۔

نہاس۔ ایک حیوان جس کا

نصف بدن آدمی کا سا ہوتا

ہے۔ اور اس کے ایک ہاتھ

ایک آنکھ ایک پاؤں ہوتا ہے

اور اس کے متعلق مختلف قول

ہیں۔

نہا تین۔ دونوں جہان۔

نہا و آخرت۔

نہ۔ وباغت دیے ہوئے

چمڑے کا فرش۔ قاعدہ تھا کہ

ایسا فرش واجب القتل آدمی

کے لیے بچھایا جاتا تھا۔

نہ۔ لٹری۔ اشعار و نوروں۔

نہ۔ نظم و نسق۔ انتظام۔

نہ۔ چھاتی پر چڑھ کر پھرنے

سینہ پر داغ کھانا۔ غیل برید

پر سینہ و جگر کا ترجمہ ہے۔

نہ۔ آدمی۔ نوکر۔ ملازم۔

نہاوت۔ پرہیز گاری۔

نگاہ کا سوت بندھنا۔

حرف (واو)

واو۔ وادی نجد۔

نگاہ کا تار بندھنا

ننگ۔ گاؤں۔ چھوٹی بستی۔

نہ۔ بلیک۔ تیندوا۔

نواڑا۔ کشتی۔

نونا۔ جھکانا۔

نوجہ۔ جوان نو خاستہ۔ امرو

نوسفر۔ جسے نیا نیا سفر کیا ہو۔

نوشاد و حسینوں کا ایک شہر تھا۔

نوک۔ کمر یا مراد بڑھ کے باتیں کرنا

نہ۔ ناخن۔

نہ لینا۔ ناخن ترشوانا۔

نہا و ذات۔ سرشت خلقت۔

نہار و ٹٹا۔ صبح کو ہر کھانے

سے قبل کچھ کھانا کھانا۔ یہ

نہارنگستن کا ترجمہ ہے۔

نہایت۔ انتہا۔

نہر اعظم۔ آفتاب۔

نہیل۔ نیل گاؤں۔

نہی۔ نرگس۔ نرگس کا تنہ

جس پر پھول کھلتا ہے۔

نہو چلنا۔ جھک کر چلنا۔

نہوٹا۔ جھکانا۔

جس میں کہ بحالت دیوانگی

آتا ہے تو وہ منہ میں تنکا  
دبالتا ہے۔ اوزیہ غلامت  
عاجزی کی ہے۔  
میر میں گریہ مرنے اڑنا۔  
لطف اٹھانا۔

مورہ طاس کنایتا بتلائے  
ریخ و مصیبت۔  
موسس کسی کا ماں و اسباب  
بوٹ لینا۔

موش گورہ چھوڑ۔  
موندنا۔ بند کرنا۔  
موندنا فریہ کیر چلانا۔ ٹوٹنا۔  
مہارت۔ دہشت۔ خوف۔  
مہترانی۔ بھٹیاری۔

مہر و تر۔ محبت قبول کرنیوالا۔  
میاں گیری۔ درمیان میں پڑنا۔  
میانہ۔ ایک سواری۔  
میلان۔ رغبت خواہش۔  
مایل۔ انجام کار۔

ملاؤ۔ جائے پناہ۔

ملکت۔ مملکت۔

مل۔ ریت کی جمع۔

منادی۔ مانع۔

منائی۔ مانع۔

منت۔ خوشاد۔

منحرف۔ پھرا ہوا۔ برگشتہ۔

مندر۔ پڑانا۔ کہنہ۔ بوسیدہ۔

منقاش۔ موجنا۔ بال چنے

کا آلہ۔

منکا ڈھلنا۔ مرنے کے قریب

کی حالت۔

منہ ابلنا۔ منہ آنا۔ منہ میں

وانے پڑنا۔

منہ دکھائی۔ وہ نذرانہ جو

دھن کا پہلی مرتبہ منہ دیکھنے

پر دیا جاتا ہے۔

منہ میں تنکا لینا۔ دھڑلنا

میں سے جب ایک عاجز

بات کرنے کی گنجائش پیدا کرنا۔

ناخو استہ۔ بغیر چاہے۔

ناو علی۔ ایک دعا کا نام۔

نیشب وغیرہ کی تختی جس پر یہ

کا پہلا شعر۔

معارضہ۔ جھگڑنا۔ بدلا دینا۔

برطرف ہونا۔

مقار۔ خوراک روزانہ۔ وہ کم

جس کی عادت ہو۔

معلق زن۔ تلا کرتا ہوا۔

محمورہ۔ آبادی۔ آباد جگہ۔ بستی۔

معین۔ معین زایدہ عرب کے

سختی کا نام۔

مقتن۔ فتنہ پرداز۔

مقال۔ گفتگو۔

مقام بچنا۔ قافلہ کے ٹھہرنے

کے وقت جو نقارہ وغیرہ

بجایا جاتا ہے۔

مقامرخانہ۔ جہاں جو اھیلائے

ملکت۔ ٹھہنا۔ دیر کرنا۔

مکھل۔ سرمہ دانی۔

مکری۔ پھیر کا وہ حصہ جو ب

سے اوپر ہوتا ہے۔

نابلہ۔ تاواقف۔ ناآشنا۔ بجان

ناخی۔ نجات پانے والا۔

ناحہ۔ طرن۔ سمت۔ کنارہ ملک

ناخن بندی تعلق بہم پہنچانا

## حرفون

دعا کنندہ ہوتی ہے۔

ناک ہیں میر کی تکلیف

و سزا دینا۔

نام پاچہ۔ نام مشہور ہونا۔



مجنوں کا رہنا بتایا جاتا ہے۔  
واشد کھلنا۔ کھلنا۔  
وامق۔ ایک شخص کا نام جو  
عذرا کا عاشق تھا۔  
وحب۔ بابت۔  
وحی مشترک۔ سوچی نازل شد۔

ور۔ زبردست۔ برتر۔  
ورے۔ اِدھر۔ اس کنار  
پاس۔  
وصال۔ چٹ بندی  
کرنے والا۔ کتاب چڑنے والا۔  
وصید۔ ڈیوڑھی۔ دہلیز۔

پیش گاہ مکان۔  
وقل۔ ہم صحبتی۔ کجائی  
وقت گرگ میش۔  
صبح صادق کا وہ وقت کہ ہنوز  
آسمان پر سیاہی موجود ہو۔  
وے۔ وہ کی جمع۔

### ہائے ہنوز

ہاتھ لگانا۔ وار کرتا تھپڑ  
وغیرہ مارنا۔  
ہاجی۔ ہجو کرنے والا۔  
ہامای ہی۔ خوشامد لجاجت  
سہریابی۔ سہریں مولا۔ ہریں  
میں داخل رکھنے والا۔ ہریں  
کا ماہر شاطہ۔ چالاک۔  
ہرزہ چاکلی۔ فضول اور

لا یعنی باتیں کرنا۔  
ہرزہ درائی۔ فضول باتیں کرنا  
ہزار پایہ۔ کھنکھورا۔  
ہفت پنج خسرو خسرو  
پر دیز کے سات خزانے  
جن کے نام یہ ہیں۔ گنج عیش  
گنج باد آورد۔ گنج آبیتہ۔ گنج  
افراسیاب۔ گنج مہر ختہ۔ گنج

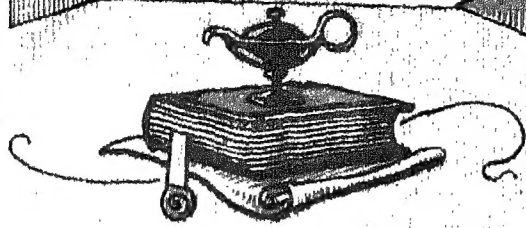
خضر۔ گنج شاد آورد۔  
ہسلانا۔ نریش ہنوز جیش  
دینا۔ ہلانا۔  
ہنکار۔ ہوں ہاں کی داز  
پشتی۔ حمایت۔ شیر کی  
آواز۔  
ہولے ہولے۔ آہستہ  
آہستہ۔

### یائے تحتانی

یادگار۔  
یاقوت۔ ایک مقوی قلب  
مرکب دوا۔  
یال و زپال۔ سنائیٹا کرم  
تن و توش۔  
یامن۔ سامان جنگ۔ اور کبھی  
مطلق سامان کے معنی میں بھی آتا ہے۔

یوقان۔ ایک جگر کی بیماری  
جس میں جسم اور آنکھیں زرد  
ہو جاتی ہیں۔ کانور۔ مکمل باؤ۔  
یوردی۔ پوند پرند ایک نئی  
پکڑا یزد کا نہایت اچھا  
اور مشہور ہوتا ہے۔

یگار۔ فرد۔ دیکتا۔  
یک پیچہ۔ ایک قسم کی ہلکی  
اور چھوٹی سی بگڑی۔  
یک رہ۔ ایک بار۔  
یمن۔ برکت۔ مبارکی۔  
یوز۔ ایک شکاری جانور۔  
یوم النوا۔ قیامت۔ روز محشر



## طبیعیات عام

تمام علوم و فنون کی بہتر اور اعلیٰ سے  
 اعلیٰ کتابیں نہایت ارزاں قیمت پر آپ کو تول کشور  
 پریس سے ہر وقت مل سکتی ہیں اس دیواں کے علاقہ  
 اور اساتذہ قدیم کے دواوین بھی نہایت عمدہ طبع کرائے  
 گئے ہیں جن کی قیمت طلب کرنے پر ہر شائق کو بلا قیمت  
 روانہ ہوتی ہے

نیچر ٹول کشور پریس صیغہ نگار لکھنؤ



مہتمم  
نہم کم

۱۹۱۵

DUE DATE

1915-16

1915-16

1915-16

1915-16

1915-16

| Date     | No.  | Date | No. |
|----------|------|------|-----|
| 22/11/22 | 1160 |      |     |